DUNIA

Delhi

دین دنیا

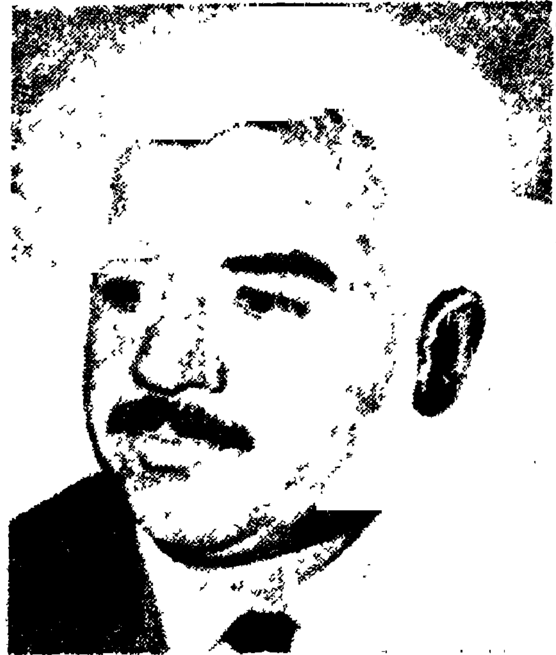
دہلی

وری ۱۹۷۹





عراق کے نائب صدر " صالح مہدی " عربوں اور کردوں کے یوم اتحاد کے موقعہ پر
بغداد میں تقریر کررہے ہیں



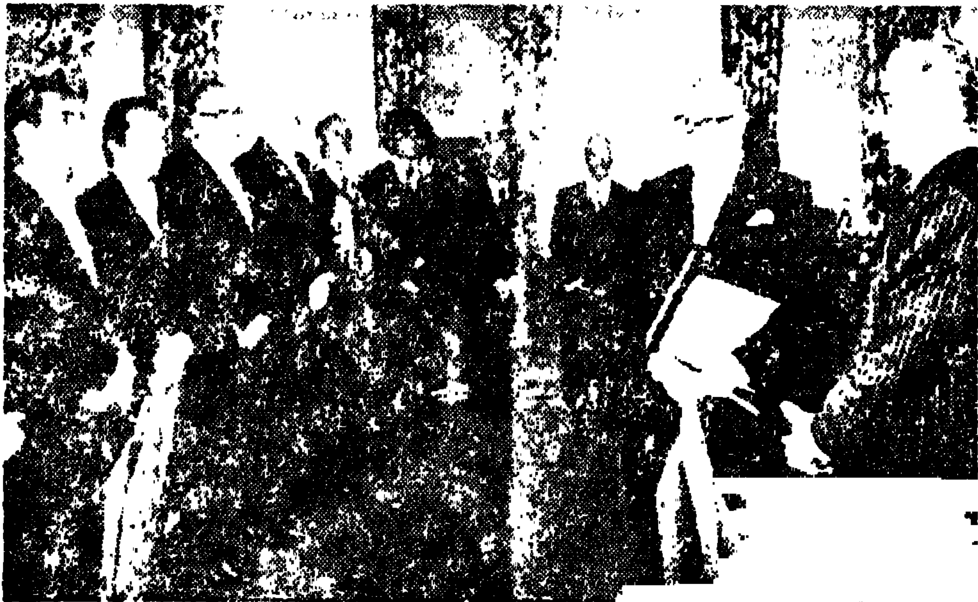
عراق کی بعث پارٹی کے چیرمین
" صدام حسین "



الجیریا کے صدر " بومدین "
آجکل کینسر کے خطرناک مرض [illegible]



"صدر انور سادات" کیمپ ڈیوڈ میں وزیر اعظم اسرائیل "بیگن" سے مصروف گفتگو ہیں



شاہ ایران "رضاشاہ پہلوی" (بائیں جانب) ایران کی بغاوت کو دبانے کے سلسلہ میں
حکومت کے سربراہوں سے تبادلہ خیال کر رہے ہیں



وزیر اعظم ''مرارجی ڈیسائی'' نئی دہلی میں غیر ملکی مدبرین کے ہمراہ



کانگریس کے صدر ''سردار سورن سنگھ''
اندرا کانگریس کے ساتھ انضمام کے حق میں



اندرا گاندھی نہایت سکون کے سا
اپنے خلاف حکومت کا فیصلہ سن رہ



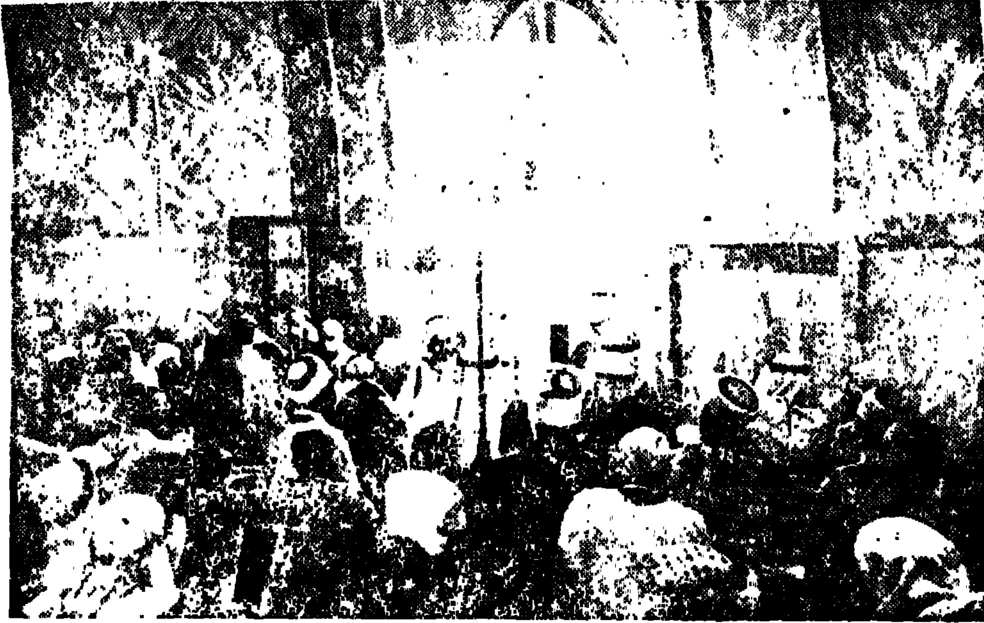
ہندوستان کے وزیر خارجہ " اٹل بہاری " اور پاکستان کے وزیر خارجہ " آغا شاہی "
کے درمیان آجکل کشمیر کے مسئلہ پر بیان بازی کا نیا سلسلہ شروع ہوگیا ہے



اسماعیلی فرقہ کے دینی رہنما
" سر کریم آغا خان "



داودی بوہروں کے دینی پیشوا
" سیدنا برہان الدین "



Accمسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں جمعہ کی نماز



"آچاریہ ونوبا" نے گائے کشی کے مسئلہ پر
مرن برت کی دھمکی دی ہے

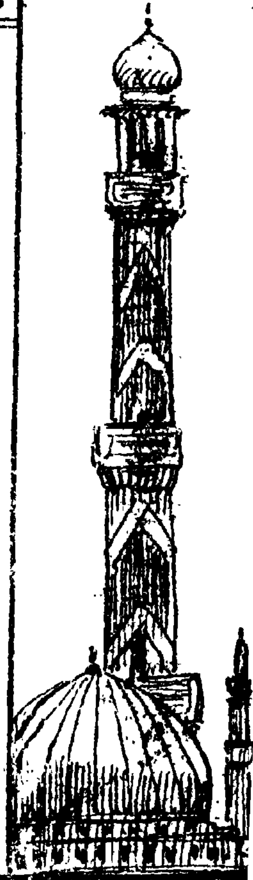
تاسیس ۱۹۲۱ — (اشاعت کا اکسٹھواں سال) — ٹیلیفون نمبر ۲۶۳۳۵۰

ہندوستان کا سب سے قدیم اور کثیر الاشاعت تاریخی اور اصلاحی جریدہ

ماہنامہ دین دنیا دہلی

(ایڈیٹر شوکت علی فہمی)

جلد ۵۹ — جنوری ۱۹۷۹ء — نمبر ۱

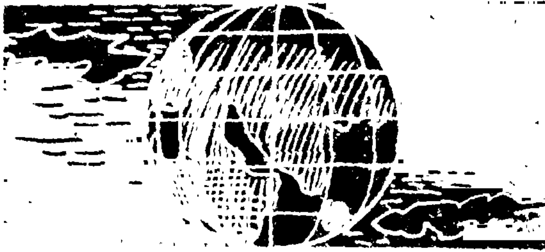


قیمت سالانہ
پندرہ روپے
ششماہی
آٹھ روپے

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ دین دنیا
دین دنیا ہاؤس ۔ جامع مسجد دہلی ۶
وی پی منگانے میں تین روپے زائد کا خرچ ہے اسلئے منی آرڈر

قیمت فی پرچہ
ایک روپیہ پچاس پیسے
پاکستان بنگلہ دیش اور برما سے ۔ ۷۰ روپے سالانہ
غیر ممالک سے .... دو پونڈ سالانہ

(مفتی شوکت علی فہمی (ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر) نے اپنے خواجہ پریس، دہلی سے چھپوا کر دفتر دین دنیا ۔ جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔



رفتارِ زمانہ

(از شوکت علی فہمی)

دوسرے پاکستان کا اندیشہ

اقلیتی کمیشن کے توڑ دینے کا مطالبہ

ہمارے ملک کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ یہاں ایک ایسا تنگ نظر اور رجعت پسند طبقہ بھی موجود ہے جو اپنے آپ کو اس ملک کا واحد مالک اور ٹھیکیدار سمجھتا ہے۔ اور یہ چاہتا ہے کہ اس ملک میں کروڑوں کی تعداد میں جو اقلیتیں آباد ہیں یا تو ان کا گلا گھونٹ دیا جائے یا ان سب کا راشٹریہ کرن کر لیا جائے۔

سب ہی کو معلوم ہے کہ جب سے جنتا پارٹی نے اقلیتی کمیشن کے قیام کا اعلان کیا ہے یہ رجعت پسند طبقہ بری طرح برہم ہے کبھی تو یہ کہا جاتا ہے کہ اقلیتی کمیشن کا قیام اس ملک کے اکثریتی طبقہ کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اور کبھی یہ کہہ کر اکثریتی طبقہ کو بھڑکایا جاتا ہے کہ اگر اقلیتی کمیشن قائم رہا تو اس ملک میں دوسرا پاکستان بن جائے گا۔ چنانچہ حال ہی میں اکھل بھارتیہ ہندو مہا سبھا کے ایک وفد نے صدر جمہوریہ سنجیوا ریڈی سے ملاقات کر کے انہیں ایک میمورنڈم دیا ہے جس میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ "اقلیتی کمیشن کو فوراً توڑ دیا جائے"۔ اس میمورنڈم میں صدر جمہوریہ سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ صوبائی سرکاروں سے کہیں کہ وہ مذہب اور ذات کی بنا پر ملازمتیں نہ دیں۔ ہندو مہا سبھا کے علاوہ آریہ سماجی بھی سمجھتے ہیں کہ یہاں تک اندیشہ ہے کہ اگر یہ اقلیتی کمیشن قائم رہا تو اس ملک میں دوسرا پاکستان بن جائے گا چنانچہ پچھلے دنوں سبھا کے لیڈروں نے دہلی میں تقریریں کرتے ہوئے کہا تھا کہ

"جنتا پارٹی نے اقلیتی کمیشن قائم کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اقلیتی کمیشن بھارت میں ایک دوسرا پاکستان بنائے گا جنتا پارٹی کے لیڈروں نے سب سے بڑا پاپ یہ کیا ہے کہ اقلیتی کمیشن کو علی گڑھ کے دنگوں کی تحقیقات کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ آزادی کے بعد ہماری قوم کو تین بیماریاں لگ گئی ہیں ایک سیکولرزم دوسرے اقلیتیں۔ اور تیسرے ریزرویشن لہٰذا یہ سبھا بھارت سرکار سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ کمیشن کو فوراً توڑ دے"۔

ہندوستان کی آبادی تقریباً ۶۵ کروڑ ہے اور اس ۶۵ کروڑ آبادی میں اقلیتوں کی تعداد نصف کے قریب ہے۔ لیکن ان رجعت پسندوں کے نزدیک یہ آدھی آبادی ایک مستقل روگ کی حیثیت رکھتی ہے حالانکہ اگر یہ نصف آبادی متحد ہو جائے تو یہاں کی سیاست ہی ایک نہج سے بدل جائے اور کوئی حکومت بھی اس ملک میں اس نصف آبادی کے منشا اور امداد کے بغیر مستحکم نہ ہو سکے۔

جس "اقلیتی کمیشن" کے نام سے یہ رجعت پسند طبقہ چراغ پا ہے ہمارے نزدیک تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اسے ابتک نہ خود مختاری حاصل ہو سکی ہے۔ اور نہ حسب وعدہ قانونی حیثیت دی

ان رجعت پسندوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ ابھی تک اس اقلیتی کمیشن سے مطمئن نہیں ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اقلیتی کمیشن کے موجودہ چیرمین جسٹس انصاری نے اپنے محدود دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے اقلیتوں کے لئے کچھ کام کرنے کی تھوڑی بہت کوشش کی ہے کمیشن علیگڑھ اور دوسرے فساد زدہ علاقوں میں گیا ہے۔ اس نے ملازمتوں کے سلسلہ میں کچھ اعداد و شمار بھی جمع کئے ہیں۔ نیز اقلیتوں کی دوسری مشکلات معلوم کرنے کے لئے بھی کوشاں ہے۔ لیکن چونکہ یہ کمیشن ابھی تک بے دست و پا ہے اور اس کے ہاتھ میں اختیارات نہیں ہیں اس لئے وہ اقلیتوں کے لئے کوئی قابل ذکر کام نہیں کر سکا ہے لیکن اس پر بھی ہمارے ملک کے رجعت پسند گھبرائے ہوئے ہیں اور مطالبہ کر رہے ہیں کہ اقلیتی کمیشن کو توڑ دیا جائے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جنتا حکومت پر راشٹریہ سنگھیوں۔ جن سنگھیوں اور رجعت پسندوں کا بے حد اثر ہے اس لئے جنتا پارٹی رجعت پسندوں کے اس مطالبہ سے متاثر ہو کر اگر اقلیتی کمیشن کو توڑ دینا چاہتی ہے تو ضرور توڑ دے۔ لیکن اس بات کو بھی سوچ لے کہ اس کا اقلیتوں پر کیا اثر پڑے گا۔ جنتا پارٹی پر پہلے ہی یہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ اس نے عوام کو دھوکہ دیا ہے اور عوام سے جنتا پارٹی نے جو وعدے کئے تھے وہ آج تک پورا نہیں کر سکی ہے اور خصوصیت کے ساتھ اقلیتوں کے ساتھ تو وہ شروع ہی سے ناانصافی کرتی رہی ہے۔ ایسی حالت میں اگر اقلیتی کمیشن کو توڑ دیا جاتا ہے تو اس سے اقلیتوں ہی کو نہیں بلکہ جنتا پارٹی کو بھی نقصان پہنچے گا

اقلیتی کمیشن قائم ضرور ہو گیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک وہ قطعی بے اثر اور بے دست و پا ہے۔ اسے اس وقت تک نہ اختیارات حاصل ہیں۔ اور نہ اس کی کوئی آئینی پوزیشن ہے۔ اقلیتی کمیشن کے سابق چیرمین مسٹر مسانی اسی بے حسی کی بنا پر استعفی دے چکے ہیں اور دوسرے چیرمین جسٹس انصاری بھی کچھ زیادہ مطمئن نہیں ہیں۔ کیونکہ اس وقت تک اس کمیشن کی حیثیت ایک مشاورتی ادارہ سے زیادہ نہیں ہے ایسی حالت میں اگر رجعت پسندوں کے مطالبہ پر یہ کمیشن توڑ دیا جاتا ہے تو اس ملک کی دوسری اقلیتوں کی بات تو ہم کچھ کہہ نہیں سکتے لیکن مسلمانوں کو ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہوگا۔

ہماری شروع ہی سے یہ رائے ہے کہ اس ملک کی اقلیتوں کے مسائل نہ تو سرکاری "اقلیتی کمیشنوں" کے ذریعہ سے حل ہو سکیں گے اور نہ سرکار کے قائم کردہ "اقلیتی بورڈ" ہی اقلیتوں کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ اقلیتوں کے مسائل کے حل کا واحد راستہ یہ ہے کہ اس ملک کی سب ہی اقلیتیں کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں اور اپنی غیر معمولی عددی طاقت کے ذریعہ اس ملک کی حکومت کو ان جائز حقوق کے دینے پر مجبور کر دیں جو آئین اور دستور کی رو سے اس ملک کی اقلیتوں کو حاصل ہیں چنانچہ ہم اپنا اہم مسئلہ یہ گذشتہ تیس سال سے بار بار اس ملک کی اقلیتوں کو توجہ دلا رہے ہیں۔

ملک کی آزادی کی اکتیس سال گزر چکے ہیں اس طویل مدت میں نہ تو کانگریس ہی اقلیتوں کے مسائل حل کر سکی ہے اور نہ جنتا پارٹی ہی کچھ کر سکی ہے۔ بس جنتا پارٹی نے اس ملک کی اقلیتوں کو تسلی دینے کے لئے "اقلیتی کمیشن" کا ایک کھلونا دے دیا ہے۔ مگر اس ملک کے رجعت پسند اس کھلونے کو بھی توڑ دینا چاہتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جنتا پارٹی کیا اس پوزیشن میں ہے کہ وہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے لئے کچھ کر سکے گی بھلا ایک ایسی کمزور جماعت جو خود ہی خانہ جنگی میں مبتلا ہو۔ اور جس میں کہ ٹوٹنے کی حد تک انتشار پیدا ہو چکا ہو اس سے یہ امید رکھنا کہ وہ اقلیتوں کے لئے کوئی تعمیری قدم اٹھا سکے گی ایک امید موہوم نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

اس ملک کی اقلیتوں کو کمیشنوں کی نہیں بلکہ کامل اتحاد کی ضرورت ہے۔ ہماری ایمانداری کے ساتھ یہ رائے ہے کہ اقلیتوں کا کوئی بھی مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس ملک کی تمام اقلیتیں متحد ہو کر پوری طاقت سے اپنے مطالبات کے لئے جدوجہد نہیں کریں گی۔ دوسری اقلیتیں جماعتوں سے قطع نظر اس ملک میں خود مسلمانوں کی متعدد سیاسی اور غیر سیاسی جماعتیں موجود ہیں۔ ان مسلم جماعتوں کا اولین فرض یہ تھا کہ وہ پہلے تو ہندوستان کے دس بارہ کروڑ مسلمانوں کو متحد کرتیں اور پھر اس کے بعد دیگر اقلیتوں کو بھی ساتھ شامل کرنے کی کوشش کرتیں۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ مسلم جماعتیں آج تک اس اہم ضرورت کی جانب سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ دوسری اقلیتوں کو چھوڑئیے اگر مسلم جماعتیں صرف مسلمانوں ہی کو منظم کر لیں تو اس ملک کی سیاسیات میں انقلاب پیدا کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے ملک کے مسلم زعما اس بات سے ناواقف نہیں کہ اس ملک میں صرف مسلمانوں کی تعداد یورپ کے کسی بڑے سے بڑے ملک کی آبادی سے بھی زیادہ ہے۔ مسلمانوں کی آبادی دس اور بارہ کروڑ کے درمیان ہے۔ یہ اتنی بڑی آبادی ہے کہ اگر متحد ہو جائے تو سب کچھ کر سکتی ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے مسلم زعما آج تک مسلمانوں کی عددی طاقت سے کوئی کام نہ لے سکے۔ اسی لئے پورا مسلم فرقہ انتشار کی حالت میں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو بھی سیاسی پارٹی جس طرح چاہتی ہے انہیں آلہ کار بنا لیتی ہے۔ اور اُن کے ووٹوں سے اقتدار حاصل کر لیتی ہے۔ کیا اس ملک کے مسلم زعما کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے اِس بات پر غور کریں کے یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے اور اُن کے انتشار سے دوسرے کس طرح ناجائز فوائد حاصل کر رہے ہیں۔

مسلمانوں اور اِس ملک کی دوسری اقلیتوں کو یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ اِس ملک میں اقلیتوں کی عددی طاقت دنیا کے تمام ممالک سے زیادہ ہے۔ اس ملک میں دس بارہ کروڑ مسلمان ہیں، سولہ سترہ کروڑ کے قریب ہریجن اور پس ماندہ اقوام ہیں بودھوں کی تعداد ابھی ایک کروڑ تک پہنچ گئی ہے۔ اِس کے علاوہ عیسائیوں، سکھوں اور دوسری اقلیتوں کی تعداد بھی کئی کروڑ ہے۔ ذرا غور فرمایئے کہ اگر یہ تمام اقلیتیں متحد ہو جائیں تو وہ نہ صرف اقلیتوں کے لئے بلکہ ملک و وطن کے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتیں پھر نہ کسی اقلیتی کمیشن کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ کسی دوسرے سرکاری ادارہ کی امداد کی بلکہ اپنی عددی طاقت کی بنا پر اقلیتیں اپنی مرضی کی جس قسم کی چاہے حکومت بنا سکتی ہیں۔ اور ایسی حالت میں جبکہ موجودہ برسر اقتدار جنتا پارٹی انتہائی انتشار میں مبتلا ہونے کے بعد ٹوٹنے کے قریب پہنچ گئی ہو تو ملک کو اقلیتوں کے اتحاد کی اور بھی ضرورت ہے تاکہ آئندہ اس ملک میں جو حکومت بننے والی ہے۔ اسے اقلیتیں اپنی عددی طاقت کے بل پر ایسی شکل دے سکیں کہ وہ نہ صرف اقلیتوں کے لئے بلکہ پورے ملک کے لئے مفید ثابت ہو سکے۔

وہ رجعت پسند جو آج اقلیتی کمیشن کو توڑنے کے درپے ہیں۔ انکی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس وقت تک اقلیتیں متحد نہیں ہو سکی ہیں جس روز یہ متحد ہو گئیں تو انکے سارے کس بل نکل جائینگے۔ اور رجعت پسندوں کا تو شاید اس ملک میں نام و نشان باقی نہیں رہیگا۔

اندرا گاندھی اقتدار کی کرسی کے قریب

مسز اندرا گاندھی کی گرفتاری اور رہائی کے بعد اس ملک کے حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں اُس کے بارے میں کچھ کہنا تو قبل از وقت ہوگا لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس تیزی کے ساتھ اندرا گاندھی کا زوال ہوا تھا اُسی تیزی کے ساتھ ان کی پیش رفت بھی شروع ہو گئی ہے۔ اور جس تیزی کے ساتھ جنتا پارٹی ابھری تھی اسی تیزی کے ساتھ وہ پستی کی طرف جا رہی ہے۔

دین دنیا کی گذشتہ اشاعت میں ہم نے لکھا تھا کہ "مسز اندرا گاندھی نے شائد عوام کو اتنی جلد ہمدردی پیدا نہ ہوتی اگر جنتا لیڈروں نے اُن کے ساتھ شروع ہی سے انتقامی اور معاندانہ روش نہ اختیار کی ہوتی۔ عوام مسز اندرا گاندھی اور اُن کے ساتھی وزرا کو مسترد کر کے اور وزارتی کرسیوں سے ہٹا کر کافی سزا دے چکے تھے۔ انھوں نے اِس بات کو سخت ناپسند کیا کہ جب عوامی عدالت اُنہیں سخت سے سخت سزا دے چکی ہے تو جنتا پارٹی محض ذاتی انتقام کی خاطر مزید انتقامی قدم کیوں اٹھا رہی ہے اور اپنی وہ توانائی جو عوام کی فلاح و بہبود پر صرف ہونی چاہیئے تمام تر ذاتی انتقام پر کیوں ضائع کر رہی ہے نیز مخالفانہ پروپگنڈے کی خاطر بے نتیجہ کمیشنوں پر عوام کا کروڑوں روپیہ کیوں برباد کر رہی ہے"

لیکن جنتا پارٹی محض ذاتی عناد کی بنا پر یہی کرتی رہی چنانچہ اندرا گاندھی کو اِس سے قبل ایک نہایت ہی کمزور مقدمہ میں گرفتار کیا گیا جس سے کہ وہ دوسرے ہی دن صاف بری ہو گئیں اور بری ہونے کے بعد عوام کی ہمدردیاں اُن کے ساتھ بے حد بڑھ گئیں یہاں تک کہ وہ دوبارہ پارلیمنٹ میں بھی پہنچ گئیں اور اب جبکہ مراعات شکنی کا معاملہ آیا تو اُنہیں سخت سے سخت سزا دینے سے بھی گریز نہیں کیا گیا حالانکہ تدبر اور دانشمندی کا تقاضہ یہ تھا کہ اپوزیشن پارٹیوں کے زعما اور خود جنتا پارٹی کے ہوشمند لیڈروں کے مشورہ کے مطابق اُنہیں ایسی نرم سزا دی جاتی جس سے کہ انتقام کی بو نہ آتی۔

مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ راشٹریہ سنگھی اور جن سنگھی گروپ کے انتہا پسند لیڈروں کے دباؤ میں آ کر اندرا گاندھی کو سخت سے سخت سزا دے دی گئی اور انہیں جیل بھیجنے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ انہیں

پارلیمنٹ کی ممبری سے بھی برطرف کر دیا گیا۔ یعنی انتقام کے جوش میں ہمارے چک منگلور کے اُن لاکھوں رائے دہندگان کو بھی سزا دیدی گئی جنھوں نے کہ انہیں پارلیمنٹ میں بھیجا تھا۔ یعنی ان کو نمائندگی سے محروم کر دیا گیا۔ حالانکہ کمیونسٹ پارٹی اور دوسری سبھی اپوزیشن پارٹیاں اس بات کی شدید مخالف تھیں کہ اندراجی کے ساتھ چک منگلور کے لاکھوں رائے دہندگان کو بھی سزا دی جائے۔

اپوزیشن لیڈروں کا تو ذکر ہی کیا ہے خود جنتا پارٹی کے صدر شری چندر شیکھر اور چند دوسرے جنتا لیڈر اس سخت سزا کے مخالف تھے یہانتک جنتا پارٹی کے سینئر ممبر ڈی این تیواڑی نے تھوڈ ٹنگ سے پہلے واک آوٹ تک کر دیا تھا۔ شری چندر شیکھر اور بعض دوسرے ہوش مند جنتا پارٹی کے لیڈروں کی یہ عام رائے تھی کہ اگر اندراجی کو سخت سزا دی گئی تو جنتا پارٹی کی ساکھ بگڑ جائے گی اور یہ سمجھا جائے گا کہ یہ جو کچھ کیا گیا ہے۔ وہ انتقام کی غرض سے کیا گیا ہے لیکن وزیر اعظم مرارجی انتہا پسند جنتا لیڈروں کے دباؤ پر ایک ایسا قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئے جس سے کہ جنتا پارٹی کو واقعی شدید نقصان پہنچ گیا ہے اور مسز اندرا گاندھی اور انکی پارٹی کو بے اندازہ فائدہ پہنچا ہے شائد جو ہمدردیاں اندرا گاندھی کو سالہا سال میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھیں وہ جنتا پارٹی کے انتہا پسند لیڈروں کی حماقت اور انتقام پسندی سے چندروز ہی میں حاصل ہو گئیں۔

مسز اندرا گاندھی کے ساتھ عوام کی ہمدردیاں کس قدر بڑھ گئی ہیں اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُن کی گرفتاری سے پورے ملک میں ایک ہیجان سا برپا ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ میں تشدد کے جو واقعات ہوئے ہیں وہ بلاشبہ افسوس ناک اور قابل مذمت ہیں خواہ اُنہیں غیر معمولی جوش کا نتیجہ ہی کیوں نہ قرار دیا جائے لیکن پھر بھی اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ملک کے مختلف حصوں میں مسز اندرا گاندھی کی سزا کے خلاف جو مظاہرے ہوتے رہے ہیں۔ وہ اس بات کی نشان دہی کر رہے ہیں کہ اُن کی مقبولیت میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ اب تک جو اطلاعات موصول ہو رہی ہیں اُن کے مطابق اندرا گاندھی کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے تقریباً سوا لاکھ ستیہ گرہی گرفتاریاں دے چکے ہیں۔ اور یہ تحریک پورے ملک میں پھیل چکی ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ یہ مظاہرے ملک کے کسی خاص حصہ تک محدود نہیں ہیں بلکہ پورے ہندوستان میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک ہو رہے ہیں۔ اور شائد ابھی جاری رہیں گے۔ ان مظاہروں سے جنتا پارٹی کے انتہا پسند لیڈروں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ اور انہیں سوچنا چاہیئے کہ خود اپنی حماقت سے اُنھوں نے اپنے لئے اور اپنی پارٹی کے لئے کتنی بڑی مصیبت کھڑی کر لی ہے۔

مرارجی ڈیسائی بار بار یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اندرا گاندھی کے خلاف یہ کارروائی کسی انتقامی جذبہ کے تحت نہیں کی گئی ہے بلکہ قانون سے بالاتر کوئی بھی نہیں ہے۔ لیکن لوگوں کو اس بات کا یقین کرتے ہوئے اس لئے دشواری پیدا ہو رہی ہے کیوں کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ جنتا پارٹی کے درجنوں لیڈروں پر توڑ پھوڑ اور دیگر ملک دشمن کارروائیوں کے الزامات کے تحت مقدمات قائم تھے جنھیں جنتا پارٹی کے اقتدار میں آتے ہی سرکار نے بغیر کسی معقول وجہ کے اٹھا لیا۔ انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ مقدمات چلائے جاتے اور جنتا پارٹی کے لیڈر اپنی بے گناہی عدالت میں ثابت کر سکتے۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور اس سے یہ ثابت ہے کہ جنتا پارٹی کے ہاں اپنوں اور غیروں کے لئے انصاف کے پیمانے بھی الگ الگ ہیں۔ جو بات دوسروں کے لئے جرم ہے وہ اپنوں کے لئے کوئی جرم نہیں مختصر یہ کہ اندرا گاندھی کی گرفتاری نے جنتا پارٹی کو بری طرح خلجان میں مبتلا کر دیا ہے۔

جنتا پارٹی کے انتہا پسند لیڈروں نے اپنی انتقام پسندی کے جذبہ سے متاثر ہو کر اپنے لئے نئی نئی مشکلات کھڑی کر لی ہیں۔ اب چک منگلور کا نیا معرکہ ان کے سامنے درپیش ہے۔ اندرا گاندھی نے چک منگلور سے دوبارہ انتخاب لڑنے کا اعلان کر دیا ہے۔ اور اُن کا دوبارہ منتخب ہو جانا یقینی ہے۔ جس کے بعد جنتا پارٹی کی ساکھ بالکل ہی ختم ہو جائے گی۔

جنتا لیڈروں کی بیس ماہ کی کارکردگی کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ اس طویل مدت میں انھوں نے انتقامی کارروائیوں کے سوا عوام کے لئے کچھ بھی نہیں کیا اور ان کی کوتاہیوں کا پورا فائدہ اندرا گاندھی کو پہنچ رہا ہے۔ اور اگر ان کی بے عملیاں اس طرح جاری رہیں تو وہ بہت جلد اندرا گاندھی کو اقتدار کی کرسی پر بٹھا دینگے

"مسلم یونیورسٹی کا راشٹریہ کرن"

علیگڑھ میں ہندوستان کا بدترین اور رسواکن فساد کس نے کرایا اور اس نہ ختم ہونے والے فساد کا اصل منشا اور مقصد کیا تھا اُس کا بھانڈا خود ہی فساد کرانے والوں نے اپنی بے عقلی سے پھوڑ دیا ہے۔ اور مسلمانوں کو بتا دیا ہے کہ وہی لوگ جو اِس سے قبل "مسلمانوں کے راشٹریہ کرن" کا نعرہ لگاتے رہے ہیں اور جو اس ملک میں "اسلام کے راشٹریہ کرن" کا بھی مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ اُنھوں ہی نے "مسلم یونیورسٹی کے راشٹریہ کرن" کے ایک خیالی منصوبے کے تحت علی گڑھ میں خون کی ندیاں بہائی ہیں۔

سب ہی کو معلوم ہے کہ دہلی سے راشٹریہ سنگھ کا ترجمان ایک اخبار پرتاپ شائع ہوتا ہے جو صرف راشٹریہ سنگھ ہی کا کٹر حامی نہیں ہے۔ بلکہ شری بلراج مدھوک کا بھی ہمنوا ہے اور یہ کئی سال قبل بلراج مدھوک کی ترجمانی کرتے ہوئے مسلمانوں کے راشٹریہ کرن کا بھی نعرہ بلند کرتا رہا ہے۔ اور اب اسی اخبار نے مسلم یونیورسٹی کے راشٹریہ کرن کا بھی نعرہ لگانا شروع کر دیا ہے۔ جس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ علیگڑھ میں خونریزی کے محرک وہی عناصر ہیں جو مسلمانوں کے راشٹرکرن کا نعرہ بلند کرتے رہے ہیں چنانچہ یہ اخبار اپنی ۲۷ نومبر کی اشاعت میں "علیگڑھ یونیورسٹی کا راشٹریہ کرن" کے عنوان سے لکھتا ہے۔

"جن لوگوں نے ملک کی تقسیم کی تباہ کاریوں سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا ہے وہ آج بھی جو حالت ہو رہی ہے وہ اُس سے کچھ سیکھنے والے نہیں ـــ مسلم فرقہ ـــ کو صرف وہی سمجھ سکتے ہیں جنھیں اُن کے ہاتھ لگے ہیں۔ دوسرے اِس فرقہ کو آسانی سے نہیں سمجھ سکتے۔ اور یہی کارن ہے کہ (جنتا) لیڈروں کو آج بھی یہ نہیں سمجھ میں آرہا ہے کہ علیگڑھ کی مسلم یونیورسٹی سارے دیش میں فرقہ وارانہ زہر پھیلانے میں کیا پارٹ ادا کرتی رہی ہے اور وہاں کیا ہو رہا ہے اور اس یونیورسٹی کے مسلم ودیارتھی کیا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ جب تک اس کو نہ سمجھا جائے گا تب تک اِس دیش سے فرقہ پرستی کی لعنت ختم نہیں ہو سکتی۔ آج اس پر بڑا زور دیا جا رہا ہے کہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار بحال کیا جائے۔ کس لئے یہ مانگ کی جا رہی ہے کیا بہتر تعلیم دینے کے لئے میرا ایسا خیال نہیں ہے۔ (اقلیتی کردار کے مخالفین میں سے) کسی نے یہ نہیں کہا کہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کو پیسے نہ دیے جائیں جو مانگ کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ اِس یونیورسٹی سے جو زہر پھیل رہا ہے اُسے روکا جائے اور اسی لئے اس یونیورسٹی کے راشٹریہ کرن کی مانگ ہو رہی ہے۔ آج علیگڑھ میں جو دشاہنی ہے اُس کی بنیاد میں یہ یونیورسٹی ہے"

گویا علی گڑھ ہی میں نہیں بلکہ پورے ملک میں فرقہ پرستی کی جو آگ بھڑکی ہوئی ہے۔ وہ نہ راشٹریہ سنگھ نے بھڑکائی ہے اور نہ مدھوک جیسے سرپھرے فرقہ پرستوں نے بلکہ اس کا گڑھ مسلم یونیورسٹی ہے۔ اِس لئے اِس کا ختم کر دینا نہایت ضروری ہے اور اس کے ختم کرنے ہی کے لئے علیگڑھ میں آگ اور خون کے دریا بہائے گئے ہیں۔ ہمکو راشٹریہ سنگھ کے سربراہ بالاجی دیورس سے ہمدردی ہے۔ کہ خود ہی اُن کے ترجمان اخبار پرتاپ کے ایڈیٹر نے "مسلم یونیورسٹی کے راشٹریہ کرن" کا نعرہ لگا کر ساری پول کھول دی ہے۔ اور اب سب ہی پر یہ حقیقت روشن ہو گئی ہے کہ جس راشٹریہ سنگھ نے اب سے دس سال قبل شری بلراج مدھوک سے مسلمانانِ ہند کے راشٹریہ کرن کا نعرہ لگوایا تھا۔ وہی راشٹریہ سنگھ آج اُن ہی مدھوک اور اُن ہی ایڈیٹر پرتاپ کے ذریعہ مسلم یونیورسٹی کے راشٹریہ کرن کا نعرہ بھی لگوا رہا ہے۔ اور اسی راشٹریہ سنگھ کے ہاتھ مظلومینِ علیگڑھ نے خون میں تڑپیں۔

کون نہیں جانتا کہ راشٹریہ سنگھ کے پٹھو ہی مدھوک سالہا سال تک مسلمانانِ ہند کے راشٹریہ کرن کا نعرہ لگاتے رہے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے خود ہندو اکثریت اسے دیوانہ کی بڑ سمجھتی رہی۔ مسلمانوں سے زیادہ خود ہندو حلقوں سے اس پاگل پن کے خلاف آواز بلند کی گئی۔ اور یہی حشر "مسلم یونیورسٹی کے راشٹریہ کرن" کے نعرہ کا ہو کر رہیگا۔ کیونکہ جو کچھ علی گڑھ میں ہوا ہے اُس کی مذمت مسلمانوں سے زیادہ ہندو حلقہ کی جانب سے کی جا رہی ہیں بلکہ بیشتر ہندو زعماء نے راشٹریہ سنگھ ہی کو علی گڑھ کے خونیں ہنگامہ کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ بہرحال ہمیں ایڈیٹر پرتاپ کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ اُس نے اپنے ایک مقالہ کے ذریعے راشٹریہ سنگھیوں اور اس ملک کے مٹھی بھر رجعت پسندوں کی ساری پول کھول دی ہے اور ساری دنیا کو معلوم ہو گیا کہ اصل مجرم کون ہے

استعفے کی دھمکیاں دینے والے وزرا

اب پھر جنتا وزیروں نے استعفوں کی دھمکیاں دینی شروع کر دی ہیں ۔ تقریباً ڈیڑھ سال سے ہم اس قسم کی دھمکیاں سن رہے ہیں ۔ لیکن مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ ان گدیوں کے بھوکے وزرا کو چودھری چرن سنگھ اور راج نرائن کی طرح نکالا تو جا سکتا ہے مگر یہ خود کسی قیمت پر بھی گدیاں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں ہم صدر جمہوریہ ہند شری نیلم سنجیوا ریڈی کی اس رائے سے بالکل متفق ہیں کہ وزارت کے عہدہ سے استعفیٰ دینے کے لئے حوصلہ چاہئے ۔ اور یہ حوصلہ جنتا لیڈروں میں ہے نہیں ۔ صدر جمہوریہ ہند نے نئی دہلی میں ۱۰ دسمبر کو شری راجگوپال اچاریہ کی جنم شتابدی پر تقریر کرتے ہوئے استعفے کی دھمکیاں دینے والے ان جنتا وزرا کو بری طرح لتاڑا ہے اور انہیں مشورہ دیا ہے کہ وہ راجہ جی کی زندگی سے سبق حاصل کریں انھوں نے اپنی تقریر میں کہا ہے

” میں کھری بات کہنے کا عادی ہوں اور آج کھری باتیں کہہ کر اپنی پریشانیوں کو دعوت دے رہا ہوں ۔ مگر مجھے کیا پریشانی ہو سکتی ہے کیوں کہ میں ایک معمولی کسان ہوں ۔ ہو سکتا ہے کہ دوسرے لوگ کسان ہونے کے ساتھ لیڈر بھی ہوں لیکن میں تو صرف کسان ہی ہوں اس لئے مجھے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچ سکتا ۔ اگر ہم راجہ جی کی زندگی کے کسی ایک پہلو کو بھی اپنا شعار نہ بنا سکیں تو انہیں خراجِ عقیدت پیش کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ۔ راجہ جی دو سال سے زیادہ کسی عہدہ پر نہیں رہے اور عہدہ قبول کرنے یا چھوڑنے کے بعد وہ کبھی اپنے کسی اصول سے نہیں ہٹے ۔ آج کل کے سیاست دانوں کی طرح انھوں نے کبھی استعفے کی دھمکیاں نہیں دیں بلکہ چپکے سے استعفیٰ دیا اور اپنے گھر چلے گئے ۔ آج کل کے سیاست دانوں کے استعفوں کے بارے میں بہت کچھ سن رہا ہوں مگر ان میں سے کوئی بھی استعفیٰ دینے والا نہیں استعفیٰ دینے کے لئے ہمت چاہیئے اور ان میں سے کسی میں بھی یہ ہمت ہے نہیں کہ وہ سرکار کو چھوڑ سکے ۔ راجہ جی نے اپنے بیٹے بیٹیوں کو ہمیشہ سیاست سے دور رکھا ۔ یہی وجہ ہے کہ اُن میں سے کوئی بھی آج مشہور نہیں ۔ اُن کی زندگی ہم سب کے لئے مثال ہے آیئے آج ہم سب عہد کریں کہ راجہ جی کی تقلید کرتے ہوئے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو سیاست سے الگ رکھیں گے ۔ ہم سب اپنے بچوں سے پیار کرتے ہیں لیکن انہیں عوام کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیئے “

صدر جمہوریہ ہند نے اپنی اس تقریر میں جنتا لیڈروں کو جس بری طرح لتاڑا ہے اور اُن کی کمزوریوں کی جانب نشاندہی کی ہے ہمکو امید ہے کہ اُس کا بہت کم اثر ہوگا ۔ ہمارے ملک کی حالت عجیب ہے کہ ہمارے ملک کے لیڈر اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ یا تو وہ آپس میں ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھالتے رہیں یا اپنے مستعفی ہونے کی دھمکیاں دیتے رہیں ۔ چنانچہ حال ہی میں ممتاز صحافی مسٹر کلدیپ نیر کے حوالے سے معلوم ہوا ہے کہ شری ایڈوانی وزیر اطلاعات ۔ جارج فرنانڈیز ۔ اٹل بہاری باجپائی، شری موہن دھاریہ اور دوسرے چند مرکزی وزرا اپنے استعفے جیبوں میں ڈالے پھر رہے ہیں ۔ لیکن بقول صدر جمہوریہ ان میں سے کسی ایک میں بھی ہمت نہیں کہ وہ کرسی کو چھوڑ سکے ۔

قابل غور بات یہ ہے کہ ہماری مرکزی حکومت کے وہ وزرا جو کسی نہ کسی وجہ سے اپنی وزارتوں سے بددل ہیں ۔ کیا خاک عوام کی کوئی خدمت انجام دے سکتے ہیں ۔ اس لئے کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ وہ مستعفی ہونے کی دھمکیاں دینے کی بجائے وزارتوں سے باہر آجائیں اور عوام کے لئے بار نہ بنے رہیں ۔

” مسلمان اور عیسائی بھی ہندو “

یہ بات تو سب ہی کو معلوم ہے کہ ہندوستان ایک سکولر ملک ہے جس میں کہ ہندو ، مسلمان ، عیسائی ، سکھ ، بودھ ۔ اور مختلف مذاہب اور عقائد کے افراد آباد ہیں ۔ مگر مذہب اور عقائد کے اختلاف کے باوجود سب ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے ہیں یعنی سب ہندوستانی ہیں لیکن راشٹریہ سیوک سنگھ کے سربراہ بالاجی دیورس کی تازہ ترین دریافت یہ ہے کہ ہندوستان سکولر ملک نہیں ہے بلکہ خالص ہندو ملک ہے ۔ جس میں کہ جتنے بھی باشندے رہتے ہیں وہ سب ہی ہندو ہیں ۔ خواہ وہ عیسائی اور مسلمان ہی کیوں نہ سمجھے جاتے ہوں پچھلے دنوں ہے پور میں راشٹریہ سنگھ کا ایک کیمپ لگا تھا ۔ اس تین روزہ کیمپ کے اختتام پر بالاجی دیورس نے فرمایا تھا کہ ” راشٹریہ سنگھ کو مسلم دشمن تنظیم قرار دینا اُس پر ظلم ہے ہم تو یہ

سمجھتے تھا کہ ہندوستان کے مسلمان اور عیسائی بھی ہندو ہی ہیں۔ کیونکہ ہم سب کے پرکھا یا واجداد ایک ہی تھے اِن میں سے کچھ نے اپنا طریق عبادت بدل لیا ہے۔ مگر اس سے ان کے ہندو پن میں کوئی فرق نہیں آسکتا" یعنی وہ اب بھی ہندو ہی ہیں۔

بالاجی دیورس کے علاوہ آر۔ایس۔ایس کے ایک لیڈر شری مور اپنت پنگلے نے بھی بریلی کی ایک پریس کانفرنس میں کچھ ایسی ہی باتیں کہی ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ "ہمارے ملک میں مختلف عبادت کے طریقوں کے ہوتے ہوئے بھی ہندوستان میں رہنے والا سارا سماج ہندو سماج ہی ہے۔ اور اِس اعتبار سے یہاں کے سب ہی باشندے خواہ اُنہیں مسلمان یا عیسائی کیوں نہ کہا جائے ہندو ہی ہیں" راشٹریہ سنگھی لیڈروں کی یہ باتیں اگرچہ بےتکی سی نظر آتی ہیں۔ لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اُن کے بڑے گروجی کی تعلیمات کا ایک نہایت ہی اہم جزو ہیں۔ اُن کا نظریہ بھی یہی تھا کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ملک ہے اور یہاں کے سب ہی باشندے خواہ وہ کوئی بھی کیوں نہ ہوں ہندو ہی ہیں۔ چنانچہ بڑے گروجی شری گولوالکر اپنی کتاب "ہم اور ہماری نیشن ہڈ ڈیفائنڈ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"قبل از تاریخ کے زمانہ سے اِس ملک میں پراچین ہندو نسل آباد ہے۔ اِس کی سانجھی ماتری بھاشا ہے سانجھے رسم و رواج ہیں۔ یہ ہندو قوم ہندو دھرم کو مانتی ہے اِس لئے ہندوستان ہندوؤں کا دیش ہے۔ یہاں صرف ہندو قوم کو رہنا چاہئے جو لوگ کہ اِس قومی نسل (یعنی ہندو نسل) میں شامل نہیں۔ اُنہیں اِس ملک کے قومی جیون میں حصّہ لینے کا تب تک کوئی حق نہیں جب تک کہ وہ مکمل طور پر اپنے آپ کو ہندو قوم میں مدغم نہ کر دیں"

بڑے گروجی کے اِس ارشاد کے مطابق اُن کے جانشین شری بالاجی دیورس نے مسلمانوں، عیسائیوں، اور غیر ہندوؤں کو ہندو قوم میں مدغم کرنے کی یہ نئی ٹیکنک دریافت کی ہے کہ۔ اِس ملک کے کروڑوں مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندو ہی کہا جائے، اور ہندو ہی سمجھا جائے اور ہٹلر اور گوئبلز کے نظریہ کے مطابق یہ جھوٹ اِس کثرت سے بولا جائے کہ جھوٹ بھی سچ سمجھا جانے لگے۔

"مسلمانوں کے راشٹریہ کرن" کا نعرہ تو ناکام ہو چکا ہے۔ اب انھوں نے یہ ترکیب سوچی ہے کہ "راشٹریہ کرن" کئے بغیر ہی سب کو ہندو بنا لیا جائے۔ اور اِس طرح اس ملک میں افتراق انگیزی کا ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا جائے۔ مگر احمقوں کی جنت میں رہنے والے ان راشٹریہ سنگھی لیڈروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس ملک کا مسلمان مسلمان ہی رہیگا، اور عیسائی عیسائی ہی رہے گا اور اگر اُنہیں کھینچ تان کر زبردستی ہندو بنانے کی کوشش کی گئی تو اس سے ملک میں ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔ اور شائد یہی راشٹریہ سنگھیوں کا منشا بھی ہے۔ ہم حیران ہیں کہ اِس ملک میں ایک ایسی فتنہ پرداز جماعت کو کب تک برداشت کیا جائے گا جو نئے نئے ڈھنگ سے اِس ملک میں نئے نئے فتنے کھڑے کرتی رہتی ہے۔

دین دنیا کے مشن کو آگے بڑھائیے

دین دنیا کے ناظرین کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ دین دنیا کوئی تفریحی پرچہ نہیں ہے بلکہ اِس کا ایک مخصوص مشن ہے اور وہ مشن یہ ہے کہ موجودہ الحاد اور بے دینی کے دور میں مسلمانوں کے اندر توحید پرستی کا حقیقی جذبہ پیدا کر کے اُنہیں غیر اللہ سے نڈر بنا دیا جائے اور اسلام کے اُن محاسن سے مسلمانوں کو روشناس کیا جائے جو اس گمراہی کے دور میں مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں

دین دنیا کا ایک مشن یہ بھی ہے کہ یہ جریدہ ولولہ انگیز تاریخی واقعات پیش کر کے مسلمانوں کے اندر ایمان کو تازہ کر دینے والا حوصلہ پیدا کر دینا چاہتا ہے تاکہ وہ انقلابات زمانہ کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے قابل بن سکیں۔ چنانچہ اسی مقصد کے تحت بڑی کاوش کے بعد تاریخی مضامین سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اِس مشن کو آگے بڑھائے اور دین دنیا کی توسیع اشاعت میں حصّہ لے کر ملت اسلامیہ میں بیداری پیدا کرنے والے مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے دین دنیا کو اگر آپ بغور دیکھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ یہ جریدہ دوسرے تمام جریدوں سے مختلف ہے یہ تفریحی جریدہ نہیں ہے بلکہ اس کا ایک مخصوص مشن ہے۔ جسے آگے بڑھانے میں ہر مسلمان کو حصّہ لینا چاہئے۔

پستی سے اُبھرنا ہوگا

(از جناب شارق اجے پوری)

تجھ کو پستی سے مرے دوست اُبھرنا ہوگا　　ظلم کے آہنی پنجوں سے بھی لڑنا ہوگا
دل کے زخموں کو تجھے آپ ہی بھرنا ہوگا　　بدر کا معرکہ پھر تجھے سر کرنا ہوگا

بے حسی قوم کو دنیا سے مٹا دیتی ہے
موت سے پہلے ہی بے موت سُلا دیتی ہے

اب بھی ہے وقت سنبھلنے کا سنبھل جا اے دوست　　جس طرح بدلے ہیں حالات بدل جا اے دوست
بن کے رحمت دلِ اغیار میں ڈھل جا اے دوست　　خود فریبی کے تصور سے نکل جا اے دوست

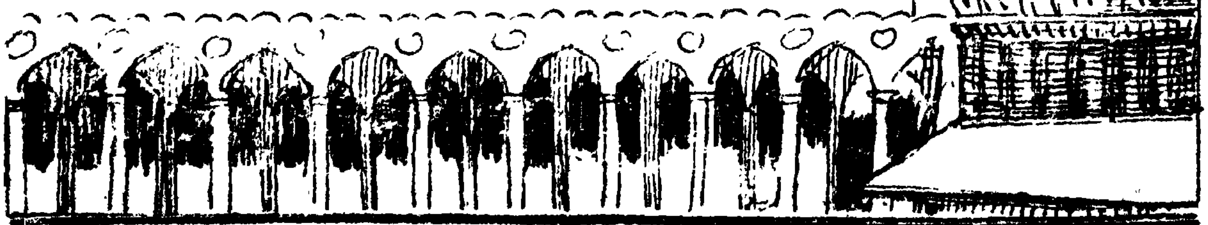
ہر طرف آج سیاست کی فسوں کاری ہے
تیری ہر بات کا مفہوم بھی غداری ہے

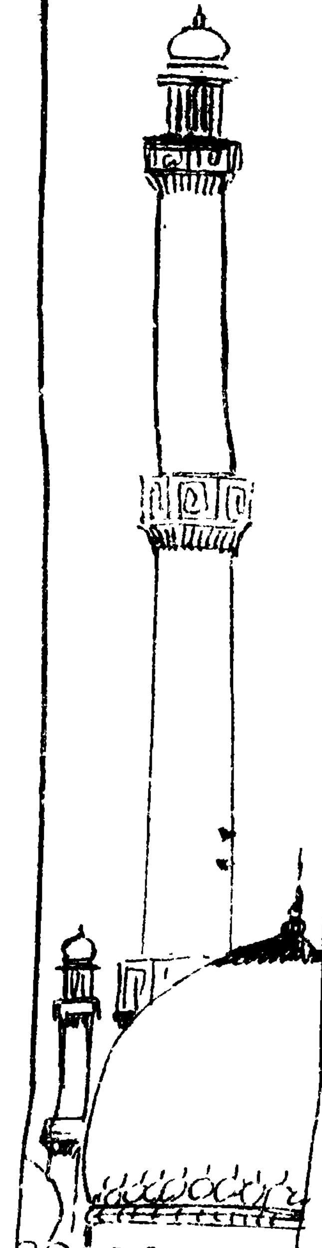
سوچ لے اک نئے ڈھنگ میں ڈھلنا ہے تجھے　　ستم و جور کی رسموں کو بدلنا ہے تجھے
موت سے آنکھ ملا کر بھی نکلنا ہے تجھے　　زندہ رہنے کے لئے آگ پہ چلنا ہے تجھے

جب تلک تجھ میں نہ مرنے کی تمنا ہوگی
زندگی تیری سدا دہر میں رسوا ہوگی

اپنے اندر وہی پہلی سی لگن پیدا کر　　برق پوشیدہ ہو جس میں وہ لگن پیدا کر
اپنے اسلاف کی مانند چلن پیدا کر　　جس سے دنیا ہو منور وہ کرن پیدا کر

تیرے ہی دم سے زمانے میں تھا انصاف کا دور
کام لے عزم سے بیکار ہے یہ شکوۂ جور





قدم آگے بڑھانا ہے مجھے

(از جناب ایس مقبول احسن مقبول نصیر آبادی)

جورِ برق و باد کو پھر آزمانا ہے مجھے　　اس چمن میں آشیاں اپنا بنانا ہے مجھے

ہر قدم پر یاس کو ٹھوکر لگانا ہے مجھے　　گردشِ افلاک کو نیچا دکھانا ہے مجھے

خاک روکیں گی مجھے رہبر تری چالاکیاں　　سوئے منزل خود قدم آگے بڑھانا ہے مجھے

بات جب منظور رکھنی ہے گلستاں کی تو پھر　　بھول کیا کانٹوں سے بھی اب تو نبھانا ہے مجھے

یہ جمود و بے حسی اور یہ تغافل تا بکے　　اس یمِ خاموش میں طوفاں اٹھانا ہے مجھے

پھیر کر بحرِ حوادث کا جگر با عزمِ دل　　گوہرِ مقصود کو قبضے میں لانا ہے مجھے

دستِ گلچیں اور نگاہِ باغباں سے ماورا　　اک بلندی پر نشیمن اب بنانا ہے مجھے

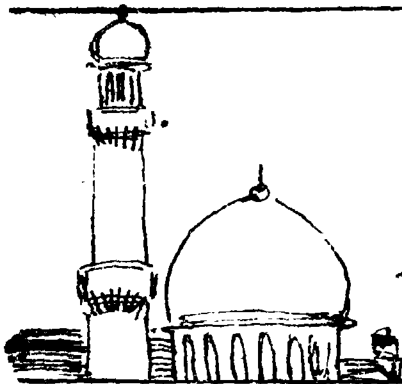
عزم سے ٹکرا رہی ہے وقت کی پیہم صدا　　کام کا ہے وقت کچھ کرکے دکھانا ہے مجھے

ہر دلِ مغموم کو دینا ہے پیغامِ نشاط　　ہر لبِ لرزاں کو پھر ہنسنا سکھانا ہے مجھے

رہنے دے اب بادۂ عشرت کو ساقی رہنے دے　　خوگرِ جبر و ستم دل کو بنانا ہے مجھے

بسکہ ہے مقبول جو گنجینۂ علم و عمل
اس "زباں" کو دشمنوں سے اب بچانا ہے مجھے





تعلیم القرآن

بارھواں پارہ ـــــ وَمَا مِن دَآبَّةٍ ـــــ سُورۂ ہُود

(از ادارۂ دین دنیا)

زیر نظر اشاعت میں ہم قرآن پاک کے بارھویں پارہ کی تعلیمات کی تیسری قسط پیش کر رہے ہیں جس میں کہ اللہ جل شانہ نے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے طوفان عظیم کا تذکرہ اپنے بندوں کی عبرت اور نصیحت کیلئے بیان فرمایا ہے۔

حضرت نوح کو کشتی بنانے کا حکم

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ .... عَذَابٌ مُّقِیْمٌ

ترجمہ:۔ اور نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اب ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائیگا۔ اور جو کچھ یہ (کافر) لوگ کر رہے ہیں تم اس پر غم نہ کرو۔ اور تم ہماری وحی کے مطابق ہماری نگرانی میں کشتی بنا دو۔ اور اب ہم سے کافروں کے بارے میں کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ غرق کئے جائیں گے۔ چنانچہ وہ (نوح) کشتی بنانے لگے۔ اور جب بھی ان کی قوم کے سردار ادھر سے گذرتے تھے (اور انھیں کشتی بناتے ہوئے دیکھتے تھے) تو ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس پر نوح کہتے تھے کہ تم اگر ہم پر ہنستے ہو تو جس طرح تم ہم پر ہنس رہے ہو ہم بھی (ایک دن) تم پر ہنسیں گے۔ عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے جس پر رسوا کر دینے والا عذاب آنیوالا ہے اور یہ عذاب دائمی عذاب ہوگا۔

تشریح:ـــ اور اس کے بعد نوح کی جانب وحی بھیجی گئی اور اس وحی کے ذریعہ انھیں بتا دیا گیا کہ تمہاری قوم میں جو لوگ اس وقت تک ایمان لا چکے ہیں اب ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ لہٰذا منکرین کو ان کے حال پر چھوڑ دو تمہیں ان کی گمراہی پر افسردہ نہیں ہونا چاہئے ان کے مقدر ہی میں یہی لکھا ہوا ہے۔ تم ہمارے حکم کے مطابق ہماری نگرانی کے بھروسہ پر ایک کشتی تیار کرو اور اب ہم سے کافروں اور گمراہوں کے بارے میں کسی قسم کی سفارش مت کرنا کیونکہ یہ سب کے سب وہ لوگ ہیں جنھیں ضرور غرق کیا جائے گا۔

اس حکم کے ملنے کے بعد (حضرت) نوح نے کشتی بنانی شروع کر دی چنانچہ جب بھی ان کی قوم کے بڑے لوگ اور سردار ادھر سے گذرتے تھے اور (حضرت) نوح کو کشتی بناتے ہوئے دیکھتے تھے تو ان کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ شخص کتنا بے وقوف ہے کہ دریا یا سمندر کے کنارے نہیں بلکہ کھلے میدان میں کشتی بنا رہا ہے کیا یہ اس کشتی کو خشکی پر چلائے گا۔ اس پر نوح ان سے کہہ دیا کرتے تھے کہ تم اس وقت ہمارا مذاق اڑا رہے ہو لیکن وہ دن دور نہیں ہے کہ جس طرح آج تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو اسی طرح ہم بھی تمہارا مذاق اڑائینگے اور جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر کہ ذلیل اور رسوا کر دینے والا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ اور عذاب بھی ایسا جو وقتی نہیں ہوگا بلکہ دائمی ہوگا۔

طوفانِ نوح ایک تنور سے ابل پڑا

حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ .... لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝

ترجمہ:۔ یہاں تک کہ ہمارا حکم آن پہنچا اور تنور سے پانی ابلنے لگا۔ تب ہم نے حکم دیا کہ ہر جنس کے دو دو یعنی ایک جوڑا کشتی میں

چڑھالو بجز اُس کے جس کے بارے میں حکم ہو چکا ہے اپنے گھر والوں کو اور ایمان لانے والوں کو کشتی میں سوار کر لو لیکن اُن کے ساتھ ایماندار بہت کم تھے۔ نوح نے لوگوں سے کہا کہ کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے نام پر ہے پس تم اس پر سوار ہو جاؤ میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہ کشتی اُن لوگوں کو ایسی موجوں میں جو پہاڑ کی مانند تھیں (اِدہر سے اُدہر) لئے پھرتی تھی۔ اور نوح نے اپنے بیٹے کو جو ایک علحدہ مقام پر تھا پکارا۔ بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔ وہ بولا میں ابھی کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح نے کہا آج اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ پس وہی بچ سکے گا جس پر اُس کا کرم ہوگا اور دونوں کے درمیان پانی کی ایک موج حائل ہو گئی۔ اور وہ دوسرے ڈوبنے والوں کے ساتھ ڈوب گیا۔ پھر حکم ہوا اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان ٹھہر جا۔ اور پانی ٹھہر گیا۔ اور اس طرح سارا کام پورا ہو گیا۔ اور کشتی کوہ جودی پر ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ کافر لوگ رحمت سے دور ہوں۔

تشریح:۔ حضرت نوح کے گھر میں ایک تنور تھا جسے طوفان کا نشان قرار دیا گیا تھا۔ اور حق تعالیٰ نے ہدایت فرما دی تھی کہ جب بھی اس تنور سے پانی اُبلنا شروع ہو تو یہ سمجھ لینا کہ طوفان آ گیا۔ اور فوراً کشتی میں سوار ہو جانا۔

آخر اللہ نے طوفان کے لئے جو وقت مقرر کیا تھا وہ آ پہنچا اور تنور سے پانی بڑے جوش کے ساتھ اُبلنے لگا تو ہم نے حکم دیا کہ اے نوح ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا یعنی نر و مادہ اس کشتی میں سوار کر لو اور جن کے بارے میں کہ حکم ہو چکا ہے کہ وہ ہلاک ہوں گے یعنی کنعان بن نوح کو چھوڑ کر اپنے سب گھر والوں کو نیز اُن لوگوں کو جو ایمان لے آئے ہیں کشتی میں بٹھا لو لیکن حضرت نوح کے ساتھ بہت ہی کم صاحب ایمان لوگ تھے۔

جب طوفان شروع ہوا تو پیغمبر نوح نے کشتی میں سوار ہونے والوں سے کہا۔ اللہ کا نام لے کر اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اور یقین جانو کہ اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا سب کچھ اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میرا پروردگار اپنے نیک بندوں پر بڑا ہی مہربان اور بخشنے والا ہے۔

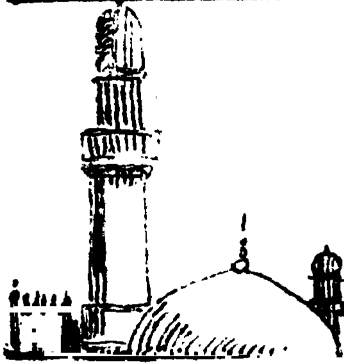
اہلِ ایمان جب کشتی میں سوار ہو گئے تو کشتی اُنھیں لے کر پہاڑ جیسی طوفانی لہروں پر تیرنے لگی۔ اسی طوفان کے دوران (حضرت) نوح نے اپنے نافرمان بیٹے کنعان کو جو ایک طرف کسی مقام پر کھڑا ہوا تھا پکارا، بیٹے ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ اور کافروں کا ساتھ چھوڑ دو مگر اُس نے جواب دیا نہ میری فکر نہ کریں میں ابھی کسی اونچے پہاڑ پر چڑھ کر پناہ حاصل کر لوں گا۔ نوح نے کہا کہ آج کے دن اللہ کے قہر سے کوئی بھی بچانے والا نہیں ہے بس اللہ ہی کا جس پر کرم ہوگا وہی بچ سکے گا۔ (نہ پہاڑ پر پناہ ملے گی اور نہ اور کسی طرح بچنا ممکن ہے ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ) باپ بیٹوں کے درمیان پانی کی ایک موج آ کر حائل ہو گئی اور کنعان دوسرے سرکشوں کی طرح پانی میں غرق ہو گیا۔

(یہ خوفناک طوفان کافروں اور ساری دُنیا کو غرق کر چکا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے) حکم ہوا کہ اے زمین اپنا پانی جذب کر لے اور اے آسمان اب پانی برسانا روک دے۔ غرضکہ پانی خشک ہونا شروع ہو گیا طوفان رُک گیا اور اس طرح سب ہی سرکشوں کا کام تمام ہو گیا اور پیغمبر نوح کی کشتی حکم الٰہی سے کوہ جودی پر جا کر ٹھہر گئی اور پھر اعلان سُنا گیا کہ کافروں اور ظالموں پر لعنت ہے

اس واقعہ کی مزید تفصیل یہ ہے کہ جب قوم نوح اور دُنیا والوں کی سرکشی حد سے متجاوز ہو گئی تو عتاب الٰہی سے یہ تنور سے جہاں پانی کا امکان بھی نہیں ہو سکتا پانی اُبلنے لگا اور ساتھ ہی آسمان سے طوفانی بارش بھی شروع ہو گئی۔ اور پانی اتنا بڑھا کہ پہاڑوں کی چوٹیاں تک غرق ہو گئیں۔ اور اس طرح دُنیا کے سب ہی سرکش بندے غرق کر دئے گئے۔ یہ طوفان ایک دو دن میں فرو نہیں ہو گیا بلکہ چالیس روز تک پانی آسمان سے برستا رہا۔ اور ساتھ ہی زمین سے بھی اُبلتا رہا۔ پانی کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ چھ ماہ کے بعد پہاڑوں کی چوٹیاں دکھائی دیں اور حضرت نوح کی کشتی کوہ جودی کے پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی۔ یہ پہاڑ ملک شام میں واقع تھا۔

حضرت نوح اس طوفان عظیم کے بعد ساٹھ سال تک حیات رہے حضرت نوح کو چالیس برس کی عمر میں نبوت عطا ہوئی تھی۔ وہ نبوت ملنے کے بعد ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو ہدایت و نصیحت کرتے رہے لیکن یہ قوم راہ راست پر نہ آئی۔ حضرت نوح کی عمر ایک ہزار پچاس برس کی ہوئی

تعلیم الحدیث



فتنہ و فساد کے بارے میں پیشینگوئی

خدمتِ خلق عبادت سے بھی بہتر۔ دعا قضا کو روک سکتی ہے

(از شوکت علی فہمی)

احادیث کی مستند کتب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قیمتی ارشادات درج کئے جا رہے ہیں۔ جو مسلمانوں کے لئے بہترین شمع ہدایت ہیں۔ امید ہے کہ مسلمان ان جواہر پاروں سے فائدہ حاصل کریں گے۔

فتنہ اور فساد کے بارے میں پیشینگوئی

رسول اللہ صلعم نے پیشینگوئی فرمائی ہے کہ جب قیامت قریب ہوگی تو یہ دنیا فتنوں اور گناہوں کا گہوارہ بن جائے گی چنانچہ اس ضمن میں مستند حدیث ہے :۔

"ابو عبیدہ رضؓ اور معاذ بن جبل رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ یہ دین یعنی دینِ اسلام ظاہر ہوا ہے نبوت اور رحمت کے ساتھ۔ پھر خلافت اور رحمت کا زمانہ ہوگا۔ پھر ظالم حکمرانوں کا دور ہوگا۔ اور اس کے بعد تکبر، قہر اور فتنہ و فساد کا دور ہوگا۔ اس وقت لوگ ریشم کے کپڑوں کو حلال سمجھیں گے عورتوں کی شرمگاہوں اور شراب کو جائز قرار دیدیں گے۔ باوجودیکہ انھیں رزق دیا جائے گا اور ان کی مدد کی جائے گی (مگر وہ خدا کو بھول جائیں گے) یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔" (بیہقی)

یہ پیشینگوئی آج حقیقت بن کر ہمارے سامنے ہے۔ نبوت اور خلافت کا دور گزر چکا ہے۔ شہنشاہیت کا زمانہ بھی ختم ہو چکا ہے اب تو ہر طرف تکبر اور قہر کا دور دورہ ہے ظلم اور قہر عام ہے۔ بڑی بڑی طاقتیں کمزوروں پر غلبہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ ہر طرف فتنہ و فساد برپا ہے حرام و حلال کی تمیز ختم ہو چکی ہے۔ شراب جزوِ زندگی بن گئی ہے۔ بدکاری اور زناکاری عام ہے۔ اللہ کی عنایت سے لوگ خوشحال ہیں مگر خدا کو بھولے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے :۔

"ابو ہریرہ رضؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا۔ ان فتنوں کے زمانہ میں بیٹھنے والا بہتر ہوگا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا بہتر ہوگا چلنے والے سے۔ اور چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے اور جو شخص بھی ان فتنوں کی طرف جھانکے گا فتنہ اُسے اپنی طرف کھینچ لیگا۔" (بخاری و مسلم)

رسول مقبول صلعم کی یہ پیشینگوئی اس ایٹمک دور کی جانب اشارہ کر رہی ہے جس کی وجہ سے کسی انسان کی بھی جان محفوظ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایٹم بم پھٹ پڑا تو یہ دنیا تباہ ہو جائیگی۔ دنیا کے جس حصہ میں بھی ایٹم بم دا غا جائے گا وہ حصہ بالکل تباہ و برباد ہو جائے گا۔ زمین شق ہو جائے گی، کوئی ذی روح باقی نہیں رہے گا صرف وہی لوگ بچ سکیں گے۔ جو مخصوص خندقوں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان احادیث سے عبرت اور نصیحت حاصل کریں۔ اور قبل اس کے کہ وہ کسی فتنہ و فساد کا شکار ہوں اپنی عاقبت کو درست کرلیں۔

خدمتِ خلق عبادت سے بھی بہتر

اسلام نے خدمتِ خلق کو مسلمانوں کا سب سے اہم فریضہ قرار دیا ہے۔ اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مخلوقِ خدا کے کام آئیں۔ کیونکہ یہ فعل اللہ کو بے حد محبوب ہے۔ اس بارے میں صحیح حدیث ہے۔

"حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ غریبوں پر رحم کرنے والا بیوہ عورتوں اور مساکین کی خبرگیری کرنے والا۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے مانند ہے۔ اور ایک خطبہ میں رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ بیوہ عورتوں اور مساکین کی امداد کرنے والا اُس شب بیدار شخص کی مانند ہے جو خلوصِ قلب کے ساتھ عبادت کرتا ہے۔" (مسلم)

اور ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اُس کی عبادت و ریاضت بیکار ہے جو مخلوقِ خدا کو ستاتا ہے چنانچہ اس بارے میں حدیث ہے:-

"حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ رسول اللہ فلاں عورت زیادہ نماز پڑھنے روزے رکھنے اور خیرات دینے میں شہرت رکھتی ہے لیکن وہ اپنی زبان سے ہمسایوں کو اذیت پہنچاتی ہے۔ سرورِ عالم صلعم نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گی۔ پھر اُس شخص نے عرض کیا فلاں عورت جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ بہت کم نماز پڑھتی ہے بہت کم روزے رکھتی ہے اور بہت کم خیرات کرتی ہے مگر اپنی زبان سے ہمسایوں کو ایذا نہیں دیتی۔ حضورؐ نے فرمایا وہ جنت میں جائے گی۔" (مشکوٰۃ)

ان احادیث سے یہ بات صاف طور پر واضح ہے کہ اسلام نے خدمتِ خلق کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ اور لوگوں کی دل آزاری کو کتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

دُعا قضا کو روک دیتی ہے

رسولِ خدا صلعم کا ارشاد ہے کہ کوئی شے اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا سے زیادہ قابلِ قدر نہیں۔ اور حضورؐ ہی کا ارشاد ہے کہ دُعا میں وہ طاقت ہے کہ وہ موت کو بھی رد کر دیتی ہے چنانچہ اس بارے میں صحیح حدیث ہے:-

"حضرت سلمانِ فارسی رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ کوئی چیز قضا کو نہیں روک سکتی بجز دُعا کے۔ اور کسی چیز سے عمر میں اضافہ نہیں ہوتا لیکن اعمالِ حسنہ، نیکوکاری اور پرہیزگاری سے۔" (عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔) (ترمذی)

حضرت سلمانِ فارسی رضؓ نے بھی دُعا کے بارے میں ایک دوسری حدیث بیان کی ہے:-

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ بیشک تمہارا رب حیّ و کریم ہے اللہ تعالیٰ حیا فرماتا ہے اپنے بندہ سے جبکہ وہ اپنے دونوں ہاتھ اُس کے حضور میں بلند کرتا ہے۔ کہ میں ان ہاتھوں کو کس طرح خالی پھیروں۔" (ترمذی)

باہمی اخوت مسلمانوں کے لئے لازمی

آج مسلمانوں میں جو افتراق پایا جاتا ہے یہ سراسر اسلام کے خلاف ہے رسولِ مقبول صلعم کا حکم ہے کہ مسلمان سچے دل کے ساتھ ایک دوسرے سے محبت کریں اس ضمن میں مستند حدیث ہے۔

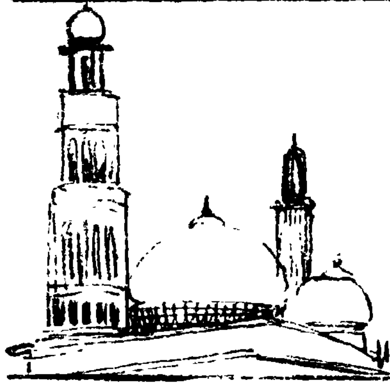
"ابی ہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ نبی صلعم نے فرمایا ہے کہ مسلمان الفت اور محبت کا منبع ہے۔ اور ایسے شخص میں کوئی بھلائی اور خوبی نہیں جو مسلمانوں سے محبت و الفت نہیں رکھتا اور مسلمان اُس سے الفت اور محبت نہیں رکھتے۔" (مشکوٰۃ)

اس حدیث سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کے لئے باہمی اخوت کتنی ضروری ہے۔ حضورِ اکرم کے نزدیک وہ مسلمان قابلِ ملامت ہے جس سے دوسرے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں حدیث ہے۔

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ضرر پہنچائیگا اللہ تعالیٰ اُسے ضرر پہنچائیگا اور جو شخص کسی مسلمان کو مشقت اور تکلیف میں مبتلا کریگا اللہ تعالیٰ اُسے مشکلات میں ڈالیگا۔" (ابنِ ماجہ)

گویا رسولِ مقبول صلعم کے نزدیک وہ مسلمان سچا مسلمان بھی نہیں ہے جو دوسرے مسلمانوں کے لئے کسی تکلیف کا باعث ثابت ہوتا ہے لیکن آج مسلمانوں کی جو حالت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ان میں نہ اخوت ہے اور نہ محبت جبکہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ اگر ایک مسلمان کسی تکلیف میں ہوتا تھا تو سب ہی بے چین اور مضطرب ہو جاتے تھے۔ کاش مسلمانوں میں پہلی سی اخوت اور محبت پیدا ہو سکے۔

اسلامی افکار



اسلام غیر مسلموں کیلئے بھی رحمت
اسلام ہی نے دنیا کو "سیکولرزم" سے آشنا کیا ہے

(از جناب ایم۔ آر۔ کریم)

اسلام صرف مسلمانوں ہی کے لئے ایک رحمت نہیں ہے بلکہ اسلام کے غیر مسلموں پر بھی بے پایاں احسانات ہیں۔ اس مذہب نے صرف مسلمانوں ہی کی رہنمائی نہیں کی ہے بلکہ یہ مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں کے لئے بھی رحمت ثابت ہوا ہے۔ ذیل کے مقالہ میں اسلام کے اسی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسلام نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں نوع انسانی کی رہنمائی کی ہے وہاں حکمرانی اور جہاں بانی کا بھی ایک ایسا مکمل دستور مرتب کیا ہے جس کے ہوتے ہوئے جملہ عقائد کے لوگ نہ صرف امن اور چین کی زندگی گذار سکتے ہیں بلکہ انھیں مسلمانوں ہی کی طرح ترقی کے بھی سب ہی وسائل حاصل ہو جاتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ تاریخ کے کسی دور میں بھی کوئی ایسی حکومت قائم نہیں ہو سکی ہے جس کا تعلق کسی ایک ہی سیاسی۔ مذہبی یا تہذیبی گروہ کے ساتھ رہا ہو۔ اس کے برعکس دنیا کی تمام حکومتوں میں ہمیشہ مختلف سیاسی، مذہبی اور تہذیبی نظریات کے ماننے والے موجود رہے ہیں۔ اسی لئے ان ہی حکومتوں کو دنیا کی بہترین حکومتیں تسلیم کیا گیا ہے جو ان کے ماتحت رہنے والے تمام مذہبی اور تہذیبی گروہوں کے مفادات کا تحفظ کرتی رہی ہیں۔

انسانی ترقی اور شعور کے موجودہ دور میں بھی حکومتوں کے لئے اسی اصول کو بہترین یقین کیا جاتا ہے اور اسے "سیکولرزم" کا نام دیا گیا ہے لیکن تجربہ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ اصول صرف سیاسی نظریات ہی کے بل پر کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے کامیاب بنانے کے لئے کوئی اخلاقی قوت حرکت میں نہ آئے اور اسے کامیاب بنانے کے لئے جس اخلاقی قوت کی ضرورت ہے وہ صرف اسلام جیسے مکمل مذہب کی بدولت ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

انسان ہزاروں سال سے جن مختلف مذاہب کا پیرو رہا ہے ان میں سے مظاہر پرستی سے تعلق رکھنے والے مذہبوں کو چھوڑ کر ممتاز ترین مذاہب، ہندو دھرم، بودھ مت، عیسائیت اور اسلام ہیں۔ ان مذاہب میں سے ہندو دھرم کے نام پر سماجی زاویۂ نظر سے بنی نوع انسان کو جس طرح تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اس کے پیش نظر اس مذہب سے "سیکولرزم" کو کامیاب بنانے میں اس لئے کوئی مدد نہیں مل سکتی کیونکہ اس مذہب نے خود ہی اونچ نیچ کی تفریق پیدا کر دی ہے۔ بودھ دھرم نے انسانی مساوات کا نعرہ ضرور لگایا ہے لیکن اس نے بھی سیاسی زاویۂ نظر سے "سیکولرزم" کے قیام کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی ہے۔ اور جہاں تک عیسائیت کا تعلق ہے تاریخ بتاتی ہے کہ اس پر عقیدہ رکھنے والے حکمرانوں نے کسی زمانہ میں بھی "سیکولرزم" کے اصول کو مد نظر نہیں رکھا بلکہ وہ اپنے ہی مذہب سے تعلق رکھنے والے فرقے یعنی پروٹسٹنٹ کو بھی برداشت نہیں کر سکے ہیں۔

اس کے برخلاف جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس نے مختلف مذاہب کے ماننے والوں سے کبھی بھی مغائرت کا سلوک کرنا گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ اسلامی حکومت کے قیام کے بعد ہی سے دوسرے مذہبوں اور تہذیب کے ماننے والے لوگوں کے ساتھ اسلامی حکومتوں کا جو معاملہ رہا ہے وہ بے حد رواداراانہ تھا۔ اور اس بنا پر یہ نتیجہ نکالنا بیجا نہ ہوگا کہ اسلام دنیا کا وہ پہلا اور آخری

مذہب ہے جس نے کہ "سیکولرزم" کے لفظ کو نہیں بلکہ اس کی رُوح کو اپنے دستورِ حکومت میں بنیادی اصول کی حیثیت سے جگہ دی ہے۔ چنانچہ ماضی کی اسلامی حکومتوں اور آج کے مسلم ملکوں میں غیر مسلموں اور ان کی تہذیب و مذہب کا جو تحفظ کیا جاتا تھا اور کیا جا رہا ہے وہ آپ ہی اپنی مثال ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کی حکومتوں میں رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور تعلقات کا جو ضابطہ بنایا ہے وہ سیاسی اغراض اور وقتی مصلحتوں سے بالکل پاک ہے بلکہ مسلمانوں کے اس مذہبی عقیدہ پر مبنی ہے کہ ہر انسان کو مذہب ضمیر اور اپنے عمل کی آزادی حاصل ہونی چاہیئے جس سے کہ دوسروں کے عقائد پر کوئی بُرا اثر نہ پڑتا ہو۔ اور اس بات پر عمل کرنے میں مسلمانوں کے اس بنیادی نظریہ نے بڑی مدد کی ہے کہ بنی نوعِ انسان میں نسلی اور جغرافیائی اختلافات کی بنیاد پر کوئی فرق اور امتیاز نہیں کیا جانا چاہیئے۔

اسلام نے مسلم حکومتوں میں رہنے والے غیر مسلموں کو "ذمّی" نام سے موسوم کیا ہے اور اسلام کے دشمن اس لفظ کو حقارت کے مفہوم کا حامل ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ اسلامی اصطلاح میں یہ لفظ اُن غیر مسلموں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جن کی حفاظت ترقی اور خوش حالی کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے اور ان ذمّیوں سے جو ٹیکس لیا جاتا ہے اُسے جزیہ کہا جاتا ہے۔ مخالفین اسلام کو جزیہ پر بھی اعتراض ہے۔ اور وہ اُسے ایک بے جا اور ظالمانہ ٹیکس قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ جزیہ انتہائی رعایتی ٹیکس ہے جو غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا۔

مسلم حکومتوں میں مسلمانوں سے جو انکم ٹیکس لیا جاتا تھا وہ زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ اسلامی ضابطہ کی رُو سے ہر صاحبِ حیثیت مسلمان کو سال میں ایک مرتبہ اپنے مال کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرنا پڑتا تھا۔ یعنی اگر کسی شخص کے پاس چالیس لاکھ مال ہوتا تھا تو اُسے ہر سال میں ایک لاکھ کی رقم زکوٰۃ میں دینی ہوتی تھی اور اگر چالیس ہزار کا اثاثہ ہوتا تھا تو ہر سال ایک ہزار کی رقم ادا کرنی پڑتی تھی لیکن ذمّیوں کے ساتھ رعایت یہ تھی کہ انھیں جو جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا وہ حضرت امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق اُمرا کے لئے ۴۸ درہم سالانہ متوسط طبقہ کے لئے ۲۴ درہم سالانہ۔ کم آمدنی والوں کے لئے صرف ۱۲ درہم سالانہ۔ اور غریبوں کے لئے جزیہ بالکل معاف تھا۔ یہ یاد رہے کہ ایک درہم۔ کی مالیت ایک روپیہ سے بھی کم کی ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلم مالداروں کو تو اپنے مال کا چالیسواں حصہ یعنی ہزار ہا روپیہ سالانہ زکوٰۃ کی صورت میں ادا کرنا پڑتا تھا جبکہ ذمّی یعنی غیر مسلم مالداروں کو جزیہ صرف ۴۸ روپے سالانہ ادا کرنا ہوتا تھا اور اس کے علاوہ ذمّیوں کے لئے یہ بھی رعایت تھی کہ وہ جنگی خدمات کے لئے مجبور نہیں تھے جبکہ ہر مسلمان کے لئے جنگی خدمات میں حصہ لینا بھی ضروری تھا یہ اگر ذمّیوں کے ساتھ انتہائی رعایت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

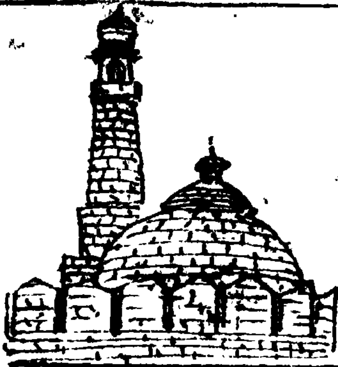
اس حقیر سے ٹیکس کے ادا کرنے کے بعد مسلم حکومتیں ذمّیوں کے جان و مال اور عبادت خانوں کے تحفظ کی ذمہ دار تھیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی حکومتوں میں رہنے والے غیر مسلموں کو اُن کے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں کامل آزادی حاصل تھی۔ اُن کی رسوم اور رواجات میں بھی کوئی مداخلت نہیں کی جاتی تھی مسلم حکومتیں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور اوقاف وغیرہ کے تحفظ کو اپنا فریضہ سمجھتی تھیں۔ غیر مسلموں کے رہنماؤں اور پیشواؤں کا پورا پورا احترام کیا جاتا تھا۔

مذہب اور اس سے متعلق اُمور میں غیر مسلموں کے ساتھ اس انتہائی رواداری کے علاوہ مسلمانوں کی حکومتوں میں رہنے والے غیر مسلموں کو مسلمانوں کی برابر پورے شہری حقوق بھی حاصل تھے۔ اُن کے لئے سرکاری ملازمتوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ انھیں ملک کے اقتصادی ذرائع سے محروم رکھنے کی کبھی کوشش نہیں کی جاتی تھی کسی مذہبی امتیاز کے بغیر صلاحیت اور استعداد کو ترقی کا معیار سمجھا جاتا تھا اور انصاف کے زاویۂ نظر سے غیر مسلموں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ مسلم حکومتیں غیر مسلموں کے لئے ہمیشہ رحمت ثابت ہوئی ہیں۔

مسلمانوں کی حکومت میں رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل کسی ایک ہی ملک تک محدود نہیں تھا بلکہ وہ ہر ملک میں "سیکولرزم" کے اسی اصول کی پابندی کرتے تھے چنانچہ ہندستان میں بھی مسلم حکمران "سیکولرزم" کے اسی راستہ پر چلتے رہے ہیں اور ہندستان کی تاریخ کے مطالعہ سے پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کے دورِ حکومت میں اس ملک کے غیر مسلموں کو پوری مذہبی اور سماجی آزادی حاصل تھی۔ ان کے ساتھ نا انصافی کرنے والا (

باقی صفحہ ۲۸ پر)

تاریخ اسلام کا ایک ورق



جب سسلی پر اسلامی پرچم لہرایا گیا

فاتح اسلام ابراہیم بن اغلب کے مجاہدانہ کارنامے

(از شوکت علی فہمی)

اسلام کی اس سے بڑھ کر معجز نمائی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُس نے نو مسلموں کے دلوں میں بھی اس بلا کا جوش ایمانی پیدا کر دیا تھا کہ اُنھوں نے اپنی زندگیاں اسلام کے لئے وقف کر دی تھیں اور اِن نو مسلموں کی سطوت اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ عجیب کے بڑے سے بڑے حکمراں بھی اِن کا نام سن کر کانپ جاتے تھے۔ اِن ہی نو مسلموں میں سے ایک فاتح اسلام ابراہیم بن اغلب بھی تھے جن کا کہ طرابلس کے ایک نو مسلم بربری قبیلہ سے تعلق تھا۔ یہ طرابلس کے ایک نہایت دیندار مسلمان تھے جن کی دینداری کو دیکھتے ہوئے خلیفہ ہارون الرشید نے شمالی افریقہ کی حکومت اِن کے سپرد کر دی تھی جس کے بعد انھوں نے طرابلس الغرب میں اغلبی حکومت کے نام سے ایک ایسی مضبوط اسلامی حکومت کی بنیاد رکھ دی تھی جس نے کہ نہ صرف سسلی پر بلکہ جنوبی اٹلی پر بھی اسلام کا پرچم لہرا دیا تھا۔ چنانچہ ذیل میں اِن ہی ابراہیم بن اغلب اور اُن کی قائم کردہ اغلبی حکومت کے بارے میں ایک مختصر سا مقالہ پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ ۱۸۴ہجری کا وہ نازک زمانہ تھا جبکہ پورے طرابلس میں بربری قبائل نے خلافت عباسیہ کے خلاف بغاوت برپا کر رکھی تھی حالت یہ تھی کہ جو بھی گورنر خلافت کی جانب سے وہاں بھیجا جاتا تھا۔ بربری قبائل اُس کے لئے شدید مشکلات پیدا کر دیتے تھے چنانچہ ۱۸۲ھ میں خلیفہ ہارون الرشید نے جب محمد بن مقاتل کو طرابلس کا گورنر بنا کر بھیجا تو وہاں بغاوت اور بھی زیادہ بڑھ گئی اور وہاں کے باشندوں نے خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ "طرابلس بربریوں کا ملک ہے ہم کسی طرح بھی اپنے ملک پر کسی غیر بربری کا اقتدار گوارہ نہیں کر سکتے ہمارے رہنما ابراہیم بن اغلب جو اتفاق سے اس وقت بغداد ہی میں موجود ہیں بہتر یہ ہے کہ اُن کے نام طرابلس کی حکومت منتقل کر دی جائے ہم صرف اُن ہی پر اعتماد کر سکتے ہیں"۔

طرابلس والوں کے اِس پیغام کے ملنے کے بعد جب خلیفہ ہارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب سے اِس بارے میں گفتگو کی تو انھوں نے کہا "آپ مصر کے خزانہ سے ایک لاکھ دینار سالانہ طرابلس پر خرچ کرتے ہیں اس طرح اِس ملک سے خلافتِ اسلامیہ کو نفع کی بجائے الٹا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ اگر یہ ملک آپ میرے انتظام میں دیدیں تو میں مصر کے خزانہ سے ایک درہم بھی نہیں لوں گا بلکہ پچاس ہزار دینار سالانہ بطور خراج دربار خلافت میں پیش کرتا رہوں گا۔"

طرابلس کی حالت چونکہ نہایت خراب تھی اور برابر اس بات کا اندیشہ لگا رہتا تھا کہ یہ ملک بھی کہیں اسپین اور مراکش کی طرح خلافت عباسیہ کے قبضہ سے نکل کر خود مختار نہ بن جائے اِس لئے خلیفہ ہارون الرشید نے اِس پیشکش کو قبول کر لیا۔ لیکن خلیفہ کے تصور میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ نو مسلم امیر نہ صرف طرابلس کے انتظام پر حاوی ہو جائے گا بلکہ وہ ملت اسلام کے لئے ایسی عظیم الشان فتوحات حاصل کرے گا جو تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔

طرابلس کی حکومت ابراہیم بن اغلب کے سپرد کر دی گئی۔ اور اِس مرد مومن کو چونکہ طرابلس اور شمالی افریقہ میں غیر معمولی ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل تھی اس لئے ۱۸۴ہجری میں اِس ملک کا انتظام ان کے ہاتھوں میں آتے ہی وہاں کی بغاوتیں خود بخود فرو ہو گئیں اور سارے ملک

جب امن وامان قائم ہو گیا ابراہیم بن اغلب نے اپنے مختصر سے دورِ حکومت میں اس ملک کو خوب ترقی دی۔ قیروان کے قریب ایک نیا شہر "عباسیہ" آباد کیا۔ ابراہیم بن اغلب بارہ برس حکومت کرنے کے بعد جب ۱۹۶ھ میں شدید بیمار ہوا تو اس نے مرنے سے قبل اپنے بیٹوں کو جو وصیت کی تھی اسے تاریخ اسلام میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اور اس وصیت سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے کیسے کیسے مردان حق پیدا کئے ہیں۔ مرتے وقت اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا تھا

"میں نے حکومت کو ہمیشہ اللہ کی امانت سمجھا ہے تم بھی اسے اللہ کی امانت ہی سمجھنا حکومت کی خاطر کبھی آپس میں نہ جھگڑنا۔ اور اپنی زندگیاں اسلام کے لئے وقف کر دینا خدا نے یہ حکومت تمہیں اس لئے نہیں دی ہے کہ ہم اس کے ذریعہ عیش کریں بلکہ اس لئے دی ہے کہ ہم اپنا عیش اور آرام قربان کر کے اللہ کا نام دنیا کے دور دراز گوشوں میں پھیلائیں اور ان مشرکوں سے جہاد کریں جو آئے دن مسلمانوں کے درپئے آزار رہتے ہیں یہاں تک کہ جہاد کرتے ہوئے راہ خدا میں اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ ہمیشہ دنیا پر عاقبت کو ترجیح دینا تاکہ روز قیامت شرمسار نہ ہونا پڑے۔"

ابراہیم بن اغلب نے جو وصیت کی تھی واقعی اس کے بیٹوں نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا اور انہوں نے ایسے مجاہدانہ کارنامے انجام دئے جو ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہیں گے۔ باپ کے مرنے کے بعد عبداللہ بن ابراہیم اغلبی بڑی دیانتداری کے ساتھ پانچ سال تک حکومت کرتا رہا اور اس کے مرنے کے بعد جب اس کا چھوٹا بھائی زیادۃ اللہ اغلبی ۲۰۱ ہجری میں تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے مجاہدانہ کارناموں سے تہلکہ برپا کر دیا۔ بحر متوسط میں مسلمانوں کا پرچم لہراتا رہا۔ اور اس کا بے مثال بحری بیڑا سلطنت [illegible] اور جزیرہ سسلی پر [illegible]

سسلی پر چڑھائی کی وجہ یہ ہوئی کہ زمانہ دراز سے مسلمانوں کے [illegible] زیادۃ اللہ اغلبی پہلا مسلم حکمران ہے جس نے [illegible] کہ جزیرہ سسلی کو فتح کر کے وہاں ایک مضبوط اسلامی سلطنت کی بنیاد قائم کی [illegible] قاضی اسد بن فرات کی سرکردگی میں ایک زبردست [illegible]

اسلامی فوجیں تیسرے روز ہی جزیرہ سسلی کے ساحل پر جا اتریں اور انہوں نے شدید مقابلہ کے باوجود کئی اہم مقامات فتح کر لئے لیکن سپہ سالار اسلام قاضی اسد بن فرات اس معرکہ میں اس بری طرح زخمی ہوئے کہ جانبر نہ ہو سکے۔ قاضی اسد بن فرات کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے محمد بن ابوالجواری کو اپنا سردار منتخب کر لیا اور مسلمانوں کی پیش قدمی جزیرہ سسلی میں بدستور جاری رہی۔ محمد بن ابوالجواری نے طارق بن زیاد کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے تمام جہازوں کو آگ لگا دی اور فیصلہ کر لیا کہ یا تو سسلی کو فتح کریں گے یا اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ غرضیکہ مسلمانوں نے [illegible] جزیرہ سسلی کے بہت سے علاقے کو [illegible] مستحکم اسلامی سلطنت قائم کر دی جو تین سو برس تک اس جزیرہ پر حکومت کرتی رہی سسلی کی فتح کے بعد مسلمانوں نے اس ملک کو خوب ترقی دی۔ شام سے کپاس [illegible] اور وہاں ان دونوں چیزوں کی کاشت شروع کی۔ غلہ کی پیداوار کو بڑھایا۔ طرح طرح کے میووں اور لیموں کے درخت لگائے اور وہ جزیرہ سسلی جو زراعت اور صنعت کے معاملہ میں نہایت ہی پسماندہ تھا اسے زراعت اور صنعت و حرفت کے ذریعہ جنت بنا دیا۔ چاندی، تانبے، اور گندھک کی کانیں دریافت کیں سوتی اور ریشمی کپڑے کے کارخانے قائم کئے۔ جا بجا علمی درسگاہیں کھولیں غرضیکہ مسلمانوں نے سسلی میں قدم رکھتے ہی اغلبی حکومت کے زیر سایہ اس جزیرہ کو رشک ارم بنا دیا۔

اب مسلمان اٹلی کی جانب متوجہ ہوئے۔ سسلی پر آئے دن اٹلی سے رومیوں کے حملے ہوتے رہتے تھے۔ ان حملوں سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لئے مسلمانوں نے اٹلی پر حملہ کر دیا اور جنوبی اٹلی کا بہت بڑا علاقہ فتح کر لیا۔ پھر فرانس پر حملہ کر کے شہر [illegible] کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد اغلبیوں نے جزیرہ [illegible] اور سارڈینیا کو بھی فتح کر لیا۔

فرانسیسی مؤرخ سیدیو اغلبیوں کی ان فتوحات پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب تاریخ عرب میں لکھتا ہے کہ "اغلبیوں کی بحری طاقت [illegible] بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ بحر متوسط میں انہوں نے جو بحری اڈے قائم کر رکھے تھے انہیں بہت بڑی اہمیت حاصل تھی اس زمانہ کی کوئی بھی بڑی سے بڑی یورپین حکومت آسانی سے مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی اس کی وجہ وہ غیر معمولی اسلامی جوش تھا جس سے کہ انہیں بے حد فائدہ پہنچا ہے [illegible]



تاریخ ہند

مسلمانوں کے نزدیک ہندوستان پیغمبروں کی سرزمین ہے

مسلمان روزِ اوّل ہی سے اس ملک کی تقدیس کے قائل ہیں

(از ڈاکٹر لطیف - ایم - ڈی - فل)

مستند کتب سے چونکہ یہ ثابت ہے کہ مسلمانوں کے سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کا نزول ہندوستان ہی کی سرزمین پر ہوا تھا اسلئے مسلمانوں نے ہمیشہ ہی اس ملک کو پیغمبروں کی سرزمین سمجھا ہے۔ ذیل میں ہم اسی موضوع پر ڈاکٹر لطیف کا ایک فاضلانہ مضمون پیش کر رہے ہیں یہ مضمون ان فرقہ پرستوں کے لئے دندان شکن جواب ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے یہ کہتے رہتے ہیں کہ چونکہ مسلمانوں کا مذہب بدیشی ہے اس لئے وہ ہندوستان کے وفادار ہو ہی نہیں سکتے ہم کو امید ہے کہ یہ مضمون ہمارے ناظرین کے حلقہ میں دلچسپی سے پڑھا جائے گا

ہندوستان کے مسلم عوام اور شاہان ہند کو جو غیر معمولی تعلق اور لگاؤ اس ملک کے ساتھ رہا ہے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اور اس غیر معمولی تعلق ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ انھوں نے اپنے ایک ہزار سالہ دور حکومت میں اس ملک کو جنت کا نمونہ بنانے کی پوری کوشش کی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس ملک کو اس قدر خوشحال بنا دیا تھا کہ اسے یورپین باشندے چاندی اور سونے کا ملک کہتے تھے اور ہمیشہ للچائی ہوئی نظر سے اسے دیکھا کرتے تھے۔

محمد بن قاسم ہندوستان کا پہلا نوجوان فاتح ہے جس نے کہ ۷۱۲ء میں علاقہ سندھ کو فتح کیا تھا۔ اس فتح کے وقت محمد بن قاسم کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ اس نوعمری کے زمانہ میں اس سے ہر اس بے عنوانی کا امکان ہو سکتا تھا جو نوجوان فاتحین سے عموماً ہوا کرتی ہیں۔ لیکن چونکہ اس کی گھٹی میں ہندوستان کی محبت پڑی ہوئی تھی اور اسلامی کتب ہندوستان کی تعریف و توصیف سے بھری ہوئی تھیں اس لئے اس نے اس ملک کی سرزمین اور یہاں کے باشندوں کا غیر معمولی احترام کرتے ہوئے انتہائی رواداری کا برتاؤ کیا چنانچہ دیبل کو فتح کے بعد اس نے علاقہ سندھ میں جو پہلا گورنر مقرر کیا وہ ایک ہندو پنڈت تھا۔ اور جب پورا سندھ فتح کر لیا تو اپنا وزیر بھی ایک ہندو ہی کو بنایا جس کا نام کاسی ساگر تھا۔ اس کے علاوہ کاکا۔ موکا۔ درکا سا جیسے اور سرداروں کو فوج میں بڑے بڑے عہدے دیئے۔

سندھ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا بلکہ سرکاری خرچ سے ان ہندو مندروں کی مرمت کرائی جنھیں کہ زمانہ جنگ میں نقصان پہنچ گیا تھا۔ اور ایک محمد بن قاسم ہی پر کیا موقوف ہے ہندوستان میں جتنے بھی مسلم حکمراں ہوتے ہیں ان سب ہی کی ہمیشہ پالیسی تقریباً وہی رہی ہے جو محمد بن قاسم کی تھی۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمان اس ملک کی سرزمین کو نہایت مقدس سمجھتے تھے نیز یہاں کے قدیم باشندوں کے مذہبی احساسات اور جذبات کا احترام کرنا اپنا مذہبی فرض خیال کرتے تھے

ہندوستان کے ساتھ مسلمانوں کے اس قلبی تعلق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی مستند کتب میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کا نزول ہندوستان ہی میں ہوا تھا۔ اور جب وہ جنت سے نکالے گئے تھے تو وہ ہندوستان میں سنگل دیپ یا سرندیپ کے مقام پر آکر اترے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں جو خوشبودار پھول اور قیمتی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں وہ حضرت آدم ہی بہشت سے اپنے ساتھ اس ملک میں لائے تھے اور جس پتھر پر حضرت آدم اترے تھے اس پر ان کے پاؤں کا نشان آج تک موجود ہے۔

عرب ممالک کے مصنفین اور اہل قلم حضرات نے دوسرے ممالک کے مقابلہ میں ہندوستان کو ہمیشہ اسی لئے قابل تعظیم قرار دیا ہے کیونکہ اُن کے عقیدہ کے مطابق اُن کے سب سے پہلے پیغمبر نے اسی ملک کی سرزمین کو اعزاز بخشا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ابتدائی احکامات حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ اسی سرزمین پر نازل کئے تھے یعنی ہندوستان ہی کو سب سے پہلے پیغام الٰہی کے نزول کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اور پھر وہ اِسی ملک سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے۔ شائد اسی لئے پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ "میں ہندوستان سے آتی ہوئی معرفت کی بھینی بھینی خوشبو سونگھ رہا ہوں"

مشہور عرب سیاح ابن بطوطہ ۱۳۳۳ء میں ہندوستان آیا تھا اُس نے حضرت آدم علیہ کے نقش قدم کی خود زیارت کی تھی چنانچہ وہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ "حضرت آدمؑ کا نقش قدم ایک اونچے کالے پتھر پہ نقش ہے اور یہ پتھر کے اندر اتنا دھنسا ہوا ہے کہ اب تک جوں کا توں قائم ہے" ابن بطوطہ کے علاوہ دوسرے عرب سیاحوں نے بھی اس قدم شریف کی زیارت کی ہے۔ اِن واقعات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں روز اول ہی سے ہندوستان کا کسقدر احترام ہے

ہندوستان میں مسلمانوں کے فاتحانہ داخلہ سے برسوں قبل ہندوستان کے فلسفہ اور معرفت کے سمجھنے کی مسلمانانِ عرب میں عام خواہش تھی ہندوستان اور ملک عرب کے درمیان یوں تو زمانہ قدیم سے تجارتی تعلقات چلے آرہے تھے لیکن زیادہ مستحکم اور پائیدار تعلقات اُس وقت سے شروع ہوئے جبکہ عربوں نے فتوحات کے بعد مختلف ممالک میں تہذیب کے مرکز قائم کئے۔ سچ تو یہ ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ تک مسلمانوں کو ہندوستان کے متعلق بہت کم معلومات حاصل تھیں۔ صحیح واقفیت حاصل کرنے کی کوشش شاید خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں کی گئی۔ مورخوں کا بیان ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں حکیم ابن جبالہ کو اس غرض کے لئے متعین کیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان کے بارے میں صحیح اطلاعات خلیفہ کو پہنچاتے کیونکہ خلیفہ عثمانؓ ہندوستان کے بارے میں جسے پیغمبر اول کے نزول کا مقام سمجھا جاتا ہے پوری معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ ابن جبالہ نے ہندوستان اگر یہاں۔ کے بارے میں ایک مکمل رپورٹ مرتب کرکے خلیفہ سوم کی خدمت میں پیش کی تھی

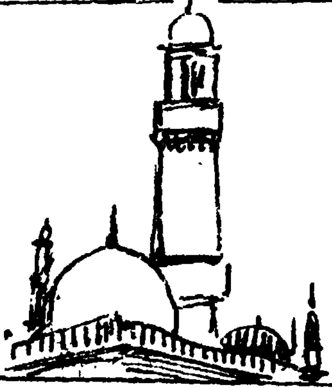
سے ابتدا میں اگرچہ عرب اور ہند کے تعلقات زیادہ مستحکم نہ تھے لیکن پھر بھی مسلمانانِ عرب ہندوستان کو بے حد قدر و عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اِس کے ثبوت میں ہندوستان کی تعریف میں پیغمبر اسلام اور آپ کے مقتدر صحابہ کی روایتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ ان روایتوں میں کسی قدر مبالغہ سے کام لیا گیا ہو۔ لیکن یہ بات دعوے کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ کے لٹریچر میں ہندوستان کے بارے میں بے حد تعریفیں موجود ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان ابتدا ہی سے ہندوستان سے کس قدر گہرا تعلق رکھتے تھے

اور اسی زمانہ میں ہندوستان میں بھی عرب کے مسلمانوں کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ اُس زمانہ میں جو عرب سوداگر ہندوستان آتے تھے اُنھوں نے گجرات کے ہندو راجاؤں اور مالابار کے سامری راجاؤں کو اپنی طرف بے حد مہربان اور دوستی سے بھرا ہوا پایا۔ اِن راجاؤں نے سمندر کے کنارے مسلمانوں کو اپنی بستیاں بسانے اور مسجدیں تعمیر کرنے کی مکمل آزادی دیدی تھی۔ اور اِن مسلمانوں نے ساحلی علاقوں میں آباد ہونے کے بعد ہندوستانی لڑکیوں سے شادیاں بھی کرلی تھیں جن کی ملی جلی اولادیں مالابار میں "موپلا" اور کوکن کے علاقہ میں "ہٹیا" کے نام سے مشہور ہیں پھر اگر ہم مالابار کے ہندو راجہ "سیرومن پیرومل" کے اسلام قبول کرنے کی داستان کو تسلیم کرلیں تو ہمیں ہندوستان میں مسلم نوآبادیوں کے قیام کا زمانہ پیغمبر اسلام کے زمانہ حیات کے قریب ہی ماننا پڑے گا

سندھ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے عام مذہبی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اِس ملک کے سب ہی باشندوں کو اِس بات کا کامل اختیار ہے کہ وہ حسب معمول اپنے مذہب کی پیروی کریں۔ چونکہ ہندو بھی عیسائیوں کی طرح خدا کے ماننے والے ہیں اور یہ اہل کتاب ہیں اس لیے اُن کے مندر بھی عیسائیوں کے گرجوں کی طرح محفوظ رہیں گے غرضکہ سندھ کی فتح کے بعد سے عربوں اور ہندوستانیوں میں ایک نہایت ہی مضبوط محبت کا رشتہ قائم ہو گیا تھا چنانچہ انگریز مورخ ولیم میور کو عربوں اور ہندوستانیوں کے میل جول پر بڑی حیرت ہے وہ کہتا ہے کہ "عرب فاتح ہندوستان آکر بالکل ہی بدل گئے تعجب ہے کہ اُنھوں نے ہندو مندروں کو جوں کا توں محفوظ رکھا اور مورتی پوجا کی بالکل مخالفت نہیں کی۔ سندھ میں اللہ کی پرستش کے ساتھ بدستور مورتیوں کی پوجا بھی ہوتی رہی

اگر ولیم میور نے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا ہوتا تو اُسے معلوم ہو جاتا کہ مذہب کے معاملہ میں اسلام نے جبر کو ممنوع قرار دیا ہے باقی صفحہ ۲۹ پر

تہذیب وتمدن



اسلامی نظام معاشرت بے مثال ہے

اسلام نے زندگی کے ہر گوشہ میں اصلاح کی ہے

(از ادارہ دین دنیا)

اسلام اور دیگر مذاہب میں بین فرق یہ ہے کہ دنیا کے تقریبًا تمام مذاہب کی تعلیم صرف عبادت اور ریاضت تک محدود ہے لیکن اسلام نے عبادات سے کہیں زیادہ انسانی معاشرہ کی اصلاح پر زور دیا ہے۔ ذیل کے مضمون میں اسلام کے اسی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور پہلو ایسا نہیں ہے جس میں کہ اسلام نے اصلاح نہ کی ہو۔ اور اُس کی غیر مفید طریقہ کو بدل کر اُس کی جگہ نیا طریقہ پیش نہ کیا ہو۔ پھر اس دین وفطرت کا اعجاز یہ ہے کہ زمانہ جوں جوں علمی، تہذیبی، اور سائنسی نقطہ نظر سے ترقی کرتا جا رہا ہے اسلام کے اصلاحی اقدامات کی اہمیت اور زیادہ اجاگر ہو کر سامنے آتی جا رہی ہے۔

اسلامی تعلیمات اور ہدایات پر اگر غور کیا جائے تو اُس کا اصلاحی عمل حکومت اور سوسائٹی کی اصلاح سے گزر کر انفرادی زندگی کی اصلاح تک کارفرما نظر آتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے جہاں بین الاقوامی تعلقات، ملکی نظم ونسق، امن وجنگ، سرمایہ داری اور محنت نیز سماج میں توازن قائم رکھنے کے متعلق اپنے مخصوص نظریات پیش کئے ہیں۔ وہاں انسان کی ذاتی اور انفرادی زندگی کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ یعنی انسان کو دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے، اپنے اہل وعیال، قرابت داروں، پڑوسیوں اور دوستوں کے ساتھ معاملات کرنے، دوسروں کے حقوق ادا کرنے اور اپنے حقوق حاصل کرنے اور دیگر معاشرتی معاملات میں اسلام نے انسان کی بہترین رہنمائی کی ہے

اسلام کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ قوم افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ اگر افراد کی زندگی بے داغ، بے ضرر اور دوسروں کے لئے فائدہ مند ہوگی تو ان سے بننے والی قوم بھی بہترین قوم ثابت ہوگی اور ایسی قوم کا وجود پوری بنی نوع انسان کے لئے فائدہ مند بن سکے گا۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس بلند نظریہ میں دنیا کا کوئی مذہب بھی اسلام کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں جو بچہ بھی پیدا ہو اُس کی تربیت ماں کی گود سے شروع کی جائے کیوں کہ ماں کی گود بچہ کی بہترین تربیت گاہ ہے۔ اسی لئے اسلام نے ماؤں یعنی عورتوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے بہت سی پابندیاں عائد کی ہیں تاکہ جو بچے اُن کی گود میں تربیت حاصل کریں وہ آگے چل کر بہترین اور نیک شہری ثابت ہوں۔

پھر افراد کی ذہنی تربیت کے لئے اسلام کے نزدیک اُن کا گھر اولین درسگاہ ہے۔ ایک فرد اگر اپنے دوسرے افراد خاندان کے ساتھ اچھا شریفانہ اور فیاضانہ برتاؤ کرے گا تو گھر کے ماحول اور رشتہ داروں کے دائرہ سے باہر نکل کر دوسروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرے گا اس مقصد کے پیش نظر اسلام نے حُسن معاشرت کی راہ پر چلنے کی ہدایت کی ہے۔ اُس نے نوجوانوں کو والدین اور دوسرے بزرگوں کا احترام کرنے کی تعلیم دی ہے۔ بزرگوں پر خوردوں کے حقوق قائم کئے ہیں اور ان پر اولاد کی پرورش اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔

زوجین پر ایک دوسرے کے حقوق اور فرائض کا تعین کیا ہے۔ بیوی کو شوہر کی خدمت اور شوہر کو بیوی کے حقوق کے پورا کرنے کا ذمہ دار بنایا ہے یہاں تک کہ اگر شوہر کی ضرورت سے زیادہ عبادت سے بیوی کی زندگی میں رخنہ پیدا ہوتا ہو تو ایسی غیر ضروری عبادت اور ریاضت کو بھی ترک کر دینے کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ چنانچہ ایسی متعدد احادیث نبوی موجود ہیں

ین سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے بیویوں کے حقوق نظر انداز کرکے عبادات زہد یا ریاضات میں مصروف رہنے والے صحابہ کو سختی کے ساتھ اس طریقۂ کار کو ترک کر دینے کی ہدایت فرمائی ہے۔

گھروں میں ملازموں کی بھی ایک جگہ ہے اور ظہور اسلام کے وقت یہ جگہ غلاموں کے لئے مخصوص تھی۔ غلاموں کے لئے اسلام کے جو احکامات ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ جو خود پہنو وہ غلاموں کو بھی پہناؤ، جو خود کھاؤ وہ غلاموں کو بھی کھلاؤ اور کبھی کوئی سخت بات اُن سے نہ کہو۔

حضرت انسؓ مدت تک آنحضرت کی ذاتی خدمت گار کی حیثیت سے آپ کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ اس تمام مدت میں ایک مرتبہ بھی آنحضرت نے انہیں کوئی غیر مناسب بات نہیں کہی حالانکہ ظاہر ہے کہ اس طویل مدت میں نادانستہ طور پر حضرت انسؓ سے کوئی نہ کوئی ایسی حرکت ضرور سرزد ہوئی ہوگی جس پر بجا طور پر انہیں تنبیہ کی جاسکتی تھی۔

گھر کی چہار دیواری اور رشتہ داروں کے حلقہ سے باہر نکل کر ایک انسان کا پہلا واسطہ اپنے پڑوسی کے ساتھ پڑتا ہے اور ہمسایہ کے حقوق کے سلسلہ میں اسلام کے احکامات کا اندازہ اس امر سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام کو اس بات کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں حضورؐ ہمسایہ کو ہماری وراثت میں حصہ دار نہ بنا دیں۔ چنانچہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام ہمیشہ پڑوسیوں کے ساتھ قریبی رشتہ داروں جیسا سلوک کیا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کی ہدایت فرماتے رہتے تھے۔ اور اس معاملہ میں اسلام نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کوئی امتیاز روا نہیں رکھا۔

اسلام نے مسلمانوں کو غیر مسلموں کی معبودوں کے احترام کا بھی حکم دیا ہے لین دین تجارت میں ایمانداری کو مدنظر رکھنے کی ہدایت کی ہے اور اس معاملہ میں بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان امتیاز کرنے سے سختی سے منع کیا ہے اسی طرح عدل و انصاف اور گواہی دینے میں مساوات اور مروت سے کام لینے کی تلقین کی ہے۔

اسلام چونکہ اپنے معاشرہ کو ہر قسم کی برائیوں سے پاک دیکھنا چاہتا ہے اس لئے اس نے بدکاری اور زناکاری کی سخت ترین سزا [illegible] اسی طرح چوری اور ڈاکہ کی سزائیں بھی اسلام [illegible] شراب نوشی اور جوئے بازی کو اسلام نے [illegible] مذموم افعال قرار دیا ہے۔

غرضکہ اسلام اُن تمام برائیوں کا شدید مخالف ہے جو آجکل کے معاشرہ میں عام ہیں۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ اُس کے متبعین مثالی شہری بنیں اُن سے کسی فرد کو بھی کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے اُس نے لوگوں کو راستہ میں چارپائیاں بچھانے اور گذرگاہوں میں جانوروں کو باندھنے سے بھی منع کیا ہے اور اس قسم کے احکامات کا مقصد یہ ہے کہ کسی ایک فرد یا چند افراد کی وجہ سے دوسروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچ پائے۔

اسلام نے روزہ نماز حج اور زکوٰۃ کی طرح اپنے ماننے والوں کو پاکیزہ کردار اور بلند اخلاق بننے کی سختی کے ساتھ ہدایت کی ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ قائم کر دینا چاہتا ہے جو آپ ہی اپنی مثال ہو۔

اسلام غیر مسلموں کیلئے بھی رحمت

(باقی مضمون صفحہ ۲۴ سے آگے)

بڑے سے بڑا مسلم حاکم بھی سزا سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ غیر مسلم بڑے سے بڑے فوجی اور انتظامی عہدوں پر مامور تھے اور ہندوؤں میں چونکہ مالیات کے انتظام کی غیر معمولی صلاحیتیں موجود تھیں اسلئے مالیات کا شعبہ کلیتہً ان ہی کے ہاتھوں میں رہتا تھا۔

مسلمانوں کی حکومتوں میں "سیکولرزم" کا یہ مظاہرہ صرف مذکورہ بالا امور تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ مسلم حکمراں جہاں مسجدوں۔ مدرسوں اور مسلم خانقاہوں کے لئے بڑی بڑی جاگیریں وقف کرتے رہتے تھے وہاں مندروں وغیرہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آج بھی ہندوؤں کے ایسے بہت سے اوقاف موجود ہیں جو مسلم حکمرانوں ہی کی بدولت عالم وجود میں آئے تھے۔ اور یہ اوقاف اسلام کے "سیکولر کردار" نیز مسلم حکمرانوں کی ذہنیت کے آئینہ دار ہیں۔

یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ مسلمانوں کے اس عملاً "سیکولر کردار" کی بنیاد ملکی سیاسی مصلحتوں پر قائم نہیں تھی۔ بلکہ اسلام نے انسانی مساوات، رواداری اور یکجہتی کی تعلیم دے کر مسلمانوں کو ایک ایسی اخلاقی طاقت عطا کر دی تھی جس کے سبب بے تعصبی کی عام فضا پیدا کر دی تھی اور اسلامی حکومتیں غیر مسلموں کے لئے رحمت بن گئی تھیں۔

x

جب سسلی پر اسلامی پرچم لہرایا گیا

(باقی صفحہ ۲۲ سے آگے)

اور واقعی اُس زمانہ میں اغلبیوں کی بری اور بحری طاقت اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ یورپ کے بڑے سے بڑے حکمراں بھی اُن کے نام سے کانپتے تھے۔

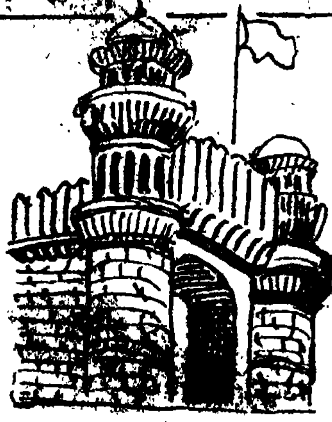
مختصر یہ کہ ابراہیم بن اغلب نے طرابلس میں ایک ایسی مضبوط اسلامی سلطنت قائم کر دی تھی جو تقریباً ایک صدی تک پورے یورپ سے ٹکر لیتی رہی ابراہیم بن اغلب اور اُن کی اولاد کے مجاہدانہ کارناموں سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زمانہ قدیم کے نومسلموں کے دلوں میں بھی اسلام کا کسقدر درد تھا کہ وہ اسلام کی خاطر عیش و آرام کا تو ذکر ہی کیا ہے اپنی جانیں تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

مسلمانوں کے نزدیک ہندوستان پیغمبروں کی زمین

(باقی صفحہ سے آگے)

بھرشائد اُسے اس طرح اپنی حسرت کا اظہار نہ کرنا پڑتا۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے ابتداء ہی سے ہندوستان کو پیغمبروں کی سرزمین سمجھا ہے اور اس ملک کا پورا پورا احترام کیا ہے۔

ہندوستان میں صرف حضرت آدم علیہ السلام ہی کا نزول نہیں ہوا بلکہ مسلمانوں کے دوسرے پیغمبر حضرت شیث علیہ اسلام کی بابت بھی یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ہندوستان آکر آباد ہو گئے تھے اور آپکا مزار اجودھیا کے قریب ہندوستان ہی میں واقع ہے۔ یہ ہیں وہ بنیادی اسباب جنکی بنا پر مسلمان سچے دل سے ہندوستان کی سرزمین کی تقدس کے قائل ہیں۔



رسول اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین

اور سینکڑوں شاہانِ اسلام کی فتوحات اور زندگیوں کے ولولہ انگیز حالات

مکمل تاریخ اسلام

عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی تاریخوں کے پچاس ہزار صفحات کا نچوڑ

(از مفتی شوکت علی فہمی)

یہ تاریخ نہیں ہے بلکہ سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے، ایک ہزار صفحات کی یہ عظیم الشان تاریخ عربی فارسی انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کی مستند تاریخوں کے پچاس ہزار صفحات کا نچوڑ ہے، اس عظیم الشان تاریخ کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کس طرح ساری دنیا پر چھا گیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور شاہانِ اسلام نے مختصر عرصہ میں کافروں اور مشرکوں کی بڑی سے بڑی سلطنتوں کو فتح کر کے دنیا کے بیشتر حصہ پر کس طرح اسلامی حکومت قائم کر دی تھی۔

یہ عظیم الشان تاریخ چودہ ابواب پر مشتمل ہے، اس کا ہر باب اپنی جگہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر دورِ آخر تک کی تمام اسلامی حکومتوں کی یہ مکمل تاریخ چودہ ابواب میں یکجا طور پر پیش کر دی گئی ہے چنانچہ اس میں حکومت اسلامیہ کے بانی رسول اللہ صلعم کی سوانح مبارک اور جنگی کارنامے موجود ہیں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسن یعنی خلفائے راشدین کے دورِ خلافت کے مکمل حالات درج ہیں اور خلفائے بنی امیہ اور خلفائے بنو عباس کی پوری تاریخ موجود ہے اس کے علاوہ عرب۔ عراق۔ ایران۔ شام۔ فلسطین۔ افریقہ روم۔ ترکستان۔ اسپین اور دنیائے اسلام کی سینکڑوں حکومتوں کا تذکرہ موجود ہے، یہانتک کہ ہندوستان کے مسلم فرمانرواؤں کے بھی حالات درج ہیں۔

یہ تاریخ مندرجہ ذیل چودہ ابواب پر مشتمل ہے

پہلا باب: حکومت اسلامیہ کے بانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارک

دوسرا باب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی سرگرمیاں اور فتوحات

تیسرا باب: حضرت ابوبکر صدیق رض کا عہد حکومت اور فتوحات

چوتھا باب: حضرت عثمان غنی رض کا دورِ حکومت اور فتوحات

پانچواں باب: حضرت عثمان غنی رض کا عہد حکومت اور فتوحات

چھٹا باب: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دورِ حکومت اور فتوحات

ساتواں باب: امیر معاویہ اور خلفائے بنی امیہ کا عہد حکومت اور فتوحات

آٹھواں باب: خلفائے بنی عباس کا طویل دورِ حکومت۔

نواں باب: اسپین اور یورپ کی اسلامی حکومتیں

دسواں باب: مراکش تیونس الجزائر اور افریقہ کی اسلامی حکومتیں

گیارھواں باب: مصر و شام کی اسلامی حکومتیں غازی صلاح الدین ایوبی کی صلیبی لڑائیاں

بارھواں باب: ایران افغانستان اور ماوراء النہر کی اسلامی حکومتیں

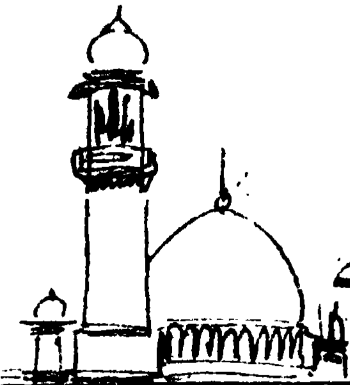
تیرھواں باب: شاہان سلجوق اور سلاطین ترکیا کا دورِ حکومت

چودھواں باب: ہندوستان کی خود مختار اسلامی سلطنتوں کی مختصر تاریخ

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی مکمل اور جامع تاریخ ہے جو اب تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوئی تھی۔ اندازِ تحریر ناول کی طرح عام فہم اور دلکش صفحات تقریباً ایک ہزار۔ کاغذ سفید نہایت اعلیٰ۔ رنگین ٹائیٹل۔ اگر ناپسند ہو تو قیمت واپس منگا لیں۔

چودہ ابواب کی مکمل اور مجلد تاریخ مع خوشنما ڈسٹ کور۔ قیمت سولہ روپے پچاس پیسے

دین دنیا پبلشنگ کمپنی۔ جامع مسجد دہلی



فاروق اعظمؓ کے دورِ حکمرانی سے سبق لو

حضرت عمرؓ کا طریقِ جہانبانی آج بھی بہترین مشعلِ راہ ہے

(از جناب پنڈت سندر لال)

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا دورِ حکومت حکمرانی کا ایک ایسا نمونہ ہے جسے بجا طور پر زمین پر اللہ کی حکومت کہا جا سکتا ہے۔ ہندوستان کے نامور مفکر اور گاندھی جی کے پرانے ساتھی جناب پنڈت سندر لال نے اپنے ذیل کے فاضلانہ مقالہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کے دورِ حکومت پر بڑی خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

خلفائے راشدین میں دوسرے خلیفہ حضرت فاروقؓ نے ایک حکمراں کی حیثیت سے تاریخ کے اوراق پر جو گہرے اور روشن نقوش قائم کیے ہیں۔ وہ کبھی ماند نہیں پڑ سکتے چنانچہ دنیا کے بڑے بڑے مفکر اور انسان دوست حضرات آج بھی حضرت فاروق اعظمؓ کے اندازِ حکومت اور طرزِ زندگی کو پوری دنیا کے لیے مشعلِ راہ یقین کرتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کی زندگی کچھ اس لیے قابلِ تعریف نہیں ہے کہ اُن کے دورِ حکمرانی میں اسلامی مملکت کی سرحدیں دور دور تک وسیع ہو گئی تھیں یا پھر اُن کے زمانہ میں اسلام ایک پودے سے بڑھ کر ایک تناور درخت بن گیا تھا بلکہ اُن کی زندگی صرف اس لیے تقلید کے قابل ہے کہ انھوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں جہاں گیری، رہنمائی، ہمدردی، انسان دوستی، ایثار و قربانی کی ایک ایسی مثال قائم کی ہے جو بے حد قابلِ قدر ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی جن خوبیوں نے انہیں ایک مثالی اور زندۂ جاوید شخصیت بنایا ہے وہ اُن کا بلند تر اعلیٰ کردار ہے۔ انھوں نے زندگی کے تقریباً ہر شعبہ میں اپنے بلند کردار کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا ہے جو آپ ہی اپنی مثال ہے۔ اُن کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔ سرسری مطالعہ سے بھی اُن کی خوبیاں واضح ہو جاتی ہیں۔

یہ بات سب ہی کو معلوم ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ خلفائے راشدین میں سب سے زیادہ طاقتور خلیفہ تھے۔ اُن کی وسیع سلطنت دور دور تک کئی ممالک میں پھیلی ہوئی تھی اور اُن کا دورِ خلافت بھی سب سے زیادہ طویل رہا ہے۔ اس لیے اگر وہ اُس دور کے عام رجحان اور رواج کے مطابق اس زمانہ کے دوسرے شہنشاہوں کی طرح شاہانہ انداز سے زندگی گذارتے تو کسی کو اعتراض نہ ہوتا لیکن اسلام کی تعلیم کی مطابق اُنھوں نے اپنی زندگی کو مخلوقِ خدا کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ وہ اپنے منصب کو ہمیشہ خدمت گذاری کا ذریعہ سمجھتے رہے تھے۔ اُن کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ وہ انتہائی غریبانہ زندگی گذارتے تھے مگر ہر وقت عوام کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔

وہ راتوں کو عوام کی تکالیف معلوم کرنے کی غرض سے گشت کیا کرتے تھے۔ ایک بار فاروق اعظمؓ رات کے وقت گشت کرتے ہوئے ایک ایسی جگہ جا پہنچے جہاں ایک بدو خیمہ سے باہر بیٹھا ہوا تھا۔ فاروق اعظمؓ بھی اُس کے پاس جا بیٹھے اور حالات معلوم کرنے لگے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد خیمہ کے اندر سے درد کی وجہ سے کسی کے کراہنے کی آواز آئی۔ اور دریافت کرنے پر بدو نے بتایا کہ اُسکی بیوی کے بچہ پیدا ہونے والا ہے لیکن اُس کے پاس نہ کوئی عورت ہے اور نہ دائیہ ہی کا کوئی انتظام ہو سکا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ یہ بات سن کر فوراً وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر آئے اور اپنی بیوی حضرت ام کلثوم کو ساتھ لے کر بدو کے پاس

واپس آکر اپنی بیوی کو خیمہ کے اندر بھیجدیا اور خود بدو کے پاس بیٹھ گئے تھوڑی دیر بعد ہی آپ کی اہلیہ نے خیمہ کے اندر سے آواز دے کر کہا "امیرالمومنین مبارک ہو خدا نے آپ کے دوست کو لڑکا عطا فرمایا ہے" بدو امیرالمومنین کا نام سن کر گھبرا گیا ۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اُسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا "گھبرانے کی بات نہیں ۔ میں اور میری بیوی بچے سب آپ لوگوں کی خدمت کے لئے ہیں"۔

حضرت عمر فاروقؓ بہت سوچ سمجھ کر عمال حکومت مقرر کرتے تھے ۔ جب کسی کو کوئی عہدہ سپرد کرتے تھے تو اُس کے اثاثہ کی تفصیل دفتر خلافت میں محفوظ کرلی جاتی تھی ۔ اور اگر اُس کے عہدہ کے زمانہ میں اُس کے اثاثہ میں کسی قسم کا اضافہ ہوتا تھا تو اُس سے جواب طلب فرمالیتے تھے ۔ عوام کو خلیفہ اور عمال حکومت پر تنقید کرنے کی پوری آزادی حاصل تھی چنانچہ جن عمال حکومت کے بارے میں شکایتیں موصول ہوتی تھیں اُن کی پوری پوری تحقیقات کی جاتی تھی ۔ اور اگر کوئی شکایت درست ہوتی تھی تو عامل کو نہ صرف عہدہ سے برطرف کردیا جاتا تھا بلکہ سزا بھی دی جاتی تھی ۔

حضرت عمرؓ کا اعلان عام تھا کہ اسلامی مملکت میں کوئی ایک شخص بھی بھوکا نہ رہنے پائے ۔ اس لئے پوری مملکت میں تمام اپاہجوں، بیواؤں یتیموں ضعیفوں اور بے روزگاروں کو وظیفے دیے جاتے تھے ۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مملکت اسلامیہ میں کوئی ایک شخص بھی بھوکا رہے گا تو قیامت کے دن مجھ سے جواب طلب کیا جائے گا

حضرت فاروق اعظمؓ میں ہمدردی اور شفقت کا جذبہ اتنا شدید تھا کہ وہ لوگوں کی تکلیف دیکھ کر بے چین ہو جاتے تھے ۔ آپ غریبوں کو بیت المال سے کھانا کھلاتے تھے ۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ خود کھڑے ہوئے لوگوں کو کھانا کھلارہے تھے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے ۔ آگے بڑھ کر اس کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اُس کا دایاں ہاتھ جنگ موتہ میں جاتا رہا ہے ۔ آپ اُس کی معذوری دیکھ کر بے چین ہو گئے ۔ پوچھا تمہیں وضو کون کراتا ہوگا ۔ تمہارا سر کون دھوتا ہوگا کپڑے کون پہناتا ہوگا پھر آپ نے اُس کا وظیفہ دوگنا کر دیا تاکہ وہ خدمت گار رکھ سکے ۔

آپ کے دور خلافت میں ایک بار ملک میں قحط پڑا تو آپ نے تمام مملکت میں ہدایات جاری کردیں کہ فاضل غلہ قحط زدہ علاقوں میں پہنچایا جائے ۔ اُس زمانہ میں لوگوں کی پریشانی دیکھ کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے ۔ اور آپ کی زبان پر یہ دعا جاری رہتی تھی "اے خدا عمرؓ کو وہ روز بد نہ دکھانا کہ لوگ اُس کے سامنے بھوکوں مریں" قحط ہی کے زمانہ میں ایک بار آپ کا غلام آپ کے لئے بازار سے دودھ اور مکھن خرید کر لایا لیکن جب یہ چیزیں دسترخوان پر آئیں تو آپ رو پڑے اور فرمایا کہ "اگر میں ان چیزوں کو کھاؤں گا تو لوگوں سے متعلق اپنی ذمہ داریاں کس طرح پوری کرسکوں گا" قحط کے زمانہ میں آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ پیٹ بھر کر کھانا تک نہیں کھاتے تھے ۔

ایک مرتبہ آپ رات کے وقت مدینہ کی گلیوں میں گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں درد ناک اشعار پڑھتے ہوئے سنا ۔ اور جب تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ اُس کا شوہر فوج میں ملازم ہونے کے باعث ایک مدت سے گھر نہیں آیا ہے تو آپ نے یہ حکم دیا کہ کوئی بھی سپاہی مسلسل چار ماہ سے زیادہ اپنے گھر سے باہر نہ رہے ۔

دنیا کی کسی بڑی سے بڑی حکومت پر اُس وقت تک کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ آئین کی پابندی میں حکمران جری اور بے باک نہ ہو ۔ اور یہ خوبی حضرت عمر فاروقؓ میں پوری طرح موجود تھی ۔ عدل و انصاف کے معاملہ میں وہ کسی اپنے قریب ترین عزیز کے ساتھ بھی رعایت نہیں فرماتے تھے ۔ چنانچہ انھوں نے اپنے فرزند ابو شحمہ کی ایک ناروا حرکت پر اسلامی قانون کے مطابق سو کوڑے لگانے کی سزا دی تھی ۔ جس سے کہ وہ سزا کے دوران ہی ہلاک ہو گئے تھے ۔ مورخوں کا بیان ہے کہ جس وقت ابو شحمہ کو کوڑے لگائے جا رہے تھے اور وہ چیخ رہے تھے تو حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے ۔ لیکن اُن کی پدرانہ شفقت بھی انہیں عدل و انصاف کے راستہ سے نہ ہٹا سکی ۔

حضرت فاروق اعظمؓ ایک بہت بڑی مملکت کے شہنشاہ تھے لیکن حکومت کو وہ اللہ کی امانت سمجھتے تھے ۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن لیتے تھے ۔ غریبانہ زندگی گزارتے تھے ۔ اُن کے دروازے پر نہ کوئی دربان تھا نہ چوکیدار



اسلام آئرلینڈ کے ایک مفکر کی نظر میں

اسلام کے بارے میں یڈنوویل بیگاٹ کے احساسات

(نوویل بیگاٹ کے انگریزی مقالہ سے ماخوذ)

مسٹر۔ پی۔ ایچ۔ نوویل بیگاٹ ائیرلینڈ کے ایک نامور مفکر ہیں اُنکی زندگی کا بیشتر حصّہ مختلف مذاہب کے مطالعہ میں گزرا ہے۔ اس لائق مفکر کی رائے ہے کہ دنیا میں ایک اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے کہ غیر مسلموں کی بھی رہنمائی کی ہے چنانچہ ہم ذیل میں انگریزی سے ترجمہ کر کے اسلام کے بارے میں اس مفکر کے احساسات درج کر رہے ہیں۔

اسلام نے اب سے چودہ سو سال پہلے عالمگیر برادری قائم کرنے کی جو دعوت دی تھی وہ کس قدر اہم تھی اُس کا اندزہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج چودہ سو سال کے بعد بھی انسان اُس کی ضرورت کو محسوس کر رہا ہے اور اِس دعوت کو لبیک کہنے پر آمادہ ہے۔

اسلام کے داعی نے اسلام کے ظہور کے پہلے ہی دن انسان کو یہ سبق دیا تھا کہ مذہب کے اختلافات کے باوجود تمام دنیا کے باشندے ایک جسم کے مختلف اعضاء کی حیثیت رکھتے ہیں اور اُن کے درمیان محض انسانیت کی بنیاد پر خوشگوار تعلقات برقرار رہنے چاہئیں۔ اور آج کا انسان بھی اسلام کے اِس بنیادی اعلان کی تائید کر رہا ہے۔ لیکن اسلام نے اِس اہم مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جو سادہ اور قابل عمل طریقے اختیار کئے تھے آج اُس مقصد کو حاصل کرنے کے خواہشمند اُن طریقوں کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں اور اسی لئے وہ اِس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں حالانکہ اسلام نے اپنے ظہور کے بعد چند سال کی مدت میں اِس مقصد کو حاصل کر لیا تھا۔ اور اس ضمن میں اسلام اِس مقصد کے حصول کے لئے مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں کی بھی پوری پوری رہنمائی کرتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو تمام اجتماعی زندگی بالکل گھریلو زندگی کے مانند ہے یہ بات بہت زیادہ وضاحت کی محتاج نہیں کہ جس طرح گھر کا امن اور سکون اُس گھر کے رہنے والوں کے باہمی تعلقات کی خوش گواری پر منحصر ہے بالکل اُسی طرح دنیا کے امن اور اُس کی ترقی کا انحصار بھی تمام قوموں کے تعلقات کی خوشگواری پر موقوف ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ دنیا کے تمام باشندے نہ تو کبھی مذہبی۔ سیاسی اور اقتصادی عقیدوں میں ایک ہوئے ہیں اور آئندہ کبھی ایک ہو سکتے ہیں۔ اِس لئے تمام قوموں کے تعلقات کو خوش گوار بنانے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ زندگی کے اختلافی پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے تمام قوموں کو ایسی باتوں پر متفق ہونے کی دعوت دی جائے جن میں کہ اختلاف موجود نہ ہو۔ اور اسلام نے عالمگیر اسلامی برادری کے قیام میں اسی نکتہ کو مدِنظر رکھا ہے۔

اسلام روحانی قدروں کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ زندگی کا ایک مکمل ضابطہ بھی ہے۔ اِس لئے وہ اِس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ جب تک کسی کام کی دعوت دینے والے خود اُسے انجام دینے کے اہل نہ ہونگے وہ دوسروں کو اُس کام کی صحت اور صداقت کا یقین نہیں [illegible] اس لئے خود مسلمانوں کے لئے زندگی کے ایسے اصول مرتب کئے [illegible] جن پر عمل کرنے کے بعد خود عالمگیر انسانی برادری کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔

اسلام نے عالمگیر اسلامی برادری کا سنگ بنیاد رکھنے سے پہلے

ہی اس بات کو سمجھ لیا تھا کہ انسانی فطرت کی بعض خصوصیات کو بدل دینا ممکن نہیں ہو سکتا اسی لئے اُس نے مختلف قوموں کے درمیان خوش گوار تعلقات کے قیام کی شرط اول اس بات کو قرار دیا تھا کہ کسی قوم کو دوسری قوموں کے داخلی معاملات سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہیئے۔ اُن کے مذہبی اور سماجی معاملات میں کسی قسم کا دخل نہیں دینا چاہیئے۔ آپس میں جو معاہدے اور قول و قرار کئے جائیں انھیں پورا کرنا چاہیئے اور مشترکہ فائدہ کے کاموں میں ایک کو دوسرے کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنا چاہیئے اور اس زمانہ کے سیاسی اور مذہبی رہنما بھی قوموں کے درمیان خوش گوار تعلقات کے قیام کی بنیادی شرط ان ہی باتوں کو قرار دیتے ہیں

اسلام نے مسلمانوں کا جو سماج قائم کیا تھا اُس کے بارے میں اس بات کو ثابت کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ وہ کامل مساوات اور حسن معاملات کی بنیاد پر قائم تھا۔ اور چونکہ ظہور اسلام کے بعد ہی سے مسلمانوں کا غیر مسلموں سے واسطہ پڑنے لگا تھا اس لئے غیر مسلموں کے ساتھ جو اُن کا طرزِ عمل رہا تھا اُسے ایک یورپین مورخ نے ان الفاظ بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ "ہجرت نبوی سے پہلے جب مسلمان مکہ میں مظلوموں کی طرح زندگی بسر کر رہے تھے تو اُن کے شدید ترین دشمن بھی اُن کے حسن اخلاق اعلیٰ کردار اور حسن معاملت کا اعتراف کرتے تھے۔ لیکن انھیں مسلمانوں کی جو بات ناگوار گزرتی تھی وہ یہ تھی کہ انھوں نے بتوں کی پرستش کو ترک کر دیا تھا"

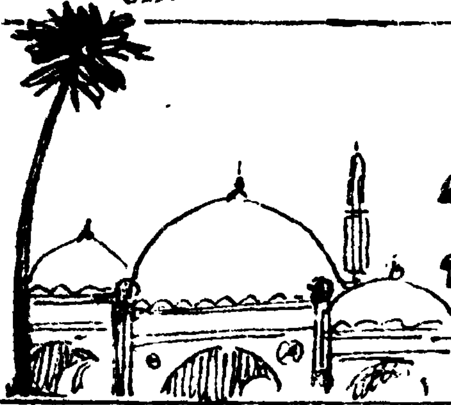
اس یورپین مورخ کی تحریر سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی ایام میں شائد مسلمان مجبور ہونے کے باعث اپنے پسندیدہ اخلاق اور اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کرتے تھے لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے ایام مظلومیت کے دور سے نکلنے اور دنیا کا حکمراں ہونے کے بعد بھی اپنے اخلاق اور اعلیٰ کردار کو باقی رکھا تھا تو یہ شبہ خود بخود دور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسلامی حکومت کے قیام اور ملکی فتوحات کے بعد بھی انھوں نے کسی مفتوح قوم کے مذہبی عقیدوں اور سماجی روایات میں کبھی کوئی مداخلت نہیں کی۔ انھوں نے اُن کی زندگی کے قدیم [illegible] ان کی پوری پوری مدد کی اور اُن کے ساتھ جو معاہدے اور وعدے کئے اُنہیں ہر حال میں پورا کیا اور کسی موقع پر بھی مفتوح قوموں کے مسائل سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم ہی کچھ ایسی ہے کہ وہ انسان کو کچھ سے کچھ بنا دیتی ہے۔ اسلام قبول کرنے سے قبل سب ہی جانتے ہیں کہ عربوں میں دنیا بھر کے عیوب موجود تھے لیکن اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اُن کی کایا پلٹ ہو گئی اور یہ قوم ساری دنیا کی رہنما بن گئی۔ اور جس ملک میں بھی یہ فاتح کی حیثیت سے گئے انھوں نے مفتوح قوم کے کردار کو بھی بدل ڈالا۔ اور اُن میں ایسی اخلاقی اور کردار کی خوبیاں پیدا ہو گئیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھیں۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ واقعی اسلام میں بے اندازہ محاسن موجود ہیں۔

اسلام کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کے عروج کے زمانہ میں قوموں کے باہمی تعلقات جس درجہ خوش گوار رہے ہیں۔ اُس سے پہلے اور اُس کے بعد کسی زمانہ میں بھی اتنے خوشگوار نہیں دکھائی دیئے اور اس کا سبب محض یہ تھا کہ مسلمان دوسروں کے داخلی معاملات اور مسائل سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ سب ہی مذاہب کے بانیوں کا احترام کرتے تھے۔ اور اُن کی نظر میں رنگ اور نسل کے اختلافات کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے اور عام انسانی مفاد سے تعلق رکھنے والے مسائل میں سب کے ساتھ تعاون کرتے تھے اور یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کی موجودگی میں غیر مسلم بھی اسلام اور مقلدین اسلام کا احترام کرنے پر مجبور ہو گئے۔

آج قوموں کے درمیان جو کشیدگی اور بے اعتمادی پائی جاتی ہے وہ صرف اس بنا پر ہے کہ عالمگیر برادری کے قیام کی ضرورت کو محسوس کرنے باوجود اس کے داعی اُن برائیوں کو دور کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے جو قوموں کے اندر بے اعتمادی پیدا کرتی ہیں۔ چنانچہ آج بھی مذہبی تنگ نظری عام ہے۔ رنگ و نسل کا امتیاز باقی ہے طاقتور قومیں آج بھی کمزور قوموں کے مذہبی اور سماجی روایات میں مداخلت کر رہی ہیں۔ اور عہد شکنی عام ہے ہماری قطعی رائے ہے کہ جب تک اس معاملہ میں بنیادی طور پر اسلام کے اصول کو تسلیم نہیں کیا جائے گا قوموں کے باہمی تعلقات خوشگوار نہیں ہو سکیں گے۔

اسلام کے خالص مذہبی عقائد سے ہمیں خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی ہمیں اسلام کے سماجی نظام کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ نظام مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی کے لئے یکساں مفید ہے۔



اسلام راہبوں کا مذہب نہیں ہے

اسلام کے نزدیک دنیاوی جدوجہد بھی ایک عبادت ہے

(از ڈاکٹر مصطفیٰ الرزقا)

ڈاکٹر مصطفیٰ ایسیرین یونیورسٹی کے ایک سابق پروفیسر ہیں۔ اُنھوں نے ذیل کے فاضلانہ مضمون میں بتایا ہے کہ اسلام جہاں عبادات کا حامی ہے۔ وہاں دنیاوی جدوجہد کو بھی ایک عبادت ہی سمجھتا ہے۔ یہ فاضلانہ مضمون عربی زبان سے ترجمہ کر کے ناظرین دین دنیا کی معلومات کے لیے پیش کیا جا رہا ہے

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو اپنے متبعین کو ایسا باعمل انسان بنا دینا چاہتا ہے جو دین کے ساتھ دنیاوی جدوجہد میں بھی پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لے سکیں۔ اِسی لیے اسلامی نقطۂ نظر سے عبادت کا مقصد گوشہ نشینی نہیں ہے بلکہ انسان کی روح اور اُس کی عملی زندگی کو آلائشوں اور برائیوں سے پاک کرنا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب نے یوں تو اپنے ماننے والوں کو عبادت کی دعوت دی ہے لیکن اسلام اور دوسرے مذاہب کی عبادت کے طریقوں اور مقاصد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

مثلاً بعض مذاہب عبادت کے لئے انسان کو ترکِ دنیا کی ترغیب دیتے ہیں۔ بعض مذاہب نے عبادت کے لئے چند مقامات مخصوص کر دیئے ہیں۔ اور ان کے ماننے والے اِن مخصوص مقامات کے علاوہ کسی دوسری جگہ عبادت نہیں کر سکتے۔ اور کچھ مذاہب ایسے بھی ہیں جنھوں نے عبادت کے فرائض انجام دینے کے لئے مذہبی رہنماؤں کی موجودگی کو ضروری قرار دیا ہے اور اِن کی رہنمائی کے بغیر ان مذاہب کا کوئی ماننے والا عبادت ہی نہیں کر سکتا۔ اور ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی عبادت کا نصب العین یا تو ترکِ دنیا قرار دیا گیا ہے۔ یا خدا اور بندہ کے تعلق کو چند مخصوص مقامات اور طبقات کا پابند بنا دیا گیا ہے۔

اسلام کا نظریہ اِن تمام مذاہب سے بالکل مختلف ہے اسلام عبادت کے ذریعہ انسانوں کو دنیا سے الگ تھلگ نہیں کرنا چاہتا۔ اُس کا منشا یہ ہے کہ انسان اِس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے پروردگار کو نہ بھولے اسی لئے اسلام نے معاش کے لیے جدوجہد اور بیوی بچوں کی پرورش کو بھی عبادت ہی قرار دیا ہے۔ اسلام انسان کی روح کو پاک اور صاف کر دینا چاہتا ہے۔ اور وہ اُسے خوبیوں کا نمونہ بنانے کی غرض سے اُس کے ذہن میں پاکیزہ خیالات پیدا کرنے کا حامی ہے وہ بنی نوع انسان کو توہمات اور فضولیات کی پرستش سے بھی نجات دلانا چاہتا ہے اور اِسی لئے عبادت کو ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد رکھ کر اسلام نے خدا اور بندہ کے درمیان براہِ راست تعلق پیدا کر دیا ہے۔

دنیا کے بعض مذاہب میں انسانوں کے [illegible] مذہبی پیشواؤں کو لوگوں کی [illegible] پروانے دینے یا عبادت کو مسترد کر دینے کا اختیار بھی حاصل ہے۔ لیکن علمائے اسلام کو اِس قسم کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اِس کے برعکس [illegible] وہ بھی عام مسلمانوں جیسے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی شریعت نے علمائے اسلام کو خدا اور بندہ کے درمیان [illegible] قرار دیا ہے اور نہ اُنہیں لوگوں کی عبادت کو قبول یا مسترد کرنے کا کوئی حق دیا ہے۔

پھر اسلام نے عبادت کے لئے مساجد بنانے کا تو حکم دیا ہے لیکن صرف مسجد ہی کو عبادت کے لئے مخصوص نہیں کیا ہے بلکہ مسلمانوں

کو ہر جگہ اور ہر حال میں عبادت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ اسلامی عبادت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام نے اُس کے دائرہ کو محض نماز روزہ وغیرہ ہی تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ ہر اچھے اور نیک کام کو عبادت کا درجہ دے دیا ہے۔

مثلاً بظاہر صحت اور عبادت میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا لیکن اسلام نے مسلمانوں کی صحت مندی اور تندرستی کو برقرار رکھنے کو بھی ایک قسم کی عبادت ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ اِس سلسلہ میں آنحضرت صلعم کا ارشاد خاص طور پر قابل توجہ ہے آپ نے فرمایا ہے کہ "کمزور مومن کے مقابلہ میں طاقتور مسلمان اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے" اِس کے علاوہ اسلام نے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کسب معاش اور اولاد کی پرورش کو بہترین عبادت قرار دیا ہے۔

اسلامی عبادت کے دائرہ کو دنیاوی معاملات تک وسیع کر دینے کا ایک فلسفیانہ پہلو یہ بھی ہے کہ دنیاوی دھندوں میں مصروف رہنے کے باوجود انسان ہر وقت اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے نزدیک محسوس کرتا ہے۔ اور اس بات کا پورا خیال رکھتا ہے کہ وہ ایمانداری کے ساتھ اپنے دنیاوی فرائض انجام دے اسلامی عبادات انسان کو ترک دنیا ہی سے نہیں روکتیں بلکہ دنیا سے جائز طور پر فائدہ اٹھانا بھی عبادت ہی میں داخل ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی ایسی متعدد احادیث موجود ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اُن لوگوں کو اپنے دائرہ سے باہر قرار دیتے تھے جو کثرت عبادت کی بنا پر خود اپنے جسم اور اپنے اہل وعیال کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہتے تھے

یہاں یہ واقعہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کی کمر جھکی ہوئی تھی اور چلنے پھرنے سے معذور رہتا تھا حضرت عائشہ نے لوگوں سے اُس شخص کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص ایک عبادت گزار بزرگ ہے اور کثرت عبادت ور یاضت کے باعث اِس کی یہ حالت ہو گئی ہے حضرت عائشہ [illegible] عبادت سے زیادہ عبادت و ریاضت پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ [illegible] عبادت [illegible] نہیں جو جسم کی توانائی [illegible] حضرت عمر [illegible] عبادت [illegible] کرتے [illegible] آواز بڑی گرج دار تھی وہ تیز رفتار کے ساتھ چلتے [illegible] کی غذا بھی [illegible] ذریعہ اُن کا مرتبہ [illegible] سا۔

مختصر یہ کہ اسلام کی عبادات ترک دنیا کے غلط تصور پر مبنی نہیں ہے۔ ترک دنیا انسان کو ناکارہ بنا دیتی ہے اسلامی عبادات کا منشا یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے اُس کا ہر فعل اللہ کی مرضی کے مطابق ہو۔ اور انسان کے قلب کو توہمات اور جھوٹے خداؤں سے نجات دلا کر اُسے براہ راست خدائے واحد سے وابستہ کر دے اور انسانی زندگی کو نیکیوں کا مجموعہ بنا کر اُسے خود اپنے لئے اور معاشرہ کے لئے کار آمد بنائے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جہاں مسلمانوں نے عبادت وریاضت کے فرائض انجام دئے ہیں۔ وہاں اُنھوں نے دنیاوی ترقی کے سلسلہ میں عظیم الشان کارنامے بھی انجام دئے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اسلام کی تعلیم اور تربیت ہی کا نتیجہ ہے۔ اسلام گوشہ نشین راہبوں کا مذہب نہیں ہے بلکہ ان باعمل حوصلہ مند انسانوں کا مذہب ہے جنھوں نے دنیا میں رفاہ عام کے ناقابل فراموش کارنامے انجام دئے ہیں۔ نیز اُنھوں نے آدھی سے زیادہ دنیا فتح کر لی تھی۔



یہ تھا سلاطین اسپین کا کردار

اسپین کی مسلم تاریخ کے چند دلگداز واقعات

(ہمارے مورخ کے قلم سے)

اسپین پر مسلمانوں نے پورے آٹھ سو برس تک حکومت کی ہے۔ اسپین کے سلاطین کے دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ پورا یورپ اُن کے سامنے گردن جھکاتا تھا۔ ذیل میں سلاطین اسلام کے دور حکومت کے صرف چند واقعات ناظرین دین دنیا کی دلچسپی کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں۔

اسپین کا سلطان عبدالرحمٰن بن معاویہ اپنے دور کا نہایت ہی حوصلہ مند حکمراں ہوا ہے۔ اُس نے محض اپنی حوصلہ مندی کی بدولت نازک ترین حالات میں ۱۳۸ھ میں یورپ کے اِس ملک میں ایک ایسی مضبوط اسلامی سلطنت قائم کر دی تھی جو سینکڑوں برس تک پورے یورپ کا مقابلہ کرتی رہی۔ جب اس حوصلہ مند حکمراں نے اسپین سے قدیم عیسائی حکومت کا خاتمہ کر کے اسپین پر اسلامی پرچم لہرایا تو عیسائیوں کے ساتھ ایسی رواداری اور محبت کا سلوک کیا کہ ہزاروں عیسائی بخوشی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اپنی موت سے قبل اپنے بیٹے ہشام کو جو وصیت کی تھی اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کا انداز حکومت کیا تھا۔ اُس وصیت کا خلاصہ یہ ہے "بیٹا میرا آخری وقت ہے اب میری بجائے تمہیں حکمرانی کے فرائض انجام دینے ہونگے سب سے اہم بات یہ ہے کہ اِس حکومت کو کبھی ذاتی میراث نہ خیال کرنا بلکہ ہمیشہ اللہ کی امانت سمجھنا۔ اور اس بات کو نہ بھولنا کہ جب کوئی حکمراں ظلم و زیادتی اور ناانصافی پر اتر آتا ہے تو اللہ جل شانہٗ اُس سے حکومت چھین لیتا ہے۔ عشرت پسندی سے پرہیز کرنا اور اسلامی شعائر پر سختی سے پابند رہنا۔ کبھی کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کرنا کیونکہ ایسا کرنا شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ اللہ کا شکریہ ادا کرنا اور اُس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی تمام مخلوق کے ساتھ خواہ وہ کسی مذہب کے بھی پیرو ہوں محبت سے پیش آنا۔ ہمیشہ اچھے لوگوں کو عمال مقرر کرنا کیونکہ اگر کسی عامل سے کوئی کوتاہی ہوگی تو اُس کی جوابدہی قیامت کے روز تم ہی کو کرنی پڑیگی۔ جب دسترخوان پر بیٹھو تو غریبوں کو نہ بھولنا اگر ساری مملکت میں ایک شخص بھی بھوکا رہتا ہے تو بادشاہ کے لئے رزق کھانا حرام ہے۔" سلطان عبدالرحمٰن کی اِس وصیت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ خدا سے کسقدر ڈرتا تھا اور اُس کے دل میں مخلوق خدا کا کسقدر درد تھا۔

سلطان الحکم ۱۸۰ھ میں اسپین میں تخت نشین ہوا تھا یہ ایک نہایت ہی نیک دل حکمراں تھا۔ مگر ایک مرتبہ اُس نے بالجبر ایک بیوہ عورت کے مکان کی زمین اپنے نوتعمیر محل میں شامل کر لی تھی محض اِس لئے کہ اِس بیوہ عورت نے قیمتاً زمین دینے سے انکار کر دیا تھا۔ بیوہ عورت نے سلطان کی اِس ناانصافی کے خلاف قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔

قاضی نے مقدمہ کی باقاعدہ سماعت کرنے کی بجائے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب سلطان اِسی نوتعمیر محل میں موجود تھا تو ایک گدھا اور خالی بورا لیکر یہ محل میں پہنچ گیا۔ اور بادشاہ سے عرض کیا کہ میں ایک خاص غرض سے محل کی مٹی لینے آیا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک بورا مٹی لے جاؤں سلطان نے اجازت دے دی۔ قاضی نے مٹی بورے میں بھری اور بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو اِس بورے

کو گدھے پر رکھوانے میں سہارا دیجئے۔

سلطان اس تمام واقعہ کو قاضی کی زندہ دلی سمجھتا رہا۔ اور بورا اٹھانے میں قاضی کی مدد کرنے لگا۔ مگر بورا اتنا وزنی تھا کہ دونوں مل کر بھی نہ اٹھا سکے تو قاضی نے سلطان سے کہا کہ جب آپ ایک بورے کا بوجھ دوسرے کی مدد سے بھی نہیں اٹھا سکے تو ذرا غور فرمایئے کہ روزِ قیامت اس بیوہ عورت کی اس پوری زمین کا بوجھ کیونکر اٹھا سکیں گے جس زمین کو آپ نے بالجبر اپنے اس محل میں شامل کر لیا ہے۔ یاد رکھیے اس روز شاہ و گدا میں کوئی امتیاز نہ ہوگا سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوں گے۔ یہ وہ وقت ہوگا جب اعمالِ حسنہ کی بنا پر گدڑی پوش فقیر بادشاہوں پر سبقت لے جائیں گے۔ اور بادشاہ مفلسوں اور محتاجوں سے بھی بدتر دکھائی دیں گے اس دن سے ڈریئے۔

سلطان الحکم قاضی کی یہ باتیں سن کر کانپ گیا۔ اور قاضی کی حق گوئی سے متاثر ہو کر پورا کا پورا محل بیوہ عورت کو دے دیا۔ اور اس طرح ایک بیوہ عورت مالا مال ہو گئی۔

سلطان عبدالرحمٰن ثالث ۹۱۲ء میں قرطبہ میں تخت نشین ہوا تھا۔ اس نے پچاس سال حکومت کی تھی۔ جب یہ ۹۶۱ء میں ۷۲ سال کی عمر میں فوت ہوا تو اس کے مرنے کے بعد اس کے کاغذات میں سے ایک نوشتہ برآمد ہوا جس میں کہ اس نے لکھا تھا کہ

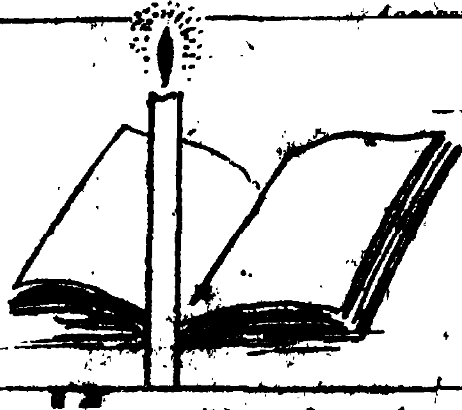
"اگرچہ مجھے تخت پر بیٹھے ہوئے پچاس برس ہو چکے ہیں اور خدا نے مجھے دنیا کی ہر نعمت عطا کی ہے لیکن اس پچاس سال میں مجھے چین و آرام کبھی بھی حاصل نہ ہو سکا۔ اس طویل مدت میں صرف چودہ یا پندرہ دن ایسے مل سکے ہیں جو میں نے کسی قدر اطمینان اور سکون سے گزارے ہیں۔ اس سے لوگوں کو عبرت حاصل ہونی چاہیئے اور یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ دنیا کی عظمت اور دولت سب ہیچ ہے۔ سکون صرف اطاعتِ الٰہی کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے"

یہ نصیحت اس صاحبِ سطوت حکمراں کی ہے جس کے روبرو یورپ کے تقریباً سب ہی عیسائی حکمراں گردنیں جھکاتے تھے۔ اور جس کی زندگی کو قابلِ رشک خیال کیا جاتا تھا اور جس نے اسپین میں ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دیے ہیں جو ناقابلِ فراموش ہیں۔ لیکن اس باعظمت سلطان کو بھی پچاس سال کے دورِ حکومت میں سکون نہ حاصل ہو سکا گویا یہ نیک دل سلطان دنیا والوں کے لئے اپنے پیچھے عبرت و نصیحت کی ایک داستان چھوڑ گیا ہے۔

الحکم ثانی بھی اسپین کا ایک باعظمت حکمراں ہوا ہے۔ اس کے زمانہ میں چونکہ عیسائیوں کا اثر و رسوخ بے حد بڑھ گیا تھا اس لئے چند عیسائی افراد نے اس بات کی کوشش کی کہ الحکم کو قتل کرنے کے بعد اپنے مذہب کے کسی فرد کو اسپین میں تخت نشین کر دیں لیکن اس سازش کا عین وقت پر انکشاف ہو گیا اور جب اس سازش کا سرغنہ جو ایک پادری تھا اُسے الحکم کے روبرو گرفتار کر کے پیش کیا گیا تو سلطان نے اُس سے کہا

"تم ایک ایسے مذہبی رہنما ہو جس میں کہ اس بات کی بھی اجازت نہیں کہ اگر کوئی تمہارے ایک طمانچہ مارے تو تم اُس طمانچہ کا جواب دے سکو بلکہ تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ طمانچہ مارنے والے کے سامنے اپنا دوسرا گال بھی پیش کر دو لیکن تم دنیا وی لالچ میں مبتلا ہو کر اپنے مذہب کو بھول گئے ہو۔ یہاں تک کہ تم قتل اور غارتگری پر اتر آئے ہو۔ یاد رکھو کہ کوئی شخص بھی اللہ کی مرضی کے خلاف نہ کسی سلطنت کے تخت پر بیٹھ سکتا ہے اور نہ کسی کو تخت و تاراج سے محروم کر سکتا ہے۔ تم نے میرے ہی خلاف نہیں بلکہ اللہ کی مرضی کے خلاف بغاوت کی ہے۔ اس لئے یقیناً طور پر تم سزائے موت کے مستحق ہو۔ لیکن میں تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو جان کی امان دیتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ اسپین چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں چلے جاؤ"

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سلاطین اسپین میں رواداری کس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی بڑی نرمی کا سلوک کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ سلاطین اسپین نے جیسی رواداری اور فراخ دلی کے ساتھ حکومت کی ہے اُس کی مثال آج تک یورپ کی تاریخ میں مفقود ہے۔



جہالت کے خلاف مسلمانوں کا جہاد

یورپ میں علم کی روشنی مسلمانوں کی بدولت پھیلی

(ہمارے مورخ کے قلم سے)

مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں صرف عظیم الشان فتوحات ہی نہیں حاصل کی ہیں بلکہ اُن کا اس سے بھی بڑھ کر کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے علوم و فنون کی روشنی سے دنیا کے دور دراز خطوں کو بھی جگمگا دیا تھا ذیل کے مضمون میں مسلمانوں کی علمی جدوجہد پر ہلکی سی روشنی ڈالی گئی ہے ۔

دنیا میں کسی قوم کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ جہالت اور بے علمی کو دور کرنے اور مذہب و رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر ہر فرد کو غور و فکر کرنے کی صلاحیت عطا کرے اس کے علاوہ انسان کو ضمیر کی آزادی سے روشناس کرائے ۔ یہ فخر دنیا میں صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اُس نے اپنے متبعین کو سختی سے ہدایت کی ہے کہ وہ حصول علم کی خاطر دنیا کے دور دراز خطوں میں جانے سے بھی گریز نہ کریں۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کی ایسی متعدد احادیث موجود ہیں جنہیں کہ علوم کو پھیلانے والوں کو پیغمبروں کا وارث قرار دیا ہے اور اسلام کی اس تعلیم اور ہدایت کا یہ نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں علم کو پھیلانے اور اسے حاصل کرنے کے خواہشمندوں کی ہمت افزائی کرنے میں جو نمایاں حصہ لیا ہے دنیا کی پوری تاریخ میں اُس کی مثال نہیں ملتی ۔

جس زمانہ میں کہ اسلام کا ظہور ہوا ہے وہ جہالت اور تاریکی کا دور تھا ۔ یہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے کہ اس تاریکی کے دور میں علم کی شمع روشن کی ۔ پھر جہالت اور مذہبی تعصب کے اُس دور میں مسلمانوں نے علم کے پھیلانے میں ۔ دوسری قوموں کے علمی نظریات کو سمجھنے اور علمی تحقیقات کرنے کے سلسلہ میں جو کارنامے انجام دیے اُنہیں محض مسلمانوں ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسلام کے مخالفوں اور دشمنوں کو بھی علمی کاوشوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کی ہے چنانچہ اُن کی درسگاہوں میں مسلمان ہی نہیں بلکہ عیسائی یہودی اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے بھی تعلیم پاتے تھے اور حصول علم کے سلسلہ میں جو سہولتیں مسلمان طلبا کو دی جاتی تھیں وہی سہولتیں غیر مسلم طلبا کو بھی حاصل تھیں

مسلمانوں کی علمی کاوشوں کے صرف مسلم مورخ ہی نہیں بلکہ غیر مسلم مورخ اور اہل قلم بھی معترف ہیں ۔ چنانچہ پروفیسر ملا مسٹر اور پروفیسر رابر کا مشترکہ بیان ہے کہ "مسلمانوں کے عہد حکومت میں کوئی گاؤں، قصبہ اور شہر ایسا نہیں تھا جہاں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے لئے کئی کئی مدرسے موجود نہ ہوں ۔ اِن مدرسوں میں تعلیم پانے والے طلبا سے کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی اور بادشاہ سے لیکر ایک معمولی درجہ کا خوشحال مسلمان بھی مدرسوں کو چلانے اور اُن کے مصارف میں حصّہ لینے کو اپنا فرض سمجھتا تھا "

عیسائی مورخین ہی کا بیان ہے کہ اسپین کے دارالحکومت قرطبہ میں کئی سو کالج قائم تھے اور حصولِ علم کے شائق ۔ یورپ ۔ ایشیا اور افریقہ سے قرطبہ کی اِن درسگاہوں میں تعلیم پانے کے لئے آیا کرتے تھے ۔ اور اِن میں سے بعض درسگاہوں میں مذہب کے علاوہ فلسفہ، ادب، اور تاریخ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی ۔ اور قرطبہ کی اِن ہی درسگاہوں سے یورپ میں علم کی روشنی پھیلی تھی ۔

آج یورپ اور امریکہ کو اپنی جن یونیورسٹیوں پر سے حد فخر

اور ناز ہے۔ لیکن ۱۹۲۹ء میں کیمبرج سے "بغداد کا روزنامچہ" کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی ہے اُس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بغداد کے وزیر اعظم "نظام الملک طوسی" نے ۱۰۶۰ء میں "درسگاہ نظامیہ" کے نام سے بغداد میں جو یونیورسٹی قائم کی تھی، وہ دنیا کی پہلی عظیم الشان یونیورسٹی تھی اور اس کے بعد یورپ کی مختلف قوموں نے اپنے اپنے ممالک میں جو یونیورسٹیاں قائم کیں تو انہیں "درسگاہ نظامیہ" کی بنیاد پر ہی قائم کیا گیا۔ اکثر تمام غیر متعصب عیسائی مورخین اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ اُس عہد میں پورے یورپ میں جتنی بھی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ ان کی بنیاد قرطبہ۔ غرناطہ اور بغداد کی درسگاہوں پر رکھی گئی تھی۔

آج یورپ اس بات کو ماننے پر مجبور ہے کہ علم و تہذیب کے قیمتی خزانوں کے موجد صرف مسلمان ہی تھے۔ اور اُنھوں نے ہی تاریکی میں ڈوبے ہوئے یورپ کو علم کی روشنی دکھائی ہے۔ چنانچہ جرمن مستشرق ڈاکٹر جوزف ہیل لکھتا ہے کہ "اس امر کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ یہ عرب ہی تھے جنھوں نے مختلف قوموں میں از سر نو علم کا شوق پیدا کیا اور خصوصیت کے ساتھ اہل یورپ کو جہالت کی تاریکی سے نکالا"

بنگال کے مشہور مورخ اور سائنس داں ڈاکٹر پی سی رائے کا بیان ہے کہ "جب یونانی تہذیب بربریوں کے حملوں سے زوال پذیر ہو کر شکستہ یہ تاریکی کے گڑھے میں جا پڑا تھا۔ اگر اُس وقت اسلام مدد کو نہ پہنچتا اور سرزمین یورپ میں علوم کی تخم ریزی کر کے اُنکی رہنمائی نہ کرتا تو شائد اہل یورپ کو ہزاروں برس تک بھی سنبھلنے کا موقع نہ ملتا"

اسی طرح ہندوستان کے نامور لیڈر۔ ایم۔ این رائے کا کہنا ہے کہ "یونانی فلسفہ اور یونانی علوم کا گراں بہا خزانہ عیسائی کلیسا کی ناقابل برداشت وہم پرستی کے نیچے دفن ہو چکا تھا۔ اور اگر عربوں کی امداد شامل حال نہ ہوتی تو یہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو جاتا۔ اور اس سے دنیا کو جو ناقابل برداشت نقصان پہنچتا وہ ظاہر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیا پر مسلمانوں کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے نہ صرف مردہ علوم کو زندہ کیا بلکہ ان میں قابل قدر اضافے بھی کئے"

مختصر یہ کہ [illegible] اقتدار میں مسلمانوں نے کھل کر جہالت کے خلاف جہاد کیا ہے۔ انکی بدولت علم کی روشنی دنیا کے دور دراز خطوں میں پھیلی [illegible] کی قدر نہیں بلکہ مسلمانوں کے عہد اقتدار میں جو لوگ اپنی زندگیوں کو علمی تحقیقات اور تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر دیتے تھے انہیں مسلم حکومتوں کی جانب سے نہ صرف معقول وظائف دیے جاتے تھے بلکہ انہیں کسب معاش سے بالکل ہی بے نیاز کر دیا جاتا تھا۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں سائنس، فلسفہ، تاریخ، علم نجوم، جغرافیہ، حساب، علم کیمیا، علم الاجسام، طب۔ قانون اور علم کے دوسرے شعبوں میں جو تحقیقات اور ترقی کی تھی وہ آج بھی ان علوم کی بنیاد بنی ہوئی ہے اور دنیا کے تمام ہی علم دوست اور غیر متعصب افراد اس بات کے معترف ہیں کہ مسلمانوں نے علمی نقطۂ نظر سے پوری دنیا کی رہنمائی کی ہے۔

خصوصیت کے ساتھ اہل یورپ تو مسلمانوں کے احسانات کو بھلا ہی نہیں سکتے چنانچہ ڈاکٹر لیبان، ڈاکٹر ڈریپر، ڈاکٹر کیمبل اور موسیو سیدیو نے اپنی تاریخوں اور تصانیف میں اس بات کا کھلے الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ یورپ جب تاریکی اور جہالت میں مبتلا تھا تو مسلمانوں نے انہیں علم کی روشنی دکھائی تھی۔

افسانہ



میں انھیں بھول نہ سکی

ایک دردانگیز واقعہ - ایک معاشرتی کہانی

(از محترمہ سیما ناصر - بی - اے - بی ایڈ)

انیسہ خالہ کے گھر میں شادی کی گہما گہمی تھی - نائلہ چلا چلا کر کہہ رہی تھی "ابیا جلدی کیجئے - آئینہ لے کر آئیے - آرسی مصحف کی رسم میں دیر ہو رہی ہے"

اور سلمٰی آئینہ لینے کیا آئی بیڈ روم میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی - وہ سوچنے لگی کہ وہاں تو شام بھی موجود ہوں - یا اللہ کیا مجھے بارہ سال کے بعد اُن کے سامنے جانا پڑے گا - جاؤں تو کس طرح جاؤں - اُن نگاہوں کا میں کس طرح سامنا کر سکوں گی جنھیں بھلانے کے لئے میں اپنی ذات سے بارہ سال سے لڑ رہی ہوں

بڑے ہال میں جہاں آرسی مصحف کی رسم ادا ہو رہی تھی - مہمانوں کے درمیان سلمٰی کی نظر احتشام پر پڑی جنھیں پیار سے سب شام کہتے تھے جب سلمٰی کی نظر شام پر پڑی تو وہ دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی - اُدھر شام نے بھی سلمٰی کو دیکھا اور وہ سناٹے میں رہ گیا -

سلمٰی کے لئے شام کی آنکھیں ناقابل برداشت تھیں - وہ بڑی بڑی آنکھیں گہری جھیلوں کی طرح جن میں وہ بارہ سال تک ڈوب ڈوب کر ابھرتی رہی تھی - ان آنکھوں کی خاطر وہ مر مر کر زندہ ہوتی رہی تھی اور جی جی کر مرتی رہی تھی - آج وہی نگاہیں اُس کا راستہ روکنے کے لئے پھر سامنے چلی آئی تھیں -

سلمٰی انہی خیالات سے تھک ہار کر اور سر تھام کر بیٹھ گئی تھی - گزشتہ واقعات ایک ایک کر کے اس کی نگاہوں کے سامنے سے گزر رہے تھے -

احتشام سلمٰی کے ندر کے عزیز خان صاحب افضل حسین کا بڑا بیٹا تھا سلمٰی کے والد احمد خان اور افضل حسین کے دوست تھے - دونوں کے گھروں میں اتنی قربت تھی کہ رشتہ داروں میں بھی نہیں ہو سکتی - شام سب بھائی بہنوں میں بڑے تھے -

سلمٰی کے بھائی سہیل شام سے کافی چھوٹے تھے - لیکن دونوں میں گاڑھی چھنتی تھی - سلمٰی بھی شام سے بڑے بھائی کا سا ہی برتاؤ کرتی تھی - اور اُن کا ڈر اور خوف تو یوں حاوی تھا کہ ادھر شام بھائی آتے اور وہ باورچی خانے یا اپنے کمرے میں محصور ہو کر رہ گئی -

سلمٰی کے گھر کا ماحول بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں سخت گیرانہ تھا خاص طور سے لڑکیوں کا زور سے بولنا - دوپٹے کا سر سے کھسک جانا ذرا زور سے ہنس لینا گناہ سمجھا جاتا تھا - کہیں آنے جانے کا سوال ہی کہاں تھا لیکن احمد خان بیٹی کو اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے تھے اور سلمٰی خود بھی پڑھنے کی شوقین تھی اس لئے پرائیویٹ طور پر اس نے انٹر کیا اور اب بی - اے کی تیاری کر رہی تھی - فائنل ایئر تھا - لازمی مضمون انگریزی تھا گھر میں ماں اور دادی الف کے نام بھالا بھی نہیں جانتی تھیں - ابا سے صبح کے سلام کے بعد سامنا بھی مشکل تھا بھائی جان سے پڑھنے کا سوال ہی نہ تھا کہاں وہ انجینئرنگ کے آدمی کہاں کیٹس اور شیلی کی شاعری - اور شیکسپیئر اور ہیلن کی تحریریں - سلمٰی ایک مشکل میں گرفتار تھی - آخر کو احمد صاحب کے کہنے پر شام پڑھانے کو تیار ہوتے - اور وہ جس دن پہلی بار اُن سے پڑھنے بیٹھی تو اماں پہرے کے لئے ساتھ بیٹھیں - ایک تو وہ سلمٰی کی پڑھائی کے خلاف تھیں پھر ایک جوان لڑکا اور جوان لڑکی ایک جگہ تنہا کیسے کیے تو سلمٰی ان پہروں کی عادی ہو گئی - کچھ اماں بی سلمٰی کے جھکے سر اور شام کی نگاہوں میں جھجک دیکھ کر بے فکر سی ہو بیٹھیں - سلمٰی کو تو اتنے الفاظ بھی نہ آتے تھے کہ مطلب کی بات کر سکتی - تو پھر بے مطلب وہ کیا کہتی بھلا -

شام بھائی شہر جا رہے تھے - سلمٰی کو بھی کچھ کتابیں منگوانی تھیں - اور جب دبے لفظوں میں اس نے شام سے خواہش ظاہر کی تو شام مسکرا کر بولے ضرور لے آئیں گے -

"جی!" سلمیٰ گھبرا گئی۔

"کچھ نہیں سلو" کہہ کر شام باہر نکل گئے۔

سلو، سلو۔ مجھے تو سلو کہہ کے کسی نے پکارا ہی نہیں تھا۔ کتنی مٹھاس ہے۔ اس طرح پکارنے میں۔ اچھا تو شام بھائی مجھے بھی یہی سمجھتے ہیں کبھی کبھی دادی اماں بھی تو اُسے سلو پکار لیتی ہیں۔ اُسے یاد آیا اور وہ مسکرا کر کام میں لگ گئی۔

جب کتابوں سے لدے پھندے شام بھائی گھر آتے تو وہ اپنی کتابوں کے آجانے کی خوشی میں پاگل سی ہو اٹھی۔ کتنی بڑی مشکل آسان ہو گئی تھی اس کے لیے۔

وہ اپنی کتابیں الٹ پلٹ رہی تھی کہ ایک پرچہ گر پڑا، اُس نے فہرست جان کر اٹھایا لیکن جب پڑھا تو وہ جیسے سکتے میں آگئی۔

سلو!

تم کیا سچ مچ اتنی بھولی ہو کہ نہ نگاہوں کی بات سمجھ سکتی ہو نہ ہونٹوں سے نکلے ہوئے لفظوں کا مطلب.... تو لو مجھے آج کھل کر کہنا پڑتا ہے کہ تم ہی میری منزل ہو بچپن کی معصوم راہوں سے لیکر آج کی خاردار راہوں تک۔ سلو اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔

میں نے اپنے دل کے گوشوں کو ایک ہی شمع سے روشن کر رکھا ہے۔ اور تادمِ مرگ یہی شمع جلتی رہے گی۔ کوئی دوسری شمع اب اس ویرانے کو منور نہیں کر سکتی۔ کیا تم بھی میری چاہت کا جواب چاہت سے دوگی بھولی سلو میں نے دن رات تمہارے قریب رہ کر تمہاری [illegible] کی ہے۔ تم ایک اچھی لڑکی ہو، ایک اچھی رفیقِ حیات بھی ہو گی جواب جلد دینا خدا حافظ۔

تمہارا ——— شام

سلمیٰ کو یوں لگا جیسے ساتویں آسمان سے کسی نے اُسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا ہو۔ وہ پسینہ پسینہ ہو گئی۔ ہائے اللہ کوئی پڑھ لے تو۔ آپا۔ آپیا۔ رانی کے پکارنے پر وہ گھبرا گئی اور کاغذ کے پرزے پرزے کر کے نالی میں ڈال دیئے

اُس نے ایک پل کو مڑ کر دیکھا اور باورچی خانے کی طرف چل پڑی۔ ساڑھے تین بج رہے تھے۔ چائے اور پکوڑے جو تیار کرنے تھے۔ ابو کے لئے۔ باورچی خانے میں شام نے قدم رکھا وہ نگاہیں جواب طلب اٹھیں اور سلمیٰ کا ہاتھ بہک گیا، چیخ کیا تھوڑا ابل اڑ کر ہاتھ پر پڑا۔ سلمیٰ چیخ پڑی۔ پھر دوسرے ہی لمحے امی، بھائی جان اور شام سلمیٰ پر جھکے ہوئے تھے

"جواب نہیں" شام اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولے۔

"کس بات کا جواب نہیں بھائی جان" پپی کے پوچھنے پر سلمیٰ تو سر سے لے کر پیر تک کانپ اٹھی لیکن شام بول پڑے۔

"آپ کی بہن صاحبہ کا۔ آج ہی کتابیں آگئی ہیں [illegible] آج ہی ہاتھ جلا لیا پڑھائی سے چھٹی کا بھی تو کوئی بہانہ ہونا چاہئے نا۔ امتحان میں صرف ایک مہینہ رہ گیا ہے اور یہ ہاتھ پاؤں لے کر بیٹھ گئی ہیں"

"جی ہاں اجی ہاں! کل سے پڑھوں گی" وہ گھبرا گئی پھر تو ہر روز ہی "جواب نہیں" کہہ کر وہ جواب طلبی کے لیے خوشامد کرتے لیکن بھلا کیا جواب دیتی وہ تو گھو سی جاتی کہ اللہ یہ کیا افتاد پڑ گئی۔ کبھی کبھی تو گھبرا کر سوچتی جواب دے ہی ڈالے کہ تم کیا کہتے ہو شام میں خود تمہارے قدموں کی خاک مانگ میں سجانے کی خواہش مند ہوں۔

وہ جہاں بھی جاتی، اٹھتی بیٹھتی شام کی نگاہیں اُس کا تعاقب کرتیں وہ اُن سے فرار چاہتے ہوئے بھی فرار نہ پاسکتی کہ وہ دو آنکھیں اُن کا وہ دیکھنے کا انداز تو اس کو اپنے حصار میں لئے ہی رہتا۔ ہر دم۔ ہر گھڑی۔ ہر پل

ایک دن شام بھائی کے ساتھ خالہ جان اور آپا ترنم بھی آئیں۔ شام بھائی مسکرا مسکرا کر آپا ترنم کو دیکھ رہے تھے اور آپا ترنم سلمیٰ کی طرف۔ شام بھائی بچوں کے ساتھ ہڑبونگ مچانے آنگن میں جو گئے تو خالہ اماں کھل ہی پڑیں کہ وہ تو شام بھیا کے لیے لڑکی کی تلاش میں ہیں۔ لڑکی ایسی ہو۔ اماں بی صفدر صاحب اور اکرام ذکیل کی لڑکیوں کا ذکر لے بیٹھیں۔ سلمیٰ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ آپا ترنم بھی اٹھ آئیں۔

"سلمیٰ جھونپڑی میں رہ کر محلوں کے خواب اچھے نہیں ہوتے" انہوں نے کہا۔ سلمیٰ بوکھلا کر پلٹ پڑی۔ لیکن ترنم باجی جا چکی تھیں۔

ایک دن اماں بی اور دادی اماں ماموں جان کے ہاں میلاد میں گئی ہوئی تھیں۔ ابو دفتر سے آتے نہیں تھے۔ سہیل کالج گئے ہوئے تھے۔ بچے بھی اپنے اپنے اسکولوں میں تھے کہ شام آگئے۔ سلمیٰ اپنے کمرے میں گنگناتی ہوئی کچھ سلائی کر رہی تھی۔ پیچھے سے آکر شام نے سلمیٰ کو باہوں میں بھر کر اس کے لبوں پر محبت کی مہر لگا دی۔ سلمیٰ تو ہکا بکا سی دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ اس پر جھک گئے ـــ "سلو تم میری زندگی ہو۔ تم مجھے نہ ملیں تو میں مر جاؤں گا سلو۔ اور کوئی شمع میرے گھر کو روشن نہیں کر سکتی۔ کوئی بھی نہیں"

سلمیٰ کا جی چاہا کہہ دے ترنم آپا اور خالہ لیکن وہ خاموش رہی۔ شام نہ جانے کیا کیا کہتے رہے۔ لیکن وہ لبوں پر خاموشی کی مہر لگائے بس انھیں

دیکھنا ہی تھی کہ بچوں کے آجانے پر شام بھائی باہر چلے گئے پھر دھیرے دھیرے
انھوں نے آنا ہی چھوڑ دیا بہانہ مصروفیت کا بنا دیا پھر پتہ چلا
کہ شام بھائی جرمنی جا رہے ہیں، اعلیٰ تعلیم کے لیے
جانے سے دو دن پیشتر شام بھائی اُن کے گھر آئے۔ بچے شور مچا
رہے تھے۔ آج سلمیٰ کی سالگرہ جو تھی۔
شام بھائی نے توقیر سے پوچھا "کس کے استقبال کی تیاریاں ہیں بھئی
یا ہماری الوداعی پارٹی ہے" فردوس بول پڑی "ہماری آپا آج پورے
اٹھارہ سال کی ہو گئی ہیں صاحب سالگرہ ہے بھیا کی۔ لائیے تحفہ"
"کیا چاہئے" شام نے پوچھا۔
"کالا جارجٹ کا دوپٹہ" فردوس شوخی سے بولی۔ سلمیٰ نے گھور کر
اُسے دیکھا۔
"نہیں نہیں" سلمیٰ گھبرا کر بولی شام باہر نکل گئے۔
صبح جب وہ سو کر اٹھی تو اس کے منہ پر سیاہ چادر سی پڑی تھی گھبرا
کر وہ اٹھ بیٹھی۔ شام بھائی سامنے ہی کھڑے تھے اور جارجٹ کا دوپٹہ
اس کے اوپر پڑا تھا۔
سلمیٰ کا جی چاہا کہے "کیا غموں کی سیاہی لے کر ہی آنا تھا شام؟"
"میں جا رہا ہوں سلمیٰ، تم نے جواب نہ دیا۔ خیر تم نے پہلے ہی کہہ دیا
تھا کہ تم انکار کر چکی ہو" شام اداس لہجے میں بولے۔
سلمیٰ کھوئی کھوئی سی ہو کر بولی "جی"
"ہاں سلمیٰ! اب سننے کو رہ بھی کیا گیا ہے۔ خیر میں کچھ دنوں کے لئے
نہیں ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں، ہو سکے تو کبھی یاد کر لینا"
شام جانے لگے، وہ پلنگ سے اُتر کر کھڑی ہو گئی۔ شام نے مڑ کر دیکھا
تو وہ زمین پر بیٹھی کچھ اٹھا رہی تھی۔ وہ سمجھ نہ پائے۔ سامنے سے ابی آ رہے
تھے۔ شام بھائی اس لیے ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گئے۔ سلمیٰ نے شام
بھائی کے قدموں کی خاک مانگ میں سجالی۔ شام! کاش! میں کہہ سکتی تم تم
باجی، ایسا کھیل صرف اس لیے کھیل رہی ہیں کہ وہ مجھے تمہارے گھر کی
شمع بننے دینا نہیں چاہتیں۔ جس گھر کے افراد مجھ کو دیکھنا بھی پسند نہ کریں
بھلا میں اُس گھر میں کیسے رہ سکتی ہوں۔؟
خالہ اماں کی نظریں تو کسی بڑے گھرانے کی خوب صورت سی لڑکی
پر تھیں جو ڈھیروں جہیز لے کر آئے گی۔ میرے ساتھ کیا آسکتا ہے شام بچارہ
بھائی بہنوں کی تعلیم و تربیت اور ابا معمولی وکیل۔

سلمیٰ کا جی چاہا چیخ چیخ کر رو دے لیکن لب سِلے ہی رہے۔ اور خاموش
سسکیاں فضا میں کھو گئیں۔ شام خالہ جان کی ضد، بہن بھائیوں کے ارمان
سبھی کچھ پامال کر کے جرمنی چلے گئے۔
سلمیٰ نے شادی نہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ لیکن بیٹیاں بن بیاہی کہاں
رہ سکتی ہیں؟ توقیر اور فردوس ککڑی کی بیل کی طرح بڑھتی جا رہی
تھیں۔ ابا اور امی کی راتوں کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں۔ ایک سے ایک
رشتے آتے۔ آخر اسلم کے رشتے کو احمد خان زبان دے بیٹھے۔ اور چھ
سال کی طویل کشمکش اور خاموش محبت کا گلا گھونٹ کر سلمیٰ مسز اسلم
بن کر چلی گئیں۔ اسلم ایک انجینیر تھے۔ سلمیٰ نے چاہا کہ سب کچھ بھلا کر شوہر
کی خدمت میں لگ جائے۔ لیکن جانے کیوں جب اسلم اُسے اپنی بڑی
بڑی آنکھوں سے بے خیالی میں گھورنے لگتے تو وہ پریشان سی ہو
جاتی جھنجھلا اٹھتی اور اسلم حیران ہو کر دیکھتے ہی رہ جاتے پھر گڈو و پنیا
پیدا ہوتے
کبھی وہ بچوں کو کہانی سناتے سناتے کھو جاتی اور پنیا توتلے انداز میں
کچھ پوچھتی تو سلمیٰ جھنجھلا کر اُس کے طمانچہ مار دیتی۔
"چُپ چاپ سو کیوں نہیں جاتے ہو ہر وقت دماغ چاٹتے رہتے ہو
تم لوگ" ننھا گڈو گھبرا کر سو جاتا۔
چاہنے والا شوہر اور خوب صورت بچے بھی سلمیٰ کو خوش
نہ کر سکے۔ اپنے شہر سے دور اس ریگستان میں بسے اُسے چھ سال، اور
بیت گئے۔
بارہ سال بیت جانے پر بھی دھندلکاہوں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا
اور آج بارہ سال بعد انیسہ خالہ کی بیٹی کی شادی میں آئی۔ مہمانوں
کے درمیان شام کو دیکھا۔ ایک خوب صورت سی بیوی اور تین بچوں کے
درمیان گھرے بیٹھے تھے سلمیٰ کو چکر سا آگیا۔ مہمان عورتوں کی آنکھ سے کر
اُس نے شام کو دیکھا۔ بیگم آپا کہہ رہی تھیں کسی سے "شام کی دلہن کو
دیکھا کیسی پیاری ہے تینوں بچے بھی بڑے پیارے ہیں لبنیٰ آپا یوں نہیں"
شام دلہن کو بہت چاہتے ہیں بچوں پر تو جان چھڑکتے ہیں۔ تو شادی
ہی نہیں کرتے تھے یا اب لٹو ہو رہے ہیں" سب کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔
نائلہ اور آسیہ کمرے میں چلی آئیں "اللہ بجو یہ کیا۔ آئینہ لائے واسطے
آپ یہیں کی ہو رہیں، وہاں سب دلہن چلا رہے ہیں"
"ہاں تو، چلو میں بھی چلتی ہوں۔ چکر سا آگیا تھا۔" سلمیٰ پھیکی

سی مسکراہٹ لئے ہوئے میں آئی۔ شام اور دولہا بھائی سامنے ہی بیٹھے تھے۔ اور اُن کے سامنے سے ہو کر ہی دولہا دلہن کی مسند تک جانا تھا۔ ناچار وہ آگے بڑھی۔ ترنم بانو کی آواز سُنائی پڑی۔

"بھابی قدسیہ یہ ہیں اسلم بھائی کی بیگم سلمیٰ۔ خالہ مہر کی بڑی بیٹی۔ سدا سے خواب دیکھتے رہنے کی عادی۔ ابھی آئینہ لانے لانے بھی خواب ہی دیکھنے لگی ہوں گی۔ جبھی تو اتنی دیر لگا دی۔"

سلمیٰ نے گھبرا کر دیکھا۔ جیسے سارے زمانے کا کرب اُن کی آنکھوں میں سمٹ آیا ہو۔

"سلمیٰ۔ خالہ مہر کی بیٹی۔ ارے یہ تو کافی بدل گئی ہے۔ موٹی بھی ہو گئی ہے۔ میں نے تو پہچانا بھی نہیں۔"

شام کی آواز نہیں بلکہ جیسے پگھلا ہوا سیسہ کانوں میں انڈیل دیا ہو کسی نے۔

"میں نے تو پہچانا ہی نہیں۔ میں نے تو پہچانا ہی نہیں۔ بارہ سال کی عبادت کا یہ صلہ۔ یا اللہ یہ در و دیوار کیوں گھوم رہے ہیں یہ سب لوگ کہاں چلے گئے"

ایک دھماکا ہوا اور وہ بے ہوش ہو کر گر گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو سب اسے گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔ وہ معذرت کر کے پچھلے کمرے میں آکر لیٹ گئی۔ رخصتی کا وقت تھا سبھی بہ یک وقت باہر نکل گئے تھے وہ کمرے کی گھٹی گھٹی فضا سے نکل کر پچھلے برآمدے میں آکر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ بارہ سال کے اس برس بارش۔ بارہ سال کی عبادت کا صلہ کیا یہی ہے کہ "میں نے تو پہچانا ہی نہیں" بے زبان آنسو ڈھلک ڈھلک کر اس کی گود میں گرتے رہے اور وہ خاموشی سے بیٹھی روتی رہی۔ پھر جیسے کسی نے سرگوشی کی ہو "سلو" وہ چونک پڑی۔ سامنے کھڑے تھے وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"قدسیہ کے سامنے تمہیں پہچاننے سے انکار کرنا پڑا ورنہ سلمیٰ۔۔"

سلمیٰ نے دھندلی دھندلی سی آنسوؤں سے بھری نگاہ ڈالی شام پر۔

"پُر سکون زندگی کو بے فائدہ طوفان سے ہم کنار کیوں کریں۔ یہ سوچ کر میں نے انکار کر دیا تمہیں پہچاننے سے۔" شام دھیمے لہجے میں بولے۔

سلمیٰ آنسوؤں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے بولی تم نے اپنی پُر سکون زندگی کو طوفان سے بچانے کے لیے ایسی بات کہہ دی جس نے مجھے موت کی دہلیز پر لا کھڑا کیا۔ شام تم اپنی پُر سکون زندگی میں کوئی طوفان نہیں چاہتے اور میں بے سبب ہی اپنی پُر سکون زندگی میں تمہارے خیالوں سے ہی طوفان کو سلاتی جگاتی رہی۔ تمہارے نام کی تسبیح پڑھتی رہی اور تم نے اس تسبیح کے دانے بکھیر دیئے شام۔ میں کیسے ڈھونڈوں گی ان دانوں کو؟ وہ دن رات وہ لمحات واپس لا دو جو میں نے تمہاری نذر کر دیئے۔ کبھی اسلم مجھ سے پوچھتے کہ کیا بات ہے سلمیٰ کیا تم خوش نہیں ہو مجھ سے شادی کر کے تو جی چاہتا کہہ دوں، ہاں میں شام کی ہوں، تم میرے کوئی بھی نہیں۔"

"جان سے بڑھ کر عزیز رکھنے والے شوہر کو میری بے رُخی اور سرد مہری ہی مل سکی میں تو اپنے بچوں کو اپنے جگر گوشوں کو بھی نہ چاہ سکی کہ تمہارا پیار میں کسی سے کب بانٹنا چاہتی تھی۔ میں تو ایک لمبی نیند سو گئی تھی۔ میں تو اس شاہزادی کی طرح ہوں جس کے بدن میں تم اپنے نام کی سوئیاں چبھو کر اپنے جادو میں قید کر گئے تھے اور اسلم بارہ سال سے یہ سوئیاں نکالتے رہے۔ آنکھوں کی سوئیاں تم نے خود ہی نکال دیں اچھا ہی کیا۔ میں جاگنے کے خواب کے اس سحر سے تو آزاد ہو گئی" سلمیٰ جانے یہ سب کیسے کہہ گئی۔

"تو تم مجھے چاہتی تھیں سلو؟"

"تو کیا نفرت کرتی تھی۔۔؟"

"تو پھر اقرار کیوں نہ کیا تھا؟"

"اقرار کیا زبان سے ہوتا ہے۔؟"

"اور ترنم نے تو کہا تھا کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو پھر تم نے کبھی اقرار بھی نہ کیا اسی لیے دل برداشتہ ہو کر۔۔۔۔۔۔"

"احتشام تم مرد ہو کر بھی طوفانوں سے ڈرتے ہو لیکن میں کمزور عورت ہو کر بھی طوفانوں سے لڑتی رہی ہوں۔"

غصہ سے سلمیٰ مہمانوں کی جانب بڑھ گئی۔ شام ہکا بکا اُسے جاتے دیکھتے رہے۔ گھر پہنچی تو اسلم گھبراتے ہوئے تھے پریشان سے لہجے میں پوچھا سلمیٰ کیا ہوا تھا تم بے ہوش کیوں ہو گئی تھیں۔؟"

"میں بے ہوش نہیں ہوئی تھی اسلم ہوش میں آگئی ہوں اب تو۔"

"کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو" اسلم گھبرا کر اس کے ماتھے کو چھو کر بولے۔ (باقی صفحہ ۔۔ پر)



عورتوں کے لئے

مغرب کی فیشن زدہ عورتیں

یہ روحانی اور قلبی سکون سے محروم ہیں

(از زبیدہ سلطان صاحبہ دہلوی)

زبیدہ بہن کا یہ مضمون ہمارے ملک کی اُن عورتوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ جو مغربی تقلید کی دلدادہ ہیں۔ امید ہے کہ ہمارے ملک کی خواتین اس مضمون سے سبق حاصل کریں گی۔

اس زمانہ میں ہمارے ملک کی پڑھی لکھی عورتوں کا عام تصور ہے کہ مغربی عورتوں کو بے اندازہ آرام اور سکون حاصل ہے جبکہ ہمارے ملک کی عورتیں بے اطمینانی اور بڑی پریشانی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ لیکن مصر کے نامور مفکر سید قطب کا طویل مقالہ حال ہی میں میری نظر سے گذرا ہے جس میں کہ انھوں نے بتایا ہے کہ اگرچہ مغربی عورتوں کو دنیاوی آسائش کے ہر قسم کے لوازمات حاصل ہیں لیکن وہ پھر بھی اُس قلبی سکون سے محروم ہیں جو عام طور پر مشرقی عورتوں کو حاصل ہے۔ سید قطب نے اپنے مقالہ میں انکشاف کیا ہے کہ مغربی عورتیں نہ صرف قلبی سکون کو ترستی ہیں بلکہ مغربی تمدن نے اُن کی آبرو اور عزت کو بھی خاک میں ملا کر رکھ دیا ہے۔ سید قطب اپنے اس مقالہ میں لکھتے ہیں۔

"مغربی عورتوں کو مشرقی عورتوں کے مقابلہ میں آرام اور آسائش کے لوازمات کہیں زیادہ حاصل ہیں۔ لیکن وہ قلبی سکون سے قطعی محروم ہیں جب ہم مغربی عورتوں کی اس بے بسی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ اسلام نے جو راہ عورتوں کے لئے تجویز کی ہے وہی ایک ایسی راہ ہے جس پر چل کر عورتوں کو قلبی سکون حاصل ہو سکتا ہے۔ اور یہی راہ عورتوں کی آبرو اور عزت کی بھی محافظ ہے۔"

مغربی عورتیں جو کسی مذہب کی بھی قائل نہیں ہیں کس قدر روحانی بے چینی میں مبتلا ہیں اُس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ بیشتر عورتیں محض اس لئے نشہ آور چیزیں استعمال کرتی ہیں تاکہ انہیں عارضی طور پر قلبی سکون حاصل ہو جائے۔ اور مغربی عورتوں میں نیند لانے والی دواؤں کا استعمال تو عام ہے اِس کے بغیر وہ سو ہی نہیں سکتیں۔"

"مغربی عورتوں کی اِس قلبی بے چینی کا سبب کیا ہے اُس پر روشنی ڈالتے ہوئے سید قطب لکھتے ہیں "اسلام ایک فطری مذہب ہے اور انسانی فطرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلام نے عورتوں اور مردوں کا دائرہ عمل الگ الگ قائم کیا ہے۔ مرد کا کام یہ ہے کہ وہ سیاست تجارت، زراعت، اور معشیت کے مختلف شعبوں میں حصہ لے اور عورتوں کا کام یہ ہے کہ وہ گھریلو زندگی کو سدھارے بچوں اور آئندہ نسلوں کی پرورش کرے۔ اور گھروں کو جنت کا نمونہ بنا کر پیش کرے۔ جبکہ مغرب میں یہ فطری حدود ٹوٹ چکی ہیں۔ وہاں عورتوں اور مردوں کے کام کرنے کا میدان الگ نہیں ہے۔ سیاست ہو یا معشیت تجارت ہو یا صنعت و حرفت عورت و مرد دونوں دوش بدوش کام کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور عورت و مرد کا یہ باکانہ میل جول ہی مغربی عورتوں کے لئے ایک مصیبت بن گیا ہے۔"

"زندگی کے مختلف شعبوں میں مردوں اور عورتوں کی یکجائی کا سلسلہ یورپ کی جنگ عظیم کے بعد سے شروع ہوا ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں یورپ اور امریکہ کے لاکھوں مرد مارے گئے اور اپنے پیچھے لاکھوں بے خاوند عورتیں چھوڑ گئے جنھیں انتہائی مصائب سے دوچار ہونا پڑا! نہ کوئی اُن کا سہارا تھا اور نہ نگران۔ جس کی حفاظت میں وہ زندگی بسر کر سکتیں آخر مجبور ہو کر اُن کو زندگی کے مختلف کاموں میں حصہ لینا پڑا۔ اُدھر مردوں کی کمی کی وجہ سے زندگی کے ہر شعبہ میں کارکنوں

کی ضرورت تھی اور یہ جگہ عورتوں نے سنبھال لی اور پھر برابر عورتوں کا عمل دخل بڑھتا ہی رہا اور اس طرح عورتوں اور مردوں کی یکجائی نے یورپ و امریکہ میں نئے نئے فتنوں کو جنم دینا شروع کر دیا۔"

مردوں اور عورتوں کی یکجائی کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں انہیں بیان کرتے ہوئے سید قطب لکھتے ہیں "اس کے بعد دفتروں میں دکانوں میں۔ کاروباری اداروں میں کارخانوں میں کثرت سے عورتیں دکھائی دینے لگیں معیشت اور روزگار کے نئے نئے دروازے تو مغربی عورتوں کے لئے کھل گئے مگر دوسری دشواریاں اُن پر مسلط ہوتی چلی گئیں عورتوں کو روزگار تو ضرور مل گیا مگر دفتروں۔ کاروباری اداروں اور کارخانوں میں جاکر کام کرنے کے نتیجہ میں عورت کو اپنی سیرت و کردار اور اپنی نسائیت دونوں کی قربانی دینی پڑی کیونکہ ہر ادارہ کے مرد سربراہ صرف عورتوں کے کام ہی کے طالب نہ تھے بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے بھی طلبگار تھے اور اُن ہی عورتوں کے لئے ترقی کے موقع زیادہ تھے جن میں کہ زیادہ نفسانی اپیل موجود تھی اب صرف بھوک ہی عورت کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ جنسی تسکین اس سے بھی بڑا اور سنگین مسئلہ بن گئی جنگ میں مردوں کی ایک کثیر تعداد کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اب ہر عورت کے لئے شادی کرنا بھی ممکن نہیں رہا تھا تاکہ جائز ذرائع سے اُس کی ضرورتیں پوری ہو سکیں لہٰذا وہ غلط راستہ پر چل پڑیں۔"

"اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیچاری مغربی عورت جذبات اور خواہشات کے سیلاب میں بہتی چلی گئی۔ ایک طرف روزی کمانے کی فکر اور جنسی بے راہ روی اور دوسری طرف نفیس کپڑوں اور بناؤ سنگھار کا قیمتی سامان نیز عیش پرستی کی دیگر لوازمات کی طلب نے اُسے ایک خاص ڈگر پر ڈال دیا۔ اور اسی ڈگر پر وہ آج بھی چل رہی ہیں۔ مغربی عورتوں کے ایک بڑے طبقہ کا کام اب صرف یہ رہ گیا ہے کہ وہ مردوں کو لبھائے۔ کارخانوں اور دکانوں نیز سرکاری دفتروں میں کام کرے اور اپنی خواہشات کو جائز و ناجائز ذریعہ سے پوری کرے مگر اس کے پاس جس قدر سامان عیش بڑھتا جاتا ہے اُسی قدر اُس کی ہوس بھی بڑھتی ہے اور جسکی تکمیل کے لئے وہ ایسے راستہ پر جا پڑی ہے جو کھلی ہوئی نسوانیت کی تذلیل ہے اور اس سب کے باوجود وہ قلبی سکون سے قطعی محروم ہے یہاں تک کہ اسی قلبی اضطراب سے تنگ آکر کثرت کے ساتھ مغربی عورتیں خودکشی کی مرتکب ہو رہی ہیں۔"

سید قطب کے یہ انکشافات ہمارے ملک کی عورتوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں اور انہیں مغربی عورتوں کی بے راہ روی سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنی چاہیئے یہ مضمون خصوصیت کے ساتھ ہمارے ملک کی اُن تعلیم یافتہ عورتوں کے لئے قابل توجہ ہے جو اس ملک میں بدقسمتی سے مغربی عورتوں کی روش پر چل پڑی ہیں جنھوں نے کارخانوں اور دکانوں میں ملازمتوں کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اور جو سیدھی سچی راہ سے ہٹ کر غلط راستہ پر گامزن ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک عورت کے لئے روح کا سکون صرف گھر اور گھر کے ماحول ہی میں حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اسی ماحول میں اُس کی عزت بھی محفوظ ہے لیکن اگر وہ کسی مجبوری کی بنا پر ملازمتوں کے لئے مجبور ہو گئی ہیں تو انہیں اس خطرناک راستہ پر بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیئے تاکہ ان کی عزت اور آبرو محفوظ رہ سکے

افسانہ

نیا موڑ

جذبات میں ڈوبی ہوئی ایک کہانی

(از خواجہ علی الدین گوہر۔ بی۔کام)



پورے پانچ سال کے بعد اتفاقی طور پر میری "وما" سے ملاقات ہوئی تو میں حیران رہ گیا۔ مجھے اس بات کی توقع بھی نہیں تھی کہ میں وما سے بچھڑنے کے بعد کبھی مل بھی سکوں گا۔ بس مجھے تو صرف اتنا معلوم تھا کہ وما نے سنہا سے شادی کر لی ہے۔

سوپر گیٹ سے نکلتے ہی میں نے اُسے دیکھ لیا دوسرے ہی پل اُس کی کار میرے قریب آکر رکی غالباً وہ بھی مجھے پہچان گئی تھی۔

"اوہ وما۔ تم یہاں کیسے۔"

"میں تمہاری ہی تلاش میں تھی ستیش مجھے معلوم ہوا تھا کہ تمہارا اسی شہر میں تبادلہ ہو گیا ہے۔" وہ گاڑی روک کر نیچے اتر آئی۔

"مگر وما تم یہاں کیسے ——— ؟"

"کیا ساری باتیں یہیں پوچھ ڈالو گے۔ آؤ کہیں بیٹھیں ——— پھر باتیں ہوں گی۔"

وہ مجھے لئے ہوئے کار کی طرف بڑھی۔ ہم دونوں کار میں بیٹھ گئے اُس نے کار کو دائیں طرف موڑتے ہوئے کوہ نور رسٹورینٹ کے وسیع احاطہ میں داخل کیا ——— گاڑی سے ہم دونوں اترے اور رسٹورینٹ میں ایک الگ تھلگ گوشے میں آکر بیٹھ گئے۔

میں نے بیرے کو سموسوں اور چائے کا آرڈر دے کر گفتگو کا آغاز کیا۔ وما نے مجھے بتایا۔

"ایم۔ ایس سی۔ کی تکمیل کے بعد میں بحیثیت لکچرر کے کام کر رہی ہوں۔ دو ماہ پہلے میرا ٹرانسفر یہاں کے بینگل کالج آف ویمن میں ہوا ہے۔"

"حیرت ہے! اتنے عرصے میں تم مجھ سے مل نہ سکیں! کہاں ٹھہری ہو ——— ؟" میں نے سموسوں کی پلیٹ اُس کی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

"کرشنا کالونی میں میں نے ایک فلیٹ کرائے پر لے رکھا ہے۔"

"سنہا صاحب بھی وہیں رہتے ہیں ——" میں نے چائے کی چسکی لے کر اُس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میرے اس سوال پر وہ جیسے ایکدم اُداس ہو گئی۔ اُس کے چہرے پر کرب کی پرچھائیاں اُبھر آئیں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے اس سوال نے اُسے ذہنی اُلجھن میں مبتلا کر دیا ہو۔ میں بھونچکا اُس کی اس کیفیت کو دیکھتا رہا۔

"معلوم ہوتا ہے جیسے ان دنوں تم کچھ مطمئن نہیں ہو!" میں نے تجسس آمیز نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا

"اوہ ستیش ——— تمہیں کیا بتاؤں! پچھلے پانچ برس سے میں کن کن حالات کا شکار رہی ہوں اس طویل عرصے میں زندگی کے کتنے ہی نشیب و فراز میں نے دیکھے ہیں۔ کتنے کٹھن اور جاں گسل حالات کا مقابلہ میں نے کیا ہے! سچ تو یہ ہے کہ حالات کی تپتی ہوئی بھٹی میں میری ساری خوشیاں اور تمنائیں جل کر راکھ ہو گئی ہیں ———" یہ کہتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں ایک سیلاب سا اُمڈ آیا۔

"کیا سنہا صاحب نے تم سے قطع تعلق کر لیا ہے ———؟" میری متجسس نگاہیں اُس پر جم سی گئیں۔

"نہیں ——— یہ بات نہیں!"

"پھر ——— ؟"

"پچھلے پانچ برسوں سے وہ بزنس کے بہانے دارجلنگ میں رہنے لگے ہیں۔"

"بس اتنی سی بات ——— !" میں متحیر نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا

نہایت ہی پر مسرت لہجے میں کہا ۔

کوئی نصف گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد ہم ساحل پر پہنچے کچھ دیر تک چہل قدمی کرنے کے بعد ہم ایک جگہ ریت پر بیٹھ گئے ۔ جوان اور خوبصورت عورت کا قرب، اُس کے جسم سے پھوٹتی ہوئی خوشبو نے مجھے مدہوش بنا دیا ۔ اب سورج غروب ہونے کو تھا اور سورج غروب ہونے کا منظر سمندر کے پانی میں نہایت ہی دلکش دکھائی دے رہا تھا ۔ ہم دیر تک وہاں بیٹھے صانع قدرت کی رعنائی پر تبصرہ کرتے رہے ۔ ماحول بے حد رومان انگیز اور کیف بداماں تھا ۔ فضائیں جیسے سرور و انبساط کے نغمے گونج رہے تھے ۔

آج وِما کے اندازِ گفتگو اور ہر ہر لفظ میں حزن کی جگہ شوخی آگئی تھی ۔۔۔۔ اُس کا چہرہ جو کل تک اداسی اور مایوسی کے گہر میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا تھا، آج کھلے ہوئے کنول کی طرح شاداب نظر آنے لگا تھا ۔ آنکھوں سے سرور و انبساط کی شراب سی چھلک رہی تھی کچھ دیر کے گہرے سکوت کے بعد وِما نے ادائے دلبری سے مسکراتے ہوئے کہا ۔

"ستیش ۔۔۔ کیا تم اس ریت میں دوڑ سکتے ہو ؟"

"مطلب ۔۔۔۔ ؟" میں نے جھجک کر پوچھا ۔

"بس یوں ہی پوچھ لیا تھا ۔۔۔۔ ! میں اب بھی اس ریت میں اسی پھرتی کے ساتھ دوڑ سکتی ہوں جس طرح اپنے بچپن میں دوڑ سکتی تھی !"

"تو پھر بازی ہو جائے ۔۔۔۔ !" میں نے برجستہ کہا ۔

"جیت میری ہی رہیگی ۔۔۔۔ !" اس کے لہجے میں خود فریبی کی شوخی تھی

"خیر دیکھیں گے ۔۔۔۔ !" میں نے مسکراتے ہوئے کہا ۔

وِما واقعی کمال پھرتی کے ساتھ تیر کی طرح مجھ سے آگے نکلی جا رہی تھی معاً اُس کے پیروں کا توازن بگڑتا چلا گیا ۔ اگر بڑھ کر میں اسے تھام نہ لیتا تو وہ پانی سے بھرے ایک گڑھے میں گر پڑتی اُس کی سانسیں بے تحاشہ اُلجھ رہی تھیں اور وہ بے سدھ اپنی آنکھیں مُوندے ریت پر لیٹ گئی ۔

"وِما اب رات ہو چکی ہے ! ہمیں لوٹ چلنا چاہئے !"

میں نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا ۔

"ستیش !" معاً اُس نے لیٹے لیٹے ہی میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا ۔

میں چونک سا گیا ۔

"ستیش ۔۔۔۔ کیا ۔۔۔۔ تم ۔۔۔۔ مجھے سہارا دو گے ۔۔۔۔ ؟" اس کے ہاتھوں کی گرفت میری کلائی پر اور بھی مضبوط ہو گئی ۔ چاند کی نکھری ہوئی روشنی میں اُس کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ انگارے کی طرح تمتما رہا تھا ۔

ایک لمحہ گزر گیا ۔۔۔

"بولو ستیش ۔۔۔ تم مجھے سہارا دو گے نا ۔۔۔ ؟" وہ اُٹھ کر بے تحاشہ میرے سینے سے لگ گئی ۔ اُس کی گرم گرم لڑکھڑاتی سانسیں میرے جسم میں جیسے دھنستی جا رہی تھی، جس کی تپش سے میرا رُواں رُواں کانپ رہا تھا ۔ میں چپ چاپ اُس کی کھوئی کھوئی آنکھوں میں جھانکنے لگا دوسرے ہی لمحے وہ میرے بازوؤں کی گرفت میں سما گئی ۔۔۔۔ اور میرے ہونٹ اُس کی ابروؤں کے حسین اور دلکش خم کو چھونے کے لیے جھک گئے ۔۔۔۔ اور رفتہ رفتہ پھر ہم ایک دوسرے کے قریب ہوتے چلے گئے ۔ یہاں تک کہ وِما نے شوہر سے طلاق حاصل کر لی ۔



مغل بادشاہوں کا سکولر دورِ حکومت

ہندوستان پر مغلیہ حکومت

شہنشاہ بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہان، اورنگزیب اور تمام مغل بادشاہوں کی مکمل تاریخ

اس عظیم الشان تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ مغل بادشاہوں نے سیکڑوں برس تک کیسی رواداری کے ساتھ ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ اور ان کا سلوک بلالحاظ مذہب و ملت عوام کے ساتھ کیسا منصفانہ اور ہمدردانہ تھا۔ یہ ایک ایسی نایاب اور مکمل تاریخ ہے جو اس وقت تک اُردو زبان میں ناپید تھی۔ یہ تاریخ اُن متعصب مؤرخوں کی تحریروں کا دندان شکن جواب ہے جن کو شاہانِ ہند میں صرف برائیاں ہی برائیاں نظر آتی ہیں اس تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مغل بادشاہ ہندوستان میں ایک ایسی سکولر حکومت کے بانی ہیں جو زمانہ حاضرہ کی اکثر و بیشتر جمہوری حکومتوں سے بھی بہتر تھی۔

اس تاریخ میں مندرجہ ذیل واقعات اور حالات درج ہیں

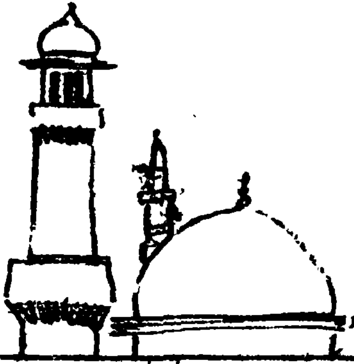
(۱) شہنشاہ بابر کے حالات و واقعات
(۲) شہنشاہ ہمایوں کا دورِ حکومت
(۳) شیر شاہ کا مغل حکومت پر قبضہ
(۴) ہمایوں ہندوستان کا دوبارہ بادشاہ
(۵) شہنشاہ اکبر کے مفصل حالات
(۶) شہنشاہ جہانگیر کے دور کے واقعات
(۷) جہانگیر کے دورِ حکومت پر ایک نظر
(۸) شہنشاہ شاہجہان کے حالات
(۹) شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کا دورِ حکومت
(۱۰) اورنگزیب کے دورِ حکومت پر ایک نظر
(۱۱) بہادر شاہ اوّل کا دورِ حکومت
(۱۲) جہاندار شاہ کا دورِ حکومت
(۱۳) فرخ سیر کی تخت نشینی
(۱۴) شاہجہان ثانی کی تخت نشینی
(۱۵) محمد شاہ کا دورِ حکومت
(۱۶) نادر شاہ کا ہندوستان پر حملہ
(۱۷) احمد شاہ ابدالی کا حملہ
(۱۸) عالمگیر ثانی کی تخت نشینی
(۱۹) شاہ عالم کی تخت نشینی
(۲۰) آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر
(۲۱) مغل حکومت کا خاتمہ اور انگریزوں کا اقتدار

نایاب تاریخی واقعات کا مجموعہ

اس تاریخ میں آپ کو ایسے نایاب تاریخی واقعات ملیں گے جو آپ کی معلومات میں نیا اضافہ کریں گے۔ اس تاریخ کو منتخب فارسی زبان کی مستند تاریخوں کے مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ مغل دورِ حکومت کی ایک ایسی مکمل تاریخ ہے جو آج تک شائع نہیں ہوئی ضخامت ۴۵۰ صفحات کاغذ سفید۔

قیمت مجلد مع خوشنما اور رنگین ڈسٹ کور نو روپے پچاس پیسے

دنیائے اسلام پر ایک نظر



شاہِ ایران سے تخت چھوڑنے کا مطالبہ

انور سادات امریکی ڈپلومیسی کے شکار - تیل کا ذخیرہ ختم ہو رہا ہے

(ہمارے سیاسی مبصر کے قلم سے)

شاہ ایران سے تخت چھوڑنے کا مطالبہ

جاپان کے ایک اخبار کے حوالے سے حال ہی میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ایران کی موجودہ بغاوت سے تنگ آنے کے بعد شاہ ایران حکومت سے دست بردار ہونے کے لئے آمادہ ہو گئے ہیں۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ شاہ ایران صرف اِس بات کے لئے آمادہ ہیں کہ ایران میں ایک ایسی حکومت قائم کر دی جائے جس کا دستور اسلامی قوانین پر مبنی ہو۔

اور اِس اطلاع کی اِس بات سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ نہ صرف بہت سے ایران کے مذہبی رہنماؤں کو قید سے رہا کر دیا گیا ہے بلکہ ایران کے سب سے بڑے رہنما آیت اللہ خمینی کو بھی ایران واپس آنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔ خمینی پندرہ سال سے جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے گذشتہ سال تک وہ عراق میں مقیم تھے۔ لیکن اِس سال وہ فرانس چلے گئے اور پیرس کے قریب ایک قصبہ میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

اِس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ حکومت ایران نے سب سے بڑی مخالف پارٹی "قومی محاذ" کے لیڈر مسٹر کریم سنجابی کو بھی رہا کر دیا ہے اور شاہ نے ۱۳ دسمبر کو شاہی محل میں اُن سے ملاقات کے دوران گفتگو کرتے ہوئے نئی حکومت بنانے کی درخواست بھی کی تھی جسے انھوں نے مسترد کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایران کے موجودہ صورت حال پر قابو پانے کے لئے مذہبی پیشوا آیت اللہ خمینی کا تعاون حاصل کرنا ضروری ہے اور غالباً مسٹر سنجابی کے مشورہ پر ہی آیت اللہ خمینی کو ایران آنے کی دعوت دی گئی ہے۔

شاہ نے اس سے قبل ایران میں فوجی حکومت قائم کر دی تھی لیکن چونکہ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوسکا اس لئے اب شاہ ایران ایسی غیر فوجی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں کہ مذہبی عنصر غالب ہو۔ اور اسی لئے آیت اللہ خمینی کو ایران بلایا جا رہا ہے لیکن عام خیال یہ ہے کہ آیت اللہ خمینی اور ان کے دست راست مسٹر کریم سنجابی شاہ کی موجودگی میں مشکل ہی سے حکومت میں شامل ہونے کیلئے آمادہ ہو سکتے ہیں۔ بہر حال ایران کا معاملہ روز بروز پیچیدہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

انور سادات امریکی ڈپلومیسی کے شکار

فلسطینی رہنما جناب یاسر عرفات کا ایک بیان حال ہی میں اخبارات میں شائع ہوا ہے یاسر عرفات کا خیال ہے کہ "ڈیوڈ کیمپ" کا ڈرامہ ایک ایسا ڈرامہ ہے جو قطعی طور پر نہ صرف ناکامی پر ختم ہوگا بلکہ اسکا انجام بھی نہایت خراب ہوگا۔ ڈیوڈ کیمپ میں جو بے نتیجہ مذاکرات جاری ہیں۔ ان کے بارے میں یا تو یہ کہا جا سکتا ہے انور سادات امریکی ڈپلومیسی کے شکار ہو گئے ہیں یا یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ انور سادات نے ایک مرتبہ جو غلط قدم اٹھالیا ہے وہ اس غلطی کو نباہنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اور ان کے غلط اقدامات سے عربوں کو فائدہ کی بجائے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

یاسر عرفات نے جو کچھ کہا ہے اُس کی صداقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہے جب مصر کے وزیر اعظم اور مصر کے نائب صدر حسنی بھی اسرائیل کے رویہ سے مطمئن نہیں تو کون یہ توقع کر سکتا ہے کہ اسرائیل اور مصر میں کوئی ایسا معاہدہ ہو سکے گا جو سب ہی عرب ممالک کے لئے قابل قبول ہو۔ اسرائیل غصب شدہ عرب علاقے واپس کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ عربوں کی سرزمین پر اُس نے جو یہودی بستیاں تعمیر کر لی ہیں۔ انہیں برقرار رکھنے کے لئے اسرائیل نہ صرف بضد ہے بلکہ وہ مزید نئی بستیوں کی تعمیر کی بھی داغ بیل ڈال رہا ہے۔ فلسطینیوں کے حق آزادی کو وہ تسلیم

کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہے ۔ اور اس کے رویہ میں ذرہ برابر لچک پیدا نہیں ہوئی ہے ۔ ایسی حالت میں کوئی احمق ہی اس بات کا تصور کر سکتا ہے کہ عربوں اور اسرائیل میں کبھی کوئی سمجھوتہ ہو سکتا ہے ۔

کیمپ ڈیوڈ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سرتاپا ایک فریب اور دھوکہ ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ تو نکل سکتا ہے کہ مصر کو دوسرے عرب ممالک سے کاٹ کر اس کا رُخ اسرائیل کی جانب موڑ دیا جائے لیکن یہ ناممکن ہے کہ کیمپ ڈیوڈ کی گفتگو عربوں کے لئے مفید ثابت ہو سکے لہٰذا اس بے نتیجہ گفتگو کا ختم ہو جانا ہی بہتر ہے ۔

تیل کا ذخیرہ ختم ہو رہا ہے

تیل پیدا کرنے والے عرب ملک کے ایک اعلیٰ عہدہ دار کا کہنا ہے کہ اگر موجودہ رفتار سے عرب ممالک میں تیل نکالا جاتا رہا تو ۴۳ سال کے اندر تیل کا یہ پورا ذخیرہ ختم ہو جائے گا اور اگر تیل کی پیداوار میں تین فیصد مزید اضافہ کیا گیا تو موجودہ ذخیرہ صرف ۲۸ برس میں ختم ہو سکتا ہے ۔

تیل کی دولت نے عرب ملکوں کو مالا مال کر دیا ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ قدرت کی دی ہوئی اس دولت سے عرب ممالک نے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا ۔ عرب ملکوں کا پہلا فرض تو یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے ہر قسم کے ہلکے اور بھاری اسلحہ تیار کرنے والے کارخانے قائم کرتے تاکہ وہ اسلحہ کے معاملہ میں غیروں کے دست نگر نہ رہتے لیکن عرب ممالک نے اس ضمن میں کوئی قابل اطمینان قدم اس وقت تک نہیں اٹھایا ہے ۔

دوسرے اس کی ضرورت تھی کہ اس تیل کی دولت سے عرب ممالک میں صنعتی کارخانوں کے قیام کی داغ بیل ڈال دی جاتی تاکہ تیل کے ذخیرہ کے ختم ہونے تک عرب ممالک صنعتی ممالک بننے کے بعد تیل کی دولت سے بے نیاز ہو جاتے ۔ اس ضمن میں بعض عرب ممالک نے کچھ کوشش ضرور کی ہے مگر وہ بھی زیادہ قابل اطمینان نہیں ہے ۔

اگر تیل کی دولت عرب ممالک میں مزید تیس چالیس سال بھی باقی رہتی ہے تو اس مدت میں بھی کافی ترقی کی جا سکتی ہے ۔ ضرورت ہے کہ عرب ممالک اس جانب متوجہ ہوں اور خصوصیت کے ساتھ اسلحہ کے معاملہ میں خود کفیل بننے کی پوری کوشش کریں ۔

اسرائیل نواز فرموں کا بائیکاٹ

اسرائیل پر اقتصادی ضرب لگانے کی غرض سے اسرائیل کے تجارتی بائیکاٹ کی تحریک عرب ممالک میں بڑی شدت سے جاری ہے اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ عرب ممالک نے غیر ممالک کی ان تجارتی فرموں اور جہازوں کا بھی بائیکاٹ شروع کر دیا ہے۔ جو اسرائیل سے کاروبار کر رہے ہیں

تازہ اطلاع ہے کہ عراق نے ایسی ۲۱۵ غیر ملکی فرموں اور جہازوں کے بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے جو عرب مفادات کی خلاف ورزی کر کے اسرائیل سے تجارت کر رہے ہیں۔

ایسی فرموں اور جہازوں کی تعداد ۶۷۵ ہو گئی ہے جن کا عراق نے اس سال بیرہ بائیکاٹ کیا ہے۔ امریکہ کی جن فرموں کا بائیکاٹ کیا گیا ہے ان کی تعداد ۲۰۰ ہو گئی ہے۔ اور قطر کی بائیکاٹ بیورو نے اعلان کیا ہے کہ ۱۲۱ ایسی ہندوستانی فرموں کا بھی بائیکاٹ کر دیا گیا ہے۔ جو اسرائیل سے رابطہ رکھے ہوئے ہیں۔

اسرائیل پر اقتصادی ضرب لگانے کی غرض سے سب ہی عرب ممالک نے اپنی یہ پالیسی بنا رکھی ہے کہ دنیا کی وہ تمام فرمیں جن سے اسرائیل کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اگر اسرائیل سے کاروبار کرتی ہیں تو عرب ممالک ان کا بائیکاٹ کر دیتے ہیں۔

افغانستان میں گوریلا جنگ

افغانستان میں داؤد خاں کی حکومت کا تختہ الٹ کر جب سے "نور محمد ترا کی" کی کمیونسٹ حکومت قائم ہوئی ہے۔ برابر افغانستان کے مختلف علاقوں سے بغاوت کی خبریں چلی آ رہی ہیں۔ چنانچہ پشاور کی ایک اطلاع ہے کہ یہاں جلاوطن اپوزیشن کے ایک شائع شدہ کمیونک میں بتایا گیا ہے کہ نورستان کے شمال مغربی خطہ میں پھر گوریلا سرگرمیاں شروع ہو جانے سے افغانستان کے صدر نور محمد ترا کی کی کمیونسٹ حکومت کے خلاف لڑائی تیز ہو گئی ہے۔

پاکستان میں قائم "اسلامک اپوزیشن" کے لیڈروں نے اپنے کمیونک میں دعویٰ کیا ہے کہ باغیوں نے ایک ہیلی کوپٹر مار گرایا ہے۔ اور ہتھیاروں سے لدے چالیس ٹرک اپنے قبضہ میں کر لئے ہیں۔ ان ہتھیاروں میں پچاس چھوٹی مشین گنیں بھی شامل ہیں اور ان چالیس ٹرکوں کے ساتھ جتنے بھی فوجی تھے ان سب کا صفایا کر دیا گیا ہے۔

افغانستان میں بظاہر حکومت کا انقلاب ہو چکا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان کے بعض طبقوں نے موجودہ حکومت کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ اور اس لئے برابر افغانستان سے ہنگامہ آرائی کی خبریں موصول ہوتی رہتی ہیں۔

میں انہیں بھول نہ سکی

(باقی مضمون صفحہ ۴۷ سے)

"اللہ آپ کتنے اچھے ہیں اسلم۔ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں نہ؟"

"ہاں ہاں میری جان سے بڑھ کر جانم"

"سچ!" اپنا ہاتھ انجم کے پیروں پر رکھ کر سلمیٰ جھک گئی "تو مجھے معاف کر دیجئے سرتاج"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے سلمیٰ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ یہ سر میرے قدموں میں جھکنے کے لئے نہیں۔ سینے سے لگ جانے کے لئے ہے"

"نہیں اسلم تم انسان نہیں فرشتہ ہو۔ میں تمہیں سمجھ ہی نہ سکی میری زندگی کے بجھے ہوئے چراغ روشن ہو گئے ہیں" اور یہ کہہ کر بلکتا ہوا اسلم سے لپٹ گئی اور انجم نے اسلم کے چوڑے چکلے سینہ میں اپنے منہ کو چھپا لیا۔

اسلم حیران تھا۔ زندگی کے بارہ سال میں سلمیٰ کی جانب سے یہ گرمجوشی انجم نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اور پھر سلمیٰ نے اس طرح محسوس کیا کہ اسلم کی زندگی میں نئے سرے سے بہار آ گئی۔



دلچسپ معلومات
حیرت انگیز اور عجیب و غریب انکشافات
(از ادارہ دین دنیا)

اڑن طشتریوں سے انکار ناممکن

اڑن طشتریاں فضا میں پرواز کرتے ہوئے اب عام طور پر دکھائی دینے لگی ہیں اسلئے اب ان کے وجود سے انکار ناممکن ہوگیا ہے۔ دنیا میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسان ایسے ہیں جو اپنی آنکھ سے ان اڑن طشتریوں اور اُن میں سفر کرنے والے عجیب و غریب انسانوں کو دیکھ چکے ہیں۔ یہ اڑن طشتریاں فضا ہی میں نہیں اڑ سکتی ہیں، بلکہ زمین پر بھی موٹر کار کی طرح دوڑ سکتی ہیں۔

میکسیکو کے ایک پولیس ڈرائیور کا بیان ہے کہ جب میں اپنی گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا تو میں نے کچھ فاصلہ پر بیضوی شکل کی ایک گاڑی دیکھی اس کے نزدیک ہی ایک عجیب شکل و شباہت کا آدمی کھڑا تھا جو انوکھے قسم کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اپنی گاڑی میں سوار ہوگیا۔ اور گاڑی زمین سے اٹھ کر آسمان کی بلندیوں میں غائب ہوگئی۔ زمین پر اس گاڑی کے نشانات موجود تھے۔ اسی طرح جنوبی فرانس کے ایک کسان نے صبح سویرے اسی قسم کی ایک بیضوی شکل کی گاڑی دیکھی اُس کے قریب ہی ایک شخص کھڑا تھا اس نے بھی ویسا ہی لباس پہن رکھا تھا جیسا کہ میکسیکو کے پولیس ڈرائیور نے دیکھا تھا۔ کسان کو دیکھتے ہی وہ شخص گاڑی میں سوار ہوکر آسمان کی طرف پرواز کر گیا۔

اب یہ اڑن طشتریاں پہلے کے مقابلہ میں زیادہ دکھائی دینے لگی ہیں۔ خلائی مشاہدین کی یہ عام رائے ہے کہ ان اڑن طشتریوں میں سنہرے بالوں والی جو مخلوق دکھائی دیتی ہے وہ یا تو ستارہ زہرہ سے آتی ہے یا کسی دوسرے ستارے سے۔ اور اب یہ مخلوق دنیا والوں سے رابطہ پیدا کرنا چاہتی ہے۔

ایک انوکھا "مکتبِ عشق"

روم کی ایک اطلاع ہے کہ حال ہی میں نیپلز میں عشق باز نوجوانوں کو عشق بازی کی تربیت دینے کے لئے ایک ایسا اسکول کھولا گیا ہے جس میں کہ لڑکیوں کو اپنی جانب گرویدہ کرنے کے گُر سکھائے جاتے ہیں اِس اسکول کی فیس ماہانہ ساٹھ ڈالر ہیں۔ اور تین ماہ کے اندر عشق بازی کا ڈپلوما دے دیا جاتا ہے۔

اس درسگاہ میں تعلیم پانے والے طلبا کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ نیپلز کی ساحلی سیرگاہوں کے چکر کاٹیں اور لڑکیوں کو شکار بنانے کی کوشش کریں۔ جب طلبا لڑکیوں کو پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں تو اُن کے استاد بھی طلبا کے قریب ہی نگرانی کے لئے موجود رہتے ہیں اور اِس کارِ خیر میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ اس مکتبِ عشق سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ دنیا کیسی عجیب و غریب دنیا بن گئی ہے۔

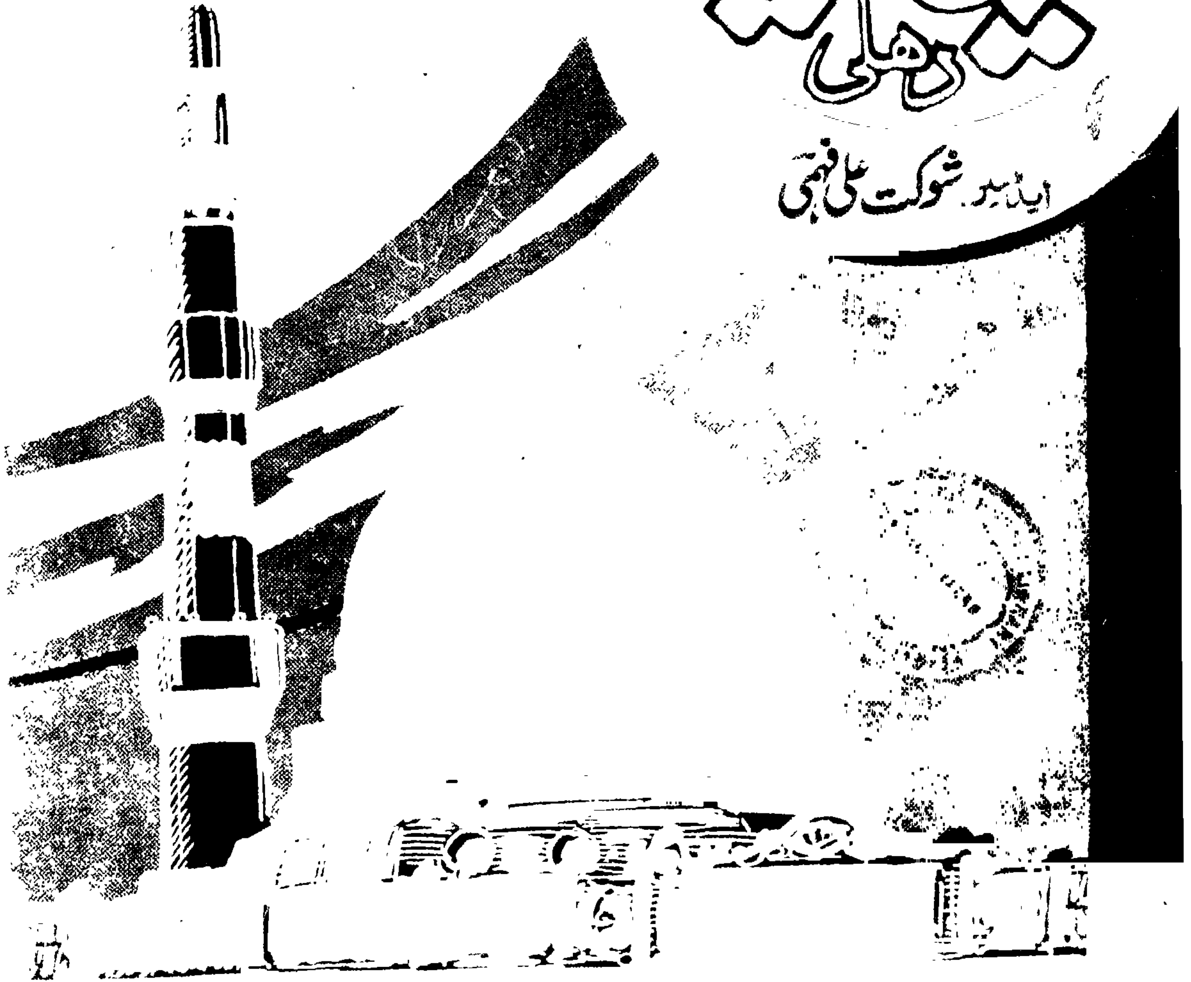
برہنگی عورتوں کا پیدائشی حق

آج کل فرانس میں خصوصاً اور دوسرے مغربی ممالک میں عموماً عورتوں میں برہنگی کی تحریک بڑھ رہی ہے اور عورتیں اس بات کا مطالبہ کر رہی ہیں کہ اُنہیں از روئے قانون مادر زاد برہنہ گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی جائے۔

اسی برہنگی کی تحریک کے سلسلہ میں "ٹاپ لیس فیشن" نکلا ہے جس میں کہ کولہوں سے اوپر کا عورتوں کا سارا جسم عریاں رہتا ہے۔ جسم کو اس طرح عریاں رکھنے کی کیونکہ قانوناً اجازت نہیں ہے۔ اس لئے جو عورتیں برہنہ ہوکر نکلتی ہیں تو انہیں گرفتار کر لیا جاتا ہے۔

دین دنیا دہلی

ایڈیٹر۔ شوکت علی فہمی



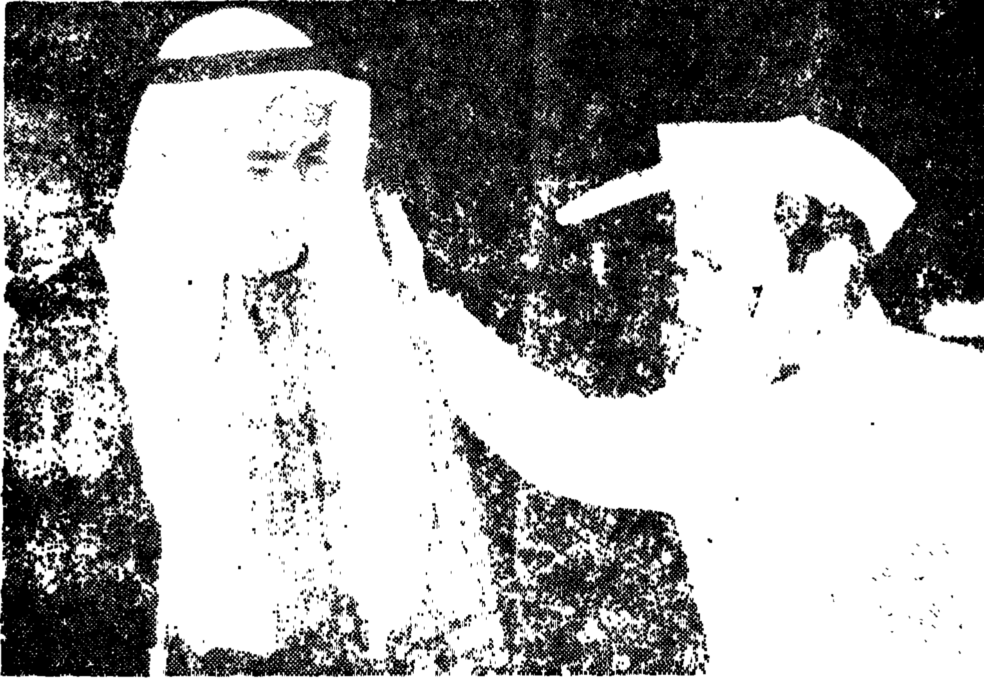
اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم ... خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا



الجیریا کے صدر " بومدین " (بائیں طرف) گذشتہ ماہ رحلت فرما گئے۔
اس تصویر میں آپ " شیخ زاید بن سلطان " کے ہمراہ ہیں



شاہ ایران " رضا شاہ پہلوی " اور ملکہ ایران " فرح دیبا "
عام خیال یہ ہے کہ اب انہیں جلاوطنی کی زندگی گذارنی ہوگی



متحدہ امارات کے نیشنل ڈے کے موقعہ پر متحدہ امارات کے سفیر محمد راشد نئی دہلی میں
نائب صدر بی-ڈی-جتی کا خیر مقدم کررہے ہیں



جارڈن کے ''شاہ حسین'' عمان میں غیر ملکی ڈپلومیٹوں کے ہمراہ



ماریشس کے وزیر اعظم ''رام غلام'' کا دھی کے ہوائی اڈے پر خیر مقدم
آپ حال ہی میں ہندوستان آئے تھے



''مسز اندرا گاندھی'' دوبارہ
چک مگلور ہی سے الیکشن لڑیں گی



مسز اندرا کے دست راست اور معاون
''دیوراج ارس'' وزیر اعلی اڑیسہ



مسٹر بھٹو کی صاحبزادی ''بینظیر بھٹو''



مسٹر بھٹو کی بیگم ''نصرت بھٹو''





عام خیال ہے کہ ''ذوالفقار علی بھٹو'' کے مقدمہ کا فیصلہ اسی ماہ میں سنا دیا جائے گا
اس تصویر میں وہ پولیس کی حراست میں ہیں



”ہم مسلم پرسنل لا میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتے“ بنگلور کے ایک جلسہ میں مسلم خواتین کا اعلان -



لچھے پور ناشہ ...ن نے پھر جنتا لیڈروں سے اتحاد کی اپیل کی ہے

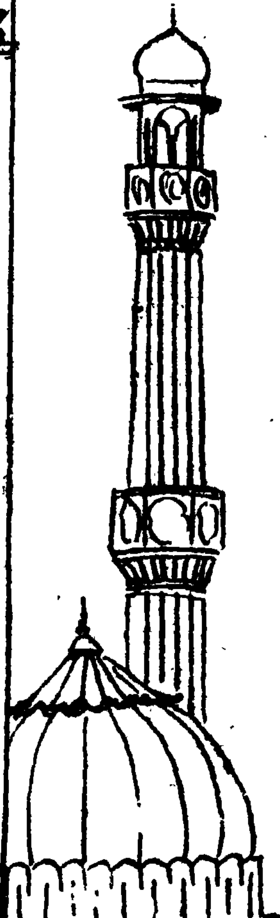
قائم شدہ ۱۹۲۱ء — اشاعت کا انسٹھواں سال — ٹیلیفون ۲۶۳۴۵۰

ہندوستان کا سب سے قدیم اور کثیر الاشاعت تاریخی اور اصلاحی جریدہ

ماہنامہ دین دنیا دہلی

(ایڈیٹر شوکت علی فہمی)

جلد ۵۹ — فروری ۱۹۷۹ء — نمبر ۲



قیمت سالانہ
پندرہ روپے
ششماہی
آٹھ روپے

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ دین دنیا
دین دنیا ہاؤس جامع مسجد دہلی
وی۔ پی منگانے میں تین روپے کا زائد خرچ ہے اس لئے منی آرڈر بھیجئے

قیمت فی پرچہ
ایک روپیہ پچاس پیسے
پاکستان بنگلہ دیش اور برما سے اٹھارہ روپے سالانہ
غیر ممالک سے ...... ڈیڑھ پونڈ سالانہ

(مفتی شوکت علی فہمی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے اپنے خواہ پریس دہلی سے چھپوا کر شائع کیا)



رفتارِ زمانہ

(از شوکت علی فہمی)

وسط مدتی انتخاب یقینی

جنتا حکومت کو مصنوعی ذرائع سے زندہ رکھنے کی کوشش

جنتا پارٹی میں کئی ماہ سے جو اکھاڑ پچھاڑ جاری ہے - اگر اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے تو یہ نتیجہ نکالنا دشوار نہیں کہ جنتا پارٹی کا ڈھانچہ ٹوٹ چکا ہے اور اس ٹوٹے ہوئے ڈھانچہ کو گرنے سے روکنے کے لئے نئے نئے سہارے تلاش کئے جا رہے ہیں - مثلاً کئی ماہ سے چودھری چرن سنگھ کو وزارت میں واپس لانے کے لئے جو نئے نئے فارمولے تیار کئے جاتے رہے ہیں اُن کا مقصد ہی یہ تھا کہ اِس گرتے ہوئے ڈھانچہ کو کسی نہ کسی طرح سنبھال لیا جائے -

چھ سات ماہ ہوئے چودھری چرن سنگھ کو جس ذلت کے ساتھ کیبنٹ سے نکالا گیا تھا وہ سب ہی کو معلوم ہے - وزارت سے نکالے جانے کے بعد انھوں نے بڑے طمطراق سے فرمایا تھا کہ "میں عہدے اور کرسی کا بھوکا نہیں ہوں" لیکن واقعہ یہ ہے کہ وزارت سے نکالے جانے کے بعد ان کی نگاہ ہمیشہ کرسی ہی پر رہی ہے چنانچہ جیسے ہی ان کے سامنے ڈپٹی پرائم منسٹری اور وزارت خزانہ کا دانہ ڈالا گیا تو وہ اپنے معتمد خاص راج نرائن کی پرواہ کئے بغیر کیبنٹ میں شامل ہونے پر آمادہ ہو گئے - کل تک تو کہہ رہے تھے کہ وہ راج نرائن کے بغیر ہرگز کیبنٹ میں شامل نہ ہوں گے مگر کرسی کی چمک دمک نے انہیں اپنے پرانے یار وفادار سے بے وفائی کرنے پر مجبور کر دیا -

جس جدید فارمولے کی رو سے چودھری صاحب کیبنٹ میں شامل ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ چودھری صاحب ڈپٹی پرائم منسٹر اول ہوں گے وزارت خزانہ کا قلمدان اُن کے پاس رہے گا - اور ساتھ ہی بابو جگ جیون رام کا دل رکھنے کے لئے انہیں بھی پرائم منسٹر دوم بنا دیا گیا ہے - بابو جگ جیون رام جنہیں اِس سے پہلے کیبنٹ میں وزیر اعظم کے بعد کا درجہ حاصل تھا - انہیں معزول کر کے اب نمبر دو پر لے آیا گیا ہے اور اس فارمولے سے بابو جگ جیون رام کیمپ میں ناگواری پیدا ہو رہی ہے - کہ بابو جی کا درجہ گھٹا دیا گیا ہے - اور انہیں نمبر دو سے نمبر تین بنا دیا گیا ہے جس سے کہ مزید پیچیدگیوں کے پیدا ہونے کا امکان ہے - بہرحال کچھ بھی ہو چودھری صاحب اپنے معتمد خصوصی شری راج نرائن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کیبنٹ میں شامل ہو گئے ہیں تاکہ نائب وزیر اعظم بن کر کم از کم وزارت عظمیٰ کی کرسی کے قریب تو پہنچ جائیں تاکہ موقع ملنے پر آسانی سے ایک قدم اور آگے بڑھایا جا سکے -

اِس طرح چودھری چرن سنگھ نے تو وزارت سے ہاتھ ملا لیا ہے - لیکن چودھری صاحب کے پرانے ساتھی سابق وزیر صحت راج نرائن نے کلکتہ کے ہوائی اڈے پر اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے جو بیان دیا ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فی الحال سب سے ناراض ہیں

ان کا کہنا ہے کہ " دو برس کے بعد ایمانداری سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جب تک مرارجی ڈیسائی وزیر اعظم رہیں گے جنتا سرکار عوام کے مفاد کے لئے ٹھیک ڈھنگ سے کام نہیں کر سکتی - جنتا پارٹی کے ممبران پارلیمنٹ کو چاہئے کہ وہ تمام حالات پر بخوبی غور کریں - اور یقینی طور پر وہ بھی اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ نیا وزیر اعظم منتخب کیا جانا ضروری ہے " اور پھر کلکتہ سے دہلی واپس آنے پر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے شری راج نرائن نے جو کچھ کہا ہے وہ بہت ہی معنی خیز ہے - انھوں نے فرمایا ہے کہ " چودھری چرن سنگھ تو حکومت کے اندر رہ کر اور میں باہر رہ کر پارٹی کو پاک وصاف کرنے کی مہم جاری رکھوں گا " یعنی وزارت عظمیٰ کے خلاف اکھاڑ پچھاڑ کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا -

شری راج نرائن کے بارے میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ مرارجی ڈیسائی سے اس لئے خفا ہیں کہ انہیں کیبنٹ سے نکالا جا چکا ہے - لیکن دوسرے جنتا لیڈر بھی اسی قسم کی باتیں کر رہے ہیں مثلاً اتر پردیش جنتا پارٹی کے دو جنرل سیکریٹریوں یعنی شری بینی پرشاد ورما اور شری ادم پرکاش تیواری نے ایک مشترکہ خط کے ذریعہ وزیر اعظم ڈیسائی سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ چونکہ وہ جنتا پارٹی میں اتحاد قائم کرنے میں قطعی ناکام رہے ہیں اس لئے انہیں فوراً وزارت عظمیٰ کے عہدہ سے مستعفی ہو جانا چاہئے -
اس کے علاوہ پچھلے دنوں جنتا لیڈروں کی برابر خفیہ میٹنگیں بھی ہوتی رہی ہیں جن میں کہ یہ غور کیا جاتا رہا ہے کہ " مرارجی کے بعد وزیر اعظم کسے بنایا جائے " یہ تمام حالات و واقعات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جنتا پارٹی کا اندرونی ڈھانچہ بالکل ٹوٹ چکا ہے - پارٹی کے زعما کو اپنے لیڈر پر کوئی اعتماد باقی نہیں رہا ہے اور کسی وقت بھی کسی بہت بڑے دھماکہ کا امکان ہے - اوپری سطح پر اگرچہ زندگی کے آثار ابھی تک موجود ہیں - چودھری چرن سنگھ کو با دل ناخواستہ کیبنٹ میں شامل کرنے سے وقتی طور پر لیپا پوتی ہو گئی ہے - لیکن اندرونی طور پر جنتا پارٹی ٹوٹ چکی ہے اور کسی وقت بھی اس بات کا امکان ہے کہ اس پارٹی کا ڈھانچہ زمین پر آن پڑے اور ہمارے ملک میں اچانک وسط مدتی انتخابات کا اعلان ہو جائے -

ہماری ایمانداری کے ساتھ یہ رائے ہے کہ جنتا پارٹی میں اتنی بڑی دراڑ پڑ چکی ہے جس کا بھرنا ناممکن ہے - اس بات کو سب ہی جانتے ہیں کہ اصلی اتحاد اور چیز ہے اور سودے بازی دوسری چیز ہے - کرسیوں کی سودے بازی سے پارٹیوں کا اتحاد قائم نہیں ہوا کرتا اس کے لئے خلوص اور دلوں کی یگانگت کی سب سے بڑی ضرورت ہے - چرن سنگھ کو ذرا اونچی کرسی ضرور مل گئی ہے - مگر اس سے دلوں میں پیدا ہونے والے اختلافات دور نہیں کئے جا سکتے - یہ اختلافات رنگ لائیں گے اور ضرور رنگ لائیں گے اور جب کہ چودھری چرن سنگھ کے دست راست شری راج نرائن یہ فرما رہے ہیں کہ " چودھری چرن سنگھ حکومت کے اندر رہ کر اور میں باہر رہ کر پارٹی کو پاک صاف کرنے کی مہم کو جاری رکھیں گے " تو اس سے ظاہر ہے کہ جنتا لیڈروں کی خانہ جنگی ختم نہیں ہوئی ہے - بلکہ ایک نئے دور میں داخل ہوئی ہے -

بد قسمتی سے ہمارا ملک اس وقت تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے - یہاں اقتدار اور کرسیوں کی جنگ گزشتہ دو سال سے جنتا لیڈروں میں اس طرح لڑی جا رہی ہے - جس کی مثال دنیا کے کسی ملک میں بھی نہیں مل سکتی - یہ تو دیکھنے میں آیا ہے کہ برسر اقتدار پارٹی اور مخالف پارٹیوں میں عموماً اقتدار اور کرسیوں کی جنگ ہوا کرتی ہے لیکن ایسا کبھی دیکھنے میں نہیں آیا کہ برسر اقتدار پارٹی کے زعما کرسیوں کی خاطر آپس ہی میں دست بگریباں ہو جائیں چنانچہ ہم برابر دو سال سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ جنتا پارٹی کا ایک گروہ دوسرے گروہ کے گرانے کی فکر میں ہے - ایک لیڈر دوسرے لیڈر کی تذلیل پر تلا ہوا ہے - اور انہیں اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کہ ان کی اس خانہ جنگی سے ملک کو کتنا بڑا نقصان پہنچ رہا ہے - بس انہیں تو اس بات کی فکر ہے کہ ان کا اقتدار اور کرسیاں سلامت رہیں اور پارٹی میں ان کے گروہ کو برتری حاصل رہے ملک اگر تباہ ہوتا ہے تو ہوا کرے -

سب ہی کو معلوم ہے کہ جنتا لیڈروں کی اس خانہ جنگی سے ملک کی انتظامیہ حالت اس حد تک بگڑ چکی ہے کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس ملک میں کوئی گورنمنٹ ہے بھی یا نہیں - ملک کا پورا ایڈمنسٹریشن اس نوکر شاہی کے ہاتھوں میں ہے جسے نہ عوام کی مشکلات کا کوئی خیال ہے - اور نہ عوام کی مصیبتوں سے کوئی واسطہ ہے - ہمارے ملک میں لاقانونی جیسی کیفیت ہے - عوام کی نہ جانیں محفوظ ہیں اور نہ مال و آبرو - گرانی انتہا کو پہنچ چکی ہے - [illegible] رہی ہے - اور جنتا لیڈروں کی حالت یہ ہے کہ [illegible] کرسیوں کے جھگڑوں اور تقسیم میں [illegible] - ان کی [illegible]

ملک حیثیت میں جائے یا وزرخ میں اِن حالات میں اگر دو نہیں بلکہ چار بھی ڈپٹی منسٹر بنا دیے جائیں تو بے فائدہ ہیں۔ ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ ڈپٹی منسٹروں کا یہ فارمولا بجائے مفید ہونے کے الٹا مضر ثابت ہوگا۔ اور اسکے بعد جنتا لیڈروں میں خانہ جنگی اور بڑھیگی اور یہ پارٹی جلد یا بدیر ٹوٹ کر رہے گی اور ملک میں وسط مدتی انتخابات ہو کر رہیں گے۔

جنتا پارٹی کے اِس تکلیف دہ انجام سے یوں تو پورے ہی ملک کے باشندوں کو سبق لینا چاہیئے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ ان اقلیتوں اور پس ماندہ اقوام کو غور کرنا ہے جنھوں نے کہ اپنی ووٹوں سے جنتا لیڈروں کو کرسیوں پر بٹھایا ہے۔ اقلیتوں اور پس ماندہ طبقہ سے بڑے بڑے وعدے کیے گئے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ آج اُن ہی کو تکالیف برداشت کرنی پڑ رہی ہیں۔ فرقہ پرستی کی آگ ملک کے اُن گوشوں میں بھی بھڑک اٹھی ہے جہاں کوئی فسادات سے واقف بھی نہ تھا۔ ملک میں جا بجا فسادات برپا ہیں۔ اور علیگڈھ میں تو ایک ایسا تاریخی فساد ہوا ہے جو کئی ماہ تک جاری رہا محض مسلم اقلیت کے واحد تعلیمی ادارہ کو تباہ کرنے کی غرض سے مسلم اقلیت کو ہمیشہ ہی کانگریس سے شکایت رہی ہے لیکن جنتا حکومت کانگریس سے بھی کہیں زیادہ مسلم اقلیت کے لئے بدتر ثابت ہوئی ہے۔ اور ان حقائق اور واقعات سے پس ماندہ اقوام اور ہندوستان کی سب ہی اقلیتوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور انہیں ابھی سے وسط مدتی انتخابات کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہیئے۔

لوک دل سے قریبی تعلق رکھنے والے لیڈروں نے بھی دو ڈپٹی پرائم منسٹروں کے تقرر ہونے پر اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے۔ اور اُن کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ فارمولا چلنے والا نہیں۔ اور سابق وزیر صحت شری راج نرائن نے تو اپنے ایک تازہ بیان میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ "جنتا پارٹی کے بحران کے خاتمہ کے لئے جو فارمولا بنایا گیا ہے وہ مسٹر ڈیسائی کو باندھنے کے لیے ہے" جس سے کہ یہ بات واضح ہے کہ اس فارمولے سے بحران گھٹنے کی بجائے اور زیادہ بڑھے گا اور جس کا لازمی نتیجہ وسط مدتی انتخابات ہوں گے اور ان وسط مدتی انتخابات میں ہندوستان کی اقلیتوں اور پس ماندہ اقوام کو نہایت ہی اہم رول ادا کرنا ہے۔

ہندوستان کی اقلیتیں جن میں کہ ہریجن بھی شامل ہیں اِس ملک میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اِن کی عددی طاقت اتنی زیادہ ہے کہ وہ جس پارٹی کو بھی چاہیں اقتدار میں لا سکتی ہیں اِس لئے انہیں وسط مدتی انتخابات کے لئے پہلے ہی سے تیار رہنے کی ضرورت ہے تاکہ اُس غلطی کا اعادہ نہ ہونے پائے جو وہ جنتا پارٹی جیسی ناکارہ جماعت کو اقتدار میں لاکر کر چکی ہیں۔

مسلمانوں کو ظالم ثابت کرنے والے افسانے

ہمارے ملک سے انگریز جا چکا ہے۔ لیکن ملک کی بدقسمتی سے وہ اپنے پیچھے ایسے عناصر چھوڑ گیا ہے۔ جو انگریز کی سنت پر عمل کرتے ہوئے مسلم تاریخ کو مسخ کر کے ایسے من گھڑت واقعات شائع کر رہا ہے جو مسلمانانِ ہند کے خلاف سخت اشتعال انگیز ہیں اور جن سے کہ ہمارے ملک کی یکجہتی کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔

تاریخ ہند کو مسخ کرنے کا یہ سلسلہ گذشتہ تئیس سال سے نہایت منظم طریقہ پر ہمارے ملک میں جاری ہے۔ اِس لعنت کے خلاف ہندوستان کے سب ہی معقولیت پسند طبقوں کی جانب سے آواز بلند ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ گیانی ذیل سنگھ نے پچھلے دنوں کہا تھا کہ "تاریخ کے ایسے تمام اوراق پھاڑ ڈالنے چاہئیں جن سے کہ ملک میں منافرت بڑھتی ہے" اور جنتا حکومت کے مرکزی وزیر شری بہوگنا کا کہنا ہے کہ "ملک کے اتحاد کو سب سے زیادہ نقصان ہندوستان کے سابق مسلم حکمرانوں کو بدنام کرنے والے من گھڑت واقعات سے پہنچا ہے" مگر یہ زہر افشانی آج بھی بدستور جاری ہے کیونکہ اِس ملک میں پی این اوک۔ اور ایڈیٹر پرتاپ جیسے خانہ ساز مورخ پیدا ہو گئے ہیں جن کا مشن ہی یہ ہے کہ تاریخ ہند کے واقعات کو مسخ کر کے اِس ملک کی اکثریت کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف اشتعال پیدا کیا جائے۔

مثال کے طور پر حال ہی میں اخبار پرتاپ کے ایڈیٹر نے اپنے اخبار کی ۲۸ دسمبر کی اشاعت میں شہنشاہ اورنگزیب کے ایک گورنر پر یہ بیہودہ الزام لگایا ہے کہ اِس مغل گورنر نے گورو گوبند سنگھ کے دو معصوم بیٹوں کو دیوار میں چنوا کر ہلاک کروا دیا

تھا۔ کیونکہ انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور یہ بے بنیاد اور من گھڑت افسانہ اخبار پرتاپ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"گورو مہاراج کے دونوں بڑے بیٹے تو جنگ میں شہید ہو گئے تھے جب چھوٹے بیٹے مغلوں کے ہاتھ آ گئے تو انہیں مغل گورنر وزیر خاں کے روبرو پیش کیا گیا۔ گورنر نے انہیں کہا کہ اسلام قبول کریں۔ لیکن انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ انہیں زندہ دیوار میں چن دیا جائے۔ انہیں ایک نالی میں کھڑا کر دیا اور اُن کے گرد دیوار چننا شروع ہو گئی۔ جوں ہی دیوار اُن کے کندھوں تک پہنچی بچے بیہوش ہو گئے اور دیوار پر گر پڑے۔ اِس سے دیوار بھی ٹوٹ گئی اس پر گورنر نے حکم دیا کہ انہیں جیل خانہ میں ڈال دیا جائے جب انہیں ہوش آیا تو انہیں پھر گورنر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس نے پھر اُنہیں کہا کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ لیکن انھوں نے پھر انکار کر دیا۔ اس پر اُنہیں دو جلادوں شاشال بیگ۔ باشال بیگ کے حوالے کر دیا گیا جنھوں نے دونوں بچوں کو بڑی بے رحمی سے مار ڈالا۔" (پرتاپ ۲۷ دسمبر)

اس ٹریجڈی کہانی کا ایک ایک لفظ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ من گھڑت کہانی ہے ایک ایسی سنگین دیوار جس میں کہ انسانوں کو چنا جاتا ہے۔ کاغذ کی تو ہو نہیں سکتی کہ چھوٹے بچوں کے سہارے ہی سے گر جائے۔ اور جلادوں کے بے معنی نام یعنی شاشال بیگ اور باشال بیگ بتا رہے ہیں کہ یہ ہم قافیہ نام گھڑے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ تاریخوں میں جلادوں جیسی غیر اہم ہستیوں کے نام آج تک تو دیکھے نہیں گئے۔ یہ ایڈیٹر پرتاپ کے کوئی گھڑی ہی تاریخ ہو سکتی ہے جس میں کہ جلادوں کے نام کا اندراج بھی ضروری سمجھا گیا۔ یہ من گھڑت افسانہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ حقیقت رائے کا افسانہ ہے جس میں کہ ایک مغل گورنر پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اُس نے ایک کھتری کے بارہ سالہ لڑکے کو محض اس جرم میں قتل کرا دیا تھا چونکہ اُس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حقیقت رائے کے افسانہ کے بارے میں کوئی کہتا ہے کہ یہ واقعہ جہانگیر کے دور میں ہوا تھا۔ کسی کا کہنا ہے کہ شاہجہاں کے عہد میں یہ ظلم توڑا گیا تھا۔ اور کوئی کہتا ہے کہ محمد شاہ کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا تھا بیانات کے اس تضاد ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تمام ظلم و ستم کی کہانیاں گھر میں بیٹھ کر محض مسلمانانِ ہند کے خلاف اشتعال پھیلانے کی غرض سے گھڑی گئی ہیں۔

نامور مورخ ڈاکٹر ایشوری پرشاد۔ سر جادو ناتھ سرکار۔ ڈاکٹر تارہ چند۔ اور اُن قدیم ہندو مورخوں کی ساری "تاریخیں کھنگال جائیے" جنھوں نے کہ مغلیہ دور پہ ہزاروں صفحات لکھے ہیں۔ انھوں نے کبھی اس نوعیت کے کسی واقعہ کی جانب اشارہ تک نہیں کیا۔ یہ تمام واقعات زمانہ حاضرہ کے بد باطن لوگوں کے گھڑے ہوئے میں ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے وہ گورو گوبند سنگھ کے بیٹوں کی۔ حقیقت رائے اور اس نوعیت کی دوسری بے بنیاد کہانیوں کی چھان بین کرے۔ اور ان بد باطنوں کے خلاف قدم اٹھائے جو دیدہ و دانستہ مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز افسانے گھڑ کر ملک کی فضا کو مکدر کر رہے ہیں۔

اندرا گاندھی کے فارم میں مدفون خزانہ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنتا لیڈروں نے یہ طے کر رکھا ہے کہ شریمتی اندرا گاندھی کو اقتدار کی کرسی تک لا کر ضرور رہیں گے چنانچہ آئے دن اُن سے اِس قسم کی معاندانہ حماقتیں ہو رہی ہیں جن سے کہ جنتا حکومت کی تو رسوائی ہو رہی ہے لیکن اندرا گاندھی سے عوام کی ہمدردیاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔

مثال کے طور پر حال ہی میں محض اِس بے بنیاد افواہ پر کہ مسز اندرا گاندھی کے مہرولی والی فارم میں ایک بہت بڑا خزانہ دفن ہے۔ انکم ٹیکس کے حکام نے بہت بڑی جمعیت اور اہتمام کے ساتھ چھاپہ مارا پورے فارم کو کھنگال ڈالا۔ چھاپہ مارنے والی پارٹی تقریباً دس افراد پر مشتمل تھی۔ پولیس سے بھرے ہوئے دو ٹرک بھی موجود تھے چھاپہ مارنے والوں کے پاس ایک بہت بڑا پوشیدہ دولت کا سراغ لگانے والا آلہ بھی تھا۔ کئی گھنٹہ تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن ذرہ برابر بھی کوئی قابلِ اعتراض چیز برآمد نہ ہو سکی۔ چنانچہ جنتا حکومت کے اِس منتقمانہ اقدام کی نہ صرف کانگریسی حلقوں میں بلکہ ملک کے سب ہی حلقوں میں مذمت کی جا رہی ہے۔

دہلی کے قانونی ماہرین اور وکیلوں نے جن میں کہ ہائی کورٹ کے سابق جج بھی شامل ہیں۔ اِس چھاپہ کو غیر قانونی اور جارحانہ عمل قرار دیتے ہوئے اپنے مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ "ہم اس اقدام میں ملوث سیاست دانوں

کی شدید مذمت کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں قانون کی بری طرح مٹی پلید کی گئی ہے۔ پارلیمنٹری ڈیموکریسی کو چلانے کے لئے اپوزیشن کے کسی بھی لیڈر کے خلاف اسقدر جارحانہ ڈھنگ سے ایکشن نہیں لینا چاہئے۔ ذمہ دار افسران نے سیاسی دباؤ میں آکر نیز سیاسی اغراض کو پورا کرنے کی غرض سے جس طرح قانون کی مٹی پلید کی گئی ہے اسکی مثال نہیں ملتی "۔ اِس بیان میں جن معتدد حضرات کے نام درج ہیں وہ یہ ہیں۔ این۔ اے۔ سالون، ایم۔ پی۔ چارٹرڈ اکاونٹنٹ، شری رام راؤ سابق ایڈوکیٹ جنرل مہاراشٹر، شری۔ جے این داس سابق ایڈوکیٹ جنرل پنجاب۔ شری آنند نراین ملا اور شری [illegible] شنکر سابق جج ہائی کورٹ۔

مسز اندرا گاندھی کو پچھلے دنوں مراعات شکنی کے سلسلہ میں جو سزا دی گئی تھی۔ اُسے عام طور پر منتقمانہ اقدام قرار دیا گیا۔ اور اس کے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں اُس سے جنتا پارٹی کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں تھیں۔ اِس سزا پر پورے ملک میں ایک ہیجان سا برپا ہوگیا۔ پانچ لاکھ کے قریب ستیہ گرہیوں نے اندرا کے نام پر جیلیں کو بھر دیا۔ اور صرف اس ایک واقعہ نے اندرا گاندھی اور اُن کی پارٹی سے عوام میں اس قدر ہمدردیاں پیدا ہوگئیں جو شائد سالہا سال میں بھی ناممکن تھیں۔ ابھی اس منتقمانہ سزا کی گونج ختم نہیں ہوئی تھی کہ مسز اندرا گاندھی کے مہرولی والے فارم پر بے ڈھنگے پن سے چھاپہ مار کر جنتا حکومت نے مسز اندرا گاندھی کے ساتھ عوام کی ہمدردی کا نیا سامان فراہم کر دیا ہے

جنتا لیڈر خواہ اِسے محسوس کریں یا نہ کریں مگر ان کے اس قسم کے معاندانہ اقدامات سے جہاں جنتا پارٹی کی ساکھ بگڑ رہی ہے۔ وہاں اندرا گاندھی سے عوام کی ہمدردیاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ اور ہمارا خیال ہے کہ اگر دو چار واقعات اور اسی قسم کے ہوگئے۔ تو جنتا حکومت کے مقابلہ پہ ایک ایسی مضبوط پارٹی آکر کھڑی ہو جائے گی جس کا کہ شائد جنتا پارٹی مشکل ہی سے مقابلہ کر سکے

اصل بات یہ ہے کہ جنتا لیڈر احساس کمتری میں مبتلا ہو گئے ہیں اور وہ مسز اندرا گاندھی کی بڑھتی ہوئی ہر دلعزیزی سے خوفزدہ ہیں۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ۔ اندرا گاندھی کی یہ ہر دلعزیزی خود انکی معاندانہ روش اور حماقتوں کا نتیجہ ہے۔ جسکا خمیازہ اُنہیں بھگتنا ہی پڑے گا

دین دنیا کی قیمت میں مجبوراً اضافہ

محصول ڈاک کاغذ اور طباعت کے اخراجات میں جس تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اُسے دیکھتے ہوئے ہمارے لئے "دین دنیا" کا زندہ اور برقرار رکھنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوگیا ہے۔ محصول ڈاک اور رجسٹری کا خرچہ اتنا بڑھ چکا ہے کہ ایجنسیوں میں جو پرچے دئے جا رہے ہیں۔ اُن سے جو قیمت وصول ہوتی ہے وہ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے یعنی ایک پرچہ پر نوے یا پچانوے پیسے کمیشن۔ محصول ڈاک اور رجسٹری کے خرچے کی صورت میں نکل جاتے ہیں۔ یعنی ہمیں مشکل سے پچاس ساٹھ پیسے فی پرچہ کے حساب سے قیمت وصول ہوتی ہے جبکہ دین دنیا کے ایک پرچہ پر لاگت سوا روپیہ سے بھی زیادہ ہے۔ اور دشواری یہ ہے کہ نوے فیصد پرچہ ایجنسیوں ہی کے ذریعہ خریداروں تک پہنچایا جا رہا ہے۔ دفتر سے براہ راست پرچہ منگانے والے خریداروں کی تعداد مشکل سے دس فیصد ہے۔

یہ چیز قابل غور ہے کہ جب دین دنیا کے ایک پرچہ پر سوا روپیہ سے بھی زیادہ لاگت آ رہی ہو تو ایجنٹوں کو صرف پچاس ساٹھ پیسے میں پرچہ دینا تقریباً ناممکن ہے۔ لیکن ہم سال ڈیڑھ سال سے مسلسل یہ نقصان برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں صرف اِس امید پر کہ شائد دفتر سے براہ راست پرچہ منگانے والے مستقل خریداروں میں اضافہ ہو جائے اور اس اضافہ کے بعد ہمارا نقصان گھٹ جائے۔

بیرونی اشتہارات دین دنیا میں نہ ہونے کی بنا پر ہم صرف کتابوں کی فروخت سے اِس نقصان کی تلافی کی اِس وقت تک کوشش ہوتی رہی ہے اور اب جبکہ ایک سال سے کے اندر کتابوں کے کاغذ کی قیمت ڈیوڑھی سے بھی زیادہ ہوگئی ہے اور طباعت کے اخراجات بے حد بڑھ گئے ہیں۔ تو کتابوں کی قیمتوں میں ذرا بھی اضافہ کے باوجود کوئی نفع باقی نہیں رہا۔ ایسی حالت میں ہم مجبوراً بادل ناخواستہ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ آئندہ ماہ سے دین دنیا کے ایک پرچہ کی قیمت ایک روپیہ چھتر پیسے کر دی گئی ہے اور سالانہ قیمت اٹھارہ روپے ہوگی۔ قیمت کے اِس اضافہ سے نقصان کی کمی نہ کسی حد تک تو تلافی ہو جائے گی لیکن یہ اسی طرح تلافی کی صورت میں ہو سکتی ہے کہ دین دنیا کے سب ہی خریدار [illegible]

سے پرچہ خریدتے ہوں یا براہ راست پرچہ منگاتے ہوں مستقل
خریداروں کے اضافہ میں ہمیں بھرپور مدد دیں۔

ہندوستان میں یوں تو کئی اچھے گیٹ اپ کے رسائل نکل
رہے ہیں۔ لیکن دین دنیا اپنی نوعیت کا ایک منفرد پرچہ ہے۔ جو
ایک طرف اپنی حق گوئی کے لئے مشہور ہے۔ دوسری جانب ایک
خاص ڈھنگ کے مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے والے مضامین
اس میں شائع کئے جاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ دین دنیا کا ایک خاص اور
مستقل مشن ہے جسے آگے بڑھانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس لئے
ہمیں امید ہے کہ پرچہ کو زندہ رکھنے کے لئے توسیع اشاعت میں مدد لیکر
دین دنیا کے سب ہی ناظرین ہم سے پورا پورا تعاون کریں گے اور اگر بدقسمتی
سے ہمیں یہ تعاون حاصل نہ ہو سکا تو ہم صاف صاف یہ واضح کر دینا چاہتے
ہیں کہ دین دنیا کا زندہ اور برقرار رکھنا ہمارے لئے ناممکن ہو جائے گا

آخر میں ہم پھر دین دنیا کے معزز ناظرین سے معذرت خواہ
ہیں کہ ہمیں مجبور ہو کر دین دنیا کی قیمت میں اضافہ کرنا پڑا ہے۔ اور ہم
اس اقدام سے خوش نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی کسی نہ کسی طرح تو اس ۵۹
سال پرانے اور مفید جریدہ کو زندہ رکھنا ہی ہے۔

عربوں سے خدا واسطے کا بیر

ہندوستان کے سب ہی عرب ملکوں کے ساتھ نہایت گہرے اور
[illegible]ینی تعلقات ہیں اور ان تعلقات سے ہمیں فائدہ بھی پہنچ رہا ہے۔
[illegible] عربوں کے ساتھ کروڑوں کا نہیں بلکہ اربوں کا کاروبار ہے۔
[illegible]ب ممالک میں تقریباً دس لاکھ ہندوستانی مختلف شعبوں میں کام کر
رہے ہیں جن کے ذریعہ جو زر مبادلہ ہندوستان کو وصول ہوتا ہے وہ
کروڑ[illegible] روپیہ سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے
[illegible] میں ایک ایسی عرب مخالف لابی موجود ہے جو تعصب کی بنا پر عرب
[illegible] کی شدید مخالف ہے۔

[illegible]ہی عرب دشمن لابی اسرائیل کے گن گاتی رہی ہے۔ اور حکومت
[illegible] دیتی رہی ہے کہ وہ عربوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اسرائیل
[illegible]اتھ دوستانہ روابط پیدا کرے اور جب بھی انہیں موقعہ
[illegible] ہے عربوں کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ سب ہی کو
معلوم ہے کہ شریعت اسلامیہ میں زنا کے جرم کے لئے سزائے موت ہے
لیکن پچھلے دنوں جب سعودی عرب کی ایک شہزادی کو زنا کے جرم میں سزائے
موت دی گئی۔ تو عربوں کے خلاف ہمارے ملک میں جھوٹا پروپگنڈا کیا
گیا کہ عرب نہایت تنگ نظر ہیں عرب شہزادی نے چونکہ ایک عام آدمی سے
شادی کر لی تھی اس لئے اسے اور اس کے شوہر کو سزائے موت دیدی گئی
اور اب راجستھان کی ایک معمولی چڑیا کے شکار کی آڑ لے کر اس عرب دشمن
لابی نے سعودی عرب کے ایک شہزادہ کے خلاف جو طوفان اٹھایا ہے
وہ افسوسناک بھی ہے اور اس سے ہمارے اور عربوں کے تعلقات
بھی خراب ہو سکتے ہیں پریس ایشیا انٹرنیشنل کی مقالہ نگار مسز منورما دیوان
نے اس افسوسناک واقعہ پر اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ
سراسر حقائق پر مبنی ہیں منورما دیوان لکھتی ہیں۔

"سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ بدر کے راجستھان میں آکر
اور تلور نامی پرندے کے شکار پر جو مخالفانہ مظاہرے راجستھان
اور دہلی میں کئے گئے ہیں وہ بہت بے تکے بھی معلوم ہوتے ہیں اور قومی
مفادات کے خلاف بھی ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ جس ملک میں روزانہ تین
ہزار سے زائد بچے صحت بخش خوراک کی کمی اور بیماریوں کی وجہ سے
دم توڑ دیں۔ جہاں روزانہ انسان دوسرے انسانوں کو اس لئے
زندہ جلا ڈالیں کیونکہ وہ نیچ ذات کے ہیں۔ جہاں فرقہ وارانہ فسادات
مہینوں تک چلتے رہیں اور جن میں ہزاروں افراد مار ڈالے جائیں
اور کروڑوں کی املاک برباد کر دی جائے اس ملک میں مخالفانہ
مظاہرے کئے جاتے ہیں تو اس بات کو لے کر کہ راجستھان کے ریگستان
میں کسی کالے پرندہ کا شکار ہرگز نہ کیا جائے"۔

لیکن اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ جس بڑے پیمانے پر
ہمارے ملک میں جنگلات کو کاٹ کاٹ کر صاف کیا جا رہا ہے ہم خود ہی
پرندوں کے ٹھکانے ختم کر کے ان کی نسلوں کو برباد کر رہے ہیں۔
مگر اس کے خلاف نہ کوئی آواز اٹھائی جاتی ہے اور نہ مظاہرے ہی کئے
جاتے ہیں۔ مگر اور مظاہرے کئے جاتے ہیں تو اس وقت جب ہم ایک عرب
مہمان کو اپنے ہاں آکر شکار کھیلنے کی خود ہی دعوت دیتے ہیں۔ یہ کہنا
غلط نہ ہو گا کہ ان مظاہروں کے پیچھے ان عناصر کا گہرا ہاتھ ہے جو
ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی بہانے ہندوستان
اور عرب ملکوں کے تعلقات خراب ہوں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے

اخباروں میں آئے دن عربوں کے خلاف کچھ نہ کچھ مخالفانہ باتیں ضرور لکھی جاتی ہیں۔"

"ہم ہندوستانی عوام اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ تاریخی ثقافتی، اور جذباتی تعلقات کو اگر ہم الگ بھی کر دیں اور ٹھوس اقتصادی اور کاروباری تعلقات ہی کو سامنے رکھیں تب بھی ہندوستان کے عرب ملکوں کے ساتھ بہت زیادہ قریبی تعلقات قائم ہو چکے ہیں۔ کیا اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی پٹرولیم کی تمام ضروریات آج یہ عرب ممالک ہی پوری کر رہے ہیں۔ ایران میں بدامنی کی وجہ سے جب ہندوستان کو پٹرولیم کی درآمد میں دشواری ہوئی تو عراق اور متحدہ عرب امارات نے ہمیں فوراً زیادہ پٹرولیم دینا منظور کر لیا یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے اگر ہماری سرکار اس ہند و عرب دوستی مخالف لابی کی سرگرمیوں پر کنٹرول نہیں کر سکتی تو وہ قومی مفادات کو داؤں پر لگا رہی ہے۔ جس سے ہمارے ملک کو زبردست نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

مسٹر منور ماد یوان نے اس افسوس ناک واقعہ پر جن تاثرات کا اظہار کیا ہے اُس سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ اور یہ معاملہ ایسی صورت میں اور بھی سنگین بن جاتا ہے جبکہ شہزادہ بدر ہندوستان کے سفیر کی دعوت پر ہندوستان میں شکار کھیلنے کے لئے آئے تھے۔ اور ہمارے مہمان بھی تھے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ مرکزی وزیر جارج فرنانڈیز وزیراعظم مرارجی ڈیسائی کا ایک خط لے کر شاہ خالد سے ملنے سعودی عرب جا رہے ہیں تاکہ ہند اور عرب تعلقات کو بہتر بنایا جائے اور شہزادہ بدر ہندوستان کے دورے کے بعد جو ناخوشگوار تاثرات لے کر گئے ہیں انہیں دور کیا جائے۔ کاش حکومت اگر پہلے ہی عرب دشمن عناصر پر نظر رکھتی تو اسکی ضرورت ہی نہ ہوتی

اب حکومت ہی مسلم یونیورسٹی پر قبضہ کر لے

کیسی عجیب بات ہے کہ خود انگریز کے زمانہ کی ایک غیر ملکی حکومت تو مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو تسلیم کرتی ہے۔ اور وہ اس بات کی معترف ہے کہ مسلمانوں نے پہلے تو ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کیا تھا جو بعد میں ایک شاندار کالج بن گیا اور برطانوی حکومت نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ مسلمانوں ہی کی کوششوں سے اس کالج نے ایک یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ لیکن مرارجی ڈیسائی مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار سے صاف الفاظ میں انکار کرتے ہوئے یہ فرما رہے ہیں۔ کہ مسلم یونیورسٹی کو مسلمانوں نے نہیں بلکہ انگریز حکومت نے قائم کیا تھا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ خود جنتا حکومت نے ۱۹۷۸ء کا جو ترمیمی بل پیش کیا ہے۔ اُس میں یونیورسٹی کے تاریخی کردار کو تسلیم کیا ہے یعنی اس بات کو مان لیا ہے کہ تاریخی اعتبار سے یہ ایک مسلم ادارہ ہے جو مسلمانوں ہی نے قائم کیا تھا۔ لیکن محض سپریم کورٹ کے ایک فیصلہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ اسکے اقلیتی کردار سے قطعی انکار کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ تاریخی کردار کا تسلیم کیا جانا ہی اقلیتی کردار کے تسلیم کیے جانے کے ہم معنی ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر تاریخی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار تسلیم کر لیا جاتا تو کونسا پہاڑ ٹوٹ پڑتا اور اس میں حکومت کا کونسا نقصان تھا۔ لیکن مرارجی ڈیسائی جو راشٹریہ سنگھیوں اور جن سنگھیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں ان سے کوئی توقع رکھنا عبث ہے

ہمارے نزدیک تو جنتا حکومت کو چاہئے کہ وہ راشٹریہ سنگھیوں اور بلراج مدھوک کے مشورہ کے مطابق کھلے طور پر مسلم یونیورسٹی سے مسلم کا لفظ نکال دے اور کلیتہً مسلم یونیورسٹی کو حکومت اپنے قبضہ میں لے لے تاکہ جنتا حکومت کی مسلم ممالک اور خصوصاً عرب ممالک میں نیک نامی اچھی طرح بڑھ جائے۔ اور انہیں معلوم ہو جائے کہ اس ملک میں ایک ایسا عجیب و غریب سکولر نظام نافذ ہے جس میں کہ ایک مسلم ادارہ بھی زندہ اور برقرار نہیں رہ سکتا۔

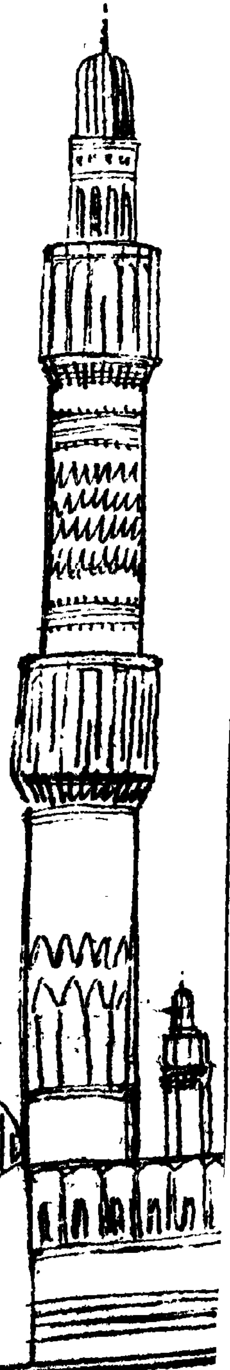
مرارجی ڈیسائی کے حالیہ بیان کے بعد ہندوستان کے سب ہی مسلم زعما کا فرض ہے کہ وہ مسلم یونیورسٹی کو واپس لینے کے لئے یا تو ایک مضبوط اور منظم سینہ گرہ کی تحریک جاری کریں۔ یا بالکل ہی مسلم یونیورسٹی سے دستکش ہونے کے بعد یونیورسٹی کو حکومت کے حوالے کر دیں۔ تاکہ اس سے جنتا حکومت کے وقار میں پورا پورا اضافہ ہو جائے اور اُن راشٹریہ سنگھیوں اور جن سنگھیوں کی دیرینہ تمنا پوری ہو جائے جو مسلم یونیورسٹی کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے سالہا سال سے تلے ہوئے ہیں۔

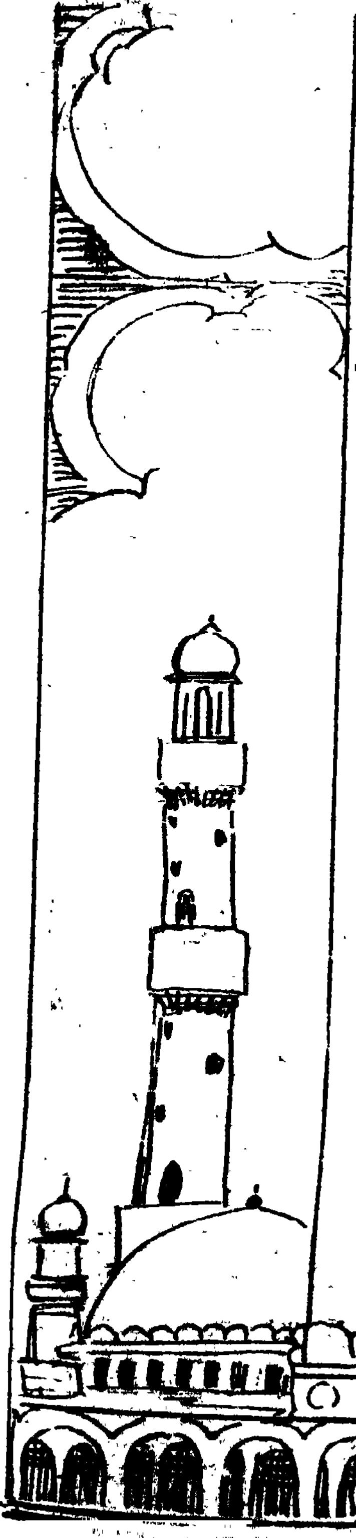
پیغمبرِ آزادی

(از جناب مسلم الحریری)

سلام اس پر کہ جو تھا مرکزِ الہامِ آزادی سلام اس پر کہ جس کے زیرِ پا تھا بامِ آزادی
سلام اس پر عطا کی جس نے صبح و شامِ آزادی سلام اس پر کہ جس کا ہر نفس پیغامِ آزادی
وہ آزادی کہ جس نے قیصری کو چور کر ڈالا وہ آزادی کہ جس نے ظلمتوں کو نور کر ڈالا
وہ آزادی مہذب کر دے جو صحرا نشینوں کو وہ آزادی جو چمکا دے غلاموں کی جبینوں کو
وہ آزادی جو انسانوں کی غیرت کو جگاتی ہے وہ آزادی جو گونگوں کو بھی گویائی سکھاتی ہے
وہ آزادی غلاموں کو جو خودداری عطا کر دے وہ آزادی جو نااہلوں کی دارائی فنا کر دے
وہ آزادی جو سرداروں کو بڑھ کر ٹوک دیتی ہے وہ آزادی جو گمراہوں کا رستہ روک دیتی ہے
وہ آزادی کہ بے معنی جہاں تاجِ حکومت ہے وہ آزادی جہاں بیکار دنیا کی سیاست ہے
وہ آزادی جہاں تہذیبِ حاضر گڑگڑاتی ہے وہ آزادی جہاں مظلومیت گردن اٹھاتی ہے
وہ آزادی حکومت جس کی ہے بالا و پستی پر وہ آزادی لگی ہے مہر جس کی پشتِ ہستی پر
وہ آزادی فرشتے جس کی مدحت کو ترستے ہیں وہ آزادی کہ جس پر پھول رحمت کے برستے ہیں
اس آزادی کے پیغمبر کی ہم آزاد امت ہیں ابھی تک دل میں سب جذباتِ آزادی سلامت ہیں
تو کیا آزادیٔ امواج کوئی چھین سکتا ہے تو کیا مہرِ مبیں کا تاج کوئی چھین سکتا ہے

غلامی ہے وہ غربت میں اِک افتادِ مسلم کی
بدل سکتی نہیں ہے فطرتِ آزادِ مسلم کی





نعرۂ بیداری

(از محترمہ وحیدہ نسیم - ایم - ایس - سی)

اٹھو کہ زمانہ میں نئی جوت جگائیں بدلیں یہ جہاں رزم کو پھر بزم بنائیں
توپوں کی زباں بند ہو وہ گیت سنائیں جو آگ لگی ہے اُسے اشکوں سے بجھائیں
اُٹھو کہ زمانہ میں نئی جوت جگائیں

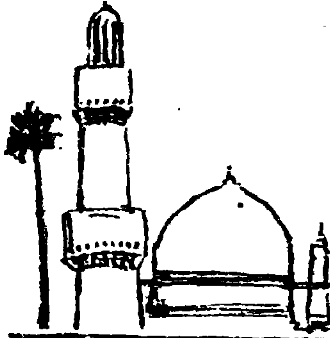
مٹ جائے نہ آدم کی بسائی ہوئی دُنیا حوا کی یہ فردوس بنائی ہوئی دُنیا
قدرت کی یہ پھولوں سے سجائی ہوئی دنیا سب کا ہے وطن اس کو تباہی سے بچائیں
اُٹھو کہ زمانہ میں نئی جوت جگائیں

مٹ جائیں نہ دُنیا سے محبت کے فسانے جل جائیں نہ تاریخ کے اوراق پُرانے
یہ شہر یہ تہذیب و تمدن کے خزانے محنت کے ثمر ہیں کہیں برباد نہ جائیں
اُٹھو کہ زمانہ میں نئی جوت جگائیں

کیا کیا ستم اس دہر میں انساں نے سہے ہیں اُجڑے ہیں بھرے گھر بھی تو خاموش رہے ہیں
یہ ضبط کا عالم ہے کہ آنسو نہ بہے ہیں ویران ہیں گھر ان میں نئے دیپ جلائیں
اُٹھو کہ زمانہ میں نئی جوت جگائیں

سلطاں کے بناتے ہوئے دستور پریشاں خود اپنے ہی آئین سے جمہور پریشاں
محنت کا ثمر پا کے بھی مزدور پریشاں سب اپنے ہیں اُٹھ کر انھیں سینے سے لگائیں
اُٹھو کہ زمانہ میں نئی جوت جگائیں

خود اپنے ہی منجدھار میں کشتی یہ پھنسی ہے گھر ہی کے چراغوں سے یہاں آگ لگی ہے
ایٹم کے تصور سے فضا کانپ اُٹھی ہے یہ آگ بجھا کر دلِ انساں کو جگائیں



تعلیم القرآن

بارہواں پارہ ——— وَمَا مِن دَآبَّةٍ ——— سُورَۃ ہُود

(از ادارہ دین دُنیا)

دین دنیا کی زیر نظر اشاعت میں ہم قرآن پاک کے بارھویں پارہ کی تعلیمات کی چوتھی قسط پیش کر رہے ہیں جس میں کہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان سے نجات اور قوم عاد کی گمراہی کا واقعہ اپنے بندوں کی عبرت اور نصیحت کے لئے بیان فرمایا ہے۔

پیغمبر نوحؑ کو ہدایت

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ .... لِلْمُتَّقِيْنَ ٥

ترجمہ:- اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ اے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے۔ تو نے میرے گھر والوں کو بچانے کا وعدہ کیا تھا۔ تیرا وعدہ سچا ہے۔ اور تو ہی سب سے بڑا حاکم ہے۔ فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تباہکار ہے۔ اور ہم سے ایسی چیز کی درخواست نہ کر جس کی حقیقت کی تمہیں خبر نہیں۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ جاہل نہ بنو (نوح نے) کہا اے رب میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں نے ایسی بات کے بارے میں درخواست کی جس سے کہ میں ناواقف ہوں اور اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم نہ کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔

حکم ہوا کہ اے نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ کشتی سے اترو تم پر اور ان جماعتوں پر برکتیں نازل ہوں گی جو تمہارے ساتھ ہیں۔ اور بہت سی ایسی جماعتیں بھی ہوں گی جنھیں ہم عیش دینگے۔ پھر ہماری طرف سے (ایک موقعہ پر) سزائے سخت بھی دی جائے گی۔ یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کو ہم (اے محمدؐ) بذریعہ وحی تم تک پہنچاتے ہیں۔ اس سے پہلے نہ تم ان باتوں کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم ہی ان سے واقف تھی لہٰذا صبر کرو کیونکہ انجام ہی کا بھلا ہے جو متقی ہیں۔

تشریح:- یہ واقعہ قابل غور ہے کہ جب حضرت نوحؑ کا بیٹا گمراہوں کے ساتھ غرق ہو گیا تو حضرت) نوح نے اپنے پروردگار سے التجا کی اور کہا کہ اے پروردگار میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں ہی میں شامل ہے۔ تو نے میرے گھر والوں کو نجات اور پناہ دینے کا وعدہ فرمایا تھا اور تیرا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے تو ہی سب سے بڑا حاکم ہے میرے حال پر رحم فرما۔ اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح تمہارا بیٹا تمہارے گھر والوں میں شامل نہیں ہے وہ تو کافروں اور تباہ کاروں میں شامل ہو گیا ہے۔ وہ بہت بڑا سرکش ہے۔ جس چیز کی حقیقت تمہیں معلوم نہیں ہے اس کے بارے میں مجھ سے درخواست نہ کرو۔ اور میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ اس قسم کی درخواستیں کر کے جاہل اور نادان نہ بنو۔ نوح نے عرض کیا اے پروردگار میں اپنے ایسے عمل پر معافی کا خواستگار ہوں کہ جس کی حقیقت سے میں ناواقف تھا میں قصوروار ہوں۔ اگر تو میرا قصور معاف نہیں فرمائیگا اور میرے حال پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔

طوفان کا جب اثر باقی نہ رہا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ہوا کہ اے نوح سلامتی اور برکتوں کے ساتھ کشتی سے اترو۔ اور یہ برکتیں تمہارے اور ان جماعتوں کے ساتھ شامل رہیں گی جو تمہاری ہم نوا ہیں۔ اور اس کے بعد کچھ اور جماعتیں بھی دنیا میں پیدا ہوں گی جنھیں ہم دنیا کے چند روزہ عیش سے سرفراز کریں گے۔ اور پھر جب یہ نافرمان بنجائینگی تو ان کو ہماری جانب سے شدید عذاب میں بھی مبتلا ہونا پڑے گا۔

اے رسول عربی یہ غیب کے حالات ہیں جن سے ہم تمہیں وحی کے ذریعہ مطلع کر رہے ہیں چنانچہ اس سے قبل نہ تم ہی انہیں جانتے تھے اور نہ

تمہاری قوم ہی ان حالات سے واقف تھی۔ اِن حقائق کے اظہار کے بعد بھی اگر کافر تکذیب کریں تو اے نبی صبر و ضبط سے کام لو۔ اور اس بات کا یقین رکھو کہ پرہیزگاروں کا انجام اچھا ہی ہوگا۔

قوم عاد کا شرک اور گمراہی

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ .... عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ۝

ترجمہ:- اور ہم نے قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو بھیجا اُنھوں نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں ہے تم سراسر جھوٹ میں مبتلا ہو اے قوم میں اِس (نصیحت) کیلئے تم سے (کسی قسم کا) معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو اُسی پر واجب ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اور اے قوم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اُسی کی طرف رجوع ہو۔ وہ تمہارے لئے خوب بارشیں برسائیگا اور تمہیں قوت پر قوت عطا کریگا۔ تمہیں چاہیئے کہ تم مجرم بن کر راہ فرار نہ اختیار کرو۔

وہ بولے اے ہود تم ہمارے پاس کوئی دلیل لیکر تو آئے نہیں اس لئے ہم تمہارے کہنے سے اپنے (پرانے) معبودوں کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور تم پر ایمان نہیں لائیں گے ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تمہیں کسی برائی کی وجہ سے آسیب زدہ کر دیا ہے (اس لئے تم ایسی باتیں کر رہے ہو) ہود نے کہا کہ میں خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں اللہ کے سوا تمہارے شریکوں سے بیزار ہوں۔ اور تم سب مل کر میرے ساتھ (جو چاہے) برائی کر لو اور مجھے مہلت تک نہ دو۔ میں نے تو اللہ پر جو میرا اور تمہارا رب ہے بھروسہ کر رکھا ہے۔ روئے زمین پر کوئی ایسا چلنے پھرنے والا نہیں ہے جس کی چوٹی اللہ کے قبضہ میں نہ ہو یقینی طور پر میرا رب راہ مستقیم پر ہے۔ پھر اگر تم نہ مانو تو میں جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہوں وہ تم کو پہنچا چکا ہوں میرا رب تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو تمہارا جانشین بنا دے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ بلاشبہ میرا رب ہر شے کا نگراں ہے۔

تشریح:- ہم نے قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو ہدایت کے لئے بھیجا تو اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا، بھائیو! اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور تم شرک کرکے سراسر حق تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہو میرے خلوص اور سچائی کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ میں اِس تعلیم اور ہدایت کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں طلب کر رہا میرا معاوضہ تو اُس ذاتِ حق کے ذمہ ہے جس نے کہ مجھے پیدا کیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ اتنی سی بات بھی تم نہیں سمجھتے۔ اے بھائیو! تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو وہ تمہارے لئے خوب بارشیں برسائیگا جس سے خوشحالی بڑھیگی۔ اور تمہیں مزید قوت دیکر موجودہ قوت میں اضافہ کرے گا۔ اور تمہیں مزید قوت دیکر موجودہ قوت میں اضافہ کرے گا۔ تمہارے لئے یہ بات کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کہ تم سرکش بن کر دینِ حق سے روگردانی کرو۔

ہود کی یہ نصیحتیں سُن کر قوم عاد کے لوگوں نے اُس سے کہا کہ اے ہود تم ہمارے پاس کوئی دلیل یا معجزہ لیکر تو آئے نہیں ہو ایسی حالت میں ہم صرف تمہارے کہنے سے اپنے پرانے معبودوں کی پرستش کو تو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور ہم کسی طرح بھی تم پر ایمان نہیں لاسکتے۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی معبود نے تمہاری کسی برائی کی بنا پر تمہیں آسیب زدہ کر دیا ہے اور اسی وجہ سے تم اِس قسم کی باتیں کر رہے ہو (یعنی تم دیوانے ہوگئے ہو۔)

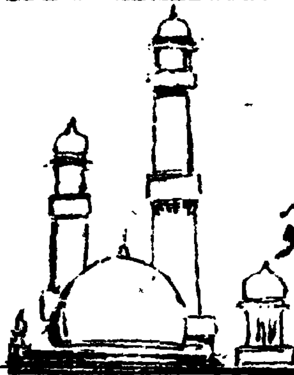
ہود نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ کرکے کہتا ہوں۔ اور تم سب بھی گواہ رہنا کہ میں ان نام نہاد معبودوں سے قطعی بیزار ہوں جن کو تم نے اللہ کے سوا شریک بنا رکھا ہے۔ اور اب میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اور تمہارے جھوٹے معبود سب ملکر میرے بارے میں نقصان پہنچانے کی کوئی تجویز کرنا چاہیں تو کر لیں۔ اور مجھے مہلت تک نہ دیں کیونکہ میں اِن باتوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔

پھر ہود نے کہا میں تو اللہ پر جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے کامل بھروسہ رکھتا ہوں یاد رکھو اس روئے زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں سب کی چوٹیاں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور بلاشبہ میرا پروردگار سیدھے راستہ پر ہے یعنی دین کے جس راستہ پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو چلانا چاہتا ہے وہی سیدھا راستہ ہے۔ اس پر بھی اگر تم روگردانی کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے میرا کام تو یہ ہے کہ جو پیغام میرے ذریعہ تمہیں بھیجا گیا تھا وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے۔ یاد رکھو اگر تم اسی طرح سرکشی میں مبتلا رہے تو میرا پروردگار تمہاری بجائے دوسرے صالح لوگوں کو تمہاری جگہ آباد کریگا اور تم اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔

تعلیم الحدیث

حکومت ایک مصیبت ہے

رسول اللہ کو سپاہیانہ زندگی پسند تھی ۔ دوسروں کو ضرر نہ پہنچاؤ



(از شوکت علی فہمی)

احادیث کی مستند کتب سے ذیل میں رسول اللہ صلعم کے ارشادات درج کئے جا رہے ہیں ۔ امید ہے کہ مسلمان ان جواہر پاروں سے استفادہ کریں گے ۔

حکومت ایک مصیبت ہے

حکومت اور اُس کے عہدوں کی خاطر لوگ جس طرح دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں وہ سب ہی پر روشن ہے لیکن رسولِ خدا صلعم نے حکومت کو ایک مصیبت قرار دیا ہے چنانچہ اس بارے میں صحیح حدیث ہے :۔

"رسولِ خدا صلعم نے فرمایا ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ صاحب رعیت یعنی حکمراں بنائے اور وہ مرتے دم تک رعایا کے حقوق ادا کرنے سے غافل رہے اللہ تعالیٰ اُس پر جنت حرام کر دے گا ۔" (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے نا فرض شناس حکمرانوں کو کتنا بڑا گناہ گار قرار دیا ہے ۔ اور ایک دوسری حدیث کی رو سے حضور اکرم نے حکومت کو بہت بڑی مصیبت قرار دیا ہے ۔

حضرت مقدام بن معدی کرب رضہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلعم نے میرے کندھوں پر ہاتھ مارا اور فرمایا ۔ اے مقدام اگر تم مرتے دم تک حاکم یا منتظم نہ بنائے گئے تو سمجھو کہ بڑے مزے میں رہے اور بہت بڑی مصیبت سے بچ گئے ۔" (ابو داؤد)

گویا رسول خدا صلعم کے نزدیک حکومت ایک مصیبت ہے لیکن اب زمانہ ایسا آگیا ہے کہ ہندستان ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں لوگ اِس مصیبت کے حصول کے لئے سرگرداں ہیں ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اِس زمانہ میں عاقبت کا خوف تو باقی رہا ہی نہیں بس لوگوں کے سامنے دنیا اور دنیا کے مفادات ہیں جن کے لئے دُنیا والے دیوانے بنے ہوئے ہیں ۔

رسول اللہ صلعم کو سپاہیانہ زندگی پسند تھی

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو سپاہیانہ زندگی بے حد پسند تھی چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف رضہ کا بیان ہے کہ بدر کی لڑائی میں رسول اللہ صلعم نے ہمیں رات ہی کو تیار اور آراستہ فرمایا اور جنگ کے بارے میں ہدایتیں دیں ۔ رسول اللہ صلعم صرف سپاہیوں کی صفوں ہی کو آراستہ نہیں فرماتے تھے بلکہ باقاعدہ فوجوں کی سپہ سالاری کے فرائض بھی انجام دیتے تھے چنانچہ آپ نے متعدد معرکوں میں بذاتِ خود حصہ لیا ہے ۔ اور کئی لڑائیوں میں حضور زخمی بھی ہوئے ہیں ۔

حضورِ اکرم جنگ کے دوران بھی اخلاقی قدروں کو ہمیشہ سامنے رکھتے تھے ۔ اگر مخالفین صلح کی خواہش کرتے تھے تو فوراً جنگ روک دیتے تھے ۔ اور جنگ کی حالت میں مجاہدین کے لئے حکم تھا کہ وہ امن پسندوں بوڑھوں ۔ عورتوں اور بچوں پر تلوار نہ اٹھائیں چنانچہ بخاری کی حدیث ہے کہ "عبداللہ بن عمر رضہ کہتے ہیں کہ نبی صلعم نے عورتوں اور بچوں کو جہاد میں قتل کرنے سے منع فرمایا ہے ۔" اور اسی طرح ابو داؤد کی ایک حدیث ہے :۔

حضرت رباح بن ربیع رضہ کہتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ہم نبی صلعم کے ساتھ تھے ۔ آپ نے دیکھا کہ لوگ ایک جگہ جمع [illegible]

دریافتِ حال کیا تو معلوم ہوا کہ ایک عورت ماری گئی ہے۔
لوگ اُس کی نعش کے گرد جمع ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ تو لڑنے والی نہیں تھی اِسے کیوں قتل کیا گیا پھر آپ نے خالد بن ولید رض کو کہلا بھیجا کہ عورتوں اور مزدوروں کو ہرگز نہ قتل کیا جائے۔" (ابوداؤد)

رسول محترم کے اِس حکم سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ دورانِ جنگ بھی اخلاقی قدروں کو کس طرح برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے جہاں اپنے متبعین میں سپاہیانہ اسپرٹ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہاں ایک ایسا معتدل اور انصاف پر مبنی ضابطۂ جنگ بھی مرتب کر کے دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے جو آپ ہی اپنی مثال ہے۔

دوسروں کو ضرر نہ پہنچاؤ

اسلام صرف نماز۔ روزہ حج اور عبادات ہی کا نام نہیں ہے بلکہ سچا مسلمان وہ ہے جو اللہ کے دوسرے بندوں کے لئے بے ضرر اور مفید ثابت ہو چنانچہ صحیح حدیث ہے:۔

"حضرت ابنِ عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ پورا (اور سچا) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان ناموس اور محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جس نے اُن تمام چیزوں کو چھوڑ دیا ہو جن سے خدا نے منع فرمایا ہے۔" (بخاری و مسلم)

یعنی ایک مسلمان کے لئے صرف عبادات ہی کافی نہیں ہیں۔ بلکہ پورا مسلمان وہ ہے جس کی ذات اپنے بھائیوں کے لئے بے ضرر ہو اسی طرح ایک دوسری حدیث بھی ہے:۔

"ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان اور مال کو محفوظ سمجھیں۔" (ترمذی و نسائی)

یہ دونوں احادیث ان مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں جو صرف نماز۔ روزہ اور زکوٰۃ ہی کو اسلام سمجھے ہوئے ہیں اور دوسروں کی ایذا رسانی اور دل آزاری کو کوئی گناہ نہیں خیال کرتے۔ حالانکہ ایک مسلمان اُس وقت تک کامل مسلمان بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ دوسروں کے لئے بے ضرر ہی نہیں بلکہ ممد و معاون بھی ثابت نہیں ہوتا۔

حلال کمائی ایک عبادت ہے

اسلام نے اہل و عیال اور اپنی ذات کے لئے روزی پیدا کرنے کو سب سے بڑی عبادت قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ "بہترین عمل حلال روزی حاصل کرنا ہے۔" اسی سلسلہ میں ایک مشہور حدیث ہے:۔

"حلال روزی کا حاصل کرنا ایسا ہے جیسے خدا کی راہ میں دشمنوں سے لڑتا ہے اور جو شخص حلال روزی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور رات کو تھک کر سو جاتا ہے۔ تو خدا اُس سے راضی ہے۔"

(المدینۃ والاسلام)

ایک دوسری حدیث میں تو حلال روزی حاصل کرنے کو عبادت قرار دیا گیا ہے چنانچہ اس بارے میں حدیث ہے:۔

"عبادت کے ستر طریقے یعنی بکثرت طریقے ہیں لیکن ان میں سب اچھا طریقہ حلال روزی حاصل کرنا ہے۔"

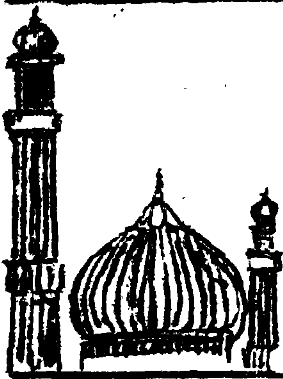
(کنوز الحقائق)

یعنی اگر کوئی مسلمان اپنا وقت حلال روزی کے حاصل کرنے میں صرف کرتا ہے۔ تو یہ اپنی جگہ بہترین عبادت ہے۔ اسی طرح حلال اور محنت کی کمائی کے سلسلہ میں ایک اور حدیث ہے۔

"رافع بن خدیج رض راوی ہیں کہ رسول اللہ صلعم سے پوچھا گیا کہ اے رسول اللہ کون سی کمائی سب سے زیادہ پاک ہے تو فرمایا کہ آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر وہ تجارت جس میں تقویٰ ہو (یعنی جائز ہو) روزی کے دس حصے میں نو حصے تجارت میں ہیں۔"

اوپر کی حدیث میں نہ صرف حلال روزی کی فضیلت بتائی گئی ہے بلکہ مسلمانوں کو معاش کے لئے تجارت اختیار کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔

اسلامی افکار



سیاسی آزادی اسلام نے عطا کی

اسلام سے قبل پوری دنیا غلامی کی زندگی گذار رہی تھی

(از علامہ احمد مظہر شامی)

علامہ احمد مظہر شام کے ایک مایہ ناز اہلِ قلم ہیں انھوں نے ذیل کے مقالہ میں یہ بتایا ہے کہ دنیا میں صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے کہ بنی نوعِ انسان کو سیاسی آزادی سے روشناس کیاہے۔

ظہورِ اسلام سے قبل کوئی یہ جانتا تک نہ تھا کہ سیاسی آزادی بھی کوئی شئے ہے۔ پوری دنیا پر ملوکیت اور شہنشاہیت کی حکومت تھی۔ مٹھی بھر طاقتور انسانوں نے ساری دنیا کو غلامی کی بندشوں میں جکڑ رکھا تھا۔ یہ اسلام ہی کا طفیل ہے کہ آج دنیا سیاسی آزادی کی فضا میں سانس لے رہی ہے۔

انسان کی سیاسی زندگی کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے۔ اِس دائرہ میں ملکی انتظام۔ قومی ترقی کی بنیاد پر سماج کی تشکیل۔ اقتصادی اور معاشی برابری۔ قوم کے مختلف گروہوں اور طبقوں کے تعلقات اور عوام کی ترقی اور تعمیر کے مسائل جیسی سب ہی باتیں شامل ہیں۔ اور اگرچہ آج سے چودہ سو سال پہلے جب اسلام کا ظہور ہوا تھا اِن تمام سوالات کی کوئی واضح شکل موجود نہیں تھی لیکن پھر بھی اسلام نے اِن تمام معاملات کے متعلق واضح ہدایات دیدی تھی جو آج چودہ سو سال کے بعد بھی پوری طرح ان مسائل میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔

آج اِس بات پر کامل اتفاق رائے ہو چکا ہے کہ انسان کی سیاسی زندگی کا انحصار اس کی سیاسی آزادی پر ہے۔ ہماری دنیا اِس نتیجہ پر ظہورِ اسلام کے چودہ سو سال بعد پہنچی ہے مگر اسلام نے چودہ سو سال پہلے ہی سیاسی آزادی کی اہمیت کو محسوس کر لیا تھا۔ حالانکہ وہ ایک ایسا دور تھا جبکہ انسان سیاسی آزادی کے مفہوم کو بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ مثلاً آج سیاسی آزادی کا مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے کہ قوموں اور قوم کے افراد کے درمیان سماجی۔ معاشی اور اقتصادی مساوات ہونی چاہیئے۔ رنگ نسل۔ مذہب اور وطن کی بنیاد پر کسی کے ساتھ کوئی مخصوص اچھا یا بُرا برتاؤ نہ کیا جائے اور ہر شہری کو تحریر۔ تقریر اور اجتماعات کے ذریعے اظہارِ خیال اور حکومت پر نکتہ چینی کی آزادی حاصل ہونی چاہیئے۔

اسلام نے چودہ سو سال پہلے ہی نوعِ انسانی کے اِن تمام سیاسی حقوق کو متعین کر دیا تھا۔ اُس نے اسلامی مملکت میں رہنے والے سب ہی باشندوں کو یہ تمام سیاسی آزادیاں عطا کر دی تھیں اور اِس بات پر زور دیا تھا کہ عوام کو اپنے تمام جائز حقوق حاصل کرنے کے لئے پوری طرح جد وجہد کرنی چاہیئے۔

اسی لئے مسلم حکمران اسلام کی ہدایات کو سامنے رکھتے ہوئے دوسری قوموں کے ساتھ معاملات طے کرتے وقت رنگ نسل۔ مذہب اور وطن کو کبھی مدِ نظر نہیں رکھتے تھے۔ اُن کی مملکت میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہر شہری کو کامل سماجی اور معاشی آزادی حاصل تھی اور انھوں نے تو چودہ سو سال پہلے ہی عوام کی شہری آزادیوں کی اِس حد تک ہمت افزائی کی تھی کہ خود خلفائے راشدین عوام کو اپنے اوپر اور اپنے عمال پر نکتہ چینی کرنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ اور جائز نکتہ چینی کی بنا پر اپنے اعمال اور اقدامات کی اصلاح کی پوری کوشش کرتے تھے۔

مسلم اور غیر مسلم فاتحین میں زمین آسمان کا فرق ہے سب ہی جانتے ہیں کہ مغربی فاتحین کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے دنیا کے جن ملکوں میں بھی اپنی حکومتیں قائم کی ہیں وہاں زبردستی اپنی تہذیب ٹھونسنے کی کوشش کی ہے اور انھوں نے کبھی مفتوحہ ممالک کو اپنا وطن نہیں بنایا بلکہ وہ اِن ملکوں کی دولت کو اپنے اپنے ملکوں میں لے جاتے رہے ہیں۔ اسی لئے جو ممالک کہ ان کی غلامی سے آزاد ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ ان کی تہذیب،

اور تہذیبی اثرات کو دُور کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔

لیکن مسلمان جس ملک میں بھی فاتح کی حیثیت سے گئے انھوں نے اُسے اپنا وطن بنا لیا۔ یہی عراق میں ہوا اور یہی دُنیا کے ہر حصّہ میں ہوا۔ اور اس طرح مسلمانوں کی حیثیت ہر مفتوحہ ملک میں وہاں کے قدیم باشندوں جیسی ہو گئی۔ اور انھوں نے مفتوحہ ممالک میں جا کر اپنی تہذیب کو ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہاں کے باشندوں کے ساتھ بالکل گھل مل گئے۔ اور ان کو پوری پوری سیاسی آزادی عطا کی۔

اسلام نے بتایا ہے کہ ملکوں کی فتح کا مقصد توسیع مملکت اور لُوٹ کھسوٹ نہیں ہونا چاہیئے۔ اسلام نے ملکوں کی فتوحات کا مقصد جبر و ظلم نیز ناانصافی کو مٹانے اور انسان کی آزادی کو قائم کرنا قرار دیا ہے۔ اور مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ انھیں کسی مفتوحہ قوم کی روایات، سماجی نظام، اور مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔ اور ان تمام احکامات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام ہر قوم کی سیاسی زندگی اور سیاسی آزادی کا سب سے بڑا محافظ ہے۔

سیاسی آزادی اور اقتصادی آزادی کے مسائل ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اسی لئے اسلام نے مفتوحہ قوموں کو ان کی قومی دولت سے محروم کرنے یعنی استحصال کی ممانعت کر کے ان کی اقتصادی آزادی کو تسلیم کیا ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے بلا امتیاز مذہب و ملت اسلامی مملکت کے تمام باشندوں کو معاشی آزادی عطا کی ہے۔ اور اس آزادی کو برقرار رکھنے کا خود مسلم حاکموں کو ذمہ دار قرار دیا ہے مختصر یہ کہ اسلام نوع انسانی کی سیاسی آزادی کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ اس نے مسلم مملکت میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کو یکساں حقوق عطا کئے ہیں۔ اور اس طرح ساری دُنیا کو سیاسی آزادی کا سبق پڑھایا ہے۔

محنت اور سرمایہ کی کشمکش بھی موجودہ زمانہ میں ایک پیچیدہ سیاسی مسئلہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اس ضمن میں بھی اسلام نے جو رہنمائی کی ہے اُس کی صحت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا سب ہی کو معلوم ہے کہ اسلام کے ظہور کے وقت دنیا میں اس کشمکش کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ لیکن اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے وہ مستقبل میں پیش آنے والے اس زبردست مسئلہ کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے شروع ہی میں اپنے اقتصادی نظام کو اس طریقہ پر مرتب کیا تھا کہ اس میں سرمایہ داری کو کسی طرح بھی فروغ حاصل نہ ہو سکے۔ اور جو سرمایہ دار اسلام کے دائرہ میں شامل ہو جائیں ان کی سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ ذہنیت بھی آہستہ آہستہ خود ہی ختم ہو جائے۔ اس کے علاوہ اسلام نے اپنے سماجی دائرہ میں قوم کے تمام طبقوں کو جن میں کہ مزدوروں کا طبقہ بھی شامل ہے۔ مساوی درجہ دے کر عملی طور پر سرمایہ دار اور مزدور کا سوال ہی ختم کر دیا ہے۔

سیاسی آزادی ہو یا اقتصادی آزادی۔ مذہبی آزادی ہو یا شہری آزادی اس کے لئے اسلام نے آج سے چودہ سو برس پہلے ہی راہیں ہموار کر دی تھیں۔ ظہورِ اسلام کے بعد نہ کوئی چھوٹا رہا اور نہ بڑا۔ اسلام نے سب ہی کو ایک صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔ اور صرف ان لوگوں کو معزز قرار دیا جن کے کہ اعمال نیک تھے۔ اور جن کا کہ کردار بلند ہے۔

عورتیں جو ہزاروں برس سے مساوات کو ترس رہی تھیں انھیں اسلام نے کامل مساوات عطا کر دی اور عوام کو اس حد تک آزادی عطا کر دی کہ طلوعِ اسلام سے پہلے جو طبقے غلام سمجھے جاتے تھے وہ ترقی کرتے کرتے تختِ شاہی پر پہنچ گئے۔

سچ تو یہ ہے کہ اسلام سے پہلے کی دُنیا اور تھی اور ظہورِ اسلام کے بعد کی دُنیا اور ہے۔ ظہورِ اسلام سے قبل پوری دُنیا غلامی کی زندگی گذار رہی تھی لیکن اسلام نے جلوہ گر ہو کر نوعِ انسانی کو آزادی اور حُریت کا کچھ ایسا سبق پڑھایا کہ:-

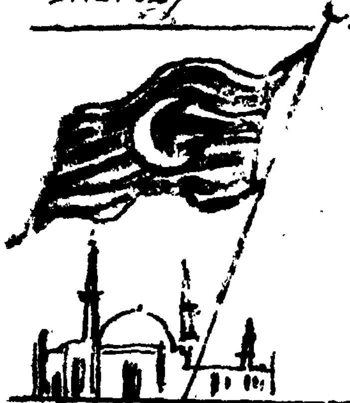
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
پھر کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

دین دنیا کی بنیادوں کو مضبوط کیجیے

دین دنیا جس دلیری کا اور بے جگری کے ساتھ ملت اسلامیہ کی خدمت انجام دے رہا ہے وہ سب ہی پر روشن ہے۔

دین دنیا درحقیقت آپ ہی کے جذبات اور خیالات کا ترجمان ہے بلکہ یہ آپ ہی کے دل کی آواز ہے۔ اس لئے آپ کا فرض ہے آپ برابر اس کی توسیع اشاعت میں حصّہ لیتے رہیں۔ تاکہ اس کا دائرہ اثر زیادہ سے زیادہ وسیع ہو سکے۔

تاریخ اسلام کا ایک ورق



آتش پرستوں کے خلاف جہاد

قرون اولیٰ کی مسلمانوں کی ایران میں سرفروشی

(از شوکت علی فہمی)

ایران جو صرف ایرانیوں ہی کا نہیں بلکہ سب ہی مسلمانوں کا ملک ہے آج بری طرح خانہ جنگی میں تباہ ہو رہا ہے خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ایران میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے۔ بیرونی طاقتوں کے اشاروں پر پورے ملک میں تباہی بر پا ہے۔ یہ وہی ایران ہے جسے قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنا خون پانی کی طرح بہا کر آتش پرستوں کے قبضہ سے نکالا تھا اور اس کفرستان میں نعرہ توحید بلند کیا تھا۔ یہ اُس زمانہ کی بات ہے جبکہ اسلام کے ابتدائی دور میں ایران کی فتح کے لیے مسلمانوں نے جان کی بازی لگا دی تھی ذیل کا واقعہ اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔

ایران کا ایک بڑا حصہ اگرچہ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت ہی میں فتح ہو چکا تھا لیکن فاروق اعظم کی وفات کے بعد اچانک ایک نیا طوفان ایران میں مسلمانوں کے خلاف پھوٹ پڑا اور اس ملک کے مختلف علاقوں سے یہ صدا بلند ہونے لگی کہ "مسلمانوں کو ایران کی سرزمین خالی کرنی ہوگی ایران آتش پرستوں کا ہے" اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ حکومت میں خلافت اسلامیہ میں اندرونی کمزوریاں پیدا ہو چکی تھیں اور وہی ایرانی جو مطیع اور فرمانبردار بن چکے تھے بغاوت پر آمادہ ہو گئے انہیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ اب مسلمانوں کی حکومت کا تختہ الٹ دینا کوئی دشوار کام نہیں ہے۔

ایران میں مسلمانوں کے لیے وہ وقت بڑا ہی نازک تھا جب لاکھوں ایرانی شاہ ایران "یزدجرد" کے جھنڈے کے نیچے۔ اصطخر۔ جور اور خراسان میں جمع ہو گئے تھے اور ایرانیوں کے مذہبی پیشوا نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ۔

حضرت زرتشت کی جانب سے یہ بشارت ہوئی ہے کہ میں ایرانیوں کو مطلع کر دوں کہ اب آتش پرستوں کی مصیبتوں کا دور ختم ہو چکا ہے اور اُنکی فتح کا زمانہ قریب آگیا ہے ایرانیوں کو اُن کی نافرمانیوں اور گناہوں کی کافی سزا مل چکی ہے۔ اب اُنکی حکومت کو بحال کر دیا جائے گا اور صرف یہی نہیں ہوگا بلکہ آتش پرستوں کی حکومت مکہ اور مدینہ تک پھیل جائے گی"

اس اعلان نے جادو کا اثر کیا۔ اعلان کا ہونا تھا کہ ایرانیوں میں ایسا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا جو اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ اب اُن کے حوصلے بے حد بلند ہو چکے تھے وہ ایران کے علاوہ ملک عرب کی فتح کے بھی خواب دیکھنے لگے تھے۔

اور اُن کے اِس غیر معمولی جوش نے واقعی مفتوحہ ایران کے مسلم علاقہ کو خطرہ میں ڈال دیا تھا۔ مسلمانوں کے لیے اب اِس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ ایران کے باقی علاقہ کو بھی فتح کر لیں لیکن اِس وقت مسلمانوں کے پاس ایران میں جو فوج تھی وہ بہت کم تھی۔ اُدھر ایرانیوں کی تیاری کا یہ عالم تھا کہ صرف اصطخر اور جور میں آتش پرستوں کا ایک لاکھ کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار کھڑا تھا چنانچہ سپہ سالار اسلام عبداللہ بن معمر سے جب ایرانیوں کا مقابلہ ہوا تو انہیں اور اُن کے تمام ساتھیوں کو ایرانیوں نے شہید کر دیا

اب ایرانیوں کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے اور مسلمانوں کے لئے ایران میں مزید مشکلات پیدا ہو گئیں۔ آخر عبداللہ بن عامر حاکم بصرہ ایک بڑا لشکر لے کر آتش پرستوں کے مقابلہ پر آئے اور اُنھوں نے پوری طاقت سے

پر حملہ کردیا۔ اِس معرکہ میں ایک ایک مسلمان نے جان کی بازی لگادی۔ اور کئی روز کی خوفناک جنگ کے بعد اصطخر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔
اُدھر سعید بن حبان نے علاقہ جور پر یورش کردی کیونکہ اصطخر کے نکل جانے کے بعد ایرانیوں کا بہت بڑا لشکر اصطخر سے فرار ہوکر جور میں جمع ہوگیا تھا آخر بڑی ہی خونریز جنگ کے بعد مسلمانوں نے جور بھی فتح کرلیا۔ اور اصطخر اور جور کے نکل جانے کے بعد آتش پرستوں کا وہ سارا جوش ٹھنڈا پڑگیا جو مذہبی پیشواؤں کے عیارانہ اعلان سے پیدا ہوگیا تھا۔

مسلمانوں نے جس وقت اصطخر پر حملہ کیا تھا تو شاہ ایران یزدجرد وہیں موجود تھا۔ لیکن جب اُسے یہ یقین ہوگیا کہ مسلمانوں سے اصطخر کا بچانا دشوار ہے تو وہ اصطخر سے بھاگ کر کرمان۔ اور وہاں سے خراسان ہوتا ہوا مرو چلا گیا۔ مسلمان برابر اُس کا تعاقب کرتے رہے۔ مسلمانوں کی فوج اگرچہ ایرانی لشکر کے مقابلہ میں ایک تہائی سے بھی کم تھی لیکن اُن کا دینی جوش قدم قدم پر کامیابی عطا کررہا تھا۔ اور نعرہ حق بلند کرنے کا جذبہ انہیں سیلاب کی طرح آگے بڑھا رہا تھا۔ غرضکہ مسلمانوں نے بے اندازہ قربانیاں دے کر کرمان اور مرو کو بھی سنہ ہجری میں فتح کرلیا۔ پھر اِس کے بعد اصفہان میں ایرانی لشکر کا اسلامی فوج سے سخت مقابلہ ہوا۔ کیونکہ یہاں تمام شکست یافتہ ایرانی سپاہی جمع تھے۔ یہاں مسلمانوں کو بڑا ہی سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ آخر اصفہان میں بھی نعرہ حق بلند ہوکر رہا اور اصفہان کے قلعہ پر پہلی مرتبہ اسلامی پرچم لہرایا۔

اِن پے در پے معرکوں میں ہزاروں مسلمان شہید ہوچکے تھے اور اسلامی فوج کی تعداد بہت ہی کم رہ گئی تھی اور مسلمانوں کی اِس کمزوری سے ایرانی بخوبی واقف تھے لہٰذا اُنھوں نے پھر ایک بار اپنے ملک کو مسلمانوں سے واپس لینے کی پوری کوشش کی۔ اِس موقعہ پر شاہ ایران نیز مذہبی رہنماؤں نے آتش پرستوں سے اپیل کی کہ وہ متحد ہوکر اپنے مذہب اور وطن کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے میدان میں آجائیں۔ اِس اپیل کے ہوتے ہی آتش پرستوں کا ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں کے مقابلہ پر آن موجود ہوا اور اُس نے اصطخر پر حملہ کردیا لیکن اِس لشکر میں چونکہ بیشتر تعداد غیر تربیت یافتہ رضاکاروں کی تھی اِس لئے وہ مسلمانوں کے پہلے ہی حملہ میں میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

شاہ ایران یزدجرد کو جب اِس معرکہ میں بھی ناکامی ہوئی تو اُس نے خراسان پہنچنے کے بعد ایرانی جھنڈے کے نیچے خراسانیوں کو جمع کرنا شروع کردیا۔ اُدھر مسلمان بھی ایران کے چھوٹے بڑے شہر فتح کرتے ہوئے شاہ ایران کے تعاقب میں بڑھتے چلے گئے۔ اور بلخ کے مقام پر مسلمانوں کا یزدجرد کے لشکر سے ایک اور سخت مقابلہ ہوا۔ خراسانی بڑی بہادری کے ساتھ مسلمانوں سے لڑے لیکن خدا کو چونکہ اسلام کو سربلند کرنا منظور تھا۔ اِس لئے اِس معرکہ میں بھی ایرانیوں کو بری طرح شکست اٹھانی پڑی۔

دنیا کی تاریخ کا یہ ایک بے مثال واقعہ ہے کہ اِن تمام معرکوں میں صرف پچیس تیس ہزار مجاہدینِ اسلام نے حصہ لیا جبکہ ایرانیوں کا لشکر تین لاکھ سے بھی زائد تھا اور ایرانیوں کے لئے بڑی سہولت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے وطن ہی میں تھے جہاں ہر قسم کی رسد اور سامان جنگ انہیں آسانی سے مل جاتا تھا۔ لیکن ان تمام سہولتوں کے باوجود ایرانی کسی ایک معرکہ میں بھی مسلمانوں کے مقابلہ پر فتحیاب نہیں ہوسکے۔ اِس کا مطلب اِس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ بس تائیدِ الٰہی مسلمانوں کے ساتھ تھی۔ اور ہونی بھی چاہیئے کیونکہ مسلمان کسی دنیاوی لالچ کے لئے میدان کارزار میں نہیں آئے تھے بلکہ وہ اِس کفرستان میں نعرہ حق بلند کرنا چاہتے تھے۔

پھر اس کے بعد سنہ ہجری میں مسلمانوں نے سرخس ہرات اور ایران کے اُن تمام علاقوں کو فتح کرلیا جو باقی رہ گئے تھے۔ اُدھر آتش پرستوں کے لشکر میں ایسی بددلی پھیلی کہ وہ اپنے بادشاہ ہی کے دشمن پر آمادہ ہوگئے اور کوشش کی کہ شاہ ایران یزدجرد کو گرفتار کرکے مسلمانوں کے حوالے کردیں۔ شاہ ایران کو جب لشکریوں کے اِن ارادوں کا علم ہوا تو اُس نے فوج سے بھاگ کر ایک پن چکی والے کے گھر میں جاکر پناہ لی۔ پن چکی والے نے بادشاہ کا قیمتی لباس اور جواہر دیکھے تو اُس کے منہ میں پانی بھر آیا اور قیمتی جواہرات کے لالچ میں اُس نے بادشاہ کو رات کے وقت سوتے میں قتل کردیا۔ اور اُس کی لاش کو دریا میں پھینک دیا

"یزدجرد سوم" ایران کا آخری آتش پرست بادشاہ تھا جو یہ چاہتا تھا کہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دے چنانچہ وہ روز اول ہی سے مکہ اور مدینہ کی فتح کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ لیکن اُسے اپنی زندگی میں ایک دن بھی چین میسر نہ آسکا (باقی صفحہ ۲۸ پر)



تاریخ ہند

مغلوں کے عہد کی چند یادگار ہستیاں

ہندوستان کے حق گو بزرگوں کے چند واقعات

(ہمارے مورخ کے قلم سے)

ہندوستان کی تاریخ بھی ایسے حق گو بزرگوں سے خالی نہیں رہی ہے جنھوں نے کہ حق گوئی کیلئے کبھی بادشاہوں کی بھی پرواہ نہیں کی۔ چنانچہ ذیل میں مغلوں کے عہد کے چند حق گو بزرگوں کے واقعات درج کئے جا رہے ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب شہنشاہ جہانگیر ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا اسی زمانہ میں بجنور کے ایک شریف خاندان کی خاتون کی بعض سپاہیوں نے بے عزتی کی۔ ان ہی دنوں بجنور میں ایک عالم شاہ میاں احمد ٹھیر رہے ہوئے تھے جن کی امرا اور حکام میں بڑی عزت تھی۔ جب انھیں اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ سیدھے جہانگیر کے دربار میں جا پہنچے اور وہاں جا کر کہا۔

"اے بادشاہ جب تو اپنی فوج کو قابو میں نہیں رکھ سکتا تو تجھے حکومت کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔ یا تو فوج پر قابو رکھ یا حکومت سے دست بردار ہو جا۔ اس بات کو نہ بھول کہ قیامت کے دن تجھ سے صرف تیرے اعمال ہی کی نہیں بلکہ تیرے عمال کی بے عنوانیوں کی بھی باز پرس کی جائے گی" اور پھر سپاہیوں کی زیادتی کا پورا واقعہ بادشاہ کے گوش گزار کر دیا۔

شہنشاہ جہانگیر پر اُن کی حق گوئی کا بے حد اثر ہوا۔ فوراً خفیہ اصل حالات کی تحقیقات کے لئے مقرر کیے گئے اور بعد اُن سپاہیوں کو عبرت انگیز سزائیں دی گئیں۔ جنھوں نے کہ اس خاتون کی بے عزتی کی تھی۔

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ "میں شراب اس کثرت سے پیتا تھا کہ میرے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ میں شراب کا پیالہ تک ہاتھ میں نہیں تھام سکتا تھا۔ لوگ میری کیفیت دیکھتے تھے لیکن کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ مجھے منع کر سکتا۔ جب میری حالت زیادہ خراب ہو گئی تو میں نے حکیم ابوالفتح کو بلایا اور اپنی حالت بیان کی تو اُنھوں نے بڑی جرأت اور دلیری کے ساتھ شراب کے نقصانات پر ایک طویل تقریر کی اور مجھ سے کہا "شراب کی زیادتی نے آپ کے اعصاب کو ناکارہ کر دیا ہے۔ اگر چھ ماہ تک آپ اسی طرح شراب پیتے رہے تو پھر کوئی علاج کارگر نہ ہوگا" جہانگیر لکھتا ہے کہ اُن کی ہر بات میں دل سوزی اور اُن کے ہر فقرہ میں خیر اندیشی تھی۔ لہذا اُن کی باتوں کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا اور میں نے اُسی دن سے شراب کم کرنی شروع کر دی جس سے کہ مجھے بے حد فائدہ ہوا۔

شہنشاہ جہانگیر لاہور کے ایک بزرگ حضرت میاں میر کا بے حد معتقد تھا۔ خود بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا اور کبھی کبھی انہیں اپنے پاس آگرہ بھی بلا لیتا تھا۔ یہ بزرگ شہنشاہ اکبر کے عہد میں سیستان سے آکر لاہور میں آباد ہو گئے تھے اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ شہنشاہ جہانگیر نے ہر چند اس بات کی کوشش کی کہ وہ کوئی بڑی جاگیر قبول کر لیں۔ لیکن اُنھوں نے ہمیشہ بادشاہ کی پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت میاں میر کا یہ دستور تھا کہ جب بھی جہانگیر اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو یہ اُسے اُس کی کوتاہیوں سے برابر آگاہ کرتے رہتے تھے داراشکوہ اپنی کتاب "سکینۃ الاولیا" میں حضرت میاں میر کے حالات

سپرد قلم کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "میرے دادا شہنشاہ جہانگیر نے جب انہیں آگرہ بلایا تو خود استقبال کے لئے گئے۔ اور کئی مرتبہ اُن کی جائے قیام پر بھی جاتے رہے۔ جب حضرت میاں میر رخصت ہونے لگے تو بادشاہ نے کہا کہ "اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیے تاکہ میں اُس کی تعمیل کی سعادت حاصل کرسکوں" آپ نے فرمایا صرف ایک چیز کی خواہش ہے اگر مناسب سمجھو تو اُسے پورا کردو"۔ بادشاہ نے کہا جو بھی حکم ہوگا اُس کی ضرور تعمیل کی جائے گی۔ فرمایا میری خواہش ہے کہ مجھے آئندہ یہاں آنے کی تکلیف نہ دی جائے۔"

شاہجہاں نے بھی ۱۰۴۳ھ ہجری میں حضرت میاں میر سے ملاقات کی تھی شاہجہاں نامہ کا مصنف ملا عبدالحمید لاہوری لکھتا ہے کہ "جب شاہجہاں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو کوئی بڑا نذرانہ پیش کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ بس ایک تسبیح اور سفید دستار پیش کی جو حضرت نے قبول کرلی" شاہجہاں لکھتا ہے کہ "میں نے صرف دو ایسے بزرگ دیکھے ہیں جو علم الہیات کے ماہر ہیں۔ ایک حضرت میاں میر اور دوسرے محمد فضل اللہ بہاری"

یہ وہ لوگ تھے جن کے علم و فضل پر پورے ملک کو ناز تھا۔ یہ بزرگ اسلامی تعلیمات کا سچا نمونہ تھے۔ بادشاہ ان کی باریابی کے متمنی رہتے تھے اور یہ بادشاہوں سے دور بھاگتے تھے۔

شیخ عبدالرشید جونپوری شاہجہاں کے زمانہ کے نامور بزرگ تھے۔ آپ نے متعدد کتابیں لکھی ہیں ان کا زیادہ وقت درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں صرف ہوتا تھا۔ شاہجہاں نے ان کے علم و فضل کا شہرہ سُن کر اُن کے پاس قاصد بھیجا اور اپنے پاس بلوایا۔ آپ نے شاہی دربار میں جانے سے صاف انکار کردیا اور بادشاہ کو لکھا "تمہارا کام یہ ہے کہ تم حق و انصاف کے ساتھ حکومت کئے جاؤ اور ہمارا کام یہ ہے کہ ہم علم دین کی اشاعت کرتے رہیں۔ نہ ہم تمہارے کام میں دخل دیتے ہیں اور نہ اپنے کام میں کسی کا دخل پسند کرتے ہیں تمہارے پاس حاضری سے کہیں زیادہ دین حق کی اشاعت ضروری ہے اس لئے مجھے حاضری سے معاف رکھو۔"

شاہجہاں خاموش ہوگیا اور آپ کی خدمت میں روپیہ اور قیمتی تحائف بھیجے تو آپ نے انہیں واپس کرتے ہوئے بادشاہ کو لکھا کہ "قناعت نے ہمیں ہر قسم کی ضرورتوں سے بے نیاز کردیا ہے۔ جو دولت تم نے مجھے بھیجی ہے اُس کی مستحق غریب رعایا ہے۔ لہٰذا اسے حاجت مندوں میں تقسیم کردیا جائے" شیخ عبدالرشید جونپوری مرتے دم تک کبھی جونپور سے باہر نہیں گئے ساری عمر دین کی خدمت کرتے رہے۔ ایک روز صبح کی نماز پڑھتے ہوئے آپ کا انتقال ہوگیا۔

نواب سعد اللہ خاں بھی ایک حق گو عالم تھے۔ ایک دن شاہجہاں کے پاس ذرا دیر میں پہنچے تو شاہجہاں نے تاخیر کا سبب پوچھا تو عرض کیا کہ ایک جگہ حکمرانی سے متعلق چند نصیحتیں نظر پڑگئی تھیں انہیں حضور کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے نقل کررہا تھا۔ شاہجہاں نے پوچھا وہ نصیحتیں کیا ہیں؟ نواب سعد اللہ نے کاغذ نکال کر پڑھنا شروع کیا۔

"اس بات کو کبھی نہ بھولو کہ سلطنت اللہ کی امانت ہے اور سلطنت کا روپیہ رعایا کی ملکیت ہے۔ جو بادشاہ خزانہ شاہی کو بے دردی سے صرف کرتا ہے وہ امانت خداوندی میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ہر سلطنت کی بنیاد انصاف پر رکھی ہوئی ہے۔ جو حکمراں انصاف سے انحراف کرتا ہے وہ سلطنت کی بنیادوں کو ہلا ڈالتا ہے اور ایک اچھے حکمراں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جاہلوں سے دور رہے اور علما سے قریب رہنے کی کوشش کرے تاکہ ہمیشہ اُس کا دماغ روشن رہے۔"

شاہجہاں نواب سعد اللہ خاں کی نصیحتوں سے بے حد متاثر ہوا اور سمجھ گیا کہ انھوں نے باتوں ہی باتوں میں نصیحت کی ہے۔

حضرت میاں میر لاہوری کے مریدوں میں حضرت ملا خواجہ بہاری بڑے مشہور عالم ہوئے ہیں۔ شاہجہاں کی بڑی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح اُس کے دربار میں آئیں۔ لیکن انھوں نے شاہی دربار میں آنا کبھی پسند نہیں کیا۔ "سیر المتاخرین" میں لکھا ہے کہ "شاہجہاں کا لاہور میں قیام تھا۔ جب وہ دارا شکوہ کے مکان پر گیا تو "تاریخ مرآۃ العالم" کے مصنف دربار خاں ناظر بھی شاہجہاں کے ہمراہ تھے۔ شاہجہاں نے اُن سے کہا کہ واپسی پر خواجہ بہاری سے ملتے ہوئے چلیں گے۔ تم جاؤ اور انہیں خبر کردو۔"

خواجہ ناظر لکھتے ہیں کہ "جب میں خواجہ کے ٹوٹے پھوٹے مکان میں گیا تو معلوم ہوا کہ وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد [illegible]

تہذیب و تمدن



انسانی تہذیب کو نکھارنے میں اسلام کا حصّہ

اسلام نے دین کے ساتھ دنیا کو منسلک کر دیا ہے

(از جناب محمد خدیو مصری)

محمد خدیو مصر کے ایک نامور مفکر ہیں - ذیل میں اُن کے ایک طویل عربی مقالہ کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے - جس میں کہ اس لائق مفکر نے یہ بتایا ہے کہ اسلام نے دینی تربیت کے ساتھ دنیاوی اصلاح میں بھی کس قدر حصّہ لیا ہے -

اسلام نے انسانی تہذیب کو ترقی دینے اور نکھارنے کے لئے جو قابلِ قدر کام کیا ہے اُس کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے مذہب کے مفہوم کو صرف چند روحانی عقائد اور اعمال ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اُس نے مذہب کے دائرہ کو اس قدر وسیع کر دیا ہے کہ اُس میں انسان کی ترقی اور تکمیل کی تمام سرگرمیاں بھی شامل ہو گئیں ہیں اور اس طرح اسلام عقائد اور عبادات میں انسان کی رہنمائی کرنے کے ساتھ ساتھ اُس کی گھریلو، سماجی اور سیاسی زندگی کا رہنما بھی بن گیا ہے -

اسلام کے ظہور سے پہلے کے تمام مذہبوں نے روحانی اور مادّی زندگیوں کو ایک دوسرے سے بالکل الگ کر دیا تھا - اور بیشتر مذاہب زندگی کے مادّی پہلو کو نظر انداز کرتے رہے تھے - لیکن اسلام دنیا کا وہ پہلا اور آخری مذہب ہے جس نے کہ ان دونوں پہلوؤں کو یکجا کر کے ان میں توازن اور تعلق پیدا کر دیا ہے اور اسی لئے مسلمان عہدِ وسطیٰ میں انسانی تہذیب اور ترقی کے واحد علمبردار سمجھے جاتے تھے۔ اور آج بھی اُن میں ترقی اور تعمیر کے ہر تصوّر کو قبول کر لینے کی دوسروں سے کہیں زیادہ صلاحیت موجود ہے -

اسلام نے انسان کی پوری زندگی کی بنیاد خدا تعالیٰ کی توحید، نبی کریمؐ کی رسالت اور مرنے کے بعد سزا اور جزا پر ایمان لانے پر رکھی ہے - اور بظاہر اگرچہ اس عقیدہ سے انسانی تہذیب اور ترقی کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا - مگر حقیقت یہ ہے کہ یہی عقیدہ انسانی تہذیب اور اخلاق کو ترقی دینے میں مسلمانوں کے لئے سنگِ بنیاد ثابت ہوا ہے اور اسی عقیدہ پر بحث کرتے ہوئے ایک مغربی مفکر - ایل دیزلی نے لکھا ہے کہ "انسان کی صحت مند تہذیب اُس کے تحت مند اخلاق سے پیدا ہوتی ہے - اور یہ صحت مند اخلاق اس تصور کی بدولت اُبھرتا ہے کہ ہمیں کسی بالاتر قوت کے روبرو اپنے تمام اعمال کی جواب دہی کرنا پڑے گی - اور ہمیں ہماری نیکیوں اور بداعمالیوں پر جزا اور سزا ملے گی" اس مفکر کے خیالات کی روشنی میں جب ہم اسلام کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے توحید باری تعالیٰ نیز رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دے کر انسان کے اخلاق اور کردار کو بلند کرنے کی ایک نہایت ہی کامیاب کوشش کی ہے - اور اس طرح اُس نے انسان کی تہذیب کو ترقی دینے میں ایک قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے -

تہذیب انسانی کی اگرچہ ابھی تک کوئی جامع تعریف نہیں کی جاسکی ہے - پھر بھی اس بات پر اتفاق رائے کر لیا گیا ہے کہ تہذیب میں وہ سب ہی باتیں شامل ہیں جن کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ ہے - اور اسی لئے اسلام نے انسان انسانی معاشرہ اور انسانی زندگی میں جو صحت مند اور مفید اصلاحات کی ہیں وہ تمام تر اسلامی تہذیب کے دائرہ میں شامل ہیں - اور اس نقطہ نظر سے اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے انسان کے اخلاق اور کردار سے لے کر اس کی گھریلو اور اجتماعی زندگی تک میں جو اصلاحات کی ہیں وہ تمام کی تمام

پوری انسانی تہذیب کے معیار کو بلند کرنے کی موجب ثابت ہوئی ہیں -

اِس سلسلہ میں ایل ویز لی نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اسلام نے گھریلو زندگی کا ایک معیار قائم کیا تھا - اور یہ معیار ایسا تھا جس کی وجہ سے خاندان کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ جہاں اپنے فرائض کو محسوس کرتا تھا وہاں وہ اپنے حقوق سے بھی اچھی طرح واقف ہو گیا تھا - اور اس طرح اسلام کے ظہور کے بعد مسلمانوں کے خاندانوں میں نئی قسم کی جو یگانگت اور یکجہتی پیدا ہوئی تھی وہ بجائے خود اسلامی تہذیب کا ایک نمونہ تھی - اور اُن کی گھریلو زندگی کے اِس ڈھنگ نے اُن کی قومی زندگی کو بھی بہت متاثر کیا تھا "

اس میں ذرا بھی شبہہ نہیں کہ مسلمانوں کی پوری سماجی زندگی میں جو ہم آہنگی پیدا ہوئی تھی - اُس نے انہیں ترقی کے راستہ پر آگے بڑھنے میں بڑی مدد دی تھی - انھوں نے عورت کو حقیقی معنی میں اپنا شریک زندگی بنایا تھا - لڑکیوں کے قتل سے دستبردار ہو کر انسان کو ایک بہت بڑے ظلم سے باز رکھا تھا - انھوں نے غلاموں کو اپنے خاندان کے افراد کا درجہ دے کر انسانی مساوات کی بنیاد قائم کی تھی - اس کے علاوہ رنگ اور نسل کی زنجیروں کو توڑ کر دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بین الاقوامی تعلقات کے دروازے کھولے تھے - اور اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں دوسری قوموں کی خوبیوں کو داخل کر کے ایک ایسی تہذیب کی بنیاد رکھی تھی - جس کے دائرہ میں پوری دنیا داخل ہو گئی تھی -

ان حالات میں یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ جس طرح اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے - اُسی طرح اسلام کی قائم کردہ تہذیب بھی عالمگیر ہے - اور اس تہذیب میں اتنی وسعت موجود ہے کہ وہ انسانی تہذیب کی ہر ترقی کو آسانی سے قبول کر سکتی ہے -

پچھلے چودہ سو سال کی مدت میں دنیا نے زندگی کے ہر گوشہ میں جتنی بھی ترقیاں کی ہیں اسلام نے اُن سب ہی کو قبول کیا ہے - اور موجودہ زمانہ کے اکثر و بیشتر مفکرین کی رائے ہے کہ - ان تمام ترقیوں کے لئے دنیا کو اسلام ہی کا شکر گزار ہونا چاہئے - چنانچہ عہد وسطیٰ میں جب کبھی انسان ترقی کے راستہ سے بھٹک گیا ہے تو اسلام ہی نے دوبارہ اُس کی رہنمائی کی ہے -

حق تو یہ ہے کہ آج بھی تہذیب و ترقی کا صحیح راستہ اسلام ہی دکھا رہا ہے - یہ امر واقعہ ہے کہ اسلام نے دین کے ساتھ دنیا کو منسلک کر کے تہذیب انسانی کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے اور تہذیب انسانی کو نکھارنے میں نمایاں حصہ لیا ہے -

آتش پرستوں کے خلاف جہاد

(باقی مضمون صفحہ ۲۴ سے)

یہ مسلسل بیس سال تک نہایت پریشانی میں ادھر سے اُدھر مارا مارا پھرا اور آخر ایک معمولی چکی والے کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا - اور اُس کے خاتمہ کے بعد پورا ایران نعرۂ حق سے گونج اٹھا - ان تاریخی حقائق سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے کیسی کیسی قربانیاں دے کر ایران میں وہ اسلامی سلطنت قائم کی تھی جو آج خانہ جنگی کا شکار ہے -

مختلف مذاہب ایک قوم

ہمیں اس پر فخر ہونا چاہیئے

مختلف فرقوں میں اتحاد کی وجہ سے بھارت کو دُنیا میں ہمیشہ سے ہی عزت واحترام کا مقام حاصل رہا ہے۔ یہاں پر مختلف عقیدوں کے کروڑوں پیروکار ہیں اور ہمارے آئین میں ان سبھی کو مساوی حقوق اور انفرادی وقار کی ضمانت حاصل ہے۔

مذہب مقدس ہے اور کسی کو بھی مذہب کے نام پر کوئی ناجائز فائدہ نہیں اُٹھانے دیا جانا چاہیئے۔

امن پسند اور اچھے شہری بہت زیادہ عرصے سے جھگڑے فساد اور فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے والوں کو برداشت کرتے آئے ہیں۔

جب بھی قانون اور نظم وضبط میں خلل پڑتا ہے، قانون کی پابندی کرنے والے شہری ہی اس کا شکار بنتے ہیں۔ خاندانوں کو ان کی ضرورت کی چیزیں نہیں ملتیں، بچوں کی پڑھائی نہیں ہو پاتی، مزدوروں اور تاجروں کی روزی روٹی چھین جاتی ہے۔ جو قومی املاک برباد کی جاتی ہیں ان کا نقصان ہم سب کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔



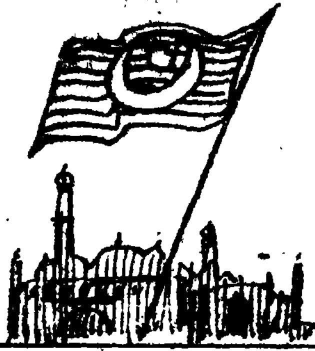
بے قصوروں کو یہ سب کیوں بُھگتنا پڑے؟

وزیراعظم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ سبھی عقائد مساوی ہیں اور کسی بھی عقیدے میں کی جانے والی مداخلت قطعی برداشت نہیں کی جائے گی۔ جو حکام اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کریں گے ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

آیئے! ہم سب امن اور فرقہ وارانہ اتحاد کو بڑھانے کی کوشش کریں۔

فرقہ وارانہ اتحاد کو ختم کرنے والے سماج دشمن عناصر کا مقابلہ کیجئے۔

78/403



مسلم حکومتوں میں غیر مسلموں کے حقوق

غیر مسلموں کے تحفظ کے لئے رسول اللہ صلعم کا فرمان

(از ڈاکٹر سید محمود - پی - ایچ - ڈی)

ہندوستان کے نامور مفکر اور مشہور اہل قلم ڈاکٹر سید محمود کا ایک فاضلانہ مضمون ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں جس کے مطالعہ کے بعد یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم عہد حکومت کے تقریباً ہر دور میں اسلام کس طرح غیر مسلموں کے لیے ایک رحمت ثابت ہوا ہے -

اسلام صرف مسلمانوں ہی کے لئے رحمت نہیں ہے بلکہ تاریخ کے تقریباً ہر دور میں یہ کس طرح غیر مسلموں کا محافظ بنا رہا ہے اس کا اندازہ رسول اللہ صلعم کے اس تاریخی فرمان سے ہو سکتا ہے جو حضور اکرم نے سینٹ کیتھرین کی خانقاہ واقع کوہ سینا کے راہبوں کو عطا فرمایا تھا -

یہ فرمان صرف کیتھرین کی خانقاہ کے راہبوں کے لئے مخصوص نہیں تھا بلکہ یہ تمام دنیا کے عیسائیوں کیلئے تھا چنانچہ اس فرمان کے متعلق عام رائے یہ ہے کہ " دنیا میں ایسی رواداری اور کشادہ دلی کی مثال ناپید ہے اور تاریخ کوئی ایسی دوسری مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ کسی فاتح قوم نے غیر مذاہب والوں کے ساتھ اسقدر رواداری اختیار کی ہو "

اس فرمان کے ذریعہ پیغمبر اسلام نے عیسائیوں کو اس طرح کے حقوق اور رعایتیں عطا فرمائی تھیں جو انہیں اپنے ہم مذہب عیسائی بادشاہوں کے دور حکومت میں بھی حاصل نہیں تھیں اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ اعلان بھی فرما دیا تھا کہ " اگر کوئی مسلمان اس فرمان کی کسی دفعہ کو بھی پامال کرے گا تو اسے خدا کے حکم کو ٹھکرانے والا اور اپنے مذہب کو ذلیل کرنے والا سمجھا جائے گا "

اس فرمان کے ذریعہ رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی تھی کہ وہ عیسائیوں کی پوری پوری حفاظت کریں - اگر ان کے گرجوں خانقاہوں اور راہبوں کے گھروں پر کوئی حملہ کرے تو اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر انکی مدافعت کی جائے - اور انہیں ہر طرح کے نقصان سے بچایا جائے - اس فرمان کی رو سے کوئی اسقف اپنے گرجے سے نکالا نہیں جا سکتا تھا -

اس کے علاوہ مسلمان کسی عیسائی کو معبدوں سے نہیں روک سکتے تھے اور نہ مسلمانوں کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ گرجوں کو توڑ کر وہاں مسجد تعمیر کریں - یا گرجوں کو رہائش گاہوں میں تبدیل کر سکیں اور عیسائی عورتیں جو مسلمانوں کے نکاح میں تھیں انہیں اختیار تھا کہ وہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہیں اور انہیں تبدیل مذہب کے لیے کسی طرح بھی مجبور نہ کیا جائے - اگر عیسائیوں کو اپنے گرجوں، یا خانقاہوں کی تعمیر یا مرمت یا کسی دوسرے مذہبی کام کے لئے امداد کی ضرورت ہو تو مسلمانوں کو ان کی مدد کرنی چاہیئے اور اس کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام نے یہ بھی اعلان فرما دیا تھا

" یاد رکھو اگر ہماری امت میں سے کسی نے کسی ذمی (غیر مسلم) کے ساتھ بدسلوکی کی یا اس سے ایسا کام لینا چاہا جو اس کی طاقت کے باہر ہو یا اس کی اجازت کے بغیر اس کی کسی چیز پر قبضہ کیا - یا کسی ذمی کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھا تو میں قیامت کے دن خداوند تعالیٰ کے حضور میں اس کا دشمن ہوں گا "

یہ ہیں وہ بنیادی اصول اور احکام جو ذمیوں (غیر مسلموں) سے متعلق مسلمانان عالم کی ہدایت کے لئے پیغمبر اسلام نے قائم کئے ہیں - ذرا غور کیجئے کہ اس سے زیادہ سخت الفاظ اور اس سے بڑھ کر غیر مسلموں کے حق میں اور کیا ہدایت ہو سکتی ہے - ذمی خواہ عیسائی، یہودی، آتش پرست یا ہندو جو بھی ہوں اُن کے ساتھ مسلمان اِن ہی احکامات کی روشنی میں [illegible] برتنے پر مجبور ہیں - کیونکہ یہ ان کے مذہب کا حکم ہے

بعض لوگ کہہ سکتے ہیں کہ یہ فرمان صرف عیسائیوں کے لئے تھا جو کہ اہل
کتاب ہیں ۔ یہ غیر عیسائیوں پر منطبق نہیں ہو سکتا ۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ
خود رسول اللہ صلعم کے خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم نے ایران کے آتش
پرستوں کے ساتھ بالکل وہی سلوک کیا تھا جیسا کہ اہل کتاب کے ساتھ
کیا جاتا ہے ۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایران کی فتح کے بعد یہ سوال اٹھا تھا کہ
ایرانی اہل کتاب ہیں یا نہیں ۔ چنانچہ اس مسئلہ پر صحابہ کرام کے درمیان
کافی بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے پایا کہ چونکہ ایرانی اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے
ہیں ۔ اس لئے انہیں اہل کتاب مان لینا چاہیئے اور یہی اصول علمائے اسلام
نے ہندوؤں کے معاملہ میں بھی اختیار کیا تھا ۔ چنانچہ ہندوستان کے مسلم
فاتحوں نے عملی طور پر ہندوؤں کو ذمی قرار دے دیا تھا ۔ اور ان کے ساتھ
وہی تمام مراعات روا رکھی تھیں جن کا ذکر آنحضرت صلعم کے فرمان میں
موجود ہے ۔ اس تاریخی فرمان کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمان تاریخ کے تقریباً ہر
دور میں غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی رواداری کا سلوک کرتے رہے ہیں
دمشق خلفائے بنی امیہ کا دارالخلافہ تھا ۔ دمشق کی جامع مسجد کے قریب
ایک چھوٹا سا گرجا تھا ۔ امیر معاویہ نے مسجد کی توسیع کرنی چاہی اور انھوں نے
عیسائیوں سے گذارش کی کہ وہ بڑی سے بڑی رقم لے کر یہ گرجا مسلمانوں
کو دے دیں ۔ لیکن عیسائیوں نے گرجا دینے سے صاف انکار کر دیا ۔
اور امیر معاویہ کے بعد تقریباً ہر خلیفہ اس گرجا کو عیسائیوں کی رضامندی
سے حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن کسی کو بھی کامیابی نہ ہوئی ۔
سب سے آخر میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں کوشش کی گئی تو
عیسائی آپے سے باہر ہو گئے اور سر دربار خلیفہ کو برا بھلا کہا ۔ ولید بھی
طیش میں آگیا اور اس نے زبردستی گرجا پر قبضہ کر لیا ۔ لیکن کچھ دنوں کے
بعد جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انھوں نے عیسائیوں کی شکایت
پر اس گرجا کو دوبارہ عیسائیوں کے حوالے کر دیا ۔ اور عیسائیوں سے اس
بات کی معافی چاہی کہ اسلام کی صریح ہدایات کے باوجود انہیں خلیفہ ولید
کی ناانصافی کا شکار ہونا پڑا ۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلم حکمرانوں نے نہ صرف پرانے گرجوں
اور مندروں کی حفاظت کی ہے بلکہ اپنے عہد میں بے شمار نئے گرجوں اور
مندروں کی تعمیر کی بھی اجازت دی ہے ۔ اور ان سے متعلق جتنے بھی اوقاف
تھے ان پر کبھی ہاتھ نہیں ڈالا ۔ بلکہ انکی ہمیشہ حفاظت کی ہے

بغداد اگرچہ کلیتہً مسلمانوں کا شہر تھا لیکن اس شہر میں ایک بڑی تعداد
میں آتش پرستوں کے آتش کدے ، عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں
کے معابد بھی موجود تھے ۔ قاہرہ میں سینکڑوں گرجے خلفائے عبیدیین کے
عہد میں تعمیر ہوئے جن کی تاریخ اور نشانات آج بھی موجود ہیں ہندوستان
کے مسلم دور حکومت میں بے شمار مندر تعمیر ہوئے جن میں سے ایک بڑی
تعداد آج بھی موجود ہے ۔

اسلامی فقہ کا ایک مشہور قانون ہے جس کی رو سے اگر کوئی غیر مسلم
گرجا کی تعمیر کی وصیت کر جائے تو اسلامی حکومت کے ذمہ دار ارکان کا
یہ فرض ہے کہ وہ اپنی نگرانی میں گرجا تعمیر کر کے غیر مسلم کی وصیت کو پورا
کریں ۔ لیکن اس کے برعکس اگر کوئی غیر مسلم مسجد کی تعمیر کے لئے وصیت
کر جائے تو مسجد کا تعمیر کرانا اسلامی حکومت کا فرض نہیں ہے ۔ گویا اسلام
نے صرف زندگی ہی میں نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی غیر مسلموں کے مذہبی
احساسات کے احترام کی ہدایت کی ہے ۔ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ
مسلمانوں کو غیر مسلموں کی مذہبی رسوم میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں
ہے ۔ پھر اگر کوئی مسلم اپنی وصیت کو عملی جامہ پہنانے کا کام کسی ذمی
(غیر مسلم) کے سپرد کر جائے تو یہ اسلامی فقہ کی رو سے جائز ہے چنانچہ
مسلم عہد حکومت میں بہت سے غیر مسلموں کو اسلامی مدرسوں اور
اسلامی اداروں کا نگران مقرر کیا جاتا تھا ۔ یہاں تک کہ مسلم اوقاف
کی تولیت بھی بعض اوقات ذمیوں کے سپرد کی گئی ہے اور وہ متولی کے
فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہے ہیں ۔

خلفائے راشدین کے دور خلافت سے لیکر ہندوستان کی مغلیہ
حکومت تک تقریباً ہر زمانہ میں مسلم حکمرانوں نے ذمیوں یعنی غیر مسلموں
کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھا ہے ۔ اور اگر کسی مسلم حکمران نے
غیر مسلموں کے ساتھ رواداری نہیں برتی ہے تو علمائے اسلام نے
اس بات کو ہمیشہ ہی ناپسند کیا ہے ۔ چنانچہ سلطان سکندر لودھی
نے ایک بار جب تھانیسور میں ہندوؤں کو آشنان کے حق سے روکنا چاہا
تو اس زمانہ کے مشہور عالم میاں عبداللہ اجودھنی نے بادشاہ کی مخالفت
کرتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ شریعت اسلامیہ کی رو سے کسی حکمران کو یہ
اختیار حاصل نہیں کہ وہ غیر مسلموں کو ان کے مذہبی مراسم کی ادائیگی سے
روک سکے یا مندروں کے توڑنے کا اعلان کرے ۔ اس پر بادشاہ
نے بگڑ کر کہا تھا کہ آپ عالم ہو کر [illegible] ہندوؤں کی حمایت کرتے تھے
[illegible]



جب قیصرِ روم کا غرور خاک میں ملا دیا گیا

اُسے بے گناہ مسلمانوں کے خون کی قیمت ادا کرنی پڑی

(از شوکت علی فہمی)

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بھی مسلمان قوم پر زوال آیا ہے تو پردۂ غیب سے کوئی ایسی طاقت نمودار ہوئی ہے جس نے کہ نازک ترین حالات میں مسلمانوں کی پشت پناہی کی ہے۔ چنانچہ چھٹی صدی ہجری میں جب مسلمان زوال پذیر تھے تو قدرت نے موصل کی ایک چھوٹی سی حکومت کو وہ طاقت عطا کی کہ اُس نے دشمنِ اسلام قیصرِ روم کے سارے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ ذیل میں یہی واقعہ پیش کیا جا رہا ہے

خلافتِ عباسیہ کمزور ہو چکی تھی اور کوئی دوسری مسلم سلطنت ایسی موجود نہیں تھی جو مشرق کی جانب عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک سکے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ قیصرِ روم بذاتِ خود شام کے علاقہ میں آ کر قیام پذیر ہو گیا تھا۔ تاکہ شام، عراق اور مشرقِ وسطیٰ کے سب ہی مسلم ممالک پر قبضہ جمانے کے بعد مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دے۔ قیصر کے ہمراہ بے پناہ لشکر تھا۔ اور اُس کے جھنڈے کے نیچے یورپ کے بڑے بڑے کاؤنٹ اور ماہرینِ جنگ موجود تھے۔ قیصر کو یقین کامل تھا کہ وہ صرف چند ماہ کے اندر مسلمانوں کا نام و نشان تک دنیا سے مٹا دے گا۔

اِس ناپاک مقصد کے تحت ۵۳۲ھ ہجری میں قیصرِ روم نے مسلم علاقوں پر باقاعدہ یلغار شروع کر دیا۔ سب سے پہلے اُس نے بزاعہ اور کفر تاب پر قبضہ کیا۔ اور اُن علاقوں کی پوری مسلم آبادی کو قتل کر کے ہزاروں مسلم خواتین کو لونڈی اور باندی بنا لیا۔ پھر اس کے بعد شیزر کا محاصرہ شروع کیا۔ علی بن منقذ اُس زمانہ میں شیزر کا حاکم تھا۔ لیکن اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ بذاتِ خود قیصرِ روم کی ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کر سکتا۔ عباسی خلیفہ میں اتنا دم نہیں تھا کہ وہ مدد کو آ سکے لہٰذا اُس نے موصل کے حکمراں عماد الدین زنگی کو لکھا۔

"یہ شیزر کا حاکم علی بن منقذ اور یہاں کے مظلوم مسلم باشندوں کی جانب سے فخرِ اسلام سلطان عماد الدین زنگی کو معلوم ہو کہ ہمارے علاقہ میں بے دینوں نے قیامت برپا کر رکھی ہے بزاعہ اور کفر تاب جہاں کبھی اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوا کرتی تھیں وہاں ناقوس کی آواز گونج رہی ہے بے شمار اسلام کے نام لیوا قتل کر دیئے گئے ہیں ہماری بہنوں اور بیٹیوں کو باندی بنا لیا گیا ہے۔ اور اب شیزر کے علاقہ کے لئے بھی یہی خطرہ پیدا ہو گیا ہے یہ چاروں طرف سے مشرکوں سے گھرا ہوا ہے اور فرزندانِ حق جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ ہم آپ کو اسلام کا واسطہ دیتے ہیں کہ فوراً مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے آیئے ورنہ قیامت کے دن آپ کو اور سب مسلم حکمرانوں کو رسول اللہ صلعم کے روبرو شرمسار ہونا پڑے گا"

یہ خط جب بھرے دربار میں سلطان عماد الدین زنگی کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اُس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور اُس نے ایلچی سے کہا۔

"علی سے کہنا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قیصر سے بے گناہ مسلمانوں کے خون کی قیمت وصول نہ کر لوں گا اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا"

صرف اِس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلم حکمرانوں کے دلوں میں کس بلا کی اُخوتِ اسلامی تھی کہ اگر کسی ایک علاقہ کے مسلمانوں پر زیادتی ہوتی تھی تو دوسرے علاقہ کا حکمراں مضطرب ہو جاتا تھا۔ اور اُس وقت تک اُسے سکون حاصل نہیں ہوتا تھا۔ جب تک کہ وہ مجبور اور کمزور مسلمانوں کو ظالم سے نجات نہیں دلا دیتا تھا۔

موصل میں اس وقت تک دس ہزار سے زیادہ فوج موجود نہیں تھی جبکہ قیصر روم کے مقابلہ کے لیے ایک لشکرِ عظیم کی ضرورت تھی۔ لیکن عماد الدین زنگی نے اس معاملہ میں زیادہ انتظار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور وہ محض اللہ کے بھروسے پر اس مختصر سی فوج کو لیکر خود ہی روانہ ہوگیا۔ اور بزاعہ کے قریب حماۃ پہنچکر مقابلہ کے لیے صف بندی شروع کر دی۔

اُدھر قیصر روم کو بھی عماد الدین زنگی کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی اس لیے اس نے پہلے ہی سے اُن پہاڑی علاقوں میں اپنی فوجیں چھپا دی تھیں جہاں سے ہوکر عماد الدین زنگی کو گزرنا تھا تاکہ عماد الدین زنگی جب اپنی فوج کو لئے ہوئے اِن پہاڑی علاقوں سے گزرے تو یہ چھپی ہوئی فوج اچانک لشکرِ اسلام پر حملہ کر کے اُس کا صفایا کر دے۔

عماد الدین زنگی بڑا ہی ہوش مند حکمران تھا۔ اُسے اُن تمام پہاڑی علاقوں کی حالت بخوبی معلوم تھی جن میں کہ قیصر روم نے اپنی فوج کو چھپا رکھا تھا ورنہ وہ اس بات کو بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اس علاقہ سے گزرنا خطرہ سے خالی نہیں ہے لہذا اُس نے اپنی دس ہزار فوج کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا۔ اور فوج کے ہر دستہ کو حکم دیا کہ وہ پہلے پہاڑی علاقوں کے راستوں کا جائزہ لیں پھر اس کے بعد آگے بڑھے۔

عماد الدین زنگی کے سپاہی پہاڑی جنگ سے بخوبی واقف تھے اُن کے فوجی دستے پہاڑی ناکوں پر جا پہنچے۔ اور مختلف ناکوں سے ایک ساتھ اندر کی جانب بڑھنے لگے۔ اور انہیں جلد ہی پتہ چل گیا کہ قیصری فوجیں پہاڑوں میں چھپی ہوئی ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے نہایت تیزی کے ساتھ چاروں طرف سے پہاڑیوں کو گھیر کر قیصری فوج کو ختم کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ صرف دو دن کے اندر بڑی چابکدستی کے ساتھ قیصر کی چالیس ہزار فوج کو پہاڑی گھاٹیوں میں گھیر کر گاجر اور مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔

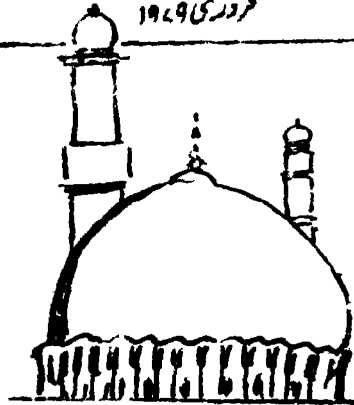
اُدھر عماد الدین زنگی نے شام کے عیسائی حکمرانوں کو چیلنج دے دیا تھا کہ اگر کوئی عیسائی حکمران بھی اس جنگ میں قیصر کا ساتھ دے گا تو اُس کی حکومت کو جڑ اور بنیاد سے کھود کر پھینک دیا جائے گا۔ عماد الدین زنگی کے اس چیلنج کا یہ اثر ہوا کہ قیصر روم تنِ تنہا رہ گیا اور اُسے شام کے عیسائی حکمرانوں سے کوئی مدد نہ مل سکی

اس کے بعد قیصر روم کی فوج اور مجاہدینِ اسلام میں معرکہ شروع ہوا اور معرکہ میں تقریباً ہر مورچہ پر قیصر روم کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور اب قیصر روم میں اتنا دم باقی نہیں رہا تھا کہ وہ کھلے میدان میں عماد الدین زنگی جیسے لائق جرنیل کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

قیصر کئی روز تک کسی مزید مقابلہ سے کتراتا رہا لیکن عماد الدین زنگی نے اُس کی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے ایک فیصلہ کن حملہ کر ہی دیا۔ عیسائیوں کے حوصلے پہلے ہی سے پست ہو چکے تھے۔ اس لئے عیسائی بڑی بے دلی کے ساتھ لڑے اور آخر قیصر روم کو شکست ہوگئی۔ اور وہی قیصر روم جو پورے شرق و سطیٰ پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھ رہا تھا میدان کارزار سے ایسا بھاگا کہ یورپ ہی میں جاکر دم لیا اور اس طرح مجاہد اسلام عماد الدین زنگی نے قیصر روم سے اُن بے گناہ مسلمانوں کے خون کا انتقام لے لیا جنھیں کہ اس جابر حکمران نے محض کلمہ گو ہونے کے جرم میں تہِ تیغ کیا تھا۔

بزاعہ کا وہی علاقہ جو کفرستان بن چکا تھا اب پھر وہاں نعرہ توحید گونجنے لگا۔ اور کفر تاب جسے قیصر روم نے برباد کر کے رکھدیا تھا وہاں پھر اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ مجاہد اسلام عماد الدین زنگی نے صرف اُن ہی علاقوں پر اکتفا نہیں کیا جن پر کہ قیصر روم نے بذریعہ شمشیر قبضہ جمالیا تھا بلکہ اس مردِ مومن نے شام کے اُن عیسائی حکمرانوں کے خلاف بھی یورش شروع کر دی جنھوں نے کہ قیصر روم کو اسلامی ممالک کے فتح کے لئے شام کے علاقہ میں آنے کی دعوت دی تھی۔

سلطان عماد الدین زنگی کی حوصلہ مندی کے اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلم حکمرانوں میں کس بلا کا اسلامی جوش تھا کہ وہ اسلام کے تحفظ کی خاطر سب کچھ کر گزرتے تھے۔ اور اُن کے اسلامی جوش ہی کی بدولت پرچمِ اسلام آدھی سے زیادہ دنیا پہ لہرا رہا تھا۔ اور آج بھی دنیا میں جو بیشتر اسلامی سلطنتیں نظر آرہی ہیں وہ اُن ہی مجاہدینِ اسلام کی قربانیوں کا صدقہ ہیں۔



آجکل کی جمہوریتیں ناقص ہیں

حقیقی جمہوریت صرف اسلام ہی پیش کرسکتا ہے

(از جناب شیخ نصیر احمد۔ ایم۔ اے)

یہ جمہوریت کا دور ہے لیکن یہ کیسی جمہوریت ہے جس میں کہ کوئی بھی انسان مطمئن اور آسودہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا اور آج بھی انسان اپنے آپ کو پہلے کی طرح مجبور اور پابند محسوس کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ زمانہ حاضرہ کی جمہوریت قطعی ناقص ہے۔ دنیا کے سامنے حقیقی جمہوریت صرف اسلام ہی پیش کرچکا ہے۔

آج سے چودہ سو سال پہلے جب اسلام کا ظہور ہوا تھا تو دنیا کے کسی حصہ میں بھی سیاسی اور شہری آزادی کا تصور موجود نہیں تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو مکہ معظمہ میں مظلومیت کی زندگی گزارنی پڑتی تھی اور مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد جب مسلمانوں نے مدینہ میں حکومت کی بنیاد رکھی تو اس کی بنیاد انسانی حقوق اور آزادی کے تصور پر مبنی تھی۔ اور اس طرح یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اسلام دنیا کا وہ پہلا نظام حیات ہے جس نے کہ انسان کو شہری اور سیاسی آزادی سے واقف کرایا تھا اور خود اسے یہ آزادیاں دی تھیں۔

اسلام پہلا دستور سیاست ہے جس نے کہ حکمرانی کے معاملہ میں وراثت کے تصور کو ختم کیا۔ اسلام کے ظہور سے پہلے بادشاہ تو ایک طرف کسی معمولی حاکم کے خلاف بھی عام شہری لب کشائی کی جرأت نہیں کرسکتے تھے لیکن اسلام نے اس طریق کار کو مسترد کرکے ایک طرف تو شخصی حکومتوں کا خاتمہ کردیا تھا۔ اور سربراہ حکومت کے لئے انتخاب کو بنیادی شرط قرار دیا تھا اور دوسری طرف ہر شہری کو حکمراں اور حکومت کے عمال پر نکتہ چینی کی دعوت دی تھی۔

تاریخ گواہ ہے کہ خلفائے راشدین اور ان کے بعد بہت سے مسلم حکمراں اسی اصول پر کاربند رہے تھے۔ اور اسلام کی تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی سلطنت کے عام شہری حکومت پر آزادی کے ساتھ تنقید کیا کرتے تھے۔ اور حکومت کے معاملات میں ان تنقیدوں سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔

مسلمانوں نے مدینہ منورہ میں جمع ہونے کے چند سال بعد ہی پورے عرب اور اس کے آس پاس کے بہت سے ممالک پر اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ یہ یاد رہے کہ ان کی اس وسیع مملکت میں بسنے والے سب مسلمان ہی نہیں تھے۔ بلکہ اس زمانہ میں اور اس کے بعد بھی اسلامی حکومتوں میں اکثریت تقریباً غیر مسلموں ہی کی رہی ہے لیکن مسلمانوں کے سماجی نظام میں کبھی مسلمانوں کو دوسروں پر فوقیت اور برتری حاصل نہیں رہی۔ انھوں نے رنگ اور نسل کے فرق کو اپنے نظام میں کوئی جگہ نہیں دی یہاں تک کہ مسلمانوں نے سماجی زندگی میں مذہب کو بھی دخل انداز نہیں ہونے دیا بلکہ اپنی سماجی زندگی کی بنیاد صرف انسانیت کے تصور پر قائم کی اور یہی حقیقی جمہوریت بھی ہے۔

پھر اسلام نے انسانیت کی بنیاد پر سماج کا جو ڈھانچہ تیار کیا تھا۔ اس میں اقتصادی اور معاشی عدم مساوات کی کوئی گنجائش ممکن ہی نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لئے اسلامی مملکت میں ہر مسلمان اور غیر مسلم کے لئے اقتصادی اور معاشی جد و جہد کی راہیں مساوی طور پر کھلی ہوئی تھیں۔ مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ کاروبار اور لین دین کرتے تھے۔ گویا اقتصادی میدان میں بھی مسلم دور میں پوری جمہوریت موجود تھی۔

اس کے بعد جب مسلمانوں کو اپنی محدود دائرہ اور اپنے وطن عرب کی حدود سے نکل کر دنیا میں پھیلنے اور بڑی بڑی حکومتیں قائم کرنے کا موقع ملا تو انہوں نے حکومت اور انتظام میں غیر مسلموں کو برابر کا حصہ دار بنایا۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی سلطنتوں میں یہودی عیسائی اور ہندو بڑے بڑے انتظامی اور فوجی عہدوں پر فائز تھے۔ انہیں درباروں میں عزت اور سربلندی حاصل تھی۔ غیر مسلم علما اور فضلا

کی بھی مسلم علما اور اہل کمال کی طرح عزت کی جاتی تھی اور اُن پر کامل اعتماد اور بھروسہ کیا جاتا تھا ۔

جہاں تک شہریوں کی عزت ، آبرو اور جان و مال کی حفاظت کا تعلق ہے اس معاملہ میں مسلم حکمرانوں کا طرز عمل مثالی حیثیت رکھتا ہے اسلام کے ظہور سے پہلے اور اُس کے بعد بھی عیسائی حکومتوں میں یہودیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا ۔ اور خود عیسائیوں میں جو مختلف گروہ موجود تھے وہ بھی ایک دوسرے پر ظلم کرنے کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے ۔ لیکن اس کے باوجود کہ اسلام کی مخالفت میں یہودی اور عیسائی دونوں متحد تھے مسلمان اپنی سلطنتوں میں ان دونوں ہی کے ساتھ انتہائی رواداری اور انصاف کا سلوک کرتے تھے ۔

مسلمانوں نے غیر مسلموں کی عزت ، اور آبرو و جان و مال کی حفاظت کو اپنا مذہبی فریضہ قرار دیا تھا ۔ وہ غیر مسلموں پر ظلم کرنے والے کسی مسلمان کو معاف نہیں کرتے تھے ۔ اور مسلم حکومتوں میں ہر مذہبی فرقے اور تہذیبی گروہ کو کامل آزادی حاصل تھی ۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ مذہبی معاملات میں مسلمان غیر مسلموں کا پورا پورا تحفظ کرتے تھے ۔

کہا جاتا ہے کہ یہ آزادی اور جمہوریت کا دور ہے لیکن اسکے باوجود آج مذہبی ۔ تہذیبی اور لسانی اقلیتیں اکثریتوں کے سیاسی رجحان کی بنا پر اپنے جائز حقوق تک سے محروم ہیں اور سیاسی اکثریت کے فیصلوں کو جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے ۔ اصل بات یہ ہے کہ اس دور میں جمہوریت کے نام پر اکثریتی طبقوں کی ڈکٹیٹر شپ قائم ہے ۔ اور اس ڈکٹیٹر شپ کو جمہوریت کہا جا رہا ہے ۔

اسکے برخلاف اسلامی حکومتوں میں سیاسی اکثریت کو مذہبی تہذیبی اور لسانی اقلیتوں پر غلبہ حاصل نہیں تھا ۔ اور آج بھی دنیا کے اسلامی ملکوں میں وہاں کی مذہبی یا لسانی اقلیتوں کو اُن کے کسی حق سے محروم نہیں کیا جاتا ۔ اس طرح آج کل کی جمہوریت میں جو سب سے بڑی کمزوری ہے اسلامی نظام حکومت اُس کمزوری سے پاک رہا ہے ۔ اور اُس میں کسی اقلیت کو بھی اکثریت کے غلبہ اور اقتدار کا اندیشہ لاحق نہیں ہوتا تھا ۔

اسلام نے اپنی حکومت کو جمہوریت کا نام نہیں دیا تھا بلکہ اُسے خلافت کے نام سے موسوم کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح پروردگار عالم اپنی مخلوق کے درمیان اس دنیا میں کسی فرق اور امتیاز کو روا نہیں رکھتا اسی طرح اُس کی طرف سے اس دنیا پر حکومت کرنے والے اُس کے خلفا کو بھی دنیاوی معاملات میں لوگوں کے ساتھ کوئی فرق نہیں کرنا چاہئے اسلام نے مسلم حکومتوں کی بنیاد اسی اصول پر قائم کی تھی ۔ اور اسی لئے اسلامی حکومتوں میں لوگوں کو وہ شہری اور سیاسی آزادیاں حاصل تھیں جو جمہوریت کے دعویدار آج بھی حاصل نہیں کر سکے ہیں اور جنہیں حاصل کرنے کے لئے وہ آج بھی سخت جد و جہد کر رہے ہیں لیکن انہیں بھی جمہوریت کی راہ صرف اسلام ہی دکھا سکتا ہے ۔

مغلوں کے عہد کی یادگار ہستیاں

(باقی مضمون صـ۲۹)

بادشاہ کی سواری بھی آگئی ۔ میں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ خواجہ تو مکان پر موجود نہیں ہیں ۔ بادشاہ نے کہا تم یہیں ٹھہرو جب خواجہ واپس آئیں تو ان سے ہمارا اسلام کہنا اور یہ مصرعہ پڑھ دینا ہے

"طاقت مہماں نداشت خانہ بمہماں گذاشت"

خواجہ جب مکان پر آئے تو میں نے سارا واقعہ بیان کرتے ہوئے مصرعہ پڑھا تو جواب میں فرمایا "حضرت ظل سبحانی نے بڑی ذرہ نوازی فرمائی لیکن بادشاہ کی آمد کی اطلاع سنکر میں تو جان بوجھ کر چلا گیا تھا ہمارا بھلا بادشاہوں سے کیا واسطہ ۔

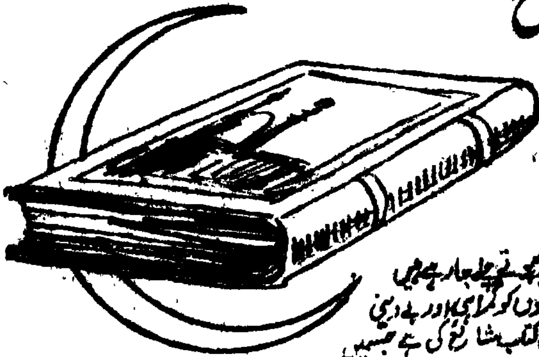
مسلم حکومتوں میں غیر مسلموں کے حقوق

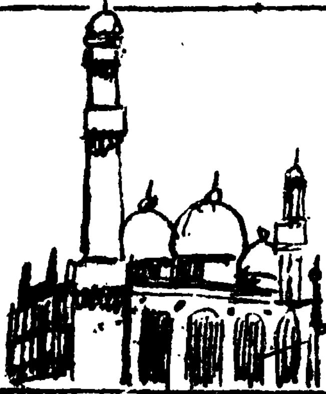
(باقی مضمون صـ۳۲)

اس پر میاں عبداللہ اجودھنی نے جواب دیا تھا کہ " میں نے شریعت اسلامیہ کا صحیح صحیح قانون آپ کے سامنے رکھ کر اپنا فرض ادا کر دیا ہے ۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ اس پر عمل کریں یا اسلام کے قانون کو ٹھکرا دیں " اس جواب پر سکندر لودھی بے حد شرمندہ ہوا اور اسی وقت ہندوؤں کے خلاف اپنا حکم واپس لے لیا تھا ۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ طلوع اسلام سے لیکر آخر تک ہمیشہ ہی شاہان اسلام نے اپنی حکومتوں میں غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی رواداری کا سلوک کیا ہے ۔ اور ان کا ایسا کرنا کسی سیاست پر موقوف نہیں تھا بلکہ یہ اسلامی احکامات کا نتیجہ تھا ۔ خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں پر بے حد مہربان تھے ۔ اُن کے بعد خلفائے راشدین اور سلاطین اسلام کا رویہ بھی ہمیشہ ہی غیر مسلموں کے ساتھ یکساں ہمدردانہ رہا ہے ۔

* * *





مسلمانوں کے بے مثال علمی کارنامے

ہم نے پوری دنیا کو علم کی روشنی سے جگمگا دیا تھا

(ہمارے مورخ کے قلم سے)

مسلمانوں نے صرف فتوحات کے میدان ہی میں حیرت انگیز کارنامے انجام نہیں دیئے ہیں بلکہ انھوں نے علوم و فنون کی ترقی میں بھی جو کارنامے پیش کئے ہیں اُن پر عقل انسانی حیران ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں مسلمانوں کے چند بے مثال علمی کارنامے درج کر رہے ہیں۔

امام ابن جریر اسلام کے وہ مایہ ناز مورخ اور مفسر ہوئے ہیں جنھیں آج بھی فن تاریخ کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ اتنے بڑے زود نویس تھے کہ جب قلم اٹھاتے تھے تو سینکڑوں صفحات لکھتے چلے جاتے تھے۔ اور جو کچھ بھی لکھتے تھے کیا مجال کہ کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی اُس پر اعتراض کر سکے۔

مورخوں کا بیان ہے کہ جب اس زندہ جاوید مورخ نے تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تو اپنے شاگردوں سے یہ کہا کہ "تم اگر چاہو تو ساٹھ ہزار صفحات پر مشتمل تمھارے لئے ایک نہایت ہی جامع تاریخ لکھ دوں" شاگردوں نے جواب دیا کہ "حضرت اتنی بڑی تاریخ کو تو شائد ہم اپنی تمام عمر میں بھی ختم نہیں کر سکیں گے"

امام نے بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ اس زمانہ کے طلبا کی ہمتیں پست ہو گئی ہیں۔ اور پھر تیس ہزار صفحات کی ایک تاریخ لکھی۔ جو اب تک گیارہ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اور دنیا کے بڑے بڑے کتب خانوں میں اس وقت بھی موجود ہے۔

علامہ ابن جوزی۔ حضرت شیخ سعدی کے استاد تھے۔ اُن کی تصانیف اس قدر ہیں کہ اُن کا شمار بھی مشکل ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب اُن کی کتابوں کے صفحات اور زندگی کے دنوں کا حساب لگایا گیا تو اُن کی تصانیف کا اوسط بہتر صفحات یومیہ نکلا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ جن قلموں سے وہ احادیث لکھتے تھے انہیں محفوظ رکھتے تھے۔ اُن کی وصیت تھی کہ میرے مرنے کے بعد میرے غسل کا پانی ان قلموں سے گرم کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن قلم اتنے زیادہ تھے کہ پانی گرم ہونے کے بعد بھی باقی رہ گئے۔

بعض مورخوں کا بیان ہے کہ علامہ ابن جوزی ایک نشست میں ستر صفحات آسانی سے لکھ لیتے تھے صرف درمیان میں نماز کے لئے اٹھا کرتے تھے۔

ابراہیم بن ہیشم مشہور ریاضی داں ہوا ہے۔ انہیں علم ریاضی کا امام تصور کیا جاتا ہے۔ یورپ کے تقریباً تمام بڑے بڑے ریاضی داں اسی لائق ہستی کی تصانیف سے زمانہ دراز تک استفادہ کرتے رہے ہیں۔

ایک مرتبہ ابراہیم بن ہیشم بصرہ سے مصر جا رہے تھے۔ اُن کے ہمراہ اُن کی تصانیف کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ دوران سفر میں سمندر میں طوفان آیا اور اُن کی تصانیف کردہ تقریباً ایک سو جلدیں سمندر میں غرق ہو گئیں۔

اِس نقصان عظیم کے باوجود یہ علم و فن کا دلدادہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوا۔ انہیں اپنے حافظہ اور علم پر بڑا ناز تھا چنانچہ پھر نئے سرے سے کتابیں لکھنی شروع کر دیں اور اتنی کتابیں لکھ دیں جنکی تفصیلات اور نام چار سو صفحات میں درج ہیں۔

ابوریحان بیرونی اپنے زمانہ کا بہت بڑا عالم ہوا ہے۔ اس نے ادب ریاضی۔ اور علم نجوم پر اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ صرف ناموں کی فہرست

ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے - ایک روایت ہے کہ بیرونی کی کتابیں ایک طاقتور اونٹ کے لئے بھی ناقابلِ برداشت تھیں

بیرونی علم کا اسقدر دلدادہ تھا کہ بستر مرگ پر بھی پڑا پڑا علمی مباحثے کیا کرتا تھا - مورخوں کا بیان ہے کہ جاں کنی سے ذرا ہی پہلے ایک دوست مزاج پرسی کو آیا تو بیرونی نے اُس سے کہا کہ "آؤ ذرا حدث فاسدہ کا حساب دوبارہ لگالیں" دوست نے جواب دیا کہ "صاحب اِسوقت؟" بیرونی نے کہا "وقت کا کوئی سوال نہیں - میں تو چاہتا ہوں کہ اسوقت بھی ایک چھوٹی سی کتاب لکھ کر دنیا والوں کے لئے چھوڑ جاؤں"

بیرونی نے اپنے علم کو ترقی دینے کے لئے ساری دنیا کی سیاحت کی تھی چنانچہ یہ علم نجوم سیکھنے کے لئے ہندوستان بھی آیا تھا -

---

ابو نصر فارابی منطق اور فلسفہ کا بہت بڑا عالم ہوا ہے اُس نے یونانی زبان کی بہت سی فلسفہ کی کتابوں کا ترجمہ کیا ہے - وہ جب بھی قلم اٹھاتا تھا تو بے تکان لکھتا چلا جاتا تھا - لیکن اس کی اکثر کتابیں ضائع ہو گئی ہیں - اُسکی وجہ یہ تھی کہ وہ عموماً صحرا میں یا دریا کے کنارے بیٹھ کر کتابیں لکھا کرتا تھا اور لکھنے میں ایسا مدہوش ہو جاتا تھا کہ اُس کی لکھی ہوئی کتابوں کے اوراق ہوا میں اڑتے پھرتے تھے - اور اُسے خبر بھی نہیں ہوتی تھی - پھر بھی اُس کی اتنی تصانیف تھیں کہ "ابن سینا" اُن کے طفیل میں ایک بے مثال فاضل بن گیا تھا -

---

طب، فلسفہ، اور منطق کا امام شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا بھی بہت سی کتابوں کا مصنف ہے - مورخوں کا بیان ہے کہ اس نے ڈیڑھ سو کے قریب کتابیں لکھی ہیں - ان میں سے بعض کتابیں تو اسقدر ضخیم ہیں کہ اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس جلدوں پر مشتمل ہیں -

شیخ کی زود نویسی کا یہ عالم تھا کہ وہ طب، فلسفہ اور منطق پر ایک ایک نشست میں سیکڑوں [illegible] لکھتا چلا جاتا تھا اور اس کے حافظہ کی یہ کیفیت تھی کہ کتابوں کو [illegible] دیکھے بغیر اپنی تصانیف میں اُن کی عبارتیں درج کرتا چلا جاتا تھا اور حوالے دیتا جاتا تھا -

---

عمرو بن جاحظ عربی علوم کا ایک عدیم المثال عالم ہوا ہے اُس کی تصانیف سے اہلِ یورپ نے بہت فائدہ اٹھایا ہے مورخوں کا بیان ہے کہ اُس نے سات سو کے قریب کتابیں لکھی ہیں جن میں سے بعض کتب کی ضخامت آٹھ آٹھ ہزار صفحات تک پہنچ گئی تھی - ایک یورپین کا مقولہ ہے کہ "میں اسلام سے حسد کرتا ہوں کیوں کہ اِس مذہب میں جاحظ جیسے عالم پیدا ہوئے ہیں" جاحظ کی اکثر کتابیں ناپید ہیں لیکن دو سو سے زائد کتابیں اب بھی ملتی ہیں - اس مایہ ناز عالم کی موت بھی عجیب طریقہ سے واقع ہوئی - کہتے ہیں کہ وہ کتب خانہ میں بیٹھا ہوا مطالعہ کر رہا تھا کہ کتابوں کی ایک الماری اُس پر گر پڑی اور اس قدر چوٹ آئی کہ وہ جانبر نہ ہو سکا -

---

محمد بن جماعہ آٹھویں صدی کے ایک "نامور مصنف ہوئے ہیں" - انھوں نے اپنی بعض کتابوں کی شرحیں بھی خود ہی لکھی ہیں - اِن کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے -

محمد بن جماعہ اپنے زمانہ کے بے مثال عالم تھے فقہ، تفسیر، حدیث، صرف و نحو، معانی، بیانی، منطق، ہیئت، نجوم، فلسفہ، طب اور علم کیمیا وغیرہ جیسے علوم کے یہ ایک پختہ کار مصنف تھے - اُن کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے کہ مجھے ایسے بیس علوم آتے ہیں کہ اِس زمانہ کے لوگ اُن کے ناموں سے بھی واقف نہیں ہیں

ابن ہیشم اپنے زمانہ کا بہت بڑا عالم ہونے کے ساتھ ہی ایک مشہور سائنس داں بھی تھا - اِس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے کہ فوٹو کیمرہ ایجاد کیا تھا اگرچہ آج اس ایجاد کا سہرا ابھی یورپ کے سر باندھ دیا گیا ہے - لیکن حقیقت یہ ہے کہ فوٹو کیمرہ کا اصل موجد ابن ہیشم ہی تھا مورخوں کا بیان ہے کہ ابن ہیشم نے اپنے گھر میں ایسے شیشے لگا رکھے تھے کہ جب کوئی شخص باہر دروازہ پر آتا تھا تو ابن ہیشم اپنے کمرہ میں بیٹھے بیٹھے اُس کا عکس دیکھ لیا کرتا تھا -

"یورپین مورخوں اور مستشرقین نے مسلمانوں کے علمی احسانات کا اعتراف کیا ہے - فرانس کا نامور مورخ ڈاکٹر نیبان کا کہنا ہے کہ "اہلِ عرب نے یورپ میں علم کی روشنی پھیلائی اگر اسپین کے علما اُن کی رہنمائی نہ کرتے تو نہ جانے یورپ کب تک جہالت کی تاریکی میں مبتلا رہتا" اور امریکہ کا نامور مورخ ڈاکٹر ڈریپر لکھتا ہے کہ "یورپ کے وحشی باشندوں کو علماء اسپین نے علم کی روشنی دکھائی ورنہ یورپ میں کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ علم و فن کیا ہوتا ہے -



"میں اسلام کو کیوں پسند کرتا ہوں"

پروفیسر جے۔ ڈبلو۔ آرنلڈ کے اسلام کے بارے میں خیالات

(نارڈ کے ایک انگریزی مقالہ سے ماخوذ)

یورپ کے ایک نامور اہل قلم۔ پروفیسر ڈبلو آرنلڈ کا خیال ہے کہ اسلام اپنی روحانی خوبیوں کے علاوہ تمدنی اعتبار سے بھی ایک بہترین نظام حیات ہے چنانچہ ذیل کے مقالہ میں پروفیسر مذکور نے اسلام کے بارے میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے جو ہم ناظرین دین دنیا کی دلچسپی کے لئے ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

جوں جوں ہم اسلام کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسلام نے انسانی تمدن کے ارتقا میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اور اس کی تعلیمات سے ہماری تہذیب کو گرانقدر فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں غیر مسلم ہونے کے باوجود اسلام کی خوبیوں کا معترف ہوں۔

مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ اسلام کے مذہبی عقائد کیا ہیں اور نہ مجھے اس بات سے کوئی واسطہ ہے کہ روحانی اعتبار سے اسلام نے نوع انسانی کی کیا خدمت انجام دی ہے۔ میں تو صرف اس پہلو سے اسلام پر بحث کرنا چاہتا ہوں کہ اس نے دنیا میں جلوہ گر ہو کر ہمارے معاشرہ کی اصلاح میں کہاں تک حصہ لیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے معاشرہ میں آج جو خوبیاں دکھائی دے رہی ہیں وہ بڑی حد تک اسلامی تعلیمات کی بدولت ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اسلام نے روحانی پہلو سے کہیں زیادہ مادی پہلو کو سدھارنے کی کوشش کی ہے اور یہ اسلام کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

عقل انسانی یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے کہ جس اسلام نے تمدنی اعتبار سے ساری دنیا میں انقلاب برپا کر دیا ہے اس کا ظہور ایک ایسے غیر متمدن ملک اور غیر متمدن قوم میں ہوا تھا جو تہذیب کی ابجد سے بھی واقف نہ تھی لیکن حیرت ہوتی ہے کہ اس قوم کے ہادی نے اپنی تعلیمات سے ایک غیر متمدن قوم کو ایسا مہذب اور شائستہ بنا دیا کہ جس کی مثال تاریخ عالم میں مفقود ہے

کون نہیں جانتا کہ آج سے چودہ سو برس پہلے عرب کے باشندے خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ مختلف قبیلوں اور خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے اور ان کے مفادات بھی نہایت محدود تھے لیکن یہ اپنے مفادات کی حفاظت اور ان کے حصول کے لئے جبر و تشدد اور قتل و خونریزی سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ یہ انتہا درجہ کے تنگ نظر تھے بس صرف اپنے خاندان کے مفادات ہی کو مد نظر رکھتے تھے۔ ان کے ہاں انسانی قدروں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ہر قبیلہ اور خاندان دوسرے قبیلوں اور خاندانوں کو اپنے سے کمتر خیال کرتا تھا۔ اور ان پر غلبہ حاصل کرنا اپنا حق تصور کرتا تھا جس کی وجہ سے رواداری۔ مساوات اور انصاف کا کوئی تصور بھی ان میں باقی نہیں رہا تھا۔

اس زمانہ کے عربوں کی نظر میں عورت بے حد ذلیل مخلوق تھی۔ اور اسی تصور کی بنا پر وہ لڑکیوں کو پیدائش کے بعد زندہ دفن کر دیتے تھے۔ غلامی کی رسم پورے عرب ملک میں عام تھی۔ وہی لوگ زیادہ باعزت تصور کئے جاتے تھے جو زیادہ سے زیادہ غلاموں کے آقا بنے ہوئے تھے یہ تھے وہ نازک حالات جن میں کہ اسلام کا ظہور ہوا تھا اور ان ہی صبر آزما حالات میں اسلام کو اپنا اصلاحی مشن انجام دینا پڑا تھا اور اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام اپنے اصلاحی مقصد میں بے حد کامیاب ہو کر رہا۔ اور اس سے یہ بات صاف طور پر واضح ہے کہ اسلام میں ضرور کچھ ایسی خصوصیات ہیں جنہوں نے کہ اس زمانہ

کے عوام کے دل و دماغ کو بدل کر رکھ دیا تھا۔

اسلام نے معاشرتی اور تمدنی اور اصلاح کے سلسلہ میں سب سے پہلے اس بات کی کوشش کی تھی کہ انسان۔ خاندان قبیلے اور وطن کی حدود کو توڑ دے اور انسانیت کو اپنا نصب العین بنائے۔ کیونکہ ان حدود کو توڑنے کے بعد ہی انسان دوسروں کے حقوق اور مفادات کا احترام کرسکتا ہے۔ اور یہ اتنا بڑا کام تھا جسے انجام دینا کچھ آسان نہیں تھا اس مقصد کی تکمیل کے لیے ہی اسلام نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا تھا۔ اور اس اعلان کا مقصد یہ تھا کہ جب لوگ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے لگیں گے تو انہیں خود بخود یہ بات بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ تمام انسان خواہ وہ کسی خاندان۔ قبیلے اور ملک سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اس لیے اُن کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاسکتا۔

اس سلسلہ میں داعی اسلام کے جو ارشادات موجود ہیں اُن میں اس حقیقت کو پوری طرح واضح کردیا گیا ہے کہ عربوں کو غیر عربوں پر کسی قسم کی فوقیت حاصل نہیں ہے اور رنگ یا نسل کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح اسلام نے معاشرتی زندگی میں وہ اہم انقلاب برپا کردیا جس کا کہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا اور جس کی بدولت عرب و عجم کے مسلمانوں نے مل کر عہد وسطیٰ میں ایک ایسا ترقی پسند سماج قائم کردیا تھا جو اُس دور میں بے مثال تھا اور آج بھی اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے دنیا کی تمام سوسائٹیوں میں قابل قدر سمجھا جاتا ہے۔

عورت جس کی کہ اُس زمانہ میں جانوروں سے بھی بدتر حالت تھی اُسے اسلام نے مرد کے دوش بدوش لاکر کھڑا کردیا اور یہ اسلام کی ایک ایسی خدمت ہے جسے کہ کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ عیسائیت اور ہندو دھرم جیسے قدیم مذہبوں نے عورت کو سماج میں ایک ناکارہ عضو بنادیا تھا اور آج بھی بعض علاقوں میں وہی پرانے زمانہ کے عورت کے معاملہ میں تصورات پائے جاتے ہیں۔ لیکن اسلام دنیا کا وہ پہلا اور آخری مذہب ہے جس نے کہ عورت کے تمام جائز حقوق کو تسلیم کرکے سماج کی صحت مند ترقی میں اُس کی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔

اسلام کے ظہور کے وقت غلامی کا رواج اس منزل تک ترقی کر گیا تھا کہ اس کا ختم کرنا آسانی سے ممکن نہیں ہوسکتا تھا۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ اگر اسلام اُس وقت اِس رواج کے ختم کرنے پر زور نہ دیتا تو نہ جانے یہ لعنت دنیا پر کب تک مسلط رہتی۔ اسلام نے اس معاملہ جو موثر اصلاحات نافذ کی تھیں۔ انھوں نے غلاموں کو آقاؤں کی صف میں لاکھڑا کردیا۔ یہاں تک کہ آگے چل کر ان غلاموں کو سرداری تک کا فخر حاصل ہوا۔

اسلام جس زمانہ میں جلوہ گر ہوا ہے پوری دنیا گمراہی میں مبتلا تھی۔ کسی گناہ کو گناہ تصور نہیں کیا جاتا۔ اسلام نے سب سے پہلے عوام کی اصلاح کی اور اسلام کے اصلاحی نظام کی بدولت صحابہ کی ایک ایسی پاکیزہ جماعت پیدا ہوگئی جن کا کردار مثالی تھا اور پھر مسلمان جب دنیا کے دوسرے حصوں میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو اُن کے اعلیٰ کردار نے دوسری قوموں کو بھی متاثر کیا۔ مختصر یہ کہ اسلام نے عوام کا کردار بلند کرکے انہیں ایک مثالی انسان بنادیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے ہمارے معاشرہ کی اصلاح میں ایک نہایت اہم حصہ لیا ہے۔ اور اس سے مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو فائدہ پہنچا ہے۔

اسلام نے صرف بنی نوع انسان کے پیچیدہ مسائل ہی کو حل نہیں کیا ہے بلکہ اُس نے ایک ایسے شائستہ اور ترقی یافتہ سماج کی بنیاد رکھی جس سے بنی نوع انسان کو زیادہ سے زیادہ راحتیں اور فوائد پہنچ سکے۔ اُس نے انسان کی ہر قسم کی ذمہ داریوں کو متعین کیا تھا اُسے ماں باپ بہن بھائی شوہر اور بیوی کی حیثیت سے مل جل کر رہنے کے شائستہ طریقے بتائے تھے دوستوں اور ہمسایوں سے متعلق اُسے اُس کے فرائض سے آگاہ کیا تھا اور ہم وطنوں کے حقوق سے اُسے آشنا کیا تھا اور اس طرح اُسے ایک اچھا شہری اور اچھا انسان بنانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

مختصر یہ کہ اسلام ایک بڑا مذہب ہونے کے علاوہ سماجی اصلاح کی ایک زبردست اور کامیاب تحریک بھی ہے اور اسلام کے سماجی قوانین اس قدر ہمہ گیر ہیں کہ ان سے مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ اسلام کا یہ کارنامہ بے حد اہم ہے کہ اُس نے انسان کے اخلاق کو سدھارنے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ یہ وہ نظام حیات ہے جس نے کہ اخلاقی برائیوں کے خلاف جہاد کیا۔ یہ اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے کہ شراب نوشی کو حرام قرار دیا ہے اور شراب نوشوں کو سخت ترین سزا دی ہے۔ زناکاری اسلام میں قابل گردن زدنی جرم ہے۔ اور اسلام چور بازاری اور ناجائز نفع اندوزی کا بھی سب سے بڑا دشمن ہے۔

افسانہ



یادوں کے سمن زار

ایک روح فرسا واقعہ - ایک درد میں ڈوبی کہانی

(از جناب ساجد البقالہ - بی - ایس - سی)

انسان کی زندگی میں چند ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب اُسے اپنے جذبات واحساسات پر یا اپنے کسی فعل پر کوئی اختیار نہیں رہ جاتا۔

جب تم مجھ سے جُدا ہو رہی تھیں تو لاکھ ضبط وتحمل کے باوجود میں اپنے احساسات کو دبا نہ سکا تھا۔ حالانکہ وفورِ جذبات سے میرے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی تھی۔ لیکن آنسوؤں نے آنکھوں سے نکل کر حالِ دل تم پر عیاں کر دیا تھا۔

جُدا ہونے سے پہلے ایک دن جب میں نے تم سے کہا تھا ——

شبنم! چند دنوں میں تم مجھ سے الگ ہو کر دُور چلی جاؤ گی، میں اُس ساعت کا تصوّر کرتا ہوں تو میرا سارا وجود لرز جاتا ہے۔ اُس گھڑی کے خیال ہی سے میں بے چین ہو اُٹھتا ہوں۔ میرا دل ڈر رہا ہے کہیں میری محبت دُوری کی بھینٹ نہ چڑھ جائے، کہیں میرا پیار وقت اور فاصلے کے بوجھ تلے دب کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے مُنہ نہ موڑ لے کہیں وہ حسین خواب جو میں نے تمہاری پلکوں کی چھاؤں میں رہ کر دیکھے ہیں، شرمندۂ تعبیر ہونے سے پہلے ہی بکھر نہ جائیں۔ کہیں یہ دُنیا میری آرزوؤں اور تمناؤں کا گلا نہ گھونٹ دے۔ خُدا نہ کرے، اگر ایسا ہوا تو میں اپنے پیار کی لاش اپنے ناتواں کندھوں پہ لے کر زندگی کے اس طویل سفر میں ایک قدم بھی نہ چل سکوں گا۔ وہ دن — میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ جذبات کی شدّت سے میرا گلا بھر آیا تھا۔

"خدارا ایسا نہ سوچئے —" تم نے اپنی خوبصورت اُنگلیاں میرے ہونٹوں پہ رکھ دی تھیں۔ "میں صرف آپ کی ہوں۔ میری زندگی کی ہر سانس میں آپ ہی کے محبت کے نغمے ہوں گے۔ میری آرزوؤں کا مرکز آپ ہوں گے۔ میرے مُنہ سے نکلا ہوا ہر لفظ آپ کی ذات سے منسوب ہوگا۔ میرے دل کی آخری دھڑکن میں آپ ہی کا نام ہوگا۔ جس طرح چاند کے بغیر چاندنی کا تصوّر ناممکن ہے، بادل کے بغیر بارش کا خیال غلط ہے اور دریا کے بغیر موجوں کا خیال ادھورا ہے، ویسے ہی آپ کے بغیر میرا وجود کوئی معنی نہیں رکھتا۔ خدا نہ کرے محبت کی جو شمع آپ نے میرے دل کے حرم میں روشن کی ہے، اُس کی روشنی کبھی مدھم پڑے اور کوئی اجنبی میرے احساسات اور خیالات پر حکومت کرنے کا دعوے دار بن سکے —! میں شب انتظار کی تاریک راہوں کو اپنے وفا کی قندیلوں سے روشن کر دوں گی۔ میں آپ کا انتظار کروں گی چاہے وہ انتظار کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو۔ زندگی کے اس سفر کے آخری موڑ تک —— اور اس کے بعد بھی میری پیاسی رُوح آپ کی منتظر رہے گی ——" تم نے میرے سینے سے لگ کر میرے دل کے بوجھ کو ہلکا کر دیا تھا۔

وہ شام بھی میری آنکھوں کے سامنے پردۂ سیمیں کی تصویروں کی طرح گھوم رہی ہے ——

سارے دن کی طویل مسافت طے کرنے کے بعد دُور اُفق میں آفتاب اپنی کرنوں کو سمیٹ رہا تھا۔ شفق کی سُرخی کسی عروس نو کی طرح ڈوبتے ہوئے سُورج کا سُنہرا ٹیکہ ماتھے پر لگائے ابھرتے ہوئے اندھیرے کے سایوں میں لاج سے چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ موسم بہت خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اُونچے اُونچے درختوں سے ٹکرا کر فضا میں عجیب سحر انگیز موسیقی بکھیر رہی تھیں۔ پرندے اپنے بسیروں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سُورج کی آخری کرن نے برگد کی سب سے اُونچی شاخ کو چُوم کر شب بخیر کہا۔ درختوں کے سائے شام کی تاریکی میں ضم ہو گئے۔ اُنھوں نے اپنا وجود کھو دیا۔ تم تنہا

نگاس پر چنبیلی کی بیل تلے دکٹوریہ کے مرمریں مجسمے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ میں بھی تمہارے پاس بیٹھا تھا۔ تمہارے جسم سے پھوٹنے والی مدہوش کن خوشبو مجھے مدہوش بنا رہی تھی۔ مدہوشی و خود فراموشی کا وہ سرشار لمحہ کاش! ابدی ہوتا!

میں سوچ رہا تھا کاش! وقت کا دھارا رک جائے۔ زمین اپنے اپنے محور پر گردش کرنا بند کر دے۔ میں اُن حسین لمحوں کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کاش! خوش آئند لمحے ابدی ہو جائیں۔ یہ لمحے ہمارے وجود کا ایک حصّہ بن جائیں۔

کیا سوچ رہی ہو؟ میں نے تمہارا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دباتے ہوئے پوچھا تھا۔

میں سوچ رہی ہوں جس دل کو دھڑکنے کے لیے سترہ سال تک میں نے اپنے سینے میں جگہ دی جس کے ہر طرح کے ناز اُٹھائے، جس کے ہر جا و بے جا حکم کی تعمیل کی اُسی پر میرا کوئی اختیار نہ ہُوا، کوئی حق نہ ہُوا۔ وہ ایک ہی نظر میں آپ کا ہو گیا — !' یہ کہتے ہوئے تمہارا چہرہ گلنار ہو گیا تھا، تمہارے صبیح رخسار شفق گوں ہو گئے تھے۔

''میرا دل بھی تو اب تمہارا ہو چکا ہے —'، میں نے تمہاری عنبریں زلفوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا۔ میرا دل اب تمہارے لئے دھڑکے گا اور تمہارا میرے لئے۔ اِن کی دھڑکنوں کا ہم آہنگ ہونا ہی ہمارا مقصدِ حیات ہو گا۔ اِن کی ہم آہنگی سے نکلا ہُوا ترنم ہی ہماری زندگی کا حاصل ہو گا۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی دھڑکن رک جانے پر دوسرے کا وجود فنا ہو جائے گا...... بولو ہو جائے گا نا......!' تم میرے سینے سے لگ گئیں۔ ہمارے دلوں کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہو گئیں — تمہاری سانسو کے زیر و بم سے نکلی ہوئی آگ میرے سارے وجود میں پھیل گئی تھی اور میرا رُواں رُواں جلنے لگا تھا۔

وہ دن مجھے اب بھی یاد ہے، جب میں مستقبل کے حسین خواب اپنی پلکوں پر سجائے تن تنہا منزل کی طرف گامزن تھا اور تم اچانک بہار کا پیغام بن کر میری ویران زندگی میں داخل ہو گئی تھیں۔ تمہارا قرب پا کر میری روح گنگنانے لگی تھی ؎

زندگی بھی مری افسانۂ رنگیں بن جائے
تم سا عنواں جو کوئی میری نظر سے گزرے

تم پاکستان سے اپنے والدین اور چھوٹے بھائی بہنوں کے ساتھ ہندوستان آئی تھیں۔

میں یونیورسٹی سے حسبِ معمول چار بجے واپس ہُوا تھا تو گھر میں غیر معمولی چہل پہل نظر آئی تھی۔ کچھ اجنبی چہرے نظر آئے تھے۔ امّی نے پوچھنے پر بتایا تھا کہ اُن کی رشتے کی بہن پاکستان سے ہندوستان آئی ہیں۔

جب میں اپنے کمرے میں گنگناتا ہوا داخل ہُوا تو تم دروازے کی طرف پشت کئے ہوئے صوفے پر بیٹھی تھیں۔ میں دروازہ ہی پر ٹھٹک گیا تھا۔ تم نے میری آہٹ سنکر چونک کر میری طرف دیکھا تھا۔ گھبرا کر تم اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ تمہارا چہرہ گلنار ہو گیا تھا۔ تمھیں دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہُوا قدرت کی ساری رنگینیاں اور رعنائیاں تمہارے پیکر میں سمٹ آئی ہیں! تم کیٹس کی نظم کی طرح حسین تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا عمر خیام کی رباعیوں نے انسانی پیکر کا روپ دھار لیا ہو — بچپن جوانی سے گلے مل کر رخصت ہو رہا تھا۔ تمہاری شوخ آنکھوں میں حیا کی جھلک صاف مترشح تھی۔ اُن کی گہرائیوں میں ڈوب کر اُبھرنے کو جی نہ چاہ رہا تھا۔ میری البم جس کے تم اوراق پلٹ رہی تھیں، ہاتھوں سے چھوٹ کر فرش پر گر گئی تھی۔ تم شرم و حیا کی تصویر بن گئی تھیں۔

میں مجسمۂ حیرت بنا دروازے پر کھڑا تمھیں دیکھ رہا تھا — سرو قد، متناسب بدن، میدہ کی طرح دھلا ہوا رنگ سیمیں کلائیاں، سیاہ گھنی پلکوں کے درمیان کالی کالی آنکھیں۔

''بیٹھئے۔ بیٹھئے —'' میرے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

''جی — وہ یونہی — ذرا بور ہو رہی تھی بس۔ اِس لئے—!'' دھنا میں جلترنگ بج اُٹھے۔

'البم دیکھ رہی تھیں —! ارے بھئی دیکھئے نا، میں کب منع کر رہا ہوں —'، میں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔

'جی ٹھیک ہے—'، اور تم نظریں جھکائے ہوئے باہر جانے لگی تھیں

'ارے آپ پوری البم نہ دیکھیں گی؟' میں نے تمھیں روکنا چاہا تھا۔

'دیکھ لی ہے'، تم دروازے کے پاس پہنچ گئی تھیں

'سنئے! آپ کا نام کیا ہے؟' نہ جانے کیسے منہ سے نکل گیا۔

'شبنم...'، تم نے میری طرف دیکھ کر نظریں جھکا کر جواب دیا تھا اور خوشبو کے جھونکے کی طرح میرے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی شیریں نغمہ گونجا ہو۔ آسمان پر قوسِ قزح لہرا کر

غائب ہوگئی ہو ۔

چند ہی دنوں میں تم میرے بہت قریب آگئی تھیں ۔ فاصلے قربت میں بدل چکے تھے ۔ اجنبیت، اپنائیت میں تبدیل ہو چکی تھی ۔ اب تو میرے دل کی دھڑکن میرے لبوں کی تھرتھراہٹ، میرا سکون سب کچھ ہی تم تھیں ۔ کبھی کبھی جدائی کے خیالات سے طبیعت اداس ہو جاتی تھی ۔ لیکن جوانی کی تند اور تیز موجیں مستقبل کا خیال کب کرتی ہیں ؟

ایک دن امی اور خالہ کی باتوں سے ظاہر ہو جانے پر کہ انھوں نے میرے لئے خالہ سے تم کو مانگ لیا ہے، میں احساس کی جنت میں کھو گیا تھا ۔ میں نے تم سے کہا تھا، فائنل کا امتحان پورا کرتے ہی میں جلد از جلد تمھارے پاس آجاؤں گا ۔ تم نے کہا تھا میں انتظار کروں گی ! میری آنکھیں آپ کے لئے فرش راہ بنی رہیں گی !

وقت کا دھارا بہتا رہا اور ایک دن تم مجھے چھوڑ کر واپس چلی گئیں ۔ تمہارے آنے سے پہلے میں تنہا تھا ؟ اب تو تمہارے ساتھ بیتے ہوئے حسین لمحات کی حسین یاد میرے ساتھ تھی ۔

چند مہینوں تک تمہارے خطوط برابر آتے رہے اور تمھاری وفا کا یقین دلاتے رہے ۔ ہر خط میں تم اصرار کر رہی تھیں کہ جس قدر جلد ممکن ہو پاسپورٹ بنوا کر میں تمھارے پاس چلا آؤں ۔ میں جواب میں تمہیں ضبط کی تلقین کرتا رہا ۔ حالانکہ خود میرے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا ۔

اور پھر ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چھڑ گئی ۔ اور وہ ۔ جنگ ! جس کا تصور ہی بھیانک ہے، جس کا انجام تباہ کاری ہے ۔ جو ملکوں کو تباہ کر دیتی ہے ۔ جس کے خوفناک شعلے انسانیت، ہمدردی اور محبت کے جذبوں کو فنا کر دیتے ہیں ۔

جنگ نے میری محبت پر بھی اپنی منحوس پرچھائیں ڈال دی ۔ اب تو خطوط کا آنا جانا بھی بند ہو گیا تھا ۔ میں نے امریکہ کے اپنے ایک دوست کے توسط سے تمہیں کئی خط لکھے جن میں جن کے جواب موصول ہوئے تم ہر خط میں بے چینی اور پریشانی کا اظہار کر رہی تھیں ۔ تمہارے ہاتھوں سے ضبط کا دامن چھوٹا جا رہا تھا ۔ دو سال کا عرصہ بیت گیا ۔ وقت بڑھتا گیا اور خط کم ہوتے گئے ۔۔

میں نے جدائی کا غم اس لیے برداشت کیا تھا کہ دیرینہ ہی سہی، فراق کی ان گھڑیوں کا ماحصل تم تھیں ۔ میں نے سوچا تھا کہ یہ وقتی جدائی ہے ۔ لیکن ہم تو ان ناتواں تنکوں کی طرح تھے جنھیں موجوں کی روانی نے چند لمحوں کے لئے یکجا کر دیا تھا اور وقت کے سیلاب نے ایک کو اٹھا کر ساحل کی طرف پھینک دیا اور دوسرے کو بے رحم موجوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ۔ بیتے دنوں کی یادیں بھی کتنی جان لیوا کتنی پر کیف ہوتی ہیں ۔ اُن میں عجیب سی لذت ہوتی ہے ۔ جس میں غم اور خوشی دونوں کی آمیزش ہوتی ہے ۔ کون کہتا ہے گزرے ہوئے لمحات واپس نہیں آتے ۔ میں تو جب اُنھیں یاد کرتا ہوں وہ آ آ کر میری پیاسی روح کی تشنگی کو کم کرنے کی ناکام سعی کرتے ہیں یہی ماضی ہی تو میرا کل سرمایہ ہے، تمام کائنات ہے جس کی لاش میں اپنے ناتواں کندھوں پر اُٹھائے ہوئے غم اور فراق کے اس وسیع ریگستان کو عبور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں ۔ اس سفر میں میرے پاس احساس میں جو ہے بہت سے آبلے پڑ گئے ہیں جن میں ایک ٹیس ہوتی ہے، ایک جلن ہوتی ہے، ایک درد ہوتا ہے اور جب درد کی شدت سے تڑپ کر میں کسی مرحلے پر رکتا ہوں تو تنہائی میں تمھاری یاد چپکے سے ذہن کے دریچوں میں داخل ہوتی ہے اور پھر گرم گرم نمکین قطروں کا روپ دھار کر آنکھوں کے راستے باہر نکل پڑتی ہے ۔ میں نے تمھاری عنبریں زلفوں کو اپنے سفر کی شب تصور کیا تھا اور اکثر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اُن کی چھاؤں میں سکون کی نیند لی تھی ۔ لیکن مجھے پتہ نہ تھا کہ اُس کے بغیر میری ساری زندگی کی نیندیں حرام ہو جائیں گی ۔ مجھے خبر نہ تھی کہ محبت کے جو پھول میں نے اپنی ویران زندگی میں کھلائے ہیں وہ کانٹے بن جائیں گے ۔ تم تو خوابوں کی مانند تھیں اور میں اُنہیں خوابوں کا متلاشی تھا ۔ لیکن مجھے خبر نہ تھی کہ میری پلکوں پر پلے یہ حسین خواب جب حقیقت کی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرائیں گے تو چکنا چور ہو جائیں گے اور ان کی کرچیں میری روح کو زخمی کر دیں گی، لہولہان کر دیں گی

کچھ دنوں پہلے میں نے تمہیں خط میں لکھا تھا کہ میری محبت کی راہیں تمہارے نازک قدموں کی آہٹ کو ترس گئی ہیں، آؤ اور ان پر اپنے نقش پا چھوڑ دو جو میرے دل سے گزر کر میرے وجود میں ضم ہو جائیں میری بے چین روح قفس کے قیدی کی طرح تم سے ملنے کے لئے پھڑپھڑا رہی ہے ۔ امریکہ کے اُنہیں دوست کے توسط سے جن کے ذریعہ میں اب تک

تمہیں خط لکھ رہا ہوں، جواب میں تمہارا یہ سفید لفافہ آیا ہے اور اس میں میری میز پر پڑا ہوا یہ سرخ پرچہ تھا - میری نگاہیں اس پرچے پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس پرچے کا رنگ میری محبت کے خون سے رنگا ہوا ہے اور یہ لفافہ میرے پیار کا کفن بن کر اُس کی میت کے ثبوت کے طور پر آیا ہے - تم نے لکھا ہے ——

"فراق کی جو جان لیوا راتیں میں نے اس اُمید میں گزاریں کہ خوشیوں کی کرنیں کبھی تو اُن کے دامن چاک کریں گی —— کبھی تو تاریک رات کی سحر ہوگی - زمانے کی نگاہوں سے میں نے اپنی عمر اور اُس کے تقاضے کو جہاں تک ہو سکا چھپائے رکھا —— لیکن ماں باپ کی ضد کے آگے ہار گئی ہوں —— ہاں، میں بے وفا ہوں —— لڑکی جو ہوں —— ماں باپ کے اُوپر بوجھ جو ہوں —— ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا - چند دنوں بعد میری رخصتی ہے —— !"

بدنصیب
شبنم"

اب تک اس خط کو میں اتنی بار پڑھ چکا ہوں کہ اس کا ایک ایک لفظ آنسوؤں سے دھل گیا ہے، تحریر نا قابلِ فہم ہو چکی ہے —— میں یادوں کے سمن زاروں میں کھو گیا ہوں —— !!

——————

عورتوں کیلئے



مغرب زدہ لڑکیاں

انھوں نے تعلیم کا مقصد غیر ضروری آزادی سمجھ رکھا ہے

(از زبیدہ سلطان صاحبہ دہلوی)

ڈاکٹر اقبال کو خدا غریق رحمت کرے اُنھوں نے زمانہ حاضرہ کی لڑکیوں کی اندھی آزادی کے بارے میں بالکل درست کہا تھا۔

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ۔ ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین ۔ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

لیجئے اب پردہ بھی اٹھ چکا ہے ۔ ایک نیا سین ہمارے سامنے ہے اور ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں اس پر حیران و پریشان ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ بڑا ہی پیچیدہ بن گیا ہے ۔ اگر انہیں تعلیم نہیں دی جاتی ہے تو اس کے خطرناک نتائج ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں ۔

تعلیم بڑی اچھی چیز ہے ۔ اس کے بغیر نہ زندگی میں کوئی کیف ہے اور نہ لطف لیکن جب میں موجودہ تعلیم کا یہ اثر دیکھتی ہوں کہ اس تعلیم کو حاصل کرنے کے بعد اکثر و بیشتر لڑکیاں ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں اُن کے دیدے جاتے ہو جاتے ہیں گھر کے کام کاج سے انہیں دلچسپی باقی نہیں رہتی ۔ پارکوں میں گھومتی پھرتی ہیں ۔ اور سینما گھروں کی زہریلی فضا میں سانس لینا گھروں کی پاکیزہ فضا سے بہتر سمجھنے لگتی ہیں تو یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد میں سوچتی ہوں کہ ایسی غلط تعلیم سے تو اللہ محفوظ ہی رکھے ۔

ایک لڑکی سے میں بخوبی واقف ہوں میں نے اُس کا بچپن بھی دیکھا ہے اور اب اس کی جوانی بھی دیکھ رہی ہوں ۔ یہ بہت اچھے خاندان کی لڑکی ہے ۔ اور اُس نے چونکہ ایک تعلیم یافتہ اور مہذب گھرانے میں پرورش پائی ہے اس لئے یہ تعلیم سے بے بہرہ کیونکر رہ سکتی تھی ۔ مگر یہ لڑکی جب تک اسکول میں تعلیم حاصل کرتی رہی اُس میں کوئی خرابی اور لغزش پیدا نہیں ہوئی لیکن ہائر سکنڈری کے بعد جب سے اُس نے کالج کی فضا میں قدم رکھا ہے یہ بڑی حد تک بدل گئی ہے ۔

دہلی میں دشواری یہ ہے کہ یہاں زیادہ تر لڑکیوں کو مجبوراً ایسے کالجوں میں داخلہ لینا پڑتا ہے جہاں لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں ۔ کیونکہ یہاں لڑکیوں کے کالجوں کی کمی ہے ۔ لڑکوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے اس کا حجاب تقریباً اٹھ گیا ہے ۔ اور کالج کے لڑکوں کے ساتھ اس کا میل جول بڑھتا چلا جا رہا ہے ۔ اگرچہ میں اس لڑکی کے چال چلن کے بارے میں کوئی بری رائے نہیں رکھتی ۔ لیکن اسکی کیا ضمانت ہے کہ جو لڑکی اچھے برے نوجوانوں کے ساتھ نتائج کی پرواہ کئے بغیر اپنا وقت گزارتی ہو کبھی اُس سے لغزش ہونہ ہی نہیں ۔ غرضکہ کالج کی ملی جلی تعلیم نے اس لڑکی میں غیر معمولی آزادی کی روش پیدا کر دی ہے جو آگے چل کر خطرناک بھی ثابت ہو سکتی ہے ۔

یہ لڑکی اگرچہ پڑھی لکھی ہے اور صورت شکل کی بھی بری نہیں ہے لیکن اس کے والدین اس کی طرف سے فکرمند رہنے لگے ہیں ۔ کیونکہ کافی عمر ہونے کے باوجود کوئی بھی بھلا گھرانا اس لڑکی کے لئے پیغام دینے کے لئے تیار نہیں جو کوئی بھی ایسے حالات سنتا ہے کانوں پر ہاتھ دھر لیتا ہے ۔ اور کہہ دیتا ہے کہ ہمارے گھر میں ایسی لڑکی کا نباہ کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ بات کچھ غلط بھی نہیں ہے ۔ بھلا جو لڑکی کنوارپنے میں غیروں کے ساتھ گھومنے اور تفریح کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتی ہو اُس سے یہ کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی بھلے گھر میں جا کر اچھی بہو، فرض شناس بیوی اور اچھی ماں ثابت ہو سکے گی ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی بھلا گھر اُسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے ۔ تو پھر اُس کا انجام کیا ہوگا ۔ کیا یہ نوکریاں کر کے اپنی زندگی گزارے گی ۔ اگر اس نے ایسا کر بھی لیا تو زندگی کا کیا لطف اٹھائے گی ۔

عموماً ایسی لڑکیوں کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ آگے چل کر خود ہی اپنی مرضی سے شادیاں کر لیتی ہیں ۔ اور یہ شادیاں چونکہ عموماً عشق و عاشق

کا نتیجہ ہوتی ہیں اس لئے مشکل ہی سے کامیاب ثابت ہوتی ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ عشق کا جوش جو دراصل جوانی کا جوش ہوتا ہے چند روز ہی میں ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور اس کے بعد گھریلو زندگی میں بد مزگیاں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ مختصر یہ کہ ایسی آزاد پسند لڑکیوں کی زندگیاں عام طور پر ناکام اور بے کیف ثابت ہوتی ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ملک کے کالجوں میں لڑکے اور لڑکیوں کو جو تعلیم دی جا رہی ہے وہ نہایت ہی ناقص ہے اس تعلیم سے نہ اخلاق پر اچھا اثر پڑتا ہے اور نہ تربیت پر یہ ساری تعلیم مغرب کی کورانہ تقلید ہے۔ چنانچہ اس ناقص تعلیم کے بعد جو گل مغربی ملکوں میں کھل رہے ہیں وہ ہی ہندوستان اور پاکستان میں بھی کھلنے شروع ہو گئے ہیں۔ پھر لڑکے اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کے طفیل میں آئے دن بڑے بڑے فتنے برپا ہوتے رہتے ہیں غرضکہ لڑکیوں کی تعلیم میں بڑی ہی دشواریاں پیدا ہو گئی ہیں

اس طویل سرگزشت کے بعد جو بات میں اپنے بھائیوں اور بہنوں سے کہنا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ اگر لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلانی ہے تو انہیں لڑکیوں ہی کے کالجوں میں داخل کرنے کی کوشش کی جائے۔ جہاں تک اسکول کی تعلیم کا تعلق ہے اس میں تو کوئی دشواری ہے نہیں کیونکہ تمام چھوٹے بڑے شہروں یہاں تک کہ قصبوں میں بھی لڑکیوں کے لئے ہر جگہ زنانہ اسکول موجود ہیں لیکن کالج کی تعلیم میں یہ دشواری ہے کہ زنانہ کالجوں کی کمی کی بنا پر لڑکیوں کو مجبوراً لڑکوں کے کالجوں میں لڑکوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرنی پڑتی ہے جس کا عام طور پر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ لڑکیوں میں آزادروی بڑھ جاتی ہے جو بعد کو مضر ثابت ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ ہم نے اپنی لڑکیوں کو مذہبی اور اخلاقی تعلیم دینی قطعی بند کر دی ہے حالانکہ لڑکیوں ہی کے لئے نہیں بلکہ لڑکوں کے لئے بھی مذہبی اور اخلاقی تعلیم نہایت ضروری ہے اور یہ تعلیم گھروں پر ہی دی جا سکتی ہے۔ لڑکیوں کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ برے ماحول میں رہنے کے باوجود بھی اخلاقی لغزشوں سے بڑی حد تک محفوظ ہو جاتی ہیں۔

میں لڑکیوں کی تعلیم کی بہت بڑی حامی ہوں لیکن ایسی تعلیم جو انہیں چراغ خانہ کی بجائے شمع محفل بنا دے اس کی میں شدید مخالف ہوں۔



افسانہ



یہ دنیا ہے

جذبات میں ڈوبی ہوئی ایک کہانی

(از مہر پروین صاحبہ)

''ایسا نہیں ہو سکتا'' پرمدا نے خود سے کہا ''میرا روی مجھے اس طرح نہیں چھوڑ سکتا''

اس نے روی کی تصویر نکالی مسکراتا ہوا بھولا بھالا مکھڑا۔ بڑی بڑی محبت بھری آنکھیں۔

روی کی تصویر دیکھتے ہوئے اُس کے کانوں میں جیسے بتاجی کی صبح کی کہی ہوئی باتوں کی آواز آنے لگی۔

''اس کی نسبت کسی ڈپٹی کلکٹر کی لڑکی سے ہو رہی ہے۔ اس لئے وہ دسہرے کی چھٹیوں میں ہر سال کی طرح اب کے یہاں نہیں آیا''

''روی'' پرمدا نے چلا کر کہا ''کیا تم مجھے بھول گئے۔ کیا تم اپنی پرمدا کو ٹھکرا رہے ہو''؟

روی کے تصور میں وہ کھو گئی روی کی محبت کے واقعات ایک ایک کر کے اُسے یاد آنے لگے۔

روی بتاجی کے ایک گہرے دوست کا لڑکا تھا وہ تعلیم حاصل کرنے آیا ہوا تھا۔ کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ رہنے سہنے کا انتظام پرمدا کے یہاں ہو گیا تھا۔ روی کی باتیں ایسی میٹھی اور دلکش ہوتی تھیں کہ وہ اُن سے ہر ایک کو اپنا بنا لیتا تھا۔ اُس نے پرمدا کو بھی اپنا بنا لیا۔

ایک دفعہ روی بیمار پڑ گیا۔ پرمدا دن رات اس کی تیمارداری کرتی رہی۔ جب وہ اچھا ہونے لگا — تو

ایک دن

پرمدا کے ہاتھ سے دوا پی کر اُس نے پرمدا کی طرف مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھا ''تم مجھے زندہ رکھنا چاہتی ہو''

پرمدا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور نہ جانے اس نے سر جھکا لیا۔ ''تمہارے اس قرض کو جو میرے ذمہ ہوتا جا رہا ہے میں زندگی بھر نہ چکا سکوں گا''

''آپ اس کو قرض نہ سمجھیں''

''ہاں یہ قرض سے بڑھ کر ہے۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ تم کو اپنی زندگی دے دوں''

پرمدا شرما گئی اُس نے آنکھیں نیچی کر لیں۔

روی کہتا رہا ''جی چاہتا ہے کہ اپنی زندگی کو تمہارے قدموں میں بکھیر دوں۔ تم اس حقیر نذر کو قبول کر لو گی''

پرمدا کے سینے میں جیسے یہ تمنا لہرانے لگی۔ کہ روی اسی طرح بولتا رہے ایسی ہی باتیں کرتا رہے اور وہ اپنے سینے پہ اس کا چہرہ رکھ کر کہہ دے ''ہم تو پہلے ہی دل تمہیں دے چکے ہیں''

شاید روی نے اس کے چہرے کی تمتماہٹ اور آنکھوں کے شرمیلے پن کا اندازہ لگا لیا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اُس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر پرمدا کا ہاتھ تھام لیا۔ پرمدا کو ایسا معلوم ہوا گویا اس کا جسم بے جان ہوتا چلا جا رہا ہے جیسے وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ گرنے کو ہے روی نے اُسے اپنی باہوں میں اپنے سینے پر سنبھال لیا۔ خبر نہیں کب تک وہ روی کے سینے سے لگی پڑی رہی۔ پھر جب اُس نے آنکھیں کھولیں تو وہ روی کی مدھ بھری بڑی بڑی آنکھوں کے نظاروں میں جیسے ڈوب گئی مگر جب اسے کچھ دھیان آیا تو اٹھ کر وہاں سے بھاگ آئی۔

اس کے بعد پانچ چار دن تک وہ روی کے سامنے نہیں آئی نوکر کے ذریعہ اس کے کھانے پینے اور دوا دارو کا انتظام کرتی رہی مگر سامنے پڑتے ہوئے شرم آتی۔

روی نے نوکر کے ذریعے اسے ایک خط بھیجا۔ اس میں لکھا تھا۔

"میری رانی۔ تمہیں کیسے بتاؤں کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہے، اگر تم کو مجھ سے دور ہی رہنا ہے تو مجھے تندرست کیوں کر رہی ہو کیوں نہیں مجھے اسی مرض میں مر جانے دیتیں۔ اس دن کے واقعہ کا تم پر کیا اثر پڑا ہے۔ تم آئیں نہیں معلوم نہیں کیوں ؟ کیا تم ناراض ہو گئی ہو۔ سنتا ہوں پریم کی آگ ایک ہی طرف نہیں دونوں طرف لگتی ہے۔ مگر کیا خبر تمہارے دل میں بھی میری محبت ہے یا نہیں۔ رانی۔ تم کو دیکھے بغیر زندگی بے رس معلوم ہو رہی ہے۔ کبھی کبھی صورت تو دکھا دیا کرو۔"

پدما نے خط کو کئی بار پڑھا۔ پھر کمرہ بند کر کے جواب لکھنے بیٹھ گئی کئی مرتبہ خط کا جواب لکھا مگر پھاڑ کر پھینک دیا۔ جو دلی کیفیت ظاہر کرنا چاہتی تھی۔ وہ لفظوں میں ظاہر نہ کر پاتی تھی آخر اس نے خط کا جواب خط کے ذریعہ دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے نہا دھو کر اپنی سب سے اچھی ساڑی پہنی اور پوری طرح سنگھار کر کے اس کمرے کے دروازے پر پہنچی۔ جس میں روی رہتا تھا۔ ایک کاغذ کی گولی بنا کر اس نے کواڑوں کی جھری میں سے روی پر پھینکی۔ روی نے فوراً دروازے کی طرف دیکھا۔ مسکراتی ہوئی پدما کواڑوں کی اوٹ میں ہو گئی۔ پھر ایک لمحہ بعد اوٹ سے نکل کر سامنے جا کھڑی ہوئی۔

روی نے مسکراتے ہوئے ہونٹوں اور مسکراتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ کر کہا "ایسے ہی درشن دے دیا کرو" مسکراتی، دھڑکتے ہوئے دل کو سنبھالتی ہوئی پدما واپس چلی آئی۔

روی امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی ماں مر چکی تھی۔ گھر پر صرف پتا جی تھے۔ اب اسے نوکری کی تلاش تھی۔

ایک دن شام۔

وہ پدما کی ماتا جی سے باتیں کر رہا تھا پدما اپنے کمرے سے باتیں سن رہی تھی۔

"بیٹا آج صبح سے نہیں دکھائی دیئے۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"اب مجھے نوکری کی تلاش ہے نا۔ اسی سلسلے میں گیا تھا"

"ہاں۔ اب نوکری مل جائے تو تو بھرے آئے" ماتا جی نے کہا۔

روی نے مسکرا کر پدما کی طرف دیکھا۔ پدما نے شرما کر سر جھکا لیا۔ جب ماں وہاں سے چلی گئی تو روی نے کہا۔ "ماں بات تو ٹھیک کہتی ہے۔ اب نوکری ملنے کے بعد میں الگ گھر بساؤں گا تو مجھے تمہاری سخت ضرورت پڑے گی۔ کھانا وانا کون کرے گا؟"

"تم کھانا یہاں کھا لیا کرنا"

"اور اگر ایسا نہ کروں تو تم کو روز میرے گھر آ کر کھانا تیار کرنا پڑا کرے گا یا پھر میری بہو بننا پڑے گا"

"اور جو میں دونوں باتیں نہ کروں"

"کروگی کیسے نہیں۔ میں تم سے زبردستی کرا لوں گا"

دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"نوکری مل گئی" روی نے پدما کے پاس آ کر کہا۔ وہ خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا۔

"کہاں" پدما نے خوش ہو کر پوچھا۔

"لکھنؤ میں"

"لکھنؤ میں" پدما کا دل جیسے بیٹھنے لگا۔

"اس میں دکھی ہونے کی کیا بات ہے" روی بولا "اب تو تم کو خوش ہونا چاہیے جس دن کا ہم تم کو انتظار تھا۔ اب وہ آ جائے گا۔ میں یہاں سے جاتے ہی تمہارے پتا جی کو خط لکھوں گا اور اس خط میں ان سے درخواست کروں گا کہ تمہاری شادی میرے ساتھ کر دیں

تم بھی ماتا جی سے کہنا۔ پھر ہم تم ایک ہو جائیں گے۔"

"کب جاؤ گے تم؟"

"پہلی تاریخ کو۔"

جس دن روی جا رہا تھا۔ پرملا سارے وقت چھپ چھپ کر روتی رہی۔ روی کے چلے جانے کے بعد وہ ہر وقت اداس رہنے لگی۔ وہ روز روی کے خط کا انتظار کرتی۔ روی نے چلتے وقت کہا تھا کہ لکھنؤ پہنچتے ہی ٹھکانے سے بیٹھتے ہی میں تم کو خط لکھوں گا۔

جب چھ دن تک روی کا خط نہ آیا تو پرملا کے دل میں بے کلی پیدا ہو گئی۔ کیا روی مجھکو بھول گیا۔ نہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا روی دل سے مجھے پریم کرتا ہے وہ مجھے کبھی نہیں بھول سکتا پھر اس نے فیصلہ کیا۔ میں خود روی کو خط لکھوں۔ مگر میرے پاس اس کا پتہ کہاں ہے یہ سوچ کر پرملا اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو گئی اتنے میں نوکر نے ایک خط لاکر دیا۔ خط روی کا تھا۔ پرملا کے نام پرملا کا دل خوشی سے اچھلنے لگا اس نے کمرہ بند کر لیا اور تنہائی میں بیٹھ کر خط پڑھنے لگی۔ ایک دفعہ پڑھا۔ دوسری دفعہ پڑھا۔ مگر اطمینان اب بھی نہ ہوا سو وہ چاہتی تھی کہ وہ اس خط کو بار بار پڑھتی ہی رہے۔

روی نے لکھا تھا۔ تم بن زندگی بے رس معلوم ہو رہی ہے۔ جی چاہتا ہے نوکری چھوڑ کر تمہارے پاس چلا آؤں۔ اپنے اسی پرانے کمرے میں رہنے لگوں اور اپنی پرانوں سے پیاری پرملا کو دیکھا کروں

پرملا یہ خط پڑھ کر سب کچھ بھول گئی۔ اس نے خط کو کئی بار ہونٹوں اور سینے سے لگایا اور پھر اسے بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے ٹرنک میں رکھ لیا

دسہرے کی چھٹیاں ہوئیں تو روی اپنے پتا جی کے پاس صرف دو دن رہ کر پرملا کے یہاں آگیا۔ وہ اپنے اسی پرانے کمرے میں ٹھہرا اور پرملا سے روز میٹھی میٹھی باتیں کر کے اس کے دل کو اور بھی زیادہ اپنی محبت کے بندھن میں جکڑتا چلا گیا۔

ان گذشتہ واقعات کا تصور کرتے ہوئے پرملا نے روی کی تصویر کو اپنے چہرے کے قریب لاکر اس سے پوچھا کیا تم اتنی "بڑے" ہو کہ مجھے چھوڑ دو گے۔ ایک سال گذر گیا جب تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم پتا جی سے مجھے مانگ لو گے

پھر تم نے کہا کہ ابھی میں سوچا کرتا کر لوں پھر شادی کروں گا۔ مگر اب پتا جی خود تم سے ملنے گئے تو یہ بری خبر لے کر آئے ہیں کہ تم ایک امیر گھرانے میں ایک بہت بڑے آدمی کی لڑکی سے شادی کر رہے ہو اور تم نے مجھے ٹھکرا دیا۔

پرملا اٹھکر بیقراری کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وہ بار بار خود سے کہہ رہی تھی۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔

پرملا کے پتا اُس کی ماں سے کہہ رہے تھے" دنیا میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ میں نے پرملا کا دل دکھنے کے خیال سے پوری بات نہیں بتائی۔ روی کی تو آج شادی ہو رہی ہو گی دیکھو یہ ہے شادی کا رقعہ جو اس نے مجھے دیا تھا۔

کئی برس بعد ــــــ

پرملا اپنے شوہر کے ساتھ سڑک پر جا رہی تھی۔ اس نے دیکھا پٹری کے قریب جو چمکتی دمکتی موٹر آن کر رکی اس میں سے روی اترا۔ اس کا دل بے قرار ہو گیا۔ روی موٹر سے اتر کر سامنے کی دوکان میں جانے لگا۔ اس کے جسم پر ایک بڑھیا کپڑے کا سوٹ تھا۔ پرملا کو ایسا معلوم ہوا گویا اس نے پرملا کو دیکھا مگر ایسا بن گیا جیسے نہیں دیکھا جو عورت موٹر سے اس کے پیچھے اتری تھی وہ روی کے برابر آگئی۔

"ڈارلنگ" کہکر اس نے روی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالدیا۔ اور روی مسکراتا ہوا اس کے ساتھ دوکان کے اندر چلا گیا۔

پرملا کا دل جیسے رو رو کر کہہ رہا تھا ایسا بھی ہوتا۔ یہ دنیا ہے۔

حسن و عشق سے لبریز تاریخی افسانوں کا مجموعہ

بہادر شاہ کی کنیز

(از جناب مائل ملیح آبادی)

وہ مریم نام کی ایک خوش جمال پرتگیزی حسینہ تھی جو گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ گجراتی کے حرم میں بطور کنیز داخل ہوئی تھی مگر بادشاہ کو اس نے ایسا دیوانہ بنایا کہ اس نے اس ناگن کے قدموں پر اپنی ساری سلطنت قربان کر دی اسی افسانے کے علاوہ اس کتاب میں

دوسرے دلگداز افسانے بھی موجود ہیں

اس مجموعہ میں یہ افسانے درج ہیں (۱) بہادر شاہ کی کنیز (۲) ہمایوں کی بہن (۳) گل بہشت (۴) پیکر انصاف (۵) بغداد کی حسینہ (۶) جو دھابائی (۷) روپ متی (۸) جواں بخت (۹) جنبرت کی چنگاری (۱۰) نسلی غرور (۱۱) موتیوں میں آب ہے

اس مجموعہ کے تمام افسانے تاریخی ہیں اور ہر افسانہ اپنی جگہ شاہکار ہے۔ کتاب و طباعت عمدہ ٹائٹل رنگین اور باتصویر مجلد مع خوشنما ڈسٹ کور۔

قیمت تین روپے پچاس پیسے

شاہی حرم سرا کی داستان افسانوں کی شکل میں

دارا شکوہ کی رقاصہ

(از جناب مائل ملیح آبادی)

وہ مغل عہد دارا شکوہ کی وفادار رقاصہ تھی جب شہنشاہ اورنگزیب نے دارا شکوہ کو قتل کرا دیا اور شہزادہ مراد نے اسے اپنے آغوش کی زینت بنانا چاہا تو اس نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا۔ وہ وفا اور محبت کی جیتی جاگتی تصویر تھی جس کی داستان بڑی دلگداز ہے

یہ بارہ تاریخی افسانے اس مجموعہ میں شامل ہیں

(۱) دارا شکوہ کی رقاصہ (۲) بھاگ متی (۳) شاہجہاں کا دل (۴) لالہ رنگ (۵) چتوڑ کی راجکماری (۶) بادشاہ کی پجارن (۷) محبت کا نذرانہ (۸) سر فروش مجاہد (۹) مصر کا چاند (۱۰) عشق صادق (۱۱) سپاہی کی محبوبہ (۱۲) اسپا پالی۔

اس مجموعہ کا ہر افسانہ نہ صرف تاریخی ہے بلکہ حسن و عشق کے جذبات میں ڈوبا ہوا ہے ٹائٹل رنگین اور باتصویر مجلد مع خوشنما ڈسٹ کور۔

قیمت تین روپے پچاس پیسے

سچے تاریخی افسانوں اور ڈراموں کا لاجواب مجموعہ

فرعون کا معاشقہ

(از مفتی شوکت علی فہمی)

یہ خدائی کے دعوے دار فرعون مصر کے عشق کی وہ دلگداز داستان ہے جب کہ فرعون کو ایک ٹھوکر لگی اور وہ ایک مظلوم قوم کی غریب لڑکی کے عشق میں اس بری طرح مبتلا ہوا کہ خدائی کے دعویدار فرعون نے اس لڑکی کے قدموں پر سر رکھ دیا اور اس کی ساری خدائی خاک میں مل گئی یہ اپنی نوعیت کا نہایت ہی دلولہ انگیز ڈرامہ ہے۔

ذیل کے تاریخی افسانے اور ڈرامے اس مجموعہ میں شامل ہیں

(۱) فرعون کا معاشقہ کے علاوہ جو دوسرے تاریخی ڈرامے اور افسانے اس مجموعہ میں شامل ہیں وہ یہ ہیں (۲) قلندر کی رقاصہ (۳) رستم و سہراب (۴) مہارانی کا دل (۵) حور مراکش (۶) اسپین کی شہزادی (۷) دشمنان توحید۔

ان لاجواب تاریخی ڈراموں اور افسانوں کے مطالعہ کے بعد آپ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے انداز تحریر بہت دلکش ٹائٹل رنگین

قیمت مجلد مع خوشنما ڈسٹ کور تین روپے پچاس پیسے

دین دنیا پبلشنگ کمپنی

شاعری سکھانے والی عجیب و غریب کتاب

آپ بھی اچھے شاعر بن سکتے ہیں

اس کے لیے کسی استاد کی ضرورت ہے نہ کسی خاص محنت کی صرف صحیح ذوق اور معمولی سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ چند روز کے اندر ہی آپ ایک کہنہ مشق شاعر کی طرح بہترین غزلیں اور بلند پایہ نظمیں لکھنے لگیں گے اس مقصد کیلئے زمانہ حاضرہ کی عجیب و غریب طلسمی کتاب "فن شاعری" کا مطالعہ کیجئے

فن شاعری بغیر استاد کے شاعری کی تعلیم دینے والی کتاب ہے جس کا کمال یہ ہے کہ کیسی ہی معمولی قابلیت کا آدمی کیوں نہ ہو اس کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اپنے اندر شعر کہنے کی غیر معمولی صلاحیت محسوس کرنے لگتا ہے یہ کتاب علم عروض کی مشکلات سے بالکل پاک ہے اس میں علم عروض کو بھی آسان طریقہ سے سمجھایا گیا ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے طریقے ایسے بتائے گئے ہیں کہ بڑی حد تک بحر اور جس وزن میں چاہو شعر کہو اور ان کی تقطیع کر لو۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ فن شاعری پر کافی عبور حاصل ہو جاتا ہے یہ اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے

قیمت دو روپے پچاس پیسے

دہلی ۶ جامع مسجد

بچوں میں اسلامی جوش پیدا کرنے والی کتابیں

(از مفتی شوکت علی فہمی)

کفر و الحاد کے موجودہ دور میں یہ بے نظیر کتابیں بچپن ہی سے مسلمان بچوں میں اسلامی جوش پیدا کر دیتی ہیں تاکہ آنے والی زندگی میں اُن کے قدم ہر قسم کی لغزشوں سے محفوظ رہیں۔ اِن آسان اور دلکش کتابوں کو بچے بڑے ذوق اور شوق سے پڑھتے ہیں اور غیر محسوس طریقہ پر کمسنی کی عمر ہی میں بچے قرآن، حدیث، اسلامی تاریخ اور بزرگانِ دین کے حالات سے بخوبی واقف ہو جاتے ہیں۔

قرآن کے سبق — اِس میں کلامِ الٰہی سے ایسی آیتوں کا ترجمہ آسان اُردو زبان میں دیا گیا ہے جنکے مطالعہ کے بعد بچے قرآنِ پاک کی نصیحت آموز باتوں سے بخوبی واقف ہو جاتے ہیں بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ایک روپیہ

قرآن کی کہانیاں — اس میں قرآن پاک کی اُن دلچسپ اور نصیحت آمیز قصوں کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے جن میں حکمت و عظمت کا سمندر چھپا ہوا ہے بچے ان پاکیزہ کہانیوں کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ قیمت ایک روپیہ

بچوں کی حدیث — احادیث کی مستند کتابوں سے اس میں رسول اللہ صلعم کی ان حدیثوں کا اردو ترجمہ دیا ہے جنکے مطالعہ سے بچوں کے اخلاق سدھر جاتے ہیں اور وہ نمازی بن جاتے ہیں۔ کتاب بے نظیر ہے قیمت ایک روپیہ

بچوں کی گلستاں — اس کتاب میں اردو زبان میں حضرت شیخ سعدیؒ کی فارسی گلستاں کے دلچسپ اور نصیحت آموز قصے بچوں کیلئے درج کئے گئے ہیں بیحد مفید اور دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ایک روپیہ

بچوں کی بوستاں — حضرت شیخ سعدیؒ کی بوستاں کے دلچسپ قصوں کو اس کتاب میں نہایت آسان اردو زبان میں بچوں کیلئے پیش کیا گیا ہے یہ کتاب اول سے آخر تک نصیحت آموز قصوں سے بھری ہوئی ہے قیمت ایک روپیہ

بچوں کیلئے اخلاقی کہانیاں — اس کتاب میں نہایت دلچسپ انداز میں ایسی اخلاقی کہانیاں درج کی گئی ہیں جنکے مطالعہ سے بچوں کی اخلاقی حالت خود بخود سنبھل جاتی ہے یہ کتاب بے حد دلچسپ ہے، قیمت ایک روپیہ

اسلامی عقائد، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے مسائل سے بھی مسلمان واقف نہیں

مسلمان بے دین ہوتے چلے جا رہے ہیں

آج کل کے مسلمانوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اسلام اور ایمان میں کیا فرق ہے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت میں کیا فرق ہے ایمان مجمل کیا ہے اور ایمان مفصل کیا ہے اور ایمان اور اسلام میں کن کن باتوں پر ماننا فرض ہے۔ زبان سے کون سے کلمے نکالنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے۔ فرض کیا ہے، سنت موکدہ کسے کہتے ہیں نفل کیا ہے واجب کیا ہے مباح کسے کہتے ہیں، حرام کیا ہے، مکروہ تحریمی کیا ہوتی ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد کیا ہیں، اسلام کے فرائض میں سے نماز کو کیا اہمیت حاصل ہے نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے روزہ اور زکوٰۃ کے مسائل کیا ہیں، حج کس طرح ادا کیا جاتا ہے۔ نکاح، طلاق، عقیقہ، تجہیز و تکفین و تدفین کے مسائل کیا ہیں۔ ان سب باتوں کا مفصل جواب "اسلامی ارکان" میں موجود ہے، یہ کتاب مستند اور ضخیم فقہ کی کتب کی روح ہے

اسلامی ارکان — آج کل کے تعلیم یافتہ گر اسلام سے ناواقف مسلمانوں کے لئے خاص طور پر یہ کتاب لکھی گئی ہے تاکہ کم سے کم وقت میں انھیں اسلامی ارکان سے پوری واقفیت ہو جائے، اس کتاب کے مطالعہ کے بعد نہ صرف اسلامی عقائد پر عبور حاصل ہو جاتا ہے بلکہ پانچوں وقت کی نماز پڑھنے کا طریقہ اور نماز میں کیا پڑھا جاتا ہے سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ نماز میں کتنے کتنے فرائض سنن اور نوافل ہیں۔ نماز کی پوری ترکیب کے علاوہ روزہ، زکوٰۃ اور حج کے جملہ مسائل سے واقفیت ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے مطالعہ کے بعد ہی ایک مسلمان سچا مسلمان بن سکتا ہے اور کفر و شرک سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ دین دنیا پبلشنگ کمپنی نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہ کتاب بڑے اہتمام سے شائع کی ہے۔ کوئی اسلامی گھر، اسلامی لائبریری اس سے خالی نہیں رہنا چاہیئے۔ مخیر حضرات اس کی جلدیں خرید کر مسجدوں میں رکھیں اور ثواب دارین حاصل کریں

ضخامت تقریباً دو سو صفحات ٹائٹل رنگین اور نہایت خوشنما۔ قیمت مجلد تین روپے چھ پیسے

دین دنیا پبلشنگ کمپنی۔ جامع مسجد دہلی



مغل بادشاہوں کا سکولر دورِ حکومت

ہندوستان پر مغلیہ حکومت

شہنشاہ بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، اورنگزیب اور تمام مغل بادشاہوں کی مکمل تاریخ

(از شوکت علی فہمی)

اس عظیم الشان تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ مغل بادشاہوں نے سیکڑوں برس تک کس رواداری کے ساتھ ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ دوران کا سلوک بالحاظ مذہب و ملت عوام کے ساتھ کیسا منصفانہ اور ہمدردانہ تھا یہ ایک ایسی نایاب اور مکمل تاریخ ہے جو اس وقت تک اردو زبان میں ناپید تھی۔ یہ تاریخ اُن متعصب مورخوں کی تحریروں کا دندان شکن جواب ہے جن کو شاہان ہند میں صرف برائیاں ہی برائیاں نظر آتی ہیں۔ اس تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مغل بادشاہ ہندوستان میں ایک ایسی سکولر حکومت کے بانی ہیں جو زمانہ حاضرہ کی اکثر و بیشتر جمہوری حکومتوں سے بھی بہتر تھی۔

اس تاریخ میں مندرجہ ذیل واقعات اور حالات درج ہیں

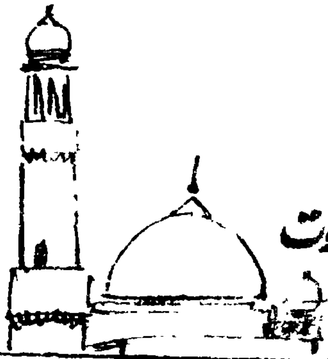
نایاب تاریخی واقعات کا مجموعہ

اس تاریخ میں آپ کو ایسے نایاب تاریخی واقعات ملیں گے جو آپ کی معلومات میں نیا اضافہ کریں گے۔ اس تاریخ کو منتخب فارسی زبان کی مستند تاریخوں کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ مغل دورِ حکومت کی ایک ایسی مکمل تاریخ ہے جو آج تک شائع نہیں ہوئی ضخامت ۴۵۰ صفحات کاغذ سفید۔

قیمت مجلد مع خوشنما اور رنگین ڈسٹ کور نو روپے پچاس پیسے

دین دنیا پبلشنگ کمپنی جامع مسجد دہلی ۶

دنیائے اسلام پر ایک نظر



شاہ ایران کی جلاوطنی

عراق اور شام ضم ہو رہے ہیں - افغانستان میں بھی حکومت کے خلاف بغاوت

(ہمارے سیاسی مبصر کے قلم سے)

شاہ ایران کی جلاوطنی

ایران میں تقریباً ایک سال سے خانہ جنگی اور بغاوت جاری ہے اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ شاہ ایران رضا شاہ پہلوی کو حالات سے مجبور ہو کر وطن عزیز کو چھوڑنا پڑا ۔ یاد رہے کہ شاہ کو اب سے پچیس سال پہلے بھی ایسے ہی حالات میں اپنے ملک کو خیرباد کہنا پڑا تھا - لیکن وہ کچھ مدت کے بعد واپس آنے میں کامیاب ہو گئے تھے - ویسے تو شاہ نے ابھی تک اپنی بادشاہت کے جاری رہنے کی امید ترک نہیں کی ہے - کیونکہ انہوں نے اپنی عدم موجودگی میں کام کرنے کے لیے ریجنسی کونسل قائم کر دی ہے جس کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہے کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں بادشاہت کو قائم رکھنا چاہتے لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب ایران میں بادشاہت کا برقرار رہنا مشکل ہے، ور شاہ ایران مشکل ہی سے نمائشی حکمراں بھی رہ سکیں گے -

شاہ ایران نے وطن سے رخصت ہونے سے قبل ایک وزارت بھی قائم کر دی ہے جس کے سربراہ بختیار ہیں - وزیر اعظم بختیار نے سینیٹ یعنی ایوان بالا سے اعتماد کا ووٹ بھی حاصل کر لیا ہے - اگرچہ ایران کے انقلاب پسند وزیر اعظم بختیار کی وزارت سے مطمئن نہیں ہیں - لیکن بختیار کو امید ہے کہ وہ جلد ہی ایرانی عوام کا اعتماد حاصل کر لیں گے - یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ علامہ آیت اللہ خمینی جن کے اشارہ پر یہ انقلاب رونما ہوا ہے وہ بھی بختیار کی حکومت سے مطمئن نہیں ہیں اس لئے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ بختیار کی وزارت کا بھی کیا انجام ہوگا - یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ علامہ آیت اللہ خمینی ایران میں نئی جمہوری اسلامی حکومت کے قیام کی غرض سے پیرس سے تہران آ رہے ہیں -

شاہ ایران مصر ہوتے ہوئے مراکش جا رہے ہیں - ان کے پاس بے پناہ دولت ہے جس کا بیشتر حصہ وہ پہلے ہی امریکہ منتقل کر چکے ہیں اس لیے جلاوطنی کے عالم میں بھی وہ بہت آسودگی کی زندگی گزار سکتے ہیں - آج سے ۵۴ سال قبل ان کے والد نے ایران میں جو بادشاہت قائم کی تھی بظاہر اس کا خاتمہ عمل میں آ چکا ہے -

---

عراق اور شام ضم ہو رہے ہیں

دمشق سے رائٹر نے اطلاع دی ہے کہ گزشتہ دنوں کے شدید مخالف شام اور عراق ضم ہو کر ایک متحدہ عرب مملکت بنانے کا منصوبہ تیار کر چکے ہیں - عام خیال یہ ہے، اگر ان دونوں ملکوں نے ضم ہو کر اور آپس میں متحد ہو کر ایک متحدہ مملکت قائم کر لی تو اس سے مشرق وسطیٰ میں طاقت کا توازن تبدیل ہو جائے گا -

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ عراق اور شام کا انضمام اصولی طور پر طے ہو چکا ہے - جس کی تفصیلات شام کے صدر حافظ الاسد اور عراق کے صدر حسن البکر کے درمیان عنقریب دمشق میں ہونے والی ملاقات اور مذاکرات کے بعد طے کی جائیں گی -

ایک ذریعہ سے اطلاع ملی ہے کہ اگرچہ اس ضمن میں بہت سی تفصیلات طے ہونا باقی ہیں لیکن دونوں ملکوں نے متحدہ مملکت کے قیام کے لئے اپنے پختہ عزم کا اظہار کیا ہے - یہ یاد رہے کہ شام و عراق مشرق وسطیٰ میں نیا فوجی اور سیاسی محاذ قائم کرنے کے بارے میں پختہ موقف رکھتے ہیں اور یہ بات طے ہو چکی ہے کہ عراق اور شام کے انضمام کے بعد جو مملکت وجود میں آئے گی وہ ہر لحاظ سے متحد ہوگی اس کا ایک دارالحکومت

ایک ٹھنڈا اعلا دایک دستور ہوگا -

یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عراق اور شام کی مشترکہ فوج چار لاکھ پندرہ ہزار افراد - ۷۵۰ طیاروں اور ۴۴۰۰ ٹینکوں پر مشتمل ہے - اور ان دونوں ملکوں کے انضمام سے جو جدید مملکت عالم وجود میں آئے گی وہ نہایت مستحکم ثابت ہوگی - عام خیال ہے کہ مصر کے علاوہ تقریباً سب ہی عرب ملکوں میں اس انضمام پر اطمینان کا اظہار کیا جائے گا۔

افغانستان میں حکومت کے خلاف بغاوت

سب ہی کو معلوم ہے کہ ایران کی حکومت کا تختہ مذہب ہی کے نام پہ الٹا گیا ہے - اور اب معلوم ہوا ہے کہ افغانستان میں بھی لادینی حکومت کے خلاف بغاوت بڑھتی چلی جارہی ہے - چنانچہ مذہب پرست افغانستانی قبائلیوں کی بڑی تعداد مندرکش کی برفانی پہاڑیوں کو پار کر کے سرکاری فوج سے مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہی ہے - ان کے ہاتھوں میں پرانی وضع کی بندوقیں ہیں - وہ صوبہ کنار کی راجدھانی چغیا سرائے پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور اس شہر کو اپنا فوجی اڈا بنا کر حکومت کے خلاف چھاپہ مار جنگ کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتے ہیں - یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ چھاپہ ماروں نے پہاڑی علاقوں میں بھی اپنے اڈے قائم کر لئے ہیں -

افغانستان کی مسجدوں کے اماموں کی اکثریت ان چھاپہ ماروں کی حمایت کر رہی ہے - مذہبی رہنماؤں نے موجودہ کمونسٹ حکومت پر لادینی نظام حکومت قائم کرنے کا الزام لگایا ہے چنانچہ حال ہی میں نماز جمعہ کے موقعہ پر جب مسجدوں کے اماموں نے صدر نور محمد ترا کی کا پیغام پڑھنا شروع کیا تو نمازی ناگواری محسوس کرتے ہوئے مسجدوں سے باہر نکل گئے یہ یاد رہے کہ مسجد کے اماموں کو حکومت کی طرف سے یہ پیغام سنانے کے لئے مجبور کیا گیا تھا -

بغاوت کے خلاف حکومت کی کارروائی کے دوران روسی مگ طیاروں کے ذریعہ کئی مقامات پر بم باری کی گئی ہے جسکی زد میں کئی مسجدیں بھی آگئیں - لیکن سرکاری طور پر مسجدوں پر بم باری کی تردید کی گئی ہے - اور بغاوت کے لئے خفیہ انتہا پسند جماعت اخوان المسلمین کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے - حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والوں میں وہ قبائلی شامل ہیں جو جنگجو ہیں اور ہمیشہ اپنے کندھے پر رائفلیں رکھتے ہیں - اسلام آباد کی ایک اطلاع سے پتہ چلا ہے کہ چھاپہ ماروں کے حملہ سے ایک ہزار افغانی فوجی ہلاک یا زخمی ہو چکے ہیں اس حملہ کی تفصیل کا انتظار ہے -

ممکن ہے کہ مندرجہ بالا واقعات میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہو - لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ افغانستان جیسے کٹر اسلامی ملک میں بے دینی کو مشکل ہی سے برداشت کیا جا سکتا ہے ایسی حالت میں وہاں جو کچھ بھی ہو جائے وہ کم ہے -

صدر انور سادات کی دورخی پالیسی

صدر انور سادات کی دورخی پالیسی دنیا کے ہوشمند طبقوں میں ناقابل فہم ہے کہ وہ ایک طرف تو اسرائیل کے ساتھ صلح صفائی کے لئے بے چین ہیں اور اپنی بے نتیجہ گفتگو کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور دوسری جانب وہ اسرائیل کی مذمت بھی کرتے رہتے ہیں اور اس پر الزامات بھی لگاتے رہتے ہیں -

مثال کے طور پر انھوں نے حال ہی میں اسرائیل پر الزام لگایا ہے کہ "وہ جان بوجھ کر اور یہ کہہ کر دنیا کو گمراہ کر رہا ہے کہ مصر مذاکرات میں نئے مسائل کھڑے کر کے روڑے اٹکا رہا ہے -

اصل بات یہ ہے کہ اسرائیل سپر پاور بننا چاہتا ہے - اور اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ مصر اور امریکہ میں ناچاقی پیدا ہو جائے - اس کی ریشہ دوانیاں ہرگز کامیاب نہیں ہونگی - امن قائم ہو کر رہیگا کیونکہ ساری دنیا امن چاہتی ہے اسرائیلی عوام بھی امن کے متلاشی ہیں"

لیکن صدر سادات سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر اسرائیل امن قائم نہیں کرنا چاہے گا تو ان کے پاس ایسی کون سی طاقت ہے جس سے کہ وہ امن قائم کر لیں گے -

اپنے بیان میں صدر سادات نے وہی پرانی باتیں آگے چل کر دہرائی ہیں یعنی وہ الگ اسرائیل سے معاہدہ نہیں کریں گے اور وہ ایسے ہمہ گیر معاہدہ کے خواہش مند ہیں جو فلسطینیوں اور سب عربوں کے لئے قابل قبول ہو - اگر صدر سادات واقعی ایسا ہی چاہتے ہیں تو انھوں نے سب عربوں سے الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کیوں

بنا رکھی ہے - اور وہ اسرائیل سے بار بار بے نتیجہ صلح کی گفتگو جاری کرکے عربوں کی ساکھ اور یکجہتی کو کیوں نقصان پہنچا رہے ہیں -

اصل بات یہ ہے کہ صدر سادات اسرائیل اور امریکہ کی جانب جھک چکے ہیں - اور وہ اس قسم کی باتیں کہہ کر اور ڈپلومیسی سے کام لیتے ہوئے محض دکھاوے کے لئے اسرائیل کی مذمت کر رہے ہیں اور اس تاک میں ہیں کہ جب بھی موقعہ مل جائے وہ جداگانہ اسرائیل سے صلح کرلیں - مگر ساتھ ہی اس بات سے بھی خوفزدہ ہیں کہ اگر انھوں نے ایسا کیا تو پوری عرب دنیا نیز دنیا کے سارے مسلمان ان کے دشمن ہوجائیں گے - اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو شائد وہ جداگانہ اسرائیل سے صلح بھی کر چکے ہوتے - ہماری دعا ہے کہ خدا صدر سادات کو عقل دے اور وہ اس بے نتیجہ صلح صفائی سے باز آجائیں جس سے کہ عربوں کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے -

---

کم پرچے منگانے والے ایجنٹوں کی
ایجنسیاں بند کردی جائینگی

ہمکو افسوس ہے کہ بار بار توجہ دلانے کے باوجود کم تعداد میں پرچے منگانے والے ایجنٹوں نے اپنے پرچوں کی تعداد نہیں بڑھائی جس سے کہ دین دنیا کو ہزاروں روپیہ ماہانہ کا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے لہٰذا دس سے کم تعداد میں پرچے منگانے والے ایجنٹوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ پرچہ نہ بڑھانے کی صورت میں ہم انکی ایجنسیاں بند کرنے پر مجبور ہو جائیں گے

ہمارے ایجنٹ بخوبی واقف ہیں کہ ہر ایجنسی پیکٹ پر ہمیں سوا تین رجسٹری فیس اور محصول ڈاک ادا کرنا پڑتا ہے - چنانچہ محصول ڈاک کا خرچہ اور کمیشن کی رقم وضع کرنے کے بعد کم تعداد میں پرچہ منگانے والے ایجنٹوں سے صرف پچاس ساٹھ پیسے فی پرچہ کے حساب سے رقم وصول ہوتی ہے - جب کہ دین دنیا کے ایک پرچہ کی لاگت سوا روپیہ سے بھی زیادہ ہے للہٰذا کم تعداد میں پرچہ منگانے والے ایجنٹ یا تو پرچہ کی تعداد بڑھائیں یا وہ ایک ماہ کی پیشگی رقم بذریعہ منی آرڈر بھیج کر علاوہ ڈاک سے پرچہ منگا لیا کریں - آئندہ کم تعداد میں پرچہ منگانے والوں کو وی پی نہیں بھیجا جائیگا -

اسلام کی تبلیغ کیلئے ادارہ

جدہ کی اطلاع سے پتہ چلا ہے کہ وہاں حال ہی میں اقتصادی اور ثقافتی امور کی کونسل کا ایک سہ روزہ اجلاس منعقد ہوا تھا - جس میں کہ ۱۸ مسلم ممالک کے نمائندوں نے حصہ لیا تھا -

اس کونسل میں مسلمانوں کے فائدہ کی متعدد تجاویز پاس کی گئی ہیں -

ایک تجویز یہ ہے کہ ترکی کے شہر انقرہ میں اسلامی تاریخ کے مطالعہ اور ریسرچ کے لیئے ایک مرکز قائم کیا جائے جس میں کہ اسلامی تاریخ کو فروغ دینے کے لیئے اقدامات کیئے جائیں گے - دوسری اہم تجویز یہ ہے کہ کسی موزوں مقام پر اسلامی دعوت اور تبلیغ سے متعلق ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو دنیا کی تمام مسلم تحریکوں کے درمیان باہمی تعاون اور یکجہتی پیدا کرے اور پوری دنیا میں اسلام کی تبلیغ کے لیئے جدوجہد کرے خصوصیت کے ساتھ غیر مسلموں تک اسلام کی تعلیم کو پہنچائے - یہ ایک اچھا اقدام ہے اور وقت کی اہم ترین ضرورت ہے

پاکستان عام انتخابات

پاکستان ایک ایسا بد قسمت ملک ہے جو روز اول ہی سے ڈکٹیٹرشپ کے شکنجہ میں جکڑا ہوا ہے - چنانچہ اس وقت بھی اس ملک کے غریب باشندوں پر فوجی ڈکٹیٹرشپ مسلط ہے -

غنیمت ہے کہ اس ڈکٹیٹری کے دور میں انتخابات کی صدا پھر سنائی دینے لگی ہے - ابھی تک انتخابات کیلئے کوئی تاریخ تو مقرر نہیں کی گئی ہے لیکن یہ کہا جانے لگا ہے کہ ۱۹۷۹ء کا سال پاکستان کیلئے انتخابات کا سال ہوگا - اور یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ ایلکشن کمیشن کو صدر پاکستان نے آئندہ انتخابات کے لیئے تیاری شروع کرنے کی ہدایت بھی دیدی ہے -

مگر یہ کچھ پتہ نہیں کہ کن پارٹیوں کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دی جائے گی اور کونسی پارٹیاں انتخابات کے نا اہل قرار دیدی جائیں گی کیوں کہ ڈکٹیٹرشپ کے دور میں ایسی ہی پارٹیوں کو سامنے لایا جاتا ہے جو ڈکٹیٹر کی منظور نظر ہوں یا ڈکٹیٹر کے اشارہ پر چل سکیں بہر حال یہ دیکھنا ہے کہ صدر ضیاء الحق اپنے اس وعدہ میں کہاں تک سچے ثابت ہوتے ہیں -



دلچسپ معلومات

حیرت انگیز اور عجیب و غریب انکشافات

(از ادارہ دین دنیا)

دنیا جلد ہی ختم ہو جائے گی

نوبل پرائز حاصل کرنے والے پروفیسر جارج والڈ کی رائے ہے کہ جن مذاہب میں قیامت کا تصور پایا جاتا ہے۔ وہ درست ہی ہے۔ اور اب اس دنیا میں کسی وقت بھی قیامت آسکتی ہے۔

انڈین سائنس کانگریس حیدرآباد میں انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ "امریکہ اور روس کے پاس ایٹمی اسلحہ کا جو انبار لگا ہوا ہے۔ یہ انسانیت کے سروں پر لٹکنے والی ایک نہایت ہی خطرناک تلوار ہے مذکورہ بالا دونوں بڑی طاقتوں کے درمیان اگر جنگ ہو گئی جس کا کسی وقت بھی امکان ہے تو اس ایٹمی جنگ کی صورت میں کرہ ارض سے انسانیت کا پوری طرح صفایا ہو جائے گا۔

اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے پروفیسر موصوف نے کہا ہے کہ "دنیا کی صرف دو بڑی طاقتوں یعنی امریکہ اور روس نے ہزاروں کی تعداد میں مروجہ اسلحہ کے علاوہ کم از کم پندرہ ارب ٹن کے ایٹمی اسلحہ جمع کر رکھے ہیں۔ امریکہ کی ہر قسم کی قیود سے آزاد سرمایہ داری کا نتیجہ دنیا کی تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

دولہا کی عمر دولہن کے پوتے سے بھی کم

اس تہذیب و ترقی کے دور میں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں بھی انمل اور بے جوڑ شادیاں کثرت سے ہو رہی ہیں اور آجکل کمر عمر لڑکے معمر سن رسیدہ اور پوتا پوتی والی عورتوں سے شادیاں کر رہے ہیں۔

شمالی کیرولینا سے موصول ہونے والی اطلاع ہے کہ ایک بیس سالہ نوجوان "میرڈ گریوٹن" نے ایک ایسی عورت سے شادی کر کے نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ جس کے چار بیٹا بیٹی۔ ۱۲ پوتا پوتی۔ نواسے نواسی اور ایک پڑپوتا بھی ہے۔

اس بیس سالہ دولہا کی نئی نویلی دلہن "روٹن" کی عمر صرف ۶۱ سال ہے۔ اور دلہن کے بڑے پوتے کی عمر دولہا سے دو برس زیادہ ہے۔ ان محبت کے ماروں نے عدالت میں شادی کی ہے اور اپنی نئی ازدواجی زندگی سے بیحد خوش ہیں۔

انسانی خون پینے کا شوق

آپ کو یہ سن کر حیران نہیں ہونا چاہئے کہ موجودہ زمانہ میں بھی ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو انسانی خون پینے کے شوقین ہیں۔ اور ان کا دلچسپ مشغلہ یہ ہے کہ وہ بے ہوش کر کے سرنج کے ذریعہ خون نکال لیتے ہیں اور پھر اس خون سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

حال ہی میں مغربی جرمنی کے ایک ۲۲ سالہ طالب علم کو لڑکیوں کو بے ہوشی کی دوا کھلا کر ان کا خون پینے کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔ اس نے اعتراف کر لیا ہے کہ وہ انسانی خون پینے کا عادی ہے۔ اس کے قبضہ سے چار بوتل خون نشتر اور خون نکالنے والی پچکاری برآمد ہوئی ہے۔ اور نشہ آور ادویات بھی ملی ہیں اس کا کہنا ہے کہ وہ بارہ برس سے پندرہ برس تک کی عمر کی لڑکیوں کو اپنے گھر بلاتا تھا۔ انہیں نشیلی ادویات استعمال کراتا تھا اور خون نکال لیتا تھا۔ ایک لڑکی کی ماں کی شکایت پر اسے گرفتار کیا گیا ہے۔



ایڈیٹر: شوکت علی فہمی



عراق کے یوم انقلاب پر "صدر احمد حسن البکر" قوم کے نام پیغام نشر کر رہے ہیں



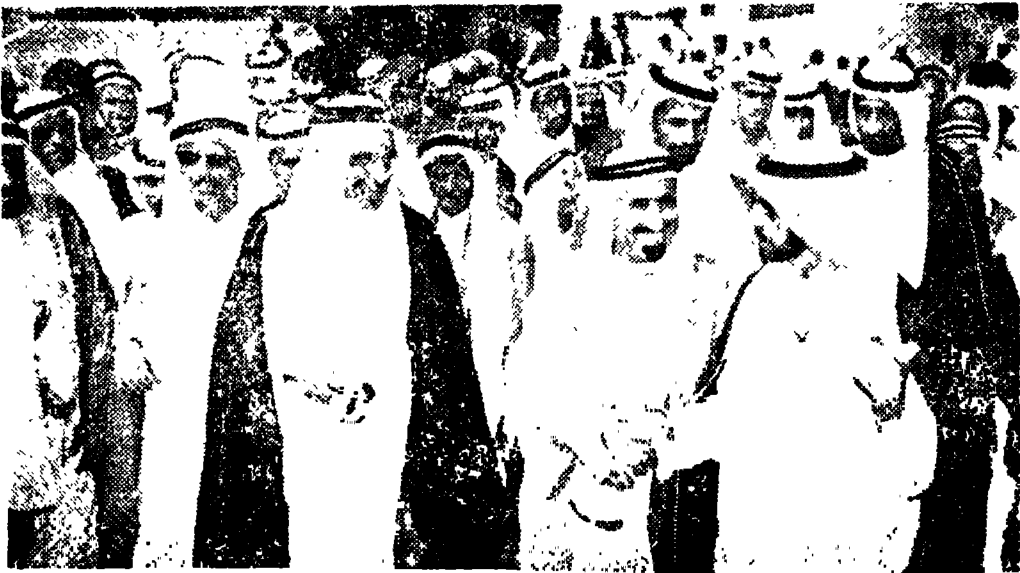
کویت کے امیر "شیخ جابرالصباح"



سعودی عرب کے ولیعہد "فہد"



ایران کے حالیہ انقلاب کے موقعہ پر "علامہ آیۃ اللہ خمینی" کی حمایت میں
ایرانی عوام کا پر جوش مظاہرہ



متحدہ عرب امارات کے صدر "شیخ زائد بن سلطان" کا عرب شیوخ کی
جانب سے خیر مقدم - صدر موصوف (دائیں جانب) شیوخ سے مصافحہ کر رہے ہیں



ہمارے ملک کے نائب وزیر اعظم ''چودھری چرن سنگھ'' کو بھنگڑا ناچ کی بھی شوق ہے
اوپر کی تصویر میں حصہ لے رہے ہیں



سردار سورن سنگھ اور مسز اندرا گاندھی میں دونوں کانگریسوں کو
متحد کرنے کے لئے تبادلہ خیال ہو رہا ہے



سابق شاہ ایران "رضا شاہ پہلوی" مصر کے صدر انور سادات کے ہمراہ
تہران سے فرار ہونے کے بعد شاہ سیدھے قاہرہ گئے تھے



سابق وزیر اعظم "ذوالفقار علی بھٹو"
موت و حیات کی کشاکش میں مبتلا ہیں



پاکستان کے فوجی ڈکٹیٹر ضیاءالحق
بھٹو کو اپنے راستہ سے ہٹانا چاہتے ہیں



مہا راشٹر کی چار حوصلہ مند لڑکیاں جو ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی کو سر کرنے کے لئے جد و جہد میں مصروف ہیں



افغانستان کے کمیونسٹ [illegible]

قائم شدہ ۱۹۲۱ء

اشاعت کا انسٹھواں سال

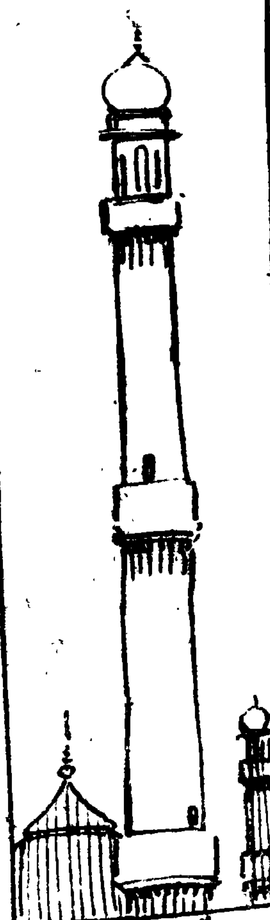
ٹیلیفون ۔ ۲۶۳۴۵

ہندوستان کا سب سے قدیم اور کثیر الاشاعت تاریخی اور اصلاحی جریدہ

ماہنامہ دین دنیا دھلی

(ایڈیٹر شوکت علی فہمی)

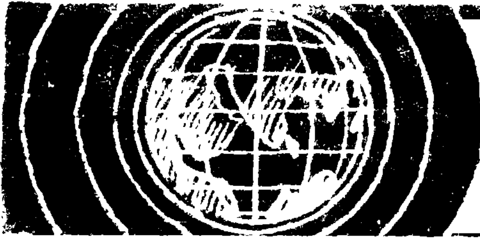
جلد ۵۹ | مارچ سنہ ۱۹۷۹ء | نمبر ۳



قیمت سالانہ
اٹھارہ روپے
ششماہی
دس روپے

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ دین دنیا
دین دنیا بلڈنگ متصل جامع مسجد دہلی
وی پی منگانے میں سوا تین روپیہ کا زائد خرچہ بھی آتا ہے

قیمت فی پرچہ
ایک روپیہ پچھتر پیسے
پاکستان بنگلہ دیش اور برما سے ...... بائیس روپے
غیر ممالک سے .... دو پونڈ



رفتارِ زمانہ

(از شوکت علی فہمی)

قاتلوں کی تنظیم راشٹریہ سنگھ

مسلمانوں کے بعد سیکولر لیڈروں پر بھی حملے

"راشٹریہ سیوک سنگھ" جس کے ہاتھوں گزشتہ بتیس سال سے ملک کے ہر حصہ میں مسلمانوں کا خون بہتا رہا ہے صرف مسلمانوں ہی کی دشمن نہیں ہے بلکہ یہ سب ہی اُن عناصر کی دشمن ہے جو اس ملک میں جمہوریت اور سیکولرزم کے حامی ہیں۔ چنانچہ سابق وزیر صحت شری راج نرائن جیسوں نے آج کل راشٹریہ سنگھ کے خلاف ایک مضبوط محاذ قائم کر رکھا ہے۔ انھوں نے اپنے ایک حالیہ بیان میں کہا ہے کہ "راشٹریہ سیوک سنگھ نے میرے قتل کا پلان بنا رکھا ہے۔ اور کسی وقت بھی مجھ پر قاتلانہ حملہ ہو سکتا ہے۔"

شری راج نرائن کے علاوہ یو پی کے سابق وزیر اعلیٰ شری رام نریش یادو پر حال ہی میں ایک راشٹریہ سنگھی نے چھرے سے قاتلانہ حملہ کیا مگر محافظوں نے حملہ آور کو دبوچ لیا اور شری یادو معمولی سی خراش کے بعد بچ گئے۔ حملہ آور نوجوان کا نام گجیندر ناتھ مشرا ہے۔ سیکورٹی اسٹاف کے بیان کے مطابق یہ نوجوان "راشٹریہ سنگھ پر سے پابندی ہٹاؤ" کے نعرے لگا رہا تھا یہ یاد رہے کہ شری یادو نے یو پی میں راشٹریہ سنگھ پر یہ پابندی عائد کر دی ہے کہ وہ اسکولوں۔ سرکاری عمارتوں۔ اور پارکوں میں شاکھائیں نہ لگائے۔ اور اس پابندی لگانے پر شری یادو پر قاتلانہ حملہ کیا گیا ہے۔ اور اس حملہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس جماعت کا اصل مقصد کیا ہے؟

راشٹریہ سنگھ کے سربراہ بالاجی دیورس اور دوسرے جن سنگھی اور راشٹریہ سنگھی لیڈر یہ یقین دلا رہے ہیں کہ یہ جماعت ایک کلچرل جماعت ہے۔ لیکن ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر واقعی یہ کلچرل جماعت ہے تو شاکھائیں لگا کر فوجی پریڈیں کیوں کرائی جاتی ہیں اور ان کے سیوکوں کو لاٹھی سے لیکر رائفل تک چلانے کی تربیت کیوں دی جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اس ملک کی ایک تشدد پسند نیم فوجی جماعت ہے۔ جس کی ملک میں تقریباً چودہ ہزار شاکھائیں ہیں اور جو ملک کے اقتدار کو اپنے قابو میں لانے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں رضاکار تیار کر رہی ہے۔ اس کا دیرینہ پلان یہ ہے کہ جیسے ہی موقعہ ملے یہ ملک کے اقتدار پر قبضہ جما لے۔ چنانچہ جنتا پارٹی کے اقتدار کے زمانہ میں قاتلوں کی اس تنظیم کو بے حد فائدہ پہنچا ہے۔ اس نے مرکز اور صوبوں کے مختلف محکموں میں اپنے لاکھوں کارکنان کو گھسا دیا ہے۔ یہاں تک کہ راشٹریہ سنگھی مرکز اور صوبوں کی وزارتوں پر بھی قابض ہو چکے ہیں۔ اور موقعہ کی تاک میں ہیں کہ جیسے ہی موقعہ ملے پورے ملک کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

جن سنگھ راشٹریہ سنگھ کا پولیٹیکل بازو ہے۔ جب اُسے جنتا پارٹی میں شامل کیا گیا تھا تو اسی وقت جمہوری سیکولر حلقوں میں یہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ یہ اقتدار حاصل کرنے کے لئے راشٹریہ سنگھ کی ایک حکمت عملی ہے۔ لیکن جنتا لیڈروں نے عوام کو تسلی دینے کے لئے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ راشٹریہ سنگھی اور جن سنگھی جلد ہی سیکولرزم کو قبول کرلیں گے لیکن اب جنتا لیڈر بھی اس ابن الوقت تنظیم سے پریشان معلوم ہوتے ہیں چنانچہ مرکزی وزیر معدنیات شری بیجو پٹنائک نے الزام عائد کیا ہے کہ۔ راشٹریہ سنگھ جن سنگھ کے توسط سے حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے اُنھوں نے راشٹریہ سنگھ کے خلاف بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ۔ "اگر خدانخواستہ راشٹریہ سنگھ سنٹرل گورنمنٹ پر قابض ہوگیا تو اس ملک کی جمہوری قدریں پامال ہوجائیں گی۔ اُس کے بعد دلی کی بجائے ناگپور سے فرمان جاری ہوا کریں گے۔ اور ملک پر فاسزم مسلط ہوجائے گا۔"

بیجو پٹنائک کے علاوہ خود وزیراعظم مرارجی ڈیسائی بھی جو جن سنگھیوں کے سہارے گدی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ دبے الفاظ میں راشٹریہ سنگھیوں کے خلاف زبان کھولنے پر مجبور ہوگئے ہیں چنانچہ راشٹریہ سنگھ کے بارے میں ڈاکٹر سبرامنیم سوامی کے سوالات کے جواب میں اُنھوں نے کہا ہے کہ "راشٹریہ سنگھ اگرچہ اپنے آپ کو ایک کلچرل آرگنائزیشن کہتا ہے مگر یہ سیاست میں ٹانگ اڑانے لگا ہے۔ اس لئے کسی سرکاری ملازم کو اس جماعت میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی" جب ڈاکٹر سبرامنیم نے راشٹریہ سنگھ کی وکالت جاری رکھتے ہوئے جب وزیراعظم سے چند مزید سوالات کئے تو مرارجی نے غصّہ میں آکر کہا کہ۔ "آر۔ ایس۔ ایس کے لئے میرے دو نظریات ہیں اگر سنگھ کے بارے میں مزید اصرار کیا گیا تو سب کچھ کہہ کر رکھ دوں گا۔" اور مرارجی کے دو نظریات کا مطلب یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی خود نوشت سوانح عمری جو لکھی ہے۔ اُس کی جلد اول کے صفحہ ۲۴۸ پر وہ راشٹریہ سنگھ کو گاندھی جی کا قاتل قرار دے چکے ہیں اور اس سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہے کہ خود مرارجی ڈیسائی بھی ابن الوقتوں کی اس جماعت کی اصل حقیقت سے بخوبی واقف ہیں مگر اُنھوں نے گدی کی خاطر مجبوراً اسے کلچرل جماعت کہنا شروع کردیا ہے اور اب اُنھوں نے دھمکی دی ہے کہ اگر اُن پر زیادہ دباؤ ڈالا گیا تو وہ ساری حقیقت کو کھول کر رکھ دیں گے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ راشٹریہ سنگھ کے اِس دعوے کے باوجود کی وہ ایک سیاسی جماعت نہیں ہے سیاست میں کھلم کھلا حصہ لے رہی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ جن سنگھ جس کے ساتھ شری مرارجی ڈیسائی نے سیاسی اتحاد قائم کر رکھا ہے۔ راشٹریہ سنگھ کی ایک طفیلی جماعت ہے۔ تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔

جن سنگھ بلاشبہہ۔ آر۔ ایس۔ ایس کا ایک پولیٹیکل بازو ہے جس کی تمام پالیسیاں ناگپور سے طے ہوتی ہیں۔ اِس نے پورے ملک میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر رکھا ہے ملک میں جتنے بھی فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں۔ اُن کے پشت پر راشٹریہ سنگھ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ جسکا کھلا ثبوت علیگڑھ کے حالیہ فسادات سے مل چکا ہے۔ روسی خبر رساں ایجنسی "تاس" کے انکشاف کے مطابق اِس جماعت سے وابستہ جنونی نوجوانوں نے ملک کے طول و عرض میں بے شمار ترقی پسند ورکروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ راشٹریہ سنگھ کا کلچرل نقاب بری طرح تار تار ہوچکا ہے۔ اور اُس کی جارحانہ اور متشددانہ سیاسی سرگرمیوں نے ملک کے تمام ترقی پسند، سیکولر، جمہوری اور سوشلسٹ عناصر میں ایک زبردست بے چینی پیدا کردی ہے۔ اور راشٹریہ سنگھ کے خلاف اگر یہ بےچینی اِسی طرح بڑھتی رہی تو اِس کا انجام ظاہر ہے۔

ہندوستان کے مسلمان چونکہ سیکولرزم۔ اور جمہوریت کے بہت بڑے حامی ہیں اِس لئے راشٹریہ سنگھ مسلمانوں کی دشمن نمبر اول ہے۔ اِس جماعت کے بڑے گرو جی۔ شری گولوالکر مسلمانوں کو چوروں اور ڈاکوؤں سے تشبیہہ دیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ زبردستی اِس ملک میں گھس آئے ہیں۔ اِس لئے اِنہیں شہری حقوق نہیں دئے جاسکتے۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اس ملک کے دس کروڑ مسلمان ملک کے جمہوری اور سیکولر عناصر کے ساتھ متحد ہونے کے بعد اس بدنام زمانہ جماعت سے اپنا اگلا پچھلا حساب چکائیں اور اُن ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کے خون کا حساب طلب کریں جو فسادات کی صورت میں اس جماعت کے ہاتھوں قتل ہوتے رہے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر اس ملک کے مسلمان

جمہوری اور سیکولر طاقتوں کے ساتھ اتحاد عمل کر کے راشٹریہ سنگھ کے
خلاف متحدہ محاذ قائم کر لیتے ہیں تو سی۔ آئی۔ اے کے ان ایجنٹوں
سے ملک کو آسانی سے پاک اور صاف کیا جاسکتا ہے۔

بھٹو کو بچانے کی اپیلیں بے اثر

آخری وقت میں کوئی معجزہ رونما ہو جائے تو یہ دوسری بات ہے
ورنہ جہاں تک جنرل ضیاء الحق کا تعلق ہے وہ اس بات پر تلے ہوئے
ہیں کہ بھٹو کو جلد سے جلد پھانسی دے دی جائے چنانچہ اُن پر دنیا بھر
کے لیڈروں کی اپیلوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ اور ہو بھی کیسے سکتا
ہے کیونکہ جنرل صاحب کے سامنے نہ قانون کا مسئلہ ہے۔ نہ انصاف
کا مسئلہ ہے۔ اور نہ اُنہیں اس سے غرض ہے کہ دنیا بھر کے لیڈروں
کی اپیلوں کے ٹھکرانے سے یا بھٹو کو پھانسی پر چڑھا دینے سے پاکستان
کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ اُن کے سامنے تو صرف یہ مسئلہ ہے کہ اگر بھٹو بچ
گیا اور اُسکی پیپلز پارٹی برسر اقتدار آ گئی تو جنرل صاحب اسی طرح
پھانسی کے تختہ پر کھڑے ہوئے ہونگے جس طرح کہ آج بھٹو کھڑے ہیں۔
یعنی جنرل صاحب محض اپنی ذات کی خاطر پورے پاکستان کو تباہ کرنے
پر تلے ہوئے ہیں۔

بھٹو کے بارے میں خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہا جائے لیکن یہ امر واقعہ
ہے کہ بھٹو پاکستان کا پہلا لیڈر ہے جس نے کہ پاکستان میں جمہوریت
قائم کرنے کی کوشش کی اور یہ بھی پاکستان کی تاریخ کا بہت بڑا
المیہ ہے کہ پاکستان کے ایک جمہوری اور عوامی لیڈر کو تختہ دار پر
ایک ایسے شخص نے لیجا کر کھڑا کر دیا ہے جو غیر قانونی طور پر محض فوج
کے بل پر پاکستان پر قابض ہے۔ اور خود ہی صدر بن بیٹھا ہے۔ صدر
ہونے کے ساتھ کمانڈر انچیف بھی ہے۔ اور پاکستان کا سب سے
بڑا چیف جسٹس بھی بن گیا ہے۔ کیونکہ پوری عدلیہ اُس کی غلام اور
لونڈی ہے۔

پاکستان کے عدلیہ کے جنرل صاحب کے لونڈی اور غلام ہونے کا
کھلا ثبوت یہ ہے کہ ابھی سپریم کورٹ نے بھٹو کی سزائے موت کی تصدیق
کا فیصلہ سنایا بھی نہیں تھا کہ جنرل صاحب نے نہایت ہی وسیع پیمانہ پر
نہ صرف پیپلز پارٹی کے لیڈروں اور ورکروں کی پکڑ دھکڑ شروع
کر دی بلکہ پورے پاکستان میں فوج کو مسلط کر دیا نیز سارے پاکستان
میں یہ خبر پھیل گئی کہ بھٹو کی سزائے موت کی تصدیق ہونے والی ہے۔
جس سے کہ صاف ظاہر ہے کہ جنرل صاحب کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ بھٹو
کے بارے میں کیا فیصلہ ہونے والا ہے۔ اور اس سے یہ بات ثابت ہے کہ
جنرل صاحب صرف خانہ ساز صدر اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ہی نہیں بلکہ
سپریم کورٹ کے سب سے بڑے چیف جسٹس بھی ہیں۔ چیف جسٹس مسٹر
انوار الحق تو صرف ربڑ کی مہر ہیں جو جنرل صاحب کی جیب میں پڑی رہتی
ہے۔

دنیا میں آج تک یہ کبھی نہیں ہوا کہ جب کوئی مقدمہ زیر سماعت
ہو یا فیصلہ زیر غور ہو تو ملزم کے اچھے یا برے ہونے پر دوران مقدمہ کوئی
رائے زنی کر سکے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اُس پر توہین عدالت کے
سلسلہ میں مقدمہ چلایا جاسکتا ہے مگر جنرل صاحب چونکہ سپریم کورٹ
کے سب سے بڑے چیف جسٹس بھی بنے ہوئے ہیں اس لئے وہ مقدمہ
کی سماعت کے دوران بھٹو کے خلاف ایک دو نہیں بلکہ تین نہایت
ضخیم وائٹ پیپر شائع کر کے بھٹو کو ڈاکو، چور، قاتل، اور غدار
ثابت کرتے رہے ہیں اور اب بھی جبکہ مقدمہ کا آخری فیصلہ زیر غور
ہے تو مختلف مضامین اور اخباری بیانات کے ذریعہ بھٹو کو ساری
دنیا کی نظروں میں ذلیل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہیں خود ہمارے
دفتر میں پاکستان کے سفارت خانہ کی جانب سے بھٹو کو بدنام کرنے والے
مضامین روزانہ موصول ہو رہے ہیں۔ جس سے کہ بخوبی اندازہ لگایا
جاسکتا ہے کہ پاکستان میں اس خود ساختہ صدر اور سب سے بڑے
چیف جسٹس کے ہاتھوں کس طرح قانون اور انصاف کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔

زمانہ کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ آج بھٹو کی قسمت اُس فوجی جنرل
کے ہاتھ میں ہے جسے بھٹو نے آگے بڑھایا تھا۔ اور اپنے تین معتمد
فوجی افسروں کو نظر انداز کرتے ہوئے کمانڈر انچیف بنا دیا تھا۔
آج اقتدار کی خاطر وہی صرف بھٹو کا نہیں بلکہ پاکستان کا سب سے
بڑا دشمن ہے۔ موجودہ مہذب دنیا کی تاریخ میں آج تک کسی بھی اہم
سیاسی لیڈر کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوا جو بھٹو کے ساتھ ہو رہا ہے۔
یہاں تک کہ یو۔ این۔ او کے جنرل سیکریٹری۔ اور روس، امریکہ،
برطانیہ، فرانس، اور پوری دنیائے اسلام کے لیڈروں کی اپیلوں
کو ٹھکرایا جا رہا ہے۔ جنرل صاحب اگر مسٹر بھٹو کو سزائے موت

دینے پہ تلے ہوئے ہیں تو وہ شوق سے سزا دیدیں - لیکن انہیں پڑوسی
ملک ایران سے سبق لینا چاہیئے جب ایران کے صاحب سطوت شہنشاہ
کی حکومت قائم نہیں رہ سکی تو جنرل ضیاء الحق کی ڈکٹیٹرشپ کی کیا
حقیقت ہے - جنرل صاحب اس وقت یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ بھٹو کو
پھانسی دینے کے بعد وہ فوجی طاقت سے ملک پر قابو حاصل کرلیں گے
لیکن وہ یہ بھول رہے ہیں کہ پاکستانی عوام کے طوفان کا وہ کسی طرح
بھی مقابلہ نہیں کرسکیں گے - اور اُن کا حشر بھٹو سے بھی بدتر ہوگا -

ایران کا انقلاب اسرائیل کی موت

ایران کا انقلاب پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے - یہ پورا کا پورا
انقلاب اسلام کے نام پر ہوا ہے - اور اس انقلاب نے یہ ثابت
کر دیا ہے کہ اگر کسی ملک کے مسلمان صدق دلی کے ساتھ متحد
ہو جائیں - تو وہ دنیا کی کسی مضبوط سے مضبوط حکومت کا بھی تختہ الٹ سکتے
ہیں - اس انقلاب کے بعد آیت اللہ خمینی جنھیں پندرہ سال قبل جلاوطن
کیا گیا تھا ایران کے صدر بن چکے ہیں - اور اُن کے دست راست
ڈاکٹر بزرگان کو وزارت عظمیٰ سپرد کی جا چکی ہے - امید ہے کہ
جلد ہی ایران میں عام انتخابات کا اعلان ہو جائے گا - جس کے بعد
باقاعدہ ایک نئی اسلامی جمہوری حکومت ایران میں قائم کر دی
جائے گی -

ایران کا یہ عظیم انقلاب جہاں تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے
وہاں بجا طور پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس انقلاب سے ایران
ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام میں دوررس نتائج برآمد
ہوں گے خصوصیت کے ساتھ عرب ممالک پر اس کا گہرا اثر پڑے
گا اور جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے اُس کے لئے تو شاید یہ انقلاب
پیام موت ثابت ہو - کیوں کہ اربوں روپیہ کے جنگی ہتھیاروں
کا وہ انبار جو شاہ ایران نے جمع کر رکھا ہے اب وقت آنے پر اسرائیل
کے خلاف استعمال ہو سکتا ہے اور عرب کاز کو اس سے تقویت پہنچ
سکتی ہے -

شاہ ایران کے عدم تدبر کی بنا پر ایران زمانہ دراز سے
یہودیوں کا اڈا بنا رہا ہے - یہودی ایرانی معیشت پر چھائے ہوئے
تھے - اسرائیل کے لئے تیل کی سپلائی بھی ایران ہی سے ہوتی تھی - یہاں تک
کہ اسرائیل و عرب لڑائیوں میں ایران ہی کا تیل عرب ممالک کی تباہی اور
بربادی پر صرف ہوتا رہا ہے - اور ایران کے ہوائی اڈے بھی اسرائیل
کے کام آتے رہے ہیں - لیکن اس انقلاب کے بعد اب یہ سب کچھ نہیں
ہو سکے گا - سچ تو یہ ہے کہ اس انقلاب سے سب سے زیادہ دھکا
اسرائیل کو لگا ہے - یہاں تک کہ طاقت کا توازن بھی عربوں کے حق
میں ہو گیا ہے -

ایران کی انقلابی حکومت کے اس اعلان نے اسرائیل اور اسرائیل
نواز طبقوں میں اضطراب پیدا کر دیا ہے کہ "ایران کی جدید انقلابی
حکومت فلسطینی مجاہدوں کو اُن کا حق دلائے گی" نیز انقلابی حکومت
کی جانب سے یہ بھی اعلان ہو گیا ہے کہ آئندہ سے ایران کی حکومت
اسرائیل، جنوبی افریقہ، اور دیگر اسرائیل نواز ملکوں کو تیل سپلائی نہیں
کرے گی - یہودی جو ایران میں زمانہ دراز سے پنجے جمائے ہوئے تھے
اُن کی بیشتر تعداد ایران سے فرار ہو چکی ہے جو باقی رہ گئے ہیں اب
اُن کے لئے بھی ایران میں کوئی جگہ نہیں ہے - ایران کا یہ انقلاب
نہ صرف اسرائیل کے لئے بلکہ اسرائیل نواز امریکہ کے لئے بھی بہت
بڑا سانحہ ہے امریکہ نے اپنا اور اسرائیل کا دوست سمجھتے ہوئے
شاہ ایران کو اربوں روپے کے جدید ترین جنگی ہتھیار دئے تھے
امریکہ کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ یہ اُس کے دشمنوں
کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے - اور اب اُسے پورا اندیشہ ہے کہ اگر
عرب و اسرائیل جنگ ہوئی تو جنگی ہتھیار بے دھڑک اسرائیل کے
خلاف استعمال ہوں گے

ایران کے اس انقلاب سے اسرائیل میں شدید گھبراہٹ اور
پریشانی کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر ہے - اور یہ گھبراہٹ اس
حد تک بڑھ چکی ہے کہ اسرائیل کے وزیر اعظم مسٹر بیگن نے مدد کے لئے
امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک سے فریاد کرنی شروع کر دی ہے -
چنانچہ - انھوں نے یوروشلم میں اخباری نمائندوں کو بیان دیتے
ہوئے کہا ہے کہ "مغربی ایشیا میں کٹر مسلم فرقہ پرستی کی لہر تیزی
سے بڑھ رہی ہے جو اسرائیل کے لئے بہت ہی زبردست خطرہ ہے
اس لئے مغربی ممالک کو چاہیئے کہ وہ مسلم فرقہ پرستی کی لہر کے مقابلہ
کے لئے اسرائیل کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائیں" اسی طرح جنوبی

افریقی ملاقات کے دوران صحافیوں کے سامنے اسرائیلی وزیر اعظم نے تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "ابھی ہفتہ میں امریکہ کے وزیر جنگ پر زور دوں گا کہ وہ اسرائیل کو جو مغرب کا بہت بڑا دوست ہے زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائیں ایران کے انقلاب کے بعد میں یہ محسوس کرنے لگا ہوں کہ زمانہ وسطیٰ کی تاریکی کا (مسلم) دور بیسویں صدی کے اختتام پر پھر واپس آگیا ہے۔ مذہبی فرقہ پرستی جس کے متعلق ہمارا خیال تھا کہ ہم اسے بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں پھر جاگ اٹھی ہے اور یہودیوں کے لئے شدید مشکلات اور خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ ایران کے حالیہ انقلاب نے اسرائیل کو سراسیمہ کر دیا ہے۔ اور اُسے اپنی موت دکھائی دینے رہی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا ایران کی جدید اسلامی جمہوری حکومت کو استحکام بخشے اور یہ نئی اسلامی جمہوری حکومت عرب ممالک پر اسرائیل کی گرفت کو ختم کرنے کی موجب ثابت ہو۔

عرب ڈپلومیٹوں کو بدنام کرنے کی کوشش

ہندوستان میں تقریباً سب ہی عرب ملکوں کے سفارت خانے قائم ہیں۔ ان سفارت خانوں میں جتنے بھی عرب ڈپلومیٹ کام کرتے ہیں وہ سب ہی ہمارے مہمان ہیں۔ ہماری سیاسی مصلحتوں نیز اخلاقی قدروں کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اُن کے ساتھ مہمانوں جیسا سلوک کریں لیکن ہمارے ملک کی بدقسمتی سے ہمارے ملک میں متعدد ایسے اخبارات موجود ہیں جو اسرائیل کے نمک خوار اور ایجنٹ ہیں اور جو اسرائیل کے اشارہ پر کسی نہ کسی طرح عرب ڈپلومیٹوں کو بدنام کرنے کی کوشش میں برابر لگے رہتے ہیں۔ اور اب تو ان اسرائیل نواز اخبارات کی عربوں کے خلاف معاندانہ سرگرمیاں کچھ اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ عرب ڈپلومیٹوں کو حکومت ہند سے احتجاج تک کرنے کی ضرورت پیش آگئی ہے۔

مثال کے طور پر حال ہی میں عرب سفارت خانوں میں کام کرنے والے عرب ڈپلومیٹوں نے مشترکہ طور پر احتجاج کرتے ہوئے حکومت ہند سے شکایت کی ہے کہ "ہندوستان کے بعض رسائل اور اخبارات بغیر کسی ثبوت اور ریکارڈ کے عرب ڈپلومیٹوں پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ وہ بلیک مارکٹ میں شراب فروخت کر کے روپیہ کماتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض عرب ڈپلومیٹوں پر اُن کا نام لیکر یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ وہ ہندوستانی عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ ملوث ہیں۔"

عرب ڈپلومیٹوں پر الزام تراشی کا یہ سلسلہ اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ ہماری وزارت خارجہ کے ایک ترجمان کو بھی عرب ڈپلومیٹوں کے خلاف اس قسم کی بے بنیاد الزام تراشیوں اور یاوہ گوئی کی مذمت کرنی پڑی ہے۔ ہمکو خوشی ہے کہ ہماری وزارت خارجہ نے اس مذموم فعل کی مذمت کر کے اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک عرب ممالک اور ہندوستان کے تعلقات کو بگاڑنے والے ان اسرائیلی پٹھوؤں کی صرف مذمت کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ عرب دوست ممالک اور ہند کے تعلقات خراب کرنے والے ان اخبارات و رسائل کے خلاف سخت سے سخت قانونی کارروائی برتی جائے تاکہ عرب مہمانوں کو آئندہ کبھی اس قسم کی شکایت کا موقع ہی نہ مل سکے۔

ہم کو نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ملک میں اسرائیل کی ایک ایسی لابی موجود ہے جسے کہ خدا واسطے کا عربوں سے بیر ہے یہ عرب ملکوں اور عرب ڈپلومیٹوں کے ساتھ معاندانہ روش اختیار کر کے خود اپنے ملک کے ساتھ کھلی ہوئی غداری کر رہے ہیں۔ کیونکہ عرب دنیا کے خوشگوار تعلقات سے ہمیں بے حد فوائد پہنچ رہے ہیں۔ ایک طرف تو ہمارے ملک کی تجارت کو عرب ممالک کے ذریعہ خوب فروغ حاصل ہو رہا ہے اور دوسری جانب دس لاکھ کے قریب جو ہندوستانی عرب ممالک کے مختلف شعبوں میں کام کر رہے ہیں۔ اُن کے ذریعہ ہمیں روزانہ دو کروڑ روپیہ سے زیادہ کا زر مبادلہ وصول ہو رہا ہے۔ پھر ہمارے ملک کی تیل کی جتنی بھی ضروریات ہیں اسے پورا کرنے میں بھی یہ عرب ممالک ہی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اگر ہماری سرکار ہند و عرب دوستی کی مخالف اسرائیلی لابی کی معاندانہ روش پر اگر کوئی پابندی نہیں لگا سکتی تو یہ بات بے حد افسوسناک بھی ہے اور ملک کے مفاد کے سراسر خلاف بھی ہے۔ اِس لئے اِس بات کی شدید ضرورت

ہے کہ ہمارے عرب دوست ممالک کے بدنام کرنے والے اخبارات و رسائل کو پوری طرح قانونی شکنجہ میں کسا جائے ۔

پاکستان میں ''نظام اسلام'' کی مٹی پلید

آجکل پاکستان اور بیرونی ممالک میں پاکستان کے خود ساختہ صدر جنرل ضیاء الحق کے نافذ کردہ ''نظام اسلام'' کا بڑے زور شور سے پروپگنڈا کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اسی ہفتہ نئی دہلی کے پاکستانی سفارت خانہ سے ہمیں اسی ''نظام اسلام'' کے بارے میں ایک طویل مراسلہ موصول ہوا ہے۔ جس میں کہ بڑے فخر کے ساتھ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ نہ صرف پاکستان میں بلکہ پوری دنیائے اسلام میں ضیاء الحق کی اس اسلامی خدمت کی بڑی تعریف کی جا رہی ہے اور انہیں زمانہ حاضر کا ایک مصلح قرار دیا جا رہا ہے ۔

واقعی اگر کسی ملک میں سیاسی مصلحت کے لئے نہیں بلکہ نیک نیتی کے ساتھ ''نظام اسلام'' نافذ کیا جاتا ہے تو بے حد قابل ستائش ہے۔ لیکن جب یہ سارا ڈھونگ اپنی ڈکٹیٹری کو برقرار رکھنے کے لئے رچایا جا رہا ہو تو اچھا خاصہ مذاق بن جاتا ہے۔ خدا کی شان ہے کہ جنرل ضیاء الحق ساری عمر تو بندوق تھامے ہوئے نوع انسانی کا جابجا خون بہاتے رہے ہیں۔ اور پاکستانی سربراہوں کے اشاروں پر پاکستان کے حریت نوازوں اور احتجاج کرنے والوں کے سینوں پر گولیاں برساتے رہے ہیں لیکن اچانک سیاسی مصلحتوں کے تحت اسلام کے ''مصلح اعظم'' بن گئے ہیں ۔

اسلام کے اس خانہ ساز ''مصلح'' سے پوچھا جا سکتا ہے کہ جبکہ اسلام میں شہنشاہیت اور فوجی ڈکٹیٹری دونوں ہی ناجائز ہی نہیں بلکہ قطعی حرام ہیں تو وہ اس خلاف شرع اور ناجائز عہدے پر کیوں فائز ہیں۔ اور سنت رسول اللہ کی بجائے قیصر و کسریٰ اور یزید کا مسلک انہوں نے کیوں اختیار کر رکھا ہے جنرل صاحب اگر واقعی نظام اسلام کے حامی ہیں تو انہیں سب سے پہلے حرام اور ناجائز ڈکٹیٹری کو خیرباد کہنے کے بعد اس اسلامی جمہوریت کو نافذ کرنا چاہئے جو خلفائے راشدین کا مسلک ہے۔ لیکن وہاں تو نہ نظام اسلام سے کوئی واسطہ ہے اور نہ شریعت اسلامیہ سے کوئی غرض ہے صرف اسلام کے نام پر پاکستانی عوام کو فریب دے کر اپنی ڈکٹیٹری کو قائم رکھنا ہے۔

پاکستان میں اس بات کا بھی بڑا شہرہ ہے کہ ان خانہ ساز ''مصلح اعظم'' کے حکم سے شرابیوں کے کوڑے لگائے جا رہے ہیں۔ اور زناکاروں کو سنگسار کیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ سزا بھی جنرل صاحب کے نزدیک دوسروں کے لئے ہے۔ اپنوں کے لئے نہیں ۔ چنانچہ پورے پاکستان میں اس بات کی شہرت ہے کہ بھٹو کو سزائے موت دینے والے اور جنرل صاحب کے آلہ کار لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مولوی مشتاق احمد کے اپنے مرحوم دوست میجر جنرل شیر جان کی حسین بیٹی ''جولیا'' سے جو یورپین عورت سے پیدا ہوئی ہے زمانہ دراز سے ناجائز جنسی تعلقات ہیں جس سے کہ خود جنرل ضیاء الحق بھی خوب واقف ہیں لیکن اس ''مصلح اعظم'' نے انہیں زناکاری اور بدکاری کی چھوٹ دے رکھی ہے ۔

یہ بات بھی خاص طور پر قابل غور ہے کہ جولیا کا بھائی ''سکوارڈن لیڈر جلیل'' چیف جسٹس مولوی مشتاق احمد کی حرکتوں سے بری طرح نالاں ہے چنانچہ اس نے چیف جسٹس انوار الحق کی معرفت پاکستان سپریم جوڈیشل کونسل کے نام مولوی مشتاق کے خلاف ایک درخواست بھیجی ہے ۔ اور اس درخواست کی نقل ''مصلح اعظم'' جنرل ضیاء الحق کو بھی روانہ کی جا چکی ہے۔ اس درخواست کے ذریعہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ یا تو چیف جسٹس مولوی مشتاق جولیا سے نکاح کرے یا اس کا پیچھا چھوڑ دے نیز اس درخواست کی نقل لاہور سے شائع ہونے والے ہفتہ وار اخبار ''مستقبل'' میں بھی شائع ہو چکی ہے مگر اس کے باوجود اسلام کے اس ''مصلح اعظم'' نے مولوی مشتاق کو زناکاری کے لئے آزاد چھوڑ رکھا ہے ۔

صرف اس ایک واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں ''نظام اسلام'' کا جو ڈھونگ جنرل ضیاء الحق نے رچا رکھا ہے اس کی اصلیت کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جونہی بھٹو کے مقدمہ کا آخری فیصلہ ہو جائے گا تو اس فیصلہ کے ساتھ نظام اسلام کا یہ ڈھونگ بھی ختم ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد اس ''مصلح اعظم'' اور خادم اسلام کا کیا حشر ہو گا وہ مستقبل بتائے گا۔

افغانستان میں علمائے اسلام کا قتل

ایک ایسے وقت میں جبکہ پورے مشرق میں احیائے اسلام کی تحریک تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اور انقلاب پر انقلاب رونما ہو رہے ہیں حیرت ہے کہ افغانستان کی کمیونسٹ حکومت کے صدر نور محمد ترا کی نے ان سے کوئی سبق نہیں لیا۔ اور انھوں نے افغانستان کی سابقہ تاریخ سے بھی کچھ نہیں سیکھا جبکہ مغرب پرستی اور بے پردگی کی بنا پر سابق شاہ افغانستان امیر امان اللہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا تھا۔ ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے افغانستان کے کمیونسٹ صدر بڑی بے دردی کے ساتھ اسلامی نظریات کو پامال کرنے میں پوری طرح مصروف ہیں

کاش نور محمد ترا کی اس بات کو محسوس کر سکتے کہ پوری دنیائے اسلام میں اس خبر سے اضطراب پھیل گیا ہے کہ افغانستان کی لادینی حکومت بڑی بے دردی کے ساتھ علمائے اسلام کو شہید کر رہی ہے۔ اسلامی مدارس اور کتب خانوں کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ اور اسلام پسند افغانوں پر بم باری کی جا رہی ہے۔ اور اس بم باری سے اس وقت تک افغانستان کی متعدد مسجدیں شہید ہو چکی ہیں۔ اور معاملہ یہاں تک بڑھ چکا ہے کہ افغانستان کے مختلف علاقوں میں افغانستان کی لادینی حکومت کے خلاف باقاعدہ جنگ جاری ہے۔ اور اس جنگ میں فریقین کے بے شمار آدمی ہلاک ہو چکے ہیں۔

تازہ اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ اب افغانستان میں اسلام پسندوں کی بغاوت اس حد تک وسعت اختیار کر چکی ہے کہ خود افغانستان کی موجودہ کمیونسٹ حکومت کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا ہے اور اس خطرہ کے محسوس کرتے ہوئے افغانستان کی لادینی حکومت نے اسلام پسندوں کے محاذ سے صلح و صفائی کی گفت و شنید کرنے کی بھی کوشش کی تھی مگر اسے کامیابی نہیں ہو سکی اسلام پسندوں کی طرف سے حسب ذیل مطالبات منظور کرنے پر افغانستان کی کمونسٹ حکومت پر زور ڈالا جا رہا ہے۔ (۱) کمونسٹ نظام کا خاتمہ اور اس کی جگہ اسلامی نظام کی بحالی (۲) نئے سرخ پرچم کی منسوخی اور اس کی جگہ سبز رنگ کے اسلامی پرچم کا احیاء (۳) فوج اور انتظامیہ کے مختلف شعبوں سے روسی ماہرین کا اخراج (۴) اور ایسے عام انتخابات کرائے جانے کی تاریخ کا اعلان جس میں کہ افغانستان کی تمام سیاسی پارٹیاں آزادانہ حصہ لے سکیں۔

اِن اطلاعات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ افغانستان میں اسلام پسند محاذ کا دباؤ دن بدن تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اور اگر صدر نور محمد ترا کی کی لادینی حکومت نے اسلام پسندوں کے مطالبات کو تسلیم نہیں کیا تو کوئی تعجب نہیں کہ افغانستان میں بھی ایران کی طرح کوئی نیا انقلاب رونما ہو جائے

دین دنیا کی قیمت میں معمولی سا اضافہ

جیسا کہ ہم نے دین دنیا کی گزشتہ اشاعت میں اعلان کیا تھا کہ کاغذ اور سامان طباعت کی گرانی اور محصول ڈاک کے غیر معمولی اضافہ کی بنا پر دین دنیا کی زیر نظر اشاعت سے قیمت میں ۲۵ پیسے کا اضافہ کیا جا رہا ہے ہم اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ دین دنیا کے قدردان اور معزز ناظرین اس پرچہ کی امتیازی خصوصیات کو دیکھتے ہوئے اس معمولی سے اضافہ کو محسوس بھی نہیں کریں گے مگر پھر بھی ہم اس اضافہ سے خوش نہیں ہیں۔ ہمیں عالم مجبوری میں اس جریدہ کو زندہ رکھنے کے لئے یہ قدم اٹھانا پڑا ہے

دین دنیا اگرچہ ایک کثیر الاشاعت جریدہ ہے لیکن اس کے لئے مشکل یہ ہے کہ نوے فیصد پرچہ ایجنسیوں کے ذریعہ فروخت ہوتا ہے۔ اور ایجنسیوں میں رجسٹری کا خرچہ۔ محصول ڈاک۔ اور کمیشن کی رقم نکالنے کے بعد ستر پچھتر پیسے فی پرچہ کے حساب سے ہمیں رقم وصول ہوتی ہے۔ جبکہ دین دنیا کی لاگت تقریباً سوا روپیہ فی پرچہ ہے۔ ایسی حالت میں دین دنیا کو صرف اسی طرح نقصان سے بچایا جا سکتا ہے کہ دین دنیا کے مستقل اور براہ راست پرچہ منگانے والے خریداروں میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کی کوشش کی جائے

دین دنیا کے ناظرین کو یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ دین دنیا دوسرے جرائد سے بالکل مختلف ہے۔ اس کا ایک مخصوص مشن ہے اس میں خاص اہتمام کے ساتھ ایسے مضامین شائع کئے جاتے ہیں جن کے ذریعہ مسلمانوں میں جرأت و حوصلہ اور بیداری پیدا ہو۔ بنیز یہ جریدہ اپنی حق گوئی اور بےلاگ تنقید کے لئے بھی پورے ملک میں مشہور ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس جریدہ کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے تاکہ یہ حسن و خوبی کے ساتھ اپنا مشن انجام دے سکے۔ ہمکو امید ہے کہ اس سلسلہ میں دین دنیا کے سب ہی معزز ناظرین ہماری پوری مدد کریں گے۔

باطل سے ہراساں کیا ہوگا

(از مولانا ماہر القادری)

جو موت کو خود لبیک کہے وہ حق سے گریزاں کیا ہوگا
جس دل میں خدا کا خوف نہ ہو باطل سے ہراساں کیا ہوگا

آئینِ چمن بندی بھی نہیں دستورِ نوا سنجی بھی نہیں
اب اس سے زیادہ گلشن کا شیرازہ پریشاں کیا ہوگا

اربابِ عمل سے یہ کہہ دو شکوہ نہ کریں کچھ کام کریں
جو ظلم و ستم پر اترائے شکووں سے پشیماں کیا ہوگا

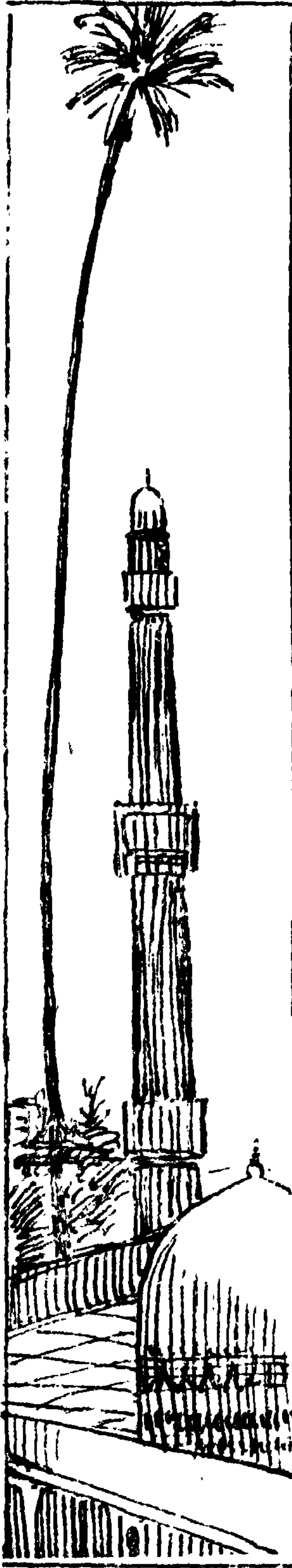
جو لوگ غرض کے بندے ہیں وہ اپنے خدا سے باغی ہیں
اس جرمِ بغاوت سے بڑھ کر ایمان کا نقصاں کیا ہوگا

مدت سے کشاکش جاری ہے صیاد میں اور گلچینوں میں
تنظیمِ گلستاں ہونے تک، انجامِ گلستاں کیا ہوگا

جس کشتی کے پتواروں کو خود ملاحوں نے توڑا ہو
اس کشتی کے سواروں کو پھر شکوۂ طوفاں کیا ہوگا

جس چوٹ سے دل میں الجھن ہے آہوں سے مداوا ناممکن
سینے میں جو محشر برپا ہے اشکوں سے نمایاں کیا ہوگا

اب اس شامِ خزاں نے اب تک تو ہر طرح سے پردہ داری کی
جب صبحِ بہار آ جائے گی، اے تنگیٔ داماں کیا ہوگا



اِستبداد کی بُنیاد ڈھانا ہے مجھے

(از مولٰنا منوّر بستوی)

جور و استبداد کی بُنیاد ڈھانا ہے مجھے
ہر ستم کے سامنے سینہ بڑھانا ہے مجھے

ہر قدم پر دین کا ڈنکا بجانا ہے مجھے
ہر نفس پر ضربِ الا اللہ لگانا ہے مجھے

جادۂ ایمان پر لاؤں گا ہر گمراہ کو
ہر مومن جوشِ ایمانی دکھانا ہے مجھے

مجھ میں ہیں پیغامِ بیداری کی ساری خوبیاں
زندگی کو خوابِ غفلت سے جگانا ہے مجھے

گو بظاہر ایک مشتِ خاک ہے میری بساط
اے فضا کون و مکاں کی تجھ پہ چھانا ہے مجھے

میری ہستی پر اثر انداز ہے وحدت کا رنگ
غیر کے در پر نہیں سر کو جھکانا ہے مجھے

چیرنا ہے سینۂ باطل کو حق کی تیغ سے
دل پہ اپنے تیر کھا کر مسکرانا ہے مجھے

بہرِ حق و آگہی پھر آتشِ نمرود میں
کلمۂ توحید پڑھ کر کود جانا ہے مجھے

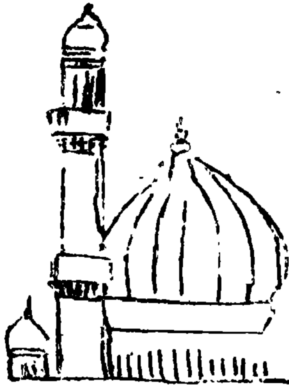
یہ بھٹکتے قافلے ، یہ کاروانِ گمشدہ
گمرہوں کو راہِ منزل کی دکھانا ہے مجھے

خاک میں ملتا ہے بیج اُگنے کی خاطر جس طرح
ویسے مٹ مٹ کر مقدر کو بنانا ہے مجھے

راہِ میدانِ عمل میں آ گیا میں آ گیا
لیجئے حق کے لئے سر کو کٹانا ہے مجھے

اِتحادِ باہمی کا درس دے کر قوم کو
دہر سے فتنہ طرازوں کو مٹانا ہے مجھے

یہ اُداسی کا سماں، یہ رنگ، یہ بے نور شب
اپنی محفل کو منوّر پھر سجانا ہے مجھے



تعلیم القرآن

پارہ بارھواں — وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ — سورہ ہود

(از ادارہ دین دنیا)

دین دنیا کی زیرِ نظر اشاعت میں ہم قرآنِ پاک کے بارھویں پارہ کی تعلیمات کی پانچویں قسط پیش کر رہے ہیں جس میں کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے بندوں کی عبرت و نصیحت کے لئے قومِ عاد اور قومِ ثمود کی بربادی کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔

قومِ عاد برباد ہوگئی

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا .... قَوْمِ هُوْدٍ ۝

ترجمہ:۔ اور جب ہمارا حکم پہنچا تو ہم نے ہود کو اور اُس کے صاحبِ ایمان ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور عذابِ شدید سے اُنھیں نجات دیدی۔ یہ سرگزشت قومِ عاد کی ہے اُنھوں نے اپنے رب کی آیتوں سے انکار کیا اور رسولوں کی نافرمانی کی اور یہ سب ایسے لوگوں کے کہنے پر چلتے رہے جو ظالم اور سرکش تھے۔ لہٰذا اُن کے ساتھ دُنیا میں بھی لعنت لگی رہی اور قیامت میں بھی (لعنت میں مبتلا رہے) خوب سُن لو قومِ عاد نے اپنے رب کے ساتھ انکار کیا اچھی طرح سُن لو رب کی رحمت سے دوری ہوئی عاد کو جو کہ ہود کی قوم تھی۔

تشریح:۔ جب قومِ عاد پر اِس نصیحت اور ہدایت کا کوئی اثر نہ ہوا تو اس قوم پر ہمارے عذاب کا حکم آن پہنچا اور اِس عذابِ الٰہی سے یہ قوم تباہ ہوگئی۔ مگر اس وقت ہم نے ہود کو اور اُن لوگوں کو جو ہود کے ساتھی اور صاحبِ ایمان تھے بچا لیا۔ اور اُنھیں اُس عذابِ شدید سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

جس بدبخت قوم کا یہ ذکر ہے وہ قومِ عاد تھی جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور احکامات سے انکار کیا اور اُس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی نافرمانی کی اور اس قوم کے افراد ایسے گمراہ لوگوں کے کہنے پر چلتے رہے جو انتہا درجہ کے ظالم اور سرکش تھے۔ لہٰذا یہ دنیا میں بھی لعنت میں مبتلا رہے اور روزِ قیامت بھی یہ لعنت بدستور ان پر مسلط رہے گی۔

خوب سُن لو کہ قومِ عاد نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا اور اِس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ قومِ عاد دونوں جہان میں اللہ کی رحمت سے محروم ہوتی چلی گئی۔ گمراہوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔

قومِ ثمود کو حضرت صالح کی نصیحت

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ .... وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝

ترجمہ:۔ اور ہم نے قومِ ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اُنھوں نے کہا۔ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اُس میں تمھیں بسایا پس تم اُسی سے مغفرت چاہو اور اُسی سے توبہ کے طلبگار ہو بیشک میرا رب (تمہارے) قریب ہے اور (توبہ کا) قبول کرنے والا ہے۔ (اُن لوگوں نے) کہا اے صالح تم تو اِس سے قبل ہم میں ہونہار تھے کیا تم اُن چیزوں کی پرستش سے منع کرتے ہو جن کی ہمارے بزرگ پرستش کرتے رہے تھے۔ اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بُلا رہے ہو اُس کے بارے میں ہمیں کچھ اس طرح کا شک ہے کہ ہمارا دل نہیں مانتا۔

آپ نے فرمایا، اے قوم بھلا یہ تو بتلاؤ کہ جبکہ میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر ہوں اور اُس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا

کی ہے ایسی حالت میں اگر میں خدا کا حکم نہ مانوں تو پھر خدا سے مجھے کون بچائے گا۔ تم تو سراسر میرا نقصان کر رہے ہو اور اے قوم یہ اللہ کی اُونٹنی ہے جو تمہارے لئے اللہ کی دلیل ہے۔ تمہیں چاہئے کہ اسے چھوڑ دو تاکہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسے کبھی بُرائی سے ہاتھ نہ لگانا۔ ایسا نہ ہو کہ فوری عذاب میں مُبتلا ہو جاؤ۔ مگر اُنھوں نے اُس کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ تب صالح نے کہا تین دن اپنے گھروں میں اور بسر کر لو یہ ایسا وعدہ ہے جس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں۔

تشریح :۔ اور ہم نے قوم ثمود کے پاس اُن کے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا میرے بھائیو اللہ ہی کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تمہیں زمین سے یعنی مٹی سے پیدا کیا ہے اور اُسی نے تمہیں زمین پر آباد بھی کیا ہے۔ تمہیں چاہئے کہ تم اُس سے مغفرت چاہو اور اُس کے رُوبرو اپنے گناہوں سے توبہ کرو۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ میرا پروردگار تم سے بہت ہی قریب ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔

یہ سُنکر قوم ثمود کے لوگوں نے کہا کہ اے صالح اس سے قبل تو ہماری قوم میں تمہیں نہایت ہونہار سمجھا جاتا تھا لیکن اب تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ہمیں اُن چیزوں کے پوجنے سے روک رہے ہو جن کی ہمارے بزرگ زمانہ دراز سے پرستش کرتے چلے آرہے ہیں جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو اُس پر ہمیں بے حد شبہ ہے اور ہمارا دل اُس کی جانب راغب ہونے کے لئے تیار نہیں ہے۔

صالح نے جواب دیا کہ بھائیو بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی جانب سے سچائی اور دلیل پر ہوں۔ اور اُس نے اپنی عنایت سے مجھے نبوت بھی عطا کی ہے تو ان حالات میں اگر میں اُس کی نافرمانی کرنے لگوں تو ایسا کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کریگا تم اس قسم کی کفر کی باتوں سے (اپنا اور) میرا سراسر نقصان کر رہے ہو۔

(قدرتِ الٰہی سے جب ایک اُونٹنی پہاڑ سے نکل کر سامنے آئی تو) پھر صالح نے کہا بھائیو! یہ اُونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی یعنی معجزہ ہے تم اسے آزاد چھوڑ دو۔ تاکہ یہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے پھرے اور کھائے پیئے کبھی اسے کسی قسم کی ایذا نہ پہنچانا ورنہ فوراً عذابِ الٰہی تمہیں اپنی گرفت میں لیلے گا۔ مگر اس قدر سمجھانے کے باوجود بھی ان شرارت پسندوں نے عناد کی بنا پر جب اُونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے اور اسے ہلاک کر دیا تو صالح نے کہا اب تمہارا وقت قریب آگیا ہے۔ تم تین دن اپنے گھروں میں اور بسر کر لو اس کے بعد تم پر عذابِ الٰہی نازل ہوگا۔ یہ ایسی بات ہے جس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے اور یہ ہو کر رہے گا۔

قوم ثمود پر تباہی آگئی

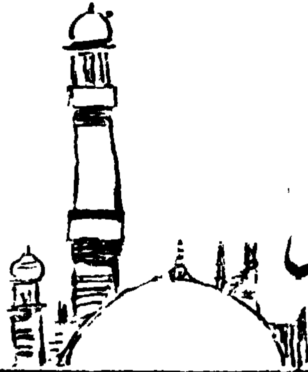
فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا .... اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۵

ترجمہ :۔ جب ہمارے عذاب کا حکم آیا تو ہم نے صالح اور اُس کے صاحبِ ایمان ساتھیوں کو بچا لیا اور اُس دن کی رُسوائی سے بھی۔ بے شک تمہارا رب ہی قوت والا اور غلبے والا ہے پس ان ظالموں کو ایک چنگھاڑ نے آن دبایا اور وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے منھ پڑے ہوئے تھے۔ اس طرح جیسے کہ وہاں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے۔ خوب سُن لو ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ خوب سُن لو ثمود رحمت سے دُور ہو گئے۔

تشریح :۔ آخر ہمارا عذاب نازل ہو گیا۔ اُس وقت ہم نے صالح کو اور اُن کے صاحب ایمان ساتھیوں کو عذابِ الٰہی سے بچا لیا۔ اور روز قیامت کی رُسوائی سے بھی محفوظ رکھا۔ اے رسول عربی اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا پروردگار بڑا ہی صاحبِ قوت اور غلبہ والا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے کفر اور ظلم کیا تھا۔ انھیں ایک خوفناک چنگھاڑ نے بے ہوش کر دیا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے منھ پڑے ہوئے تھے۔ اور یہ خطہ اس طرح ویران ہو گیا جیسے کہ اس خطہ میں کبھی انسان آباد ہی نہیں ہوئے تھے کان کھول کر سُن لو کہ ثمود نے اپنے رب سے انکار کیا تھا جس کا یہ انجام ہوا۔ اور سُن لو لعنت ہو ثمود پر۔

اُوپر کی آیتوں میں جس اُونٹنی کا ذکر ہے اُس کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت صالح نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اُن کی قوم نے اُن سے معجزہ طلب کیا حضرت صالح نے بارگاہِ اقدس میں دعا کی تو حق تعالیٰ نے ایک پہاڑ میں سے عجیب غریب اُونٹنی ظاہر فرما دی اس معجزہ کو دیکھ کر وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو جادو معلوم ہوتا ہے۔ اس پر حضرت صالح نے اُنھیں نصیحت کی کہ جادو سمجھ کر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرنا مگر وہ نہ مانے اور اُنھوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور عذابِ الٰہی میں مبتلا ہو کر تباہ ہو گئے۔

مستند کتب میں درج ہے کہ ان پر عذاب آیا تو اس طرح کہ بستی کے لوگ رات کو غافل سو رہے تھے کہ فرشتہ نے چنگھاڑ ماری اور اس خوفناک آواز سے سب کے جگر پھٹ گئے اور سب ہی آن کی آن میں ہلاک ہو گئے۔



تعلیم الحدیث

اُمّتِ محمّدی کو مِٹایا نہیں جا سکتا

مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔ جسمیں ہمدردی نہیں وہ مسلمان نہیں

(از شوکت علی فہمی)

احادیث کی مستند کتب سے ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات درج کئے جا رہے ہیں۔ تاکہ مسلمان اِن جواہر پاروں سے استفادہ کر سکیں۔

اُمّتِ محمّدی کو مٹایا نہیں جا سکتا

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ خواہ اُمّت محمّدی کو کتنی ہی مشکلات کیوں نہ پیش آئیں اور اُسے مٹانے کی کتنی ہی کوششیں کیوں نہ کی جائیں لیکن یہ اُمّت دوسری اُمّتوں کی طرح مٹ نہیں سکتی چنانچہ اِس ضمن میں صحیح حدیث ہے:۔

"معاویہ بن قرہ رض راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمّت میں سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی جماعت مخالفینِ اسلام پر حاوی رہے گی۔ اِس جماعت کو وہ لوگ کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے جو اس کی اعانت ترک کر دیں گے (یعنی مخالف ہو جائیں گے) یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائیگی"۔
(ترمذی)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمّت کی ابتدا بھی بہتر ہے اور انجام بھی بہتر ہوگا۔ چنانچہ حدیث ہے:۔

"جعفر صادق رض راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمّت کی مثال باغ کے مانند ہے جس سے ایک سال ایک جماعت اور دوسرے سال دوسری جماعت نے فائدہ اُٹھایا۔ ممکن ہے کہ وہ جماعت جس نے آخر میں فائدہ اُٹھایا پہلی جماعت سے تعداد میں زیادہ ہو اور خوبیوں میں بھی اُس سے بہتر ہو۔ بھلا وہ اُمّت کیونکر ہلاک ہو سکتی ہے جس کے اوّل میں، میں ہوں، درمیان میں مہدی اور آخر میں مسیح ہوں"۔ (مشکوٰۃ)

اُوپر کی یہ دونوں حدیثیں اُن مسلمانوں کے لئے خوشخبری ہیں جو اُمّتِ مسلمہ کے انجام سے فکر مند رہتے ہیں۔ اُنھیں سوچنا چاہیئے کہ جبکہ رسول مقبول صلعم کی سب ہی پیشین گوئیاں حرف بحرف صحیح ثابت ہو چکی ہیں تو یہ پیشین گوئی بھی درست ثابت ہوگی اور انشاء اللہ مسلمانوں کو دُنیا کے ہر حصہ میں اُن کا جائز مقام حاصل ہوگا۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ گذشتہ چودہ سو سال کے اندر مسلمانوں کے لئے بڑے بڑے نازک وقت آئے ہیں لیکن مسلمان گر گر کر سنبھلے ہیں تاتاریوں نے چُن چُن کر مسلم حکومتوں کو تباہ کر ڈالا تھا۔ اور عام خیال یہ تھا کہ اب مسلمان سنبھل ہی نہ سکیں گے لیکن چند ہی دہائیوں کے بعد خود تاتاری حلقہ بگوشِ اسلام بننے کے بعد اسلام کے پشت پناہ بن گئے۔

صرف ضرورت اِس بات کی ہے کہ مسلمان سچے مسلمان بنیں، اور اُس اتحاد اور یکجہتی کے سبق کو یاد رکھیں جو اسلام نے اُنھیں دیا ہے۔ انشاء اللہ دُنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی رسول مقبول صلعم کی اس پیشین گوئی کے مطابق اُنھیں نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرو

اسلام نے اپنے متبعین کو ہدایت کی ہے کہ وہ مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ

کریں۔ اور ہمیشہ مصائب پر صبر و ضبط سے کام لیں اور کسی بڑی سے بڑی پریشانی سے بھی نہ گھبرائیں۔ چنانچہ اِس بارے میں صحیح حدیث ہے:۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس قدر بڑی مصیبت برداشت کی جاتی ہے اُسی قدر اُس کا اجر ملتا ہے! اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اُسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے (تاکہ وہ مصیبت پڑنے کے بعد کندن بن جائے) پھر اس قوم سے جو راضی ہوا اس سے خدا بھی راضی ہے اور جو اس سے ناراض ہوا خدا تعالیٰ بھی اُس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ (ترمذی)

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں وہی قومیں اُبھرتی اور ترقی کرتی ہیں جن میں کہ مصائب کے برداشت کرنے کی ہمت ہوتی ہے۔ اور جو قومیں مشکلات سے گھبرا جاتی ہیں وہ صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ طلوعِ اسلام کے وقت تک کے مسلمانوں نے کیسی کیسی مصیبتیں برداشت کی ہیں اور مکہ سے جب مسلمان مدینہ ہجرت کر گئے اُس وقت بھی کئی بار [illegible] دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرنا پڑا تھا لیکن مسلمان ذرہ بھی نہ گھبرائے۔ اور مسلمانوں کی اسی ہمت اور جرأت کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ مختصر سے عرصہ میں آدھی سے بھی زیادہ دنیا کے مختارِ مطلق ہو گئے۔

ہمارا خیال ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ اگر آج بھی مسلمان ہمت و جرأت اور حوصلہ مندی سے کام لیں اور اس حدیثِ نبوی پر عمل کریں تو اُن کی سب ہی مشکلات کا آسانی سے خاتمہ ہو سکتا ہے۔

جس میں ہمدردی نہیں وہ مسلمان نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سچا مسلمان وہ ہے جو اپنے مسلمان بھائیوں کا ہمدرد ہو۔ اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کرے اور اُن کی تکلیف پر بے چین ہو جائے چنانچہ اس ضمن میں صحیح حدیث ہے :۔

"ابن عمر رضؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا دینی بھائی ہے کوئی مسلمان نہ تو کسی مسلمان پر ظلم کرے۔ اور نہ اُسے ہلاکت میں ڈالے۔ جو مسلمان بھی کسی مسلمان بھائی کی حاجت روائی میں مدد کرے گا۔ خدا اُس کی مصیبت اور رنج و غم کو دور کرے گا خصوصاً

سے روزِ قیامت کی مصیبت اور غم کو۔ اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب کو چھپائیگا خداوند تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب کو چھپائے گا" (بخاری و مسلم)

اِس حدیث سے صاف طور پر واضح ہے کہ حضور محترم نے اخوتِ اسلامی کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے :۔

"انس رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بندہ اُس وقت تک مومنِ کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی اُسی بات کو پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے" (بخاری و مسلم)

رسول مقبول صلعم کے ان ارشادات سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہے کہ ایک مسلمان اُس وقت تک مومنِ کامل کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس میں پوری طرح اخوتِ اسلامی موجود نہ ہو۔

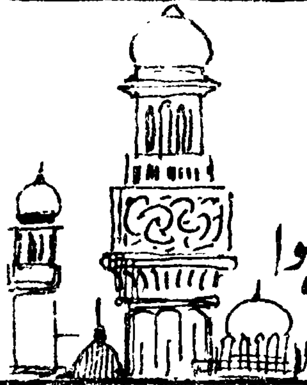
شوہر کی اطاعت بیوی کیلئے ضروری

تہذیبِ جدید اور معاشرہ کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ عورتوں میں خودسری دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے جس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں تلخیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ حالانکہ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ شوہروں کی اطاعت کریں چنانچہ اس بارے میں حدیث ہے :۔

"عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ آیا اور اُس نے نبی صلعم کو سجدہ کیا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو چوپائے اور درخت سجدہ کرتے ہیں اس لئے ہم کو بھی سجدہ کرنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا اپنے پروردگار کو سجدہ کرو اور اپنے بھائی کی عزت کرو۔ اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ کسی عورت کا شوہر اگر یہ حکم دے کہ زرد رنگ کے پہاڑ سے پتھر اٹھا اٹھا کر سیاہ پہاڑ پر لیجائے اور سیاہ پہاڑ سے اٹھا کر سفید پہاڑ کی طرف لے جائے تو اُسے ایسا ہی کرنا چاہیئے۔"

یعنی عورتوں کو شوہروں کی خاطر مشکل سے مشکل کام سے گریز نہیں کرنا چاہیئے اور عورتوں کی اس اطاعت شعاری کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انکی ازدواجی زندگی میں کبھی تلخی نہیں پیدا ہوگی۔

اسلامی افکار



یہ غلط ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا

اسلام کو محض اس کی رواداری کی بدولت فروغ حاصل ہوا

(از جناب محمد یعقوب خاں)

اسلام پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے اس مذہب کی اشاعت میں تلوار سے کام لیا ہے ذیل کے مقالہ میں جناب محمد یعقوب خاں ایڈیٹر اخبار لائٹ نے بڑی خوبی کے ساتھ اس الزام کا جواب دیا ہے۔ ہم اس انگریزی مقالہ کا ترجمہ ناظرین دین دنیا کی دلچسپی کے لئے ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

مسلمانوں کی ملکی فتوحات ایک تاریخی صداقت ہے۔ سب ہی کو معلوم ہے کہ مسلمان عرب کی سرزمین سے اٹھ کر دیکھتے ہی دیکھتے ایشیا۔ افریقہ اور یورپ کے ملکوں میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوگئے تھے اور اُنھوں نے ان ملکوں میں اپنی حکومتیں اور ریاستیں بھی قائم کرلی تھیں مسلمان چونکہ بہت تھوڑی سی مدت میں بڑی بڑی سلطنتوں کے حکمراں بن گئے تھے اور یہ بات تاریخ میں بالکل انوکھی اور نئی تھی اس لئے غلط طور پر یہ خیال قائم کرلیا گیا تھا کہ اسلام کا یہ فروغ اُن کی تلوار کی قوت وطاقت کا نتیجہ ہے۔ اور چونکہ اسلام کے اس فروغ سے عیسائیت کو براہِ راست نقصان پہنچا تھا اس لئے انھوں نے مسلمانوں کے خلاف مذکورہ بالا غلط فہمی کو بڑھانے اور پھیلانے میں خصوصیت کے ساتھ حصّہ لیا تھا۔

مسلمانوں کو اپنے وطن عرب سے باہر نکل کر شروع ہی میں ایران اور روم کی عظیم الشان سلطنتوں سے کیوں ٹکرانا پڑا تھا؟ اس کا جواب اُس وقت کے عام سماجی حالات سے ملتا ہے۔ اور یہ حالات ہمیں بتاتے ہیں کہ اسلام کے ظہور کے وقت ملکی فتوحات کو اگرچہ زندہ قوموں کا ایک قابلِ فخر کارنامہ سمجھا جاتا تھا لیکن جب عرب فاتحانہ حیثیت سے بڑھے تو اسے ناقابلِ برداشت سمجھا گیا۔

اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلام کے ظہور سے پہلے دُنیا کی قوموں میں عربوں کو کوئی حیثیت حاصل نہ تھی۔ اُنھیں وحشی اور پس ماندہ تصور کیا جاتا تھا لیکن جب اسلام نے اُن میں ایک نئی زندگی پیدا کی تو اُن کے ہمسایہ قوموں کے لئے اُن کا نیا مذہب اور اس مذہب کی بدولت ان میں نئی زندگی۔ یہ دونوں ہی چیزیں ہمسایہ قوموں کے لئے ناقابلِ برداشت ثابت ہوئیں اور انھوں نے عربوں کی اس نئی طاقت کو کچلنے کے لئے اُن کے خلاف فوراً ہی فوجی کارروائیاں شروع کردیں۔

اپنے ملک عرب میں ابھی مسلمانوں کو پوری طرح استحکام حاصل بھی نہ ہوا تھا کہ اُن پر یورشیں شروع ہوگئیں اور وہ اپنی مدافعت کے لئے مجبور کر دئے گئے۔ چنانچہ تاریخ میں مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے یہ الفاظ آج بھی موجود ہیں کہ "کاش ہمارے اور ایران کے درمیان آگ کا ایک پہاڑ حائل ہوتا جس کی وجہ سے ایرانی ہم پر حملہ نہ کرسکتے اور ہمیں دفاعی طور پر اُن کے مقابلہ میں فوجی پیش قدمی نہ کرنی پڑتی۔"

حضرت عمر فاروق کے مندرجۂ بالا الفاظ سے یہ ثابت ہے کہ مسلمانوں کو جو لڑائیاں لڑنی پڑی تھیں وہ جارحانہ نہیں تھیں بلکہ اپنے بچاؤ کے لئے دفاعی تھیں۔ پھر بھی ہم اس بات سے انکار نہیں کرسکتے کہ مسلمانوں نے اپنی حفاظت کے لئے جو تلوار اُٹھائی تھی وہ اُس وقت تک بلند رہی جب تک کہ انھیں اپنی حفاظت کی طرف سے پورا اطمینان حاصل نہیں ہوگیا۔ اور انھوں نے اپنے دشمنوں کو شکست

اور سلطنت سے محروم کر کے اتنا کمزور نہیں بنا دیا کہ وہ آئندہ آسانی سے سر نہ اٹھا سکیں۔

ظہورِ اسلام کے بعد مدافعانہ لڑائیوں کی بدولت مشرق و مغرب میں مسلمانوں کی جو زبردست حکومتیں قائم ہو گئی تھیں اُن کے بارے میں یہ غور کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں نے ان حکومتوں کو اپنے ذاتی مفادات اور حصولِ دولت و اقتدار یا اسلام کو پھیلانے کے لئے قائم کیا تھا یا اُن کا مقصد کچھ اور تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے ہمیں ان حکومتوں کے عام کردار کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور اِس مطالعہ سے پہلے یہ بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ اس زمانہ میں دوسری غیر مسلم سلطنتوں کا کردار کیا تھا۔

مسلمانوں کی ملکی فتوحات کے زمانہ ہی میں یورپ کے بعض طاقتور حکمراں بھی ملکی فتوحات میں مشغول تھے۔ ان حکمرانوں میں چارلس اعظم کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہے۔ چارلس اعظم نے یورپ کے بہت سے وسطی علاقوں اور شمالی اطالیہ کو فتح کر کے اپنی حدودِ مملکت میں شامل کر لیا تھا۔ لیکن اُس کے دور کے ایک مورخ ڈاکٹر سیلی نے اُس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اُس سے اُس عہد کی غیر مسلم حکومتوں کا کردار بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر سیلی کا بیان ہے کہ "چارلس اعظم ملکی فتوحات اور توسیع عیسائیت میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا تھا۔ اس نے جو لڑائیاں بھی لڑی تھیں اُن میں عیسائیت کو پھیلانے کا جذبہ بہت نمایاں تھا اور مفتوحہ علاقوں میں وہ اعلان کر دیتا تھا کہ جو مفتوحین عیسائیت قبول نہیں کریں گے اور غیر عیسائی طریقہ پر زندگی بسر کریں گے اُنھیں موت کی سزا دی جائے گی۔" اور چارلس کے اس حکم کے مقابلہ میں فاتحین اسلام کا یہ اعلان تھا "مذہب کے معاملہ میں کسی پر جبر نہیں کیا جائیگا اور اسلامی حکومت ہر مذہب کا پورا پورا احترام اور اُن کے ماننے والوں کا ہر طرح تحفظ کرے گی۔" اور یہی اسلام کا بھی حکم ہے۔

چارلس اعظم کے دورِ حکومت کا تقریباً وہی زمانہ تھا جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا تھا۔ اسی لئے بہت سے مورخوں نے ان دونوں فاتحوں کے دورِ حکومت کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "چارلس کے طرزِ حکومت اور محمد بن قاسم کے طریقِ حکمرانی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مسلمانوں نے دولت یا حکومت کے لالچ میں یا اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے سندھ کو فتح نہیں کیا تھا بلکہ اُس زمانہ میں سندھ کے ساحل پر آنے والے مسلمان تاجروں کے ساتھ جو بدسلوکیاں کی جاتی تھیں اور سندھ کے حکمراں شکست خوردہ ایرانیوں کے ساتھ مل کر عربوں پر حملہ کی جو تیاریاں کر رہے تھے سندھ پر مسلمانوں کے حملہ کا مقصد ان بدسلوکیوں اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کو روکنا تھا۔" پھر اِس بات کی تصدیق اُس طرزِ عمل سے بھی ہو جاتی ہے جو محمد بن قاسم نے سندھ کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ چونکہ جنگ کی وجہ سے سندھ کے باشندوں کو نقصان پہنچا ہے اِس لئے ہر شخص کو شاہی خزانہ سے کم از کم بارہ درہم چاندی دے کر اہلِ سندھ کی مالی امداد کی جائے۔

اس کے علاوہ محمد بن قاسم نے سندھ کی فتح کے بعد وہاں کے برہمنوں کے تمام سابقہ حقوق کو نہ صرف بحال ہی رکھا تھا بلکہ بہت سوں کو بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر بھی مامور کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ ایک ہندو ہی کو وزیر اعظم مقرر کیا تھا۔ اُن کے مندروں اور اوقاف کے تحفظ کی ضمانت دی تھی اور جنگ کے زمانہ میں جن مندروں کو نقصان پہنچ گیا تھا سرکاری خزانہ سے اُن کی مرمت کرائی تھی نیز مالیانہ کی ایک رقم مندروں کی امداد کے لئے متعین کر دی تھی اور محمد بن قاسم نے غیر مسلموں کی جان و آبرو اور املاک کے تحفظ کے سلسلہ میں سخت ہدایات جاری کی تھیں اور اُمورِ سلطنت میں اُس نے بہت سے ہندوؤں کو شریک کر لیا تھا تاکہ اُن کی موجودگی کے باعث کسی شخص کی جانب سے بھی اِن ہدایات کی خلاف ورزی کی جرأت نہ ہو سکے اور صرف محمد بن قاسم اور چارلس اعظم کے طرزِ حکمرانی کے اِس موازنہ ہی سے اِس بات کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ نہ تو اسلام تلوار سے پھیلا تھا اور نہ جبر کے ذریعہ بلکہ اسلام کو اُس کی حقانیت اور رواداری کی بدولت فروغ حاصل ہوا۔

مسلم فاتحوں کی یہ رواداری صرف سندھ یا کسی مخصوص علاقہ ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ مسلمان دنیا کے جس حصہ میں بھی گئے اُنھوں نے مفتوحین کے ان تمام حقوق کو بحال رکھا جو اُنھیں پہلے سے حاصل تھے اور اِس کے ساتھ ہی سابقہ حکومتوں کے برعکس اُنھوں نے اِس بات کی ضمانت بھی دی کہ ملک کے سابقہ غیر مسلم باشندوں کو جو حقوق حاصل ہیں کوئی شخص بھی اُنھیں چھین نہیں سکے گا۔ غرضکہ تھوڑی ہی مدت میں مسلمانوں کی حیرت انگیز ملکی فتوحات، اُن کی حکومتوں کا قیام اور خود اسلام کی مقبولیت کا راز اُن کے اسی رواداراً طرزِ عمل میں پوشیدہ ہے۔ چنانچہ آج مغربی ملکوں میں (باقی صفحہ ۳۰ پر)



تاریخ اسلام کا ایک ورق

طبرستان میں نعرۂ توحید کی گونج

مٹھی بھر مجاہدین نے مشرکوں کی حکومت کا تختہ الٹ دیا

(از شوکت علی فہمی)

عباسیوں کے دور میں خلافت اسلامیہ نے شہنشاہیت کی شکل اختیار کرلی تھی اس لئے اُس زمانہ کے مسلمانوں میں قرون اولیٰ کے حکمرانوں کی طرح جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ باقی نہیں رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی ایسے مردان حق موجود تھے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی سرفروشی اور جہاد کی یاد تازہ کر دیتے تھے۔ چنانچہ ذیل میں ہم خلیفہ منصور عباسی کے عہد کا ایک واقعہ درج کر رہے ہیں جس سے کہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اُس زمانہ میں بھی کیسے کیسے مردان حق موجود تھے۔

طبرستان کی تاریخی سرزمین میں ایک نامور بزرگ امین بن اسمٰعیل مدفون ہیں یہ وہ مرد مجاہد ہیں جنھوں نے اپنی جان کی بازی لگا کر سب سے پہلے طبرستان میں نعرۂ تکبیر بلند کیا تھا۔ اور جو کام کہ بڑی بڑی حکومتیں انجام نہیں دے سکی تھیں وہ اس مرد مومن نے کر کے دکھا دیا تھا۔

طبرستان کی سرزمین ہزاروں برس سے کفر و شرک کا بہت بڑا مرکز بنی ہوئی تھی خلفائے بنی امیہ نے اگرچہ کئی بار اس علاقہ پر حملے کئے لیکن طبرستان کے جنگجو ترکوں کو جو مذہباً کافر تھے زیر نہ کر سکے اور طبرستان بدستور کفر و شرک کا مرکز بنا رہا

خلافت بنی امیہ کے آخری دور میں چونکہ مسلمان بری طرح خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئے تھے اس لئے طبرستان کی مشرک حکومت اور بھی زیادہ مضبوط ہو گئی تھی۔ اموی حکمرانوں کے بعد جب خلافت اسلامیہ عباسیوں کے ہاتھ میں آئی تو وہ اپنی نئی حکومت کے استحکام میں لگ گئے اس لئے وہ بھی طبرستان کی جانب کوئی توجہ نہ کر سکے۔

جس زمانہ میں کہ خلیفہ منصور عباسی مسند آرائے خلافت تھا۔ اُسی زمانہ میں طبرستان کی حکومت شاہ مرزیق نامی ایک نہایت ہی بدباطن حکمران کے ہاتھ میں تھی۔ مرزیق صرف کافر ہی نہیں تھا بلکہ اسلام کے جانی [illegible] انتہا درجہ کا گستاخ بھی تھا۔ اور وہ اکثر رسول مقبول صلعم کی شان میں گستاخیاں کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ اُس نے منصور عباسی کی خلافت کے زمانہ میں مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ کو گرفتار کر کے انہیں قید خانہ میں ڈالدیا۔ طرح طرح کی اذیتیں دیں اور اُن سے کہا:

"ہم نے سنا ہے کہ تمھارے خدا اور تمہارے رسول میں بہت بڑی طاقت ہے۔ اگر واقعی تمھارا خدا سچا ہے اور تمھارا رسول برحق ہے تو انہیں اپنی مدد کے لئے بلاؤ تاکہ ہم بھی تمھارے خدا اور رسول کی طاقت کا اندازہ لگا سکیں۔"

غرضکہ وہ اسی قسم کی گستاخیاں برابر کرتا رہتا تھا۔ اتفاق سے اس کی ان گستاخیوں کی اطلاع عراق کے ایک بزرگ امین بن اسمٰعیل کو پہنچ گئی وہ ان گستاخیوں کو برداشت نہ کر سکے۔ اور انھوں نے طبرستان کے بدباطن اور گستاخ بادشاہ سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ امین بن اسمٰعیل اپنے دور کے ایک بہت بڑے اور با اثر بزرگ تھے انھوں نے چند روز کے اندر ہی ملک میں گھوم پھر کر مجاہدین کا ایک عظیم الشان لشکر تیار کر لیا۔ اور اس لشکر کو لے کر ہوئے وہ دارالخلافہ ہاشمیہ میں آئے

اور خلیفہ منصور سے ملاقات کے دوران کہا

"آپ پوری مملکت اسلامیہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ جو مشرک حکمراں کھلم کھلا خدا اور رسول کی توہین کرتے ہیں اُن کا قلع قمع کریں لیکن حکومت کے کاموں نے آپ کو اِس فرض سے غافل کر دیا ہے شاہ طبرستان مسلسل اسلام کے ساتھ گستاخیاں کر رہا ہے ہم نے اُسے سزا دینے کے لئے مجاہدین کا ایک لشکر تیار کر لیا ہے مگر ہمارے پاس ہتھیار نہیں ہیں ہم ہتھیار طلب کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔ اگر ہمیں ہتھیار نہ مل سکے تو بغیر ہتھیاروں ہی کے اپنا فرض پورا کریں گے تاکہ قیامت میں ہمیں شرمسار نہ ہونا پڑے"

خلیفہ منصور امین بن اسمٰعیل کی گفتگو اور ایمانی تڑپ سے بے حد متاثر ہوا۔ چنانچہ اُس نے نہ صرف سامانِ حرب اور رسد کا انتظام کر دیا بلکہ کئی ہزار آزمودہ کار سپاہی بھی ان کے ہمراہ کر دیئے۔ اور اس طرح مجاہدین کا یہ لشکر شاہ طبرستان سے خدا اور رسول کی توہین کا انتقام لینے کے لئے روانہ ہو گیا۔

اُدھر طبرستان کی یہ حالت تھی کہ وہاں کا بچہ بچہ کیونکہ جنگ جو سپاہی بنا ہوا تھا۔ اِس لئے شاہ طبرستان کی فوجی طاقت بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اور طبرستانیوں کی جنگ جوئی کا یہ نتیجہ تھا کہ سابق خلفائے اسلام ہمیشہ ہی طبرستان کو زیر کرنے میں ناکام رہے تھے۔

لیکن اس مرتبہ شاہ طبرستان کو جن لوگوں سے مقابلہ کرنا تھا وہ کسی فوج کے تنخواہ دار سپاہی نہیں تھے بلکہ ایسے مجاہدین حق تھے جنھوں نے اپنی جانوں کا اللہ سے سودا کر رکھا تھا۔ جو سر سے کفن باندھ کر اپنے گھروں سے نکلے تھے اور جو یہ تہیہ کئے ہوئے تھے کہ یا تو طبرستان میں نعرہ توحید بلند کریں گے یا اپنی جانیں قربان کر دیں گے

یہ اُسی قسم کے سرفروش اور جانباز سپاہی تھے جنھوں نے کہ قرونِ اولیٰ میں قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کا تختہ الٹ دیا تھا۔ اِس لئے ان کا مقابلہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ انہیں نہ مال کی طمع تھی اور نہ حکومت کی خواہش یہ تو محض اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے اس سرزمین پر آئے تھے اور اُس بد باطن حکمراں کو سزا دینے کے لئے جو خدا اور رسول کا تمسخر اڑانے میں نہایت ہی گستاخ اور بے باک ہو

جونہی ان مجاہدین نے طبرستان کی سرزمین پر قدم رکھا تو شہر کوہ کی فوج ان پر ٹڈی دل کی طرح ٹوٹ پڑی اور پورا طبرستان آن کی آن میں ایک فوجی چھاؤنی بن گیا۔ اُدھر مسلمانوں کے دینی جوش کا یہ عالم تھا کہ وہ برابر سینہ تانے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور قدم قدم پر موت کو دعوت دے رہے تھے کیونکہ وہ تو میدان کارزار میں آئے ہی اِسی لئے تھے کہ راہ حق میں گردن کٹانے کے بعد شہدا کا درجہ حاصل کر لیں۔

بس پھر کیا تھا ایک ایسی خوفناک جنگ چھڑ گئی جس کی مثال مشکل ہی سے تاریخ میں مل سکتی ہے۔ ایک طرف طبرستان کے جنگجو درندے تھے اور دوسری جانب دین کے نشہ میں سرشار مجاہدین غرضکہ جنگ پورے شباب پر تھی یہ کیفیت ایک دو دن نہیں بلکہ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک جاری رہی۔ طبرستانیوں کو یہ سہولت حاصل تھی کہ وہ اپنے وطن میں تھے لیکن اِس کے باوجود بھی مجاہدین اسلام کے حوصلے نہایت بلند تھے۔ وہ یہ فیصلہ کرکے اپنے گھروں سے نکلے تھے کہ یا تو جان دے دیں گے یا اِس سرزمین کو ہمیشہ کے لئے کفر اور شرک سے پاک کر دیں گے۔

طبرستان کی جنگ جب سے چھڑی تھی مجاہدین کے سپہ سالار امین بن اسمٰعیل اِس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح بدباطن شاہ مرزیق اُن کے مقابلہ پہ آجائے اور وہ اُس کا سر تن سے جدا کرنے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ آخر اُن کی یہ تمنا پوری ہو گئی ایک معرکہ میں مرزیق جنگ کرتا ہوا سپہ سالار اسلام کے قریب آگیا۔ اُس کا قریب آنا تھا کہ اسمٰعیل دیوانہ وار اُس پہ ٹوٹ پڑے۔ اور ایک فیصلہ کن معرکہ گرم ہو گیا۔ اس معرکہ میں امین بن اسمٰعیل بری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ لیکن اُن کی تلوار برابر دشمنوں پر چمک رہی تھی یہاں تک کہ اُنھوں نے بدباطن مرزیق کا سر تن سے جدا کر دیا۔

مرزیق کا قتل ہونا تھا کہ جنگ کا سارا نقشہ ہی بدل گیا طبرستانیوں کے حوصلے پست ہونے لگے اور مجاہدین کی ہمت اس وقت اور بھی بڑھ گئی جبکہ خلیفہ منصور نے تازہ دم فوج مجاہدین کی امداد کے لئے بھیج دی۔

مختصر یہ کہ طبرستان کا وہ علاقہ جسے بڑے بڑے خلفا بھی فتح نہ کر سکے تھے اُسے امین بن اسمٰعیل جیسے ایک مجاہد نے

تاریخ ہند



شاہان ہند کو بھلایا نہیں جا سکتا

انھوں نے ہندوستان میں عظیم الشان کارنامے انجام دیے ہیں

(نامور مفکر۔ ایم۔ این۔ رائے کے قلم سے)

ہندوستان کے نامور مفکر مسٹر ایم۔ این۔ رائے کا ذیل کا مقالہ اُن فرقہ پرستوں کے لیے دندان شکن جواب ہے جو گزشتہ ڈیڑھ سو برس سے شاہان ہند کے خلاف فرضی افسانے گھڑ کر اس ملک کی اکثریت کو برابر مسلمانوں کے خلاف مشتعل کر رہے ہیں۔ یہ مقالہ مسٹر ایم۔ این۔ رائے کی کتاب "دی ہسٹاریکل رول آف اسلام" سے ماخوذ ہے۔ لائق مفکر نے اِس مقالہ کے ذریعہ یہ بتایا ہے کہ شاہان ہند سے ہندوستان کو کیسے گراں قدر فوائد پہنچے ہیں۔ توقع ہے کہ یہ مقالہ پسند کیا جائے گا۔

ہمارے ملک کی اکثریت کے ایک طبقہ میں مسلمانوں کے خلاف ناپسندیدگی اور ناخوش گواری کے جو جذبات پائے جاتے ہیں اُس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یا تو وہ تاریخی حقائق سے ناواقف ہیں یا انہیں غلط تاریخی واقعات کے ذریعہ گمراہ کیا گیا ہے۔ کیوں کہ جہاں تک تاریخی حقائق کا تعلق ہے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے فاتح کی حیثیت سے ہندوستان میں آکر زندگی کے ہر گوشہ میں ایسے بے شمار کارنامے انجام دیے ہیں جو قابل تعریف ہیں اور جن کی بدولت ہماری اجتماعی زندگی کو بے حد فائدہ پہنچا ہے۔

مسلمانوں نے اِس ملک میں سماجی اصلاح۔ تعمیرات عامہ صنعت و تجارت کی ترقی اور عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کے سلسلہ میں جو قابل قدر اقدامات کیے ہیں ہمارے ملک کے باشندوں کا ایک طبقہ صرف اپنی مذہبی تنگ دلی اور تعصب کی بنا پر آج انہیں بالکل فراموش کر دینا چاہتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ جس تعصب کا شاہان ہند پر الزام لگایا جاتا ہے ہندوستان کے مسلم سلاطین میں اِس قسم کے تعصب کا نام و نشان تک نہ تھا۔ بلکہ اُنکی رواداری ہی کی بدولت اِس ملک میں حقیقی متحدہ قومیت عالم وجود میں آئی تھی۔

سب ہی کو معلوم ہے کہ مسلمان جس زمانہ میں فاتح کی حیثیت سے اِس ملک میں داخل ہوئے تھے اُس وقت ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ اور ذات پات کے امتیاز نے سماجی اعتبار سے اس ملک کے باشندوں کو متعدد گروہوں میں منقسم کر رکھا تھا لیکن مسلمانوں کی فتوحات کے بعد ایک مضبوط مرکزی حکومت کے قیام کی بنا پر ایک طرف تو ملک میں انتظامی یکجہتی کی بنیاد قائم ہوئی اور دوسری طرف جبر و تشدد سے نہیں، بلکہ اپنی رواداری سے کام لے کر اُنہوں نے بڑی حد تک سماجی اونچ نیچ سے نجات دلائی۔ اِس کے علاوہ مسلمانوں میں چونکہ سماجی اونچ نیچ نہیں ہے اِس کا بھی یہاں کے باشندوں پر گہرا اثر پڑا۔

اِس کے علاوہ مسلمانوں نے اپنی مذہبی حکمت عملی اور رواداری کی بنا پر یہاں کے باشندوں کو اُن کے سماجی یا مذہبی نظریات کو تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا اور اِس کے ساتھ ہی خود اپنے سماجی نظام اور ریاستی قوانین میں سماجی یا مذہبی اختلافات کو کوئی جگہ نہیں دی جس کے نتیجہ میں مسلمان بادشاہوں کے عہد میں اِس ملک کے تمام باشندے اچھے اچھے

مذہبی اور سماجی عقیدوں پر سختی سے کاربند رہنے کے باوجود ایک ہی قوم کے افراد کی حیثیت سے مل جل کر اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے۔

مغل سلاطین ہندوستان کے وہ آخری مسلم حکمراں تھے جنہوں نے کم و بیش پورے ہندوستان پر حکومت کی تھی۔ اور اس خاندان کے حکمرانوں نے مذہبی تعصب کو مٹانے میں پوری جرأت اور شدت سے کام لیا تھا۔ چنانچہ مغلوں کے عہد حکومت میں اگر کسی غیر مسلم کو تعصب کی بنا پر کسی مسلمانوں کے ہاتھوں کوئی نقصان پہنچ جاتا تھا تو اُسے نہایت عبرت انگیز سزا دی جاتی تھی حتیٰ کہ اس معاملہ میں سلطنت کے بڑے سے بڑے عہدیدار کو بھی معاف نہیں کیا جاتا تھا۔

ہندوستان کی مغلیہ حکومت کا بانی ظہیر الدین بابر تھا۔ اس بلند ہمت حکمراں نے وسط ایشیا سے آکر ہندوستان کو فتح کیا تھا اور اُس عہد کے کسی فاتح سے بھی یہ امید نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ کسی مفتوح قوم کے ساتھ کوئی رعایت یا مروت روا رکھے گا۔ لیکن اسے صرف اسلامی تعلیمات رواداری اور بے تعصبی ہی کا نتیجہ ہی کہنا چاہیئے کہ بابر نے نہایت صاف اور واضح الفاظ میں اپنے فرزند ہمایوں کو اس بات کی وصیت کی تھی کہ اُسے اِس ملک کے باشندوں کے مذہبی احساسات کا خصوصیت سے احترام کرنا چاہیئے یہاں تک کہ اُس نے اپنی وصیت میں ذبیحہ گاؤ کی مخالفت کی ہدایت بھی کی تھی چنانچہ آج بھی بابر کا یہ وصیت نامہ ایک تاریخی اور یادگار دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس وصیت پر اس کے جانشینوں نے ہمیشہ ہی سختی کے ساتھ عمل کیا ہے۔

بابر کی موت کے بعد اگرچہ ہمایوں کو اطمینان کے ساتھ اس ملک پر حکومت کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا مگر پھر بھی اپنی حکومت کے دونوں زمانوں میں غیر مسلموں کے ساتھ اُس کا طرزِ عمل بے حد فراخ دلی اور رواداری پر مبنی رہا تھا اور اُس کے فرزند جلال الدین اکبر نے تو اِس معاملہ میں جو حکمت عملی اختیار کی تھی اُس کی بنا پر بہت سے مسلم علما نہ صرف اکبر کے اسلام کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے تھے بلکہ بعض کٹر علما نے اُس پر کفر کے فتوے تک لگا دیے تھے۔

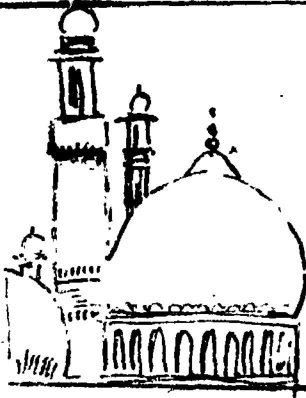
اکبر کے عہد حکومت میں غیر مسلموں کو برابری ہی حاصل نہیں تھی بلکہ فوقیت کا درجہ حاصل تھا۔ اکبر کا دربار ہر وقت ہندو اُمرا سے بھرا رہتا تھا۔ اور جملہ مذاہب کے افراد کو کامل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اور یہ پورا ملک مذہبی رواداری بے تعصبی اور یکجہتی کا گہوارہ بن گیا تھا۔

مغلوں کی بے تعصبی اور رواداری اکبر پر ختم نہیں ہو گئی بلکہ اِس معاملہ میں شہنشاہ جہانگیر اُس سے بھی سبقت لے گیا تھا چنانچہ آج بھی اس مشہور شہنشاہ کے اُس فرمان کو دیکھا جا سکتا ہے جو اُس نے سلطنت کے تمام عمال کے نام جاری کیا تھا اور جس میں سختی کے ساتھ اِس بات کی ہدایت تھی کہ اُنہیں کسی شخص کو قبولِ اسلام کے لیے مجبور نہیں کرنا چاہیئے۔

جہانگیر کو ہندو علما سے بڑی عقیدت تھی وہ خود ہندو علما اور درویشوں سے ملاقات کرنے کے لیے اُن کے ہاں جایا کرتا تھا۔ اور اس مقصد کے لیے اُس نے رشی کیش۔ ہردوار۔ بندرابن اور کانگڑہ وغیرہ کے جو سفر کیے تھے اُنکی تفصیل آج بھی تزک جہانگیری اور اُس دور کے مورخوں اور واقعہ نگاروں کی تحریروں میں محفوظ ہے۔ پھر اسی قدر نہیں بلکہ وہ ہندو علما اور سادھوؤں کے مصارف نیز مندروں کے اخراجات کے لیے گرانقدر رقوم اور جاگیریں بھی دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ہندوؤں کے بہت سے مشہور مندروں میں آج بھی جہانگیر کے بعض فرمان موجود ہیں اور جہانگیر کے بعد اُس کے سب ہی جانشینوں نے اِسی حکمت عملی پر عمل کیا ہے۔

زمانہ کی یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جس قوم اور جن لوگوں نے صدیوں پہلے صرف اِس ملک سے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا سے مذہبی تعصب اور تنگ نظری کو معدوم کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی ہمارے ملک میں آج اُسی قوم اور اُن ہی لوگوں کے خلاف تعصب اور تنگ نظری کا الزام عائد کیا جا رہا ہے اور تاریخی سچائیوں کو بالکل فراموش کر دیا گیا ہے

یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ صرف بے تعصبی اور وسیع نظری کی بدولت ہی مسلمان اس ملک پر صدیوں تک اقلیت میں ہونے کے باوجود حکومت کرتے رہے ہیں۔ اگر ان میں تعصب ہوتا تو ہندوستان کے قدیم خود دار باشندے شائد چند سال بھی اُنہیں اِس ملک میں نہ رہنے دیتے۔ ہمکو اُن کی بے تعصبی سے سبق لینا چاہیئے اور یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ تعصب اور تنگ نظری کسی قوم کو بھی اُس کی حقیقی منزل پر نہیں پہنچا سکتی اور ہم جسقدر جلد اِس حقیقت کو سمجھ جائیں قومی نقطہ نظر سے یہ بات ہمارے لئے اسی قدر زیادہ مفید ہوگی۔



تہذیب و تمدن

اسلامی نظام حیات کے محاسن

اسلام نے دین سے زیادہ دنیاوی معاملات پر زور دیا ہے

(ہمارے مفکر کے قلم سے)

اسلام گوشہ نشینوں اور راہبوں کا مذہب نہیں ہے اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے دین کے ساتھ دنیا کو بھی سنوارنے کی کوشش کی ہے ذیل کے مقالہ میں اسی پہلو پر بحث کی گئی ہے۔

انگلستان کے نامور مفکر "جارج برنارڈ شا" نے بالکل درست کہا ہے کہ "دنیا کے تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو موجودہ ترقی یافتہ دنیا کا ساتھ دے سکتا ہے" برنارڈ شا نے جو کچھ کہا ہے وہ ایک حقیقت ہے کیونکہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح صرف روحانی تعلیمات اور عبادات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اسلام نے عبادت اور ریاضت سے کہیں زیادہ دنیاوی معاملات پر زور دیا ہے۔ اور دنیا ہی کو آخرت کی فلاح کا زینہ قرار دیا ہے اور یہ اسلام کی ایک ایسی امتیازی خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی مذہب میں بھی نہیں پائی جاتی۔

اسلام کا بنیادی مقصد چونکہ بنی نوع انسان کو انسانیت کے بلند نقطہ پر پہنچانا ہے اسی لئے اسلام نے دنیا کے روبرو جو پاکیزہ اور ترقی پسند نظام حیات پیش کیا ہے اس میں انسان کی روحانی قدروں کو بلند کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی دنیاوی اور مادی زندگی کو بہتر اور کامیاب بنانے کے مسئلہ پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا ہے۔

اسلام دوسری مذہبی۔ اصلاحی اور انقلابی تحریکوں سے صرف اسی لئے بلند ہے کہ اس نے انسان کی اصلاح و ترقی کا ایک مکمل نظام پیش کیا ہے بلکہ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں کو جو ہدایات دی ہیں۔ رہنمایان اسلام نے ان ہدایات پر خود عمل کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان پر عمل درآمد دشوار نہیں ہے۔

نبی کریم صلعم کے عہد سعادت مہد ہی میں اگرچہ اسلام کے بتلائے ہوئے نظام حیات پر عمل درآمد شروع ہو چکا تھا۔ لیکن اول تو یہ دور بہت مختصر تھا اور دوسرے اس کا بیشتر حصہ دفاعی لڑائیوں اور خود مسلمانوں کی اصلاح و تربیت میں صرف ہوا تھا اس لئے اسلامی نظام حیات اور اس کے ماتحت انسانی زندگی کا مکمل نقشہ خلفائے راشدین کے دور میں سامنے آسکا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رض پیغمبر اسلام کے پہلے جانشین اور مسلمانوں کے پہلے خلیفہ تھے اس لئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ نبی کریم ؐ کے توسل سے اسلامی زندگی کا جو نقشہ دنیا کے سامنے آیا تھا اس کے مطابق تعمیر کا سنگ بنیاد حضرت صدیق اکبر رض کے زمانہ میں ہی رکھا گیا تھا۔ اسی لئے اس دور کی زندگی کے مطالعہ سے ظہور اسلام کے حقیقی نصب العین کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔

علم کے بغیر انسان اور حیوان کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایک معمولی عقل کا انسان بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ موجودہ دور کے انسان کی تمام ترقیاں علمی ترقی ہی کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے انسان کو انسانیت کی بلندیوں پر پہنچانے کے لئے اسے حصول علم کی جانب توجہ دلانا بے حد ضروری ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر اسلام نے سب سے پہلے مسلمانوں کو اسی ضرورت کے پورا کرنے پر توجہ دلائی تھی۔

قرآن کریم میں جگہ جگہ انسان کو غور و فکر کی جو دعوت دی گئی ہے اس کا مقصد بھی انسان کو علم حاصل کرنے پر توجہ دلانا ہے۔ پھر داعی اسلام کے ارشادات نے اس معاملہ کو بالکل ہی صاف کر دیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت

صلعم کے ایک ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ "عالم کے قلم کی روشنائی شہید کے خون سے زیادہ مقدس ہے" اور دوسرے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ "جو شخص علم کی تلاش میں اپنے گھر سے نکلتا ہے وہ خدا کے راستہ پر چلتا ہے"۔

رسول اللہ صلعم نے حصول علم کی جو ترغیب دی تھی حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے دور خلافت میں مدینہ طیبہ میں پہلی اسلامی درسگاہ قائم کرکے مسلمانوں کے لئے حصول علم کا پہلا وسیلہ بہم پہنچایا تھا۔ اور اس طرح علم کے ساتھ مسلمانوں کی دلچسپی کی وہ بنیاد قائم ہوئی تھی جس پر انھوں نے وہ زبردست عمارت تعمیر کی تھی جس کے سائے میں قدیم علوم وفنون کی تجدید ہوئی تھی۔ نئے علوم وفنون نے جنم لیا تھا اور تحقیق وتفتیش کی وہ شمعیں روشن ہوئی تھیں جو آج تک روشنی پھیلا رہی ہیں

انسان کی اس بنیادی ضرورت کے وسائل مہیا کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے سماجی نقائص دور کرنے کی طرف توجہ مبذول کی تھی۔ اور چونکہ اُس زمانہ میں اول تو عورت کو انسانوں میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ اور دوسرے غلاموں کے ساتھ حیوانوں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جاتا تھا اس لئے خلیفہ اول نے انسانی سماج کو ان برائیوں سے پاک کرنے کو اپنا نصب العین قرار دیا تھا۔ اور اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دور خلافت ہی میں عورتوں کے وہ تمام حقوق محفوظ ہو گئے تھے جو اسلام نے اُسے عطا کئے تھے اور غلاموں کو انسان ہی نہیں بلکہ آقاؤں کے خاندانوں کے ایسے افراد سمجھا جانے لگا تھا جو سب ہی کے لئے باعث احترام تھے۔ اور اس طرح خلیفہ اول ہی کے زمانہ میں انسانی سماج کو دو سب سے بڑی برائیوں سے پاک کرنے کا کام شروع ہو گیا تھا۔

اسلام جس وقت جلوہ گر ہوا ہے پورا سماج اخلاقی بیماریوں میں مبتلا تھا۔ زناکاری جائز تھی۔ شراب نوشی عام تھی۔ قتل وخون اور غارتگری ہر طرف پھیلی ہوئی تھی چوری اور ڈاکہ زنی کا دور دورہ تھا غرضکہ کوئی ایسی اخلاقی کمزوری باقی نہ رہی تھی جو انسان کی سرشت میں داخل نہ ہو گئی ہو۔ سب ہی جانتے ہیں کہ اخلاقی کمزوریوں کو دور کئے بغیر ایک مہذب اور شائستہ معاشرہ عالم وجود میں نہیں آسکتا۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق نے ان اخلاقی برائیوں کے خلاف بھی مستقل جہاد کیا۔ اور آپ ہی کے زمانہ میں ان برائیوں کا انسداد شروع ہو گیا تھا۔

اسلام نے عربوں کو ایک نئی قوم کی حیثیت سے منظم کیا تھا اور اُن کے اُن تمام مذہبی۔ معاشرتی اور تہذیبی عقیدوں کو بدل دیا تھا جو صدیوں سے اُن کے اعمال کا محور بنے ہوئے تھے اور اس طرح مسلمانوں کے سامنے یہ سوال پیدا ہو گیا تھا کہ اُنہیں غیر مسلموں کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ اُنہیں آئے دن غیر مسلموں سے واسطہ پڑتا تھا

اسلام نے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کی تعلیم دی تھی اور خود رسول اللہ صلعم زندگی بھر غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور عفو ودرگذر سے کام لیتے رہے تھے حتیٰ کہ نجران میں عیسائیوں کے ساتھ آپ نے جو معاہدہ کیا تھا اُس کی آخری دفعہ کا مطلب یہ ہے کہ "نجرانی عیسائیوں کے کسی گرجا کو توڑا نہیں جائے گا اُن کے کسی مذہبی رہنما کو جلاوطن نہیں کیا جائے گا اور اُن میں سے کسی ایک شخص کو بھی ترک مذہب پر مجبور نہیں کیا جائے گا"

حضرت ابوبکر صدیق نے آنحضرت صلعم کی اس حکمت عملی کو نہ صرف برقرار ہی رکھا تھا بلکہ انھوں نے غیر مسلموں کو مزید رعایتیں بھی دی تھیں چنانچہ اُنھوں نے مفتوحہ ممالک میں مسلمانوں کو آراضی خریدنے سے صرف اسلئے منع کر دیا تھا کہ کہیں مفتوحہ غیر مسلم علاقوں کے غیر مسلم باشندے مسلمانوں سے مرعوب اور متاثر ہو کر اپنی املاک سے محروم نہ ہو جائیں۔ اور اُس دور میں خراج کی رقم کا تعین بھی غیر مسلموں کے مشورہ سے کیا جاتا تھا۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں جب بھی کسی مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی تنازعہ پیش آیا ہے اور اُسے دربار خلافت میں پیش کیا گیا ہے تو خلفائے اس کا فیصلہ واقعات کی بنا پر فرمایا اور کسی حال میں بھی مسلمان ہونے کے باعث کسی مسلمان کی حمایت نہیں کی۔

اس میں شک نہیں کہ خلفاء راشدین کا پورا زمانہ اسلام کی اصلاحی تحریک کی عملی تشریح کی حیثیت رکھتا ہے اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے دور کو اس پورے زمانہ میں ایک مخصوص امتیاز حاصل رہا۔ مختصر یہ کہ انسانی سماج کو سدھارنے اور اسلامی تصور کے مطابق اسے ترقی اور تکمیل کی منزل تک پہنچانے میں خلفائے راشدین نے بہت بڑا حصہ لیا ہے خلفائے راشدین کے اکتیس سالہ دور خلافت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ چیز صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ ان بزرگوں نے ایک ایسے نظام حیات کی تشکیل کی ہے جسکی بنیاد اخلاقی پاکیزگی پر رکھی ہوئی ہے



اسلام اور غیر مسلم

اسلام ایک فرانسیسی مورخ کی نظر میں

اسلام کے بارے میں "موسیو سیدیو" کے خیالات

(از ادارہ دین دنیا)

دنیا کے تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی خوبیوں کے وہ لوگ بھی معترف ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں چنانچہ ہم ذیل میں فرانس کے نامور مورخ موسیو سیدیو کے اسلام کے بارے میں احساسات درج کر رہے ہیں دین دنیا میں نہایت پابندی سے اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے خیالات درج کئے جاتے ہیں یہ مضمون بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اسلام کی بنیاد قرآن مجید پر رکھی ہوئی ہے۔ یہ وہ صحیفہ آسمانی ہے جس میں کہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ کل نوعِ انسانی کے لئے بہترین درس ہدایت موجود ہے اور اس کی تعلیمات سے مسلم اور غیر مسلم سب ہی یکساں طور پر متاثر ہیں۔ چنانچہ فرانسیسی مورخ موسیو سیدیو قرآن پاک کو نوع انسانی کے لئے بہترین درس ہدایت تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے

"قرآن بلا شبہ ایک قابل قدر الہامی کتاب ہے جس میں کہ وہ تمام انسانی حقوق بڑی تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں جو خدا تعالیٰ کے بندوں پر یا بندوں کے دوسرے بندوں پر عائد ہوتے ہیں۔ اس میں انسانی زندگی سے متعلق تمام ضروری ہدایتیں موجود ہیں اور یہ ہدایتیں مسلم اور غیر مسلم سب ہی کی رہنمائی کرتی ہیں"

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات اس قدر ہمہ گیر ہیں کہ وہ سب ہی کے لئے یکساں مفید ہیں۔ اور انہیں مفید ہونا بھی چاہئے کیونکہ قرآن صرف مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے نازل نہیں ہوا ہے بلکہ اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے سب ہی بندے خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں اور ان کے عقائد کچھ بھی کیوں نہ ہوں اس سے ہدایت حاصل کریں۔ موسیو سیدیو قرآن مجید کے محاسن پر تبصرہ کرنے کے بعد اسلامی ارکان اور عبادات کے بارے میں لکھتا ہے۔

"اسلامی ارکان اور عبادات پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ان میں بڑی ہی جاذبیت محسوس ہوتی ہے۔ اسلامی نماز ایک ایسا طریقۂ عبادت ہے جس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں بھی موجود نہیں یہ انسان میں اطاعتِ الٰہی کا پاک جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اور انسان کی فطری رعونت کو دبا دیتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ پاک صاف رہنے اور اوقات کی پابندی کی بھی تعلیم دیتی ہے۔ اسی طرح اسلامی روزہ نہ صرف نفس کشی کا بہترین ذریعہ ہے بلکہ ان غریبوں کی بھوک کی تکلیف کی جانب بھی انسان کو متوجہ کرتا ہے جو تنگ دستی میں مبتلا ہیں پھر زکوٰۃ امداد باہمی کا ایک نہایت ہی پاکیزہ اصول ہے۔ نیز زکوٰۃ شخصی سرمایہ داری پر بھی ایک کاری ضرب ہے"

موسیو سیدیو آگے چل کر لکھتا ہے کہ "اسلامی نماز نے عبودیت اور بندگی کے علاوہ مساوات کا ایک ایسا بلند اصول بھی قائم کر دیا ہے کہ شاہ و گدا ایک ہی صف میں کھڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں" اس کے بعد اسلامی زکوٰۃ پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے یہ مورخ لکھتا ہے کہ۔

"زکوٰۃ کا اصول اسقدر جامع ہے کہ یہ بڑی آسانی کے ساتھ دنیا سے سرمایہ داری کی لعنت کو رضاکارانہ طور پر ختم کر سکتا ہے" آگے چل کر موسیو سیدیو اسلام کی دوسری خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ان لوگوں کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جو اسلام کو

وحشیوں کا مذہب کہتے ہیں۔ حالانکہ اسلام تو ایک ایسا مذہب ہے جس نے وحشیوں تک کو انسان بنا دیا ہے۔ اسلام سے قبل عرب قوم بلاشبہ وحشیوں کی قوم تھی۔ یہ اسلام ہی کا کرشمہ ہے کہ اُس نے ان وحشیوں کو نہ صرف انسان بنا دیا بلکہ یہ سب کے سب ایسے معلم اخلاق بن گئے جن سے دنیا کی دوسری قوموں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ قرآن مجید میں ایسی بے شمار آیتیں موجود ہیں جنھوں نے برائیوں کو جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ پھینکنے میں بڑی مدد دی ہے۔ جو مذہب کے اول سے لے کر آخر تک اخلاق کا سدھارنے والا ہو اُسے کوئی جاہل ہی وحشیوں کا مذہب کہہ سکتا ہے"

حقیقت یہ ہے کہ اسلام صرف معلم اخلاق ہی نہیں ہے بلکہ پوری دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہے چنانچہ اُس کے جلوہ گر ہونے کے بعد اُن تمام دہشت پسندیوں اور بربریت کا خاتمہ ہو گیا ہے جو زمانہ دراز سے صرف عربوں ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے سب ہی قوموں میں عام تھیں۔ موسیو سیدیو کے الفاظ یہ ہیں۔

"ظہور اسلام سے قبل دنیا کے جتنے بھی بڑے اور مشہور مذہب ہوئے ہیں وہ صرف اپنے ہی مذہب کو اچھا سمجھتے تھے اور دیگر مذاہب کو نفرت اور حقارت سے دیکھتے تھے لیکن اسلام نے جلوہ گر ہو کر اس بہانے مذہبی تعصب کا خاتمہ کر دیا ہے اُس نے اپنے متبعین کو ہدایت کی ہے کہ جب تک وہ دیگر مذاہب اور اُن کے بزرگو کا احترام نہیں کریں گے۔ اُس وقت تک سچے اور پکے مسلمان نہیں بن سکتے۔ اسلام مذہب کے اختلاف کی بنا پر کسی انسان سے نفرت کرنے کو بدترین گناہ خیال کرتا ہے۔ اور اسلام کی اِس رواداری کی تعلیم سے دنیا نے بہت کچھ سیکھا ہے۔"

یہ امر واقعہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس مذہب کے ماننے والے اپنے مذہب کی طرح دیگر مذاہب کا بھی پورا پورا احترام کرتے ہیں۔ اور اپنے بزرگوں کی طرح دیگر مذاہب کے بزرگوں کو بھی قابل عظمت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اسلام کی اِسی تعلیم نے اُس مذہبی تعصب کو ختم کر دیا جو ہزاروں برس سے دنیا میں موجود تھا اور جس کی وجہ سے ہزاروں انسانوں کا خون بڑی بے دردی سے زمین پر بہتا رہا ہے چنانچہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اُن کا خدا صرف مسلمانوں کا خدا نہیں ہے بلکہ وہ رب العالمین یعنی سارے جہان کا خدا ہے۔ اِسی طرح مسلمانوں کا رسول صرف مسلمانوں کا رسول نہیں ہے بلکہ رحمۃ اللعالمین ہے یعنی ساری دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہے۔ اسلام کی اِسی تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں میں جو وسیع نظری موجود ہے وہ دنیا کی کسی قوم میں موجود نہیں۔ موسیو سیدیو آگے چل کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اور بلند کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے

"پیغمبر اسلام کا کردار اِس قدر بلند ہے کہ جو بجائے خود دنیا کے لئے ایک مکمل درس حیات ہے۔ آپ کا اخلاق نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا تھا۔ آپ سرتاپا حق و صداقت کے پیکر تھے۔ اور آپ کے عفو و درگذر کا یہ عالم تھا کہ جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے اُن سخت ترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیا جن کی وجہ سے آپ کو مکہ سے عالم بیکسی میں جلا وطن ہونا پڑا تھا حالانکہ آپ کو پوری قوت حاصل ہو چکی تھی اور آپ جی کھول کر اپنے دشمنوں سے انتقام لے سکتے تھے لیکن آپ نے اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی بڑے ہی رحم اور مروت کا سلوک کیا ہے۔ اور یہ خوبی صرف ایک سچے نبی ہی میں پائی جا سکتی ہے"

حقیقت یہ ہے کہ حضور محترم کا کردار آپ ہی اپنی مثال ہے۔ آپ صرف خود ہی اعلیٰ کردار کا نمونہ نہیں تھے بلکہ آپ نے اپنی تعلیم و تربیت سے صحابہ کرام کی ایک ایسی پوری جماعت پیدا کر دی تھی جن کے پاکیزہ کردار سے ساری دنیا نے اخلاق اور انسانیت کا درس حاصل کیا ہے۔ پھر حضور اکرم کے زہد و اتقا کا ذکر کرتے ہوئے موسیو سیدیو لکھتا ہے۔

"پیغمبر اسلام کا زہد و اتقا انتہا تک پہنچا ہوا تھا کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جس نے اُن کے زہد و پرہیزگاری پر ذرہ برابر بھی شبہہ کیا ہو۔ آپ کے پاس بے اندازہ مال اور دولت آتی رہتی تھی۔ قوت و شوکت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ آس پاس کے بادشاہوں کے جاہ و جلال کے نمونے آپ دیکھتے تھے لیکن آپ بدستور اپنے سادہ اور پاکیزہ اصول پر عامل رہے اور یہ اتنی بڑی بات ہے جسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

یہ امر واقعہ ہے کہ ایک با عظمت شہنشاہ ہوتے ہوئے بھی حضور اکرم نے جو فقیرانہ زندگی گزاری ہے وہ آپ ہی اپنی مثال ہے۔ موسیو سیدیو کا خیال ہے کہ "اسلام اور پیغمبر اسلام نے دنیا کو جتنا فائدہ پہنچایا ہے اتنا دنیا کی کوئی تحریک بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہے (باقی ص ۔۔ پر)



مسلم سلاطین اور غیر مسلم حکمراں

دونوں کے کردار میں زمین و آسمان کا فرق ہے

(از علامہ شمسی طہرانی)

مسلم سلاطین اور غیر مسلم حکمرانوں کے کردار میں کتنا فرق ہے اس کا اندازہ علامہ شمسی کے ذیل کے تاریخی مقالہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ علامہ موصوف نے تاریخی حقائق کی روشنی میں مسلم اور غیر مسلم حکمرانوں کے فرق کو بڑی قابلیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اس تاریخی حقیقت سے کوئی بھی انصاف پسند انکار نہیں کر سکتا کہ مسلم حکمرانوں نے تاریخ کے تقریباً ہر دور میں جیسی رواداری اور بے تعصبی کا ثبوت دیا ہے وہ آپ ہی اپنی مثال ہے۔ اسلام کا اولین مقابلہ عیسائیت سے ہوا تھا۔ اس لئے جب بھی تاریخی طور پر اسلام کے ساتھ غیر مسلم حکمرانوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو اس مقابلہ میں مسلم حکمرانوں کا کردار عیسائی حکمرانوں سے بالکل مختلف نظر آتا ہے

تاریخ کے سرسری مطالعہ کے بعد ہی یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں مسلم حکمرانوں نے اپنے دورِ حکومت میں انتہائی رواداری کا ثبوت دیا ہے وہاں عیسائی حکمرانوں نے اپنے دور اقتدار میں دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہے آپس کے معمولی سے مذہبی اختلاف کو بھی برداشت نہیں کیا ہے چنانچہ عیسائیوں کے طاقتور گروہوں نے ہمیشہ ہی عیسائیوں کے کمزور گروہوں پر ایسے ایسے وحشیانہ مظالم کئے ہیں جن کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں

رومی سلطنت جس کا دارالسلطنت "روم" آج بھی دنیائے عیسائیت میں متبرک ترین مقام سمجھا جاتا ہے۔ اُس کے حکمرانوں نے بنی نوع انسان پر کیسے کیسے مظالم کئے ہیں اس کا اندازہ نامور مورخ گبن کے بیان سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ یہ یوروپین مورخ ایک رومی تاجدار "میکسی مین" کے بارے میں لکھتا ہے کہ "جاسوسوں کی معمولی سی اطلاع پر بڑے بڑے عیسائی امرا پابزنجیر پیش کئے جاتے تھے۔ اگر بادشاہ اُن کی جائیداد اور مال و اسباب ضبط کر لیتا تھا۔ یا انہیں جلاوطن کر دیتا تھا یا انہیں عام طریقہ پر قتل کرا دیتا تھا تو لوگ سمجھتے تھے کہ شہنشاہ نے بڑے رحم و کرم سے کام لیا ہے۔ ورنہ بعض بدقسمت مظلوموں کو اُس نے جانوروں کی کھالوں میں سلوا دیا ہے۔ بعض کو درندوں کے سامنے ڈال کر پھڑوا دیا ہے اور بعض کے پورے کے پورے خاندانوں کو بڑی بے دردی سے قتل کروا دیا ہے (تاریخ زوال روما انسائیکلو گبن اُردو ترجمہ صـ۱۶۹)

اسی طرح یورپ میں مذہب کے معمولی سے اختلاف پر ہزاروں افراد کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں اچھوتوں کی جو حالت تھی اور آج تک جس کے اثرات موجود ہیں اُن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج سے دس ہزار قبل جبکہ اس ملک پر برہمنوں کے بنائے ہوئے قوانین نافذ تھے تو اُن کی کیا حالت ہوگی۔ اُن کے ہاں صرف ایک قانون کی کتاب تھی یعنی "منو سمرتی" جسے "دھرم شاستر" کہا جاتا ہے اِس کتاب میں جو بد آئین اچھوتوں کے لئے درج ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن کی حالت کسی طرح بھی جانوروں سے بہتر نہ تھی اِس "دھرم شاستر" کا انگریزی ترجمہ ولیم جانسن نے کیا ہے جو قابل دید ہے۔

اسکے بالکل برعکس مسلمانوں نے بلاتفریق مذہب وملت۔ محض شرف انسانیت کی بنیاد پر ہر قوم کے افراد کا پورا پورا احترام کیا ہے۔ کیونکہ اسلام کا مقصد اولین ہی انسانیت کو اُس کے بلند ترین مقام تک پہنچانا تھا۔ اسی لئے مسلم حکومتوں میں مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ جملہ مذاہب وعقائد کے افراد کو اپنے مذہب اور معتقدات کی تبلیغ کی عام اجازت تھی۔ خلافت عباسیہ میں مانی کے مقلدوں کو اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے کی کامل آزادی حاصل تھی۔ اگرچہ ایران اُن کا اصلی وطن تھا۔ لیکن وہاں اُنہیں پناہ تک نہیں مل سکتی تھی اسی طرح بودھ مذہب کے پیرو یہودی اور عیسائی مبلغین اسلامی ممالک میں اعلانیہ اپنے اپنے مذاہب کی تبلیغ کرتے تھے اور ان سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی جاتی تھی۔

اسلام سے تعصب رکھنے والوں کی جانب سے اسلام پر بہتان لگایا جاتا ہے کہ اسلامی قانون کی رو سے غیر مسلم اقوام کے حقوق کے معاملہ میں مساوات ممنوع ہے۔ کاش یہ لوگ قرآن حکیم کو تعصب سے بلند ہو کر پڑھ لیتے اور پیغمبر اسلام کی سیرت مقدسہ کا مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارہ کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اسلام سے بڑھ کر دنیا کے کسی مذہب نے بھی غیر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ رواداری کی تعلیم نہیں دی۔ فتح مکہ کا واقعہ مسلمانوں کی رواداری کا شاہکار ہے اور فتح مکہ کے کچھ ہی دن بعد جبکہ قبیلہ بنی ہوازن نے مسلمانوں پر چڑھائی کی اور مسلمان فتحیاب ہوئے تو اس جنگ میں چھ ہزار کفار قید ہوئے لیکن رسول اللہ صلعم نے اِن دشمنانِ اسلام کے ساتھ انتہائی رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے دوسرے ہی دن تمام قیدیوں کو رہا کر دیا مہاشہ پرکاش دیو جی اپنی تصنیف "سوانح عمری حضرت محمدؐ" میں مذکورہ بالا واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "محمدؐ مسلمانوں کی رواداری کا یہ عالم تھا کہ چند منٹوں میں چھ ہزار غیر مسلم مخالفین غلامی سے آزاد کر دیئے گئے اور کسی کو یہ خیال تک نہ آیا کہ یہ مسلمان نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کے دشمن ہیں ہم ان پر کیوں مہربانی کریں یہ رحم اور وسیع النظری کا معاملہ تھا اور اسلام اس قسم کے معاملات میں مسلم اور غیر مسلم کے امتیاز کو پسند نہیں کرتا۔"

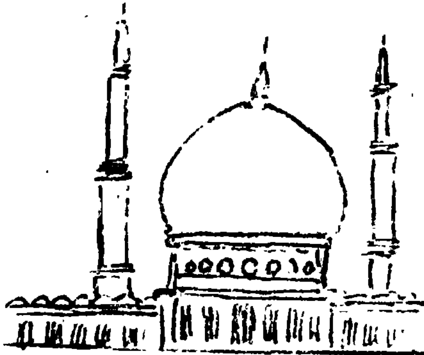
تاریخ شاہد ہے کہ جب مسلمانوں کو ہسپانیہ سے نکالا گیا تو ہسپانیہ اور سسلی میں مسلمانوں کا وجود تک باقی نہیں رکھا گیا۔

پھر اس کے بعد ۱۸۲۱ء میں یونان کے مسلمانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا گیا تو وہاں نہ تو کسی مسلمان کو زندہ چھوڑا گیا اور نہ کسی مسجد ہی کو باقی رکھا گیا۔ اس کے برخلاف جب بھی عیسائی مسلم حکومتوں میں آکر پناہ گزیں ہوئے تو مسلمانوں نے کھلے دل کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کیا۔ اُنہیں اپنی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت دی پرانی عبادت گاہوں کا تحفظ کیا گیا۔ اُن کے پرسنل لا کے مقدمات کے لئے عیسائی جج مقرر کئے گئے اور اُنہیں زندگی کے تمام شعبوں میں نہ صرف کامل آزادی دی گئی بلکہ ترقی کے ہر قسم کے مواقع فراہم کئے گئے۔

دمشق کا ایک گرجا کسی طرح بعض مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تھا حضرت عمر بن عبد العزیز کو اپنے عہد خلافت میں یہ بات سخت ناگوار گزری۔ لہٰذا وہ گرجا مسلمانوں سے لے کر عیسائیوں کو واپس کر دیا گیا۔

اسی طرح خلیفہ ہادی کے دور خلافت میں مصر کے گورنر علی بن سلیمان نے صومعہ مریم اور چند دوسرے عیسائی عبادت خانوں کو توڑ دیا تھا خلیفہ ہادی کے جانشین خلیفہ ہارون الرشید سے جب اس کی شکایت کی گئی تو انھوں نے گورنر مذکور کو اس فعل کی پاداش میں عہدہ سے معزول کر دیا۔ اور موسیٰ بن عیسیٰ کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ گورنر موسیٰ بن عیسیٰ نے علمائے وقت سے اِن عیسائی عبادت گاہوں کے بارے میں فتویٰ طلب کیا تو تمام اکابر علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ تمام منہدم عبادت گاہوں کی خلافت کے خزانہ سے از سر نو تعمیر کرائی جائے اللہ اللہ یہ تھی غیر مسلموں کے ساتھ مسلم حکمرانوں کی رواداری کا عالم۔

اسی سلسلہ میں تاریخ کا یہ واقعہ بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ جب مسلمانوں نے اسکندریہ کو فتح کر لیا۔ تو اُن کے کسی سپاہی کے تیر سے حضرت عیسیٰ کے مجسمہ کی آنکھ پھوٹ گئی تھی اس واقعہ سے عیسائیوں کو قلبی اذیت پہنچی چنانچہ عیسائی رہنما مسلمانوں کے سردار عمر بن عاص کے پاس گئے اور کہا کہ تمہارے کسی آدمی نے حضرت عیسیٰ کے مجسمہ کی آنکھ پھوڑ کر بڑی بے حرمتی کی ہے۔ اب تم بھی اپنے پیغمبر کا مجسمہ بناؤ تاکہ ہم لوگ اُس کے عوض میں اُس کی آنکھ پھوڑ دیں (نعوذ باللہ) جناب عمر بن عاص نے جواب دیا کہ اسلام میں مجسمہ سازی ممنوع ہے اور تمہارا یہ مطالبہ نہایت مہمل ہے بہتر یہ ہے کہ مجسمہ کی آنکھ کے بدلے



اسلام نے جمہوریت سے روشناس کیا

صرف اسلامی جمہوریت ہی دنیا میں حقیقی جمہوریت ہے

(ہمارے سیاسی مبصر کے قلم سے)

نہ زمانہ حاضرہ کی نام نہاد جمہوریتیں جب کمزور طبقوں کے حقوق کا تحفظ نہیں کر سکیں تو یہ قطعی ناکارہ ہیں ذیل کے مقالہ میں اسلامی جمہوریت اور آجکل کی نام نہاد جمہوریتوں کا موازنہ کیا گیا ہے ہم کو توقع ہے کہ یہ مضمون مفید ثابت ہوگا

حکومت کی کوئی بھی شکل کیوں نہ ہو اور ریاست کو کسی نام سے بھی کیوں نہ موسوم کیا جائے - اگر اُس حکومت اور ریاست میں عوام بھوکے اور ننگے رہتے ہیں اور عوام کو باعزت زندگی گزارنے کا حق حاصل نہیں ہوتا - اُن کے ساتھ انصاف نہیں کیا جاتا اور انھیں حکومت کی اچھائی اور برائی پر اظہارِ خیال کی آزادی حاصل نہیں ہوتی تو ایسی حکومت بلاشبہ غیر جمہوری اور آمرانہ ہوتی ہے

اسلام کا جس زمانہ میں ظہور ہوا ہے - یہ وہ زمانہ تھا جبکہ کوئی یہ جانتا بھی نہ تھا کہ جمہوریت کیا ہے - ہر طرف شہنشاہیت اور آمریت کا دور دورہ تھا - اسلام نے اُس وقت جو حکومت قائم کی تھی اُس کا نام جمہوری حکومت نہیں بلکہ "خلافتِ اسلامیہ" تھا - لیکن جب ہم اُس کا مقابلہ دنیا کی انتہائی ترقی یافتہ جمہوری حکومت سے کرتے ہیں تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ آجکل کی جمہوری حکومتیں خلافتِ اسلامیہ سے بہت پیچھے ہیں -

اسلام کے ظہور کے وقت کا انسان جسمانی طور پر تو غلام تھا ہی لیکن اس سے بھی بڑھ کر وہ ذہنی پستی اور ذہنی غلامی میں بھی مبتلا تھا اور اس ذہنی پستی نے اُس کے عمل کی قوتیں کو بالکل معطل کر دیا تھا - اس لیے اُس وقت کے سماج میں اتنی زیادہ برائیاں پیدا ہو گئی تھیں جنہیں دور کیے بغیر انسان کے لیے جمہوریت کا تصور قائم کرنا ممکن نہیں ہو سکتا تھا - اور ان برائیوں کو دور کرنے کے لیے بے حد حوصلہ مندی اور استقلال کی ضرورت تھی -

اسلام جو فی الحقیقت جمہوریت کا بانی ہے اُس نے جمہوریت کا نام لیے بغیر جمہوریت کی تخلیق کی راہ پر سب سے پہلے اور سب سے اہم قدم یہ اٹھایا تھا کہ اُس نے عوام میں ذہنی بیداری پیدا کرنے کی غرض سے سماج کی بنیادی خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی تھی اور خود اپنے سماج سے ان خرابیوں کو بالکل ہی نیست و نابود کر کے رکھ دیا تھا -

بہت سے غیر مسلم مفکرین نے اسلام کے اس خصوصی رول کا تذکرہ کیا ہے اور سب ہی اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ اگر اسلام اپنی اصلاحی تحریک کے ذریعہ ذہنی بیداری پیدا نہ کرتا اور وہ صدیوں کی بگڑی ہوئی سوسائٹی کی اصلاح نہ کرتا تو دنیا میں جمہوریت کا بنیادی تصور شائد کئی صدی کے بعد بھی نہ پیدا ہو سکتا - اور اسلام ہی دنیا کا وہ پہلا اور آخری مذہب ہے جس نے غلامی کے رواج میں اصلاح کی - عورت و مرد میں مساویانہ درجہ قائم کیا اور سماج کے ہر فرد کی مساوات کو تسلیم کر کے جمہوریت کی بنیاد قائم کی -

اسلام نے جمہوریت قائم کرنے کے راستہ پر جو مذکورہ بالا پہلا قدم اٹھایا تھا اُسے اُس نے صرف سماج کی اصلاح ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسی اصلاح شدہ سماج کے دائرہ میں ایک ایسی

مثالی حکومت بھی قائم کر کے دکھادی جس نے اپنے عمل اور کردار
سے بہترین جمہوری حکومت ہونا ثابت کر دیا تھا۔ یہ اسلام ہی
ہے جس نے آج سے چودہ سو برس پہلے بادشاہی اور شخصی حکومت
کو مسترد کر کے حکمراں کے لیے انتخاب کے طریقہ کو رائج کیا تھا۔ اور
شخصی احکامات کو قانون تسلیم کرنے کی بجائے جمہور کے مشورہ
سے نظم و نسق قائم کرنے کا طریقہ رائج کیا تھا۔ اور عوام کے اس
حق کو تسلیم کیا تھا کہ وہ حکومت کی اچھائی اور برائی کے متعلق اپنی
رائے ظاہر کر سکتے ہیں۔ اور اسلامی جمہوریت کی امتیازی خصوصیت
یہ تھی کہ حکومت کا سربراہ کم عقل اور ناسمجھ لوگوں کی کثرت رائے
سے منتخب نہیں کیا جاتا تھا بلکہ پاکباز باشعور، دیانت دار اور
پختہ کار بزرگوں کی رائے سے اُس کا انتخاب عمل میں آتا تھا۔

پھر ان اصولی باتوں کے علاوہ اسلام کی قائم کردہ
جمہوری حکومت نے عدل و انصاف۔ اور معیشت کے معاملہ
میں ہر شخص کی خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم مساوات اور برابری
کو تسلیم کیا تھا۔ اور چونکہ اُس زمانہ میں مذہبی اقلیتوں کے
علاوہ اور کوئی اقلیت موجود نہیں تھی اس لیے اُس نے مذہبی اقلیتوں
کے لیے کچھ ایسی مراعات بھی منظور کی تھیں جو آج کے زمانہ میں بھی
اقلیتوں کو حاصل نہیں ہیں۔

مثلاً آج جمہوریت کا مفہوم اکثریت کی ڈکٹیٹری کو سمجھا جاتا
ہے۔ لہٰذا جب اکثریت کوئی فیصلہ کر دیتی ہے تو اقلیت اُسے منظور
کرنے کی پابند سمجھی جاتی ہے۔ یہ جمہوریت سیاسی اقلیت کے لیے تو
قابل برداشت ہو سکتی ہے۔ لیکن مذہبی۔ لسانی۔ اور تہذیبی اقلیتیں
نام نہاد جمہوریت کے اس عمل کی بدولت نقصان میں رہتی ہیں
لیکن اسلام نے جو جمہوری نظام حکومت قائم کیا تھا اُس میں ہر
قسم کی اقلیتوں کو نہ صرف کامل آزادی حاصل تھی بلکہ اکثریت یعنی
مسلمانوں کی حکومت پر اقلیتوں کی آزادی کی حفاظت کی ذمہ
داری بھی عائد ہوتی تھی۔ اور اگر اکثریت کا کوئی فرد یعنی مسلمان اُس
آزادی میں مداخلت کرتا تھا تو اُس کے خلاف سخت اور موثر
کارروائی کی جاتی تھی۔

اسلامی جمہوری حکومت میں اقلیتوں کا مذہبی سماجی اور تہذیبی
نظام پوری طرح برقرار رہتا تھا۔ وہ خود ہی اس نظام کو چلاتی
تھیں۔ انہیں کامل سیاسی اور شہری حقوق حاصل تھے۔ وہ
اپنے مذہبی معمولات میں خودمختار اور آزاد تھیں۔ اور اسلامی
حکومت اُن کی عبادت گاہوں۔ خانقاہوں۔ ثقافتی اداروں
جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی ذمہ دار تھی۔

اسلامی حکومت میں رہنے والے ہر شہری کو حکومت پر نکتہ چینی کا حق
حاصل تھا۔ یہ حق صرف برائے نام ہی نہیں تھا بلکہ اسلام کی تاریخ
کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ خلفائے اسلام پر کھلم کھلا نکتہ چینی
کرتے تھے اور خلافت اسلامیہ کے سربراہ اس نکتہ چینی کا تسلی
بخش جواب دیتے تھے۔ اسی طرح گورنروں اور سپہ سالاروں
پر نکتہ چینی کی جاتی تھی۔ اور اس نکتہ چینی کے درست ثابت ہونے
پر ان عہدے داروں کے خلاف موثر اقدامات کئے جاتے تھے۔

اسلامی ریاست کے معمولی شہری جن میں کہ غیر مسلم بھی شامل
تھے خلفاء اور بادشاہوں کے خلاف دعوے دائر کر کے انہیں
عدالت میں بلوا لیتے تھے اور ان عظیم المرتبت افراد کو عدالت میں
عام لوگوں کی طرح مقدمات کی پیروی اور جواب دہی کرنی پڑتی
تھی اور عدالتی کارروائی کے بعد اگر یہ مقدمات خارج ہو جاتے
تھے تو مدعیوں سے کسی قسم کا انتقام نہیں لیا جاتا تھا۔

ان حقائق سے یہ بات ثابت ہے کہ اسلام صرف جمہوریت
کا بانی نہیں ہے بلکہ اُس نے ایک ایسا جمہوری نظام حکومت قائم
کر کے دکھا دیا ہے۔ جس کی کوئی مثال تاریخ میں موجود نہیں
اسلام کے جمہوری اقدامات پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مغربی
اہل قلم نے لکھا ہے کہ "اگر جمہوریت کا کوئی مقصد اور مفہوم
ہے تو وہ صرف اسلامی نظام حکومت ہی میں پایا جاتا ہے"

حقیقی جمہوریت کا مقصد یہ ہے کہ جمہوری حکومت میں تمام
معاملات اور بنیادی باتوں کے سلسلہ میں کسی گروہ کو بھی
کسی قسم کی بے اطمینانی محسوس نہ ہو۔ لیکن آج کی جمہوری حکومتوں
میں کمزور طبقے اور اقلیتیں مطمئن نہیں ہیں کیونکہ اکثریتی طبقوں نے
اپنی اکثریت کے بل پر ان پر اپنی ڈکٹیٹری قائم کر رکھی ہے۔

اس کے برخلاف اسلامی حکومتوں کی تاریخوں کے مطالعہ سے
معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومتوں میں کسی اقلیت کو بھی اکثریت
کے خلاف کوئی شکایت نہیں تھی اور یہی وجہ تھی (باقی صفحہ ۳۳ پر)

یہ غلط ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا

(باقی مضمون صفحہ ۲۲)

مسلمانوں کے دورِ حکومت اور اُن کے عروج کے اسباب کی جو تحقیقات کی جارہی ہے اُس کے نتیجہ کے طور پر خود یورپ کے اصحاب علم و نظر کو بھی اِس بات کا اعتراف کرنا پڑا ہے کہ مسلمانوں کی لڑائیوں کا مقصد ملکی فتوحات یا اسلام کی تبلیغ نہیں تھا بلکہ اُنھوں نے یہ لڑائیاں اپنے تحفظ اور اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے لڑی تھیں جس کا احساس اسلام نے اُنھیں کرایا تھا اور ان لڑائیوں کے نتیجہ میں مسلمان جہاں جہاں بھی گئے تھے اُن کی وجہ سے وہاں کے قدیم باشندوں کو علم ـ تہذیب اور شائستگی کی راہوں پر آگے بڑھنے میں بڑی مدد ملی تھی۔

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلام کو صرف اُن ہی علاقوں میں فروغ حاصل نہیں ہوا ہے جہاں مسلمان فاتح کی حیثیت سے گئے تھے بلکہ اسلام اُن دور دراز خطوں میں بھی پھیلا رہا ہے جہاں مسلمان کسی زمانہ میں بھی فاتحانہ حیثیت سے داخل نہیں ہوئے۔ مثال کے طور پر انڈونیشیا۔ اور ملیشیا جیسے ملکوں میں اسلام کا فروغ اِس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اپنی پاکیزہ تعلیمات کی بدولت پھیلا ہے اور آج بھی اُسے افریقہ جنوبی امریکہ۔ برطانیہ اور یورپین ممالک میں اپنی خوبیوں کی بدولت فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

اسلام نے جمہوریت سے روشناس کیا

(باقی مضمون صفحہ ۲۶)

کہ اُس زمانہ کے عیسائی اسلامی حکومتوں کو اپنے ہم مذہب رومی عیسائیوں کی حکومت پر ترجیح دیتے تھے۔

پھر یہ بات خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ اسلامی حکومت کا یہ کردار بڑی حد تک آج بھی برقرار ہے۔ چنانچہ دنیا کے بیشتر اسلامی ممالک میں خواہ وہاں کسی قسم کی حکومت کیوں نہ قائم ہو۔ آج بھی مذہبی لسانی۔ اور تہذیبی اقلیتیں اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کر رہی ہیں انہیں مسلم اکثریت سے کسی قسم کی شکایت نہیں ہے۔ اور اِس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے جمہوریت کا نام لیے بغیر جو جمہوری نظام حکومت قائم کیا تھا وہ کس قدر جامع اور مکمل تھا۔

اسلام ایک فرانسیسی مورخ کی نظر میں

(باقی مضمون صفحہ ۲۳)

موسیو سیدیو نے جو کچھ کہا ہے اُس کی حقیقت اور صداقت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ آج دنیا میں جمہوریت، مساوات، اور انسانی حقوق کے تحفظ کی جو تحریکیں چل رہی ہیں وہ سب اسلام ہی سے مستعار لی گئی ہیں اور شائد قیامت تک یہ دنیا اسلام سے اسی طرح افادہ کرتی رہے گی۔

مسلم سلاطین اور غیر مسلم حکمراں

(باقی مضمون صفحہ ۲۱)

کی بجائے تم کسی مسلمان کی آنکھ پھوڑ دو۔ ایک نصرانی سردار اِس کے لئے تیار ہو گیا تو مسلمانوں کے سردار نے اپنا خنجر پیش کرتے ہوئے کہا لو میری آنکھ حاضر ہے اسے تم پھوڑ دو مسلمانوں کا یہ جذبۂ عدل دیکھ کر اُس عیسائی کے ہاتھ پاؤں کانپ گئے اور وہ لرزہ براندام ہوگیا اور اُس کے ہاتھ سے خنجر زمین پر گر پڑا۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز جب بھی کسی صوبہ میں کسی صوبیدار کو مقرر کرتے تھے تو پہلی نصیحت یہ فرماتے تھے کہ "انصاف کے وقت مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز ہرگز نہ کرنا۔ عیسائیوں اور دوسرے غیر مسلموں کو گرجوں اور اُن کے عبادت خانوں پر قابض رہنے دینا اور ان کی عبادت میں کبھی بھول کر بھی مداخلت نہ کرنا۔ یہ تھی سلاطین اسلام کی غیر مسلموں کے ساتھ بے مثال رواداری۔

طبرستان میں نعرۂ توحید کی گونج

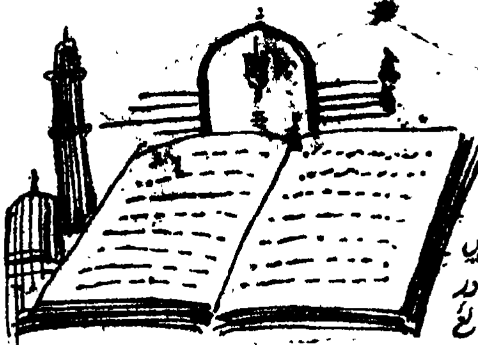
(باقی مضمون صفحہ ۲۴)

جان کی بازی لگا کر زیر کرلیا۔ اور وہی طبرستان جو زمانہ دراز سے کفر و شرک کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہاں نعرہ حق گونجنے لگا۔ اور یہ سب کچھ عراق کے ایک خدادوست بزرگ کی سرفروشی اور جانبازی کا نتیجہ تھا۔ اور صرف اِس ایک واقعہ سے اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ مسلمانوں کے دینی جوش نے کیسے کیسے محیر العقول کارنامے سرانجام دئے ہیں۔

ساٹھ نہایت مستند اسلامی کتابوں کی روح

ایک زبردست اور شاندار

اسلامی انسائیکلوپیڈیا



عربی تعلیم اور مذہب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے مسلمان دن بدن اسلام سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ناواقفیت کی بنا پر ایسی حرکتیں کر بیٹھتے ہیں جو کھلا ہوا شرک اور کفر ہوتا ہے مسلمانوں کو گمراہی اور بددینی سے بچانے کیلئے ہم نے حال ہی میں فقہ کی ساٹھ مستند کتابوں کی مدد سے ایک ایسی جامع کتاب شائع کی ہے جس میں دس ہزار سے زیادہ ایسے دینی اور دنیاوی معاملات پر بحث کی گئی ہے جن سے ہر مسلمان کا روزانہ واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ یہ مستند اور ضخیم کتاب حال ہی میں

فلاح دین دنیا
جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

کے نام سے شائع کی گئی ہے اس جدید ایڈیشن میں بہت سے نئے عنوانات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس میں مسلمانوں کیلئے کوئی ایسی دینی اور دنیاوی معلومات ایسی نہیں جو موجود نہ ہو اس میں اسلام کے فضائل اور عقائد کی تفصیل ہے اس میں عبادات اور اعمال و وظائف کا لاجواب ذخیرہ ہے اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرت کا درس موجود ہے غرضکہ اس کتاب میں ایک مسلمان کے لیے پیدائش سے لیکر موت تک کے تمام دینی اور دنیاوی معاملات پر پوری طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہاں تک کہ اسلامی نقطہ نظر سے کھانے پینے رہائش میل جول اور حفظان صحت تک کے اصول درج کر دیئے گئے ہیں۔ جس گھر میں یہ کتاب ہوگی اس گھر میں ایک زبردست عالم دین اور تجربہ کار دنیاوی مشیر مشورہ دینے کے لئے ہر وقت موجود رہے گا۔ یہ کتاب نہیں ہے بلکہ ایک زبردست اسلامی انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں پوری اسلامی لائبریری کے برابر مواد ہے

اس کتاب میں چودہ ابواب ہیں جن میں سے ہر باب اپنی جگہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے

باب اوّل:۔ اس میں اسلام کے فضائل اسلام کے دین فطرت ہونے کا ناقابل تردید ثبوت اور اسلام کے بارے میں غیر مسلم مشاہیر کے بلند و بالا خیالات درج ہیں

باب دوم:۔ عقائد اہل سنت والجماعت:۔ اس میں اسلامی عقائد کے بنیادی اصول اور یہ مضامین درج ہیں ذات و صفات الٰہی عرش و کرسی۔ لوح و قلم۔ فرشتے حضرت جبرائیل و میکائیل، اسرافیل، عزرائیل منکر نکیر، سجین، وعلیین، قبر میں سوال نکیرین علامات قیامت ظہور امام مہدی، دجال اور حضرت عیسیٰ کا نزول یاجوج ماجوج مغرب سے طلوع آفتاب، قیامت صغریٰ قیامت کبریٰ صور پھونکنے کا ذکر، میدان حشر حساب کتاب، پلصراط دوزخ و جنت، رسول مقبول صلعم کی فضیلت آپ کی زندگی کے حالات ازدواج مطہرات، خلفائے راشدین، اولیاء اللہ۔ پیران طریقت موت و حیات وغیرہ۔

باب سوم:۔ اسلامی عبادات:۔ اس میں عبادات پر پوری طرح روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً وضو، غسل، تیمم، نماز پنجگانہ، نماز مسافر، نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز اشراق نماز چاشت، جنازے کی نماز، اعتکاف، فضائل ماہ رمضان المبارک، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے جملہ مسائل اور ارکان درج ہیں۔

باب چہارم:۔ اعمال و وظائف:۔ اس میں سال کے تین سو ساٹھ دن میں تاریخوار پڑھنے کے لئے وہ مستند اعمال و وظائف درج ہیں جو بزرگان دین اور اولیاء اللہ کا معمول رہے ہیں نیز بزرگان دین کی ولادت اور رحلت کی تاریخیں بھی درج ہیں۔

باب پنجم:۔ حلال و حرام جانور ذبح و شکار:۔ اس میں حلال و حرام جانور اور ذبح و شکار کے مسائل بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

باب ششم:۔ اللہ اور اللہ کے بندوں کے حقوق:۔ اس میں حقوق اللہ حقوق آنحضرت صلعم، حقوق صحابہ حقوق اہلبیت، حقوق پیران طریقت، والدین اور بیوی بچوں کے حقوق اعزہ و اقربا کے حقوق، حقوق لازم۔ غرضکہ ایک مسلمان پر جتنے حقوق عائد ہوتے ہیں وہ سب درج ہیں۔

دیگر ابواب:۔ باقی آٹھ ابواب میں سے ایک باب میں اسلامی معاشرت پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً خورد و نوش اور لباس کے مسائل پیدائش، عقیقہ شادی بیاہ نکاح و طلاق، تجہیز و تکفین، عدت، ماتم برسی وغیرہ کے بارے میں جملہ مسائل درج ہیں ایک علیحدہ باب میں میلاد شریف کا جواز اور حضور کی ولادت کا مفصل بیان ہے جو مکمل میلاد نامے کا کام دیتا ہے اس کے علاوہ ایک علیحدہ باب میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور دیگر اولیائے کرام کی سوانحیات درج ہیں اور آخری باب میں ضروری نصائح اور حفظان صحت کے جملہ اصول اور اہم بیماریوں کے علاج درج ہیں غرضکہ اس کتاب میں وہ سب کچھ موجود ہے جو مسلم لائبریری میں ہو سکتا ہے۔ ضخامت تقریباً نو سو صفحات کاغذ سفید نہایت اعلیٰ لکھائی چھپائی عمدہ ٹائٹل رنگین۔ منگانے کے بعد اگر کتاب ناپسند ہو تو واپس کیجئے

قیمت مجلد مع خوشنما ڈسٹ کور صرف پندرہ روپے

دین دنیا پبلشنگ کمپنی ـــــ جامع مسجد ـــــ دہلی



مہاتما بدھ کی حضورؐ کے بارے میں پیشنگوئی

اس پیشنگوئی کا ایک ایک حرف درست ثابت ہوا ہے

(از مولانا عبدالحق ودیارتھی)

مولانا عبدالحق ودیارتھی پاکستان کے ایک شہری ہیں۔ انھوں نے دنیا کے مختلف مذاہب کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ جن میں سے "یجر وید" کے ترجمہ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے ذیل میں ہم اس لائق مصنف کا ایک نہایت ہی اہم مضمون پیش کر رہے ہیں۔ جس میں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں مہاتما بودھ کی پیشین گوئی کا تذکرہ کیا ہے

دنیا کے ایک مشہور مفکر نے کہا ہے کہ "قومیں معجزوں کے عمل پر نہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم، اخلاقی ہدایات، اور روحانی قدروں پر عمل ہونے کی بدولت ہی ترقی کر سکتی ہیں۔ اور قوموں میں یہ خصوصیات اُن کے ہادیوں اور رہنماؤں کے اعلیٰ کردار اور پختہ نظریات کی بنا پر پیدا ہوا کرتی ہیں۔ اسی لئے ایک طرف تو کسی قوم کی ترقی اُس کے ہادیوں کے روحانی عقائد اور نظریات کی پختگی کی آئینہ دار ہوتی ہے اور دوسری طرف اِن رہنماؤں کے عقائد اور کردار کی یہی امتیازی خصوصیات قوم کی ترقی کی ضمانت بھی ثابت ہوتی ہے۔

دنیا کے عظیم مذہبوں میں "بودھ دھرم" کو ایک امتیازی درجہ حاصل ہے۔ اور "بودھ دھرم" کے اس امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ مہاتما بودھ نے دنیا کو اعلیٰ اخلاق اور کردار کی تعلیم دی تھی۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ معجزات کو انبیا اور اوتاروں کی صداقت پرکھنے کا معیار نہیں بنانا چاہیئے بلکہ انہیں اُن کی تعلیمات کی کسوٹی پر جانچنا چاہیئے اور مہاتما بودھ اس بات پر بھی یقین رکھتے تھے کہ پیغمبروں اور اوتاروں کی صداقت کو جانچنے کے لئے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ قابل عمل بھی ہے یا نہیں اور وہ خود اپنی ہدایات پر کس حد تک عمل کرتے رہے ہیں۔

اسلام دنیا کا ایک عظیم تبلیغی مذہب ہے اُس کے ماننے والے کروڑوں کی تعداد میں دنیا کے ہر خطے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اسلام کی بنیاد اُس کے داعی محمد عربی کے ذاتی معمولات اور کردار پر قائم ہے اور اگرچہ پچھلے چودہ سو سال میں اسلام کی مقبولیت اور کامیابی نیز مسلمانوں کی قابل رشک ترقیاں پیغمبر اسلام کی روحانی قدروں کی بلندی اور اخلاقی تعلیمات کی عظمت کا ایک ناقابل تردید ثبوت پیش کرتی ہیں۔ لیکن اسلام کی افادیت اور ہمہ گیری کو جانچنے اور اُس کے آخری اور مکمل آسمانی مذہب ہونے کی تصدیق کے لئے اُس کے داعی کی شخصیت کا مطالعہ کر لینا بھی بے حد مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

مہاتما بودھ حضور محترم سے کئی ہزار سال پہلے ہوئے ہیں۔ انھوں نے نبی محترم کے کردار کی بڑی ہی تعریف کی ہے۔ اور دنیا والوں کو ہدایت کی ہے کہ جب اس نبی کا ظہور ہوا تو اس کی تعلیمات پر عمل کرنا۔ کیونکہ وہ دنیا کو سیدھا راستہ دکھائیں گے مہاتما بودھ نے پیشین گوئی کی تھی کہ۔

"میرے بعد ایک ایسے پیغمبر کا ظہور ہوگا جس میں بارہ خصوصیات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مہاتما بودھ نے کہا تھا (۱) یہ پیغمبر کسی حال میں بھی سچائی سے گریز نہیں کریگا (۲) اُس میں بلا کی

خود اعتمادی موجود ہوگی (۳) وہ نہایت ہی نرم انداز میں گفتگو کرے گا (۴) نہایت شریف اور نرم دل ہوگا۔ (۵) اُس میں غرور اور تکبر کا نام و نشان تک نہ ہوگا (۶) وہ کسی کو دھوکہ نہیں دے گا (۷) کسی کو بھی حقارت کی نظر سے نہیں دیکھے گا (۸) غیظ اور غضب سے کبھی مغلوب نہ ہوسکے گا (۹) دوسروں کے نقصان پر ہمیشہ رنج محسوس کرے گا (۱۰) لوگوں کے ساتھ ایسی محبت کرے گا جیسی ماں اپنے بچوں سے کرتی ہے (۱۱) ہمیشہ نیکیوں ہی کا تصور کرے گا۔ (۱۲) اس کی زندگی دوسروں کے لئے ایک مثالی نمونہ ثابت ہوگی"

مہاتما بودھ نے اپنے بعد آنے والے پیغمبر کو پرکھنے کا جو معیار مقرر کیا تھا۔ وہ تمام تر روحانی، اخلاقی اور انسانی قدروں کا مجموعہ ہے اور بلاشبہہ یہ تمام خوبیاں پیغمبر اسلام میں بدرجہ اتم موجود تھیں جہاں تک نبی کریم کی حق پسندی کا تعلق ہے۔ آنحضرتؐ کے بدترین دشمنوں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ حضور کا بدترین مخالف ابوسفیان شاہ حبش سے مسلمانوں کے خلاف مدد حاصل کرنے کے لئے گیا تھا اور شاہ حبش نے اُس سے بھرے دربار میں سوال کیا تھا کہ کیا تم نے محمد کو پیغمبری کا دعویٰ کرنے سے پہلے کبھی جھوٹ بولتے ہوئے دیکھا ہے تو اس سوال کا جواب نفی میں دیا گیا تھا۔ پھر آنحضرتؐ نے کفار ان قریش سے دریافت فرمایا تھا کہ "اگر میں یہ بات کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک زبردست فوج آرہی ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کرو گے"؟ تو سب نے بیک زبان ہو کر جواب دیا کہ "اے محمد ہم نے تمہیں کبھی جھوٹ بولتے ہوئے نہیں دیکھا اس لئے ہم تمہاری بات کا ضرور یقین کریں گے" اور ابوجہل جیسے دشمن اسلام نے پیغام رسالت سننے کے بعد کہا تھا کہ "ہم تمہیں جھوٹا نہیں کہتے مگر پھر بھی تمہارے پیغام کو صحیح نہیں سمجھتے"

آنحضرت صلعم میں واقعی بے حد خود اعتمادی موجود تھی آپ کی خود اعتمادی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ آپ نے بے حد ناساز گار حالات میں اپنی ذات کو خطرہ میں ڈال کر اسلام کی دعوت شروع کی تھی۔ اور شدید مخالفتوں کے باوجود اُسے جاری رکھا تھا۔ نرم گفتاری کے سلسلہ میں تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ نبی کریمؐ نے زندگی بھر کسی کے ساتھ سخت کلامی نہیں کی اور جو لوگ کہ آنحضرت صلعم کے ساتھ سخت کلامی اور گستاخی سے پیش آتے تھے۔ آپ نہ صرف بذات خود ہی اُن کے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کرتے تھے بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی اُن کے ساتھ سختی کرنے سے باز رکھتے تھے۔ آنحضرتؐ دونوں جہان کے شہنشاہ تھے مگر پھر بھی غرور اور تکبر سے بالکل پاک تھے۔ آپ اپنے اصحابؓ کے ساتھ برابری اور مساوات کا برتاؤ کرتے تھے۔ اپنے لئے کوئی امتیازی حیثیت قبول نہیں فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ ناواقف لوگ جب آتے تھے تو آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام کے درمیان اُن کے لئے امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

داعی اسلام عہد و پیمان پر سختی کے ساتھ قائم رہتے تھے آپ نازک ترین حالات میں بھی عہد شکنی اور فریب دہی کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر جبکہ مجاہدین اسلام کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ اور اُن کے لئے ایک ایک سپاہی بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ آنحضرتؐ کے بعض صحابی مکہ سے مدینے آرہے تھے کہ راستہ میں دشمنوں نے انہیں گرفتار کرلیا اور انہیں اس شرط پر رہا کیا گیا کہ وہ لڑائی میں حصہ نہیں لیں گے۔ اور جب ان حضرات نے مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلعم کے روبرو یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا۔ تمہیں اپنے وعدہ پہ قائم رہنا چاہیئے۔

آنحضرت صلعم کی نظر میں سب ہی انسانوں کا برابر کا درجہ تھا۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم آپ نے کبھی کسی شخص کو بھی حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا دیگر مذاہب کے پیرو جب آپ کی خدمت میں آتے تھے تو ان کا بے حد احترام کرتے تھے یہاں تک کہ ہود کو مسجد نبوی میں ٹھہرنے اور اپنے طور پر نماز پڑھنے کی اجازت دے دیتے تھے۔

دعوت اسلام شروع کرنے کے بعد مکہ میں آنحضرت صلعم کو جو ناقابل برداشت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا انہیں دیکھتے ہوئے فتح مکہ کے بعد انتقام کے جذبہ کا ابھرنا ایک قدرتی بات تھی لیکن آپ اپنے بدترین دشمنوں کو دیکھنے کے بعد کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی غصہ اور انتقام کے جذبہ سے مغلوب نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ نے اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف فرمادیا۔ پھر مکہ سے حضور کی ہجرت کے بعد جب وہاں قحط پڑا۔ اور نوبت یہاں تک آگئی کہ کفار مکہ بھوک سے مجبور ہو کر مردہ جانوروں (باقی صفحہ ۵۰ پر)



میں نے اسلام کیوں قبول کیا

نومسلم انگریز مسٹر سعید شیفر فیلڈ کے احساسات

(انگریزی مقالہ سے ماخوذ)

دینِ حق کی خوبیوں سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرنے والے غیر مسلموں کے احساسات دین دنیا میں برابر پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ یہ مضمون بھی اُسی سلسلہ کا ایک مضمون ہے جس میں کہ نومسلم انگریز سعید شیفر کے خیالات سے ناظرین دین دنیا کو آگاہ کیا گیا ہے۔ سعید شیفر مانچسٹر کے رہنے والے ہیں انھوں نے ایک انگریزی مقالہ میں اپنے مسلمان ہونے کے محرکات پر روشنی ڈالی ہے۔ امید ہے کہ یہ مضمون ہمارے ناظرین کے حلقہ میں دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

خدا کا شکر ہے کہ اسلام قبول کیے اب کافی مدت گزر چکی ہے اور میں اسلام قبول کرنے کے بعد بڑے سکون کی زندگی گزار رہا ہوں لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ خاص محرکات کیا تھے جنھوں نے کہ مجھے اپنا آبائی مذہب عیسائیت ترک کرکے اسلام قبول کرنے کی جانب مجھے راغب کیا

میں اِن واقعات کو اپنی شہرت کے لیے قلمبند نہیں کر رہا ہوں بلکہ میرا مقصد یہ بات ظاہر کرنا ہے کہ انسان کی زندگی کے بعض معمولی واقعات بھی کبھی کبھی ایسے بڑے نتائج پیدا کر دیتے ہیں جن سے کہ زندگی کا رخ ہی بدل جاتا ہے۔

میں ابتدا ہی سے اپنی زندگی کو سادہ۔ پاکیزہ اور ایماندارانہ بنانے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ مغربی معاشرہ میں رہنے کے باوجود مجھے شراب، عورت، اور نفسانی مشاغل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی میں صرف روحانی سکون کا متلاشی تھا۔ لیکن اسلام قبول کرنے سے دو تین سال قبل میں ایسا محسوس کرنے لگا تھا کہ میری زندگی میں کسی چیز کی کمی ہے۔ اور یہ احساس دن بدن قوی ہوتا چلا گیا لیکن اس کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

میں نے ۱۹۵۸ء میں تعلیم سے فراغت پائی تھی۔ اور اُس کے بعد جب میں نے زندگی کے میدان میں قدم رکھا تو میں محسوس کرنے لگا تھا کہ کلیسا میں ہمیں جو تعلیم دی جاتی رہی ہے وہ اپنی جگہ خواہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو۔ لیکن اس سے کلیسا کے باہر کی عملی زندگی گزارنے اور حقائق کا مقابلہ کرنے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ اس لیے عیسائی ہونے کے باوجود عیسائیت پر میرا عقیدہ مضبوط نہیں رہا تھا۔ اور جب میں اپنی زندگی میں کسی شے کی کمی محسوس کرنے لگا تو رفتہ رفتہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ کمی مذہبی عقیدہ کی کمزوری اور اُس بے یقینی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ جو مذہب سے کٹ کر انسان کی زندگی میں لازمی طور پر محسوس ہوتی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد مجھے اپنی زندگی کی اِس کمی کو پورا کرنے کی غرض سے دیگر مذاہب کے مطالعہ کی ضرورت کا احساس ہوا اور چونکہ ہم یورپ کے باشندے اسلام کے ساتھ عیسائیت کے سیاسی اور مذہبی مقابلوں کے باعث اسلام کے نام سے دوسرے مذہبوں کی۔ نسبت زیادہ واقف ہیں اس لئے میں نے انگریزی کی ایسی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا جس میں کہ اسلام پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ لیکن یہ کتابیں تشنہ تھیں اسلئے مجھے ان کے ذریعہ اسلام کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکی۔

کبھی زمانہ میں اپنی تعطیلات گذارنے کے لئے مجھے قاہرہ جانے کا اتفاق ہوا۔ قاہرہ کے اس قیام کے دوران میں نے کئی بار وہاں کی مشہور مساجد کی بھی سیر کی اور مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ جیسے میرے دل میں مسرت اور اطمینان کا جذبہ پیدا ہو رہا ہو۔ مجھے یہ بات بہت اچھی معلوم ہوئی کہ مسلمان ہاتھ باندھ کر اپنے پروردگار کی جانب کھڑے ہوتے ہیں اور جتنی دیر نماز پڑھتے ہیں اس دنیا سے بے تعلق ہو جاتے ہیں۔

مصر سے واپسی کے بعد اپنی فوجی خدمات انجام دینے کے لئے مجھے فلسطین کے اس حصہ میں جانا پڑا جو جارڈن میں شامل تھا۔ وہاں مشرق قریب کی عرب براڈ کاسٹنگ سروس کی طرف سے جمعہ کی نماز کو نشر کیا جاتا تھا اور چونکہ میں اس وقت تک اس علاقہ میں رہنے کی وجہ سے تھوڑی بہت عربی بھی سمجھنے لگا تھا۔ اس نے مجھے قرأت قرآن سننے میں ایک خاص لذت سی محسوس ہونے لگی تھی اور میں جب کبھی جمعہ کے روز ڈیوٹی پر نہیں ہوتا تھا تب بھی اپنی ڈیوٹی تبدیل کر کے صرف ریڈیو پر قرآن کی قرأت سننے کے لئے موجود رہنے کی کوشش کرتا تھا اور کچھ دن کے بعد جب میں نے عربی بھی پڑھ لی تھی تو قرأت قرآن میں مجھے غیر معمولی لذت محسوس ہونے لگی تھی۔

جب مجھے فلسطینی علاقہ سے اپنے وطن انگلستان آنا پڑا تو میں خوش نہیں تھا۔ کیونکہ اب عرب ملکوں کا ماحول مجھے پسند آ گیا تھا بہرحال انگلستان واپس آنے کے بعد میں پھر اپنے منصبی فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہو گیا۔ لیکن اسلام اور قرآن کے ساتھ مجھے جو لگاؤ پیدا ہو گیا تھا اُس میں کوئی کمی نہیں آئی اور وہ اپنی جگہ بدستور قائم رہا۔ حسن اتفاق سے ایک روز میں چیرنگ کراس روڈ میں پرانی کتابوں کی دوکان سے کچھ کتابیں خرید رہا تھا کہ میری نظر مسٹر لودگرود کی ایک چھوٹی سی کتاب پر پڑی جس کا نام تھا "اسلام کیا ہے" چونکہ مسٹر لودگرود بھی اسلام قبول کر چکے ہیں اور اُن کا اسلامی نام حبیب اللہ ہے۔ اس لئے یہ چھوٹی سی کتاب میرے لئے غیر معمولی دلچسپی کا باعث ثابت ہوئی۔ اور اس کے مطالعہ نے پہلی مرتبہ ایک طرف تو مجھے اسلام کے حقیقی مفہوم سے آشنا کیا اور دوسری طرف مجھے اپنے اُن سوالوں کا جواب بھی مل گیا جو کئی سال سے میرے دل میں پیدا ہو رہے تھے اور میں خود اپنی جگہ اُن کا جواب حاصل کرنے سے قاصر رہا تھا۔

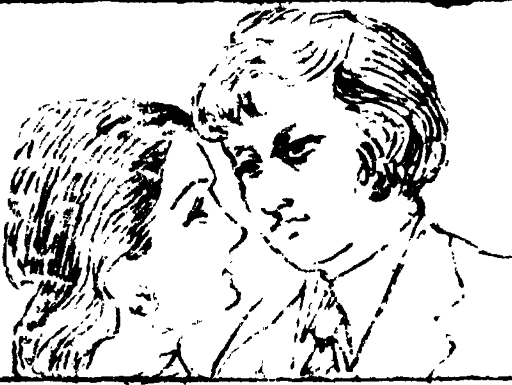
میں ابتدا ہی سے خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتا تھا لیکن میں محسوس کرتا تھا کہ عیسائیت نے خدا کا جو تصور پیش کیا ہے میرا ذہن اُسے قبول نہیں کرتا تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی اگر خدا بھی صاحب اولاد ہو کر عام انسانوں کی صف میں آن کھڑا ہوا تو اُس کی خدائیت کیوں کر برقرار رہ سکتی ہے۔ عیسائیت کا خدا میرے لئے کبھی بھی قابل قبول نہیں ہوا۔ لیکن مسٹر حبیب اللہ کی کتاب کے مطالعہ کے بعد یہ معلوم کر کے مجھے دلی اطمینان ہوا کہ خدا تعالیٰ کے متعلق اسلام کا عقیدہ میرے ذاتی عقیدہ کے مطابق ہے اسلام نے خدا کو ذات واحد قرار دیا ہے۔ اور اسلام کے عقیدۂ توحید نے میرے دل پر بے حد اثر کیا۔

اسی طرح جب میں نے اسلام کے مزید مطالعہ کی روشنی اپنے دوسرے سوالات کو حل کرنا چاہا تو مجھے اندازہ ہوا کہ زندگی کا کوئی سوال اور کوئی مسئلہ خواہ وہ روحانی ہو یا مادی ایسا نہیں ہے جسے اسلام نے حل نہ کر دیا ہو۔ اور اجتماعی زندگی کی کوئی منزل ایسی نہیں ہے جس میں کہ اسلام نے انسان کی رہنمائی نہ کی ہو۔ اسلام ہی دنیا کا واحد مذہب ہے جس میں روحانی ہدایات کے ساتھ ہماری مادی زندگی کے جملہ مسائل کا حل بھی موجود ہے۔

مختصر یہ کہ میں اسلام کا جوں جوں مطالعہ کرتا رہا اسلام سے قریب ہوتا چلا گیا ایک طرف تو میں کتابی معلومات میں اضافہ کرتا رہا اور دوسری جانب لندن میں مقیم مختلف ملکوں کے مسلمانوں کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کر کے اس بات کا اندازہ کرتا رہا کہ عملی طور پر اسلام نے اپنے متبعین پر کیا اثرات قائم کئے ہیں۔

جب مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ اسلامی تعلیمات عملی طور پر ہمہ گیر ہیں۔ اسلام روحانی معاملات کی طرح سماجی معاملات میں بھی انسان کا بہترین رہنما ہے اور مسلمانوں میں انسانی مساوات کا بے پناہ جذبہ موجود ہے۔ نیز وہ مذہبی معاملات میں دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ کامل رواداری کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اسکے علاوہ اسلام کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ ترقی یافتہ دنیا کا ساتھ دے سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کی زندگی کا مقصد شر اور فساد پیدا کرنے کی بجائے امن و سکون کی فضا پیدا کرنا ہے۔ تو میں نے اسلام قبول کر لیا۔

افسانہ



یادوں کا کفن

ایک دلگداز واقعہ - ایک کہانی

(از - ایم - ایچ خاں شاہجہاں پوری)

میں نے جیسے ہی لفافہ کھولا اُس میں ایک پری رو دوشیزہ ریشماں کی تصویر تھی میں حیران رہ گیا - یہ لفافہ نہیں تھا بلکہ میری یادوں کا کفن تھا - ریشماں کی تصویر دیکھ کر ایک دھندلی سی پرانی داستان میرے ذہن پر ابھر آئی

بیس سال پہلے کلاس روم سے نکلتے ہوئے ایک نہایت ہی مترنم آواز میں کسی نے پکارا "سراج صاحب" میں نے مڑ کر دیکھا تو کالج کی لڑکیوں کا ایک جھرمٹ میری طرف بڑھ رہا تھا - دیکھتے ہی دیکھتے حسن و جوانی کا یہ کارواں میرے پاس آگیا تھا - آگے والی لڑکی نے مجھ سے مسکرا کر کہا تھا "ہمیں آپ سے ایک کام ہے"

"فرمایئے"

"ایسا ہے کہ ایک دیوانی آپ سے ملنے کے لئے بیتاب ہے"

"کیا مطلب"

"گھبرایئے نہیں وہ ایسی دیوانی نہیں ہے جو اینٹ پتھر مارے بس وہ آپ کے افسانے پڑھ کر ذرا دماغی توازن کھو بیٹھی ہے - آپ کے افسانوں پر بری طرح لٹو ہے - اس لئے آپ سے ملاقات کرنے کی شدت سے خواہش مند ہے - پھر بیچ میں سے ایک لڑکی کو کھینچ کر وہ بولی ریشماں چپکے چپکے سرد آہیں کیا بھر رہی ہے - اب سراج صاحب سامنے ہیں - جی بھر کر افسانوں کی تعریف کر لے"

سب لڑکیاں کھل کھلا کر ہنس پڑی تھیں - ریشماں شرمائی سر جھکائے کھڑی تھی - اس کی نظریں نیچی تھیں - وہ حسین تھی اور پرکشش بھی اس پر میری نظریں ٹھہریں تو وہ سمٹ گئی - میں نے آہستہ سے کہا تھا

"افسانوں کی پسندیدگی کے لئے ممنون ہوں"

وہ بدستور خاموش رہی - اور پھر تیز تیز قدم بڑھاتی سب کے ساتھ چلی گئی - چند دن بعد ریشماں میرے سامنے اچانک پڑ گئی تھی اس وقت وہ تنہا تھی میں اپنے کلاس روم کی طرف بڑھ رہا تھا - میری اور اس کی نظریں ٹکرا گئی تھیں — اور معاً میرے قدم کچھ رک سے گئے تھے - اور وہ بھی رک گئی اور میرے قریب آگئی - پھر آہستہ سے اس نے شرماتے ہوئے کہا -

"میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں"

"کیوں"

"اُس دن ترانہ نے میری خاطر آپ سے جو مذاق کیا تھا وہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوا"

"تو کیا ترانہ صاحبہ نے اُس دن جو کچھ کہا تھا وہ سب مذاق تھا - اور آپ —"

"نہیں — یہ بات نہیں ہے - اُس نے جو کچھ کہا تھا سچ کہا تھا - لیکن اُس کے مذاق کا جو انداز تھا وہ یقیناً آپ کی طبع نازک پہ گراں گزرا ہوگا - اِس پر مجھے افسوس ہے اور شرمندگی بھی!"

"تو کیا واقعی آپ مجھ سے ملنا چاہتی تھیں؟"

اُس کا چہرہ پھر شفق گوں ہوگیا تھا - اُس نے اپنا نچلا ہونٹ خوبصورت دانتوں تلے دبا لیا تھا اور تیزی سے کامن روم کی طرف بھاگ گئی تھی - اُس کی وہ حسین ادا مجھے آج بھی یاد ہے پھر وہ جہاں میرے سامنے پڑتی آداب کر کے آگے بڑھ جاتی - پھر کچھ بے تکلفی بڑھ گئی اور وہ مجھ سے باتیں کرنے لگی تھی - باتوں سے ملاقاتیں بڑھیں، ملاقاتوں نے کچھ انسیت پیدا کر دی اور پھر آہستہ آہستہ انسیت محبت میں بدل گئی تھی - پھر ایک دن محبت کے فطری تقاضوں نے ہمیں ایک عہد و پیمان تک پہنچا دیا تھا - اُس دن اُس نے پہلی بار بے خودی میں اپنا سر میرے سینے

سے لگا دیا تھا۔ کتنے حسین تھے وہ لمحے! کاش وہ لمحے جاوداں ہو جاتے!

وہ دن بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے جس دن مجھے ریشماں کے پاپا نے خاص طور سے اپنے پاس بلایا تھا۔ اِس سے پہلے بھی میں اُن سے مل چکا تھا۔ انھوں نے ہمیشہ میرے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا تھا۔ لیکن اُس دن اُن کے تیور اور تھے انھوں نے عجیب انداز سے کہا تھا "سراج میاں مجھے بھی تم سے کچھ اہم باتیں کرنی ہیں" ایک لمحہ رک کر پھر وہ بولے تھے "تم باشعور لڑکے ہو اور عقلمند کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔ مجھے تم سے صرف یہ کہنا کافی ہے۔ کہ ریشماں کسی کی منگیتر ہے۔ اُس کا ہونے والا شوہر فارن میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ ریشماں میری اکلوتی لڑکی ہے۔ میں نے اُسے بہت ناز و نعم سے پالا ہے دنیا کی ساری خوشیاں اُس کے لیے مہیا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور کیا تم ۔۔؟"

بغیر تمہید کے ان اچانک باتوں سے میں گھبرا سا گیا تھا اور کہا تھا "ریشماں میری پوزیشن سے نا آشنا نہیں۔ انکل وہ میرے گھر جاتی رہتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ میں ایک یتیم اور غریب لڑکا ہوں میری بیوہ ماں سلائی کڑھائی کر کے مجھے تعلیم دلا رہی ہے۔ میں نے ریشماں کو کبھی دھوکے میں نہیں رکھا اور نہ کسی فیصلے کے لیے میں نے اُسے مجبور کیا"

"وہ تو ابھی بچی ہے۔ نادان پرندہ دانا دیکھتا ہے پھندا نہیں دیکھتا۔ اُسے کیا معلوم کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی وہ کیا جانے کہ مفلسی کیا ہوتی ہے۔ لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم اُسے ساری زندگی آسودہ اور خوشحال دیکھنا پسند کرو گے یا مجبور مفلوک الحال؟ تم خود سوچو سراج میاں کہ کیا تم ریشماں کو یہ سب آسائشیں دے سکو گے جس کی وہ بچپن سے عادی ہے اگر واقعی تمہیں اُس سے ہمدردی ہے تو اُسے میسر آنے والی یہ راحتیں، عیش و آرام نہ چھینو۔ اگر تم اُس کے راستے سے ہٹ گئے تو میں سمجھوں گا تم عظیم ہو۔ تمہاری محبت بے لوث ہے ـــ ورنہ تم جھوٹے ہو۔ تمہاری محبت جھوٹی ہے۔ تم ریشماں سے نہیں میری اُس بے پناہ دولت سے محبت کرتے ہو جس کی وہ تنہا وارث ہو گی"

"انکل!!" میں تقریباً چیخ پڑا۔ اُن کے الفاظ میرے شعور پر ہتھوڑے کے مانند پڑے۔ میں اذیت ناک سوچوں کے سمندر میں غرق ہو کر رہ گیا۔ انھوں نے میری غیرت اور میرے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ میری کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا جواب دوں ـــ لیکن کچھ دیر بعد بلا ارادہ کہہ دیا تھا "انکل! میں ریشماں کو مجبور اور مفلوک الحال زندگی نہ دوں گا۔ میں اُس کی خوشیاں نہ چھینوں گا۔ کیونکہ میں نے اُس سے محبت کی ہے۔ جو مقدس ہے۔ میں اُس کے راستے سے ہٹ جاؤں گا"

میں واپس جانے کے لیے مڑا تو وہ پھر بولے تھے "تمہیں مایوسی ہوئی ہے اس پر مجھے افسوس ہے سراج میاں!! اگر ہو سکے تو ریشماں کو بھی یہ مت بتانا کہ میں تم دونوں کی بیاہ کے لیے روڑہ بنا ہوں ورنہ ایک باپ بیٹی کے سامنے شرمسار ہو جائے گا"

"آپ اطمینان رکھیے، سانپ مر جائے گا اور آپ کی لاٹھی نہیں ٹوٹے گی"

دل شکستگی کا یہ عالم کہ میں دوسرے دن کالج بھی نہ جا سکا تھا۔ شام کو ریشماں میرے گھر آ گئی تھی۔ میں نے جبراً مسکرا کر کہا "آؤ بیٹھو ریشماں! کبھی کبھی نظریں کتنا زبردست دھوکا کھا جاتی ہیں۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی"

"یہ کس کا دکھڑا لے بیٹھے؟" ریشماں مسکرا کر بولی تھی۔

"ارے اپنی ہی سیاہ بختی کی بات ہے۔ جہاں جائے بھوکا وہیں پڑے سوکھا۔ میں نے تم سے یہ سوچ کر محبت کا ڈرامہ شروع کیا تھا کہ تم رئیس باپ کی بیٹی ہو کچھ اپنے ہاتھ لگے گا تو زندگی عیش سے کٹے گی لیکن بساط ہی الٹ گئی۔ تمہارا باپ بہت کنجوس ہے مجھے کل معلوم ہوا۔ ظاہر ہے کچھ پلے نہ پڑے تو پھر کوئلے کی دلالی میں بلا وجہ کون ہاتھ کالے کرے۔ میں نے اپنا ڈرامہ خود ہی ختم کر دیا۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ محبت وحبت کے چکر میں ہمیں نہیں پڑنا"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" ریشماں کی رندھی ہوئی آواز نکلی اور اُس کی آنکھیں دیکھتے دیکھتے چھلک گئیں۔

"ریشماں صاحبہ! میں نے جو کچھ کہا ہے حقیقت ہے۔ تم جا سکتی ہو۔ اب کبھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ رسوا ہو جاؤ گی" وہ چلی گئی۔ کیسے میں نے وہ لمحے برداشت کیے۔ یہ میرا دل ہی جانتا تھا۔ چند دن بعد میں لائبریری میں بیٹھا تھا۔ اسی وقت ترانہ

آگئی تھی اُس نے مجھے دیکھ کر اِس طرح نفرت سے منہ پھیر لیا تھا جیسے کوئی منحوس چیز سامنے آگئی ہو۔ وہ لمحے بھی میں نے گزار دیئے۔ پھر کالج میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ میں دغا باز ہوں اور میں نے ریشماں کے ساتھ فراڈ کیا ہے۔ میرے گرد نفرت، حقارت اور ملامت کا طوفان موجیں مارنے لگا۔ اُن نگاہوں میں میرے لیے نفرت بھرنے لگی جن میں کبھی احترام تھا۔ دوسرے الفاظ میں کالج کے اندر میرا سوشل بائیکاٹ کر دیا گیا — اور مجھے دل پر پتھر رکھ کر سب کچھ برداشت کرنا پڑا اور میں کسی کو نہ بتا سکا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے ریشماں ہی کی خوش آئند زندگی کے لئے کیا ہے۔

آخر کار زندگی کا وہ دور بھی گزر گیا۔ زندگی نے حالات سے جس طرح ہو سکا سمجھوتہ کر لیا۔ زندگی کے سفر میں کانٹے کلیے خوشیوں کے جگمگے ملے لیکن اِس طرح جیسے کسی جاتے ہوئے جنازے کو راستے میں کوئی بارات مل جائے۔ میں پڑھ لکھ کر جج بھی بن گیا۔ میرے افسانے اور ناولوں نے مجھے ملک گیر شہرت دیدی۔ عزت دولت شہرت سب کچھ مل جاتا ہے۔ لیکن زندگی کا ساتھی بچھڑ جائے تو نہیں ملتا۔ جسم کے شدید زخم بھر جاتے ہیں لیکن رُوح کا خلا کبھی پر نہیں ہوتا۔ جب میرے افسانوں اور ناولوں پر مبارک باد اور خوشیوں کا اظہار کیا جاتا تو میرا جی چاہتا میں کہہ دوں — دوسروں کے لیے خوشیوں کے خزانے لٹانے والا یہ بدنصیب انسان خود اپنی خوشی کے لئے بہت مفلس ہے۔ اتنی بڑی دنیا ہے اور کوئی اپنا نہیں ہے۔ ایک مشفق ماں تھی جس نے مجھے اِس مقام پر پہنچایا وہ بھی مجھ سے روٹھ کر چلی گئی۔

ریشماں کا فوٹو اب بھی میرے ہاتھ میں تھا اور میری اپنی زندگی کے المیہ کی داستان کے اوراق میرے سامنے بکھرے پڑے تھے۔ اس لفافہ کے اندر ایک پرچہ بھی تھا۔ میں نے فوٹو پھر لفافہ میں رکھ دیا اور پرچہ نکال کر پڑھنے لگا — اس میں لکھا تھا —

"میرے عزیز دوست اسلام خلوص

آپ نے فوٹو تو پہچان ہی لیا ہوگا — اور میں وہ بدنصیب انسان ہوں جسے دنیا ریشماں کا شوہر کہتی ہے لیکن ریشماں کے دل نے کبھی چاہا ہے یہ کبھی ا[illegible] — اور مجھے بیس سال بعد معلوم ہوا ہے جبکہ وہ نمو[illegible] پگھل پگھل کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئی ہے۔ کاش مجھے پہلے معلوم ہو جاتا۔ وہ اپنی روح کا کرب سینے میں چھپائے میرے ساتھ ایک رسمی بیوی کا رول اِس خوبصورتی سے ادا کرتی رہی کہ کبھی شک نہ ہونے دیا۔ دن بہ دن اُس کی صحت گرتی گئی۔ میں نے دنیا کی ساری آسائشوں کے ڈھیر اُس کے سامنے لگا دیئے اُس کی صحت کے لیے اعلیٰ ڈاکٹروں اور طبیبوں کو رجوع کیا۔ لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اُس کا طبعی شغل صرف کتابیں پڑھنا تھا۔ ایک بار میں نے محسوس کیا کہ وہ ایم۔ سراج کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھتی ہے۔ پھر ایک دن میں نے اُس کی پڑھی ہوئی کتابوں میں ایم، سراج کے نام کے آگے اُس کے ہاتھوں سے "ب" "س" اور کہیں "ظ" لکھا دیکھا۔ بہت دنوں تک ذہن پر زور دینے کے بعد میں اِس نتیجے پر پہنچا کہ شاید سراج صاحب کے لئے "ب" سے بے وفا "س" سے ستمگر اور "ظ" سے ظالم کی طرف اشارہ ہے۔ اِس روشنی میں یہ فیصلہ کرنا آسان تھا کہ ریشماں کا سراج صاحب سے کوئی خاص رابطہ رہا ہے اور یہ بھی ظاہر تھا کہ ریشماں کو سراج صاحب سے بے وفائی ظلم اور ستم ملا ہوگا یہ میرا قیاس تھا۔ لیکن اِس قیاس نے میرے ذہن میں تجسس ضرور پیدا کر دیا تھا — اور اس سلسلے میں مزید معلومات کے لئے میں ریشماں کی عزیز سہیلی ترانہ سے ملا تو میرا شک یقین میں تبدیل ہو گیا اُس نے مجھے بتایا کہ سراج صاحب اور ریشماں ایک ہی کالج میں پڑھے ہیں۔ پھر اِس بارے میں مزید معلومات مجھے ریشماں کی ایک اور سہیلی کرن اگروال سے فراہم ہوئیں۔ اُن نے بہت درد بھرے لہجے میں بتایا کہ ریشماں سراج سے والہانہ محبت کرتی تھی۔ لیکن سراج نے اُسے خود فراموش کر دیا اور سراج کی بے وفائی نے ریشماں کو زندہ درگور کر دیا تھا۔ اُس نے کئی بار خودکشی کی بھی کوششیں کیں۔ لیکن اُسے بچا لیا گیا کرن نے مجھے مزید بتایا کہ آج کل سراج صاحب جج ہیں اور آگرہ ہی میں پوسٹ ہیں۔ ان کا اصلی نام محمد سراج ہے۔

اب ریشماں کی لاغری اور مایوسی کا سبب طشت از بام

ہو چکا تھا۔ کیا دو بچھڑے ہوؤں کا ملانا خوشی کی بات نہیں ہے؟ سب سے زیادہ خوشی مجھے اس بات کی تھی کہ آپ جج ہیں اور جج انصاف پسند ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ریشماں کے ساتھ انصاف کریں گے۔ اس کی کھوئی ہوئی خوشیاں اسے واپس کر دیں گے اس کی اس غلطی کو معاف کر دیں گے جس کی بنا پر آپ نے اسے نظر انداز کیا ہوگا۔ میں ریشماں کے چہرے سے روٹھی ہوئی خوشی اور سکون واپس لانے کا متمنی ہوں۔ میں آپ سے اس کی خوشیوں کی بھیک مانگتا ہوں خدا کے لئے میری اس خواہش کو ٹھکرائیے گا نہیں میں بہت خوشی کے ساتھ ریشماں سے دستبردار ہوتا ہوں۔ ثبوت کے لئے آپ میری یہ تحریر پیش کر سکتے ہیں۔ ریشماں سے کہہ دیجئے گا کہ میری تلاش بے سود ہوگی — خدا حافظ!

— ڈاکٹر رحمانی ''

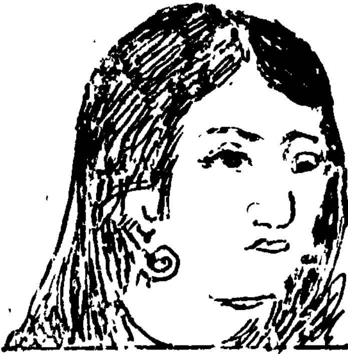
پرچہ پڑھ کر میرے رہے سہے ہوش بھی اڑ گئے۔ دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ زندگی کے اس موڑ پر قسمت نے ایک اور مذاق کر ڈالا۔ ڈاکٹر رحمانی نے ایسا کیوں کیا۔ کتنی مشکل سے تو میں اپنے زخموں کو کچھ مندمل کر پایا تھا۔ اب کس منہ سے میں ریشماں کے سامنے جاؤں گا اس سے کیا کہوں گا۔ کیسا زبردست امتحان تھا! انسان کبھی کبھی کتنا مجبور ہوتا ہے۔ میرے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ کسی کو تختۂ دار پر چڑھا سکتا ہے۔ لیکن بے قصور ہوتے ہوئے ریشماں کے آگے مجرم ہوں گا، مجبور ہوں گا بے بس ہوں! کئی دن تک میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ لیکن ایک دن مجھے رحمانی صاحب کی خواہش کا اس شدت سے احساس ہوا کہ میں ریشماں کے گھر پہنچ گیا۔ بہت مشکل سے میری انگلی کال بیل کو چھو سکی۔ چند لمحے بعد ملازم نے مجھے لے جا کر کمرے میں بٹھا دیا کتنے صبر آزما تھے وہ لمحے! پھر میری پسندیدہ خوشبو کے ساتھ ایک نسوانی پیکر کمرے میں داخل ہوئی۔ میری نگاہیں اس کے سراپا پر جم گئیں۔ بہت دیر بعد فیصلہ کر سکا کہ وہ ریشماں ہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بے جان لاش میرے سامنے کھڑی کر دی گئی ہے۔ پھیکا چہرہ — بے نور آنکھیں میرے سامنے تھیں۔ اس کے چہرے کی پھبن اور آنکھوں کا نور میں نے چھینا تھا۔ پرانی یادوں کی

یلغار میرے ذہن میں یلغار کر رہی تھی اور دوسری طرف ریشماں کے چہرے پر نہ جانے کتنے رنگ آ رہے تھے اور جا رہے تھے۔ دوسرے ہی لمحے اس کی آواز نشتر کی طرح میری سماعت سے ٹکرائی۔

''کیا پھر کوئی ڈرامہ اسٹیج کرنے آئے ہیں؟ کیا ابھی میری بربادی سے جی بھرا نہیں؟'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میرا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ میں نے بہت مشکل سے کہا ''میں آپ کو صرف ایک بات بتانے آیا ہوں''

''اور میں کچھ سننا نہیں چاہتی!'' وہ پلٹ کر مڑی اور تیزی سے کمرے کے باہر نکل گئی میں صرف اس کی سسکیوں کی آواز سن سکا۔ کئی لمحے یونہی گزر گئے۔ میں نے رحمانی صاحب کا لفافہ وہیں میز پر رکھ دیا۔ ملامت کی آندھی میں بکھرے اپنے وجود کو سمیٹتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔ کاش میں اسے بتا سکتا اور کاش ایک باپ اپنی بیٹی کی چلتی پھرتی لاش دیکھ لیتا! اور اسے معلوم ہو سکتا کہ اس نے کس طرح خود ہی اپنی بیٹی کو زندہ دفن کر دیا ہے۔



عورتوں کے لئے

عشق و محبت کی شادیاں

اِن کا انجام عموماً خراب ہی ہوتا

(از زبیدہ سلطان صاحبہ)

ایک تعلیم یافتہ لڑکی کا خط مجھے ملا ہے۔ اِس خط کے ذریعہ اِس لڑکی نے مجھے بتایا ہے کہ اُسے کالج میں ساتھ پڑھنے والے ایک نوجوان سے محبت ہوگئی ہے۔ یہ لڑکی اِس نوجوان سے شادی کرنے پر بضد ہے۔ لیکن لڑکی کے والدین اِس شادی کے شدید مخالف ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ لڑکا نہ صرف حسب نسب کے اعتبار سے گرا ہوا ہے بلکہ اُس کا چال چلن بھی اچھا نہیں ہے اس لئے وہ نہیں چاہتے کہ وہ اپنی بیٹی کو اِس نوجوان کے پلّے باندھ کر اُس کی زندگی برباد کریں۔ اس لڑکی نے مجھے جو خط تحریر کیا ہے اُس میں یہ لڑکی لکھتی ہے کہ،

"یہ عجیب بات ہے کہ شادی جیسے اہم معاملہ میں بھی والدین خواہ مخواہ دخل دیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ تعلیم یافتہ اور ہوشمند لڑکیاں بھی اُن ہی کی پسند کردہ نوجوان سے شادی کریں حالانکہ جس کے ساتھ شادی ہوتی ہے اُس کے ساتھ لڑکی ہی کو زندگی گزارنی ہے نہ کہ والدین کو ایسی حالت میں اگر لڑکیاں اپنے پسند کے نوجوان سے شادیاں کرنا پسند کرتی ہیں تو کونسی بیجا بات ہے۔ ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ لیکن ہندوستان ابھی تک پرانی لکیر پیٹ رہا ہے۔ آپ بہت تجربہ کار ہیں۔ اِس معاملہ میں مجھے مشورہ دیں کہ میں کیا کروں۔ اور والدین کو کس طرح رضامند کروں کہ وہ میری پسند کے نوجوان سے میری شادی کر دیں۔"

ایک اِسی لڑکی پر کیا موقوف ہے آجکل تو عشق و عاشقی والی شادیوں کی وبا عام ہوگئی ہے۔ اور برصغیر ہند جب سے آزاد ہوا ہے اُس وقت سے ہندوستان اور پاکستان دونوں ہی ملکوں میں آئے دن عشق و عاشقی کی شادیاں ہو رہی ہیں لیکن عموماً اِن شادیوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔

مثال کے طور پر پچھلے دنوں پاکستان کی ایک لکچرار مس نسیم نے اپنی پسند سے میجر یعقوب سے شادی کر لی تھی مس نسیم کے والدین اور میجر یعقوب کے اعزہ سب ہی اِس عشق و محبت کی شادی کے مخالف تھے۔ لیکن اِن دونوں کے سر پر چونکہ عشق کا بھوت سوار تھا اِس لئے اِنھوں نے کسی کی بھی نہ سنی اور بالا ہی بالا شادی کر لی لیکن شادی کے چند ماہ بعد ہی عشق کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور اِن دونوں میں ناچاقی بڑھتی چلی گئی۔

نہ جانے کیوں میجر یعقوب کو یہ شبہہ ہوگیا کہ اُن کی بیوی کسی دوسرے سے بھی محبت کرتی ہے اور ایسی شادیوں کے بعد اِس قسم کے شبہات عام طور پر پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک لڑکی جب ایک شخص سے عشق کر سکتی ہے تو کسی دوسرے کے عشق میں بھی مبتلا ہو سکتی ہے۔ اور یہ بدظنی اِس حد تک بڑھی کہ نسیم کو قتل کر دیا گیا۔ اور اُس کے بعد نسیم کے دیور اور اس کے شوہر کی گرفتاریوں اور سزا کا طویل چکر چل پڑا۔

ایک اِسی واقعہ پر کیا موقوف ہے اِس نوعیت کے بے شمار واقعات ہند اور پاکستان میں آئے دن پیش آ رہے ہیں اور اس عشق و عاشقی کی شادیوں کی بدولت نہ صرف سیکڑوں گھرانے برباد ہو گئے ہیں بلکہ بعض معاملات میں تو جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑ گیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عشق و عاشقی کی یہ وبا جب سے ہند اور پاکستان میں پھیلی ہے۔ اِن ملکوں کی معاشرتی زندگیاں بے مزہ ہو گئی ہیں یہی سب کچھ یورپ و امریکہ میں ہو رہا ہے اور یہی مصیبت اب مشرقی ممالک میں بھی بڑھ رہی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ عشق و عاشقی کی شادیوں کا حقائق

اور دور اندیشی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بس جذبات کا سیلاب بہا کر لے جاتا ہے۔ اس قسم کی شادیاں عام طور پر جذبات سے مغلوب ہو کر کی جاتی ہیں اور جب جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں اور جانبین سے عشق کا نشہ اُتر جاتا ہے تو آپس میں طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ صرف علیحدگی ہی نہیں ہو جاتی بلکہ بعض اوقات قتل و خون تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے جیسا کہ نگہار خاتون نسیم کے ساتھ ہو چکا ہے۔

اب میں خط لکھنے والی لڑکی سے دو دو باتیں کرنا چاہتی ہوں بیٹی میں یہ تسلیم کرتی ہوں کہ تمہیں اُس نوجوان کے علاوہ کوئی نوجوان پسند نہیں ہے جس سے کہ تمہیں محبت ہو گئی ہے۔ مگر یہ بات بھی سمجھ لو کہ عشق اندھا ہوتا ہے۔ عشق و محبت کے بعد کوئی انسان یہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ وہ جو قدم اٹھا رہا ہے وہ درست ہے یا غلط ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس معاملہ کو تم اپنے والدین ہی پر چھوڑ دو تم اس بات سے کسی طرح بھی انکار نہیں کر سکتیں کہ تمہارے والدین تمہارے سچے ہمدرد ہیں۔ انھوں ہی نے تمہیں پالا پوسا ہے۔ بے اندازہ روپیہ صرف کر کے تمہیں اعلیٰ تعلیم دلائی ہے۔ محض اس لئے کہ وہ تمہارے مستقبل کو درخشاں دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس نوجوان کو تم نے پسند کیا ہے اگر واقعی وہ تمہارے لئے موزوں ہوتا تو وہ تم سے پہلے اِس رشتہ کی حمایت کرتے لیکن کوئی بات ضرور ہے جو وہ اِس رشتہ کے مخالف ہیں۔

جذبات کے سیلاب میں نہ بہو۔ عقل اور سمجھ سے کام لو۔ امید ہے کہ تم کوئی غلط قدم اٹھا کر اپنے مستقبل کو برباد نہیں کرو گی۔ زندگیاں جذبات کی رو میں بہنے سے بنا نہیں کرتیں بلکہ برباد ہو جاتی ہیں اُمید ہے کہ تم سارے معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرو گی اور اِس غلط روش سے اپنے آپ کو بچاؤ گی جس نے کہ ہزاروں لڑکیوں کی زندگیاں برباد کر دی ہیں۔

افسانہ

میں گنہگار ہوں

جذبات میں ڈوبی ہوئی ایک کہانی

(ہندی سے ترجمہ)



"محبت کرنے والا دل بہت نازک ہوتا ہے شیشہ ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جاتا ہے۔ میں نے شوبھا کے محبت بھرے دل کو اپنی نادانی سے ٹھیس لگا دی۔ وہ ٹوٹ گیا۔ اُس کے ٹوٹ چکنے کے بعد مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میں نے خود کو برباد کر لیا ہے آہ!" وہ روتے ہوئے اپنی داستانِ زندگی بیان کرنے لگا۔

"میں ریل گاڑی میں چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بھیڑ بہت تھی۔ دفعتاً کسی نے اندر سے ہاتھ بڑھا کر اٹیچی کیس تھام لیا میں نے دیکھا ایک لڑکی ہے۔ ہاتھ خالی ہو جانے کی وجہ سے دھکم دھکا کرتا ہوا میں ڈبے کے اندر گھس جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اپنے ماتھے سے پسینے کی بڑی بڑی بوندیں پونچھتے ہوئے میں نے اُس لڑکی کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا "شکریہ"

پانی کا گلاس میری طرف وہ بڑھاتے ہوئے مسکرا کر بولی "پانی پیجئے گا"

"اوہ ——" میں نے ہاتھ بڑھا دیا "شکریہ میں کن لفظوں میں آپ کا شکریہ ادا کروں، مجھ کو اِس وقت بہت ہی سخت پیاس لگ رہی تھی" وہ مسکرا دی۔ گویا کہہ رہی ہے۔ بار بار شکریے کی ضرورت نہیں ہم تو یہ سب کچھ خود کر رہے ہیں۔

میں نے حیرت کے ساتھ اپنے دل میں سوچا۔ یہ اس قدر حسین معلوم ہونے والی لڑکی اِس طرح میرے ساتھ کیوں پیش آ رہی ہے وہ مٹھائی کی طشتری میری طرف بڑھا رہی تھی میں نے کہا۔

"آپ میرے لئے اتنی تکلیف کیوں کر رہی ہیں"

اُس کے مکھڑے پر سرخی چھا گئی "آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔"

"نہیں" میں نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

وہ مسکرائی "میرا نام شوبھا ہے"

"شوبھا۔ اوہ! اچھا!! مجھے یاد آگیا۔ پتا جی کے ایک دوست تھے۔ اُن کے ہاں پتا جی اور میں دونوں مہمان رہے تھے شوبھا اُن کی اکلوتی لڑکی تھی۔ مگر اُس وقت تو وہ بہت شوخ اور چنچل تھی اب تو بڑی سنجیدہ اور متین بن گئی ہے"

"کہیئے۔ اب پہچان لیا" وہ مسکرا رہی تھی۔

"ہاں پہچان لیا"

"مگر بغیر بتائے تو نہ پہچان سکے" "مگر تم بڑی بھی تو ہو گئی ہو"

"جی آپ بھی تو بڑے ہو گئے ہیں۔ مگر میں نے تو پہچان لیا" اس کے خوبصورت ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

بڑی دیر تک اُن دونوں کے تذکرے ہوتے رہے جب وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ گھنٹوں تک کھیلا کرتے تھے۔

وہ اپنی داستان زندگی کا یہ خوش گوار واقعہ بیان کرتے ہوئے بھی رو رہا تھا۔

"آپ کس غرض سے اور کہاں جا رہے ہیں" اُس نے مجھ سے پوچھا میں نے اُسے بتایا کہ "تمہارے ہی شہر میں کالج میں داخلہ لیا ہے"

"ٹھہرنے کا انتظام کہاں کیا گیا ہے"

"ہوسٹل میں"

"اچھا" اُس نے شکایت کی نظروں سے میری طرف دیکھا اور جب اسٹیشن آیا تو میرا سامان اُتروا کر مجھے بھی اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئی۔

مہاتما بدھ کی حضور کے بارے میں پیشنگوئی

(باقی صفحہ ۴۲ سے)

تک کا گوشت کہانے لگے تو اِس صورت حال کا علم ہونے پر آنحضرتؐ کو بے حد رنج پہنچا اور آپ نے اپنے بدترین دشمنوں کی مصیبت ٹل جانے کے لئے دعا فرمائی۔ اِس واقعہ سے یہ بات عیاں ہے کہ آنحضرت صلعم غیروں کا تو ذکر ہی کیا اپنے بدترین دشمنوں کی تکلیف اور مصیبت کو بھی کس قدر محسوس فرماتے تھے۔

آنحضرت صلعم کی پوری زندگی دوسروں کے ساتھ پدرانہ شفقت اور محبت کی آئینہ دار ہے۔ آنحضرت صلعم کی محبت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ جب آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثؓ کو واپس لے جانے کے لئے خود اُن کے والدین دربار نبوی میں حاضر ہوئے تو انھوں نے والدین کے پاس واپس جانے سے انکار کر دیا۔

پھر دشمنوں کے ساتھ نبی محترم کے ہمدردانہ سلوک کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جو جنگی قیدی گرفتار ہو کر آتے تھے اُنہیں آپ چھوڑ دیتے تھے اور جو باقی رہ جاتے تھے انہیں آپ کے اصحاب وہی کھلاتے تھے جو خود کھاتے تھے اور اُن کے آرام و آسائش کا مہمانوں کی طرح خیال رکھتے تھے۔

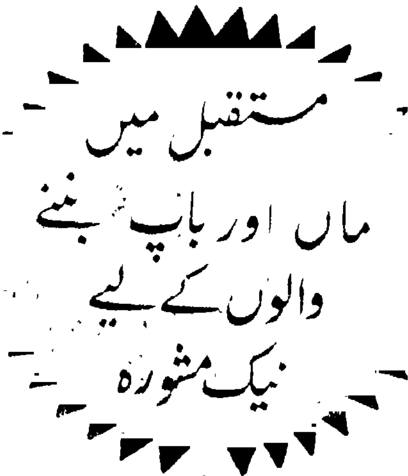
اب رہا نیک عمل کا معاملہ تو آپ سرتاپا نیکی کا مجسمہ تھے۔ آپ کی پوری زندگی نیک کاموں کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے وقف رہی ہے آپ جو ہدایتیں دیتے تھے پہلے خود ان پر عمل کرتے تھے۔ قول کی سچائی، اعمال کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی کا آپ ساری دنیا کے لئے ایک بے مثال نمونہ تھے۔

مہاتما بدھ کی پیشنگوئی کے مطابق آنحضرت صلعم میں وہ تمام اوصاف اور خوبیاں موجود تھیں جو انھوں نے بیان کی تھیں۔ وہ بلاشبہ وہی پیغمبر تھے جنکی آمد کی مہاتما بدھ نے بشارت دی تھی۔ اس لئے ان کا لایا ہوا مذہب بلاشک و شبہ آسمانی مذہب ہے۔ جو بنی نوع انسان کی روحانی۔ اخلاقی۔ اور مادّی ترقی کا سب سے بڑا ضامن ہے۔


پہلا
جلدی
نہیں


دوسرا
ابھی
نہیں


تیسرا
کبھی
نہیں


مستقبل میں
ماں اور باپ بننے
والوں کے لیے
نیک مشورہ

دنیائے اسلام پر ایک نظر



عرب ممالک میں فوجی ہتھیاروں کی تیاری

ایران میں قتل و خون بدستور جاری ۔ صدر سادات ایران کے انقلاب سے خوفزدہ

(ہمارے سیاسی مبصر کے قلم سے)

عرب ممالک میں فوجی ہتھیاروں کی تیاری

پوری دنیائے اسلام میں اس خبر کو مسرت سے سنا جائے گا کہ اب عرب ممالک میں فوجی ہتھیاروں کی تیاری کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا ہے چنانچہ عرب ممالک میں فوجی صنعتی تنظیم کے نئے صدر شیخ فیصل بن سلطان القاسمی نے اخباری نمائندوں کو بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ "اب عرب ممالک میں اسلحہ کی تیاری شروع ہو گئی ہے"

فوجی ہتھیاروں کی تیاری کے سلسلہ میں یہ تنظیم کئی سال سے قائم ہے پہلے اس تنظیم کے محمود ڈاکٹر اشرف مروان تھے لیکن گزشتہ دسمبر میں ڈاکٹر مروان کی جگہ پر شیخ فیصل بن سلطان کو فوجی صنعتی تنظیم کا صدر بنا دیا گیا ہے۔

شیخ فیصل بن سلطان القاسمی کے بیان کے مطابق فوجی صنعتی تنظیم کے کارخانوں میں جنگی سامان اور ہتھیاروں کی پیداوار شروع ہو گئی ہے۔ کئی ماہ سے جیپیں بن رہی ہیں۔ ٹینکوں کی تیاری کے سلسلہ میں بھی ابتدائی کام شروع ہو چکا ہے۔ آرمرڈ کاریں بھی بن رہی ہیں۔ اور ایک برطانوی کمپنی کے تعاون سے ہیلی کوپٹر اور میزائلز کے انجن بھی بن رہے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا ہے کہ ایک فرانسیسی کمپنی کے تعاون سے دوسرے بڑے اسلحے بھی تیار کئے جا رہے ہیں۔

عرب ممالک دنیا کے نہایت ہی دولتمند ممالک ہیں۔ وہ اگر چاہیں تو تقریباً ہر عرب ملک میں امریکہ، فرانس، اور برطانیہ کے مقابلہ میں عظیم الشان اسلحہ تیار کرنے والے کارخانے قائم کر سکتے ہیں۔ لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ آج تک عرب ملکوں کی اس اہم ضرورت کو نظر انداز کرتے رہے ہیں اور ابھی تک اسلحہ کے معاملہ میں غیر ممالک کے محتاج ہیں بہرحال ہمیں خوشی ہے کہ اس ضمن میں تھوڑی بہت پیش رفت تو شروع ہوئی

ایران میں قتل و خون بدستور جاری

شاہ ایران "رضا شاہ پہلوی" تخت و تاج چھوڑ کر ایران سے باہر جا چکے ہیں۔ ایران میں ایک زبردست انقلاب رونما ہو چکا ہے۔ اب ایران کے واحد حکمراں آیت اللہ خمینی ہیں جو بار بار ایران میں خالص دینی اور اسلامی حکومت کے قیام کا اعلان کر رہے ہیں لیکن ایران میں بدستور قتل و خون کا بازار گرم ہے۔

اب وزیر اعظم بزرگان اور صدر آیت اللہ خمینی چن چن کر شاہ پسند جنرلوں کو قتل کر رہے ہیں۔ چنانچہ تازہ ترین اطلاع ہے کہ چار جنرلوں کو مقدمہ چلائے بغیر گولی سے اڑا دیا گیا ہے۔

ایسا کس قانون کے تحت ہوا یہ کوئی نہیں بتا سکتا ان چار جنرلوں ہی پر کیا موقوف ہے ایران کے سب ہی جنرل سابق حکومت کے وفادار رہے ہیں اور انہیں رہنا بھی چاہئے تھا کیونکہ انھوں نے اسی بات کا حلف اٹھایا تھا۔ اور پھر جبکہ ایران میں نئی حکومت قائم ہو گئی ہے۔ تو سب ہی فوجی جنرل اس نئی حکومت کی وفاداری کا حلف اٹھا چکے ہیں۔ مگر صرف انتقام کی خاطر انہیں قتل کر دینا نہ تو شریعت اسلامیہ کی رو سے درست ہے اور نہ حق و انصاف کے اعتبار سے اسے کوئی مناسب فعل قرار دیا جا سکتا ہے اگر ایران میں انتقامی جذبہ اسی طرح قتل و خون کے واقعات کا موجب بنا رہا تو پھر اس ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔

اور جب ایک مذہبی رہنما کے زیر سایہ یہ قتل عام ہو رہا ہو تو اور بھی قابل اعتراض ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فتح مکہ کے وقت ابوسفیان اور دوسرے بدترین اسلام دشمنوں کو معاف کر دیا۔

تھا۔ مگر آیت اللہ خمینی درندہ صفت حکمرانوں کی طرح سابق حکومت کے سربراہوں سے چن چن کر انتقام لے رہے ہیں۔

صدر سادات ایران کے انقلاب سے خوف زدہ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں مذہبی حکومت کے نام پر جو انقلاب ہوا ہے اُس سے جمہوریہ مصر کے صدر انور سادات خوفزدہ ہیں اور عوام کو نصیحت کر رہے ہیں کہ اُنہیں مذہب اور سیاست کو ملانا نہیں چاہیئے بلکہ دونوں کو الگ الگ رکھنا چاہیئے چنانچہ حال ہی میں انہوں نے اپنی قومی جمہوری پارٹی کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے "مصر میں اسلام اور سیاست کے مابین ایک حد فاصل قائم ہے جو لوگ نماز پڑھنا چاہتے ہیں وہ مسجد میں جائیں اور جو سیاست میں حصہ لینا چاہتے ہیں وہ قانونی اداروں کے ذریعہ سیاست میں حصہ لیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے ملانا نہیں چاہیئے"۔

صدر سادات نے اپنی اس تقریر میں اُن لوگوں کو سختی سے متنبہ کیا ہے "جو زمین پر اللہ کا خلیفہ بننا چاہتے ہیں اور مذہب کا سہارا لے کر اقتدار حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ صدر سادات کا یہ اشارہ غالباً "اخوان المسلمون" کی جانب ہے یہ وہ تنظیم ہے جو شاہ فاروق کے زمانہ سے معتوب ہے۔ اور اس کے ممتاز رہنما "حسن البنا" کو شہید کیا جا چکا ہے۔ اور خود انور سادات بھی اس تنظیم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اور اس تنظیم کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اس نے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ پر اظہار ناپسندیدگی کیا ہے۔ اور ایک تو اخوان المسلمون بھی یہ کیا موقوف ہے دنیا کے سب ہی مسلمان اس چاپلوسی کو ناپسند کر رہے ہیں۔

صدر انور سادات نے اگر اسلام کا سرسری نظر سے بھی مطالعہ کیا ہوتا تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ اسلام میں مذہب اور سیاست دو جداگانہ چیزیں نہیں ہیں۔ اور صدر سادات جس غلط راستہ پر چل رہے ہیں۔ اُس کا نتیجہ یہی ہے کہ مصر میں بھی کوئی نہ کوئی انقلاب ہو کر رہے گا۔ اور اگر انھوں نے فلسطین اسرائیل نوازی کی روش کو ترک نہیں کیا تو مصر میں بھی ضرور کوئی انقلاب ہو کر رہے گا۔

اسرائیلی لیڈر کو فلسطینی تنظیم کی اہمیت کا احساس

کبھی کبھی حق بات اُن اسرائیلی لیڈروں کی زبان سے بھی نکل جاتی ہے جو تنظیم آزادی فلسطین کے شدید مخالف ہیں چنانچہ تل ابیب کی ایک اطلاع ہے کہ حال ہی میں اسرائیل کے وزیر خارجہ موسے دایان نے تنظیم آزادی فلسطین کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ خود اسرائیلی لیڈر بھی اس تنظیم کی اہمیت کو محسوس کرنے لگے ہیں اُنھوں نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ "اگر اسرائیل معاملات کو حسن و خوبی کے ساتھ سلجھانا چاہتا ہے تو اُسے آئندہ اپنی گفتگو میں تنظیم آزادی فلسطین کے مقام اور قدر و قیمت کو لازمی طریقہ پر مد نظر رکھنا ہوگا"

اسرائیلی وزیر خارجہ کی اس سچی بات کو اسرائیلی وزیر اعظم بیگن برداشت نہ کر سکے اور اُنھوں نے فوراً ہی اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ "پی ایل او یعنی تنظیم آزادی فلسطین قاتلوں کی تنظیم ہے جو اسرائیل کی ریاست کو تباہ و برباد کر دینا چاہتی ہے اور جو یہودیوں کو اس لئے قتل کرتی ہے کہ وہ یہودی ہیں ہم اسے تسلیم نہیں کر سکتے۔ ہم کسی حالت میں بھی اس سے گفت و شنید نہیں کریں گے"۔

خدا کی شان ہے کہ جن فلسطینیوں کی سرزمین پر آج اسرائیل کی ریاست کھڑی ہے اُسی کو وزیر اعظم قاتلوں کی جماعت قرار دیتے ہیں اور اُس کے تسلیم کرنے سے منکر ہیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آج یا کل اُن کو نہ صرف تنظیم آزادی فلسطین کی اہمیت کو محسوس کرنا ہوگا بلکہ آگے چل کر "آزاد فلسطینی ریاست" کو بھی تسلیم کرنا ہوگا۔

عرب ممالک میں صنعتی تعاون

کویت کی ایک اطلاع ہے کہ اقتصادی استحکام کے پیش نظر سعودی مملکت اور کویت نے باہمی تعاون سے وابستہ کر کے تمام شعبوں میں بڑھ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اعلان مقصد کے لئے کویت کے وزیر اعظم [illegible] سعودی عرب گئے تھے۔ [illegible] نے اعلان کیا ہے کہ

ایسی راہیں تلاش کی جائیں جن پر چل کر نہ صرف سعودی عرب اور
کویت بلکہ دوسرے عرب ممالک بھی اقتصادی میدان میں آگے بڑھ
سکیں اور صنعتی ترقی میں نمایاں حصہ لے سکیں۔
ہمیں یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ اب عرب ممالک بھی صنعتی ترقی
کی اہمیت کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک ابھی تک
اس ضمن میں کوئی بھی قابل اطمینان پیش رفت نہیں ہو سکی ہے۔
سعودی عرب کویت۔ متحدہ عرب امارات۔ اور دوسرے عرب
ممالک کے پاس تیل کے ذریعہ حاصل ہونے والی اتنی بڑی دولت
ہے جس کے ذریعہ بڑے سے بڑے صنعتی کارخانے تقریباً ہر عرب
ملک میں قائم ہو سکتے ہیں۔ لیکن ابھی تک صرف تجاویز ہی زیر
غور ہیں کوئی قابل ذکر عملی قدم نہیں اٹھایا گیا ہے۔ ہمیں امید
رکھنی چاہئے کہ عرب ممالک اس ضمن میں کوئی نہ کوئی پیش قدمی
ضرور کریں گے کیونکہ صنعتی ترقی پر ہی اُن کے روشن مستقبل کا
دارومدار ہے۔

عیسائی مرکز میں پہلی شاندار مسجد

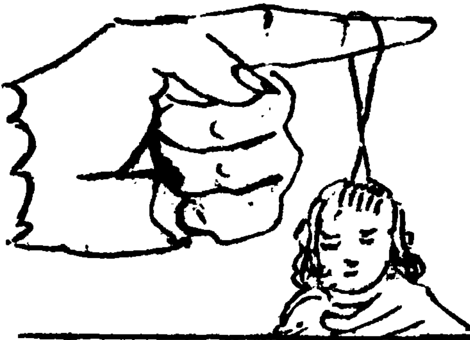
یہ اطلاع پوری دنیائے اسلام کے لئے خوش کن ہے کہ سالہا سال
کی بحث وتمحیص اور پس و پیش کے بعد عیسائی مرکز ویٹی کن روم میں
ایک شاندار مسجد کی تعمیر کی اجازت دے دی گئی ہے۔ یہ یاد رہے کہ
ویٹی کن روم کا وہ علاقہ ہے جہاں پاپائے روم کی حکومت ہے۔ اور
اس مقام پر یہ پہلی مسجد تعمیر کی جا رہی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ
یہ مسجد فن تعمیر کا ایک نہایت ہی شاندار نمونہ ہوگا جس کے مینار
کی بلندی چالیس میٹر ہوگی۔ مغربی یورپ میں روم واحد جگہ تھی
جہاں اسلام کے ماننے والوں کا کوئی عبادت خانہ نہیں تھا۔ حالانکہ
روم میں اس وقت بھی مسلمانوں کی آبادی پچاس ہزار ہے۔ اس مسجد
کے ساتھ اسلامی مرکز بھی قائم کیا جائے گا اندازہ ہے کہ اس کی تعمیر پر
ایک کروڑ بیس لاکھ ڈالر کا خرچ آئے گا۔

اسرائیلی فوج کا لبنان پر حملہ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیل نے یہ طے کر رکھا ہے کہ جب تک کہ
لبنان تقسیم نہیں ہو جائے گا وہ کسی نہ کسی بہانہ سے لبنان پر حملے کر کے
اسے کمزور بناتا رہے گا چنانچہ تازہ ترین اطلاع ہے کہ
اسرائیلی فوج نے پوری طاقت سے لبنان پر حملہ کر دیا ہے اور اس حملہ
کے لئے پی۔ ایل۔ او کے اڈوں کو تباہ کرنے کا بہانہ بنایا ہے۔
گذشتہ چند دنوں کی مدت میں لبنان کی حدود کے اندر یہ
اسرائیل کا دوسرا حملہ ہے جس میں کہ بحری فوج کے علاوہ ہوائی
طیاروں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اور بری طرح سے لبنان میں تباہی
بربادی کی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گذشتہ سال جنوبی لبنان پر اسرائیلی
حملہ کے بعد [illegible] اسرائیل کا [illegible]
لبنان پر [illegible]
کیوں کہ امریکہ [illegible]
کو جس طرح [illegible]
[illegible]

ایجنٹوں سے گذارش

ہمیں افسوس ہے کہ بار بار توجہ دلانے کے باوجود کم تعداد میں پرچے منگانے
والے ایجنٹوں نے پرچوں کی تعداد نہیں بڑھائی جس کی وجہ سے دین دنیا کو ہزاروں روپیہ ماہانہ کا
نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے اس اشاعت سے آج دین دنیا کی قیمت [illegible] پیسے کا اضافہ
بھی کر دیا گیا ہے [illegible] نقصان ہے۔
ہمارے ایجنٹ بھی واقف ہیں کہ ہر ایجنسی پیکٹ پر [illegible]
رجسٹری [illegible] اور محصول ڈاک ادا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ رجسٹری کا خرچ۔
محصول ڈاک اور ایجنسی کی رقم منہا کرنے کے بعد کم تعداد میں پرچے منگانے والے
ایجنٹوں سے جو رقم حاصل ہوتی ہے وہ [illegible] کے حساب سے [illegible]
[illegible] دین دنیا کے ایک پرچہ کی لاگت سوا روپیہ سے بھی زیادہ ہے۔
ایسی حالت میں دس پرچوں سے کم تعداد میں دین دنیا منگانے والے ایجنٹوں
سے ہماری گذارش ہے کہ وہ یا تو پرچوں کی تعداد بڑھا [illegible]
[illegible]
[illegible]



دلچسپ معلومات
حیرت انگیز اور عجیب و غریب انکشافات
(از ادارہ دین دنیا)

موسم کو تبدیل کیا جا سکے گا

سائنس نے اب اس حد تک ترقی کر لی ہے کہ انسان موسموں کو بھی تبدیل کر سکے گا۔ یعنی اب نہ شدید گرمی ہوا کرے گی اور نہ ناقابل برداشت سردی۔ اسی کا اعلان حال ہی میں چند سائنس والوں نے کیا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ ایٹم کی طاقت اس وقت تک تو صرف فوجی مقاصد کے لئے اور نوع انسانی کی تباہی کے لئے استعمال کرنے کی جد و جہد ہو رہی ہے لیکن وہ زمانہ قریب ہے جب ایٹمی دریافت سے مفید کام لئے جا سکیں گے

سائنس والوں کی رائے ہے کہ ایٹمی توانائی کے ذریعہ بڑی آسانی سے دنیا کے مختلف ممالک کے موسموں کو مرضی کے مطابق بدلا جا سکے گا۔ یعنی جہاں سردی۔ گرمی اور بارش ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے وہاں ایٹمی طاقت کے ذریعہ موسم کو معتدل اور خوش گوار بنایا جا سکے گا۔ نیز ایٹم کی طاقت کے ذریعہ لق و دق ریگزاروں کو نخلستان میں تبدیل کرنا بھی ممکن ہو جائے گا اس کے علاوہ سمندروں کو خشک کر کے وہاں انسانی آبادی کے لئے زمین بھی نکالی جا سکے گی۔ غرضکہ آگے چل کر ایٹمی طاقت سے نہایت مفید کام لئے جا سکیں گے

روحیں رشتہ داروں کی مدد کرتی ہیں

بعض روحیں کس طرح اپنے زندہ رشتہ داروں کی مدد کرتی ہیں اس کا اندازہ ایک ایسی خبر سے ہو سکتا ہے جو پچھلے دنوں انگلستان کے اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ اخبارات کا بیان ہے کہ ویسٹ اینڈ لندن میں دو میاں بیوی ایک دوسرے سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اتفاق سے ایسا ہوا کہ بیوی کی اچانک موت واقع ہو گئی۔

شوہر کا بیان ہے کہ مرنے کے بعد اس کی بیوی کی روح اس کے پاس آتی رہتی تھی۔ لیکن لوگ جب اس کی باتیں سنتے تھے مذاق اڑاتے تھے مگر ایک حادثہ کے پیش آنے پر شوہر کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ اس حادثہ کی تفصیل یہ ہے کہ اس شخص کے گھر میں اچانک آگ لگ گئی۔ پڑوسی ابھی فائر بریگیڈ اسٹیشن کو ٹیلیفون بھی نہ کرنے پائے تھے کہ آگ بجھانے والے انجن خود بخود آ گئے اور آگ بجھا دی اور سب حیران رہ گئے۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک عورت نے اسٹیشن پر خود جا کر آگ لگنے کی اطلاع دی تھی۔ اس عورت کا جو حلیہ بیان کیا گیا وہ صاحب خانہ کی مرنے والی بیوی کا حلیہ تھا۔

چند عجیب و غریب وصیتیں

بعض مرنے والوں نے اپنے پیچھے جو وصیتیں چھوڑی ہیں وہ دلچسپ بھی ہے اور عجیب و غریب بھی۔ ۱۹۲۳ء میں لندن کے ایک باشندے نے اپنی ساری جائیداد اپنی بیوی کے نام کر دی تھی مگر اس شرط کے ساتھ وہ ہر سال اس کی برسی کے موقع پر ننگے پاؤں گرجا جائے اور وہاں جا کر مجمع عام میں اعلان کرے کہ وہ انتہا درجہ کی بد کلام اور بد زبان عورت ہے۔ اسی طرح فلیڈلفیا کی ایک خاتون نے اپنے شوہر کے لئے ایک ڈالر چھوڑا تھا اور وصیت کی تھی کہ وہ اس ڈالر سے ایک رسی خریدے اور گلے میں پھندا ڈال کر لٹک جائے۔


دین دنیا
دہلی
فاتح اسلام "سلطان ارخان"
یہ اسلام کا وہ مایۂ ناز فرزند ہے جس کے نام سے یورپ
کے بڑے بڑے شہنشاہ کانپتے تھے۔ اس دھومن نے
آٹھویں صدی ہجری میں سلطنت عثمانیہ ترکیہ کو مضبوط
بنا کر فاتحین اسلام کیلئے یورپ کا دروازہ کھول دیا۔
75



چند عرب سوداگر سعودی عرب کے علاقہ میں



کویت کے امیر "شیخ جابر الصباح" مہاراشٹر کے سابق وزیر رفیق زکریا کے ہمراہ



ایران کے موجودہ سربراہ ''آیت اللہ خمینی'' اور چند دوسرے مذہبی رہنما
ان کے دور میں ایران میں قتل عام ہو رہا ہے

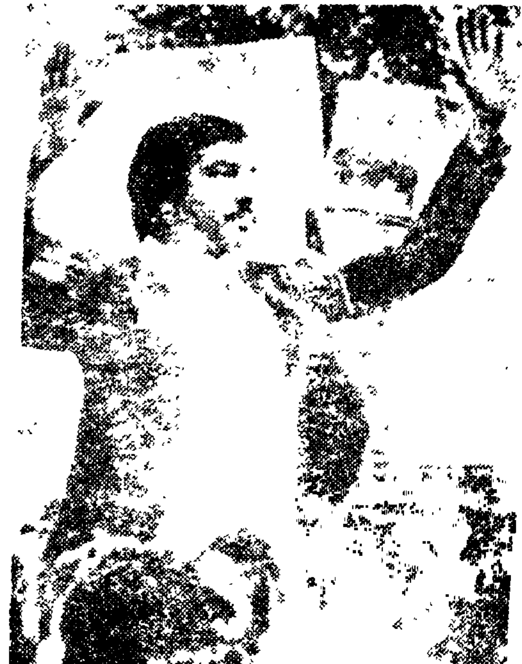


صدر انور سادات کی اہلیہ ''جہاں سادات'' قاہرہ میں ہندوستانی خواتین کے ہمراہ





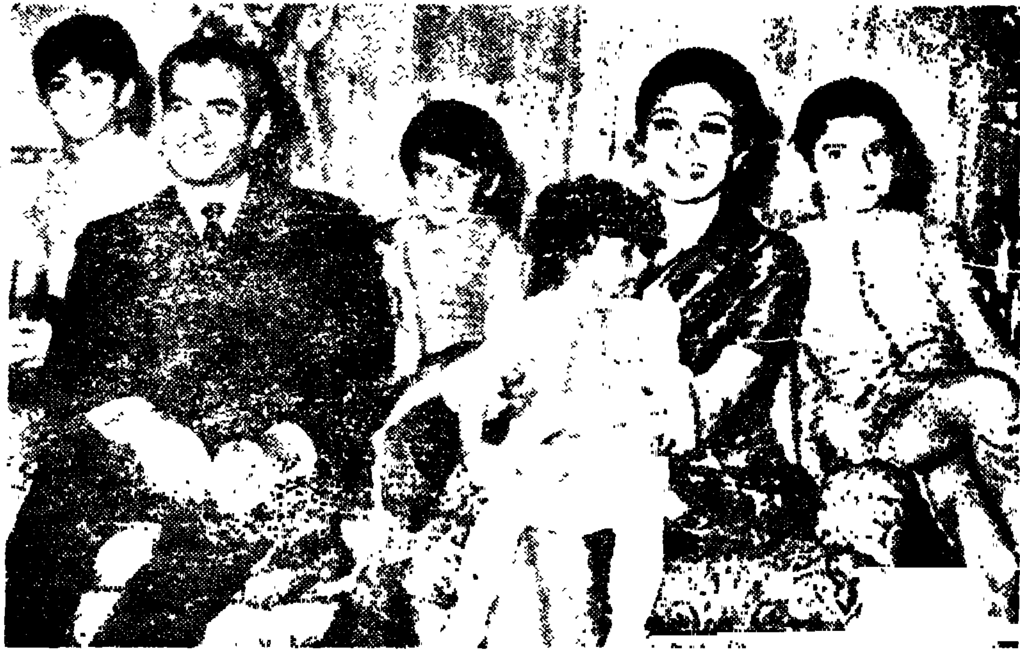
"وزیراعظم مرارجی ڈیسائی ایک مغربی ڈپلومیٹ کا خیر مقدم کر رہے ہوں



میں اپنے باپ کے خون کا انتقام لونگا" لندن میں مرتضیٰ بھٹو کی ایک تقریر



بیگم نصرت بھٹو کو "پاکستان پیپلز پارٹی" کا مستقل چیرمین منتخب کر لیا گیا ہے



سابق شاہ ایران رضا شاہ اور ملکہ فرحہ دیبا انقلابی عدالت نے انکی غیر موجودگی میں سزائے موت دیدی ہے۔ شاہ ایران اور انکا پورا خاندان آجکل جلا وطنی کی زندگی گزار رہا ہے



پاکستان نیشنل عوامی پارٹی کے رہنما
"خان ولی خان"



پاکستان کی استقلال پارٹی کے سربراہ
"ائر مارشل اصغر خان"



عرب ممالک کے خلاف سازشوں کا سب سے بڑا مرکز ”تل ابیب دارالحکومت اسرائیل“



بنگلہ دیش کے فوجی رہنما ”ضیاء الرحمن“
اپنی بیوی کے ہمراہ

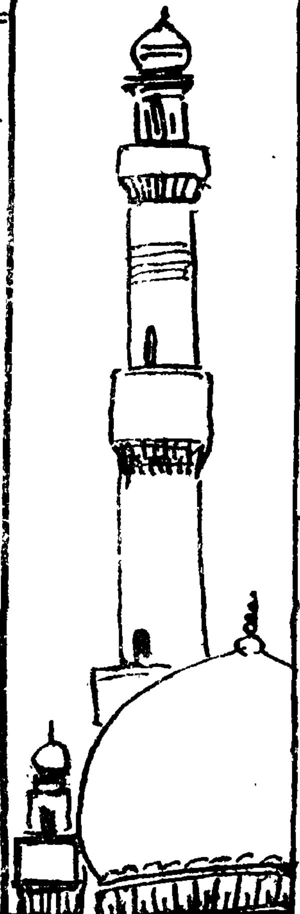
ہندوستان کا سب سے قدیم اور کثیر الاشاعت تاریخی اور اصلاحی جریدہ

ماہنامہ دہلی

دین دُنیا

(ایڈیٹر: شوکت علی فہمی)

جلد ۵۹ | جون ۱۹۷۹ء | نمبر ۶



قیمت سالانہ:-
اٹھارہ روپے
ششماہی
دس روپے

ترسیل زر کا پتہ:
دفتر ماہنامہ دین دُنیا
دین دُنیا یا ؤس جامع مسجد دہلی
وی۔ پی منگانے میں تین روپے کا زائد خرچ ہے اسلئے منی آرڈر بھیجئے

(مفتی شوکت علی فہمی ایڈیٹر۔ پرنٹر۔ پبلشر نے اپنے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر دین دُنیا جامع مسجد دہلی سے شائع کیا)

رفتارِ زمانہ

(از: شوکت علی فہمی)

مسلم یونیورسٹی کے خلاف سازش

آئے دن کے فسادات۔ طلباء پر حملے اور یونیورسٹی بند کرنے کا منصوبہ

راشٹریہ سنگھیوں اور اس ملک کے فسطائی عناصر کے ہاتھوں اس ملک میں سیکولرازم اور جمہوریت کی کس بری طرح سے مٹی پلید ہو رہی ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب مسلم یونیورسٹی کے نہتے طلباء پر چلتی ٹرینوں میں بھی اس جرم کی پاداش میں حملے ہونے لگے ہیں کیونکہ وہ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کا جائز حق طلب کر رہے ہیں۔

چنانچہ حال ہی میں دادری اسٹیشن کے قریب ٹرین روک کر مسلم یونیورسٹی کے طلباء پر جس بے دردی اور درندگی کے ساتھ انھیں لوہے کی سلاخوں اور چاقوؤں سے منظم طور پر حملہ کیا گیا ہے۔ اُس کی صرف مسلمانوں کی جانب سے ہی نہیں بلکہ سب ہی انسانیت دوست طبقوں کی طرف سے شدید مذمت کی جا رہی ہے۔ ان طلباء کا قصور یہ تھا کہ یہ مسلم یونیورسٹی کے حق میں منعقدہ دہلی کی ایک ریلی میں شریک ہونے کے لیے جا رہے تھے۔

اور یہ سب کچھ اُس مسلم اقلیت کے فرزندوں کے ساتھ ہو رہا ہے جس نے کہ جنتا حکومت کو برسرِ اقتدار لانے میں دیگر اقلیتوں کے ساتھ مل کر سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ اور جس مسلم اقلیت سے جنتا لیڈروں نے کھلے الفاظ میں یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر جنتا پارٹی برسرِ اقتدار آگئی تو وہ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو ضرور بحال کر دے گی۔ لیکن اقلیتی کردار کا بحال کرنا تو درکنار آج اس جنتا دور میں فسطائی غنڈوں کے ہاتھوں اس یونیورسٹی کے نونہالوں پر انتہائی بربریت کے ساتھ حملے ہو رہے ہیں۔ اور جنتا حکومت اس غنڈہ گردی کو نہ صرف خاموشی کے ساتھ دیکھ رہی ہے بلکہ جنتا حکومت کے سربراہ جھوٹے اور بے بنیاد الزامات لگا کر الٹا اس یونیورسٹی کے طلباء کو بدنام کر رہے ہیں۔

مسلم یونیورسٹی کے فرزندوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا یہ سلسلہ صرف دادری کے سانحہ پر ہی ختم نہیں ہو گیا بلکہ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ضلع ایڈمنسٹریشن اور آر ایس ایس کی سازش سے بے ضرورت پی اے سی کو یونیورسٹی کیمپس میں لگا دیا گیا اور اس نے وہی جارحانہ رویہ اختیار کیا جو شروع ہی سے اس کا معمول رہا ہے چنانچہ اس نے ہوسٹل میں گھس گھس کر طلباء کو نہ صرف زد و کوب کیا بلکہ فائرنگ سے بھی گریز نہیں کیا۔ جس کے نتیجے میں کئی جانیں ضائع ہوئیں۔ چنانچہ پارلیمنٹ کے ممبروں اور مختلف سیاسی پارٹیوں کے جتنے بھی وفود علی گڑھ کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے وہاں گئے ہیں ان سب ہی کی یہ متفقہ رائے ہے کہ اگر یونیورسٹی کیمپس میں پی اے سی اور سی آر پی کو داخل ہونے کا موقعہ نہ دیا جاتا تو حالات ہرگز اتنے خراب نہ ہوتے۔

مولانا سید احمد ہاشمی ممبر پارلیمنٹ نے اس سلسلہ میں جو بیان دیا ہے وہ کافی اہمیت رکھتا ہے کہ انہوں نے یونیورسٹی کیمپس میں

پی۔ اے۔ سی اور سی۔ آر۔ پی کے داخل ہونے کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ "مسلم یونیورسٹی کیمپس اور یونیورسٹی کے طلبار کو بدنام کرنے کے لئے ضلع ایڈمنسٹریشن کی یہ منصوبہ بند سازش تھی جس میں ضلع کی انتظامیہ اور آر ایس ایس کا "تال میل تھا"۔ آپ نے کہا کہ "یونیورسٹی کی انتظامیہ وائس چانسلر اور طلبار کی مخالفت کے باوجود جبر سے کہ ضلع حکام یونیورسٹی کیمپس پر پی اے سی اور سی آر پی رکھنے پر کیوں بضد ہے جبکہ طلبار کی جانب سے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا گیا تھا جو پی اے سی کو طلبار کے ہوسٹلوں میں گھس گھس کر مارنے اور فائر کرنے کا جواز پیدا کرسکتا"۔ مولانا نے اس بات کی تردید کی ہے کہ این سی سی کیمپ یا ریڈیو کالونی پر طلبار نے چڑھائی کی۔ اور اُسے جلانے کی کوشش کی۔ آپ نے کہا کہ طلبار پر یہ الزام بالکل غلط ہے اور منصوبہ بند سازش کا ایک حصہ ہے۔ مولانا نے بتایا کہ "یونیورسٹی کیمپس میں پی اے سی کے گھسنے اور یونیورسٹی کو [illegible] کے بعد ان کے کہنا یہ ضروری تھا کہ مستقل طور پر اپنے [illegible] کیے جائیں جس سے شہر اور یونیورسٹی کیمپس میں کشیدگی کا ماحول بنایا جاسکے۔ دراصل مقصد تو یونیورسٹی کا بند کرانا تھا"۔ مولانا سید احمد ہاشمی کے علاوہ دیگر ممبران پارلیمنٹ نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

لیکن وزیر اعلیٰ یوپی مسٹر بنارسی داس نے علی گڈھ جائے بغیر لکھنؤ میں بیٹھے بیٹھے علی گڈھ کے اس سانحہ کے بارے میں جو بیان دیا ہے اُس پر ہر حلقے سے شدید نکتہ چینی ہو رہی ہے۔ مسٹر بنارسی داس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ راشٹریہ سنگھ کے شدید مخالف ہیں۔ لیکن اُن کا بیان وہی ہے جو آپ بدترین راشٹریہ سنگھی کا ہو سکتا ہے۔ اُن کے بیان سے یہ بات واضح ہے کہ مسلم یونیورسٹی کو بند کرانے کی [illegible] سازش کی گئی تھی اور وزیر اعلیٰ یوپی دانستہ یا غیر دانستہ [illegible] اس سازش میں شریک ہوگئے ہیں۔ ورنہ وہ مسلم یونیورسٹی کے طلبا پر یہ بے بنیاد الزام نہ لگاتے کہ انھوں نے منی آرڈر سے [illegible] پر حملہ کرنا چاہا تھا یا انہوں نے ایک [illegible] دھاوا بولنے کی کوشش کی تھی اور انہوں نے علی گڈھ سے دہلی آتے ہوئے ٹرین میں ایک غیر شادی شدہ لڑکی کو چھیڑا تھا [illegible] دار [illegible] کیا۔ اس جھوٹ کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ چنانچہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر [illegible] اور کرنل بشیر حسین زیدی نے یوپی کے وزیر اعلیٰ کے [illegible] رپورٹ [illegible]۔

کیے گئے جو غیر ذمہ دارانہ بیان دیا ہے اُس پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے دادری کے اسٹیشن کے قریب مسلم یونیورسٹی کے طلبار پر حملہ پھر اس کے بعد یونیورسٹی کیمپس میں پی۔ اے۔ سی کے تعین کے بعد یونیورسٹی میں ہنگامے۔ کرفیو اور مسلم یونیورسٹی کا بند کیا جانا ہمارے نزدیک گذشتہ ماہ نومبر کے علی گڈھ کے فسادات ہی کی ایک کڑی ہے اُس وقت بھی مسلم یونیورسٹی کے دشمن نمبر اوّل شری بلراج مدھوک نے اپنی زہریلی تقریروں سے علی گڈھ میں آگ لگائی تھی اور اب پھر یونیورسٹی کے خلاف ان ہی مدھوک کے زہریلے بیانات کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے چنانچہ انہوں نے ۷ مئی کو مسلم یونیورسٹی کے خلاف بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ

" یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی ایسا زہریلا ادارہ ہے جس نے ۱۹۴۷ء سے پہلے بھی زہر گھولا تھا اور اب پھر زہر گھول رہا ہے اس کا راشٹریہ کرن کئے بغیر دیش میں سیاسی ایک شانتی نہیں ہوسکتی۔ راشٹریہ وادی مورچہ کی مانگ ہے کہ یا تو اس یونیورسٹی کا جلد ہی راشٹریہ کرن کیا جائے یا اس کی سرکاری امداد بالکل بند کردی جائے۔ اتر پردیش کے مکھیہ منتری شری بنارسی داس بدھائی کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ٹھیک قدم اٹھایا ہے۔ میں اُن سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے صوبے میں زہر کے اس درخت کو ختم کرنے میں پہل کریں"۔

اسی طرح فسطائی ذہنیت رکھنے والے "پرتاپ" جیسے اخبارات مسلم یونیورسٹی کے خلاف نہ صرف زہر اگل رہے ہیں بلکہ کھلم کھلا اُن کا مطالبہ ہے کہ یونیورسٹی کو بند کردیا جائے چنانچہ یہ اخبار لکھتا ہے کہ "اس یونیورسٹی میں اسلحہ جمع کیے جاتے ہیں اور تعلیم کے بجائے غنڈے تیار کیے جاتے ہیں۔ اسے آج بھی بند کرنا ہے اور کل بھی بند کرنا ہوگا"۔ اور اپنی ۲۵ مئی کی اشاعت میں اس اخبار نے مسلم یونیورسٹی کو "فرقہ پرستی کی فیکٹری" قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "جب تک ڈاکٹر خسرو علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں یونیورسٹی میں چین نہیں ہو سکتا یہ یونیورسٹی نوجوانوں کو تعلیم دینے کے لئے قائم نہیں ہوئی ہے بلکہ اُن میں فرقہ وارانہ زہر پھیلانے کے لئے قائم کی گئی ہے۔ ایسی حالت میں اگر اس یونیورسٹی کو فرقہ پرستی کی فیکٹری نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے

مطلب یہ ہے کہ یا تو اس کا راشٹریہ کرن کر دیا جائے یا اسے ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے۔

ان حقائق اور واقعات سے یہ بات صاف طور پر واضح ہے کہ اب مسلم یونیورسٹی کا مسئلہ ایک نئے دور میں داخل ہو چکا ہے یونیورسٹی کے دشمنوں کے سامنے اب یہ سوال نہیں ہے کہ اس کے اقلیتی کردار کو تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے بلکہ وہ اس یونیورسٹی کی اینٹ سے اینٹ بجانے پر تل گئے ہیں اور اسی لئے گذشتہ ماہ نومبر سے علی گڈھ میں منصوبہ بند فسادات کا سلسلہ برابر جاری ہے اور دیدہ دانستہ ایسے حالات پیدا کئے جا رہے ہیں کہ آئے دن اس یونیورسٹی میں کوئی نہ کوئی ہنگامہ کھڑا ہوتا رہے تا کہ تعلیم کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے۔ مثلاً ایک تازہ اطلاع ہے کہ ماہ مئی کے فسادات کے سلسلہ میں تقریباً پچاس رپورٹیں سول لائن تھانہ میں درج کرائی گئی ہیں۔ ان میں مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر مسعود۔ پرو وائس چانسلر ڈاکٹر محمد شفیع۔ چھ ٹیچر اور تقریباً چار سو کے قریب طلباء کے خلاف مقدمات چلانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں تا کہ یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلباء کو گرفتاریوں اور مقدمات کے چکر میں پھانس کر ایک نیا ہنگامہ کھڑا کر دیا جائے

حقیقتاً یہ ہے کہ علی گڈھ کے حالیہ فسادات مسلم یونیورسٹی کو تباہ کرنے کی ایک بہت بڑی سازش ہے۔ مسلمانوں کو جوش سے نہیں بلکہ بڑے تحمل اور برداشت سے کام لینا ہے اور ساتھ ہی وزیر اعظم مسٹر مرارجی ڈیسائی اور سب ہی جنتا لیڈروں کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا ہے کہ نہ صرف ہندوستان کی بلکہ مشرق کی یہ سب سے بڑی مسلم یونیورسٹی کو اگر جنتا حکومت کے دور میں فسطائی عناصر کی خواہش کے مطابق بند کر دیا گیا تو اس کا اثر نہ صرف مسلمانان [illegible] بلکہ پوری دنیائے اسلام پر کیا ہوگا۔ [illegible] راشٹریہ سنگھ چھایا ہوا ہے۔ [illegible] یہ سوچ سکتے کہ مسلم یونیورسٹی کی [illegible] اور جمہوریت کی موت کے ہم معنی ہے [illegible] مسلمانوں کا ہی نقصان نہیں [illegible] پورے [illegible] کا نقصان ہے

پاکستان میں انتخابات کا ڈھونگ

پاکستان کے متحدہ محاذ نے جس میں کہ جماعت اسلامی کے لیڈر بھی شامل ہیں۔ اور جنرل ضیاء الحق نے مرحوم بھٹو کو ٹھکانے لگانے کے بعد اب پاکستان میں انتخابات کا نیا ڈھونگ کھڑا کیا ہے۔ تا کہ اس طرح پاکستانی عوام کی توجہ کو مرحوم بھٹو کے سانحہ قتل کی جانب سے ہٹایا جا سکے۔ اور ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ جنرل ضیا کی گدی کسی نہ کسی صورت میں باقی رہ سکے۔

متحدہ محاذ اور جنرل ضیا نے مرحوم بھٹو کو پھانسی کے تختہ پر چڑھا تو دیا ہے لیکن اس سیاسی قتل سے پورے پاکستان میں متحدہ محاذ اور جنرل ضیا کے خلاف نفرت و حقارت کی جو لہر پھیل چکی ہے۔ اس سے جنرل ضیا اور ان کی پٹھو پارٹی یعنی متحدہ محاذ بے حد خوف زدہ ہے۔ یہ درست ہے کہ اب وقت گذرنے کے ساتھ عوام کے مخالفانہ مظاہرے دب گئے ہیں کیونکہ عوام زیادہ دیر تک فوجوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسٹر بھٹو کے سیاسی قتل کے اثرات ختم ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ان ہی اثرات سے خوف زدہ ہو کر پاکستان کے متحدہ محاذ اور جماعت اسلامی کے لیڈر جنرل ضیا کی کیبنٹ سے عوام کو فریب اور دھوکہ دینے کے لئے الگ ہو گئے ہیں۔ تا کہ وہ پاکستانی عوام کے غم و غصہ کا شکار نہ بن سکیں۔

متحدہ محاذ کے لیڈر اور جماعت اسلامی کے امیر طفیل احمد خواہ عوام کو دھوکہ دینے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں لیکن یہ حقیقت سب پر واضح ہے کہ متحدہ محاذ کے جنرل ضیا کی کیبنٹ میں شامل ہونے کی بنا پر مرحوم بھٹو کے قتل کے لئے محاذ کے لیڈر بھی اتنے ہی ذمہ دار ہیں جتنے کہ جنرل ضیا ہیں۔ لیکن اب وہ عوام کو فریب دینے کے لئے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم تو صرف دو مقاصد لے کر ضیا کی کیبنٹ میں شامل ہوئے تھے جن میں سے پہلا مقصد تو یہ تھا کہ ملک میں شرعی قوانین کا نفاذ کیا جائے دوسرے یہ کہ جنرل ضیا انتخابات کی تاریخ کا اعلان کر دیں۔ ہمارے یہ دونوں مقاصد چونکہ پورے ہو گئے ہیں اس لئے ہم جنرل ضیا کی کیبنٹ سے مستعفی ہو گئے ہیں۔

اور واقعہ یہ ہے کہ متحدہ محاذ کے سب ہی لیڈر ان دو مقاصد کے لئے نہیں بلکہ مرحوم بھٹو کو اپنے راستہ سے ہٹانے کی شرط

پر ضیا کیبنٹ میں شامل ہوئے تھے۔ کیونکہ اُنھیں خوف تھا کہ بھٹو
کے زندہ رہتے ہوئے کوئی انھیں دو کوڑی کو بھی نہیں پوچھے گا۔
لہٰذا بھٹو کے قتل ہوتے ہی چونکہ اُن کا ناپاک مقصد پورا ہو گیا اس
لئے وُہ کیبنٹ سے الگ ہو گئے ہیں تاکہ اس طرح وہ اپنے دامن
سے بھٹو کے خون کے دھبے دھو سکیں۔

اب رہا شرعی قوانین کا نفاذ کا معاملہ تو یہ بھی سراسر ایک ڈھونگ
اور فریب ہے۔ اگر پاکستان میں شرعی قوانین کا نفاذ ہو گیا ہوتا
تو مرحوم بھٹو کا مقدمہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے بجائے
"شرعی عدالت" میں پیش کیا جاتا اور شریعت اسلامیہ کی رُو سے
امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے مسلک کے مطابق چونکہ اتفاقی
قتل کے جرم کو سزائے موت دی ہی نہیں جا سکتی اس لئے مرحوم
بھٹو کو پھانسی کے تختہ پر چڑھایا ہی نہیں جا سکتا تھا اور اس
کے علاوہ بھی پاکستان میں شریعت اسلامیہ کے قوانین صرف
ہاتھ کاٹنے اور کوڑے لگانے تک محدود ہیں۔ سُود کا کاروبار
بدستور چل رہا ہے سینما اور رقص خانے کھلے ہوئے ہیں اور عیاشی کے اڈے
ہوٹلوں کی صورت میں پاکستان میں جوں کے توں برقرار ہیں۔

اب رہی الیکشن کی بات تو جنرل ضیا گذشتہ دو سال کے
اندر اندر جنرل بار الیکشن کی تاریخیں مقرر کرتے رہے ہیں اور
بدلتے رہے ہیں۔ لہٰذا اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ کوئی نیا
بہانہ کھڑا کر کے اب وہ کوئی نئی تاریخ نہیں بدل دیں گے۔

متحدہ محاذ کے بارے میں سب ہی کو معلوم ہے کہ یہ جماعت
جنرل ضیا کی ایک پٹھو جماعت ہے۔ اس جماعت کے لیڈر اب
اگر پاکستانی عوام کے خوف سے جنرل ضیا کی کیبنٹ سے فرار
اختیار کر رہے ہیں تو بے سود ہے کیونکہ اُن کے ہاتھ بھی بھٹو کے
خون میں جنرل ضیا کی طرح رنگے ہوئے ہیں اور انھیں بھی جلد
ہی حساب چکانا ہوگا۔ اوّل تو ہمیں اُمید ہی نہیں کہ جنرل ضیا
جیسے مکار کے بیان کے مطابق پاکستان میں الیکشن ہو سکیں گے اور
اگر کسی مجبوری کی بنا پر الیکشن ہوئے بھی تو اس الیکشن میں متحدہ
محاذ کے لیڈروں کو ووٹوں کی بجائے عوام کے غیض و غضب کا
شکار ہونا پڑے گا اور اگر کہیں بھٹو مرحوم کی پیپلز پارٹی کو انتخابات
میں حصہ لینے کا موقعہ مل گیا جس کی کہیں بالکل امید نہیں تو اس کے
بعد تو پیپلز پارٹی کے علاوہ سب ہی پارٹیوں کا صفایا ہو جائے گا
اور پیپلز پارٹی کی کامیابی کے بعد جو حکومت پیپلز پارٹی کی صدر
نصرت بھٹو کی سربراہی میں پاکستان میں بنے گی وہ جنرل ضیا ہی کو
نہیں بلکہ متحدہ محاذ کے سب ہی لیڈروں کو مع جماعت اسلامی
کے لیڈروں کے بھٹو کے قتل کے جرم میں پھانسی پر ٹانگے بغیر نہیں
رہے گی۔ اور یہ خطرہ جنرل ضیا جیسا عیار شخص کبھی مول نہیں لے
سکتا۔ اس لئے ہمارے نزدیک پاکستان میں انتخابات کی تاریخ کا
اعلان ایک ڈھونگ اور فریب ہے ہماری رائے تو یہ ہے کہ
اب پاکستان کی قسمت کا فیصلہ کوئی نیا انقلاب ہی کر سکے گا۔
جس کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں۔

"مسلمانوں کی مسلّح بغاوت کا خطرہ"

دہلی سے راشٹریہ سنگھ کا ترجمان ایک اخبار پرتاپ شائع
ہوتا ہے۔ یہ اخبار شروع ہی سے مسلمانان ہند کے خلاف
یہ پروپیگنڈا کرتا رہا ہے کہ "ہندوستان کے مسلمان جن کا کہ
مذہبی اور جذباتی تعلق مکہ مدینہ اور مسلم ممالک سے ہے وہ کبھی
بھی اس ملک کے وفادار نہیں ہو سکتے"۔ اور اب اسی اخبار نے
"تھائی لینڈ کے مسلمان" کے عنوان سے ایک نیا زہر آلود مضامین
کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اور اُن مضامین کے ذریعہ یہ تاثر پیدا
کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ہرگز قابلِ
اعتماد نہیں ہیں۔ غیر مسلم ممالک میں جہاں جہاں بھی مسلمان آباد ہیں
چونکہ وہ برابر غیر مسلم حکمرانوں کے خلاف بغاوتیں برپا کرتے رہتے
ہیں اس لئے مسلمانانِ ہند کی جانب سے بھی بغاوت کا خطرہ ہے چنانچہ یہ اخبار
اپنی ۲۵ مئی کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ:

" تھائی لینڈ سرکار نے ایک چھوٹی سی کتاب شائع کی ہے جس میں
اُس نے اپنے دیش کے مسلمانوں کی حالت بیان کی ہے۔ تھائی لینڈ
سرکار کو یہ کتاب اس لئے شائع کرنا پڑی کیونکہ تھائی لینڈ کے مسلمانوں
کا ایک طبقہ اپنی سرکار سے باغی ہو رہا ہے اور سرکار کو اُن کے خلاف
کارروائی کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔ تھائی لینڈ کی سرکار نے اس
بات کی شکایت کی ہے کہ باوجود اس کے کہ وُہ ان مسلمانوں کیلئے

بہت کچھ کر رہے ہیں کہ مسلمان اُس کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔
اس بات کو دیکھتے ہوئے یہ اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس سے
کہ نہ صرف ہندوستان ہی دوچار ہے بلکہ دُنیا کے کئی اور دیش بھی
جن کے سامنے یہ سوال ہے کہ کیا مسلمان کسی غیر مسلم حکومت کے
وفادار رہ سکتے ہیں۔ اس وقت کوئی ۲۳ دیش ایسے ہیں کہ جن میں
کہ مسلمان اقلیت میں ہیں۔ اُن میں کئی ممالک میں یہ برسرِ پیکار ہیں
تھائی لینڈ کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ فلپائن میں کئی برسوں سے مسلم
آبادی سرکار سے جنگ کر رہی ہے۔ اتھوپیا کے خلاف
ایریٹریا کے مسلمان بغاوت کئے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے بارے
میں ابھی یہ تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن کیا تعجب ہے کہ ایک دن ایسا
بھی آجائے (کہ یہاں بھی مسلمان بغاوت کر دیں) کیونکہ مسلمانوں میں یہ
بھاؤنا تیزی سے جاری ہے کہ ان سے ناانصافی ہو رہی ہے۔ دھیرے
دھیرے یہ بھاؤنا دلوں میں بیٹھ جائے تو وہ دن دُور نہیں رہ جاتا
جب وہ یہ سوچنا شروع کر دیں کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا انہیں اس
لئے کیوں نہ وہ ہتھیار ہی اٹھا لیں۔"

اخبار پرتاپ کے اس زہر میں ڈوبے ہوئے اقتباس کے ساتھ
راشٹریہ سنگھ کے لیڈروں کی ان تقریروں کو نظرانداز نہیں کیا
جا سکتا جو [illegible] کے متعلق نفرت پیدا کرنے کی غرض سے وہ ملک میں
جابجا کر رہے ہیں مثلاً پچھلے دنوں ایک راشٹریہ سنگھی لیڈر شری
بابوراؤ مونگھے نے کہا تھا کہ "بھارت کے سارے مسلمان غیرملکی ہیں
اور یہاں کے تمام فسادات مسلمان ہی کراتے ہیں کیونکہ مسلمانوں کو
یہاں کی کسی چیز سے پیار نہیں اور وہ بیرونی غیرملکی حکومتوں کے
اشارے پر کام کر رہے ہیں۔"

زمانہ کا انقلاب دیکھئے کہ جن مسلمانوں نے وطنِ عزیز کی
خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ آج یہ اس ملک کا غدار اور
باغی بنایا جا رہا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ الزام وہ لوگ لگا رہے ہیں
جو خود ملک و وطن کے سب سے بڑے غدار ہیں اور خود غیرملکوں
کے اشارہ پر ملک کی یکجہتی اور اتحاد کو برباد کر کے
وطنِ عزیز کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ انہوں نے اگر
ہندوستان کی تاریخ پڑھی ہوتی تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جس
آزادی کی فضا میں آج وہ سانس لے رہے ہیں وہ
مسلمانانِ ہند ہی کی عطا کردہ ہے۔ یہ مسلمان ہی ہیں جو اس ملک
میں جنگِ آزادی کے امام ہیں اور جنہوں نے اس ملک کے
باشندوں کو وطنِ عزیز پر قربان ہونے کا سبق پڑھایا ہے۔

"تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب اس ملک کے دوسرے
باشندے انگریزوں کے زیرِ سایہ بے حسی کی زندگی گذار رہے تھے
تو مسلمانوں ہی نے ۱۷۵۷ء میں سراج الدولہ کا روپ اختیار
کر کے اس ملک میں سب سے پہلے آزادی کی جنگ لڑی تھی۔
اور وطنِ عزیز پر اپنی جان تک قربان کر دی تھی۔ حیدر علی اور
سلطان ٹیپو کو کون فراموش کر سکتا ہے؟ جو وطن کی آزادی
کے لئے لڑتے رہے اور جان دیدی۔ پھر ۱۸۵۷ء میں جو سب سے
بڑی جنگِ آزادی لڑی گئی ہے اُس کا سربراہ بہادر شاہ ظفر تھا جو
وطنِ عزیز کی خاطر جلاوطن کیا گیا اور رنگون جاکر شہید ہو گیا۔

مولوی لیاقت علی الہ آبادی۔ عظیم اللہ خاں۔ جنرل محمود۔
مولانا فضل حق خیرآبادی اور اشفاق اللہ خاں کو کون فراموش
کر سکتا ہے۔ جو وطن کے لئے لڑے اور پھانسی کے تختے پر
جھول گئے۔ اور بریگیڈیر عثمان کو کس طرح بھلایا جا سکتا ہے
جنہوں نے پاکستان سے لڑتے ہوئے کشمیر کے مورچہ پر اپنی
جان دیدی۔ سچ تو یہ ہے کہ وطنِ عزیز کے لئے مسلمانانِ ہند کی
قربانیوں کی ایک مستقل تاریخ ہے جسے کسی طرح بھی فراموش
نہیں کیا جا سکتا۔

اب رہی تھائی لینڈ اور فلپائن اور اتھوپیا میں مسلمانوں کی
جدوجہد اُسے کوئی احمق ہی بغاوت کہہ سکتا ہے یہ حقوق اور
آزادی کی جنگ ہے جو اسی طرح وہاں کے مسلمان لڑ رہے ہیں،
جس طرح ۱۸۵۷ء اور اُس کے بعد ہندوستان میں لڑتے رہے
ہیں لیکن جب مسلمانوں کو بدنام کرنا ہی مقصود ہو تو ہر آزادی کی جنگ کو
بغاوت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ ہمارے ملک
میں دیدہ و دانستہ مسلمانوں کے خلاف زہر پھیلایا جا رہا
ہے اور حکومت کے زعما خاموشی سے اس افتراق انگیزی
کو دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ نہیں سوچ رہے کہ اس افتراق انگیزی کے
نتائج کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔

یہ آگ لگانے والے ہندی اشتہارات

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راشٹریہ سنگھیوں اور فرقہ پرستوں نے دادری کے قریب مسلم یونیورسٹی کے طلباء پر حملہ کر کے علی گڑھ میں نئے سرے سے فرقہ وارانہ فسادات کی جو آگ بھڑکائی ہے۔ وہ اب اس آگ کو سارے ملک میں پھیلا دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں دہلی کی دیواروں پر ایک نہایت ہی اشتعال انگیز "ہندی پوسٹر" چسپاں کیا گیا ہے جس کا عنوان ہے "سمپردایکتا (فرقہ پرستی) کیب تک" یہ پوسٹر "چھاتر یوا سنگھرش سمیتی علی گڑھ" کی جانب سے شائع کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ پوسٹر دہلی کی دیواروں پر لگایا گیا ہے تو ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی ملک کی فضا کو مکدر کرنے کی غرض سے اسی طرح چسپاں کیا گیا ہوگا۔ اس زہر میں بجھے ہوئے ہندی پوسٹر کا مضمون یہ ہے

"مسلم وشو ودیالیہ (مسلم یونیورسٹی) کی باگ ڈور نادر شاہی خسرو کے ہاتھوں میں ہے۔ دنگائی چھاتروں (فسادی طلبا) اور اُپ کلپتی (وائس چانسلر) کو فوراً گرفتار کیا جائے۔ علی گڑھ قلعہ اور وشو ودیالہ (یونیورسٹی) کے سب ہی چھپنزوں (علاقوں) کی تلاشی بی۔ ایس۔ ایف کے ذریعہ کرائی جائے۔ علی گڑھ وشو ودیالہ کا راشٹریہ کرن کیا جائے اور دوسرے سب ہی جن پد کے ودیالوں (کالجوں) کا اس سے سمبندھ (ملحق کیا جائے) علی گڑھ مسلم وشو ودیالہ کو منی پاکستان (چھوٹا پاکستان) نہیں بننے دیں گے۔"

اور یہ بات یاد رہے کہ یہ کوئی پہلا اشتعال انگیز پوسٹر نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی متعدد ہندی پوسٹر اور اشتہارات جو زہر میں بجھے ہوئے ہیں شائع کئے گئے ہیں۔ مثلاً ۱۲ رمئی کو علی گڑھ بند کی غرض سے جو ہندی ہینڈ بل تقسیم کیا گیا تھا اُس کا مقصد صرف علی گڑھ بند ہی نہیں تھا بلکہ اُس کا اصل مقصد مسلمانوں اور مسلم یونیورسٹی کے خلاف اکثریتی طبقہ میں اشتعال پھیلانا تھا۔ اس ہندی ہینڈ بل کا مضمون یہ ہے۔

"دوستو! فرقہ پرستی اور قوم دشمنی کے گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ نے ۱۰ر اور ۱۱ر مئی ۱۹۷۹ء کو ہندوؤں کے ساتھ آگ زنی قتل اور لوٹ مار کی جو فرقہ وارانہ وارداتیں کی ہیں اُس سے سارے علی گڑھ شہر میں خطرہ بڑھ گیا ہے۔ یہ وہی یونیورسٹی ہے جس نے محمد علی جناح - لیاقت علی خاں - سہروردی - ایوب خاں اور شیخ عبداللہ وغیرہ جیسے ملک دشمن پیدا کئے ہیں اور اب (یہ یونیورسٹی) مسلم رہنماؤں اور طلبا میں وطن دشمنی کا جذبہ اُبھار کر تقسیم شدہ ہندوستان کے دوبارہ ٹکڑے کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ لہٰذا مسلم یونیورسٹی میں ہندو طلباء اور اساتذہ کی حفاظت کرانے اور شہر کے تمام کالجوں کو مسلم یونیورسٹی سے ملحق کرنے کے لئے علی گڑھ کے بیوپاری طبقہ نے ۱۲ رمئی ۱۹۷۹ء کو مکمل علی گڑھ بند کرنے کا اعلان کیا ہے آپ سے گذارش ہے کہ آپ اپنی دکانیں کاروبار۔ اسکول اور دوسرے ادارے اس تاریخ کو بند کرنے کی زحمت کریں۔"

اس زہریلے اشتہار کے نیچے شائع کرنے والوں کے جو نام درج ہیں وہ یہ ہیں۔ چھاتر یوا سنگھرش سمیتی۔ ودھیارتی پریشد۔ جنتا یووا مورچہ ویر ساورکر اور ہندو مہا سبھا وغیرہ۔ ان دو ہندی اشتہارات کے علاوہ ایک تیسرا ہندی اشتہار بھی ملاحظہ فرمائیے۔ جو دادری کے حملے کے بعد شائع کیا گیا تھا اور جس میں نہایت ہی اشتعال انگیز بے بنیاد واقعات بیان کر کے نہ صرف مسلم یونیورسٹی کے خلاف بلکہ پوری مسلم اقلیت کے خلاف زہر پھیلانے کی ایک نہایت ہی ناپاک کوشش کی گئی ہے۔ اس طویل ہندی اشتہار کا خلاصہ یہ ہے:

"۹ رمئی ۱۹۷۹ء کو علی گڑھ کے دادری اسٹیشن پر ریل گاڑی میں بیٹھی ہوئی مہلاؤں اور یاتریوں کے ساتھ ابھیندر (ناروا سلوک) کرنے کے بعد اور ۱۰ رمئی کو مسلم وشو ودیالیہ (مسلم یونیورسٹی) کے مسلم چھاتروں (مسلم طلبا) اور شکشکوں (اساتذہ) نے آپ کل وتی (وائس چانسلر) شری خسرو کے اشارے پر ہندوؤں کی لگ بھگ ۱۵۰ دکانوں کو جلا دیا ہے۔ درجنوں ہندو طلبا اور دوکانیوں کو مار دیا ہے اور لگ بھگ تین سو پچاس ہندو چھاتروں (ہندو طلباء) کو لاپتہ کر دیا ہے۔ وشو ودیالہ میں رہنے والے شکشکوں (استادوں) اور ڈاکٹروں نے جان بچا کر نگر میں پناہ لی ہوئی ہے۔ لہٰذا بھارت سرکار سے ہم مانگ کرتے ہیں کہ وائس چانسلر شری خسرو۔ پرو وائس چانسلر شفیع۔ شعبہ قانون کے رحمٰن علی خاں - ایم عارف۔ اور منظر شفیع کو گرفتار کیا جائے۔ مسلم وشو ودیالہ پر نادر ہی قبضہ کیا جائے۔ اس نگر کے کالجوں کو مسلم وشو ودیالہ سے ملحق کر کے اس کا

راشٹریہ سروپ کیا جائے۔ نہیں تو اس کی (یعنی مسلم یونیورسٹی کی) سرکاری امداد بند کی جائے اور اس کی ڈگریاں منظور نہ کی جائیں۔"

یہ اشتعال انگیز اشتہار بھی "چھاترپرواسنگھرش سمیتی علی گڈھ" ہی کی جانب سے شائع کیا گیا ہے۔ یہ سب ہی زہر میں بجھے ہوئے پوسٹر اور اشتہارات یقینی طور پر حکومت کے زعما کی نظروں سے بھی گذرے ہوں گے اُن سے بجا طور پر پوچھا جا سکتا ہے کہ اس زہر افشانی کے ذریعہ نہ صرف علی گڈھ بلکہ پورے ملک کی فضا کو مکدر کرنے کی جو جسارت کی گئی ہے۔ اُس کا مداوا حکومت نے کیا تلاش کیا ہے۔ اور ان زہریلے اشتہارات شائع کرنے والوں کے خلاف کونسا قدم اٹھایا گیا ہے۔

مسلم یونیورسٹی کی آڑ میں مسلمانان ہند کے خلاف جو یہ نیا فتنہ کھڑا کیا جا رہا ہے ہم اُس کی جانب حکومت کے زعما کی توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ ہم شری ہیم وتی نندن بہوگنا اور شری مدھو لمئے جیسے ممتاز زعما کی توجہ اس تازہ شرارت کی جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر اس فتنہ کو شروع ہی میں نہیں دبایا گیا تو اس سے پورے ملک کا امن اور سکون خطرہ میں پڑ سکتا ہے۔

مندر میں نماز کا نیا فراڈ

راشٹریہ سیوک سنگھ صرف مسلمانوں ہی کی دشمن نمبر ایک جماعت نہیں ہے بلکہ یہ عیاروں اور مکاروں کی بھی ایک بے نام زمانہ اور گنا کرشمہ ہے جو زبان سے تو یہ کہتی ہے کہ راشٹریہ سنگھ ایک کلچرل جماعت ہے لیکن قدم قدم پر یہ بدترین تشدد پسند سیاسی جماعت کا مظاہرہ کر رہی ہے اسی طرح یہ ایک طرف تو مسلمانوں کے ساتھ رواداری اور ہمدردی کا دم بھرتی ہے اور دوسری جانب آئے دن ملک میں فرقہ وارانہ فسادات برپا کر کے مسلمانوں کا قتل عام بھی کرتی رہتی ہے

سب ہی کو معلوم ہے کہ پچھلے دنوں ان راشٹر سنگھیوں نے یہ ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا تھا کہ یہ جماعت ایک سیکولر جماعت ہے ہم عنقریب مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے راشٹریہ سنگھ کے دروازے کھول دیں گے اور چونکہ یہ سراسر فراڈ تھا اس لئے راشٹریہ سنگھ کے سربراہ بالا جی دیورس نے معاملہ کو ٹالنے کے لئے بعد میں یہ اعلان فرما دیا کہ ہم اس مقصد کے لئے بعض مسلم زعما سے تبادلۂ خیال کر رہے ہیں۔ اور بعد میں کوئی آخری فیصلہ کریں گے۔ پھر چند روز کے بعد بالا صاحب دیورس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جو مسلمان اور عیسائی راشٹریہ سنگھ کے ہم خیال اور اُس کے مسلک کے حامی ہیں ہمیں اُنھیں اپنی جماعت میں شامل کرنے میں کوئی اعتراض نہیں یعنی جو مسلمان یا عیسائی راشٹریہ سنگھ کے کارکن بن کر مسلمانوں کے قتل عام میں حصہ لینے کے لئے تیار ہیں وہ اس جماعت میں شامل ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کون بے غیرت مسلمان اور عیسائی اس بات کو گوارا کرے گا۔

اب راشٹریہ سنگھ کا ایک اور فراڈ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ جو بالکل نئی قسم کا فراڈ ہے اور وہ یہ ہے کہ پچھلے دنوں راشٹریہ سنگھیوں کی ایک میٹنگ درانا کی کے ایک مندر میں ہوئی تھی۔ اس میٹنگ میں راشٹریہ سنگھیوں نے چند اپنے ذہنیت کے مسلمانوں کو بھی سیاسی غرض سے شامل کر لیا تھا اور غالباً یہ اس جماعت اسلامی والے ہوں گے جو راشٹریہ سنگھ کو نیک چلنی کا سرٹیفکیٹ دے چکے ہیں۔ چنانچہ میٹنگ کے دوران جب نماز کا وقت آیا تو راشٹریہ سنگھیوں نے مندر ہی میں چٹائیاں بچھا کر نماز کا اہتمام کر دیا اور پھر اخبارات میں یہ پروپیگنڈا بڑے زور و شور سے کیا گیا کہ راشٹریہ سنگھی اس قدر وسیع النظر واقع ہوئے ہیں کہ انھیں مندر میں نماز پڑھنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا ملاحظہ فرمائیے کہ یہ کتنا بڑا فراڈ اور ابن الوقتی ہے۔

جمشید پور کے واقعات سب ہی کے سامنے ہیں ان سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ راشٹریہ سنگھیوں نے ایک طے شدہ منصوبے کے تحت فسادات کرائے چنانچہ راجیہ سبھا میں برملا طرح جمشید پور کے فسادات پر لے دے ہو چکی ہے راجیہ سبھا میں کمیونسٹ ممبر شری اندر دیپ سنہا نے شری دینا ناتھ پانڈے کا نام لیکر کہا تھا کہ اُسے جیل کے سلاخوں کے پیچھے ہونا چاہئیے۔ نیز واضح رہے کہ دینا ناتھ کا راشٹریہ سنگھ سے براہ راست تعلق ہے اور اس نے جمشید پور کے ہنگامہ میں بڑا پارٹ ادا کیا تھا۔ اسی طرح علی گڈھ کے گذشتہ فسادات میں مشہور راشٹریہ سنگھی لیڈر نوبان ملوث تھا۔ اور دادری پھر اس کے لیڈر علی گڈھ میں حالیہ جو کچھ ہوا ہے وہ سب راشٹریہ سنگھ کی کارفرمائیاں ہیں۔

ذرا غور فرمائیے کہ اس سے بڑھ کر اس جماعت کا فراڈ کیا ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو اس جماعت کے لیڈر اپنی رواداری کا ڈھنڈورا پیٹتے پھیلے مندروں میں نماز کی صفیں بچھواتے ہیں اور دوسری طرف بے دریغ فرقہ وارانہ فسادات میں مسجدوں کو ڈھاتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کا قتل عام کرتے ہیں۔ لیکن راشٹریہ سنگھیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اب اہل اسلام خصوصاً مسلمان راشٹریہ سنگھ کو اچھی طرح پہچان چکے ہیں اور اس کا یہ سارا فراڈ بے نقاب ہو چکا ہے۔

فلسطینی مجاہد مرحبا

(از جناب توصیف علوی ہاشمی بی۔ اے کیرانوی)

تیری ہمت اور استقلال کو صد آفریں
تیری تلواروں کو تیری ڈھال کو صد آفریں
تیرے ماضی اور تیرے حال کو صد آفریں
جذبۂ ایثارِ قومی کو ترے صد مرحبا
مرحبا تجھ کو فلسطینی مجاہد مرحبا

ہر ستم ہر جور سے دنیا کے ٹکراتا ہے تو
زندگی کے گیت طوفانوں میں بھی گاتا ہے تو
مسکرا کر ہر تلاطم سے گذر جاتا ہے تو
تو نے سیکھا ہے ہجومِ غم میں بھی ہنسنا سدا
مرحبا تجھ کو فلسطینی مجاہد مرحبا

تو نے "اسرائیلیت" کا ڈھا دیا ہر ایک ستون
توڑ ہی ڈالا بالآخر سحرِ مغرب کا فسوں
کر دیا ہے تو نے سر "شیطانیت" کو سرنگوں
سربلند انسانیت کا تو نے پرچم کر دیا
مرحبا تجھ کو فلسطینی مجاہد مرحبا

"مشرقِ وسطیٰ" کے تو سینہ کا ہے قلبِ جواں
تو ہے دنیائے عرب کے عزمِ محکم کا نشاں
تیری جہدِ زندگی ہے حریت کی داستاں
اک بانگِ زیست ہے دنیا میں ہر تیری صدا
مرحبا تجھ کو فلسطینی مجاہد مرحبا

درسِ ایمانی حقیقت میں ترا کردار ہے
حریت کی داستاں تیرا ہر ایک ایثار ہے
نوجواں مردی کا اس دنیا میں ایک معیار ہے
تیری جانبازی کا چرچا ہے جہاں میں برملا
مرحبا تجھ کو فلسطینی مجاہد مرحبا

ہیں مراحل تیری خاطر تو مراحل کے لئے
تو ہوا پیدا زمانہ میں مسائل کیلئے
زندگی تیری ہے دنیا میں مثال کیلئے
تیرا ہر نقشِ قدم ہے کامرانی کی ضیا
مرحبا تجھ کو فلسطینی مجاہد مرحبا

تیرے ہاتھوں میں ہے اب تیرا ربابِ زندگی
تیرے ذمہ ہے الٹ دینا نقابِ زندگی
خود تجھے کرنا ہے روشن ماہتابِ زندگی
تجھ کو کرنی ہے مکمل داستانِ حوصلہ
مرحبا تجھ کو فلسطینی مجاہد مرحبا

تو نہ گھبرا کھا کے اٹھ پھر عزمِ محکم کی قسم
آ رہی ہے کامرانی چومنے تیرے قدم
سربلند ہونے کو ہے پھر تیری قسمت کا علم
فتح و نصرت دے رہی ہے سامنے تجھ کو صدا
مرحبا تجھ کو فلسطینی مجاہد مرحبا





شاداب چمن پیدا کر

(حماد انجم انصاری بستی یوپی)

ظلمتِ شب سے اُجالوں کی پھبن پیدا کر
تپتے صحراؤں سے شاداب چمن پیدا کر

کیوں ہے انوارِ مہ و مہر کا تو دست نگر؟
ذرہ خاک سے سُورج کی کرن پیدا کر

ہر طرف ظلم کے شعلے ہیں لے اولادِ خلیل
اک نئے ڈھنگ سے آثارِ کہن پیدا کر

اہلِ باطل کو نہ ہو جس کا بت پیکار کبھی
ایسی اک قوتِ دنداں شکن پیدا کر

کب سے پتھریلی زمینوں کے گلے سوکھے ہیں؟
رہگزاروں میں نئے گنگ و جمن پیدا کر

خود فراموشی تری کب تلک آخر؟ اب تو
اپنی ہستی کو سمجھ، اپنا وزن پیدا کر

چھوڑ ابھی حوصلۂ عشق و محبت پیارے!
پہلے کچھ حوصلۂ دار و رسن پیدا کر

فن کو شہ کار بنانے کے لئے اے حماد
رفعتِ فکر، حسیں طرزِ سخن پیدا کر

درسِ بقا دینا بھی آتا ہے

(از جناب منور بستوی)

فنا کی گود میں درسِ بقا دینا بھی آتا ہے
ہمیں تو گالیاں سن کر دعا دینا بھی آتا ہے

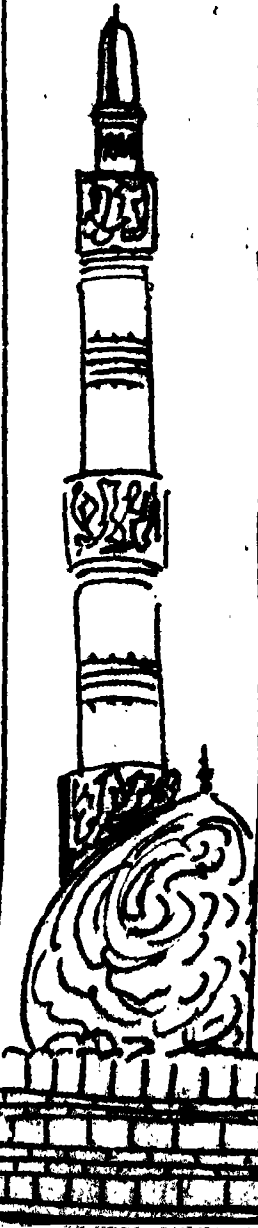
جفا کے سامنے سینہ بڑھا دینا بھی آتا ہے
ہمیں تو تیر کھا کر مسکرا دینا بھی آتا ہے

کبھی خونِ جگر سے اور کبھی نورِ محبت سے
چراغِ راہِ ہستی کو ضیا دینا بھی آتا ہے

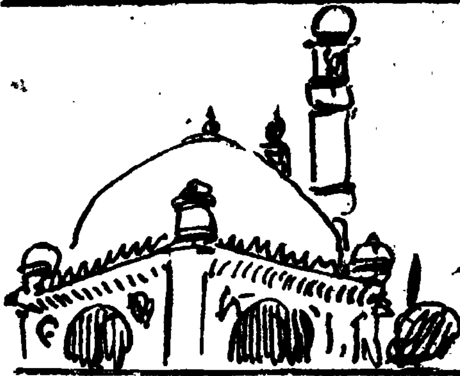
جفا کاری کے سر پر تیغِ براں بن کے ہم چمکے
وفاداری کے آگے سر جھکا دینا بھی آتا ہے

نگاہوں سے کھلانا ہم کو آتا ہے گلستاں کو
نگاہوں سے ہمیں بجلی گرا دینا بھی آتا ہے

منور عرش بھی ہل جائے اپنی آہ جب نکلے
ہمیں تو پتھروں کا دل ہلا دینا بھی آتا ہے







تعلیم القرآن

بارھواں پارہ — وَمَا مِن دَآبَّةٍ — سورۂ ہود

(از ادارہ دین دنیا)

دین دنیا کی زیرِ نظر اشاعت میں ہم قرآن پاک کے بارھویں پارہ کی تعلیمات کی آٹھویں قسط پیش کر رہے ہیں جس میں کہ اللہ جل شانہٗ نے گمراہ قوموں کی تباہی اور بربادی کے واقعات بیان فرماتے ہوئے اپنے بندوں کو متنبہ کیا ہے۔

ہم نے موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجا

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا .... بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝

ترجمہ :- اور ہم نے موسیٰ کو اپنے معجزات اور روشن دلیل کے ساتھ فرعون اور اُس کی جماعت کی طرف بھیجا۔ مگر وہ لوگ (بدستور) فرعون کے احکامات پر چلتے رہے اور فرعون کے احکامات ٹھیک نہیں تھے۔ فرعون قیامت کے روز اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور پھر وہ اُنھیں جہنم میں جا اُتارے گا اور وہ بہت بُری جگہ ہے جہاں یہ اُتارے جائینگے لعنت اُن کے ساتھ برابر لگی رہی اُن کے لئے قیامت میں بھی بُرا انعام ہے۔

تشریح :- اور ہم نے موسیٰ کو اپنے معجزات اور دلائل حق کے ساتھ فرعون اور اُس کی جماعت کے پاس بھیجا تاکہ موسیٰ اُنھیں سیدھا راستہ دکھائیں لیکن فرعون کی جماعت پر اُن کے وعظ و پند کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ لوگ بدستور فرعون کے احکامات کی تعمیل کرتے رہے حالانکہ فرعون کے احکامات نہایت لغو اور گمراہ کُن تھے۔ فرعون اپنی بداعمالیوں کے سبب قیامت کے روز اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور اُس کی قوم اُس کے پیچھے ہوگی اور وہ اپنی ساری قوم کو لیجا کر دوزخ میں جھونک دے گا جس مقام پر فرعون کی قوم کے لوگ اُتارے جائینگے وہ بہت ہی بُرا مقام ہے۔ یہ وہ بدنصیب ہیں کہ اس دُنیا میں بھی لعنت اُن کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی یہی لعنت اُن کا پیچھا نہیں چھوڑے گی غرضیکہ اپنے کرتوتوں کا جو پھل اُنھیں مِلا ہے وہ بہت ہی بُرا ہے۔

اپنے اُوپر خود ہی ظلم کرنے والے

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ .... اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝

ترجمہ :- یہ اُن بستیوں کے بعض حالات ہیں جو ہم تمہیں سُناتے ہیں بعض بستیاں تو قائم ہیں اور بعض اُجڑ گئی ہیں۔ اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر (سرکشی کے باعث) ظلم کرتے رہے ہیں۔ پس جب تمہارے رب کا حکم آیا تو اُن کے وہ معبود جنھیں وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے اُن کے کچھ کام نہ آسکے۔ اور (اُلٹا) اُن کو نقصان پہنچا اور تمہارے رب کی ایسی گرفت ہے کہ جب وہ ظالم بستیوں کو اپنی گرفت میں لیتا ہے تو بلاشبہ اُس کی گرفت بڑی ہی تکلیف دہ ہوتی ہے۔

تشریح :- اے رسولِ عربی یہ صرف چند بستیوں کے واقعات ہیں جنھیں ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اِن میں سے بعض تو ابھی تک باقی ہیں اور بعض بالکل تباہ اور برباد ہو گئی ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ہم نے اِن لوگوں پر اپنی طرف سے کسی قسم کا ظلم یا زیادتی نہیں کی بلکہ اُنھوں نے خود ہی بار بار

سرکشی اور نافرمانی کرکے اپنے آپ کو ظلم کا مستحق قرار دیدیا تھا۔ غرضکہ جب ان پر تمہارے پروردگار کے حکم سے عذاب نازل ہوا تو ان کے وہ خود ساختہ معبود جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے ان کے کچھ بھی کام نہ آئے بلکہ ان کی وجہ سے انھیں اُلٹا نقصان ہی پہنچ گیا۔ اور اے رسول تمہارے پروردگار کی گرفت بڑی ہی سخت ہے چنانچہ جب وہ ظالموں اور سرکشوں کی بستیوں کو اپنی گرفت میں لیتا ہے تو اُس کی گرفت بڑی ہی سخت اور تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔

سرکشوں کے انجام سے عبرت حاصل کرو

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ .... غَیْرَ مَنْقُوْصٍ ۝

ترجمہ :۔ ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت (کا سامان) ہے جو عذاب آخرت سے ڈرتا ہو۔ وہ ایک ایسا دن ہوگا جس میں کہ سب ہی آدمی جمع ہوں گے۔ اور یہ دن وہی دن ہے جب سب لوگ حاضر کئے جائیں گے۔ اور ہم نے اس دن کے لئے صرف ایک معین وقت کے لئے تاخیر کی ہے جب وہ دن آئے گا تو کوئی بھی اللہ کی اجازت کے بغیر نہ بول سکے گا۔ کوئی اُن میں بدبخت ہوگا اور کوئی نیک بخت ہوگا۔ جو بدبخت ہیں وہ آگ میں ڈالے جائیں گے جہاں وہ چلائیں گے اور دہاڑیں گے اور جب تک آسمان و زمین قائم ہے اُسی آگ میں رہیں گے۔ اور اگر خدا ہی کو منظور ہو (کہ بچ جائیں) تو دوسری بات ہے۔ تمہارا رب جو کچھ چاہے اُسے پورے طور پر کر سکتا ہے۔ اور رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں وہ جنّت میں ہوں گے اور اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں۔ ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے۔ اُس کا یہ عطیہ لا انتہا ہوگا۔ (اے محمدؐ) ان چیزوں کے بارے میں جن کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں ذرا بھی شک نہ کرنا۔ جیسے پہلے زمانہ میں اُن کے باپ دادا پرستش کرتے تھے۔ ویسے ہی یہ بھی پرستش کرتے ہیں ہم یقینی طور پر ان کا حصہ بے کم و کاست انھیں پہنچا دیں گے۔

تشریح :۔ ان حقائق اور واقعات میں اُس شخص کے لئے درس عبرت پوشیدہ ہے جو عذاب آخرت سے ڈرتا ہو۔ قیامت کا دن وہ یوم حساب ہوگا جب سب آدمی جمع کئے جائیں گے اور یہ دن ہی دن ہے جبکہ سب لوگوں کو اُن کے پروردگار کے روبرو حاضر کیا جائے گا۔ یہ دن دُور نہیں ہے۔ ہم نے صرف ایک مدّتِ معینہ کے لئے اِس دن کو ملتوی کر رکھا ہے۔ جب وہ دن آجائے گا تو کوئی شخص بھی اللہ کے حکم کے بغیر بول بھی نہ سکے گا۔

روزِ قیامت جو لوگ کہ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے اُن میں سے کچھ لوگ تو بدبخت ہوں گے اور کچھ لوگ نیک بخت۔ جو بدبخت ہونگے وہ دوزخ میں ڈال دئے جائیں گے۔ جہاں وہ دوزخ کے عذاب سے چلائیں گے اور دہاڑیں گے۔ اور جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں ہمیشہ اِسی عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ مگر اے رسول جسے تمہارا پروردگار نجات دینا چاہے اُسے نجات دے سکتا ہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمہارا پروردگار جو چاہے کر سکتا ہے۔ اِس کے علاوہ جو لوگ کہ نیک بخت ہیں وہ جنّت میں داخل کئے جائیں گے۔ اور جب تک آسمان و زمین برقرار ہیں جنّت ہی میں عیش و آرام سے زندگی بسر کریں گے۔ اور یہ بات بھی اللہ کی مرضی ہی پر موقوف ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جنّت نیک بخت بندوں کے لئے اللہ کا عطیہ ہے جو دائمی اور برقرار رہنے والا ہے۔

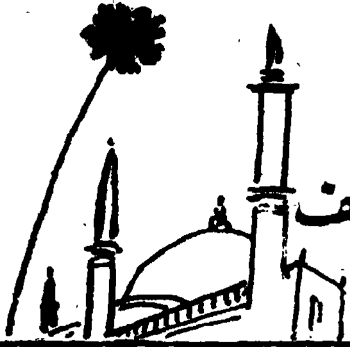
(اُوپر کی آیتوں میں کہا گیا ہے کہ جب تک آسمان و زمین قائم ہیں بدبخت جہنّم میں رہیں گے اور نیک بخت جنّت میں رہینگے۔ آسمان اور زمین کے قیام کی مثال عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے دی گئی ہے۔ ورنہ قیامت میں نہ آسمان باقی رہے گا اور نہ زمین۔ مُراد یہ ہے کہ یہ حالت ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گی۔)

اے رسول! یہ مشرکین جن خانہ ساز معبودوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اُس سے تم کسی خلجان یا شک میں مبتلا نہ ہو جانا۔ ان کا یہ غلط طریقہ کار آبائی ہے جس طرح اِن کے باپ دادا غلط چیزوں کی پرستش کرتے رہے ہیں اُسی طرح یہ بھی کر رہے ہیں۔ اور ہم قیامت کے دن عذاب میں سے ان کو پورا پورا حصّہ بلا کم و کاست دیں گے یعنی انھیں ان کی بداعمالیوں کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔

کلامِ الٰہی پر شک کرنے والے

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی .... ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝

ترجمہ :۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی۔ پھر (باقی صفحہ ۲۴ پر)



تعلیم الحدیث

حکومت کے بھوکے حکومت کے نااہل

آخری زمانہ میں سیاہکاری اور ظلم۔ اسلام سرمایہ داری کا مخالف

(از شوکت علی فہمی)

احادیث کی مستند کتب سے دین دنیا کی ہر اشاعت میں رسول اللہ صلعم کے وہ قیمتی ارشادات درج کئے جاتے ہیں جو نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لئے بہترین شمعِ ہدایت ہیں۔ اُمید ہے کہ مسلمان ان جواہر پاروں سے عبرت اور نصیحت حاصل کریں گے۔

حکومت کے بھوکے حکومت کے نااہل

اسلام نے دُنیا کے سامنے حکمرانی کا جو اعلیٰ معیار پیش کیا ہے اُس کی مثال آج بھی ترقی یافتہ دُنیا میں ناپید ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے حکومت اللہ کی امانت ہے۔ اور ایک حکمران کی حیثیت اسلام کی رُو سے ایک امین سے زیادہ نہیں ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی شخص کو کسی علاقہ کا حاکم مقرر فرماتے تھے تو اُس کے بارے میں یہ اطمینان کر لیتے تھے کہ آیا اُس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں یا نہیں جو ایک دیانتدار حکمران میں ہونی ضروری ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابوموسیٰ اشعری ہیں۔

"میرے دو چچیرے بھائی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن میں سے ایک نے عرض کیا یا رسول اللہ جو علاقے اللہ نے آپ کے سپرد کئے ہیں اُن میں سے کسی پر ہمیں بھی حاکم مقرر فرما دیجئے اور دوسرے نے بھی یہی کہا۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ "واللہ یہ کام ہم اُس شخص کو نہیں دیتے جو اس کے واسطے درخواست کرے یا حرص کرے۔" (بخاری۔ مسلم۔ نسائی)

یعنی رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ ہم ایسے لوگوں کو حکومت کے عہدے نہیں دیتے جو حکومت کی طمع رکھتے ہوں بلکہ ایسے لوگوں کو حکمران بناتے ہیں جو حکومت اور دُنیاوی طمع سے مبرا ہوں۔ چنانچہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ چاروں خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ حکومت کو سخت ناپسند فرماتے تھے لیکن جب حکمرانی کی ذمہ داریاں اِن مقدس حضرات کے سر ڈالی دی گئیں تو انھوں نے جیسے ایثار۔ دیانت داری اور انصاف پسندی کے ساتھ حکومت کی ہے وہ آپ ہی اپنی مثال ہے۔

اِس کے برخلاف آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ حکومت پر اُن ہی لوگوں کا قبضہ ہے جو حکمرانی کے معاملہ میں انتہا درجہ کے لالچی واقع ہوئے ہیں اسی لئے وہ حکومت اور وزارتوں کو بڑے جوڑ توڑ کے بعد حاصل کرنے کے بعد کرسیوں کے ساتھ اِس طرح چمٹ جاتے ہیں کہ علحدہ ہونے کا نام ہی نہیں لیتے اور حکومت و اقتدار کے حصول کے لئے پست سے پست حرکتوں سے بھی گریز نہیں کرتے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عوام کو امن و سکون اُسی وقت میسر آسکتا ہے جب حکومت کی باگ ڈور ایسے نیک دل لوگوں کے ہاتھوں میں ہو۔ جو حکومت اور سلطنت کو اللہ کی امانت سمجھ کر اپنے حکمرانی کے فرائض انجام دے سکیں۔

آخری زمانہ میں سیاہکاری اور ظلم و ستم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ آخری زمانہ

جبکہ ایک ایسا دور بھی آئے گا جبکہ ظلم وستم اور سیاہ کاری عام ہوجائے گی۔
چنانچہ اس بارے میں صحیح حدیث ہے:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تیری عمر کی مدت دراز ہوئی تو ایسے لوگوں کو تو جلد ہی دیکھے گا جن کے ہاتھوں میں گائے کے دُم کی طرح ایک چیز ہوگی۔ وہ رات گذاریں گے تو خدا کے غضب میں اور دن گذاریں گے تو خدا کے غضب میں۔
"اور دو قسم کے دوزخی ہیں کہ میں نے انھیں نہیں دیکھا۔ (وہ آئندہ زمانہ میں ہوں گے) ایک وہ لوگ کہ ان کے پاس گائے کی دُم کی طرح کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔ دوسری عورتیں کہ کپڑے پہنیں گی مگر ننگی ہوں گی لوگوں کو اپنی طرف راغب کریں گی اور خود اُن کی طرف رغبت کریں گی اُن کے سر اُونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے (یعنی کھلے ہوئے ہوں گے) یہ عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ اُس کی ہوا تک نہیں پائیں گی۔" (مسلم)

رسول خدا صلعم نے آج سے چودہ سو برس قبل ظلم وستم اور سیاہکاری کے دور کے بارے میں جو پیشین گوئی فرمائی تھی۔ آج وہ دور ہمارے سامنے ہے چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دُنیا کے مختلف ملکوں میں جن لوگوں کے ہاتھوں میں طاقت اور اقتدار ہے وہ کمزوروں کو کچل رہے ہیں اور اُن کے حقوق پر ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ اور بعض ممالک میں تو سیاسی اغراض کے لئے عوام پر کوڑے بھی برسنے لگے ہیں۔

اَب رہا عورتوں کی عریانی اور بے راہ روی کا معاملہ تو وہ روزِ روشن کی طرح سب پر عیاں ہے۔ عورتیں لباس ضرور پہنتی ہیں لیکن لباس پہننے کے باوجود تقریباً عریاں دکھائی دیتی ہیں۔ اور اِن کی یہ عریانی کھلے بندوں لوگوں کو دعوتِ حُسن دے رہی ہے۔ اُن کے سَر اُونٹ کے کوہان کی طرح کھلے ہوئے ہیں اور بے حیائی عام ہے۔ غرضکہ وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو انسانیت اور تہذیب کے دامن پر بدترین داغ ہے۔ مسلمانوں کو اِس حدیث سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اور عورتوں کو خصوصیت کے ساتھ ایسے لباس سے اجتناب کرنا چاہئے جس سے کہ اُن کی عاقبت کے برباد ہونے کا پورا اندیشہ ہے۔ تاکہ وہ عاقبت کی نعمتوں سے محروم نہ ہوسکیں۔

اسلام سرمایہ داری کا مخالف ہے

دُنیا میں آجکل سوشلزم کا بہت چرچہ ہے لیکن اسلام آج سے چودہ سو برس قبل ہی دُنیا کے سامنے حقیقی سوشلزم کا بہترین نمونہ پیش کر چکا ہے۔ چنانچہ رسولِ مقبول صلعم کا طریقۂ کار یہ تھا کہ آپ کے پاس جتنی بھی دولت آتی تھی وہ آپ مستحقین میں تقسیم فرما دیتے تھے اور اپنے لئے ایک پیسہ بھی باقی نہیں رکھتے تھے۔ حضورِ اکرم سوشلزم کے کتنے بڑے حامی تھے اس کا اندازہ ذیل کی حدیث سے بخوبی ہوسکتا ہے۔

"ابی امامہ رض راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے میرے سامنے اِس بات کو پیش کیا کہ وہ میرے لئے مکہ کے سنگ ریزوں کو سونے میں تبدیل کر دے۔ مگر میں نے عرض کیا نہیں میرے پروردگار میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں، تاکہ جب بھوکا رہوں تو تیری بارگاہ میں عاجزی اور زاری کروں اور تجھے یاد کروں۔" (احمد۔ ترمذی)۔

اِسی سلسلہ میں ایک دوسری حدیث ہے جس سے یہ بات صاف طور پر واضح ہے کہ حضور ؐ سرمایہ داری کے شدید مخالف تھے۔ وہ حدیث یہ ہے:۔

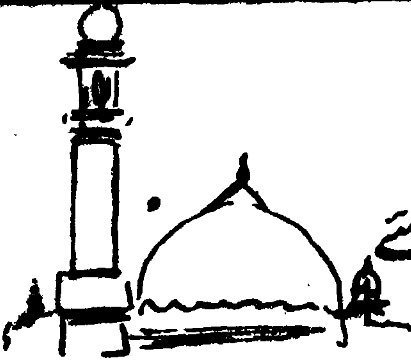
"ابوذر رض کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے مجھے دیکھ کر فرمایا قسم ہے پروردگارِ کعبہ کی وہ لوگ بڑے ٹوٹے میں ہیں میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں وہ لوگ کون ہیں۔ فرمایا مال کو زیادہ جمع کرنے والے۔ مگر وہ نہیں جنھوں نے مال جمع کرکے اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (نیک کاموں میں) خرچ کیا مگر ایسے لوگ کم ہیں۔" (بخاری ومسلم)

اُوپر کی احادیث سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام سرمایہ داری کا کتنا بڑا مخالف ہے۔ اور آج دُنیا سرمایہ داری کے خلاف جو آواز بلند کر رہی ہے وہ دراصل اسلامی تعلیم ہی سے ماخوذ ہے۔

اسلامی افکار

اسلام کا نظامِ عدل بے مثال ہے

زمانۂ حاضرہ کے حکمرانوں کو اس سے سبق لینا چاہیئے



(از ڈاکٹر زکی علی قاہرہ)

گذشتہ چودہ سو برس میں دُنیا ترقی کرنے کے بعد بہت آگے بڑھ چکی ہے لیکن پھر بھی زمانۂ حاضرہ کی حکومتیں اُس نظامِ عدل سے ناآشنا ہیں جو آج سے چودہ سو برس قبل اسلام پیش کر چکا ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں مصر کے نامور اہلِ قلم ڈاکٹر زکی علی کے ایک طویل مضمون کا اقتباس پیش کر رہے ہیں جس میں کہ اسلام کے نظامِ عدل پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسلامی ریاست کی بنیاد اُس وقت قائم ہوئی تھی جب مسلمانوں کو مکہ معظمہ میں مظلومیت اور بے بسی کا ایک طویل زمانہ بسر کرنے کے بعد وہاں سے ہجرت کر کے مدینۂ منورہ میں پناہ لینی پڑی تھی۔ اور مدینۂ منورہ پہنچنے کے بعد بھی انھیں پوری طرح امن اور سکون حاصل نہ ہو سکا تھا بلکہ انھیں بار بار کفارِ مکہ کے مقابلہ میں جنگ کے میدانوں میں آنا پڑا تھا۔

اِن حالات میں مسلمانوں نے جو ریاست قائم کی تھی اگر اُس کے نظامِ عدل میں کچھ ایسی دفعات رکھ دی جاتیں جو مخالفینِ اسلام اور اُن کے حامیوں پر گراں گذرتیں تو اس پر کوئی تعجب نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اسلامی دستور میں اپنے بدترین مخالفین کے لئے بھی کچھ مخصوص دفعات نہیں رکھی گئیں۔ اور اُس کا باعث یہ تھا کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اُس کے نظامِ عدل میں دوست اور دشمن کا کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ نظامِ عدل پوری دُنیا کے لئے تھا۔ اس لئے اس کے نظامِ عدل میں عمومیت اور مساوات کو مدِنظر رکھا گیا تھا۔

اسلام نے اپنے نظامِ عدل کی بنیاد انسانی مساوات کے اصول پر قائم کی ہے۔ اسی لئے اسلام کے نظامِ عدل میں جہاں رنگ و نسل کا کوئی فرق موجود نہیں ہے، وہاں دوست دشمن، مسلم اور غیر مسلم، چھوٹے اور بڑے کا بھی کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ یعنی عدل و انصاف کے معاملہ میں اسلام نے ابتدا ہی سے خالص جمہوری طریقِ کار اختیار کیا ہے۔

اسلام کے نظامِ عدل پر بحث کرتے ہوئے ایک مغربی مفکر نے لکھا ہے کہ "عدل و انصاف کو ہمیشہ شخصی حکومتوں سے نقصان پہنچتا رہا ہے۔ شخصی حکومتوں میں بادشاہ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہی قانون کی حیثیت رکھتے تھے اور اُن کے غیر منصفانہ احکام کے خلاف لب کشائی ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن اسلام نے پہلی بار اِس غیر منصفانہ طریقۂ حکومت کو بدل کر عدل و انصاف کی راہ دکھائی۔ اسلام نے شخصی حکومت کے طریقہ کو چھوڑ کر اپنی حکومت کے سربراہ کے لئے مجلسِ شوریٰ کے ذریعہ انتخاب کا جمہوری طریقہ رائج کیا پھر اِس سربراہ کو بھی تنِ تنہا حکومت کے چلانے کی پوری آزادی نہیں دی بلکہ اُسے قوم کے دوسرے افراد اور ایماندار لوگوں کو اِس بات کا بھی اختیار دیا گیا کہ اگر اسلامی حکومت کا سربراہ غلط راستہ پر چلے تو وہ اُسے سربراہی کے عہدہ سے علیحدہ کر دیں۔ اور اِس طرح اسلام نے ابتدا ہی سے وہ تدابیر اختیار کی ہیں کہ کسی اسلامی حکومت کے سربراہ کی ذات سے عدل و انصاف کے معاملہ میں کوئی معمولی سی خلاف ورزی بھی ممکن نہیں ہو سکتی"۔

اسلام کے نظامِ عدل کی اہمیت کا اندازہ اِس سے لگایا جا سکتا

ہے کہ اسلام دنیا کا وہ پہلا اور آخری مذہب ہے جس نے کہ ہر شہری کو بلا امتیاز مذہب وملت بادشاہ وقت کے خلاف بھی انصاف طلب کرنے کا حق دیا ہے اور صاحب معاملہ کی حیثیت سے بادشاہ اور ایک عام آدمی کے درمیان کسی قسم کے امتیاز کو جائز نہیں قرار دیا ہے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ جب خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رض کے خلاف ایک معمولی شہری کی جانب سے دعویٰ دائر کیا گیا تو آپ اُس کی جواب دہی کے لئے خود قاضی کی عدالت میں تشریف لے گئے اور اُسی جگہ کھڑے ہو کر مقدمہ کی پیروی کی جو فریقین مقدمہ کے لئے مخصوص تھی۔

قانون کا احترام کچھ خلفائے راشدین کے دور تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اسلام کی یہ عادلانہ روایات تقریباً ہر دور اور ہر زمانہ میں باقی رہی ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف شام کے ایک یہودی نے شام میں دعویٰ دائر کیا تو اِس باعظمت حکمراں کو مصر سے چل کر شام جانا پڑا۔ اور اِس یہودی کے خلاف ثابت ہو جانے کے باوجود مدعی سے کسی قسم کی بازپرس نہیں کی گئی۔

اسلام کے تمام دوسرے نظاموں کی طرح اُس کے نظامِ عدل کی بنیاد بھی قرآنِ کریم ہی پر قائم ہے۔ اِسی لئے اسلامی قانون کے ماہرین نے اِس معاملہ میں قرآنِ کریم کی ہدایات کو واضح کرتے ہوئے اِس واقعہ کو بطورِ مثال پیش کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریمؐ کے عہدِ سعادت عہد میں ایک اونچے گھرانے کی خاتون نے چوری کی تھی۔ یہ معاملہ جب دربارِ رسالت میں پیش ہوا اور اُس عورت کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی تو صحابۂ کرامؓ کے ایک گروہ نے اُسے معاف کر دینے کی سفارش کی تھی لیکن آنحضرت صلعم پر یہ سفارش گراں گذری اور حضورؐ نے مکدر ہو کر فرمایا تھا کہ "اگر میری بیٹی فاطمہ رض بھی اِس جرم کی مرتکب ہوئی ہوتی تو میں اُسے بھی یہی سزا دیتا"

اِس واقعہ سے علما اور اسلام کے قانونِ عدل کے ماہرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسلام کے قانونِ عدل میں کسی کے ساتھ بھی رعایت کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ اور چونکہ اِس قانون کی بنیاد قرآنِ کریم پر قائم ہے۔ اِس لئے اس میں قیامت تک کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہو سکتی۔

اسلام نے اپنے دستور میں عدل وانصاف کو کس قدر اہمیت دی ہے اُس کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ اُس نے اُن تمام رکاوٹوں کو دُور کرنے پر زور دیا ہے جو انصاف حاصل کرنے کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ اِن رکاوٹوں میں پہلی رکاوٹ تو وہ اخراجات ہیں جو آج انصاف حاصل کرنے کے لئے ضروری ہو گئے ہیں۔ اور دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ کوئی مظلوم یا مدعی آسانی کے ساتھ متعلقہ حکام تک حقائق بیان کرنے کیلئے نہیں پہنچ سکتا لیکن اسلامی عدالتوں میں انصاف حاصل کرنے کیلئے کسی قسم کے اخراجات نہیں ہوتے تھے اور ضرورت کے وقت مظلوم اور مدعی براہِ راست خلیفۂ وقت یا اُس کے نائب اور نمائندہ تک بھی پہنچ جاتے تھے۔

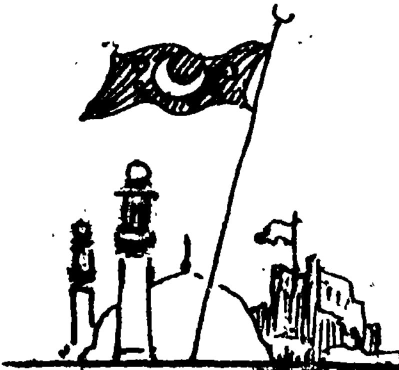
عدل وانصاف کے حصول کو آسان بنانے کیلئے حضرت عمر فاروق رض نے جنکے دورِ خلافت میں اسلامی حکومت کو غیر معمولی وسعت حاصل ہوگئی تھی اور مختلف قوموں کے ساتھ تعلق پیدا ہوگیا تھا اپنے گورنروں قاضیوں اور دوسرے حکام کیلئے ایسے قانون بنا دئے تھے جنکے ہوتے ہوئے ایک طرف تو یہ عہدہ دار عدل وانصاف سے انحراف نہیں کر سکتے تھے اور دوسری طرف عوام انصاف حاصل کرنے کے لئے کسی روک ٹوک کے بغیر اُن تک پہنچ سکتے تھے۔

اسلامی نظامِ عدل کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عدل وانصاف کی ذمہ داری صرف اُن ہی لوگوں کو سپرد کی جاتی تھی جن کی دیانتداری مسلمہ تھی۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت زید بن ثابت رض، حضرت عبادہ بن صامت رض اور حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے مقتدر صحابہ جو علم وفضل میں بھی یگانۂ روزگار تھے اور ایمان و دیانت میں بھی بے مثال تھے ابتدا میں اِن بزرگوں کو قاضی یا جج مقرر کیا گیا تھا۔

صحابۂ کرام کے علاوہ جو دوسرے قاضی مقرر کئے گئے وہ بھی علم وفضل اور دیانت میں مشہور تھے۔ قاضیوں کے تقرر میں اس بات کا پورا خیال رکھا جاتا تھا کہ اُن کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کی جاتی تھیں اور حسب نسب کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔ قاضیوں اور ججوں کے لئے تحفہ وتحائف لینا ممنوع تھا مختصر یہ کہ تاریخ کے تقریباً ہر دور میں اسلامی نظامِ عدل نہایت ہی حسین اور بے مثال رہا ہے۔

اسلام کا نظامِ عدل آج بھی برقرار ہے اور اُس کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ آج بھی اُن تمام ملکوں میں جہاں مسلمانوں کی شخصی اور جمہوری حکومتیں قائم ہیں۔ ہر مذہب اور عقیدے کے لوگ امن اور عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اسلام کے قانونِ عدل کے مطابق ہر شہری کو عمل اور اظہارِ خیال نیز اقتصادی وسائل سے فائدہ اٹھانے کی کامل آزادی حاصل ہے۔

تاریخ اسلام کا ایک ورق



فاتح یورپ سلطان آرخان

وہ مردِ مجاہد جس نے یورپ میں تہلکہ برپا کر دیا تھا

(از شوکت علی فہمی)

اسلام نے جو مایۂ ناز فاتح پیدا کئے ہیں اُن ہی میں سے سلطنت عثمانیہ ترکیہ کا شیر دل حکمران آرخان بھی تھا جس نے اپنی فتوحات سے پورے یورپ میں تہلکہ برپا کر دیا تھا۔ ذیل میں اس مردِ مجاہد کے مختصر حالات پیش کئے جا رہے ہیں۔

"میں اسلام کو دنیا کے ہر گوشہ میں پھیلا دوں گا اور اسلام کی خاطر اپنی جان عزیز تک قربان کرنے میں کبھی دریغ نہ کروں گا۔" یہ تھے وہ الفاظ جو سلطان آرخان نے ۷۲۶ھ میں اپنی تخت نشینی کے موقعہ پر کہے تھے۔ اور واقعی اُس نے ایسا ہی کر دکھایا۔ تخت نشینی سے قبل آرخان بڑی ہی عیش پسندی کی زندگی گذارتا تھا۔ لیکن تخت نشینی کے بعد اُس نے عیش و آرام کو بالائے طاق رکھنے کے بعد ایک سچے مجاہد کی زندگی اختیار کر لی۔ چنانچہ اُسے فوراً ہی جنگ کی آگ میں کودنا پڑ گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ سلطنت عثمانیہ ترکیہ جیسی نوزائیدہ سلطنت یوروپین ممالک کی نظروں میں بُری طرح کھٹک رہی تھی۔ پورا یورپ یہ چاہتا تھا کہ اس سلطنت کو جڑ بُنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ اسی لئے سلطان آرخان کے باپ عثمان خان غازی کے مرتے ہی پورے ایشیائے کوچک میں قیصر قسطنطنیہ نے شورشیں اور بغاوت پیدا کر دی یعنی عیسائی حکمرانوں کی شہ پر بعض ترک سردار آرخان کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ گویا مغربی عیاروں نے انتہائی ابن الوقتی سے کام لیا۔ خود مسلمانوں ہی کو مسلمانوں کے خلاف کھڑا کر دیا۔ تاکہ جب مسلمان آپس کی خانہ جنگی سے کمزور ہو جائیں تو پھر پورے ایشیائے کوچک پر قبضہ جما لیا جائے اور اس کے بعد سلطنت عثمانیہ کو پیس کر رکھ دیا جائے۔

سلطان آرخان کے لئے یہ بڑا ہی نازک وقت تھا۔ وہ ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کی تلوار خود اپنے بھائیوں کے خلاف اُٹھے۔ اور اُس کی تلوار سے مسلمانوں کا خون بہے لیکن اگر وہ ذرا بھی تامل سے کام لیتا تو پھر سلطنت عثمانیہ کی خیر نہیں تھی۔ آخر مجبور ہو کر وہ اُن ترک سرداروں کے مقابلے پر روانہ ہو گیا جو مشنریوں کا آلۂ کار بنے ہوئے تھے۔ سلطان آرخان کا میدان میں آنا تھا کہ ایشیائے کوچک کی تمام بغاوتیں ایک ایک کر کے صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھنے لگیں اور ترک سرداروں کی فوجیں ٹوٹ کر اس مردِ مجاہد سے آن ملیں مختصر یہ کہ آرخان نے کہیں تو تلوار سے کام لیکر اور کہیں تدبر کے ذریعہ ایک سال کے عرصہ میں نہ صرف پورے ایشیائے کوچک پر قبضہ جما لیا بلکہ اُس کی فوجیں دردانیال کے دروازے پر پہنچ کر عیسائیوں کو مقابلے کی دعوت دینے لگیں۔

قیصر قسطنطنیہ نے مسلمانوں کی جان و مال اور آبرو سے کھیلنے کی کوشش کی تھی۔ سلطان آرخان بھلا اس ابن الوقت کو کیونکر معاف کر سکتا تھا۔ لہٰذا قیصر کا پوتا جب اپنے دادا کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہوا تو سلطان آرخان نے پوتے کی مدد کے لئے نہ صرف بے اندازہ فوج روانہ کی بلکہ ۲۰ جہازوں کا ایک عظیم الشان بیڑا بھی اس شہزادہ کے حوالے کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیصر قسطنطنیہ کو محض ترکوں کی وجہ سے اپنے پوتے کے مقابلے میں شکست فاش ہوئی۔ اور اُسے تخت و تاج سے محروم ہونا پڑا۔ یعنی وہی قیصر جو سلطنت عثمانیہ کا تختہ اُلٹ دینا چاہتا تھا سلطان آرخان نے اُسی کے پوتے کے ذریعے اُس کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔

قسطنطنیہ کے اس انقلاب نے یوروپ کے متعصب حکمرانوں کو یہ باور کرا دیا کہ مسلمان اُن کے قابو کے نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں میں اتنی طاقت ہے کہ قسطنطنیہ کے تخت پر بھی جسے چاہیں بٹھا سکتے ہیں۔ اس انقلاب کے بعد جتنے بھی قیصر تھوڑے تھوڑے سے وقفے کے بعد قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھے وہ مسلمانوں کے نیاز مند بنے رہے کیونکہ اُن کا فائدہ اسی میں تھا۔ یہاں تک کہ ۷۵۵ھ میں جب قیصر کنٹاکوزین نے قسطنطنیہ کے تخت پر قدم رکھا تو اُس نے یہ ضروری سمجھا کہ سلطان آرخان سے

خصوصی تعلقات پیدا کئے جائیں۔

قیصر نے اس مقصد کے لئے سلطان ارخان کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ "میں آپ کو ایشیا کا سلطان اعظم سمجھتا ہوں اور اس بات کا متمنی ہوں کہ آپ سے خصوصی تعلقات پیدا کر دوں۔ اور اس غرض کے لئے میں اپنی نہایت خوب صورت اور حسین لڑکی تھیوڈرا کو آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس لڑکی کے ساتھ شادی کرنا منظور فرما کر مجھے عزت افزائی کا موقع دیں گے۔"

زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ قسطنطنیہ کے وہی قیصر جو مسلمانوں سے انتہائی نفرت کرتے تھے جو اسلامی سلطنتوں کو مٹانا اپنا دینی شعار خیال کرتے تھے۔ جو کسی مسلمان کے سائے کو بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اب مسلمانوں کی عظمت اور سطوت نے اُن کو اتنا جھکا دیا کہ وہ مسلمانوں کی خدمت میں اپنی بیٹیاں تک پیش کرنے لگے۔ مختصر یہ کہ سلطان ارخان نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور سلطان کے ساتھ قیصر کی بیٹی کی شادی بڑے تزک و احتشام کے ساتھ انجام پا گئی۔

سلطان ارخان کی طاقت و عظمت اتنی بڑھ چکی تھی کہ نہ صرف قیصر قسطنطنیہ بلکہ یورپ کی تمام یوروپین سلطنتیں سلطان کی نظر کرم کی محتاج رہتی تھیں چنانچہ ۷۵۶ ہجری میں جب سلطنت جنیوا اور سلطنت وینس میں جنگ چھڑی تو دونوں ہی سلطنتیں سلطان ارخان کی امداد کی متمنی تھیں۔ وینس والے چونکہ ناقابل اعتماد تھے اس لئے سلطان نے اُن کی پیش کش کو تو ٹھکرا دیا اور جنیوا کی امداد کے لیے سینہ سپر ہو گیا۔ لہٰذا ایک طرف تو ترکوں کا عظیم الشان بیڑا جنیوا کی پشت پناہی کرنے لگا۔ اور دوسری جانب ہزاروں جانباز ترک جنیوا کی جانب سے میدان میں آ گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے طفیل میں جنیوا کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔

سلطنت عثمانیہ ترکیہ اب ایک ایسی عظیم الشان سلطنت بن چکی تھی کہ اگر وہ چاہتی تو پورے یورپ پر اسلام کا جھنڈا لہرا سکتی تھی لیکن سلطان ارخان صلح جو تھا۔ تقریباً تمام یوروپین ممالک سے دوستانہ معاہدے ہو چکے تھے۔ اس لئے بہترین موقع حاصل ہونے کے باوجود بھی سلطان نے ان معاہدوں کا پورا پورا احترام کیا۔ اور اس مدبر حکمران نے یورپ کی جانب اپنی سلطنت کو وسعت دینے کی بجائے ایشیا میں اپنے آپ کو نہایت مستحکم اور مضبوط بنا لیا۔ اور اسی استحکام کا یہ نتیجہ تھا کہ آگے چل کر سلطان ارخان کے جانشینوں نے اس سلطنت کو نہ صرف قسطنطنیہ بلکہ یورپ کے دوسرے خطوں میں بھی پھیلا دیا۔

سلطان ارخان اپنے زمانے کا نہایت ہی دیندار مسلمان تھا اس نے بیشمار مسجدیں تعمیر کرائیں بے اندازہ مدارس جاری کئے اور رفاہ عام کے کاموں میں حصہ لے کر مخلوق خدا کی بہترین خدمات انجام دیں۔ آخر نوع انسانی کی خدمات انجام دیتے ہوئے یہ مرد مومن ۷۵۹ ہجری میں فوت ہو گیا اور تاریخ عالم پر ایسے نقوش چھوڑ گیا جو قیامت تک درخشاں رہیں گے۔

تعلیم القرآن

(باقی مضمون ۱۸ کا)

پھر اس کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا۔ اگر ایک بات نہ ہوتی جو تمہارے رب کی جانب سے پہلے ہی جا چکی ہے تو ان کا فیصلہ (دُنیا میں) ہو بھی چکا ہوتا۔ یہ لوگ اُس کی طرف سے (یعنی قرآن کی طرف سے) ایسے شک میں ہیں جس نے انہیں تردد میں مبتلا کر رکھا ہے اور بالیقین یہ سب ایسے ہی ہیں۔ اور تمہارا رب ان سب کے ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے گا۔ اور وہ (ان سب) کاموں سے باخبر ہے۔ اور وہ لوگ جو کفر سے توبہ کر کے تمہارے ساتھ ہیں جیسا کہ حکم دیا گیا ہے۔ راہِ راست اختیار کریں اور سرکشی نہ اختیار کریں۔ یقیناً وہ تمہارے اعمال پر نظر رکھتا ہے۔ اور تم ظالموں کی طرف نہ جھکنا تاکہ تمہیں دوزخ کی آگ گرفت میں نہ لے سکے۔ اور سوائے اللہ کے تمہارا کوئی دوست نہیں ہے اور نہ تم کسی سے مدد ہی حاصل کر سکو گے۔

تشریح: اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب توراۃ عطا کی تھی لیکن موسیٰ کی اُمت میں اِس بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اے رسُول اگر تمہارا پروردگار روزِ قیامت کو فیصلہ کن دن نہ مقرر کر چکا ہوتا تو ان اختلافات کے بارے میں قطعی فیصلہ دُنیا ہی میں ہو چکا ہوتا۔

موسیٰ کی امت کی طرح کفارِ مکہ بھی قرآن کے بارے میں بڑی طرح سے شک و شبہات میں مبتلا ہیں تقریباً سب ہی اس تردد میں مبتلا ہیں چنانچہ تمہارا رب روزِ قیامت اُن کی اس گمراہی کی پوری پوری سزا دے گا اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جیسے جیسے عمل یہ کر رہے ہیں اُن سے تمہارا پروردگار خوبی واقف ہے۔

اے رسول تمہیں چاہیئے کہ جیسا کہ تمہارے رب کی جانب سے حکم دیا گیا ہے۔ تم اور وہ لوگ جو کفر کے بعد ایمان لائے ہیں اس پر مستحکم رہو راہِ راست پر چلو اور ہر قسم کی سرکشی سے اجتناب کرو۔ بلاشبہ وہ تمہارے جملہ افعال پر گہری نظر رکھتا ہے۔ اور تم لوگ کبھی مشرکوں اور ظالموں کی جانب نہ جھکنا نہیں تو اے مسلمانو تمہیں بھی دوزخ کی آگ اپنی گرفت میں لے لے گی۔ اور یاد رکھو کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے اس کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے جس سے تم کسی قسم کی مدد حاصل کر سکو۔

تاریخ ہند



شاہانِ ہند کا اندازِ حکومت

مسلم دور کا ہندوستان تعصب سے بالکل پاک تھا

(از: جناب پنڈت سُندر لال)

گاندھی جی کے پُرانے ساتھی " پنڈت سُندر لال"۔ کا ذیل کا محققانہ مضمون اس ملک کے اُن متعصبوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے جو زمانۂ دراز سے شاہان ہند کو غیر مُسلموں کا دشمن نمبر اوّل ظاہر کرتے ہوئے ملک کی فضا کو خراب کر رہے ہیں۔ پنڈت سُندر لال نے ذیل کے فاضلانہ مضمون میں بتایا ہے کہ شاہانِ ہند نے اپنے دورِ اقتدار میں غیر مسلموں کے ساتھ کیسا مساویانہ اور ہمدردانہ سلوک کیا ہے۔ ہم کو امید ہے کہ یہ مضمون بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

اسلام چونکہ رواداری کا بہت بڑا حامی ہے اس لئے اُس نے جلوہ گر ہوکر پہلی مرتبہ اس بات کا اعلان کیا تھا کہ " مذہب ہر انسان کا ذاتی اور نجی معاملہ ہے۔ مذہب کے معاملہ میں کسی انسان کو دوسرے انسانوں پر کسی قسم کا بھی جبر نہیں کرنا چاہیئے۔ اور مذہبی اختلاف کی بنا پر لوگوں کو ایک دوسرے سے ذرہ برابر بھی نفرت نہیں کرنی چاہیئے"۔ اس لئے مسلمان جس ملک میں بھی فاتح کی حیثیت سے گئے اُنھوں نے اسلام کی اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے دیگر مذاہب والوں کے ساتھ بڑی رواداری کا سلوک کیا ہے

مسلمانوں کا پُورا نظام حیات اور اس کا ہر گوشہ چونکہ اسلام کے مذہبی احکامات پر مبنی ہے اور اسلامی تعلیمات سے بے حد متاثر ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی زندگی کے کسی پہلو کو بھی اسلام سے جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اسلام نے مذہبی رواداری کے معاملہ میں جو بنیادی اعلان کیا تھا۔ ہر ملک اور ہر زمانہ کے مسلمان سختی سے اس کی پابندی کرتے رہے ہیں اور ہندوستان میں بھی یہی اعلان یہاں کے مسلمانوں کے لئے ہمیشہ راہِ عمل بنا رہا ہے۔

ظہورِ اسلام کے بعد مسلمانوں کا پہلا سابقہ عیسائیوں، یہودیوں اور ایران کے آتش پرستوں کے ساتھ پڑا تھا اور اسلام کی تعلیمات چونکہ ان تینوں مذہبوں سے بالکل مختلف تھیں۔ اس لئے ان مذاہب کے ماننے والے غیر مسلم مسلمانوں کو نہ صرف اپنا سیاسی حریف سمجھتے تھے بلکہ اُنھیں اپنے مذاہب کا دشمن بھی خیال کرتے تھے۔ لیکن جب مسلمانوں کو قیصر اور کسریٰ کی عظیم سلطنتوں پر غلبہ حاصل ہوا اور عیسائیوں اور یہودیوں کی اور آتش پرستوں کی ایک بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی رعایا بن گئی تو یہی غیر مسلم رعایا مسلمانوں کے حسن سلوک مذہبی رواداری، اور مساوات نیز اُن کے عدل و انصاف سے بے حد متاثر ہوئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اگر کسی علاقہ کی حکومت سے مسلمان دست بردار ہو جاتے تھے تو وہاں کے عیسائی یہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ خدا مسلمانوں کو اس علاقہ میں جلد واپس لائے۔ اس کے علاوہ ایران کے آتش پرست مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ حضرت علی رضؓ کے طرز عمل کو دیکھ کر یہ بات کہنے لگے تھے کہ " اس نوجوان عرب نے تو نوشیرواں عادل کے عہد کو تازہ کر دیا ہے "۔

ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق ہندوستان میں قائم ہوا تھا اور اُن عرب تاجروں کو چھوڑ کر جو ظہور اسلام سے پہلے بھی ہندوستان کے ساحلی شہروں میں آتے رہتے تھے۔ مسلمان پہلی مرتبہ سندھ میں محمد بن قاسم کے ساتھ ایک فاتح کی حیثیت سے آئے تھے۔ [illegible] سندھ کو فتح کر لینے کے بعد اُنھوں نے وہاں کے ہندوؤں کے ساتھ جس فراخ دلی اور مذہبی رواداری کا سلوک روا رکھا تھا اُسے آج کے تہذیب یافتہ زمانہ میں بھی تعجب کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اگر اُس دور کے سندھ کے متعلق یہ بات بھی

جائے کہ وہاں خلافتِ اسلامیہ کے حدود میں خود ہندوؤں کی حکومت قائم تھی تو تاریخی واقعات کی شہادتوں سے اس بات کا ثابت کرنا ناممکن نہ ہوگا۔ کیونکہ واقعی محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کرنے کے بعد ہندو حاکموں کے حوالے کر دیا تھا۔

غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور بے تعصبی برتنا کچھ عرب کے مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص نہیں تھا بلکہ اس معاملہ میں عربی اور عجمی مسلمان ایک ہی عقیدہ کے پابند اور ایک ہی مسلک پر گامزن نظر آتے ہیں مثلاً ہندوستان میں محمد بن قاسم کے علاوہ اگرچہ کوئی دوسرا عرب حکمران نہیں رہا بلکہ اس ملک پر عام طور پر اُن مسلم خاندانوں کی حکومتیں رہی ہیں جو عرب نہیں تھے اور جنہوں نے وسط ایشیا سے آکر ہندوستان میں حکومت اور سلطنت کی داغ بیل ڈالی تھی۔ لیکن تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے مذہبوں کے متعلق ہندوستان کے تمام ہی مسلمان بادشاہوں اور سلاطین کی حکمت عملی مذہبی رواداری پر مبنی رہی ہے مسلمانوں کے دورِ حکومت کا عمومی جائزہ لیتے ہوئے مشہور انگریزی مورخ الفنسٹن نے اپنی کتاب "ہسٹری آف انڈیا" میں لکھا ہے کہ :-

"بعض مسلم حکمرانوں کے زمانہ میں ہندوؤں کو جزیہ تو دینا پڑتا تھا لیکن مسلمان اُن کے مذہب اور مذہبی فرائض کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتے تھے۔ مذہبی اختلاف کی بناء پر انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں دی جاتی تھی ہندو نوجوں کے بڑے بڑے افسر اور دیوانی نیز مالی محکموں کے ذمہ دار عہدوں پر مقرر کئے جاتے تھے۔"

اور اسی مورخ نے علاؤ الدین خلجی کے دورِ حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"ہندوستان کا یہ شہنشاہ حکمران اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ حکومت اور مذہب کا ایک دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور اگر مذہب حکومت کے معاملات کو اپنے سے علاحدہ رکھنے کی تعلیم دیتا ہے تو اس کی اِس ہدایت پر ضرور عمل کرنا چاہیئے۔"

شیر شاہ سوری کو ہندوستان کے مسلم حکمرانوں میں ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ شیر شاہ ایک بہادر سپاہی اور ایک دانشمند سپہ سالار ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑا عالم بھی تھا لیکن مورخ الفنسٹن اس کے بارے میں لکھتا ہے۔

"شیر شاہ کی فوج میں ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے۔ اُس کی فوج کا ممتاز ترین سپہ سالار ایک ہندو ہی تھا۔ اُس نے ہمایوں کے تعاقب کے لئے اُسی کو مامور کیا تھا۔"

دکن میں عادل شاہ بہمنی کی حکومت عملاً ہندوؤں کے ہاتھوں میں رہی ہے اور یہ ایک برہمن کے نام پر ہی قائم کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ اورنگ زیب کے طویل عہد حکومت میں بھی ہمیں اس کے فوجی اور انتظامی شعبوں کی فہرست میں بھی ہندو عہدہ داروں کے نام نظر آتے ہیں۔

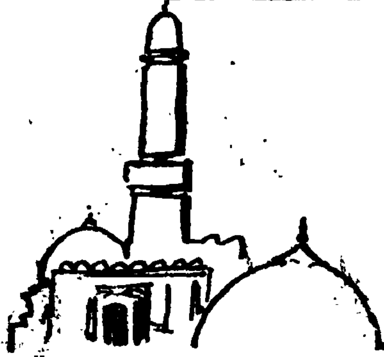
اورنگ زیب پر حالانکہ خصوصیت کے ساتھ متعصب اور تنگ نظر نیز ہندوؤں کا جانی دشمن ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ اسی مسلمان حکمران کے دور میں نہ صرف ہندوؤں کو حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا جاتا تھا بلکہ ہندوؤں کی عبادت گاہوں اور فلاح عامہ کے اداروں کو گراں قدر وظائف اور بڑی بڑی جاگیریں بھی دی جاتی تھیں اور اس سلسلہ میں اورنگ زیب کے شاہی فرامین اور احکامات آج بھی موجود ہیں

خواہ محمد بن قاسم کی اس ملک میں حکومت رہی ہو یا خلجیوں۔ تغلقوں۔ لودھیوں اور مغلوں کا دورِ حکومت ہو تقریباً ہر زمانہ میں مسلمانوں کی اسٹیٹ پالیسی مذہبی رواداری پر مبنی رہی ہے اور یہ رواداری صرف ہندوستان تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ مسلمان دنیا کے جس خطہ میں بھی فاتح کی حیثیت سے گئے ہیں وہاں کے باشندوں کے ساتھ ہمیشہ ہی رواداری کا سلوک انہوں نے کیا ہے۔

مختصر یہ کہ اسلام اور اس کی تعلیمات کی بدولت مسلمانوں میں مذہبی تعصب اور تنگ نظری کا کوئی معمولی سا شائبہ بھی کبھی نہیں پایا گیا۔ اور انہوں نے کسی زمانے میں بھی مذہبی رواداری کی راہ سے انحراف نہیں کیا۔ مذہبی رواداری اگرچہ مسلمانوں کے قومی کردار کی ایک امتیازی خصوصیت رہی ہے لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اُن ہی پر مذہبی تنگ نظری کے الزامات ضرورت سے زیادہ عاید کیے جاتے ہیں۔

دین دُنیا کے پرچے محفوظ رکھئے

دین دُنیا تفریحی پرچہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک دینی اور تاریخی جریدہ ہے جس کے مضامین بڑی جستجو اور تلاش کے بعد لکھے جاتے ہیں اس لئے اس کے کسی شمارہ کو ضائع نہ کیجئے کیونکہ اس کا ایک شمارہ ضائع ہونے کے بعد کسی قیمت پر بھی نہیں مل سکتا۔



تہذیب و تمدن

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے

اِس نے قدم قدم پر انسان کی رہنمائی کی ہے

(از جناب عمر بن ابن حسینی)

عمر بن ابن حسینی انڈونیشیا کے ایک نامور اہلِ قلم اور متعدد تاریخی کتب کے مصنف ہیں۔ انہوں نے ذیل کے مضمون میں یہ بتایا ہے کہ اسلام نے کس طرح معاشرہ میں قدم قدم پر نوعِ انسانی کی رہنمائی کی ہے

دنیا کے جملہ مذاہب میں اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اُس کی تعلیم صرف روحانیت تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ وہ مادی ضرورتوں کے اعتبار سے بھی انسانی معاشرہ میں قدم قدم پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسانی معاشرہ میں انفرادی زندگی بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ افراد ہی کے کردار سے قوموں کا کردار بنتا ہے اس لیے اُس نے انفرادی زندگی کی اصلاح اور تربیت پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے پر اپنی توجہ بہت زیادہ مرکوز کی ہے اور باہمی تعلقات کو خوشگوار بنائے بغیر چونکہ نہ تو رواداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور نہ آپس میں محبت اور یگانگت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام نے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے پر بہت زیادہ زور دیا ہے

انسان کو پیدائش کے وقت سے لیکر موت کے وقت تک تعلقات اور ذمہ داریوں کی مختلف منزلوں سے گذرنا پڑتا ہے اور اُسے اس پوری مدت میں جہاں اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے متعلق بہت سی ذمہ داریاں پیش آتی ہیں۔ وہاں اُسے اِس دائرے سے باہر اجتماعی زندگی کے مسائل سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے اپنی ہدایات کے سلسلہ میں انسان کی پوری زندگی کو پیشِ نظر رکھا ہے۔

انسان کا پہلا واسطہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ پڑتا ہے سنِ شعور تک پہنچنے سے پہلے بچوں پر کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی لیکن جب بچے عمر کی اُس منزل پر پہونچ جاتے ہیں جب وہ نیک و بد میں تمیز کر سکیں تو اسلام انھیں والدین اور بہن بھائیوں سے متعلق اُن کے فرائض اور ذمہ داریوں پر توجہ دلانا شروع کر دیتا ہے۔

مثلاً اسلام نے سنِ شعور کو پہنچ جانے والی اولاد کے لئے جو ذمہ داریاں متعین کی ہیں اُن میں والدین کے ادب و احترام کو مقدم رکھا ہے۔ حسبِ توفیق مالی اعانت پر بھی زور دیا ہے۔ اور اولاد کو ہدایت کی ہے کہ اگر والدین ان پر سختی بھی کریں تب بھی اولاد کو اُن کی فرماں برداری کرنی چاہیئے۔ حتیٰ کہ اگر والدین مشرک بھی ہوں تو ایسی تمام باتوں میں جن سے خدائے تعالیٰ کی نافرمانی لازم نہ آتی ہو اولاد کو اُن کے احکام کی تعمیل کا حکم دیا گیا ہے۔

والدین کے بعد انسان کو جن لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے وہ اُس کے بہن بھائی اور رشتہ دار ہیں اور اگرچہ رشتہ داری کا دائرہ دور اور نزدیک سب ہی درجے کے رشتہ داروں پر حاوی ہے لیکن اسلام نے نہایت ہی جامع انداز میں رشتہ داروں کے بارے میں یہ حکم دیا ہے کہ اُن کے حقوق کو مدِ نظر رکھا جائے۔ اور باہمی تعلقات کو منقطع کرنے سے ہمیشہ گریز کیا جائے اور حسنِ سلوک کے عمل کو قریب ترین رشتہ داروں سے شروع کیا جائے۔

انسان جب بچپن کی زندگی سے گذر کر جوانی کی منزل میں قدم رکھتا ہے تو اُسے بیوی بچوں سے واسطہ پڑتا ہے اور اُس پر خصوصیت کے ساتھ بیوی بچوں کی ذمہ داریاں بھی عاید ہو جاتی ہیں۔ اِسی طرح عورتوں پر اپنے شوہروں اور اولاد کی بھی ذمہ داریاں ہیں۔ اسی لئے اسلام نے شوہروں اور بیویوں کی ذمہ داریوں اور فرائض کو بھی بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اسلام نے بتایا ہے کہ اولاد انسان کی آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ اسلام نے اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری والدین پر عاید کی ہے اُن کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا ہے اور ایک شوہر کی حیثیت سے ایک انسان پر بیوی سے متعلق جو فرائض عاید ہوتے ہیں انھیں ادا کرنے کی سختی کے ساتھ تاکید کی گئی ہے حتیٰ کہ اُن لوگوں کے متعلق جو عبادت اور ریاضت میں مصروف رہنے کی وجہ سے اپنے شوہرانہ فرائض کو انجام دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے کئی موقعوں پر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ "ایسے لوگ ہم میں سے نہیں ہیں۔" اور اسی طرح بیوی پر شوہر کی خدمت کا اسلام نے جو ذمہ داریاں عاید کی ہیں اُس کی بھی حد مد متعین کر دی گئی ہیں۔

قرابت اور رشتہ داریوں کی ان مختلف نوعیتوں سے گذرنے کے بعد انسان کا سب سے پہلا واسطہ اُس کے ہمسایوں کے ساتھ پڑتا ہے۔ اسلام نے ہمسائیگی کے تعلقات کو جو خصوصیت اور اہمیت دی ہے اُس کا اندازہ آنحضرت صلعم کے اس ارشاد سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ "مجھے ہمسائے کے متعلق حسن سلوک کے بارے میں اتنی مسلسل تاکید کی جاتی رہی ہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید ہمسایہ کو وارث قرار دیدیا جائے گا۔"

اسلام نے ہمسائیگی کے تعلقات کو جو غیر معمولی اہمیت دی ہے اُس کا تعلق صرف مسلمان ہمسایوں ہی کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اُس کے دائرے میں غیر مسلم ہمسائے بھی برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ اِس بات کی مسلمانوں کو سختی کے ساتھ تاکید کی گئی ہے کہ ہمسائے خواہ کسی مذہب سے بھی کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں اُن کے حقوق کو برابر سمجھا جائے۔ پھر اس بات کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ ہمسائیگی کا مفہوم کتنی دُور تک عاید ہوتا ہے اور یہ بات بتا دی گئی ہے کہ اپنے مکان کو مرکز قرار دیکر اُس کے چاروں طرف پھیلے ہوئے چالیس چالیس گھروں میں رہنے والوں کو ہمسایہ سمجھنا چاہیئے۔

مہمانوں کی آمد و رفت بھی انسان کی تمدنی زندگی میں بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے اسلام نے مہمان نوازی کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص بھی اللہ تعالےٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے ہمسایہ پر احسان کرے اور اپنے مہمان کی عزت کرے۔"

مذکورہ بالا تمام تر تعلقات سے گذرنے کے بعد ہر انسان پر جو اجتماعی ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں اگرچہ اُن کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے لیکن چونکہ اِن سطور میں بعض خصوصی تعلقات سے متعلق ذمہ داریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے اس زاویۂ نظر سے اجتماعی تعلقات کے بعض گوشوں کے بارے میں بھی اسلام کے احکامات کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر ہر سماج کو بیواؤں اور یتیموں کے سوال سے دوچار ہونا پڑتا ہے اِس لیے اسلام نے سماج کے اِن دونوں گروہوں کی خدمت کرنے کو جہاد جیسے ثواب کا حامل قرار دیا ہے۔ پھر اسلام نے خدام اور غلاموں کے ساتھ تعلقات کے سوال کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ انھیں مساوات دینے، اُن پر بھروسہ کرنے اور اُن کی کوتاہیوں کو نظر انداز کر دینے اور اُن کے ساتھ حسن سلوک روا رکھنے کی سختی کے ساتھ تاکید کی ہے۔

اِس کے علاوہ غریبوں، مسافروں اور معذوروں کے حقوق بھی مسلمانوں پر عاید کیے گئے ہیں۔ غریبوں کو دولت مندوں کی دولت کا حصہ قرار دیدیا گیا ہے اور مفلسوں نیز معذوروں کی امداد کو بہت بڑی سعادت قرار دیا ہے۔

مختصر یہ کہ اسلام نے انسانی معاشرے کے کسی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے اور اِس سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ مذہب کس قدر مکمل اور انسانی معاشرہ پر حاوی ہے۔

اولیاء اللہ کی گذشتہ سات سو سالہ تبلیغی جدوجہد کی مکمل تاریخ

ہند اور پاکستان کے اولیاء

(از مفتی شوکت علی فہمی)

اولیائے کرام نے سرزمین ہند میں اسلام کیونکر پھیلایا کروڑوں ہندوستانی کس طرح حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان بزرگوں نے تبلیغ اسلام کی خاطر بڑے بڑے حکمرانوں سے کیونکر ٹکر لی اور سخت سے سخت خطرات کا مقابلہ کرنے کے بعد اسلام کی روشنی ہندوستان کے کونے کونے میں کس طرح پھیلائی۔ اس کے علاوہ ان مقدس ہستیوں نے بلا لحاظ مذہب و ملت ہندوستان کی جملہ اقوام کو کس فراخ حوصلگی سے فیض پہنچایا اس کی ولولہ انگیز تفصیل اس مقدس کتاب میں درج ہے۔

یہ اولیائے کرام کی کرامتوں ملفوظات اور حیرت انگیز واقعات کا نادر مجموعہ ہے

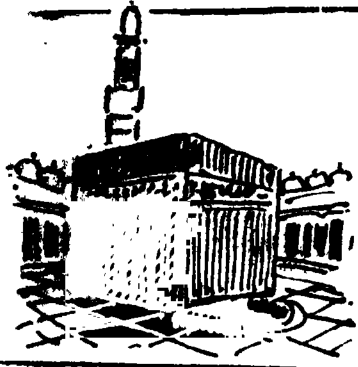
اس میں اولیائے کرام کی کرامتیں اور ایسے حیرت انگیز واقعات درج ہیں کہ ان کے مطالعہ کے بعد عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے اس پاکیزہ تالیف میں خواجہ عثمان ہارونی رح خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رح۔ حضرت داتا گنج بخش لاہوری رح۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رح۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رح حضرت مخدوم صابر کلیری رح حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رح حضرت شیخ نصیر الدین روشن چراغ دہلوی رح۔ حضرت شیخ شرف الدین قلندر پانی پتی رح۔ حضرت امیر خسرو دہلوی رح۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح۔ حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی رح۔ حضرت شاہ نیاز محمد پھلواری رح۔ حضرت شمس محمد کالپوری رح۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رح۔ حضرت سید وارث علی شاہ رح اور دوسرے متعدد اولیائے کرام کے حالات بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ایسا دلکش تذکرہ اُردو زبان میں اس وقت نایاب تھا۔ مجلد مع خوشنما ڈسٹ کور قیمت سات روپے پچاس پیسے۔

اسلام کے بُنیادی عقائد نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سے بھی مسلمان واقف نہیں

مُسلمان بے دین ہوتے چلے جارہے ہیں

آجکل کے مسلمان نام کے مسلمان بنکر رہ گئے ہیں انکو یہ بھی معلوم نہیں کہ اسلام کیا ہے۔ اسلام اور ایمان میں کیا فرق ہے۔ کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت میں کیا فرق ہے۔ ایمانِ مجمل اور ایمان مفصل کیا ہے ایمان اور اسلام میں کن کن باتوں میں فرق ہے۔ زبان سے کون سے کلمے نکالنے سے مسلمان کافر ہوجاتا ہے۔ فرض کیا ہے سُنّتِ موکدہ کسے کہتے ہیں۔ نفل کیا ہے واجب کیا ہے مباح کسے کہتے ہیں حرام کیا ہے۔ مکروہ تحریمی کیا ہوتی ہے اسلام کے بنیادی عقائد کیا ہیں اسلامی فرائض میں سے نماز کو کیا اہمیت حاصل ہے۔ نماز پڑھنے کا صحیح اور مکمل طریقہ کیا ہے۔ روزہ اور زکوٰۃ کے مسائل کیا ہیں۔ حج کس طرح ادا کیا جاتا ہے نکاح۔ طلاق۔ عقیقہ۔ تجہیز و تکفین کے مسائل کیا ہیں۔ ان سب باتوں کا مفصل جواب کتاب "اسلامی ارکان" میں موجود ہے۔ یہ نہایت مستند اور ضخیم فقہ کی کتابوں کی روشنی میں ہے۔

اسلامی ارکان آج کل کے تعلیم یافتہ مگر اسلام سے نابلد مسلمانوں کے لئے خاص طور پر یہ کتاب لکھی گئی ہے تاکہ کم سے کم وقت میں انھیں اسلامی ارکان سے پوری واقفیت ہوجائے اس کتاب کے مطالعہ کے بعد نہ صرف اسلامی عقائد پر عبور حاصل ہوجاتا ہے، بلکہ پانچوں وقت کی نماز پڑھنے کا طریقہ اور نماز میں کیا پڑھا جاتا ہے سب کچھ معلوم ہوجاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ نماز میں کتنے کتنے فرائض سنن اور نفل ہیں نماز کی پوری ترکیب کے علاوہ روزے۔ زکوٰۃ اور حج کے جملہ مسائل سے واقفیت ہوجاتی ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے مطالعہ کے بعد ہی ایک مسلمان سچا مسلمان بن سکتا ہے اور کفر و شرک سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے "دین دنیا پبلشنگ کمپنی" نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہ کتاب بڑے اہتمام سے شائع کی ہے کوئی اسلامی گھر، اسلامی لائبریری اس سے خالی نہیں رہنی چاہیئے۔ مخیر حضرات اس کی جلدیں خرید کر مسجدوں میں رکھیں اور ثواب دارین حاصل کریں۔ ضخامت تقریباً دو سو صفحات۔ ٹائیٹل رنگین اور نہایت خوشنما۔ قیمت فی جلد تین روپے ۵۰ پیسے



خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کا منصوبہ

قیصرِ روم ہرقل کے داماد ٹامس کے ناپاک ارادے

(از: شوکت علی فہمی)

اسلام کے تحفظ کے لئے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو کیسی کیسی سخت مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا ہے اُس کا اندازہ ذیل کے تاریخی واقعہ سے ہوسکتا ہے جب کہ قیصرِ رُوم ہرقل کے داماد نے طلوعِ اسلام کے ابتدائی دور میں خانۂ کعبہ کو منہدم کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ اُس وقت مسلمانوں نے کیسی جانبازی کے ساتھ اِس دشمنِ اسلام کا مقابلہ کیا؟ ۔ ذیل کے مقالہ میں اسی تاریخی واقعہ پر روشنی ڈالی گئی ہے

حضرت ابوبکر صدیق رضہ اور حضرت عمر فاروق رضہ کے عہدِ خلافت میں جب رُومی عیسائیوں کو شام کی سرزمین پر مسلمانوں کے مقابلے میں پے در پے شکستوں کا منہ دیکھنا پڑا تو قیصرِ رُوم ہرقل کا داماد ٹامس عیسائیوں کی شکستوں پر مشتعل ہوگیا۔ اُس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نہیں مٹادیگا اور اپنے ہاتھوں سے نعوذ باللہ خانہ کعبہ کو مسمار نہیں کردے گا اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا اور ٹامس کا یہ زعم بیجا بھی نہیں تھا اسلئے کہ اس وقت رومن ایمپائر دُنیا کی سب سے بڑی سلطنت شمار کی جاتی تھی لہٰذا ٹامس کو یہ یقین تھا کہ وہ آسانی سے اپنے ناپاک ارادہ کو عملی جامہ پہنا سکے گا۔

یہ وُہ زمانہ تھا جبکہ مسلمان بڑی تیزی کے ساتھ شام کی سرزمین پر فتوحات حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور دمشق کی فتح کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ قیصرِ رُوم کے داماد ٹامس کو جب معلوم ہوا کہ مسلمان دمشق کی جانب بڑھ رہے ہیں تو اُس نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے دمشق میں ایک لشکرِ جرّار جمع کر لیا اور یہ طے پایا کہ پہلے تو شام کی سرزمین کو مسلمانوں کے تسلط سے پاک کیا جائے اور اس کے بعد رومن فوجیں ملک عرب پر حملہ کرکے پورے ملک کو اجاڑ کر رکھ دیں۔

اُدھر مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ شام میں انھیں پے در پے جو فتوحات حاصل ہورہی تھیں۔ اُنہوں نے مسلمانوں کا حوصلہ بے حد بڑھا دیا تھا۔ چنانچہ رومی لشکر کی شدید مزاحمت کے باوجود سپہ سالارِ اسلام حضرت خالد بن ولیدؓ نے پورے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ عیسائیوں نے دمشق کی فصیل پر چونکہ لاتعداد پتھر برسانے والی توپیں لگادی تھیں۔ اِس لئے مسلمانوں کو اس معرکہ میں بے انداز جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ دمشق کے مورچہ پر رومی فوجوں کی رہنمائی خود قیصرِ روم کا داماد ٹامس کر رہا تھا اور اُسے اِس بات کا کامل یقین تھا کہ وہ دمشق کے مورچہ پر مسلمانوں کو شکستِ فاش دینے کے بعد اُن کی طاقت کو توڑنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ اور پھر اس کے بعد وہ آسانی کے ساتھ نہ صرف پورے شام کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لے گا بلکہ جلد ہی ملکِ عرب پر بھی چڑھائی حملہ کرکے وہاں رُومیوں کا پرچم لہرادے گا۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ٹامس بار بار دمشق کے قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کے مقابلہ میں بڑی بہادری سے لڑا۔ لیکن محاصرہ کی مدت چونکہ طُول پکڑتی جارہی تھی اور مسلمان بڑی بے جگری سے مقابلہ کررہے تھے اسلئے دمشق کے عیسائیوں کے حوصلے پست ہونے شروع ہوگئے اور انہوں نے ستر دن کے شدید محاصرہ کے بعد اس بات کی پوری کوشش کی کہ حضرت خالد بن ولید کسی طرح صلح کے لئے آمادہ ہو جائیں لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ کو چونکہ ٹامس کے ناپاک ارادوں کا علم ہوچکا تھا اس لئے وُہ کسی قیمت پر بھی صلح کے لئے تیار نہیں ہوئے اور اُنہوں نے صاف الفاظ میں اعلان کردیا

کہ ہم تلوار کے ذریعہ دمشق کو فتح کریں گے اور ٹامس نے مسلمانوں کو جو شدید نقصان پہنچایا ہے اس کا پورا پورا انتقام لیا جائے گا۔

دمشق بہت بڑا شہر تھا یہ میلوں کے اندر پھیلا ہوا تھا اس کے ایک سرے پر تو حضرت خالد بن ولیدؓ مصروف جنگ تھے اور دوسرے سرے پر حضرت ابوعبیدہؓ عیسائیوں سے صرف آدھا میل دور تھے۔ اگر عیسائی جب صلح کے معاملہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی طرف سے مایوس ہو گئے تو وہ صلح کے لئے حضرت ابوعبیدہؓ کی جانب رجوع ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ حضرت خالد بن ولید کے مقابلہ میں نرم مزاج تھے اس لئے وہ صلح کی گفتگو کے لئے آمادہ ہو گئے۔ دوسرے انہوں نے یہ بھی سوچا کہ دمشق کا محاصرہ ختم ہوتے ہی نہیں آتا چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ سے مشورہ کئے بغیر ہی وہ صلح کے لئے راضی ہو گئے اور رومیوں کو جان و مال کے تحفظ کا یقین دلا کر ان کے ساتھ صلح کر لی۔ اور اس صلح کے معاہدہ کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ ایک سو سپاہیوں کو ساتھ لے کر دمشق کے شہر پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے شہر کے اندر داخل ہو گئے۔

عجیب اتفاق ہے کہ دمشق کے ایک دروازہ سے تو ابوعبیدہ صلح کی شرائط لے کر شہر میں داخل ہو گئے اور دوسرے دروازے سے حضرت خالد بن ولیدؓ رومیوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے شیر ببر کی طرح اسلامی لشکر کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے اور عیسائیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے مریم کے گرجا تک جا پہنچے۔ یہاں پہنچ کر جب انہوں نے حضرت ابوعبیدہ کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہوئے ہیں اور تلوار میان میں ہے اور عیسائی انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں تو خالد بن ولید حیران رہ گئے۔

حضرت ابوعبیدہ نے خالد بن ولید کو شمشیر بکف اور غضبناک حالت میں دیکھا تو آپ نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ "خالد خون ریزی بند کر دو خدا نے یہ شہر ہمیں صلح کے ذریعہ عطا کیا ہے۔" خالد بن ولید نے غصہ سے کہا "ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہم نے اسے تلوار کے زور سے فتح کیا ہے اور ہم کسی کو بھی پناہ نہیں دے سکتے۔"

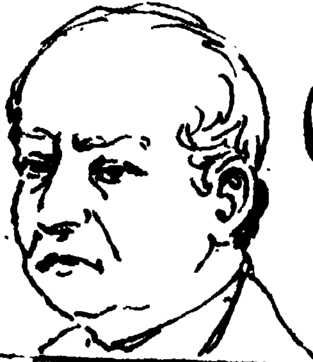
ابوعبیدہ بولے "میں نے تو اس شہر کے باشندوں کو امان دیدی ہے اور ایک عہد نامہ بھی اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیدیا ہے۔" خالد نے نہایت سخت لہجہ میں جواب دیا کہ "سپہ سالار کے ہوتے ہوئے آپ کو کیا حق حاصل تھا کہ ہماری مرضی کے بغیر اس قسم کا عہد نامہ بالا ہی بالا لکھ کر دیدیں۔ ہم اس عہد نامہ کو نہیں مانتے ہم اس ٹامس سے ضرور انتقام لیں گے جو خانہ کعبہ کے انہدام کا ناپاک ارادہ رکھتا ہے اور اس کی ذات سے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا ہے۔"

حضرت ابوعبیدہ اپنے کئے پر نادم تھے واقعی انہوں نے سپہ سالار افواج کے علم میں لائے بغیر اس قسم کا عہد نامہ کر کے بہت بڑی غلطی کی تھی چنانچہ انہوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے حضرت خالد بن ولید سے کہا "میں نے جو کچھ کیا ہے وہ مسلمانوں کی بھلائی اور نیک جذبہ کے تحت کیا ہے تم سے مشورہ کئے بغیر ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن اب یہ بات قابل غور ہے کہ اگر اس عہد نامہ پر عمل نہیں کیا گیا تو غیر مسلموں کو یہ تو پتہ چلے گا نہیں کہ غلطی کس کی ہے مگر یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ مسلمان اپنے عہد کی پابندی نہیں کرتے اور اس طرح ساری قوم بدنام ہو جائے گی۔ اسلام کے وقار کی خاطر اور ایک مسلمان کے وعدے کی لاج رکھنے کے لئے میری اس غلطی سے درگزر کیجئے۔"

اسلام کا نام آتے ہی حضرت خالد بن ولید نرم پڑ گئے اور انہوں نے بحالت مجبوری اس عہد نامہ کو منظور کر لیا۔ شہر کے باشندوں کو امان دیدی گئی اور اعلان کر دیا گیا کہ جو عیسائی ترک وطن کرنا چاہیں وہ تین دن کے اندر اندر دمشق سے چلے جائیں۔ وہ اپنے ساتھ اپنا مال اسباب بھی لے جا سکتے ہیں۔ اس اعلان کے بعد قیصر روم ہرقل کی بیٹی اور اس کا داماد ٹامس جسے خالد بن ولید چھوڑنا نہیں چاہتے تھے دمشق سے نکل گئے اور ان کے علاوہ دوسرے رومی سردار اور بڑے بڑے امراء بھی دمشق سے ترک وطن کر کے اور اپنا لاکھوں روپے کا سامان لے کر انطاکیہ اور روم کے دوسرے علاقوں کی جانب روانہ ہو گئے۔ اور یہ سب کچھ حضرت ابوعبیدہ کی نرم پسندی اور نیک دلی کا نتیجہ تھا۔

حضرت خالد بن ولید اس بات کے شدید مخالف تھے کہ ہرقل کے داماد ٹامس اور ان عیسائی سرداروں کو رہائی کی اجازت دی جائے۔ جو خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے منصوبے بنائے ہوئے تھے اور جن کی وجہ سے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ اس لئے تین دن تک تو خاموش رہے لیکن جب تین دن کی مہلت ختم ہو گئی تو وہ ٹامس اور اس کے ساتھیوں سے انتقام لینے کے لئے ان کے تعاقب میں برق و باد کی طرح روانہ ہو گئے اور انہیں انطاکیہ میں جا پکڑا۔

ٹامس اور اس کے ساتھی اگرچہ رومی سرحد میں داخل ہو چکے تھے لیکن پھر بھی خالد بن ولید رومی علاقے میں گھستے چلے گئے اور بھوکے عقاب کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے۔ ٹامس بھی پانچ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ پر آ گیا اور بڑی خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں حضرت خالد بن ولید نے موقعہ ملتے ہی آگے بڑھ کر ٹامس کو قتل کر دیا اور اعلان کیا کہ جو شخص (باقی ص ۴۲ پر)



اسلام ایک یوروپین مفکر کی نظر میں

اسلام کے بارے میں ڈاکٹر مارکس واٹسن کے خیالات

(ڈاکٹر مارکس واٹسن کے انگریزی مقالے سے ماخوذ)

دُنیا کے تمام مذاہب میں یہ خصوصیت صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس کے مدّاح وہ مدبرین بھی ہیں جن کا کہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چُنانچہ ہم ذیل میں ایک یوروپین مُفکر "ڈاکٹر مارکس واٹسن" کے اسلام کے بارے میں احساسات درج کر رہے ہیں۔ اس مُفکر نے یہ بتایا ہے کہ اسلام نے کس طرح نوعِ انسانی کو پستی سے نِکال کر اُسے ذہنی بلندی عطا کی ہے۔

اسلام کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد میں اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس مذہب کی تعلیم میں انسانی ذہن کو بیدار کرنے کی بہت بڑی صلاحیت موجود ہے چنانچہ اسلامی تعلیم ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ عرب کی صحرا میں زندگی گذارنے والی ایک غیر معروف قوم دیکھتے ہی دیکھتے اِس طرح اُبھری کہ وہ ساری دُنیا پر چھا گئی۔ اور اُس نے بڑی سے بڑی سلطنتوں کا تختہ الٹ کر رکھ دیا۔

یہ بات یاد رہے کہ دُنیا کی کوئی قوم اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اُس کا دماغ صحت مند اُس کے ارادے بلند اور اُس کا کردار اعلیٰ نہ ہو۔ قوموں میں یہ خصوصیات اُس تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہوتی ہیں جنہیں وہ زندگی کی راہ کے اوپر اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ اور اِن تعلیمات میں مذہبی تعلیمات زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔

اِنسان خواہ کسی دور اور عقیدہ سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو یہ بات ضرور سمجھتا ہے کہ اِس دُنیا کی تمام طاقتوں کے علاوہ ایک ایسی طاقت بھی ضرور موجود ہے جو تمام مادّی طاقتوں سے زیادہ طاقت ور ہے اور چونکہ مذہب ہمیشہ اِس عظیم طاقت کی نشان دہی کرتا رہا ہے۔ اِس لئے انسان کی ذہنی تربیت اور اس کے قوی کردار کو بنانے اور ڈھالنے میں مذہب کو سب سے بڑا دخل حاصل رہا ہے۔

اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اِس لئے اُس کی تعلیمات میں انسانی ترقی کی تمام بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان بھی لازمی موجود ہونا چاہیئے۔ اور وہ سامان موجود بھی ہے یا نہیں؟ اِس کا فیصلہ تاریخ کی روشنی میں آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ آئیے ذرا تاریخ پر ایک نظر ڈال لیں۔

آج سے چودہ سو برس پہلے جب اسلام نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا تو بنی نوعِ انسان جہالت اور پستی کی انتہائی گہرائیوں تک پہنچ چکا تھا۔ روحانی اعتبار سے اُس کا پستی اِس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ ہر اس حقیر سے حقیر شے کے سامنے بھی سر جھکا دیتا تھا جس سے اُسے نقصان کا اندیشہ یا فائدہ کی امید ہوتی تھی۔ اور لوازمات زندگی میں اُس کا ذہن ہمیشہ محض باہمی نفرت اور قتل و خوں ریزی کی حدود سے آگے بڑھنے کے لئے تیار نہ تھا اسی لئے وہ نہ تو اخلاقی قدروں سے واقفیت تھی اور نہ وہ اپنی زندگی کی پس ماندگی کو بدلنے ہی کے لئے تیار تھا۔

اِس جہالت اور خود غرضی کے پس منظر میں جب اسلام نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو اُس کا بنیادی مقصد یہ رکھا کہ انسان کی ذہنی پستی کو دور کر کے اُس کے خیالات میں بلندی اور وسعت پیدا کی جائے اور اِس مقصد کے تحت جب اُس نے انسان کو بے شمار خداؤں کی اطاعت سے روک کر صرف ایک ہی خدا کی صفت گزرشتی کے لئے آمادہ کر لیا تو انسان کے فکر و عمل کی قوتیں بھی بیدار ہو گئیں۔ اور اُن میں خود بخود بنیادی خود بلندی پیدا ہو گئی جو انسان کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔

مسلمان اگر عملی طور پر دُنیا کی ترقی میں کوئی نمایاں حصّہ نہ بھی لیتے تب بھی اسلام نے انسان کے دماغ کو صحت مند بنانے اور اُس کے خیالات اور کردار کو بلند کرنے میں جو بے مثال کارنامہ انجام دیا ہے وہ ہی بنی نوعِ انسان پر اسلام کا ایک عظیم احسان سمجھا جاتا لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مُسلمانوں نے بنی نوعِ انسان کو ترقی کی راہ دکھانے میں زبردست حصہ لیا ہے۔ تو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسلام بجائے خود انسانوں کے لئے خدا تعالےٰ کا ایک عظیم احسان اور زبردست انعام ہے۔

اسلام کے ظہور کے وقت انسانی زندگی کے کسی شعبہ کو بھی ترقی یافتہ نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن اسلام کی بدولت جو صحت مند دماغ پیدا ہوئے اُنہوں نے زندگی کے تقریبًا ہر شعبہ میں ایک انقلابِ عظیم برپا کر دیا۔ اور میری رائے یہ ہے کہ ہمیں اسلام کو مذہب کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک انقلابی اور اصلاحی تحریک کی حیثیت سے دیکھنا چاہیئے اور جب ہم اُسے اس زاویۂ نظر سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب یا تحریک کا بنیادی مقصد روحانی اور مادّی اعتبار سے انسان میں صحت مند خیالات اور نظریات پیدا کرنا ہے۔

مثال کے طور پر اسلام نے خدا تعالےٰ کے ایک ہونے کا اعلان کر کے انسان کی فطری صلاحیتوں کو نہ صرف ایک نقطہ پر جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ انسان کو پست چیزوں کی پرستش سے ہٹا کر اُس کے نظریات کو بھی بلند کر دیا ہے۔ اسی طرح اسلام نے ریاست اور حکومت کے قدیم اور فرسودہ نظریات کو مسترد کر کے پہلی مرتبہ انسان کو جمہوری نظریہ سے آشنا کیا ہے اور قوموں کو ریاست کے معاملات میں حصّہ لینے کی دعوت دی ہے۔

پھر اسلام نے اپنے سماجی نظام کی بنیاد مساوات کے اصول پر قائم کی ہے اور پوری نوعِ انسانی کو انسانیت کے نام پر جمع کرنے کی کوشش کی ہے

اور اسلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اُس نے اپنے اخلاقی نظام میں ہر اچھی بات کو شامل کر لیا ہے اور ہر شخص کے تعلق اور درجہ کو سامنے رکھ کر اُس کے ساتھ تعلقات اور معاملات قائم کرنے کے واضح اصول اور طریقے بتلائے ہیں۔ اور اُس پر مزید یہ کہ اسلام کا اقتصادی اور معاشی نظام اس درجہ مکمل ہے کہ اُس کے دائرے میں رہ کر کوئی شخص بھی دوسرے شخص کی محنت اور قابلیت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتا [illegible] اسلام در اصل اُس کی اُن تعلیمات ہی کا نتیجہ ہے جن کی بدولت انسان کا دماغ صحت مند اور خیالات بلند ہوئے ہیں۔

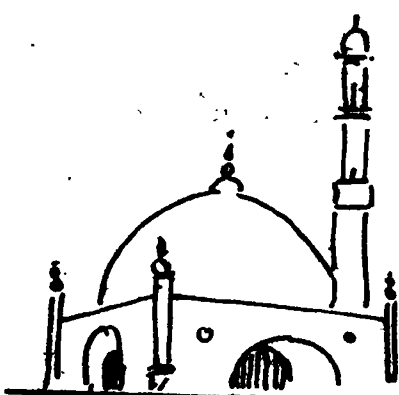
کسی تحریک کی صحت مندی کا اندازہ اِس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے مقلدوں اور ماننے والوں کو کس حد تک علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے کیونکہ دُنیا کی جو تحریکیں لوگوں کو علم حاصل کرنے سے باز رکھتی ہیں وہ اُن کے ذہن و دماغ پر تالے ڈال دینا چاہتی ہیں چنانچہ اسلام نے علم حاصل کرنے اور اُسے پھیلانے پر بے حد زور دیا ہے، جس سے یہ ثابت ہے کہ اسلام انسان کی فکری صلاحیتوں کو کچلتا نہیں بلکہ اُسے اُبھارنا چاہتا ہے اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہ اسلام ہی ہے جس نے نہ صرف مُردہ علوم کو زندہ کیا بلکہ نوعِ انسانی کے لئے علوم و فنون کی نئی نئی راہیں کھول دیں جس سے کہ دُنیا کو بے حد فائدہ پہنچا ہے۔

اسلام کے مذہبی اور روحانی پہلو کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسلام۔ علمائے اسلام اور مشاہیر اسلام نے صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لئے ترقی کا ایک لامحدود میدان پیدا کر دیا ہے اور اس میدان میں مسلمانوں ہی نے دُنیا کی رہنمائی بھی کی تھی۔ اور مسلم عہد کی حکومتوں کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حکومتیں خود ہی ترقی یافتہ نہیں تھیں بلکہ اُنھوں نے آج کے ترقی یافتہ یورپ کو بھی ترقی کے راستہ پر لگایا تھا۔

اسلام کا صرف مسلمانوں ہی پر نہیں بلکہ ساری دُنیا پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے نوعِ انسانی کو پستی سے نکال کر اُسے اُس کا درجہ بتایا ہے اور خفیہ قوتوں کو بیدار کر کے اور اُنہیں تخریب سے ہٹا کر تعمیری کاموں پر لگا دیا ہے۔ مختصر یہ کہ اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی تاریخ کا جتنا بھی مطالعہ کیا جائے گا اسلام کی افادی حیثیت اُسی قدر زیادہ واضح ہوتی چلی جائے گی۔ اور ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی تامل محسوس نہیں کرنا چاہیئے کہ اسلام مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ سب ہی کے لئے مفید ہے اور سب ہی نے اسلامی تعلیمات سے فیض حاصل کیا ہے اور اہلِ یورپ نے تو خصوصیت کے ساتھ فائدہ اٹھایا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہ مسلمان ہی تھے کہ جنہوں نے اہلِ یورپ کے لئے علوم و فنون کے دروازے کھولے ہیں۔

سب ہی جانتے ہیں کہ اگر علم کی روشنی "اسلامی اسپین" سے یوروپین ممالک میں نہ پھیلی ہوتی تو ابھی یورپ کو اپنی پس ماندگی سے نکلنے میں ایک طویل زمانہ درکار ہوتا۔ بہر حال میں اس بات کا معترف ہوں کہ پوری دُنیا کو اسلام سے بے حد فائدہ پہنچا ہے۔



پاکباز بندوں کے پاکیزہ افسانے

اولیائے کرام کی زندگی کے عبرت انگیز واقعات

(از: ادارہ "دین دنیا")

صحابۂ کرام کے بعد اولیائے کرام ہی وہ مقدس ہستیاں ہیں جنھوں نے اپنے کردار اور عمل سے مسلمانوں کو معرفت اور حقائق سے روشناس کیا ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں اللہ کے اِن نیک بندوں کی پاکیزہ زندگی کے چند نصیحت آموز واقعات پیش کر رہے ہیں

ایک روز حضرت عمارؒ سے خلیفہ ہارون الرشید نے کہا کہ "میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اور جواب کے لئے تین دن کی مہلت ہے۔ مجھے یہ بتلایئے کہ دُنیا بھر میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟" اور دنیا میں سب سے بڑھ کر جاہل کون ہے؟" ۔ حضرت عمار نے کہا "تین دن کی مہلت کی کیا ضرورت ہے اِس کا جواب ابھی سُن لیجئے۔" اور فرمایا کہ "دُنیا میں سب سے بڑا عالم اللہ کا وہ مطیع و فرماں بردار بندہ ہے۔ جو کامل اطاعت الٰہی کے باوجود ہر وقت خوف خدا سے ڈرتا رہے کہ کہیں اُس سے کوئی کوتاہی نہ ہو گئی ہو۔ اور سب سے بڑھ کر جاہل اور غافل وہ شخص ہے جو کھلم کھلا اللہ کی نافرمانی کرتا ہو اور عذاب الٰہی سے بے خوف ہو کر ہر وقت عیش میں ڈوبا رہتا ہو۔" حضرت عمار کی یہ بات اگرچہ خلیفہ کی زندگی پر ایک طنز تھی۔ مگر ہارون الرشید پر آپ کی اِس نصیحت کا بے حد اثر ہوا اور وہ بڑی دیر تک اپنے اعمال پر غور کرنے کے بعد روتا رہا۔

— ⁘ —

اللہ کے پاکباز بندوں کا کردار یہ رہا ہے کہ اگر اُنہیں بڑی سے بڑی تکلیف بھی پہنچتی تھی تو وہ اُسے من جانب اللہ تصور کرتے ہوئے کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتے تھے۔ چنانچہ نامور بزرگ حضرت محمد واسع رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں میں ایک بہت بڑا زخم تھا جو کبھی اچھا ہی نہیں ہوتا تھا اور حضرت واسع کو اِس زخم سے بے حد تکلیف پہنچتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے یہ زخم دیکھ کر آپ سے عرض کیا کہ "حضرت مجھے آپ کے اِس زخم کو دیکھ کر بے حد دُکھ ہوتا ہے۔" حضرت نے فرمایا "یہ زخم جب سے ہوا ہے میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اُس کی بڑی مہربانی ہے کہ یہ زخم آنکھ میں نہیں ہے بلکہ پاؤں میں ہے"۔ یہ تھا اِن مقدس بزرگوں کا کردار کہ یہ ہر حال میں راضی برضا رہتے تھے۔

— ⁘ —

حضرت معروف کرخیؒ اپنے زمانے کے بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ اپنے رفقاء کے ہمراہ دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دجلہ راگ و رنگ والے متوالوں کی تفریح کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا۔ چنانچہ بعض لوگ جب حسب معمول ایک بجرے میں گاتے ہوئے اور ناچتے ہوئے سامنے سے گذرے تو حضرت کے رفقاء کو یہ بات ناگوار گذری اور اُنہوں نے حضرت معروف کرخی سے کہا کہ "آپ یہ بے عنوانیاں کہاں تک دیکھتے رہیں گے اِن کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے تاکہ یہ خرافات کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے"۔

حضرت نے فرمایا "یہ دُنیا روزِ اول ہی سے خُرافات کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ اور جو لوگ کہ خرافات میں مبتلا ہیں ہم اللہ کے نبی بددُعا کرنے کے لئے نہیں بلکہ سیدھا راستہ دکھانے کے لئے آئے ہیں"۔ اور یہ کہہ کر دعا فرمائی کہ "خداوندا تو نے جس طرح اِنہیں دُنیا میں خوش باش بنایا ہے اُسی طرح عاقبت میں بھی اِن کی راحت کا سامان فرما دے"۔ رفقاء نے عرض کیا "حضرت آپ ایسے خلاف شرع کام کرنے والوں کے حق میں دعا فرما رہے ہیں۔ یہ کیا راہ راست پر آئیں گے"۔ چند روز بعد لوگوں نے

نے دیکھا کہ اِسی راگ و رنگ کے متوالوں میں سے بعض لوگ سچے خدا پرست بن گئے۔

— ❊ —

حضرت شیخ ابوالخیر اقطع کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ حادثہ کس طرح پیش آیا؟ حضرت نے بتایا کہ "میرے ہاتھ نے ایک گناہ کیا تھا اور اس گناہ کی پاداش میں یہ ہاتھ کاٹ ڈالا گیا ہے۔" اور واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "ایک مرتبہ خدا سے میں نے عہد کیا تھا کہ آیندہ میں کوئی ایسی چیز نہیں کھاؤں گا جو زمین سے پیدا ہوتی ہو۔ بلکہ صرف وہی کھاؤں گا جو تو اپنی طرف سے بھیجے گا۔ اِس عہد پر بارہ دن گذر گئے اور کوئی چیز مجھے نہ ملی۔ ضعف اِس قدر بڑھ گیا کہ میں نے نماز میں نفل ترک کر دیے اور جب بارہ دن اس حالت میں اور گذر گئے تو ادائے سنت کی بھی طاقت باقی نہ رہی۔ اس کے بعد بارہ دن ایسی حالت میں آئے کہ فرض کی ہمت بھی سلب ہوتی ہوئی نظر آئی اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اب شاید فرض کی ادائیگی سے بھی محروم ہونا پڑے گا۔ اس نازک وقت میں میں نے خدا سے پناہ مانگی اور گڑگڑا کر التجا کی تو میری دعا قبول ہوگئی اور غیب سے دو روٹیاں جس میں کچھ اور بھی تھا میرے پاس آئیں میں نے انہیں کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد یہ غذا مجھے برابر ملتی رہی اور میں اپنی زندگی بسر کرتا رہا۔"

— ❊ —

حضرت شیخ ابوالخیر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ "کچھ مدت کے بعد لشکر اسلام کے ساتھ مجھے جہاد پر جانا پڑا جب میں انطاکیہ پہنچا تو ایک دن صبح کے وقت دریا کے کنارے نماز کا اتفاق ہوا۔ بعد نماز میری نگاہ ایک درخت پر پڑی جس کے بعض پھل پک کر سُرخ ہو گئے تھے اور شبنم کے قطرے اُن پر چمک رہے تھے۔ ان پھلوں کو دیکھ کر بے اختیار جی للچایا اور میں نے ایک پھل توڑ کر تھوڑا منہ میں رکھا اور باقی میرے ہاتھ میں تھا کہ یکایک مجھے اپنا عہد یاد آیا۔ میں نے فوراً وہ پھل منہ سے اُگل دیا اور جو حصہ ہاتھ میں تھا وہ بھی پھینک دیا۔"

"میں اِس فعل پر نادم تھا کہ اچانک سواروں کا ایک گروہ چوروں اور رہزنوں کو ڈھونڈتا ہوا اُدھر آنکلا۔ کچھ چوروں کو انہوں نے گرفتار بھی کر رکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر ان سواروں نے مجھے بھی چور سمجھا اور واقعی میں چور ہی تھا۔ کیونکہ میں نے اپنے عہد کو توڑا تھا اور چوری کی تھی چنانچہ مجھے بھی گرفتار کر لیا گیا اور چوروں کے ہمراہ اپنے امیر کے رُوبرُو پیش کیا گیا۔ امیر نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو۔" میں نے کہا کہ "خدا کا ایک نافرمان بندہ ہوں۔" پھر چوروں سے مخاطب ہو کر پوچھا تم انہیں جانتے ہو۔" جب انھوں نے انکار کیا تو امیر نے کہا "میں خوب سمجھتا ہوں یہ تمہارا سردار ہے اور تم اسے بچانا چاہتے ہو۔" یہ کہہ کر امیر نے سب کا ایک ایک ہاتھ اور ایک ایک پاؤں قطع کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ میرا جب ایک ہاتھ کاٹ کر پاؤں کاٹنے لگے تو میں نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "خداوندا میرے ہاتھ نے گناہ کیا تھا اور وہ اپنی سزا کو پہنچ گیا مگر اب میرا پاؤں کیوں کاٹا جا رہا ہے اس کا تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ یکایک امیر کے ملازمین میں سے ایک شخص نے مجھے پہچان لیا۔ اور امیر کو میرے بارے میں آگاہ کیا تو امیر کو اپنے غلط اقدام کا بے حد افسوس ہوا لیکن میں اپنی حالت پر مطمئن تھا کیونکہ واقعی میں چور تھا اور مجھے سزا ضرور ملنی چاہیے تھی۔

— ❊ —

حضرت عبداللہ بن مُبارکؒ کے پاس ایک غلام تھا جس کا معمول یہ تھا کہ ہر روز دن چھپنے کے بعد کسی قبرستان میں چلا جاتا تھا اور وہیں رات گذارتا تھا اور دوسرے دن صبح کوئی نہ کوئی رقم اپنے مالک کی خدمت میں ضرور پیش کرتا تھا اُس کے روزانہ قبرستان جانے کی وجہ سے لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید وہ کفن چُراتا ہے اور ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مُبارک سے عرض کیا کہ آپ کے غلام کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کفن چُراتا ہے اور اُسے فروخت کر کے اُس کی رقم آپ کو دے دیتا ہے۔

حضرت کو یہ بات سُنکر بے حد ملال ہوا چنانچہ اُسی روز شام کو جب غلام گھر سے چلا تو آپ بھی اُس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ غلام حسب عادت قبرستان پہنچا اور ساری رات عبادت میں مصروف رہا اور پھر قبرستان کی مسجد میں آیا۔ اور صبح کی نماز پڑھ کر دعا کی کہ خداوندا مالک مجازی کے لئے کچھ عطا کر دے۔ اُس دعا کے ساتھ ہی غلام کے ہاتھ پر پردۂ غیب سے کچھ درہم آگئے۔

یہ حالت دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مُبارک سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ نے آگے بڑھ کر غلام کو سینہ سے لگا لیا اور فرمایا کہ کاش میں غلام اور تو مالک ہوتا۔ غلام نے جب دیکھا کہ اُس کا پردہ فاش ہو گیا ہے تو اُس نے اُسی وقت دُعا کی کہ خداوندا اب تیری مخلوق مجھے چین سے عبادت نہیں کرنے دیگی۔ مجھے دُنیا سے اُٹھا لے یہ دُعا فوراً قبول ہو گئی اور غلام نے حضرت عبداللہ بن مُبارک ہی کی آغوش میں اسی مسجد میں جان دیدی۔

— ❊ —

حضرت شیخ احمدالدین کرمانیؒ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ... میں حضرت جلال الدین تبریزی کے ہمراہ تھا۔ اتفاق سے ہمارا قافلہ ایک ایسے گرم ریگستان سے گذرا کہ اکثر اہل قافلہ کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے لیکن کچھ دُور چل کر ہمیں شتر فروشوں کا ایک گروہ ملا ہمارے رُفقا میں جو لوگ صاحب ثروت تھے انھوں نے بیس بیس اشرفی دے کر اپنے لئے تازہ دم اونٹ خرید لیے لیکن جو لوگ نادار تھے وہ بے حد افسردہ تھے کیونکہ وہ لوگ نہ تو اونٹ خرید سکتے تھے اور (باقی صفحہ ۱۰۴ پر)

خانۂ کعبہ کو منہدم کرنے کا منصوبہ

(بسلسلہ صفحہ ۳۲)

خانۂ کعبہ کو منہدم کرنے کا منصوبہ بناتا ہے اُس کا یہی انجام ہوتا ہے اور اس طرح اس دشمن اسلام کا خاتمہ ہو گیا۔ جو اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا تھا۔ ماس کے علاوہ بہت سے رُومی سردار بھی اس معرکہ میں مارے گئے

حضرت خالد بن ولید نے ماس اور رُومی سرداروں کے خلاف جو کچھ بھی کیا تھا وہ اگرچہ نیک جذبہ پر محمول تھا لیکن پھر بھی جب حضرت عمر فاروق رضؓ کو یہ معلوم ہوا کہ دمشق کے عیسائیوں سے امان دینے کا معاہدہ کرنے کے باوجود خالد بن ولید نے معاہدہ کے تین دن بعد حملہ کر کے ماس اور تمام رُومی سرداروں کا تعاقب کر کے قتل کر دیا ہے تو وہ بے حد کبیدہ خاطر ہوئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ "یہ غیر مسلموں کے ساتھ خالد کی کھلی ناانصافی ہے جس سے کہ مسلمان ساری دُنیا میں بدنام ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس واقعہ نے خلیفۂ دوم کو حضرت خالد بن ولید سے ناراض کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی حضرت فاروق اعظم رضؓ کو حضرت خالد بن ولیدؓ سے چند دوسری شکایتیں تھیں جن کی بنا پر اُن کو سپہ سالاری کے عہدہ سے معزول کر دیا گیا۔

اس واقعہ کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ ماس اگرچہ مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا اور وہ خانۂ کعبہ کو مسمار کرنے کا ناپاک ارادہ کئے ہوئے تھا لیکن چونکہ اُس سے حضرت ابو عبیدہ نے امان دینے کا ایک معاہدہ کر لیا تھا۔ اس لئے فاروق اعظم رضؓ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ اس معاہدہ کی پوری طرح پابندی نہیں کی گئی اور اس کی سخت ترین سزا سیف اللہ الاسلام حضرت خالد بن ولید کو دی گئی۔ یہ تھا خلفائے راشدین کا بلند کردار اور دشمنانِ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کے سلوک کی بے نظیر لافانی مثال۔

پاکباز بندوں کے پاکیزہ افسانے

(بسلسلہ صفحہ ۳۶)

نا آبپائی کے باعث چل سکتے تھے۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی اپنے ساتھیوں کی اس بے بسی اور پریشانی سے بے حد متاثر ہوئے۔ اُسی وقت شتر فروشوں کو طلب فرمایا اور پوچھا کہ تمہارے پاس کتنے اُونٹ ہیں اور کس قیمت پر اُونٹ فروخت کرتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس پانچ سو اُونٹ فروخت کے لئے موجود ہیں اور ایک اونٹ کی قیمت بیس اشرفی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اونٹ کے سب تاجروں کو بلا لو تاکہ سب ہی اونٹوں کی قیمت ادا کر دی جائے۔

جب اونٹوں کے تاجر اپنے اونٹوں کو لئے ہوئے آ گئے تو آپ وہیں زمین پر بیٹھ گئے۔ اور بآواز بلند تین مرتبہ یا لطیف یا لطیف یا لطیف کہہ کر دستِ مبارک ریت کے اندر ڈالا اور بیس اشرفیاں نکال کر تاجروں کے قافلے کے سردار کو دیں۔ اور آپ نے پانچ سو مرتبہ ایسا ہی کیا اور اس طرح حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے پانچ سو اونٹ خرید کر اپنے رفقائے حج کے حوالے کر دیئے مگر خود مکہ معظمہ تک پیادہ پا ہی سفر کیا۔



میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

اسکاٹ لینڈ کے ایک نو مسلم کی آپ بیتی

(ڈاکٹر جے۔ایف۔ڈیکسن کے مقالہ کا ترجمہ)

ڈاکٹر جے۔ایف۔ڈیکسن صدیق۔اسکاٹ لینڈ کے ایک ممتاز عیسائی خاندان کے فرد ہیں انہوں نے دُنیا کے مختلف مذاہب کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اپنے آبائی مذہب کو ترک کر کے ۱۹۵۷ء میں اسلام قبول کر لیا ہے۔انھوں نے ذیل کے مقالہ میں بتایا ہے کہ وہ کون سے خاص محرکات تھے جنھوں نے اُنھیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔یہ مقالہ جہاں ایک نو مسلم کی آپ بیتی ہے۔وہاں اس مقالہ کے ذریعہ اسلام کے محاسن کو بڑی خوبی کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔

میں ایک مسیحی خاندان میں پیدا ہوا تھا لیکن میرے خاندان پر بہت زیادہ پادریوں کے مذہبی اثرات نہیں تھے۔اس لئے میری مذہبی تعلیم کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا تھا بس مدرسہ یا گھر پر جو معمولی مذہبی تعلیم دی جاتی تھی میرے لئے اسکو کافی سمجھ لیا گیا تھا۔مگر اس کے باوجود میرے خاندان کے سب ہی لوگ ہر اتوار کو پابندی کے ساتھ گرجا جایا کرتے تھے اور میں بھی اُن کے ساتھ وہاں جایا کرتا تھا۔اور پادری صاحب کا وعظ بڑے غور سے سنا کرتا تھا لیکن اسے میری ناہوشمندی کہیئے یا ضمیر کی بیداری کہ پادری صاحب کی بہت سی باتیں میرے سمجھ میں نہیں آتی تھیں اور میری عقل یہ کہتی تھی کہ یہ باتیں بے دلیل ہیں

مثال کے طور پر میں یہ بات سمجھنے سے بالکل ہی قاصر تھا کہ تین بڑی ہستیوں کو (باپ۔بیٹا اور روح القدس) کے مشترکہ وجود کو خدا کہا جاتا تھا۔حالانکہ میرا ضمیر یہ کہتا تھا کہ خدا بس خدا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔اسی طرح یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ حضرت یسوع مسیح کو سب ہی عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے صلیب پر چڑھنا پڑا تھا۔میں ان دونوں عقیدوں کو بے دلیل سمجھتا تھا۔اور جب میں پادری صاحب کی زبان سے یہ بات سنتا تھا کہ مسیحیت کے ہر دعوے کو کسی اعتراض کے بغیر آنکھیں بند کر کے مان لینا چاہیئے تو اس مذہب کے بارے میں میرے شبہات اور بھی بڑھ جاتے تھے۔

ابتدا ہی سے میرا دل یہ کہتا تھا کہ جو بات انسانوں کی بھلائی کے لئے کہی جائے وہ اُن کی سمجھ میں بھی آنا چاہیئے اور اگر وہ نہ سمجھ سکیں تو انھیں معقول دلائل دیکر وہ بات سمجھانی چاہیئے۔میرے اسی خیال نے اسلام کی جانب میری رہنمائی کی ہے۔کیونکہ اسلام نے ہر انسان کو اس بات کی آزادی دی ہے کہ وہ دلائل پر غور کرے۔اور جو بات وہ نہ سمجھ سکے وہ علمائے اسلام سے معلوم کرے

یوں تو میرے دل میں بچپن ہی سے مسیحیت کے بارے میں شبہات پیدا ہوگئے تھے۔لیکن ذمہ دارانہ زندگی کی منزل میں داخل ہونے کے بعد اُن میں اور بھی اضافہ ہوگیا اور جب اپنی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنی آزاد زندگی شروع کی تو مختلف مذہبوں اور عقیدوں کے ماننے والے لوگوں سے ملنے کے باعث مجھے اِس بات کا کافی موقعہ ملا کہ خدا کے وجود۔اُس کی صفات اور انسانی زندگی کے مقصد کے متعلق مختلف الخیال لوگوں کا عقیدہ اور عمل کیا ہے۔

اُسی زمانہ میں جب میرا میل جول مسلمانوں سے بڑھا اور اسلام کے بارے میں اُن سے تبادلہ خیال ہوا تو یہ حقیقت مجھ پر واضح ہوگئی کہ دُنیا کے جملہ مذاہب میں اسلام ہی دُنیا کا واحد مذہب ہے جو کسی بات کو بھی دلیل کے بغیر تسلیم کرنے اور کرانے کی اجازت نہیں دیتا اور یہی انکشاف میرے لئے اسلام کے مطالعہ کی دعوت کا باعث ثابت ہوا۔اور میں نے اسلام کے موضوع پر انگریزی میں دستیاب ہونے والی کتابوں کا مطالعہ پابندی کے ساتھ شروع کر دیا۔

اسلام کے موضوع پر انگریزی کی بیشتر کتابیں ایسی بھی ہیں جو اسلام کو

بدنام کرنے کے نقطۂ نظر سے خاص طور پر لکھوا کر شائع کی گئی ہیں لیکن یہ کتابیں بھی مجھے گمراہ نہ کر سکیں۔ کیونکہ جب میں نے ایک طرف تو اسلام کے بارے میں صاف ستھری کتابوں کا مطالعہ کیا اور دوسری طرف مسلمانوں سے میل جول بڑھانے کے بعد اُن کی [illegible] زندگی کا مطالعہ کیا تو جلد ہی اصل حقیقت مجھ پر واضح ہوتی چلی گئی۔

مسلمانوں سے میل جول کی بدولت اسلام کے متعلق نہ صرف صحت مند لٹریچر ہی دستیاب ہوا بلکہ مجھے اُس کے پڑھنے اور سمجھنے میں بھی مدد ملی اور مسلمانوں کی عملی زندگی سے اِس بات کی تصدیق بھی ہوتی چلی گئی کہ مسلمان بے حد کشادہ دل روادار، ترقی پسند اور انسانیت دوست ہوتے ہیں اور اُن کی یہ خوبیاں چونکہ کسی ایک ملک۔ رنگ اور نسل کے مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ سب ہی مسلمانوں میں عام ہیں۔ اِس لیے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ سب کچھ اُن کے مذہب ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے

[illegible] کے قریب رہ کر اور اسلام قبول کرنے کے بعد یہ محسوس کیا کہ میں اپنے سچے [illegible] کے گروہ میں شامل ہوگیا ہوں اور میں اسلام کا جس قدر مطالعہ [illegible] اُس کی حقانیت پر میرا اعتقاد اسی قدر زیادہ مستحکم ہوتا چلا گیا۔

اسلام نے سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا ہے کہ انسانوں کو پوری طرح غور و فکر کرنے اور سمجھنے سے پہلے کسی مذہب کے بھی دعوؤں اور عقائد کو قبول کرنا نہیں چاہیئے۔ اسلام کے مطالعہ کے بعد میں اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ اُس نے انسانی زندگی کا ایک مقصد متعین کیا ہے وہ عبادت اور ریاضت ہی کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ عبادات کے ساتھ انسان کے کردار کو نکھارنا چاہتا ہے۔ اخلاق کی درستی کا سب سے بڑا حامی ہے اور معاملات کی دیانت داری پر بے حد زور دیتا ہے

اِس مذہب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ مذہبی اختلافات کی بنا پر دوسروں کے ساتھ تعصب رکھنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا بلکہ اپنے متبعین کو حکم دیتا ہے کہ دیگر مذاہب اور بانیانِ مذاہب کا پورا پورا احترام کریں ایک مسلمان اُس وقت تک سچا مسلمان نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ دیگر مذاہب کا پورا پورا احترام نہ کرے۔ اس کے علاوہ اسلام رنگ، نسل اور وطن کے امتیازات کا شدید ترین مخالف ہے۔ وہ ہر شخص کو ضمیر کی آزادی عطا کرتا ہے۔ اپنی کسی بات کو بھی جبر اور تشدد سے نہیں منواتا مساوات کا بہت بڑا حامی ہے اسی لئے اپنی تمام مادی اور علمی ترقیوں میں پوری دنیا کو اُس نے حصہ دار بنا لیا ہے۔

اسلام کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اسلام میں دین اور دنیا دو جُداگانہ چیزیں نہیں ہیں۔ اسلام ترکِ دنیا کا شدید مخالف ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان اِس دنیا کی تمام نعمتوں سے جائز فوائد حاصل کرے مگر ساتھ ہی اپنے پروردگار کو بھی نہ بھولے۔ اسلام نے دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا ہے یعنی انسان اس کھیتی میں جو کچھ بھی بوئے گا۔ آخرت میں اُسے وہی کاٹنا ہوگا۔ اسلام نے انسانی زندگی کے لئے ایک ایسا ضابطہ بنایا ہے جو سراسر نیکی اور نیک کردار پر مبنی ہے۔ اسلام کے نزدیک سب سے محترم اور سب سے معزز وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ نیک، اور عوام کا ہمدرد ہے۔

مختصر یہ کہ میں نے اسلام میں جو خوبیاں دیکھی ہیں وہ کسی دوسرے مذہب میں ناپید ہیں۔ اسلام میں ایسی خوبیاں ہیں جن سے متاثر ہوئے بغیر کوئی شخص بھی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ میں نے اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا ہے اور اسلام قبول کرنے کے بعد میں اپنی زندگی سے بالکل مطمئن ہوں۔ میری دنیاوی زندگی بھی امن اور سکون سے گذر رہی ہے اور عاقبت کی جانب سے بھی میں مطمئن ہوں۔ اور میرا کامل عقیدہ ہے کہ صرف اسلام ہی دنیا کا واحد مذہب ہے۔ جو دین کے ساتھ دنیا کو بھی سنوارتا اور انسان کو وہ سکونِ قلب عطا کرتا ہے جو دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔

انصاف کی خاطر داماد کا قتل

سلطان احمد شاہ والیٔ گجرات کے دور کا ایک واقعہ

(ہمارے مؤرخ کے قلم سے)

شہر احمد آباد جس کی شاندار عمارتیں اور عظیم الشان کارخانے اِس شہر کی عظمت کو دو بالا کر رہے ہیں۔ اُس کا سنگِ بنیاد خود اپنے نام پر سلطان احمد شاہ والیٔ گجرات نے رکھا تھا۔ یہ بادشاہ صرف دس سال حکومت کرنے کے بعد ۸۴۶ھ ہجری میں فوت ہو گیا تھا۔ اس نیک دل حکمران نے کیسے عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی ہے اُس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

نویں صدی ہجری کا آغاز تھا۔ اِس زمانہ میں گجرات کے تخت پر سلطان احمد شاہ داد حکمرانی دے رہا تھا۔ سلطان احمد شاہ کا دادا جس کا نام سہارن تھا کسی زمانہ میں ایک معمولی ہندو زمیندار تھا۔ اِس پر فیروز تغلق بے حد مہربان تھا۔ سہارن نے اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہو کر حضرت قطب جمال ہانسوی کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر لیا تھا اور فیروز تغلق نے اسے وجیہ الملک کا خطاب دے کر گجرات کا گورنر بنا دیا تھا لیکن جب امیر تیمور کے حملے نے مرکزی حکومت کا شیرازہ منتشر کر دیا تو وجیہ الملک کے بیٹے مظفر خاں نے خود مختاری کا اعلان کرنے کے بعد مظفر شاہ کا لقب اختیار کر لیا۔ سلطان احمد شاہ اِسی مظفر شاہ کا لائق فرزند تھا۔

احمد شاہ کے عہد میں گجرات کی حکومت پورے شباب پر تھی۔ احمد آباد علوم و فنون کا مرکز بنا ہوا تھا۔ سلطان احمد شاہ کی قدردانیاں اربابِ علم و کمال کو دُور دور سے کھینچ کھینچ کر بلا رہی تھیں۔ اِس کے ساتھ ہی سلطان احمد شاہ کے عدل و انصاف کا دُور دُور شہرہ تھا۔ امیر و غریب کا امتیاز اُٹھ چکا تھا۔ ہندو اور مسلمان کا کوئی سوال باقی نہیں رہا تھا۔ سلطنت کی نگاہ میں سب برابر تھے۔ غرضیکہ نہ صرف احمد آباد بلکہ پورا گجرات اتحاد اور یک جہتی کا ایک قابلِ قدر نمونہ نظر آتا تھا۔

سلطان احمد شاہ کی صرف ایک ہی بیٹی تھی جسے وہ جان سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا۔ سلطان نے اُس کی شادی اپنے بھتیجے سے کر دی اور اس بھتیجے کو وہ اپنی اولاد کی طرح اپنے پاس ہی رکھتا تھا۔ ایک دن بادشاہ کا داماد شکار کھیلنے کے لئے گیا۔ تو جنگل میں ایک ہرن دکھائی دیا۔ اُس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔ ہرن نے تو بلا لیا لیکن غائب ہو کر ہاتھ چھوٹ گیا۔ سامنے سے ایک ہندو کسان آ رہا تھا۔ نوجوان شہزادے نے اُسے حکم دیا کہ وہ ہرن کو اٹھا کر شاہی خیمہ تک پہنچا دے۔

کسان کو سلطان احمد شاہ کی عدل پسندی کا حال معلوم تھا۔ اِس کے علاوہ کسان اِس وقت کسی ضروری کام کے لئے جا رہا تھا اور اصل بات یہ تھی کہ ہندو ہونے کی بنا پر اُسے گوشت اور شکار سے نفرت تھی۔ لہٰذا اِس نے صاف انکار کر دیا۔ شاہزادہ کو اُس کا انکار ناگوار گزرا۔ اُس نے کسان کو مرعوب کرنے کے لئے بڑی شان سے یہ بتایا کہ وہ کون ہے۔ مگر کسان پر اِس بات کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ اور اُس نے کہا کہ "تم تو خیر بادشاہ کے بھتیجے اور داماد ہو۔ لیکن اِس وقت اگر خود سلطان بھی آ جائے تو میں اسی طرح اپنی معذوری کا اظہار کر دوں گا۔" شہزادے کو غصہ آ گیا اُس نے کسان کے ایک لات ماری جو اتفاق سے کسی نازک عضو پر لگی اور وہ آن کی آن میں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ کسان قریب ہی کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اُس کی بے کسی کی موت سے پورے گاؤں میں کہرام مچ گیا اور طے پایا کہ اِس ظلم کے خلاف فریاد کی جائے چنانچہ قاضی کی عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا گیا۔ استغاثہ کی ابتدائی کارروائی کے بعد عدالت نے شہزادہ کے نام حاضری کا حکم جاری کر دیا۔

"تاریخ معینہ پر احاطہ عدالت میں لوگ بے پناہ ہجوم کی شکل میں موجود تھے اور منتظر تھے۔ شہزادہ آئے۔ وجاہت کا مجسمہ تھا شہزادہ عدالت میں داخل ہوا تو قاضی کے پاس ہی مسند پر جا بیٹھا۔ قاضی کو اُس کی یہ جرأت ناگوار گزری اور اُس نے کہا "شہزادے تمہاری حیثیت اس وقت ایک مجرم کی ہے

نہیں ہے۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ دوسرے اہل مقدمہ کی طرح نیچے جا کر کٹہرے میں کھڑے ہو۔

شہزادہ شرمندہ ہو کر مسند سے اُٹھ گیا اور ملزموں کے کٹہرے میں جا کر کھڑا ہو گیا مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی تو شہزادے نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اب جرم ثابت تھا۔ اس لئے کسی مزید ثبوت اور گواہوں کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ قاضی نے فیصلہ صادر کر دیا کہ شہزادہ مجرم ہے اور غریب کسان کو بے سبب ہلاک کرنے کی پاداش میں سزائے موت کا مستحق ہے لیکن اگر مقتول کے ورثاء خون بہا لینا چاہیں تو شریعت اسلامیہ کی رُو سے وہ خون بہا لے کر شہزادہ کی جان بخشی کرا سکتے ہیں۔

عدل و انصاف کا یہ نظارہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے اور مقتول کسان کے ورثاء نے آگے بڑھ کر قاضی سے عرض کیا کہ "ہماری دادرسی ہو گئی۔ ہم نے عدل اسلامی کا نفاذ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا چونکہ شہزادہ نے یہ قتل جان بوجھ کر نہیں کیا ہے اس لئے ہم اُس کی جان لینا نہیں چاہتے ہمیں شہزادہ سے خون بہا کا روپیہ دلا دیا جائے۔" قاضی نے جواب دیا۔ "اگر تم بغیر کسی جبر و اکراہ کے مجرم سے خون بہا لے کر قصاص کے حق سے دست بردار ہونا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تم آپس میں رقم کا تعین کر لو۔

مقتول کسان کے ورثاء بڑی دیر تک آپس میں مشورہ کرتے رہے۔ آخر انہوں نے دو ہزار اشرفیاں بطور خون بہا طلب کیں۔ شہزادہ کو کیا انکار ہو سکتا تھا اُس نے دو سو کے بجائے پانچسو اشرفیاں منظور کر لیں۔ قاضی شہر نے مقدمہ کی کارروائی آخری فیصلہ کے لیے سلطان احمد شاہ کی خدمت میں بھیج دی اور لکھ دیا کہ شہزادہ کا جرم ثابت ہے اُس پر از روئے شریعت قصاص ہونا چاہیئے۔ لیکن مقتول کے ورثاء کو چونکہ دو سو اشرفیاں بطور خون بہا لینے پر آمادہ ہیں اور شہزادہ پانچسو اشرفیاں دے رہا ہے لہٰذا میری رائے ہے کہ مقتول کے ورثاء کو خون بہا ادا کر کے از روئے شرع شہزادہ کی جان بخشی کی جا سکتی ہے۔

شاہ گجرات کے پاس یہ کاغذات پہنچے تو محل میں قیامت برپا تھی۔ شہزادی نے اپنے شوہر کی سفارش کے لئے باپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو بادشاہ نے یہ کہہ کر اُسے منع کر دیا کہ "میں موجودہ حالات میں تمہیں اس لئے حاضری کی اجازت نہیں دے سکتا کہ کہیں تمہاری صورت دیکھ کر میرے قدم جادۂ انصاف سے متزلزل نہ ہو جائیں"

بادشاہ نے مقدمہ کی کارروائی پڑھی تو پیشانی پر بل پڑ گئے اُسی وقت قاضی شہر کو طلب کیا اور اُس سے ناراض ہو کر کہا۔ "مجھے اُمید نہیں تھی کہ تم اس طرح انصاف کا خون کرو گے۔" قاضی سمجھا کہ شاید بادشاہ کو اپنے محبوب بھتیجے اور داماد کے خلاف فیصلہ ناگوار گزرا ہے۔ اُس نے ادب سے گردن جھکاتے ہوئے کہا "جہاں پناہ کا عدل مشہور ہے۔ مجھے یقین تھا کہ اگر میں اس مقدمہ میں عدل نہیں کروں گا تو میرا یہ فعل حضور کو مجھ سے کبیدہ خاطر کر دے گا۔ اس لئے میں نے وہی فیصلہ دیا ہے جو عدل و انصاف کا تقاضا ہے"۔ بادشاہ نے کہا۔ "تم غلط کہتے ہو۔ تم نے ہرگز انصاف نہیں کیا۔"

قاضی سراسیمہ اور پریشان ہو گیا اور اُس نے عرض کیا "ظل اللہ شہزادہ کا جرم ثابت تھا انھوں نے خود اقبال جرم کر لیا ہے ایسی حالت میں حکم قصاص جاری کرنے پر میں مجبور تھا لیکن از روئے شرع شہزادہ مقتول کے ورثاء کو خون بہا دے کر اپنی جان بچا سکتا ہے"۔

سلطان احمد شاہ نے جھنجھلا کر جواب دیا "یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ تم نے عدل سے کام نہیں لیا۔ بلکہ شہزادہ کی بہت زیادہ رعایت کی ہے۔ اور اس معاملہ میں خون بہا کو جائز قرار دے دیا ہے"۔ قاضی شہر بولا "مگر حضور شریعت اسلامیہ میں خون بہا جائز ہے"۔

"ہاں۔ ہاں مجھے معلوم ہے"۔ بادشاہ نے بلند آواز سے کہا۔ "لیکن تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اس نرم فیصلہ سے جرائم کے ارتکاب میں امراء کی حوصلہ افزائی ہو گی اور میری غریب رعایا کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ کیونکہ اس طرح تو ہر دولت مند کسی غریب بندۂ خدا کو ذرا ذرا سی بات پر قتل کر دے گا اور اُس کے وارثوں کو روپیہ دے کر بچ جائے گا۔ یاد رکھو مجھے اپنی غریب رعایا کے لاکھوں افراد کی جانیں اپنے بھتیجے کی ایک جان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ عزیز ہیں۔ لہٰذا میں خون بہا کی تجویز کو مسترد کرتا ہوں۔ اور حکم دیتا ہوں کہ شہزادہ کو غریب کسان کے قتل کی پاداش میں آج اور اسی وقت سزائے موت دیدی جائے۔"

اس آخری فیصلہ کے بعد سپاہی شہزادہ کو قتل گاہ کی طرف لے چلے۔ حکم شاہی سے محل میں قیامت برپا ہو گئی۔ بادشاہ کی بیٹی پردہ سے باہر نکل آئی۔ اور سلطان کے قدموں پر سر رکھ کر زار و قطار روتے ہوئے بولی۔

"ابا جان۔ میرے سہاگ کو برباد نہ ہونے دیجئے"۔

بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن انصاف انصاف ہی تھا بیٹی کو کلیجہ سے لگا کر کہا۔ "بیٹی تیرا سہاگ میری رعایا کے خون کی ادنیٰ قیمت ہے"۔

افسانہ

دبی ہوئی چنگاری

ایک دلگداز واقعہ - ایک معاشرتی کہانی



(از: رفیعہ شبنم - ایم اے - بی، ایڈ)

مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے جب میں نے پہلی بار عشرت بھیا کو دیکھا تھا اُس وقت میں تقریباً دس سال کی ہوں گی اور عشرت بھیا ۱۹ سال کے خوبرو لیکن سیدھے سادے نوجوان، وہ پروین باجی کے ساتھ ہمارے گھر آئے تھے اور چچی جان اُن کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا رہی تھیں۔

"یہ ہے میرا بھانجا عشرت رضا، مرحومہ آپا رضیہ کا بڑا لڑکا۔ اِسی سال بی اے کیا ہے۔ اس کے خالو نے اسے ملازمت کے لئے یہاں بلوا لیا ہے۔"

اور یوں چچی جان کا یہ چہیتا بھانجا ہمارے گھر کے افراد سے متعارف ہوا۔ عشرت بھیا کتنی دیر تک بیٹھے رہے خاموشی سے مجھے تکتے رہے۔ پھر اشارے سے مجھے اپنے پاس بلا لیا۔

"لڑکی تمہارا نام کیا ہے؟"

"شوبی" میں منہ چڑاتی ہوئی بولی۔

"ذرا اِدھر تو آؤ، تمہاری زبان ناپیں گے" وہ شرارت سے بولے۔

"آپ اپنی ناک ناپیئے، وہ بھی تو لمبی ہے" نہ جانے اِس عمر میں بھی میں نے اتنا برجستہ جواب کیسے دے دیا تھا۔ اور عشرت بھیا کے چہرے پر ایک شوخ چمک آ گئی تھی۔

عشرت بھیا کی شخصیت بہت ہی پیاری تھی۔ دراز قد، کھلتا ہوا رنگ، گھنگھریالے بال، آنکھوں میں ایک چمک، ہونٹوں پہ ایک مسکراہٹ۔ عشرت بھیا بہت ہی پُرکشش تھے وہ جب بھی گھر آتے ہم بچے اُن کے ہاتھوں پر جھُول جاتے اور ململ کے سفید کُرتے کی جیب میں سے جھانکتے ہوئے چاکلیٹ ہمیں نظر آ جاتے۔ پھر وہ باغ میں گھنٹوں ہمارے ساتھ کھیلنے کے بعد جاتے تو سارے بچوں کو ایک ایک چاکلیٹ تقسیم کرتے۔ میں اِس معاملہ میں زیادہ ہی خوش قسمت تھی، کیونکہ میرے حصے میں تین چار چاکلیٹ آتے تھے۔ جب بچوں نے احتجاج شروع کیا تو عشرت بھیا نے ایک اور طریقہ نکالا جاتے وقت آپی باجی کے پاندان کے نیچے میرے لئے پیسے رکھ جاتے اور چپکے سے مجھے اس کی اطلاع دیتے اور دوسرے بچوں کو اس کی خبر نہ ہو پاتی۔

عشرت بھیا بہت اچھے آرٹسٹ تھے اور طرح طرح کی تصویریں بنانا اُن کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ کبھی کبھی ہمیں اُن کی یہ دلچسپی بہت گراں گذرتی تھی اور میرا جی چاہتا تھا کہ اُن کی ساری تصویریں جلا کر رکھ دوں، کیونکہ جس وقت وہ اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے ہم بچوں کو یکسر فراموش کر دیتے تھے۔ اُس دن بھی جب میں اسکول سے لوٹی تو انہیں تصویر بنانے میں مشغول پایا۔ دروازے کی طرف اُن کی پشت تھی۔ کھڑکی کی طرف منہ کئے وہ سامنے کی پہاڑی کا اسکیچ لے رہے تھے۔ مجھے شرارت سوجھی۔ میں آہستہ آہستہ دبے پاؤں اُن کے قریب گئی اور ایک ساتھ دو چار رنگ الٹ دیئے۔ عشرت بھیا جیسے ایک دم خواب سے چونک اٹھے۔ بے ترتیب سے رنگ کینوس پر بکھر چکے تھے۔ اُن کی آنکھیں غصہ سے سُرخ ہو گئیں۔ وہ پھر کر پیچھے پلٹے۔ اُن کی وحشت ناک نگاہوں کو دیکھ کر میں سہم گئی۔

"ہوں تو یہ تم ہو؟"

وہ دہاڑ کر بولے، اور میں گھبرا کر کمرے سے باہر آئی وہ بھی میرے پیچھے لپکے۔ میں دوڑتی ہوئی بیٹھک اور دالان کو پار کرتی ہوئی باغ میں نکل آئی عشرت بھیا بھی میرے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ ایک لمحے کے لئے میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ مجھ سے صرف دو چار قدم پیچھے تھے۔

گھبراہٹ سے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اُف میرے خدا، اب میری خیر نہیں ہے! مجھے کچھ بھی نہ سوجھا اور میں نے مدافعت کی غرض سے اپنے قدموں میں پڑے ہوئے پتھروں میں سے ایک بڑا سا نکیلا پتھر اٹھا لیا اور اپنی پوری قوت کے ساتھ اُن پر دے مارا، اور پھر بھاگ گئی۔ عشرت بھیا وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور جب میں اطمینان سے کھانے میں مصروف تھی تو وہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے باورچی خانے میں داخل ہوئے۔ میں نے انہیں دیکھتے ہی میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اُن کی پیشانی سے سُرخ خون کی دھار اُبل رہی تھی۔ اور پیشانی پر لٹکنے والی بال کی لٹ بالکل بھیگ چکی تھی۔ پھر مجھ پر آپی جان اور چچی جان کی تھپڑوں کی بوچھاڑ پڑ گئی۔ وہ تو خیر گذری کہ پروین باجی نے جلدی جلدی مشوروں میں اُن کی پیشانی پر پٹی باندھ دی۔ میں خاموشی سے سہمی سہمی نگاہوں سے انہیں دیکھتی رہی۔

شام کو جب وہ اُداس اُداس سے برآمدے میں آرام کرسی پر بیٹھے فکر میں ڈوبے ہوئے

صُورت کو تک رہے تھے میں ڈرتے ڈرتے اُن کے پاس گئی اور ہمیشہ کی طرح اُن کے ہاتھوں

کے سہارے جھُول کر بے تحاشہ رونے لگی۔

"پگلی روتی کیوں ہے؟" اُنھوں نے مسکرا کر اپنا شفیق ہاتھ میرے سر پر پھیرا

اور میں نے آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان وعدہ کیا کہ میں اب کبھی ایسی شرارت

نہ کروں گی"۔

عشرت بھیا کا زخم تو اچھا ہو گیا لیکن اُن کی کُشادہ پیشانی پر ایک نشان

ہمیشہ کے لئے رہ گیا۔ اکثر عشرت بھیا کہا کرتے تھے۔

شوبی، یہ زخم نہیں، وہ مقدس نشان ہے جو کسی کے سنگ در نے مجھے اپنی

جبیں سائی کے عوض عطا کیا ہے"۔

اور میں ہنس کر اُن سے کہتی۔

"دیکھئے! عشرت بھیا، آپ ہمارا شکریہ ادا کیجئے کہ ہم نے آپکو ایسا نشان عطا

کیا ہے جو روز قیامت، چاند بن کر جگمگائے گا" یہ سُن کر وہ ہنس دیتے

عشرت بھیا کچھ عجیب سے انسان تھے کبھی لطیفہ سُناتے سُناتے اچانک

خاموش ہو جاتے، جیسے کوئی بھُولی بسری یاد آ گئی ہو۔ اور کبھی ہنستے ہنستے اتنی زور

سے اپنی سیاہ آنکھیں بند کر لیتے جیسے وہ آنکھوں سے اُمڈنے والے کسی سیلاب کو روکنے

کی کوشش کر رہے ہوں اور میں حیران نگاہوں سے انھیں دیکھتی تو وہ ہمیشہ کی طرح سے

بہت شیریں لہجہ میں اپنا یہ جملہ دہراتے

"شوبی، تم ابھی بچی ہو، بالکل بچی ہو۔ تمھیں یہ سب کچھ سمجھنے کے لئے ایک عمر چاہیئے"

اور ایک دن تو میں نے جھنجھلا کر کہہ دیا

"عشرت بھیا اب میں بچی تھوڑا ہی ہوں، پورے سترہ سال کی ہوں سمجھے"۔

اور میری جھنجھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اُنہوں نے کہا تھا

"تمہارا یہی غصہ بتاتا ہے کہ تم نے ابھی تک شعور کی حدوں کو نہیں چھُوا۔ کاش

تم میری باتیں سمجھ سکتیں"۔

یہ حقیقت تھی کہ میرا شباب شعور کی حدوں کو چھُونے میں ناکام رہا اور

میں عشرت بھیا کی بے ربط اُوٹ پٹانگ سی باتوں کا ہمیشہ مذاق اڑاتی رہی۔ لیکن اس

میں میرا کیا قصور تھا وہ تھے ہی عجیب شخص جب کبھی گھر آتے میرے لئے مٹھائی لانا

نہ بھولتے اور جانے سے پہلے ہمیشہ پاندان کے نیچے کچھ پیسے رکھ جایا کرتے تھے۔

مٹھائی لانے اور پیسے رکھنے کی یہ عادت تو انھیں میرے بچپن ہی سے تھی۔ بچپن میں

تو خیر مجھے اُن سے پیسے لینے میں کوئی جھجک نہ ہوتی تھی بلکہ اُسے اپنا حق سمجھتی تھی لیکن

اب مجھے اُن کی اس عادت پر کبھی کبھی غصہ آجاتا تھا۔ پورے سترہ سال کی ہو جانے

کے باوجود شاید میں اُن کی نگاہوں میں ابھی تک وہی ننھی سی شوبی تھی جو انھیں چھیڑ

کر چھُپ جایا کرتی تھی۔ اور جسے پکڑنے کے لئے وہ بچوں کی طرح دوڑا کرتے تھے۔

اُس دن بھی عید کے جھلملاتے ہوئے کپڑوں میں ملبوس میں اپنے غرارے

کو سنبھالے سنبھالے پھر رہی تھی کہ عشرت بھیا آ گئے۔ انھیں دیکھتے ہی پروین باجی

سہم کر باورچی خانے میں گھس گئیں اور عشرت بھیا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ

بکھر گئی۔ مجھے عید کی مبارکباد دیتے ہوئے وہ امی کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

اور میں اپنی سہیلیوں کی میزبانی میں یوں مصروف ہو گئی کہ مجھے عشرت بھیا کی خاطر تواضع

کا خیال بھی نہ رہا۔ جب اپنی سہیلیوں کو رُخصت کر کے ڈیوڑھی سے پلٹی تو سامنے سے

آتے ہوئے عشرت بھیا سے ٹکرا گئی۔ وہ کچھ گھبرا سے گئے اور انہوں نے کہا

"شوبی، پاندان کے نیچے تمہارے لئے پیسے رکھ دیئے ہیں، لے لینا"

اتنا کہہ کر سنجیدگی سے وہ آگے بڑھنے لگے تو میں نے کہا۔

"عشرت بھیا، آپ بھی کمال کرتے ہیں"۔

"شوبی! میں اپنا سب کچھ تمہیں دے دینا چاہتا ہوں تم نہیں جانتیں۔ میں نے ایک

خواب دیکھا تھا ایک ننھی سی پیاری سی گڑیا، ہنستی مسکراتی ہوئی گڑیا کا خواب جو اپنی

معصوم شرارتوں سے مجھے پریشان کیا کرتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گڑیا ایک شوخ اور

چنچل ہرنی بن گئی۔ اتنی تیز رفتار کہ اگر میں اُس کی تلاش میں دوڑوں تو راہوں میں

بھٹک کر رہ جاؤں اور ــ اور ــ وہ میری نگاہوں سے دُور ــ بہت دور

کہیں چھُپ جائے اور میں اُسے کبھی نہ حاصل کر سکوں"۔

"کیسی عجیب سی باتیں کرتے ہیں، آپ بھی عشرت بھیا"

میں نے پریشان لہجے میں کہا تو انہوں نے میرے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے

وہی پُرانا جملہ دہرا دیا۔

"شوبی! تم ابھی بچی ہو، بالکل بچی۔ تمہیں یہ باتیں سمجھنے کے لیے اک عمر چاہیئے"۔

لیکن وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر میرے لمبے بالوں پر نظریں جماتے ہوئے آہستہ سے

میں بولے ع

"کون جیتا ہے تری زُلف کے سر ہونے تک"!

اُس دن وہ کچھ اُداس اداس سے تھے۔ گھر آئے تو خاموش خاموش سے۔

اُن کے آتے ہی چچی جان نے پروین باجی کو دوسرے کمرے میں چلے جانے کا اشارہ کیا

اور وہ دوپٹے سے منہ چھپاتے بھاگ گئیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ میں نے جا کر

پروین باجی سے اس کی وجہ معلوم کی تو اُن کا چہرہ شرم سے گلنار ہو گیا وہ آنچل کے سرے کو

اپنی انگلیوں پر لپیٹتے ہوئے بمشکل اتنا کہہ سکیں

"شوبی، تو ابھی بچی ہے۔ بالکل بچی! تجھے یہ سب کچھ سمجھنے کے لئے ایک عمر چاہیئے"۔

اور میں غصے سے جھنجھلا اٹھی۔

"بچی ـــ بچی ـــ بچی! تم لوگوں کا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ ہر کوئی یہی کہتا ہے۔ عشرت بھیا بھی ـــ تم بھی ـــ امی بھی"۔ میں غصے سے چیر پٹکتی ہوئی پروین باجی کے کمرے سے نکل کر باغ میں چلی آئی۔

عشرت بھیا وہاں رنگوں کے ڈبے پھیلائے۔ ہاتھ میں برش لیے اپنے محبوب مشغلے میں مصروف تھے۔ مجھے آتے دیکھ کر بولے

"میں تمہارا ہی منتظر تھا شوبی، ذرا جلدی سے سامنے والے سرخ پتھر پر بیٹھ جاؤ تمہاری تصویر بنا لوں"۔

"ہم نہیں بیٹھیں گے"۔ میں نے سارا غصہ اُن پر اتار دیا۔

"دیکھو ضد نہیں کیا کرتے"۔

"ضد کیوں نہ کروں، میں تو بالکل بچی ہوں نا؟" میں نے طنزاً کہا

"کون کہتا ہے کہ تم بچی ہو شوبی"۔ یکایک اُن کا لہجہ اداس ہو گیا۔

"کتنا اچھا ہوتا شوبی کہ تم بچی ہی رہتیں۔ وہی ننھی سی شوبی جو میرے رنگ کے ڈبوں کو الٹ کر بھاگ جایا کرتی تھی جو ہنستے مسکراتے ہوئے میرے دامن سے جھولا کرتی تھی۔ جس نے مجھے ایک گہرا زخم، ایک مقدس نشان عطا کیا تھا۔ کاش تم بچی ہی رہتیں"۔

ایک لمحے کے لئے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے عشرت بھیا کی آواز کہیں بہت دور سے آرہی ہے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ مجھ سے کہہ رہے تھے

"شوبی، خدارا تم وہاں بیٹھ جاؤ۔ میں گلاب کے پھولوں کے درمیان تمہاری تصویر بنانا چاہتا ہوں۔ مجھے تمہاری تصویر کی ضرورت ہے"۔

"پروین باجی کو بٹھا لیجئے نا"۔ میں نے شرارت سے کہا۔

پروین کیسے یہاں آسکتی ہیں شوبی، آج تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میری زندگی سے منسلک کر دی گئی ہیں۔ آج ـــ آج میری اور ان کی زندگی کا فیصلہ تحریر کر لیا گیا ہے۔ اب بہت جلد وہ میری منگیتر کہلائیں گی"۔

نہ جانے کیوں ان کی آواز بھر آگئی۔ وہ کچھ دیر خلاء میں گھورتے رہے اور پھر خود کلامی کے انداز میں بولے۔

"جب میری جوانی کا سورج افق کے اُس پار ڈوبنے ہی والا تھا تو ایسے وقت بھلا میری محبت کے آسمان پر کسی کے معصوم وجود کا درخشاں چاند کیوں طلوع ہوا۔ جبکہ میں اس چاند کو چھونے کی آرزو بھی کر دل تو نہیں چھو سکتا۔ نہیں پا سکتا"۔

پھر انھوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں کچھ بھی نہ سمجھ سکی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور کون سے چاند کا ذکر کر رہے ہیں اور وہ اپنے ساز و سامان کو سمیٹتے ہوئے اور مجھے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے

"پاندان کے نیچے تمہارے لئے پیسے رکھ دیئے ہیں لے لینا"۔

اور پھر وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ مجھے پروین باجی پر پیار آیا کتنی خوش قسمت ہیں وہ انہیں عشرت بھیا جیسے دولہا مل گئے۔

شادی کے ہنگاموں کے باوجود جب وہ پروین باجی کو ڈولی میں بٹھائے اپنے گھر جا رہے تھے۔ انہوں نے بچی سے کہلوا بھیجا کہ میں پاندان کے نیچے سے وہ پیسے اٹھا لوں جو وہ میرے لئے چھوڑ آئے ہیں، اور میں اُن کے اس خبطی پن پر ہنسے بغیر نہ رہ سکی۔

لیکن یہ شادی دونوں کو راس نہ آسکی۔ عشرت بھیا کچھ اداس سے ہو گئے تھے سارا دن وہ اپنے کمرے میں گھسے طرح طرح کی تصویریں بناتے رہتے، رنگوں کے ڈبے، حسب معمول ان کے آس پاس پھیلے رہتے اور وہ پروین باجی تو کیا دنیا و مافیہا سے بے خبر کینوس پر جھکے تصویریں بناتے رہتے پروین باجی اُن کی اس بے نیازی سے اکتا گئی تھیں۔ انہیں اپنے حسن و جمال پر ضرورت سے زیادہ اعتماد تھا لیکن اپنے اعتماد کو مجروح ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اس لئے اکثر جھڑپ ہو جاتی لیکن عشرت بھیا انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیتے۔

"تمہیں تو معلوم ہی تھا پروین کہ یہی تصویریں میری زندگی ہیں اگر تم ان تصویروں سے اکتا جاؤ تو شوبی کی طرح ایک دن چپکے سے ان رنگوں کو الٹ دو تاکہ یہ ساری تصویریں دُھل جائیں۔ داغدار ہو جائیں اور میں انہیں بھول کر تمہارے اور صرف تمہارے حسن میں گم ہو سکوں"۔

لیکن پروین باجی کی مغرور اور خود پسند طبیعت عشرت بھیا سے میل نہ کھا سکی اور عشرت بھیا پروین باجی کی محبت سے محروم ہو گئے انہوں نے علیحدہ رہنے کا انتظام کر لیا اس دن وہ امی سے اُداس لہجے میں جانے کیا باتیں کرتے رہے اور جب لوٹنے لگے تو باغ میں ان سے سامنا ہو گیا۔

"عشرت بھیا، آپ جا رہے ہیں؟" میں نے ان سے پوچھا۔

"ہاں، اب دل کے ان چور دروازوں کو بند کرنے کے لئے یہاں سے جانا ہی پڑے گا، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس گھر کے دروازے مجھ پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند ہو جائیں"۔ وہ آہستہ سے بولے

"آپ کیا کہہ رہے ہیں عشرت بھیا۔ کیا پروین باجی سے پھر لڑائی ہو گئی؟"

"نہیں شوبی، تم ابھی بچی ہو، بالکل بچی ہو۔ تمہیں ان باتوں کو سمجھنے کے لئے ایک عمر چاہیئے"۔

وہ آگے بڑھے پھر کچھ سوچ کر پلٹے اور بولے

"شوبی، پاندان کے نیچے تمہارے لئے پیسے رکھ دیئے ہیں، جاؤ لے لو"۔

گھر کی اِسی ہماہمی میں ایک روز شہنائیاں بجیں، ڈھولک پر گیت گائے گئے میرے ہاتھوں میں مہندی رچائی گئی۔ دروازے پر ڈولی آئی اور مجھے رُخصت کر دیا گیا۔ شادی کے کچھ دنوں بعد جب میں چچی جان کے ہاں آئی تو عشرت بھیا کو خلاف معمول بہت افسردہ پایا۔ وہ بہت دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اور جاتے وقت بولے۔

"شوبی، پاندان کے نیچے تمہارے لئے پیسے رکھ دیئے ہیں، اٹھا لینا" مجھے ہنسی آ گئی۔ کیا عشرت بھیا مجھے اب بھی بچی سمجھتے ہیں۔

کچھ دنوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ پروین باجی اور عشرت بھیا میں رنجش ہو گئی ہے اپنے حسن پر گمان کرنے والی پروین باجی عشرت بھیا کی بے جان تصویروں کا ساتھ نہ دے سکیں اور میکے چلی آئیں اور ہمیشہ برش ہاتھوں میں تھام کر رنگین تصویریں تخلیق کرنے والے آرٹسٹ نے ایک دن قلم تھام کر ایک کھُردرے کاغذ پر اپنی زندگی کو چند ڈاکٹری نسخوں کے عوض بیچ دیا۔ عشرت بھیا بیمار ہو گئے۔ لیکن بابر کی ہٹ دھرمی یوں ہی قائم رہی۔ وہ اپنے سنسان سے ویران کمرے میں ایک چھوٹی سی مسہری پر لیٹے زندگی کی آخری سانسیں لیتے رہے اور پروین باجی اپنے میکے کے آنگن میں چوڑیاں کھنکھناتی رہیں۔

اور ایک دن

جب عشرت بھیا کی اُلجھتی ہوئی سانسیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئیں جب، رنگین، جیتی جاگتی تصویروں کو تخلیق کرنے والی انگلیاں بے حس ہو کر ڈھلک گئیں۔ جب ہمیشہ ہنسنے، مسکرانے والے ہونٹ سدا کے لئے خاموش ہو گئے تو پروین باجی کا غرور آنکھوں کی راہ پانی بن کر بہہ نکلا اور تب ایک منحوس صبح مجھے اطلاع دی گئی۔ عشرت بھیا مر گئے۔! عشرت بھیا مر گئے۔! عشرت بھیا....

جیسے میں ایک بھیانک خواب سے چونک پڑی، اور جب ڈگمگاتے قدموں سے ڈیوڑھی میں قدم رکھا تو اتنی ساری بھیڑ کو دیکھ کر میرا سر چکرا گیا

کمرے میں ایک روح فرسا خاموشی چھائی ہوئی تھی اور عشرت بھیا مسہری پر آرام سے سو رہے تھے اور ہوا کے جھونکوں سے میز پر رکھا ہوا وہ رائٹنگ پیڈ پھڑپھڑا رہا تھا جس پر عشرت بھیا اوٹ پٹانگ سے جملے لکھا کرتے تھے اور جب میں انہیں پڑھ کر کھل کھلا کر ہنس دیتی تھی تو وہ ایک اجنبی سے اداس اداس لہجے میں کہتے تھے۔

"شوبی، تم ابھی بچی ہو، بالکل بچی تمہیں یہ سب کچھ سمجھنے کے لئے ایک عمر چاہیئے۔

عشرت بھیا کا جنازہ اٹھایا جا رہا تھا۔ آوازیں بلند ہوتی جا رہی تھیں کہرام تیز ہوتا جا رہا تھا اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے عشرت بھیا کی اداس سانسوں کی تلخ بستگی میرے جسم سے لپٹ گئی ہو۔ چاروں طرف سے مجھے اُن کا آنسو اُن کی باتیں۔ اُن کی آواز سنائی دے رہی تھی....

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ..... (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے) جنازہ دُور ہونے لگا۔ اور میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ مدت کا رکا ہوا بند ٹوٹ گیا۔ ٹپ ٹپ، ٹپ — آنسو میرے رخساروں کو بھگو نے لگے۔ ساری دُنیا مجھے گھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔ سر چکرانے لگا، قدم ڈگمگا گئے۔ میں نے گھبرا کر دیوار کا سہارا لیا تو ہاتھ مسہری کے قریب والی میز سے جا ٹکرایا۔ میز پر رکھا پاندان الٹ گیا۔ اس کے نیچے رکھے ہوئے نوٹ پھڑ پھڑا کر اڑے اور پاس ہی رکھے رائٹنگ پیڈ پر عشرت بھیا کی مانوس تحریر نظر آئی۔

"پاندان کے نیچے تمہارے پیسے رکھ دیتے ہیں، اٹھا لینا!"

اچانک عشرت بھیا کی وہ ساری باتیں جو میں آج تک نہیں سمجھ سکی تھی۔ اس ایک لمحے میں سمجھ میں آ گئیں۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میں ہی عشرت بھیا کی قاتل ہوں۔ میری ہی محبت نے اُن کی جان لے لی ہے مگر میں راکھ میں دبی ہوئی اس چنگاری کی حقیقت کو اُن کی موت کے بعد ہی سمجھ سکی۔



عورتوں کے لئے

یہ گمراہ لڑکیاں

خود ان کے سرپرست انہیں گمراہ کر رہے ہیں

(از زبیدہ سلطان صاحبہ دہلوی)

زبیدہ بہن نے زمانۂ حاضرہ کی لڑکیوں کی آزادروش پر ایک نئے پہلو سے بحث کی ہے۔ یہ مضمون اِس قابل ہے کہ اِس پر جہاں ہماری بہنیں اور بیٹیاں غور کریں وہاں ہمارے بھائیوں کو بھی اس مضمون کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

سب بہنیں اور بھائی یہ بات جانتے ہیں کہ میں عورتوں اور لڑکیوں کی جائز آزادی اور ترقی کی بہت بڑی حامی ہوں لیکن اِس بات کی سخت مخالف ہوں کہ لڑکیاں ترقی پسندی کی آڑ میں اُس غلط روش کا شکار ہو جائیں جس سے کہ آج اہلِ مغرب بھی پریشان ہیں اور اسی مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے میں اپنے ملک کی لڑکیوں کو اپنے مضامین کے ذریعہ زمانہ کا اونچ نیچ سمجھاتی رہتی ہوں

میرے اِن ہی مضامین کے مطالعہ کے بعد میری ایک بہن راحلہ عباسی نے مجھے ناگ پور سے ایک خط لکھا ہے اور اس خط میں بعض باتیں ایسی کہی ہیں جو اپنی جگہ بے حد وزنی اور قابلِ غور ہیں ہم سب ہی کو اُن کی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔ وہ لکھتی ہیں۔

"پچھلے زمانہ میں تو لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت پر تعلیم سے بھی زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ لیکن موجودہ زمانے کے لڑکوں اور لڑکیوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم تو دی جاتی ہے لیکن اُن کی صحیح تربیت کی جانب سے سب ہی کی آنکھیں بند ہیں۔ ہم لڑکیوں کو اچھی تربیت تو کیا دیں گے۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم گہوارے کے زمانہ ہی سے اُنہیں گمراہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور یہ مرض اب تقریباً ہر خاندان اور ہر گھر میں پھیل چکا ہے"۔

خط کی یہ عبارت پڑھنے کے بعد آپ سب اس سوچ میں پڑ گئے ہونگے کہ آخر یہ بہن کیا کہنا چاہتی ہیں۔ آور یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم خود ہی جان بوجھ کر اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو گمراہ کر دیں مگر اپنے خط میں اِن بہن نے بعض ایسی باتیں بتائی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ واقعی ہم کم عمر لڑکیوں کو گمراہی کی طرف لئے جا رہے ہیں۔ یہ لکھتی ہیں۔

"اِس بات کے سب ہی قائل ہیں کہ جوان لڑکیوں کو عشق و عاشقی اور آوارگی کی تربیت دینا بُرا ہے۔ لیکن اِس زمانہ میں یہ بات عام ہو گئی ہے کہ باپ بھائی اور بڑی بہنیں اپنی چھوٹی اور کم سن لڑکیوں اور بہنوں کو اپنے ساتھ سینما لے جانا کوئی عیب نہیں سمجھتے بلکہ اُنھوں نے سینما کے شوق کو ایک مشغلہ بنا لیا ہے۔ سینما کے پردے پر جو کچھ دکھایا جاتا ہے اُس سے کون واقف نہیں۔ اُس میں عشق و عاشقی ہوتی ہے۔ عریانی ہوتی ہے۔ بے حیائی ہوتی ہے۔ اور کھلی ہوئی آوارگی ہوتی ہے یہ بات ذرا سوچیئے کہ جب نوعمر اور سادہ دماغ لڑکیاں جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والے مناظر کو بار بار دیکھیں گی تو اُن کے دِل و دماغ پر اِس کا کیا اثر ہوگا۔ ایک زمانہ وُہ تھا جب ہم اپنی لڑکیوں کو عاشقانہ ناول اور قصّے بھی نہیں پڑھنے دیتے تھے اور ایک زمانہ یہ ہے کہ ہم بےحیائی اور عشق بازی کے مناظر انہیں خود ہی لے جا کر دکھلاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر نوعمر لڑکیاں گمراہ ہو جاتی ہیں تو اس میں اُن کا قصور کیا ہے۔ سارا قصور تو اُن کے سرپرستوں کا ہے جو اُن کے دل و دماغ میں زہر بھر رہے ہیں۔ اور یہ نہیں

سوچئے کہ یہ زہر ضرور رنگ لاکر رہے گا۔"

اِن بہن نے جو کچھ کہا ہے اُس کی صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے؟ یہ ایک حقیقت ہے کہ سینما کی وبا اب عام ہوگئی ہے اور بڑی خرابی یہ ہے کہ اس وبا اور بُرائی کو بُرا نہیں سمجھا جا رہا ہے۔ حالانکہ ایک نو عمر لڑکی جب بار بار عشق و عاشقی کے ہیجان پیدا کرنے والے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے گی تو ضرور اُس کے دل و دماغ پر اُن کا اثر ہوگا۔

بمبئی کے ایک فلمساز کا ایک بیان میں نے پچھلے دنوں ایک اخبار میں پڑھا تھا۔ جس میں اُنہوں نے بتایا تھا کہ "ہر سال سینکڑوں شریف گھرانے کی لڑکیاں فلم دیکھ کر ایکٹریس بننے کے لئے بمبئی بھاگ کر آتی رہتی ہیں اور وہ یہاں آکر اپنا سب کچھ برباد کر دیتی ہیں"۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ سینما کی لعنت نے ہمارے معاشرے کو بہت بُری طرح متاثر کیا ہے۔ اور ہم نے لڑکیوں کو سینما دکھا دکھا کر انہیں ایک ایسی ڈگر پر ڈال دیا ہے جو تباہ کن ہے۔ آگے چل کر یہی بہن پردے کے بارے میں لکھتی ہیں۔

"پردہ اگر آج اٹھ رہا ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اِس زمانہ میں پردہ فیشن کے خلاف ہے۔ چند نام نہاد "ترقی یافتہ" گھرانوں میں اسے ایک عیب سمجھا جانے لگا ہے بے پردگی کے علاوہ اِس زمانے میں لڑکے اور لڑکیوں کی ملی جلی تعلیم کو بھی ضروری سمجھا جانے لگا ہے۔ اگر اسکولوں کی لڑکیاں نہیں تو کالج میں تعلیم حاصل کرنے والی نوے فی صد لڑکیاں فرد لڑکوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ اور اکثر اوقات اسی تعلیم کے دوران ان کا رومانس بھی شروع ہو جاتا ہے۔ اور نہ جانے لڑکیاں کیا کیا کر گذرتی ہیں اور اِس غلطی کے بھی ذمہ دار ہم خود ہیں۔ اگر ہم نے اِن لڑکیوں کو ایسے کالجوں میں داخل کیا ہوتا جہاں ملی جلی تعلیم نہ ہوتی تو ہم بہت سی دشواریوں سے بچ جاتے۔"

اصل بات یہ ہے کہ اسلامی معاشرے اور اسلامی تعلیم سے ہٹ کر ہم جو بھی قدم اٹھائیں گے وہ ہمیں گمراہی کی طرف ہی لے جائے گا۔ اسلام نے عورت اور مرد کی یکجائی اور بے حجابانہ میل جول کی سختی سے مخالفت کی ہے۔ محض اِس لئے کہ ہمارے معاشرے میں اِس سے نئے نئے فتنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب ہم اسلام کو بالائے طاق رکھ دیں گے۔ عشق و عاشقی کا سبق دینے والی فلموں کو دیکھیں گے۔ پردہ کو جو ایک ضروری چیز ہے، خلاف فیشن سمجھنے لگیں گے اور عاقبت نا اندیش لڑکیوں کو نوجوانوں سے میل جول کا موقع دیں گے خواہ وہ تعلیم ہی کی صورت میں کیوں نہ ہو تو اُس کے بُرے نتائج کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہیئے۔ آگے چل کر اِن ہی بہن نے کچھ اور باتیں بھی کہی ہیں وہ اپنے خط میں لکھتی ہیں:

"میں ایسے بہت سے "ترقی یافتہ" نوجوانوں سے واقف ہوں جنہوں نے شادی کے بعد اپنے دوستوں سے اپنی بیویوں کے بے حجابانہ میل جول پر زور دیا۔ اور جب وہ بے حجاب ہوگئیں اور اُن کی آزادیاں بڑھیں تو اُن کے ہاں نئی نئی گھریلو الجھنیں اور رنجشیں پیدا ہونی شروع ہوگئیں۔ اور میں ایسے نوجوانوں سے بھی واقف ہوں کہ جنہوں نے مالی فائدہ کی خاطر اپنی پڑھی لکھی بیویوں کو عام دفتروں میں نوکری کے راستہ پر ڈال دیا ہے اور پھر اس کے بعد اُن کے ہاں طرح طرح کے جھگڑے اٹھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ زمانۂ حاضرہ کی لڑکیوں کی گمراہی میں اُن کے سرپرستوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔"

بہن راحلہ عباسی کے طویل خط کے یہ چند اہم حصے درج کرنے کے بعد میں اپنی بہنوں، بیٹیوں اور بھائیوں سے کہوں گی کہ اِن بہن نے جن معاشرتی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے وہ سب ہی نہایت اہم ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ عورت و مرد کا دائرہ عمل الگ الگ ہے۔ اِس لئے جب بھی عورتوں کو کسی ایسی راہ پر ڈال دیا جائے گا جہاں وہ غیر مردوں سے آزادانہ مل سکیں تو گھریلو زندگی میں ضرور پیچیدگیاں پیدا ہوں گی خواہ یہ پیچیدگیاں غلط فہمی پر ہی کیوں نہ مبنی ہوں۔

افسانہ

گناہگار کون

معاشرتی کمزوریوں کو اجاگر کرنیوالی کہانی



(از: جناب اقبال مجید)

جب کانفرنس ختم ہوگئی اور لوگ ہال میں کھانے کے لئے جانے لگے تو رجنی کی نگاہیں اجے کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اسے نہیں آیا تو وہ اپنے شوہر ہی کی برابر کھانے کی میز پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد اجے آگیا اور وہ ہاتھ میں پلیٹ لے کر رجنی کے قریب ہی کھڑے ہو کر کھانے میں مشغول ہوگیا۔ اور جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو کر جانے لگے تو وہ چاہتی تھی کہ اسٹیشن ویگن میں بھی اجے اس کے پہلو ہی میں بیٹھے۔ پچھلے چند دنوں سے وہ ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے تھے۔ رجنی نے اجے کو آواز دی۔

"آجایئے نا۔ نہیں تو بیٹھنے کو جگہ نہیں مل سکیگی"۔

وہی ہوا جس کے لئے وہ ڈر رہی تھی۔ اجے اسٹیشن ویگن میں داخل ہوا تو اُسے جگہ نہ مل سکی اور اُسے کھڑا ہونا پڑا۔ دسمبر کی ٹھٹھرتی ہوئی رات تھی جس میں کہ ہاتھ ٹھٹھرے جارہے تھے۔ اجے نے اپنا ایک ہاتھ بڑھا کر ایک دوست سے کہا۔

"ذرا میرا ہاتھ چھو کر دیکھو برف بھی اتنی ٹھنڈی نہیں ہوتی"۔ اُس کے ساتھی نے تو ہاتھ کو چھو کر نہیں دیکھا لیکن رجنی جو قریب ہی بیٹھی تھی اُس کا ہاتھ فوراً اٹھ گیا۔ اور اجے کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر بولی "سچ مچ یہ تو برف ہو رہا ہے"۔

اجے بولا "ہوا بہت تیز ہے۔ لوہے کی سلاخ جیسے میں پکڑے ہوئے ہوں۔ برف کا ٹکڑا ہی ہوگیا ہے"۔

اسٹیشن ویگن تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں سب اونگھنے لگے۔ نہ جانے کب اور کیسے اجے کا ہاتھ گرم چادر میں لپٹی ہوئی رجنی کے ہاتھ سے چھو گیا۔ اور رجنی نے اُس کے سرد ہاتھ کو گرمی پہنچانے کے لئے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اُس گرفت میں جو اپنائیت اور وارفتگی تھی وہ آنے والی ایک قیامت کی نشاندہی کر رہی تھی۔ دونوں کے دلوں میں ایک طوفان سا اٹھ رہا تھا۔ اب رجنی اجے کے ٹھنڈے ہاتھ کو اپنی شال کے اندر مضبوطی سے تھامے ہوئی تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے رجنی کو اپنے شوہر کے علاوہ کسی نئے سہارے کی ضرورت ہو۔

کتنے ہی دنوں سے وہ ایک دوسرے کے قریب آتے چلے جارہے تھے کتنی ہی شامیں اجے نے رجنی کے ڈرائنگ روم میں کبھی رجنی اور کبھی اُس کے شوہر کے ساتھ تاش کھیل کر گپیں لڑا کر چائے کی پیالیاں خالی کر کے اور ہنس ہنس کر گذاری تھیں۔ لیکن آج وہ دونوں یہ محسوس کر رہے تھے جیسے کہ اُن کی قربت اور بھی بڑھ گئی ہو۔

رات کے بارہ بجے اسٹیشن ویگن نے رجنی اور اُس کے شوہر کو اُن کے دروازے پر اُتار دیا۔ اجے کو دوسری کالونی میں اُترنا تھا۔ رخصت کے وقت دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ نہ کہا۔ اس خاموشی میں بلا کا اطمینان تھا۔ شام جب اجے رجنی کے گھر پہنچا رجنی اکیلی تھی۔ اُس کا شوہر دفتر سے نہیں آیا تھا۔ دوسرے کمرے میں اُس کا بڑا لڑکا اپنے ہوم ورک میں منہمک تھا۔ اجے کو چائے کا پیالہ دیتے ہوئے وہ بولی۔

"ناگر سب جان چکا ہے"۔

"کیسے؟" اجے اچھل پڑا۔

"وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا" اجے کے ہاتھ کو بہت ٹھنڈ لگ رہی تھی کل رات؟"

"کیا اُسے شک ہو گیا ہے"۔

"شاید اُس نے دیکھ لیا تھا۔ شک نہیں بلکہ اُسے یقین ہوگیا ہے۔ میں نے بہت باتیں بنائی پر وہ مان نہیں رہا ہے"۔

اجے نے نظر بھر کر رجنی کو دیکھا۔ اُس کے سامنے وہ عورت کھڑی تھی جس کی آنکھوں میں پشیمانی کا دور دور تک احساس نہ تھا۔ اُسے یاد آیا۔ کتنی ڈوب کر رجنی اُس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے سہلا رہی تھی۔

گھر گرہستی چلانے والی ایک عورت، صاف ستھرا سجا سجایا گھر۔ دو بچے ایک اچھی کمائی کرنے والا شوہر، درمیانہ طبقے کی زندگی اور اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں اور محرومیاں، کہیں کچھ کم نہ تھا، کہیں بھی کوئی دراڑ نہ تھی۔ بچوں کی سالگرہ پر دوستوں کی محفلیں، ساں کے بے لاگ قہقہے، باپ کی زندہ مسکراہٹیں نام، عزت، رتبہ کہیں بھی کوئی جھول ڈھیلی نہ تھی۔

پھر بھی رجنی نے وہ کپکپاتے ہوئے ہونٹ، سانسوں کا وہ غیر معمولی زیروبم، باہوں کی وہ بے پناہ گرفت۔ جس نے اسے کو اپنے آپ میں بھر لیا نجانہ جانے کن صحراؤں اور بیابانوں کی طرف لیئے جا رہے تھے۔

وہ دو نوں درمیانے طبقے کے عاشقوں کی طرح کچھ روز ایک دوسرے سے ملتے رہے۔ ایک روز رجنی سے رخصت ہوتے ہوئے اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے بوسہ دیا اور چلا گیا۔

دوسرے دن جب وہ رجنی سے ملنے گیا تو گھر پر بہت سے لوگ تھے رجنی کا شوہر بھی تھا۔ رجنی سے کوئی بات نہ ہوئی۔ ہاں چلتے وقت دروازے پر رجنی نے اُسے ایک کاغذ تھما دیا۔ بڑے اختصار کے ساتھ رجنی نے لکھا تھا کہ ناگر نے اُسے اس کا ہاتھ چومتے ہوئے دیکھ لیا ہے، اُسے اپنا آنا جانا کم کر دینا چاہیئے۔ اور آئندہ احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔

ایک دن جب رجنی اپنے مائیکے گئی ہوئی تھی اور اسے کی ناگر سے ملاقات ہوئی اور دونوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر چائے پی تو اُس نے کوئی لمبی چوڑی باتیں نہیں کیں۔ اُس نے کوئی ڈرامہ بھی نہیں کیا۔ بس یکایک وہ بھرے گلے سے اتنا ہی کہہ سکا کہ اس کا ایک بہت ہی خوبصورت خواب ٹوٹ چکا ہے۔ اُس کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے اُسے وہ کوئے معنی دے۔ اُس سے کیا کہہ کر پکارے شاید دنیا کے پاس ایسا کوئی لفظ نہیں ہے۔ اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا

ایسے بیسر سو رہے کے ایک معمولی آدمی کی طرح ناگر کو جھٹلاتا رہا مگر وہ بے تعلق اور بے بساط لفظوں کی تکرار کے ساتھ وہ صورتِ حال کی تلخیوں کو ناگر کے جذبات کی گرد اشوؤں کو پیتا پوچھتا رہا۔

احتیاط بڑھی اور ساتھ ساتھ بے چینی بھی۔ اور انہی احتیاط کے دنوں میں اینے کے تبادلے کا حکم آ گیا۔ ایسے جب وہ شہر چھوٹ گیا اور وہ عورت آنکھوں سے دُور ہو گئی تو اُسے لگا کہ زندگی نے اُسے ایک بار پھر دھوکہ دیا ہے۔ اُس کا خواب ادھورا رہ گیا ہے

ایک دن اُس کو اپنی ڈاک میں ایک لفافہ ملا۔ رجنی نے اُسے اپنا ذاتی

چنہ بیٹھا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ناگر کا گھر چھوڑ کر وہ اپنی بہن کے پاس جمشید پور چلی گئی ہے۔ بڑا لڑکا اُس کے ساتھ ہے لیکن چھوٹا لڑکا ناگر نے اُسے نہیں دیا ہے۔ دونوں کے تعلقات بے حد ناخوش گوار ہو چکے ہیں۔ اب وہ اس گھر میں ایک دن بھی نہ رہ سکے گی۔ اُس نے یہ بھی لکھا تھا کہ ان ناخوش گواریوں کا سبب اجے نہیں ہے بلکہ ایسی چند باتیں ہیں جو دُنیا کی کوئی باعزت عورت برداشت نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اب وہ طے کر چکی ہے کہ کسی دفتر میں اسٹینو کے عہدے پر کام تلاش کرے گی جو وہ شادی سے پہلے کرتی تھی۔

اجے نے اُسے جواب میں جو کچھ لکھا وہ اُس کا اپنا غم تھا۔ اُس نے خط کی سطروں پر انگارے انڈیل دیئے۔ ایک ایک لفظ عشق کی دیوانگی اور محبت کے رس میں لپٹا ہوا تھا۔ بس ایک سوال اور ایک مُطالبہ تھا۔ تنہائی کے چند گھنٹے اور ایک مُلاقات۔ اِس لیے کہ ساری زندگی اُنھیں کھوسے گی اور وہ اُس بے رحم حالات کا ہر لمحہ اور ہر پل شکار رہیں گے جو بناوٹی اور جھوٹی زندگی جینے والوں کا مقدر ہیں۔ اُس نے لکھا "تم جیسی بھی ہو میری ہو، اِس لئے میری ہو کہ میری رُوح تمہیں مانگ رہی ہے۔ رُوح کا یہ مطالبہ کتنا ہی عارضی کیوں نہ ہو لیکن سچا ہے۔ تم جہاں بھی رہو جس کے ساتھ بھی زندگی گزارو اُس سے اِس مطالبے کو غرض نہیں ہے۔ بس تمہیں ایک بار ملنا ہوگا وہ مُلاقات جہاں کوئی پردے نہیں ہوتے، کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

رجنی کا خط آیا، اُس نے اجے کو ملاقات کی ایک تاریخ لکھ کر بھیجدی تھی۔ لیکن اس عرصے میں شوہر سے اُس کی جُدائی کے کتنے ہی دن بیت چکے تھے اُس کے شوہر نے اُسے جانے کہاں کہاں تلاش کیا تھا رجنی کو مختلف پتوں پر خط لکھے تھے اور جب اُسے رجنی کا صحیح پتہ ٹھکانا معلوم ہوا تھا تو وہ وہاں بھاگا ہوا آیا تھا۔ اسے گھر چلنے کو کہا تھا

جب ملاقات کی تاریخ قریب آئی تو رجنی نے اجے کو خط لکھا کہ چھوٹے بچے کی حالت دیکھی نہیں جاتی، گھر سُنا ہے کہ اُجاڑ رہتا ہے۔ اب وُہ جمشید پور سے واپس اپنی والدہ کے پاس جا رہی ہے، جہاں ہفتے میں ایک بار وہ اپنے شوہر کے پاس چلی جایا کرے گی۔ اگرچہ اُسے اُمید نہیں ہے کہ ناگر کے مزاج میں کوئی تبدیلی آئی ہوگی لیکن وہ ایک اور موقع دینا چاہتی ہے۔ اُس نے اجے کو تاکید کی تھی کہ اُس کی دی ہوئی تاریخ پر اجے کا ملنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اُس کی زندگی کی ساری کامرانیاں اب صرف اِسی ایک ملاقات پر منحصر ہیں۔ اگر وہ نہ آیا تو نہ جانے کیا ہو جائے گا۔ پھر ایسا ہوگا جس کا زندگی میں پھر کبھی ازالہ نہ ہو سکے گا۔ وہ مرتے مرتے پھر کبھی معاف نہ کر سکے گی کیونکہ وہی ایک موقع ہوگا جب اُسے اجے سے کچھ کہنا ہے۔

ایک گھر، ایک عورت، ایک مرد اور بچے۔ وہ گھر جہاں اُس نے رجنی کو ایک گھر والی کی طرح ہزاروں خوشیاں بکھیرتے دیکھا تھا۔ پھر اُسے رجنی کا وہ پُراسرار جملہ یاد آجاتا جو اُس نے ایک بار اجے کو خط میں لکھا تھا "اِن ناخوش گواریوں کا سبب اجے نہیں ہے بلکہ ایسی چند باتیں ہیں جو دنیا کی کوئی باعزت عورت برداشت نہیں کر سکتی"۔

اور پھر ملاقات کی وہ تاریخ آئی وہ دونوں ایک ہوٹل میں ملے جہاں انہوں نے ایک کمرہ لیا۔ اجے پہلی بار ایک ایسی رجنی کو دیکھ رہا تھا جو اپنے پچھلے سیاق و سباق سے کٹ کر اپنا ایک ایسا وجود لئے اُس کے سپرد ہو چکی تھی جو کسی کو جواب دہ نہ تھا۔ اِس وجود کا دھڑکتا ہوا دل اور اُس کی ایک ایک آہٹ بڑی مانوس ہوتے ہوئے بھی بڑی سنسنی خیز اور جادو کی تھی یہ نیا تعلق یہ نئی قربت اور محسوسات کی یہ نئی ہم آہنگی اور اِن کے پیچھے دل کی آگ اور اِس آگ میں تڑپتی ہوئی وہ نئی دُنیا جس کی پہلی آہٹ اجے نے رجنی کے ہاتھوں پر اپنے ہونٹ رکھ کر رکھدی تھی اِس مُلاقات کے موقعہ پر رجنی نے اسے بتایا۔

" ناگر اپنی ترقی اور اپنے منصب کے لیئے مجھے دوسروں کو پیش کرنا چاہتا ہے، یہ وہ تب سے چاہ رہا ہے جب میرے پہلا بچہ بھی نہیں ہوا تھا میرے انکار پر وہ مجھ سے لڑتا ہے، کبھی کبھی مارتا بھی ہے۔ میں نے گھر چھوڑ دیا۔ بچوں کی بربادی دیکھی۔ لوگوں کے طعنے سُنے، تنہائی کا درد سہا۔ اب وُہ معافی مانگ رہا ہے، پر جانے کب وُہ جنگلی ہو جائے پہلے بھی وہ ایسا کر چکا ہے۔ تب ہی میں نے سوچا تھا جس مرد کو میں چپکے چپکے پسند کرتی رہی، بار بار جس کے سینے سے لگ جانے کو من کرتا رہا۔ جس کی آواز جس کی باتیں مجھے گھنٹوں سوہتی رہیں لیکن میں من مارتی رہی۔ اگر مجھے کسی دوسرے مرد کے پاس جانا ہے تو سب سے پہلے اُس مرد کو اپناؤں گی جو کسی نہ کسی روپ میں میرا ہے اور تب ہی اُس رات میں نے تمہاری انگلی پکڑی تھی۔ اور اسی مقصد کو لے کر میں تم سے ملنے آئی ہوں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے۔ اپنی نئی زندگی بنانے کے لئے

یہ کہہ کر رجنی اجے کے سینہ پر سَر رکھ کر رو رہی تھی۔ اجے خاموشی کے ساتھ اُس کی داستان سُن رہا تھا۔ یا یوں کہیئے کہ ایک ہراساں اور پریشان عورت کے جذبات سے کھیل رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ جو عورت ایک مرد کی نہ ہو سکی

کیا وہ دوسرے فرد کے لئے وفادار ثابت ہو سکتی ہے۔ پھر اسے تو آئندہ کی موہوم اُمیدوں کا سبز باغ دکھا کر رجنی کو رخصت کر دیا۔

رجنی کا وہی پرانا گھر ہے۔ وہی شوہر ہے اور اُس کے ساتھ آئے دن کے وہی جھگڑے ہیں۔ وہ آج بھی اچھے دنوں کا انتظار کر رہی ہے۔ لیکن اب اُسے ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے اچھے دن جو اُس نے دیکھے تھے۔ کبھی پورے نہیں ہوں گے۔ وہ کچھ افسردہ اور پژمردہ سی ہے۔ جیسے اُس سے کوئی بڑی غلطی سرزد ہو چکی ہو اور کسی بہت بڑے گناہ کا ارتکاب اُس سے ہو گیا ہو۔

لیکن پھر وہ سوچنے لگتی ہے کہ آخر اس گناہ کا ذمہ دار کون ہے۔ وہ خود یا اُس کا وہ شوہر جس نے اُسے غلط ڈگر پر ڈالنے کی کوشش کی تھی اور اسے گناہ کی ترغیب دی تھی۔ اور اس گناہ کی ترغیب کا سہارا پاکر تو وہ جذبات کے سیلاب میں بہہ گئی تھی۔ گناہ خواہ شوہر کا ہی کیوں نہ ہو لیکن ملزم عورت ہی قرار دی جاتی ہے اور یہ سب باتیں سوچ کر وہ زندگی سے کچھ بیزار سی ہو گئی ہے۔ اس کا ضمیر نہ جانے کیوں اُس پر ملامت کر رہا تھا۔

حج کمیٹی اعلان بابت حج ۱۹۶۹ء

(۱) ۱۹۶۹ء میں حج کے مبارک سفر کا ارادہ رکھنے والوں سے حج کمیٹی نے درخواستیں طلب کی ہیں۔

(۲) اس سال مغل لائن کے دو جہاز" ایم وی اکبر" اور ایم وی نورجہاں" کے کل نو پھیرے ہوں گے اور ان کے ذریعہ انشاء اللہ پندرہ ہزار حاجی جدّہ جا سکیں گے۔

(۳) کرایہ کی رقم کے ڈرانٹ کے ساتھ براہِ راست حج کمیٹی کو درخواست دی جائے۔

(۴) درخواست قبول کرنے کی آخری تاریخ ۲۶ر مئی ۱۹۶۹ء ہے اس تاریخ سے قبل درخواست حج کمیٹی کے دفتر، صابو صدیق مسافر خانہ، لوکمانیہ تلک مارگ بمبئی ۱۔۔۔۔ میں پہنچ جانی چاہیئے۔

(۵) درخواست کے فارم کرایہ کی اور دیگر مطالبات کی تفصیل اور درخواست فارم کی خانہ پُری کے متعلق مفصل ہدایات جو چھاپی گئی ہیں اپنے صوبے کی حج کمیٹی سے یا خط لکھ کر براہ راست حج کمیٹی کے دفتر بمبئی سے حاصل کیجئے۔

(۶) درخواستوں کی وصول کی تاریخ گذر جانے کے بعد ضرورت ہو تو قرعہ اندازی ہوگی اور قرعہ میں کامیاب ہونے والے خوش نصیب عازمین حج کو دفتر سے اس کی اطلاع دی جائے گی۔

(۷) درخواست کے فارم صوبائی حج کمیٹیوں کے دفتر سے اور خط لکھنے پر براہ راست حج کمیٹی کے دفتر بمبئی سے ملیں گے۔ درخواست اس فارم پر ہو جو حج کمیٹی نے جاری کیا ہے کسی اور فرد یا ادارے کو درخواست فارم چھاپنے کی یا درخواست وصول کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۸) چونکہ ابھی بہت سے بھائی بہن حرف شناس نہیں ہیں اس لئے پڑھے لکھے بھائیوں سے درخواست ہے کہ یہ اطلاع عازمین حج تک پہنچائیں اور اس کام میں ان کی مدد کریں:

قاضی محمّد امین
ایگزیکٹیو آفیسر

حج کمیٹی انڈیا ـ حج سیزن ۱۹۶۹ء

عازمین حج کے جہازوں کی بمبئی سے روانگی اور جدہ سے واپسی کا پروگرام

نمبر	نام جہاز	بمبئی سے روانگی	ترسیل جدّہ
	جانیوالے جہاز قبل از رمضان		
۱	نورجہاں	۱۰ر جولائی ۱۹۶۹ء	۱۹ر جولائی ۱۹۶۹ء
۲	اکبر	۱۴ر جولائی ۱۹۶۹ء	۲۳ر جولائی ۱۹۶۹ء
	رمضان شریف کے شروع میں: ـ		
۳	نورجہاں	۳۱ر جولائی ۱۹۶۹ء	۹ر اگست ۱۹۶۹ء
	رمضان شریف کے بعد: ـ		
۴	اکبر	۳۰ر اگست ۱۹۶۹ء	۸ر ستمبر ۱۹۶۹ء
۵	نورجہاں	۸ر ستمبر ۱۹۶۹ء	۱۵ر ستمبر ۱۹۶۹ء
۶	اکبر	۱۹ر ستمبر ۱۹۶۹ء	۲۷ر ستمبر ۱۹۶۹ء
۷	نورجہاں	۲۵ر ستمبر ۱۹۶۹ء	۳ر اکتوبر ۱۹۶۹ء
۸	اکبر	۷ر اکتوبر ۱۹۶۹ء	۱۶ر اکتوبر ۱۹۶۹ء
۹	نورجہاں	۱۲ر اکتوبر ۱۹۶۹ء	۲۰ر اکتوبر ۱۹۶۹ء

نمبر	نام جہاز	جدہ سے روانگی	ترسیل بمبئی
	واپس آنے والے جہاز		
۱	نورجہاں	۸ر نومبر ۱۹۶۹ء	۱۵ر نومبر ۱۹۶۹ء
۲	اکبر	۱۰ر نومبر ۱۹۶۹ء	۱۸ر نومبر ۱۹۶۹ء
۳	نورجہاں	۲۵ر نومبر ۱۹۶۹ء	۲ر دسمبر ۱۹۶۹ء
۴	اکبر	۲۸ر نومبر ۱۹۶۹ء	۷ر دسمبر ۱۹۶۹ء
۵	نورجہاں	۱۲ر دسمبر ۱۹۶۹ء	۱۹ر دسمبر ۱۹۶۹ء
۶	اکبر	۱۷ر دسمبر ۱۹۶۹ء	۲۶ر دسمبر ۱۹۶۹ء
۷	نورجہاں	۲۹ر دسمبر ۱۹۶۹ء	۵ر جنوری ۱۹۸۰ء
۸	اکبر	۵ر جنوری ۱۹۸۰ء	۱۲ر جنوری ۱۹۸۰ء
۹	نورجہاں	۱۶ر جنوری ۱۹۸۰ء	۲۳ر جنوری ۱۹۸۰ء



مفلسی مصیبت بیماری اور پریشانی کا مجرب علاج

اعمال و وظائف کی بے پناہ طاقت

اولیائے کرام کے وہ پانچسو مجرب اعمال و نقوش جنھوں نے ہزاروں مایوسوں کی قسمتوں کو بدل دیا

یہ حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خدائے اعمال و وظائف یعنی اللہ کے کلام میں وہ بے پناہ طاقت پوشیدہ رکھی ہے کہ اعمال کو اگر صحیح طریقہ پر پڑھا جائے یا نقوش کو صحیح اوقات میں لکھا جائے تو ان لوگوں کی قسمتیں بدل جاتی ہیں۔ بیماروں کو ... سے نجات مل جاتی ہے۔ بگڑے ہوئے کام آن کی آن میں درست ہو جاتے ہیں۔ اور اعمال کے پڑھنے والے نہ صرف مالا مال ہو جاتے ہیں بلکہ محبوب خلائق بھی بن جاتے ہیں لیکن اعمال و وظائف کی پوشیدہ طاقت صرف اسی حالت میں اپنا کرشمہ دکھاتی ہے جبکہ اعمال و وظائف کو اولیائے کرام کے بتائے ہوئے صحیح طریقہ پر پڑھا جائے اور نقوش کو صحیح اوقات میں بزرگان دین کے مقرر کردہ طریقوں پر لکھا جائے۔ تو حضرات اعمال و وظائف کا زندہ کرشمہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ آج ہی اس فن پر سب سے مستند کتاب "عملیات" منگالیں جس کو ایک زبردست عالم دین نے پچاس سال کی محنت و جستجو کے بعد مرتب کیا ہے۔

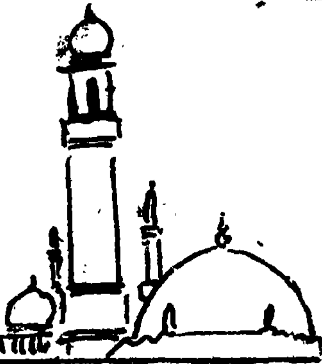
عملیات
مرتبہ مولانا سید محمد احمد خواجہ ... پوری

فی الحقیقت اعمال و وظائف اور نقوش نویسی کے فن پر سب سے مستند کتاب ہے جس میں اعمال و وظائف کے بارے میں مکمل معلومات ہے۔ برجوں اور سیاروں کی پوری تفصیل ہے۔ ہر شخص کا طالع جاننے کے طریقے درج ہیں۔ سیاروں کو مسخر کرنے کے اعمال درج ہیں۔ اور اعمال حسنہ پر مکمل بحث ہے۔ بے شمار محبت کے اعمال درج ہیں۔ لاتعداد عداوت کے اعمال درج ہیں اور کشائش رزق، تسخیر محبوب اور چور کی شناخت، کامیابی مقدمات اور مختلف امراض کے لئے اولیائے کرام کے بتائے ہوئے سینکڑوں مستند اعمال و نقوش درج ہیں

کتاب عملیات کے خاص خاص ابواب یہ ہیں

حقیقت یہ ہے کہ اعمال و وظائف اور نقوش نویسی کے فن پر یہ اردو کی پہلی کتاب ہے جسکو بڑی تحقیق کے بعد مرتب کیا گیا ہے اور جس میں اولیائے کرام اور بزرگان دین کے سینکڑوں نہایت مجرب اعمال و نقوش درج ہیں

قیمت مجلد مع خوشنما دستی کور صرف سات روپے بچاس پیسے



دُنیائے اسلام پر ایک نظر

مرتضیٰ بھٹو باپ کے قتل کا انتقام لیں گے

مکہ معظمہ کیلئے خطرہ، مصر کے بعد اردن پر اسرائیل کی نظریں

ہمارے سیاسی مبصر کے قلم سے

مرتضیٰ بھٹو باپ کے قتل کا انتقام لینگے

لندن کے ایک بہت بڑے اجتماع کے روبرو تقریر کرتے ہوئے مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کے بڑے صاحبزادے مرتضیٰ بھٹو نے کہا ہے کہ "میرے باپ کو غیر ملکی سازش کے تحت اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لئے جنرل ضیاء نے قتل کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اقرار جرم کرانے کی کوشش میں میرے باپ کو پھانسی دینے سے قبل ہی شہید کیا جا چکا تھا۔ یہ پھانسی تو محض تماشہ تھی۔ یہ اتنا بڑا ظلم ہے جسے کسی طرح بھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ وہ دن دور نہیں ہے جب میں اپنے باپ کے خونِ ناحق کا انتقام لوں گا اور ظالموں کا انجام وہی ہوگا جو ہٹلر اور مسولینی کا ہوا تھا۔"

یہ امر واقعہ ہے کہ مرحوم بھٹو پر اقرار جرم کرانے کی غرض سے اتنی زیادتیاں کی گئیں کہ وہ پھانسی پانے سے قبل ہی ان زیادتیوں کی تاب نہ لا کر ہلاک ہوگئے اور ان کی مُردہ لاش کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا گیا تھا۔ چنانچہ برطانوی اخبار ڈیلی ایکسپریس نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ "پاکستان کے سابق وزیر اعظم مسٹر بھٹو کو گذشتہ ماہ پھانسی نہیں دی گئی تھی بلکہ اُن کی موت کا باعث وہ اذیت تھی جو جیل میں انہیں پہنچائی گئی۔ فوجی اُن سے اقبال جرم کرانا چاہتے تھے جس کے لئے وہ مظالم توڑے گئے کہ جن کی تاب نہ لا کر بھٹو نے جان دیدی اور ضیاء سرکار نے اس قتل کی واردات کو چھپانے کے لئے انہیں پھانسی دینے کا ڈھونگ رچایا ہے۔"

انگریزی برطانوی اخبار نے اس سلسلہ میں پاکستانی پنجاب کے سابق گورنر غلام مصطفےٰ کا حوالہ دیا ہے جنہوں نے اخبار ڈیلی ایکسپریس کے نمائندہ کو بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ "مسٹر بھٹو کی موت اور انہیں دی گئی فرضی پھانسی کے بارے میں انہوں نے اعلیٰ ترین افسران سے بتایا ہے کہ دراصل بھٹو کو ہلاک کیا گیا ہے اُن کی پھانسی بالکل ڈرامہ تھی۔"

ڈیلی ایکسپریس ہی کا کہنا ہے کہ "اگرچہ اس وقت پاکستان میں خاموشی ہے لیکن فوجی حکومت کے خلاف اندر ہی اندر آگ بھڑک رہی ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کل پاکستان میں کونسا انقلاب رُونما ہو جائے۔"

مکہ معظمہ کے لئے خطرہ

سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ فہد نے حال ہی میں لندن کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے چند باتیں ایسی کہی ہیں جن سے کہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اب اسرائیل سے مکہ معظمہ کو بھی خطرہ پیدا ہو گیا ہے چنانچہ شہزادہ فہد سے جب ایک اخباری نامہ نگار نے یہ سوال کیا کہ کیا سعودی عرب بیت المقدس کی بازیابی کے لئے جنگ کے لئے تیار ہے تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا۔

"بیت المقدس کی بازیابی کے لئے اگر جنگ ہوئی تو سعودی عرب پوری طرح جنگ میں حصہ لے گا اور اس مسئلہ پر عرب، اسرائیل سے کسی قسم کا سودا نہیں کریں گے کیونکہ بیت المقدس کے بعد اسرائیل کا دوسرا قدم مکہ معظمہ کی جانب اُٹھ سکتا ہے۔"

واقعہ یہ ہے کہ صیہونی تحریک کا مقصد یہی ہے کہ وہ ایک ایک کر کے مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ جمائیں چنانچہ انہوں نے اپنے مجوزہ منصوبہ جات میں جو علاقے شامل کر رکھے ہیں ان میں بیت المقدس کے بعد مکہ معظمہ سرِ فہرست ہے۔

"عربوں کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ مصر جیسا اہم عرب ملک عربوں سے ٹوٹ کر اسرائیل سے جا ملا ہے اور صدر انور سادات نے عربوں سے غداری کر کے عرب ممالک کے لئے نئے نئے خطرات پیدا کر دیئے ہیں اور عام اندیشہ یہ ہے کہ اب اگر عرب و اسرائیل جنگ لڑی گئی تو اسرائیل کا سب سے بڑا فوجی ہیڈ کوارٹر مصر بنے گا۔

یہ بات یاد رہے کہ اسرائیل صرف عرب ممالک کے تیل ہی کو للچائی ہوئی نظر سے نہیں دیکھ رہا ہے بلکہ وہ مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کا بھی سب سے بڑا دشمن ہے اور اس کی بدنیتی کو عرب حلقوں میں بڑی طرح محسوس کیا جا رہا ہے۔

مصر کے بعد جارڈن پر اسرائیل کی نظر

سب ہی کو معلوم ہے کہ امریکی ڈالروں کی چمک نے مصر کو امریکہ اور اسرائیل کا حلقہ بگوش بنا لیا ہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ اسرائیل نے مصر کے بعد جارڈن پر بھی ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں اسرائیل نے صلح کی بات چیت کے لئے جارڈن کو دعوت بھی دی تھی۔

تازہ اطلاع ہے کہ جارڈن نے اس پیشکش کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسرائیل کی اس پیشکش کا مقصد دراصل مصر کے ساتھ اسرائیل کے ناجائز سمجھوتے کو جائز بنانے کی کوشش ہے

جارڈن کے ایک وزیر مسٹر ابوعودہ نے رائیٹر کے نمائندے کو بتایا ہے

کہ اسرائیل کے وزیر اعظم بیگن نے کل شاہ حسین سے مذاکرات شروع کرنے کی اپیل کی تھی۔ سب ہی کو معلوم ہے کہ ان مذاکرات کا مقصد صلح نہیں ہے بلکہ مقبوضہ عرب علاقوں پر مستقل طور پر غاصبانہ قبضہ برقرار رکھنا ہے۔ مسٹر عودہ نے کہا ہے کہ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ جارڈن امن مذاکرات میں شامل ہو یا نہ ہو بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اسرائیل تمام مقبوضہ علاقوں کو خالی کرے بیت المقدس عربوں کو واپس دیا جائے اور فلسطینیوں کی آزادی و خود مختاری کو تسلیم کیا جائے۔

وزیر موصوف نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل درست ہے لیکن ایسی حالت میں جبکہ صدر سادات نے مصر کو امریکہ اور اسرائیل کے ہاتھ فروخت کر کے ایک غلط مثال قائم کر دی ہے تو پھر اسرائیل کو کیا ضرورت ہے کہ وہ مقبوضہ علاقے واپس کرے۔

اور جارڈن، سوریا، شام یا دوسرے عرب ممالک اب ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا ہے کہ وہ جنگ کے ذریعے اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے لیں لیکن جب مصر جیسے غدار عرب ممالک میں موجود ہوں تو عربوں کے لئے جنگ میں فتح کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔

افغانستان میں بڑھتی ہوئی بغاوت

افغانستان میں نور محمد ترا کی کی کمیونسٹ حکومت کے خلاف بغاوت دن بدن تیز ہوتی جا رہی ہے۔ اگر کسی ایک علاقے میں بغاوت دب جاتی ہے یا دبا دی جاتی ہے تو دوسرے علاقے میں شدت اختیار کر لیتی ہے۔

اسلام آباد کی اطلاع ہے کہ افغانستان سے آنے والے مسافروں نے بتایا ہے کہ مشرقی افغانستان کے ایک شہر پر گوریلوں نے قبضہ کر کے وہاں سے حکومت کے حامیوں کو نکالنا شروع کر دیا ہے اور وہ لوگ سرسری عدالتیں قائم کر کے لوگوں کو سزائیں بھی دے رہے ہیں۔ چنانچہ مسافروں کا کہنا ہے کہ حکمران پارٹی کے کچھ لوگ اس شہر سے فوجی لاریوں کے ذریعہ بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے کہ جن کو گوریلوں نے گرفتار کر لیا ہے اور بارہ لاریوں پر قبضہ جما لیا ہے۔

یہ بھی پتہ چلا ہے کہ کنار صوبہ پر بھی حکومت کی گرفت کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اخباری نمائندوں کا خیال ہے کہ اگر افغانستان میں حزب مخالف کے گروپ متحد ہو جائیں تو افغانستان کی موجودہ

حکومت کا آسانی سے تختہ الٹا جا سکتا ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ افغانستان کی کمیونسٹ حکومت کے خلاف پورے ملک میں بدظنی پھیل چکی ہے۔

اسلام آباد ہی کی ایک اور اطلاع ہے کہ افغانستان کے مسلح مجاہدین نے تین سو افغانی سپاہیوں کو گرفتار کر لیا ہے اور تقریباً ۳۰ بکتر بند گاڑیوں اور بھاری اسلحہ پر اُن کا قبضہ ہو گیا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ افغانستان میں پھیلی ہوئی یہ بغاوت دبنے والی نہیں اور موجودہ افغانستان کی کمیونسٹ حکومت کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے۔

فلسطینیوں کو خودمختاری دینے سے انکار

اسرائیلی وزیر اعظم مسٹر بیگن نے صاف الفاظ میں فلسطینیوں کو خودمختار ریاست دینے سے انکار کر دیا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں انہوں نے بیت المقدس میں ایک بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ ”اردن کے مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں کسی فلسطینی ریاست کی تشکیل کی اجازت اسرائیل کسی قیمت پر بھی نہیں دے سکتا۔“

اور حال ہی میں ایک ریڈیو انٹرویو میں بھی انہوں نے کہا ہے کہ ”کیمپ ڈیوڈ میں اسرائیل آبادیوں کو خودمختاری دینے کا اسرائیل نے وعدہ ضرور کیا ہے لیکن اُن کے لئے کسی خودمختار ریاست کی تشکیل کر کے ہم اپنی آئندہ نسلوں کے لئے غداری نہیں کر سکتے کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو اسرائیلی باشندوں کے لئے شدید مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔“

مسٹر بیگن نے اپنے انٹرویو میں یہ بھی کہا ہے کہ ”بیت المقدس اسرائیل کی راجدھانی ہے اسے ہم ہر حالت میں برقرار رکھیں گے۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم بیت المقدس کا کوئی حصہ بھی عربوں کے حوالے کر دیں۔“

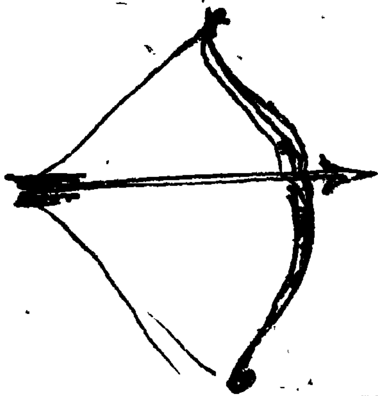
مسٹر بیگن کے اس بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انور سادات نے اسرائیل سے صلح کر کے کتنی بڑی غداری کی ہے۔ کسی زمانہ میں انور سادات فلسطینیوں کی آزاد ریاست کے بہت بڑے حامی تھے لیکن اُنھوں نے اسرائیل سے صلح کر کے فلسطینیوں کی خودمختاری کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ اُنھوں نے اسرائیل سے محض عربوں کے مفاد کی خاطر صلح کی ہے لیکن اس صلح کا نتیجہ یہ ہے کہ وزیر اعظم اسرائیل فلسطینیوں کے معاملہ میں اور بھی سخت ہو گئے ہیں۔

انور سادات کی محسن کشی

یہ بات سب ہی کو معلوم ہے کہ سعودی عرب ہی وہ واحد ملک ہے جس نے کہ نازک ترین حالات میں مصر اور انور سادات کی کروڑوں نہیں بلکہ اربوں ڈالروں سے امداد کی ہے۔ لیکن آج جبکہ انور سادات کی عربوں سے غداری کی بنا پر سعودی عرب نے مصر کی امداد میں کمی کر دی ہے۔ تو صدر سادات بری طرح سعودی عرب کے سربراہوں سے برہم ہیں۔ چنانچہ انہوں نے سعودی خاندان کے خلاف زہر افشانی کرتے ہوئے سادات قاہرہ میں ایک بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ ”سعودی حکمران اب مصر کو ایف ۵ ای طیاروں کی فراہمی کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کے معاملہ میں بھی پس و پیش سے کام لے رہے ہیں۔ سعودی لیڈر ایران کے آیت اللہ خمینی اور دوسرے حلقوں کی دھمکیوں سے لرز رہے ہیں کہ کہیں اُن کا حشر بھی وہی نہ ہو جو شاہ ایران کا ہو چکا ہے۔ سعودی عرب نے مذکورہ جنگی طیاروں کے سلسلہ میں مالیات کی فراہمی کا وعدہ کیا تھا جس سے وہ منحرف ہو گیا ہے۔ شاید سعودی ابھی یہ بات نہیں سمجھ سکے ہیں کہ مصر کو روپیہ سے نہیں خریدا جا سکتا۔“

صدر سادات نے محض مالی امداد نہ ملنے پر سعودی لیڈروں کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ خود اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ مصر صرف روپیہ کا بھوکا ہے اُس کے سامنے نہ کوئی اصول ہے اور نہ قومی وقار اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ آج امریکہ اور اسرائیل کے ہاتھوں بکا ہوا سودا نہ بنا ہوا ہوتا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ صدر سادات نے عربوں سے جو غداری کی ہے وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ امریکہ کے ہاتھوں بک چکے ہیں اور اگر اُن کے امکان میں ہو تو وہ سب ہی عرب ممالک کا امریکہ اور اسرائیل سے سودا کریں۔ کردار کی پستی کی انتہا ہے۔ اور پھر دعویٰ یہ بھی ہے کہ مصر روپیہ کا بھوکا نہیں ہے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ ساری عمر تو صدر سادات نہ صرف سعودی عرب بلکہ متعدد عرب ممالک کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہے اور اُن کی دی ہوئی مالی امداد سے مصر کی شکستہ اقتصادیات کو سنبھالتے رہے لیکن آج جب امریکی ڈالر اُن کی جیب میں پڑ گئے ہیں تو وہ ڈینگیں مار رہے ہیں۔ محسن کشی کی انتہا ہے صدر سادات کو یہ بات جلد ہی معلوم ہو جائے گی کہ انھوں نے جو غلط قدم اٹھایا ہے اس کے نتائج کس قدر خطرناک



دلچسپ معلومات

حیرت انگیز اور عجیب و غریب انکشافات

(از ادارہ دین دنیا)

ستارہ مریخ میں انسانی آبادی

اب پھر مغربی سائنسدانوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ستارہ مریخ میں زندگی کے آثار کا امکان ہے۔ یہ اطلاعات اس خلائی جہاز کے ذریعہ موصول ہوئی ہیں جو ستارہ مریخ پر ان دنوں منڈلا رہا ہے۔ چند وجوہات کی بنا پر یہ خلائی جہاز اگرچہ ابھی تک ستارہ مریخ پر نہیں اتر سکا ہے لیکن اس کے ذریعہ جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں وہ یہ ہیں:

ستارہ مریخ بڑی حد تک ہماری زمین سے مشابہ ہے۔ یہ ہماری زمین کے مقابلہ میں چھوٹا ہے مگر [illegible] سے کافی دور ہے۔ مریخ ستارے کے دن اور رات بھی ہماری دنیا کی طرح ۲۴ گھنٹے کے ہوتے ہیں اور ہماری زمین ہی کی طرح وہاں بھی موسم بدلتے رہتے ہیں۔ مقررہ وقفوں کے بعد بدلتے رہتے ہیں اس ستارہ میں بھی ہماری دنیا کی طرح قطب شمالی اور قطب جنوبی میں برف جمی ہوتی ہے اور وہاں ہماری دنیا کی طرح دریا اور جنگل بھی موجود ہیں۔

مختصر یہ کہ ستارہ مریخ ہماری دنیا سے بہت زیادہ مشابہ ہے اس لئے اس بات کا پورا امکان ہے کہ وہاں بھی ہماری دنیا کی طرح جاندار مخلوق ہو سکتی ہے۔ پوری معلومات اس وقت حاصل ہوگی جبکہ خلائی جہاز اس ستارے پر اترنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

دنیا کا عجیب و غریب شہر

ہنگری میں ایک عجیب و غریب شہر کی تیاری زیر غور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پورے شہر کی ایک چھت ہوگی اور اسی ایک چھت کے نیچے یہ پورا شہر آباد کیا جائے گا۔ یہ چھت بہت اونچی ہوگی۔ شہر کی تمام عمارتیں کئی کئی منزلوں کی ہوں گی۔ اس شہر میں ایک لاکھ انسان آباد ہو سکیں گے۔

یہ شہر دریائے ڈینیوب کے کنارے آباد کیا جائے گا۔ ایک ہی چھت کے نیچے پورے شہر کے آباد کرنے کا منشا یہ ہے کہ اس پورے شہر کے موسموں پر کامل کنٹرول رکھا جا سکے گا۔ نہ اس میں زیادہ سردی ہوگی اور نہ زیادہ گرمی اور برسات کا تو سوال ہی نہیں ہے یعنی پورا شہر ایرکنڈیشنڈ ہوگا۔ اس میں شاندار دکانیں تھیٹر سینما ہال۔ کلب۔ ریسٹورنٹ۔ اسپتال اور اسکول ہوں گے یہ شہر صرف امیر لوگوں کے لئے ہوگا اور دنیا میں اپنی نوعیت کا عجیب و غریب شہر ہوگا۔

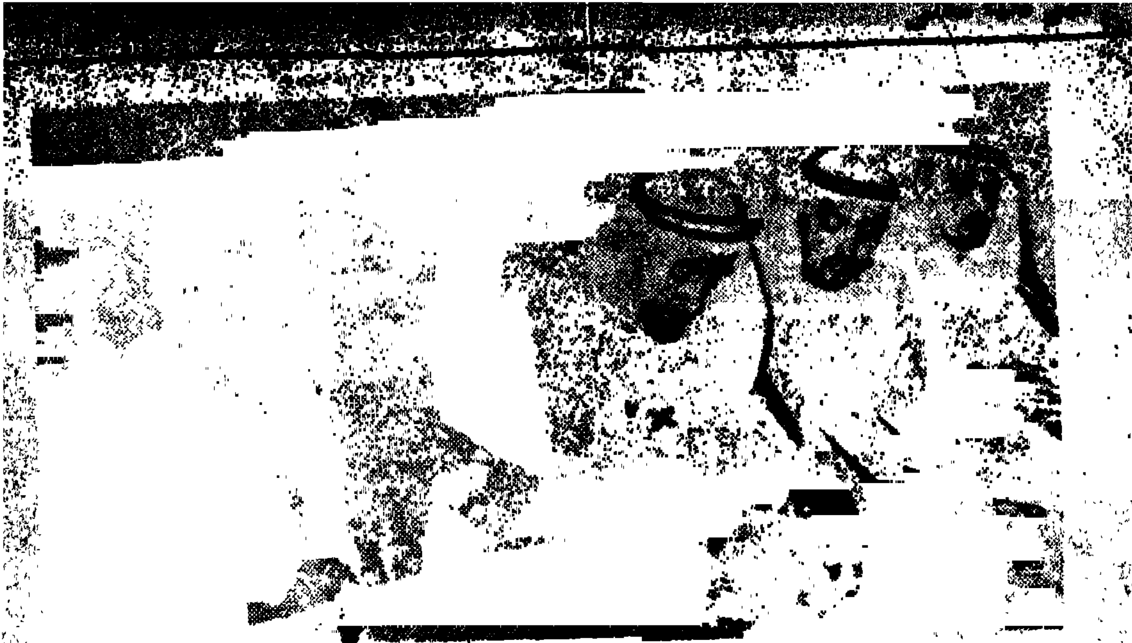
جہاں صرف عورتیں ہی عورتیں ہیں

آپ کو یہ معلوم کر کے تعجب ہوگا کہ شمالی اٹلی میں ایک ایسا علاقہ بھی ہے جہاں صرف عورتیں ہی عورتیں رہتی ہیں۔ مردوں کا نام و نشان تک نہیں ہے اس علاقہ کا نام "بیبوے لی" ہے۔ اس خطہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہاں کا تمام کاروبار عورتیں ہی چلاتی ہیں جج اور مجسٹریٹ بھی عورتیں ہیں۔ پولیس بھی عورتوں پر مشتمل ہے۔ زراعت اور تجارت بھی عورتوں کے ہاتھوں میں ہے۔ لوہار۔ بڑھئی اور معمار کا کام بھی عورتیں ہی کرتی ہیں

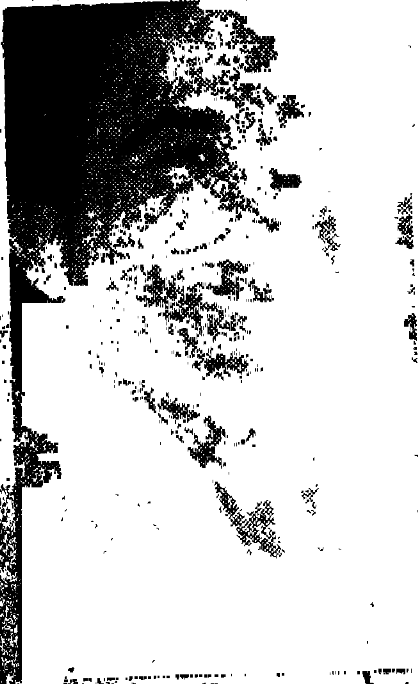
اصل بات یہ ہے کہ دنیا کی دوسری جنگ عظیم کے بعد روزگار کی تلاش میں تمام مرد یہاں سے چلے گئے تھے اور وہ سوئیزرلینڈ۔ جرمنی۔ آسٹریلیا۔ جنوبی امریکہ اور دوسرے ممالک میں پہنچے ہوئے ہیں اس وقت سے سارا کام عورتیں ہی کر رہی ہیں مردوں کو اس شہر میں آنے کی اجازت نہیں ہے مگر وہ مختصر قیام کے بعد باہر چلے جاتے ہیں۔

دین و دنیا



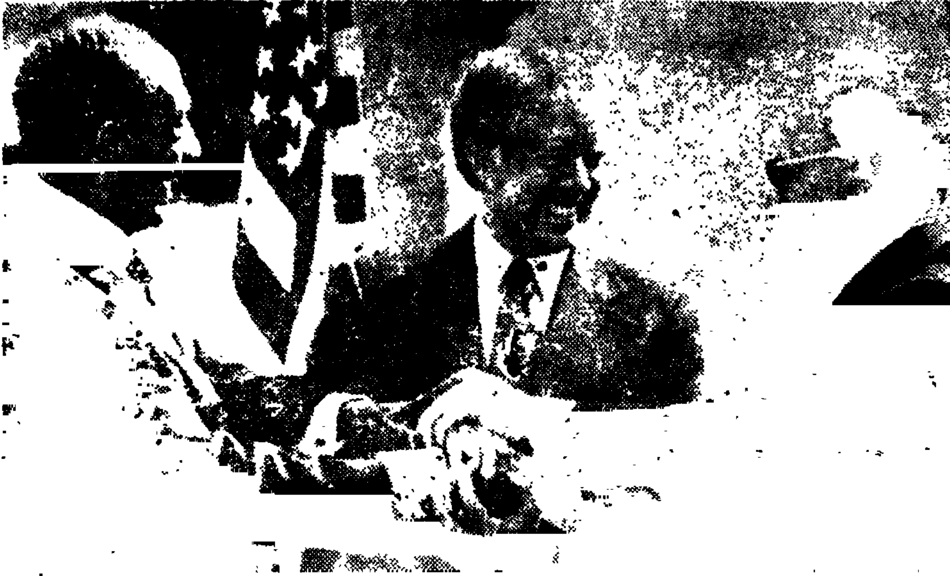


متحدہ عرب امارات کے صدر ”شیخ زائد بن سلطان“ برطانیہ کے ساتھ
ایک تجارتی معاہدہ پر دستخط کر رہے ہیں۔





سعودی عرب کے ”شہزادہ فہد“ [illegible] کے بعد حالات کے [illegible]
[illegible] مصر اسرائیل معاہدہ کے شدید مخالف ہوئے۔ اسرائیلی جارحیت [illegible]



"عربوں کے خلاف اتحاد ثلاثہ" کوسی گن- وزیر اعظم اسرائیل- صدر جمی کارٹر صدر امریکہ اور انور سادات- آپس میں عہد کر رہے ہیں-



امریکہ کی وزیر تجارت "جونیتا کریپ" مرارجی ڈیسائی کے ہمراہ نئی دہلی میں



"مسز اندرا گاندھی" خواتین کے ایک اجتماع میں تقریر کر رہی ہیں۔



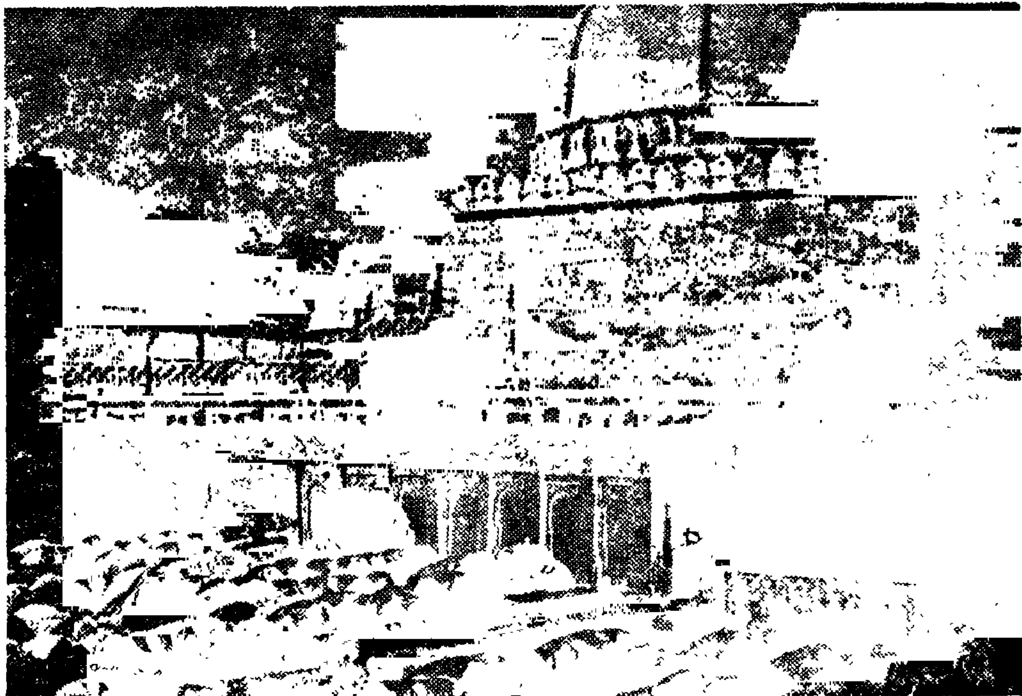
"مس بے نظیر بھٹو" نے اپنی تقریروں سے
پورے پاکستان میں آگ لگا دی ہے۔



قاتل اعظم۔ "جنرل ضیا" پاکستان میں اپنے خلاف
بڑھتی ہوئی نفرت سے بے حد پریشان ہیں۔



''مسلم یونیورسٹی علیگڑھ'' کے معاملہ پر اس وقت پورے ہندوستان میں
شدید ہیجان اور اضطراب برپا ہے۔



اجمیر شریف کے زائرین ''حضرت خواجہ غریب نواز'' کے مزار مبارک
کے زیر سایہ جمعہ کی نماز ادا کر رہے ہیں۔



برقعہ پوش خواتین بھی ناقابل برداشت گرانی کے خلاف مظاہرہ کرنے پر مجبور ہو گئی ہیں۔



نائب وزیراعظم اور وزیر دفاع شری جگجیون رام"
روس کی ہوائی فوج کے کمانڈر کے ہمراہ

ہندوستان کا سب سے قدیم اور کثیر الاشاعت تاریخی ماہنامہ

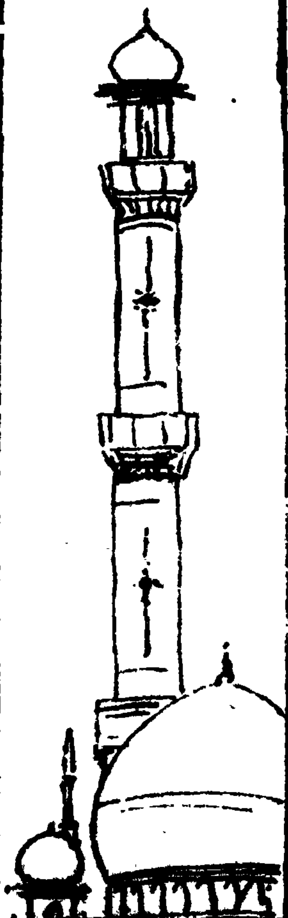
ماہنامہ

دین دنیا

دہلی

ایڈیٹر شوکت علی فہمی

جلد ۵۹ | جولائی ـــــــــ سنہ ۱۹۷۹ء | نمبر ۷



قیمت فی پرچہ	ترسیل زر کا پتہ	قیمت سالانہ
ایک روپیہ پچیس پیسے پاکستان بنگلہ دیش اور دیگر ممالک سے	دفتر ماہنامہ دین دنیا دین دنیا ہاؤس ۔ متصل جامع مسجد دہلی وی پی منگانے میں سوا تین روپے	اٹھارہ روپے ششماہی دس روپے

شوکت علی فہمی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے ... پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر دین دنیا جامع مسجد دہلی سے شائع کیا



رفتار زمانہ

(شوکت علی صدیقی)

اقلیتوں کے اتحاد کے بغیر
سول نافرمانی کی تحریک قطعی بے اثر

ہمارا ملک کہنے کو ایک جمہوری اور سیکولر ملک ہے۔ لیکن اس ملک میں [illegible] بے دردی کے ساتھ سیکولرزم اور جمہوریت کا گلا گھونٹا جا رہا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ آخر یہ کیسی جمہوریت اور سیکولرزم ہے کہ اس ملک کے عیسائی اور دوسرے اقلیتی فرقے [illegible] مداخلت کے مسودہ قانون کے خلاف جلوس نکال رہے ہیں۔ اور یہ کیسا سیکولرزم ہے کہ ہریجنوں کو زندہ جلایا جا رہا ہے اور ان کی عورتوں کی اجتماعی عصمت دری کی جا رہی ہے۔ اور جہاں تک اس ملک کی مسلم اقلیت کا تعلق ہے وہ تو [illegible] نہایت [illegible] دور سے گزر رہی ہے [illegible] جان و مال کا زیادہ نقصان ہو چکا ہے۔ آئے دن کے فرقہ وارانہ فسادات نے ان کی زندگیوں کو اجیرن بنا دیا ہے۔ اور [illegible] کے بعض حلقوں میں حکومت [illegible] ۔ مثلاً جمعیتہ علماء ہند نے حکومت کو [illegible] مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی [illegible] جولائی سے سول نافرمانی شروع [illegible]

کو سول نافرمانی کے ایک تاریخی اقدام پر مجبور کر دیا ہے۔ سول نافرمانی کا فیصلہ اس کے اکابر اور سرکردہ شخصیتوں کے اجتماع میں کیا گیا ہے اور اس ضمن میں وزیر اعظم مرارجی ڈیسائی کو "ملک و ملت بچاؤ تحریک" کی جانب سے ایک میمورنڈم ارسال کیا گیا ہے۔ میمورنڈم میں وزیر اعظم کے سامنے ہندوستانی اقلیتوں، کمزور طبقوں بالخصوص مسلمانوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے چند مطالبات رکھے گئے ہیں اور ان سے کہا گیا ہے کہ اگر ۳۰ جون تک انہوں نے کوئی جواب نہ دیا تو ۹ جولائی سے سول نافرمانی شروع کر دی جائے گی۔ کیونکہ ہمارا ملک تباہی کی طرف جا رہا ہے۔ انسانی اور اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ مسلمان اور دیگر اقلیتوں کی زندگیاں، املاک اور عزت کی قیمت بڑی حد تک کم ہو چکی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیکولرازم [illegible] اپنا واجبی کردار ادا کرنے [illegible] [illegible] شہادت دے رہے ہیں کہ بنیادی حقوق اور آئینی تحفظات کا احساس [illegible] ختم ہو چکا ہے مرکزی اور بعض ریاستی حکومتوں نے یا تو [illegible] کے سامنے دم توڑ دیا ہے۔ یا ان کو مدد [illegible] خصوصاً مسلمان [illegible]

تعصب کا شکار بن رہے ہیں۔ لہٰذا ہمارے ملک میں اس وقت پائی جانے والی انارکی کو فوراً ختم کیا جائے۔ اس تحریک کے لیڈروں نے فیصلہ کیا ہے اگر ۳۰ جون تک اُن کے مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جاتا تو ۲ جولائی ۱۹۷۸ء کو حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کردی جائے گی۔"

جمعیۃ العلماء ہند نے اپنے بیان میں جو کچھ کہا ہے وہ بجا اور درست لیکن ہم کو بہت کم امید ہے کہ جمعیۃ کے لیڈروں کو وزیر اعظم کو بھیجے ہوئے میمورنڈم کا کوئی اطمینان بخش جواب مل سکیگا۔ کیونکہ جو وزیر اعظم راشٹریہ سنگھی اور جن سنگھی عناصر کے سہارے گدی پر بیٹھے ہوئے ہوں اور جن کے دور حکومت میں اقلیت دشمن اور جمہوریت کش طاقتوں کو آگے بڑھنا یا ابھار ملا ہو اُن سے یہ توقع رکھنی بے سود ہے کہ وہ اس ملک کی اقلیتوں خصوصاً مسلم اقلیت کے معاملہ میں کوئی تسلی بخش قدم اٹھا سکیں جمعیۃ العلماء کے اکابر کو یہ بات بھولنی نہیں چاہیے کہ حقوق گزارشات کرنے یا میمورنڈم پیش کرنے سے نہیں ملا کرتے بلکہ انہیں طاقت اور قوت سے حاصل کیا جاتا ہے حقوق کے حصول کے لیے "سول نافرمانی" بلاشبہ ایک نہایت ہی موثر ہتھیار ہے یہ وہی موثر ذریعہ ہے جس کے ذریعہ ہم نے غیر ملکیوں سے اپنے حقوق چھینے تھے۔ لیکن یہ ہتھیار اسی وقت کامیاب ثابت ہو سکتا ہے جب ہمارے اندر کامل یکجہتی اور اتحاد ہو۔ ہندوستان میں جمعیۃ العلماء کے علاوہ اور بھی متعدد مسلم جماعتیں موجود ہیں۔ اگر ان مسلم جماعتوں کو متحد کیے بغیر نیز ملک کی دیگر اقلیتوں سے الگ تھلگ رہتے ہوئے سول نافرمانی کا ہتھیار جمعیۃ العلماء نے استعمال کیا تو ہمیں شبہہ ہے کہ وہ کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل کر سکے گی بلکہ اندیشہ ہے کہ کہیں مسلم کاز کو الٹا نقصان نہ پہنچ جائے۔ اس لئے ضروری تھا کہ پہلے جمعیۃ العلماء اقلیتوں کا ایک متحدہ محاذ قائم کرتی اور اس کے بعد یہ اہم قدم اٹھاتی۔

ملک کی آزادی کو تیس سال گزر چکے ہیں۔ اس تیس سال کی طویل مدت میں [illegible] کانگریس بھی برسر اقتدار رہی جس نے مسلم اقلیت [illegible] مسلمانوں [illegible] کانگریس کے بعد اب جنتا پارٹی

برسر اقتدار آئی ہے تو مسلم اقلیت کے لئے کانگریس سے بھی بدتر ثابت ہو رہی ہے۔ کانگریس اور جنتا پارٹی کے علاوہ خود مسلمانوں کی بھی متعدد سیاسی اور غیر سیاسی جماعتیں موجود ہیں جن میں سے جمعیۃ العلماء جماعت اسلامی اور مسلم لیگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں لیکن ان مسلم جماعتوں سے بھی مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکا ہے بلکہ الٹا آپس کی کشمکش سے مسلمانوں کو فائدہ کی بجائے الٹا نقصان پہنچ رہا ہے۔ ضرورت اس کی تھی کہ جمعیۃ العلماء ہند پہلے سب مسلم جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر لاتی اور اس کے بعد یہ اہم قدم اٹھاتی

جمعیۃ العلماء کے لیڈر اور ہندوستان کے دوسرے مسلم رہنما اگر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں گے تو انہیں پتہ چلے گا کہ اب اس ملک میں حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ نہ صرف مسلم جماعتوں کو خود متحد ہونا پڑے گا بلکہ انہیں ملک کی دوسری اقلیتوں کی ہمدردی بھی حاصل کرنی ہوگی۔ کیونکہ موجودہ حالات میں ہندوستان کے مسلمان دوسری اقلیتوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔ اور مسلمان چونکہ سب سے بڑی اقلیت ہیں اس لئے سب سے پہلے ان ہی کو اس ضمن میں عملی قدم اٹھانا ہوگا۔ اس کے بغیر اس ملک میں کسی بھی اقلیتی تحریک کی کامیابی بہت دشوار ہے۔

مسلم زعما کو یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ہمارے ملک میں اقلیتوں کی عددی طاقت دنیا کے تمام ممالک سے زیادہ ہے۔ اس ملک میں دس گیارہ کروڑ مسلمان ہیں۔ سولہ سترہ کروڑ کے قریب پچھڑی اور پسماندہ اقوام ہیں۔ بودھوں کی تعداد بھی ایک کروڑ تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے علاوہ عیسائیوں اور دیگر اقلیتوں کی تعداد بھی کئی کروڑ ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ اگر یہ تمام اقلیتیں متحد ہو کر اور ایک ہی متحدہ پلیٹ فارم سے اپنی آواز بلند کریں تو وہ نہ صرف اپنے لئے بلکہ پورے ملک و وطن کے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتیں۔ [illegible] صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو اکثریت کا نہیں بلکہ اقلیتوں کا ملک ہے۔ اگر اس ملک کی تمام اقلیتیں متحد ہو جائیں تو نہ صرف اُن کے تمام مسائل حل ہو جائیں بلکہ وہ [illegible] اقتدار میں [illegible] اکثریت [illegible]

ہیں۔ ایک اقلیت کا دوسری اقلیت سے کوئی تعلق نہیں اور اُن
کے اسی انتشار ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ اس ملک کی اقلیتیں شروع ہی سے
نا انصافی کا شکار ہیں۔ اور دوسری سیاسی پارٹیوں کے ہاتھوں
میں کھلونا بنی ہوئی ہیں۔

ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جمعیۃ العلماء ہند کا فرض یہ
تھا کہ وہ سب سے پہلے تمام مسلم جماعتوں اور اقلیتی طبقوں کو متحد
کر کے ایک مضبوط متحدہ محاذ بناتی اور اُس کے بعد کوئی قدم اٹھاتی
کیونکہ متحدہ محاذ قائم کئے بغیر ہم کو بہت کم امید ہے کہ جمعیۃ العلماء ہند
یا کوئی بھی دوسری مسلم جماعت کسی تحریک کو کامیاب بنا سکے گی۔
بہرحال ہماری دعا ہے کہ خدا جمعیۃ العلماء کو حوصلہ اور توفیق
دے اور وہ اس مشکل کام کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکے
اور اس کی سول نافرمانی کی تحریک کامیاب ہو۔ لیکن پھر بھی ہماری
قطعی رائے ہے کہ اقلیتوں کے متحدہ محاذ کے قیام کے بغیر اس
ملک میں اقلیتوں کے مسائل کا سلجھنا بے حد دشوار ہے۔

جمعیۃ العلماء ہند کی سول نافرمانی کے اس اعلان سے حکومت
کے زعما کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور اُسے محسوس کرنا چاہئے
کہ جنتا پارٹی نے اپنی بے عملی اور خانہ جنگی سے اس ملک کو کس طرح
بدترین انتشار اور ہیجان میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس وقت پورے
ملک میں بغاوت اور لاقانونیت کی سی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔ پولیس
کا محکمہ قابو سے باہر ہے۔ سرکاری ملازمین احتجاجی جلوس نکال رہے ہیں
محکمہ ریلوے اسٹرائک کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ بینک ملازمین ہڑتال
کئے بیٹھے ہوئے ہیں۔

اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ سنٹرل ریزرو پولیس
اور ریلوے پولیس نے باقاعدہ بغاوت کر دی ہے۔ اس کا
براہ راست فوج کے ساتھ تصادم ہو رہا ہے جس میں کہ دونوں
طرف کے کئی نوجوان مارے جا چکے ہیں۔ ادھر خود حکمران جنتا پارٹی
میں بغاوت رونما ہو چکی ہے۔ ایسی حالت میں اگر اس ملک کی اقلیتیں
جو اس ملک کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک
ایک کر کے سول نافرمانی کی راہ اختیار کر لیتی ہیں تو پھر اس
ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔

اقلیتی کمیشن بھی "مذہبی بل" کے خلاف

اقلیتی مذاہب کی تبلیغ اور اشاعت کا گلا گھونٹنے کی غرض سے
جنتا پارٹی کے ایک لیڈر مسٹر او۔ پی۔ تیاگی نے ہند پارلیمنٹ
میں "مذہبی بل" کے نام جو پرائیویٹ مسودہ قانون پیش کر رکھا ہے
اُس کے خلاف نہ صرف مسلم اقلیت اور عیسائی اقلیت میں شدید
ہیجان برپا ہے بلکہ خود جنتا حکومت نے اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت
کے لئے جو اقلیتی کمیشن مقرر کر رکھا ہے اس نے بھی اس بل کو اقلیتوں
کے مذہب میں مداخلت کرنے والا ایک ناقص مسودہ قانون
قرار دیا ہے۔

اقلیتی کمیشن کے چیرمین مسٹر انصاری اور اُس کے ممبروں مسٹر
وی۔ وی جان اور [illegible] نے اس بل کے بارے میں جو
رپورٹ حکومت کو بھیجی ہے اس میں کہا ہے کہ یہ بل مذہب پر
عمل کرنے اور اُس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے کام کرنے کے بنیادی
حق میں مداخلت اور پریشان کرنے کا ایک ذریعہ بن سکتا ہے۔
ان ممبروں نے تیاگی بل کے مسودہ قانون کو ناقص قرار دیتے
ہوئے کہا ہے کہ اس بل میں "ترغیب" "لالچ" اور "دھمکی"
کی جو اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں انہیں مسخ کیا جا سکتا ہے۔ اقلیتی
کمیشن نے اپنی رپورٹ میں حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اس بل
کی حمایت نہ کرے کیونکہ یہ نئی پیچیدگیوں کا باعث بن سکتا ہے نیز
کمیشن نے اسی قسم کے ہماچل پردیش کے مذہبی آزادی کے قانون
کی بھی مخالفت کی ہے جو اس ریاست میں متنازعہ بنا ہوا ہے۔

اس کے علاوہ مرکزی وزیر پیٹرولیم مسٹر ایچ۔ این۔ بہوگنا
نے بھی لکھنؤ میں تقریر کرتے ہوئے اس تیاگی بل کی مذمت کرتے ہوئے
کہا ہے کہ "یہ بل ایک خاص مذہب کی سرپرستی کے لئے لایا جا رہا
ہے اور جس مذہب کو سرکاری سرپرستی پر انحصار کرنا پڑے اس کا
نہ ماننا ہی اچھا ہے۔ اور انہوں نے مزید کہا ہے کہ اسلام اور عیسائی
مذہب اپنے بہترین فلسفہ کے سبب دنیا میں پھیلے جبر یا اور کسی
وجہ سے نہیں"

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ تیاگی بل سراسر ہندوستان
کے آئین کے خلاف ہے۔ کیونکہ آئین ہند کی رو سے اس ملک کے

شہریوں کو جو بنیادی حقوق دیئے گئے ہیں۔ اُس کی رو سے ہر شخص کو اِس بات کا کامل اختیار حاصل ہے کہ وہ جس مذہب کو بھی پسند کرے اُسے اختیار کرلے اِس کے علاوہ آئین ہند نے اِس ملک کے جملہ مذاہب کے پیروؤں کو اپنے اپنے مذاہب کی تبلیغ اور اشاعت کی پوری آزادی دی ہے۔ جبکہ یہ بل تبلیغ و اشاعت کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے والا ہے۔ اِس لئے کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

مدھیہ پردیش اسمبلی کے ممبر اور جنتا پارٹی کے لیڈر مسٹر الف ایم سینوڈ کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اُنہوں نے جنتا پارٹی کے ممتاز لیڈروں سے تبادلہ خیال کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مسٹر تیاگی کے بل کو برسر اقتدار پارٹی کے ممبران پارلیمنٹ کی تائید نہیں حاصل ہو سکے گی۔ اگر یہ اطلاع درست ہے تو ہمیں اِس پر خوشی ہے۔ اِس کے علاوہ ایسی حالت میں جبکہ جبریہ تبدیل مذہب کو روکنے کے لئے ہمارے پاس متعدد قوانین موجود ہیں تو ملک کی اقلیتوں میں ناگواری پیدا کرنے والے اِس مسودہ قانون کی ضرورت ہی کہاں ہے۔

مسلمانوں کے خلاف زہر کیسے پھیلایا جاتا ہے

ہندوستان کی اکثریت کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کرنے کے لئے فسطائی عناصر نے آج کل ایک نئی ٹیکنک جاری کر رکھی ہے۔ انتہائی خطرناک ٹیکنک یہ ہے کہ کسی مسلمان کے فرضی نام سے ہندو دھرم یا ہندو اکثریت کے خلاف کوئی نہایت ہی اشتعال انگیز اشتہار چھاپ دیا جاتا ہے۔ یا کوئی مراسلہ گھڑ کر فسطائی اخبارات میں دے دیا جاتا ہے۔ اور اِس طرح ہندو عوام میں یہ تاثر پیدا کیا جاتا ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے دشمن نمبر اول ہیں۔ چنانچہ اسی قسم کا زہر میں بجھا ہوا فرضی خط ایک مسلمان کے نام سے اخبار پرتاپ میں معاونین کے ایڈیٹوریل کالم میں ”مسلم تہذیب کا نمونہ“ کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس پر تبصرہ کرتے ہوئے ایڈیٹر پرتاپ لکھتے ہیں۔

”مجھ سے بعض مسلمانوں کو شکایت ہے کہ میں اُن کے خلاف اخبار کو لکھتا ہوں۔ مسلمانوں کی طرف سے اکثر جو خط مجھے ملتے ہیں اُن میں یا تو قتل کی دھمکیاں ہوتی ہیں یا پھر ماں بہن کی گالیاں۔ ایسا ایک خط ناظرین پرتاپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ذرا ملاحظہ ہو کہ اِس خط میں کیا ہے“ ”وہ نریندر بابو آپ کی سینہ کوبی اور آہ و زاری سے کچھ بننے والا نہیں۔ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں اور جلد ہی اللہ میاں کو پیارے ہو جائیں گے لیکن آپ کی اولاد دیکھے گی جیسے کہ آپ کے پُرکھوں (بزرگوں) نے خود دیکھا ہے کہ ——

آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے حضرت محمد کے پیروکاروں نے ہندو کافروں پر حکومت کی ہے اور اب پھر بھی کریں گے۔ وہ دن خدا کے فضل سے قریب ہے۔ آپ کو معلوم ہو یا نہ ہو کہ آٹھ سو سال تک آپ کی ہندو عورتیں خوبصورت مہ جبین دوشیزائیں ہمارے آغوش کی زینت بڑھاتی رہی ہیں۔ ہمارا قرب اور صحبت حاصل کرنے کے لئے للچاتی رہی ہیں اور ہم نے اُن کی نفسی (نفسانی) خواہشات کی بھرپور تسکین کی ہے اور آنے والے وقت میں بھی یہ خواہش جو اُن کے دلوں میں دبی پڑی ہے اللہ کے فضل سے پوری کریں گے کیونکہ یہ ہمارا فرض اور دین ہے کافروں کی عورتوں کو بھوکے پیاسے نہیں مرنے دینا۔ اور ہندو کافروں کو تہ تیغ کرنا ذبح کرنا۔ اُن کے مال کو پامال کرنا۔ اُن کو روندنا۔ اُن سے گھر بلو کام کرانا ہمارا خدائی حق ہے جسے ہم پورا کریں گے انشاء اللہ آپ یوں ہی سسکتے رہیں گے کڑھتے رہیں گے اور بھونکتے رہیں گے۔ ہندو عورتیں دو سو سال تک انگریزوں کو خوش کرتی رہیں اور اب بھی بنگلہ دیش میں ہمارے بھائیوں کے کام آرہی ہیں اور آتی رہیں گی اور عرب دیشوں میں اب بھی تمہاری عورتیں بک رہی ہیں۔ ویسے عرب تمہاری عورتوں پر تھوکتے تک نہیں کیونکہ وہ دنیا کی حسین ترین عورتوں پر ہاتھ مار رہے ہیں اِس لئے عربوں کو ہندو عورتوں پر اپنا قیمتی جوہر برباد کرنے میں کوفت ہوتی ہے۔ اور آپ کی ناقص جانکاری کے لئے یہ بھی بتا دوں کہ اب بھی ہم نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے اور کیوں اٹھائیں جبکہ وہ بیچاری ہماری پناہ میں آتی ہیں تو ترس کھانا ہی پڑتا ہے البتہ یہ کام اب بھی چوری سے ہوتا ہے اور کچھ عرصہ بعد سینہ زوری سے ہوگا جیسا کہ پہلے

زمانہ میں ہوتا رہا ہے ہندو عورتیں تو ہمارا ابدی ورثہ ہیں اور بتیس سال جو تم نے انہیں استعمال کر لیا ہے لتا سے غنیمت سمجھو کوڑھیوں کے دن بھی پھر گئے اور انہیں جنت کی رحمت ملی خدا کرے تم زندہ رہو اور یہ دن اپنی آنکھوں سے دیکھو آمین ثم آمین۔
(اخبار پرتاپ ۶ جون ۱۹۸۰ء)

فحشیات اور لغویات سے بھرپور پرتاپ میں چھپی اس خط کی عبارت اور انداز تحریر صاف طور پر نشاندہی کر رہا ہے کہ یہ زہر میں بھیگا ہوا خط کسی مسلمان کا لکھا ہوا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ کوئی کمینہ سے کمینہ اور ذلیل سے ذلیل مسلمان بھی بدکاری اور سیہ کاری میں اللہ کے فضل کو شامل نہیں کر سکتا۔ ہمیں کامل یقین ہے کہ یہ خط دفتر پرتاپ میں یا کسی راشٹریہ سنگھی ادارے میں مسلمانان ہند کے خلاف اشتعال پیدا کرنے کی نیت سے گھڑا گیا ہے چنانچہ خود ایڈیٹر پرتاپ نے بھی حماقت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے اس مقالہ میں اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ یہ خط جھوٹا اور جعلی ہے چنانچہ ایڈیٹر پرتاپ لکھتا ہے کہ "خط لکھنے والے اس شخص نے اپنا پتہ لکھنے کی جرأت نہیں کی اور نہ یہی بتایا کہ یہ کون ہے مجھے یہ بھی شک ہے کہ اس نے جو اپنا نام لکھا ہے وہ بھی درست ہے یا نہیں ہے لیکن ایڈیٹر پرتاپ سے پوچھا جا سکتا ہے کہ جبکہ یہ خط بقول ان کے گمنام اور ناقابل اعتماد ہے تو آپ نے اس فحش خط کو ایڈیٹوریل کالم میں اپنے تبصرہ کے ساتھ شائع کرنے کی ضرورت ہی کیوں سمجھی۔ جبکہ صحافتی طریقہ کار یہ ہے کہ اس قسم کے گمنام خطوط کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اس خط کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف جو اشتعال پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے وہ خط قابل ملامت ہے ہی۔ لیکن اس خط کا نہایت ہی شرمناک اور قابل اعتراض پہلو یہ ہے کہ اس خط کے ذریعہ ہمارے ملک کی آج معصوم اور نیک ہندو عورتوں کی بری طرح تذلیل کی گئی ہے جن کی زمانہ قدیم میں بھی اور آج بھی اپنی نیکوکاری [illegible] اور فرض شناسی کے لئے ساری دنیا میں بے مثال ہیں ان پر [illegible] لگایا گیا ہے کہ [illegible] مسلم اور باشندوں کا پہلو گرماتی رہی ہیں ... [illegible] کو خوش کرتی رہی ہیں۔ اور اب جنگ پیش والوں کا دل بہلا رہی ہیں کمینگی کی انتہا ہے ہم اس پہلو کی جانب خصوصیت سے اپنے ہندو بھائیوں کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ ایڈیٹر پرتاپ سے جواب طلب کریں کہ اس نے ایک ایسا فحشیات سے بھرا ہوا فرضی خط کیوں شائع کیا جو کھلی ہوئی اس ملک کی شریف ہندو خواتین کی ایسی تذلیل اور توہین ہے جسے اس ملک کا کوئی بھی غیرت مند ہندوستانی برداشت نہیں کر سکتا۔

ایڈیٹر پرتاپ کا فحشیات اور لغویات سے بھرا ہوا یہ مقالہ جس میں کہ یہ خط شائع کیا گیا ہے اس قابل ہے کہ وزارت داخلہ اس پر سنجیدگی سے غور کرے کیونکہ اس مقالے کے ذریعہ صرف شریف ہندو خواتین ہی کو بدنام نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ بنگلہ دیش اور عرب ممالک سے بھی ہندوستان کے تعلقات بگاڑنے کے لئے زہر بھرا گیا ہے۔ یہ خط اس قابل ہے کہ ایڈیٹر پرتاپ سے حاصل کر کے نہایت اونچے لیول پر حکومت تحقیقات کرے اور ایسے زہر آلود خطوط گھڑنے والوں یا لکھنے والوں کو سخت سے سخت سزا دے اور اس کے ساتھ ہی ایڈیٹر پرتاپ سے جواب طلب کرے کہ اس نے ایک ایسا خط اپنے اخبار میں کیوں شائع کیا جو خط نہیں ہے بلکہ فحشیات کا مجموعہ ہے۔

نئے نوشیرواں عادل یہ جنرل ضیا

زمانہ کا انقلاب دیکھئے کہ وہی قاتل اعظم جنرل ضیا جن کے ہاتھ بھٹو کے خون میں رنگے ہوئے ہیں۔ اب اپنے آپ کو عدل و انصاف کے معاملہ میں دوسرے نوشیرواں عادل ثانی [illegible] کوشش کر رہے ہیں چنانچہ حال ہی میں لندن کی خبر رساں ایجنسی [illegible] کے ایک نمائندے نے جب آپ سے یہ سوال کیا کہ بھٹو پاکستان کی ایک اہم شخصیت تھے دنیا بھر کے قائدین نے انہیں سزائے موت سے بچانے کے لئے آپ سے اپیلیں کیں مگر آپ نے ان سب کی اپیلوں کو مسترد کر دیا کیوں ضروری سمجھا [illegible] سوال کے جواب میں [illegible] جواب دیا [illegible]

کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہونی چاہئیے میں محض اس لئے ایک شخص کو قتل کے جرم میں سزا دینے سے نہیں بچا سکتا تھا کہ وہ سابق وزیر اعظم تھا۔ بھٹو کے قتل کا فیصلہ میرے لئے بہت مشکل تھا۔ لیکن قانون کی بالادستی کو قائم رکھنے کے لئے یہ فیصلہ کرنا پڑا ؎

مگر اس نوشیرواں عادل ثانی جنرل ضیاء سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ قانون کی یہ بالادستی صرف بھٹو کو پھانسی پر لٹکانے ہی تک آخر کیوں محدود ہو کر رہ گئی اور فیڈرل سیکورٹی فورس کے اُن چاروں افسروں کی پھانسی کیوں ملتوی کر دی گئی جن کو کہ مسٹر بھٹو کے ساتھ ہی سزائے موت دی گئی تھی۔ اور جن کے لئے سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ انہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ بھٹو کے لئے تو قانون اور عدالت کا احترام ضروری تھا۔ لیکن بھٹو کی سازش میں شریک ہونے والے اور سزائے موت پانے والے چاروں سرکاری افسروں کے لئے قانون کا احترام اور انہیں پھانسی دینا ضروری نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جنرل ضیاء کے سامنے نہ تو قانون کا مسئلہ تھا اور نہ انصاف کا اُن کا واحد منشا تو یہ تھا کہ اپنی گدی کو برقرار رکھنے کے لئے جس طرح بھی ممکن ہو بھٹو کو اپنے راستہ سے ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ لندن سے شائع ہونے والے اخبار مساوات نے مسٹر بھٹو کے قتل کے سلسلہ میں جو چند جدید انکشافات کئے ہیں وہ کافی اہمیت رکھتے ہیں یہ اخبار لکھتا ہے۔

"رفتہ رفتہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے سیاسی قتل کے حقائق سامنے آنے شروع ہو گئے ہیں جن سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انہیں ایک سراسر جھوٹے مقدمے میں پھانس کر اور زر خرید سرکاری ملازمین سے جھوٹی گواہیاں دلا کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا ہے۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ جن چھ فیڈرل سیکورٹی فورس کے ملازمین کی گواہیوں پر ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت دی گئی ہے۔ وہ سب کے سب زر خرید تھے۔ ان چھ میں سے دو گواہوں غلام حسین اور مسعود احمد کو تو سرکاری گواہ بنا کر معافی دیدی گئی ہے اور باقی چار گواہ یعنی میاں محمد عباس، غلام مصطفیٰ، ارشد اقبال اور رانا افتخار جنہوں نے مسٹر بھٹو کو پھنسانے کے لئے عدالت میں اعتراف جرم کیا تھا اور جنہیں مسٹر بھٹو کے ساتھ ہی سزائے موت دی گئی تھی اُن سے پہلے ہی یہ وعدہ کر لیا گیا تھا کہ انہیں کسی نہ کسی طرح بچا لیا جائے گا حالانکہ عدالت کے آخری فیصلہ کے مطابق ان چاروں کو بھی بھٹو کے ساتھ ہی پھانسی پر لٹکا دینا چاہئے تھا۔ مگر یہ کہہ کر اُن کی سزائے موت کو التوا میں ڈال دیا گیا ہے کہ یہ چاروں ملزم دوسرے مقدمات میں مطلوب ہیں۔ اس لئے ان کی سزائے موت کو ملتوی کر دیا گیا ہے۔ مگر اصلیت یہ ہے کہ انہیں بچانے کی راہیں تلاش کی جا رہی ہیں"

اخبار مساوات لندن کے اس جدید انکشاف کے بعد مسٹر بھٹو کے سیاسی قتل کا سارا فراڈ آئینہ کی طرح سامنے آ گیا ہے کیسی عجیب بات ہے کہ جن چار ملزموں نے نواب محمد احمد خاں قصوری کے قتل کے جرم کا خود اعتراف کیا ہے۔ ان چاروں کی سزائے موت تو التوا میں ڈال دی جاتی ہے۔ اور بھٹو جنہوں نے کہ جرم سے صاف انکار کیا ہے اور جن کے خلاف دو وعدہ معاف گواہوں اور ان چار ملزموں کی گواہیوں کے سوا اور کوئی دستاویزی ثبوت نہیں ہے مگر انہیں پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ اور پھر بھی جنرل ضیا کا دعویٰ ہے کہ وہ زمانہ حاضر کے نوشیرواں عادل ہیں۔

عرب ممالک میں ہندوستان کے فسادات پر تشویش

ہندوستان کے فسادات کی لعنت کو آگے بڑھانے میں جہاں اس ملک کے فرقہ پرستوں کا ہاتھ ہے وہاں اُس عرب دشمن لابی کا بھی بہت بڑا حصہ ہے جو اسرائیل کی ہمنوا ہے اور برابر اس کوشش میں لگی ہوئی ہے کہ عرب ممالک اور ہندوستان کے دوستانہ تعلقات میں رخنہ پیدا ہو تاکہ ہندوستان کو اسرائیل کے قریب لانے میں سہولت حاصل ہو اور اسی ناپاک مقصد کے تحت فرقہ وارانہ فسادات کو آگے بڑھانے میں یہ اسرائیلی لابی ہمیشہ سرگرم عمل رہی ہے اور اسے کسی نہ کسی حد تک اپنے مقصد میں کامیابی بھی ہو رہی ہے۔

مثال کے طور پر گذشتہ ماہ مکہ معظمہ میں ایک عالمی مساجد کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس کانفرنس میں جہاں دنیا بھر کی مساجد کے مسائل پر غور کیا گیا وہاں جمشید پور کے فساد پر بھی حکومت کی بے اعتنائی

کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ کانفرنس کے صدر محمد المرکان نے جمشید پور کے فسادات میں سیکڑوں مسلمانوں کے شہید ہونے، ہزاروں مکانات کے نذرِ آتش کئے جانے اور متعدد مساجد کے مسمار کئے جانے پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا ہے۔ اور اس کانفرنس نے حکومت ہند کو توجہ دلائی ہے کہ آسے اپنے ملک کی اقلیتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے۔

اسی طرح پچھلے دنوں جب ہندوستان کے وزیر خارجہ مسٹر اٹل بہاری باجپائی عرب ممالک کے دورے پر گئے تھے تو اُن سے بھی بعض عرب ممالک کے سربراہوں نے ہندوستان کے فرقہ وارانہ فسادات پر اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ کویت کے وزیر خارجہ شیخ صباح الاحمد نے اخباری نمائندوں کو بتایا ہے کہ مسٹر باجپائی کے ساتھ اُن کی بات چیت کارآمد اور مفید رہی ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کے بارے میں بھی مسٹر باجپائی سے بات چیت ہوئی ہے کویت کے سرکاری ذرائع نے بتایا ہے کہ کویت کے لیڈروں نے ہندوستانی مسلمانوں کی مشکلات پر بڑی تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اور ان حلقوں نے بتایا ہے کہ مسٹر باجپائی نے حکومت کویت کو یقین دلایا ہے کہ حکومت ہند ہندوستان کی فرقہ وارانہ صورت حال سے نمٹنے میں پوری مستعدی سے کام لے گی۔

ہندوستان کے سب ہی عرب ملکوں سے تعلقات ہیں اور ان تعلقات سے ہندوستان کو فائدہ بھی پہنچ رہا ہے۔ ہندوستان کا عرب ملکوں کے ساتھ کروڑوں کا نہیں بلکہ اربوں کا کاروبار ہے عرب ممالک میں تقریباً دس لاکھ ہندوستانی مختلف شعبوں میں کام کر رہے ہیں۔ جن کے ذریعہ ہندوستان کو جو زرِمبادلہ وصول ہوتا ہے وہ دو کروڑ روپیہ روزانہ سے بھی زیادہ ہے اس کے علاوہ ہندوستان کی پٹرولیم کی تمام ضروریات آج یہ عرب ممالک ہی پوری کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اگر ہماری سرکار اس ہند و عرب دوستی کی مخالف لابی کی سرگرمیوں پر کنٹرول نہیں کر سکتی تو وہ قومی مفادات کو داؤں پر لگا رہی ہے جس سے ہمارے ملک کو زبردست نقصان پہنچ سکتا ہے۔

علی گڈھ میں پاکستانی جاسوس

ہمارے ملک کے اکثر و بیشتر اخبارات میں بڑی شاہ سرخیوں کے ساتھ یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ علی گڈھ میں پاکستانی جاسوس فساد کی آگ بھڑکا رہے ہیں ـــ چنانچہ ایک خبر میں کہا گیا ہے کہ علی گڈھ کے فسادات کی خبریں ریڈیو پاکستان سے نشر ہوتی رہی ہیں اس لئے پولیس کو شبہ ہے کہ پاکستانی جاسوس ٹرانسمیٹر استعمال کرتے رہے ہیں اور علی گڈھ کے فسادات کی خبریں پاکستان کو دیتے رہے ہیں۔ گویا اب یہ پروپگنڈا شروع ہو گیا ہے کہ علی گڈھ میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ اُس میں نہ جن سنگھ کا ہاتھ ہے اور نہ راشٹریہ سنگھ کا بلکہ پاکستان علی گڈھ میں فسادات کرا رہا ہے

لیکن اصل بات یہ ہے کہ علیگڈھ کا طویل فساد اُس جنتا حکومت کی نالائقی کا نتیجہ ہے جس پر کہ راشٹریہ سنگھی اور جن سنگھی چھائے ہوئے ہیں اور جو ایک سرے ہی سے مسلم یونیورسٹی کو بند کر دینا چاہتے ہیں۔ جنتا حکومت کی اس نالائقی کا الزام پاکستان کے سر تھوپنے والوں سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ راشٹریہ سنگھ کے زیر اہتمام دادری میں مسلم یونیورسٹی کے طلبا پر جو حملہ کیا گیا تھا کیا وہ حملہ کرنے والے پاکستانی تھے۔ اور کیا چندر ٹاکیز علی گڈھ کے کھولنے پر جو فساد ہوا ہے تو اس سنیما کا مالک اور اُس کے حامی جس میں کہ علی گڈھ ایڈمنسٹریشن بھی شامل ہے۔ سب پاکستانی تھے۔

اگر اس الزام کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے کہ علی گڈھ میں مسلسل نو ماہ سے جو فسادات ہو رہے ہیں وہ پاکستان کرا رہا ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ہماری حکومت اتنی نالائق ہے کہ وہ غیر ملکیوں کی ریشہ دوانیوں کو بھی نہیں روک سکتی۔ اور ایسی نالائق حکومت کو فوراً مستعفی ہو جانا چاہئے

جہاں تک علیگڈھ کے فسادات کی خبروں کے نشر کئے جانے کا تعلق ہے وہ پاکستان سے بھی پہلے بی۔ بی۔ سی لندن سے نشر ہوتی رہی ہیں صرف خبروں کے نشر کئے جانے کی بنا پر یہ سمجھنا کہ غیر ملک کے جاسوس یہ خبریں نشر کرا رہے ہیں ایک نہایت ہی احمقانہ بات ہے

اِنقلابِ نَو

(از جناب پرواز اصلاحی)

انقلابِ نو سے پھر دو چار ہے نظمِ جہاں ہونے والا ہے تہہ و بالا زمین و آسماں
بڑھ رہا ہے منزلِ ایماں کی جانب کاروان گر رہی ہیں کتنی نشیمن پر ترے اب بجلیاں

دینِ فطرت کی اقامت کا خیال آنے لگا
پھر مسلماں کی طبیعت میں جلال آنے لگا

پھر نہ ہوگا کوئی انساں کوئی انساں کا غلام منقلب ہونے کو ہے دنیا سے باطل کا نظام
ایک ہی مرکز پہ ہوگا پورے عالم کا نظام شخصیت کا محو ہو جائیگا دل سے احترام

پھر زمانہ میں محبت کو بقا ہو جائے گی
ساری دنیا پھر محبت آشنا ہو جائے گی

جھوم کر کس شان سے ابرِ بہاراں آگیا مژدہ باد اے زندگی جینے کا ساماں آگیا
راہِ حق میں جان دینے کو مسلماں آگیا لہلہا کر وجد میں سارا گلستاں آگیا

پھر زمیں پہ چھڑ گیا وہ نغمۂ ام الکتاب
مل گئی ہے ابنِ آدم کو نئی تعبیرِ خواب

کھل کھلا کر غنچہ و گل ہنس پڑے بے اختیار گلشنِ اسلام میں آئی ہوائے خوشگوار
زندہ باد اے نوجوانانِ عزیز و کامگار نعرۂ توحید سے گونجی فضائے کوہسار

پھر پیامِ زندگی بادِ صبا دینے لگی
پھر چٹک کر ہر کلی دل سے دعا دینے لگی



ہم لوگ

(از جناب واحد پریمی)

اہلِ دل، اہلِ جگر، اہلِ نظر ہیں ہم لوگ　　زینتِ حسن ہے جن سے وہ گہر ہیں ہم لوگ
ہم کو اے خاک کے ذرات سمجھنے والو　　غور سے دیکھو ذرا شمس و قمر ہیں ہم لوگ
تم پرستارِ جفا ہم ہیں منشارانِ وفا　　تم سیہ رات ہو تابندہ سحر ہیں ہم لوگ
جن کی خوشبو سے معطر ہے فضائے گلشن　　اے نگہباں وہی لالۂ تر ہیں ہم لوگ
ہم تو پیماسہ منزلِ نو ہیں یارو　　یہ سمجھ بیٹھے ہو کیوں، گردِ سفر ہیں ہم لوگ
فطرتاً قطرۂ شبنم کی طرح ہیں لیکن　　وقت پڑ جائے تو مانندِ شرر ہیں ہم لوگ

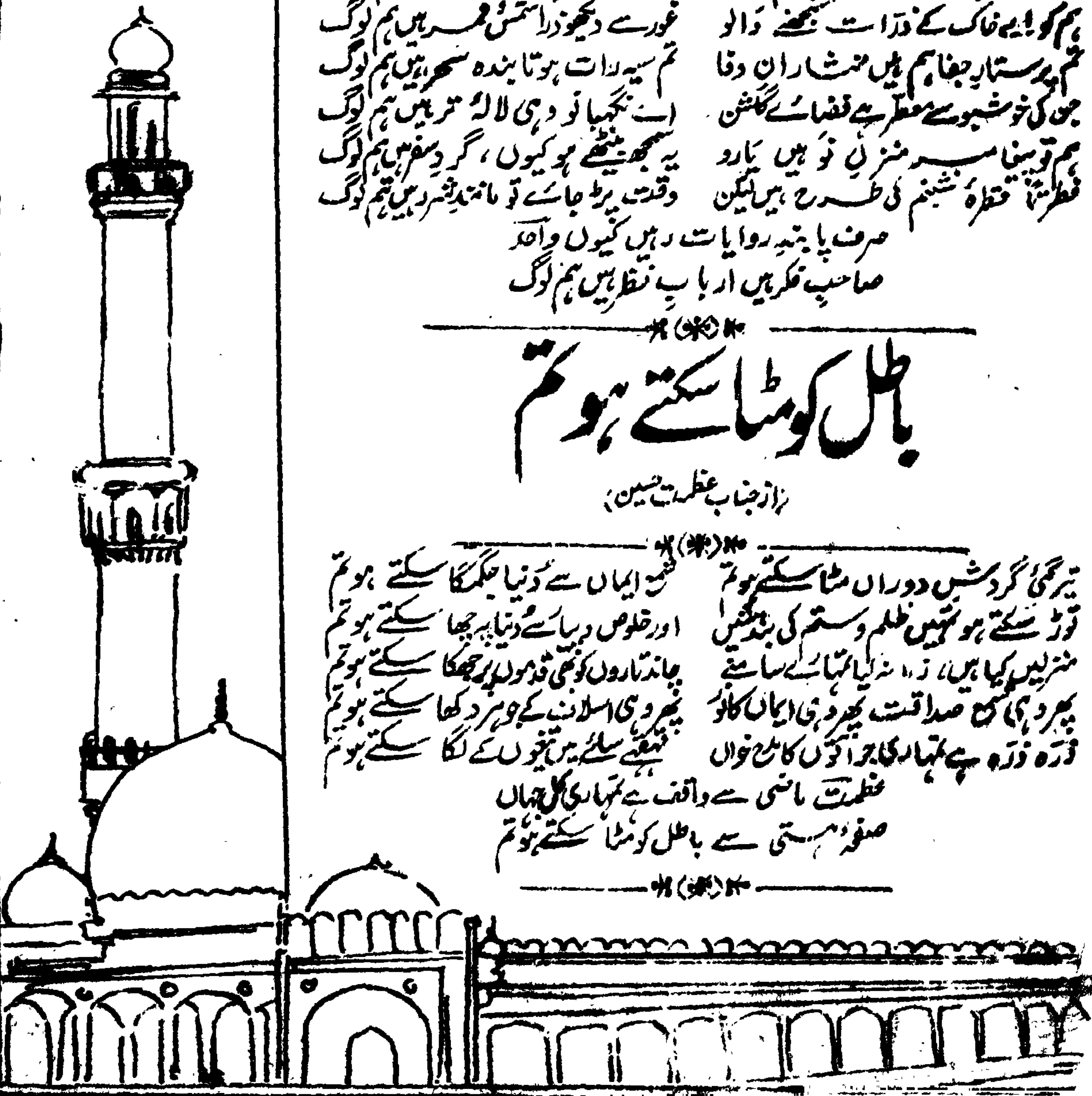
صرف پابندِ روایات رہیں کیوں واحد
صاحبِ فکر ہیں اربابِ نظر ہیں ہم لوگ

باطل کو مٹا سکتے ہو تم

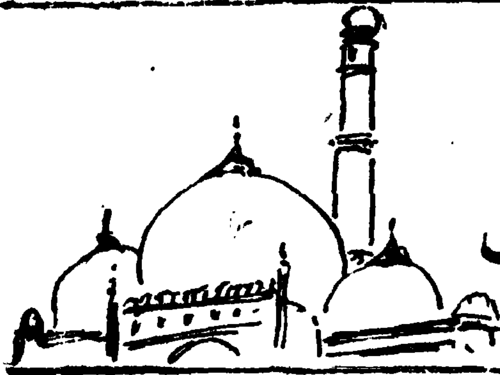
(از جناب عظمت حسین)

تیرگیٔ گردشِ دوراں مٹا سکتے ہو تم　　شمعِ ایماں سے دنیا جگمگا سکتے ہو تم
توڑ سکتے ہو تمہیں ظلم و ستم کی بندشیں　　اور خلوصِ دریا سے دنیا پہ چھا سکتے ہو تم
منزلیں کیا ہیں، ذرا سا لیا تمہارے سامنے　　چاند تاروں کو بھی قدموں پہ جھکا سکتے ہو تم
پھر وہی صبحِ صداقت پھر وہی ایماں کا نور　　پھر وہی اسلاف کے جوہر دکھا سکتے ہو تم
ذرہ ذرہ ہے تمہاری جرأتوں کا مدح خواں　　قہقہے سائے میں تیغوں کے لگا سکتے ہو تم

عظمتِ ماضی سے واقف ہے تمہاری کل جہاں
صفحۂ ہستی سے باطل کو مٹا سکتے ہو تم



گذشتہ سے پیوستہ



تعلیم القرآن

بارھواں پارہ — وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ — سُورۂ یُوسُف

(از ادارۂ دین دنیا)

دین دنیا کی زیرِ نظر اشاعت میں ہم سورہ یوسف کی تعلیمات پیش کر رہے ہیں۔ یہ بارھویں پارہ کی تعلیمات کی نویں قسط ہے۔ جس میں کہ اللہ جلّ شانہٗ نے حضرت یوسف کے ساتھ اُن کے بھائیوں کے فریب کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ تاکہ اس قصہ سے لوگ عبرت حاصل کریں۔

پیغمبر یوسف کا خواب

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ .... عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ

ترجمہ:۔ یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ اے باپ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج و چاند کو دیکھا ہے کہ مجھے سجدہ کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا بیٹا اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا ورنہ وہ تمہارے لیے کوئی فریب کھڑا کر دیں گے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا صریح دشمن ہے (معلوم ہوتا ہے کہ) اسی طرح تمہارا رب تمہیں برگزیدہ کرے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر سکھائے گا۔ اور اپنی نعمت تم پر اور اولادِ یعقوب پر اسی طرح پوری کرے گا جیسے کہ اس نے تمہارے باپ دادا ابراہیم و اسحٰق پر اس سے قبل پوری کی تھی۔ بلاشبہ تمہارا رب باخبر اور صاحبِ حکمت ہے۔

تشریح:۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ یوسف نے اپنے باپ یعقوب سے کہا کہ ابا جان میں نے خواب میں گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ سن کر یعقوب نے کہا کہ بیٹے اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے ہرگز نہ کرنا۔ اگر ایسا کرو گے تو یہ خواب سن کر وہ ضرور تمہارے خلاف کوئی نہ کوئی فریب کا جال بچھائیں گے کیونکہ اس بات میں ذرا بھی شک نہیں کہ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ اور وہ تمہارے بھائیوں کو ورغلائے گا۔

پھر حضرت یعقوب نے کہا بیٹا تم نے جو خواب دیکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں باوقار اور ممتاز کرے گا اور تمہیں خواب کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔ اور جس طرح کہ اس نے اس سے قبل تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق کو اپنی نعمتوں سے پوری طرح نوازا تھا اسی طرح اب وہ تم کو اور اولادِ یعقوب کو اپنی نعمتوں سے دل کھول کر نوازے گا۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی باخبر اور صاحبِ حکمت ہے۔

بھائیوں کی حضرت یوسف کے خلاف سازش

لَقَدْ کَانَ فِیْ یُوْسُفَ .... وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ یوسف اور اُن کے بھائیوں کے قصہ میں سوال کرنے والوں کے لئے دلائل موجود ہیں۔ اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے جب وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یوسف اور اس کا بھائی (بن یامین) ہمارے باپ کو ہم (سب) سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک جماعت کی جماعت ہیں۔ (اور وہ صرف دو ہیں) واقعی ہمارے باپ کی یہ کھلی غلطی ہے (اس کا علاج یہ ہے کہ) یا تو یوسف کو قتل کر ڈالو یا انھیں کسی سرزمین میں پھینک آؤ۔ تاکہ ہمارے باپ کا رُخ صرف ہماری ہی جانب ہو جائے۔ اور ہمارے سب کام بن جائیں۔ ان میں سے

ایک نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ کرو۔ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو اُسے کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دو تاکہ کوئی راہگیر اُسے اُٹھا کر لے جائے۔

پھر (ایک دن) انھوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے باپ یہ کیا بات ہے کہ تم یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم اُس کے خیر خواہ ہیں۔ کل اُسے ہمارے ساتھ بھیج دو تاکہ ہمارے ساتھ کھائے اور کھیلے اور ہم اُس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

یعقوب نے کہا کہ مجھے اِس خیال سے تکلیف ہوتی ہے کہ تم اُسے لے جاؤ مگر اُس سے غافل رہو۔ ڈرتا ہوں کہ (تمہاری غفلت سے) اُسے کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے۔ وہ بولے ہماری پوری جماعت ہونے کے باوجود بھی اگر اُسے بھیڑیا کھا جائے تو ہم بالکل ناکارہ ثابت ہوئے۔

پھر جب وہ یوسف کو لے گئے تو سب اِس بات پر متفق ہو گئے کہ اُسے اندھیرے کنویں میں ڈال دیا جائے (چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا) پھر ہم نے یوسف کو وحی بھیجی کہ تم (آگے چل کر) اُنھیں اُن کی اِس حرکت سے خبردار کرو گے اور وہ تمہیں پہچان تو ہی نہیں سکیں گے

تشریح:- اور اے رسول عربی! یہودی جو تم سے بنی اسرائیل کے مصر میں آباد ہونے کی وجہ دریافت کرتے ہیں، تو اُن کے لئے یوسف اور اُن کے بھائیوں کے حالات میں اللہ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

ایک دن یوسف کے سوتیلے بھائی آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یوسف (اور اُس) کا سگا بھائی بن یامین ہمارے باپ کو ہمارے مقابلہ میں بہت زیادہ پیارے ہیں۔ حالانکہ ہم سب بھائی اتنے زیادہ ہیں کہ پوری جماعت کی برابر ہیں جو اُن کے لئے بڑی طاقت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور وہ تو صرف دو بھائی ہیں جو نہ طاقت رکھتے ہیں اور نہ حیثیت یہ ہمارے باپ کی سمجھ کی بہت بڑی کوتاہی ہے۔

پھر وہ کہنے لگے اب ہمارے لئے اِس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ یا تو یوسف کو قتل کر دیا جائے یا کسی دور دراز مقام پہ لے جا کر چھوڑ دیا جائے (تاکہ واپس ہی نہ آسکے) تب ہی ہمارے باپ کی توجہ ہماری جانب ہو سکتی ہے۔ اور اِس طرح ہمارے سب کام ٹھیک ہو جائیں گے۔ مگر ان میں سے ایک بھائی نے رائے دی کہ بہتر یہ ہے کہ یوسف کو قتل نہ کیا جائے۔ اگر واقعی تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ اُسے لے جا کر کسی تاریک کنویں میں ڈال دو تاکہ کوئی راہگیر اُسے اُٹھا کر لے جائے اور ہمارا اُس سے پیچھا کٹ جائے۔

اِس تجویز اور سازش کے بعد یوسف کے سب ہی سوتیلے بھائیوں نے باپ کے پاس جا کر کہا کہ۔ اے والد محترم یہ کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر مطلق اعتماد نہیں کرتے اور اُسے کہیں بھی ہمارے ساتھ آنے جانے نہیں دیتے۔ حالانکہ ہم اُس کے دشمن نہیں ہیں بلکہ خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ اُسے کل ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیدیجئے۔ تاکہ وہ بھی ہمارے ساتھ کھیلے اور کھائے پیئے ہم سب اُس کی حفاظت کی ذمہ داری لیتے ہیں۔

یعقوب بولے کہ مجھے اِس تصور سے ہی رنج اور تکلیف ہوتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اُسے اپنے ساتھ لے جا کر اُس کی جانب سے غافل ہو جاؤ۔ اور تمہاری غفلت کی بنا پر کوئی بھیڑیا اُسے اُٹھا کر لیجائے اور اُسے کھا جائے۔ مجھے اِس بات کا بڑا اندیشہ ہے۔

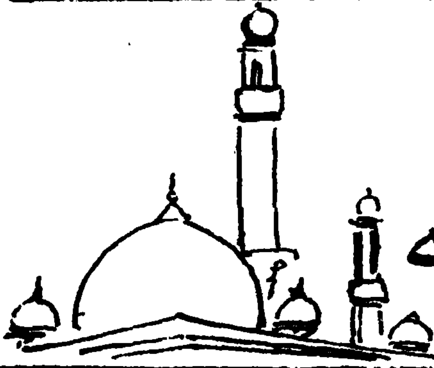
یوسف کے بھائی بولے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم سب بھائی ایک پوری جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِس کے باوجود بھی یوسف کو اگر کوئی بھیڑیا اُٹھا کر لے جائے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب کے سب آپ کی نظر میں قطعی ناکارہ ہیں نہ ایک چھوٹے بھائی کی حفاظت بھی نہیں کر سکے۔

آخر وہ باتیں بنا کر یوسف کو کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ لے ہی گئے اور سازش کے مطابق اِس بات پر متفق ہو گئے کہ اُسے کسی تاریک کنویں میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔

جب یوسف کنویں میں ڈال دیئے گئے تو ہم نے یوسف کو تسلی دینے کے لئے وحی بھیجی کہ گھبراؤ نہیں۔ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے جب تم اُنھیں اُن کی ناشائستہ حرکت پر متنبہ کرو گے۔ مگر اُس وقت تم ایسی حالت اور ایسے درجہ پر ہو گے کہ وہ تمہیں پہچان بھی نہ سکیں گے۔

اِس سورۃ کا سبب نزول یہ ہے کہ ایک وفد علمائے یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ہمیں اُن پیغمبر کا حال بتایئے جو شام میں رہتے تھے اور اُن کا بیٹا مصر جا کر وہاں کا بادشاہ بن گیا تھا۔ تاریخی شہادتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ جس زمانہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا تھا اُس زمانہ میں مکہ میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو پچھلے سابقین کے حالات کا علم رکھتا ہو۔ صرف چند ممتاز یہودی علما ہی کو اس کا علم تھا۔ (باقی صفحہ ۲۹ پر)

تعلیم الحدیث مسلسل



حاکم نا انصاف ہو جائینگے

مصیبتوں کا ہمت سے مقابلہ کرو۔ وطن دشمنی بدترین گناہ ہے

(از شوکت علی فہمی)

احادیث کی مستند کتب سے دین دنیا کی ہر اشاعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قیمتی ارشادات درج کئے جاتے ہیں۔ جو نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لئے بہترین صحیح ہدایت ہیں۔ امید ہے کہ مسلمان ان جواہر پاروں سے عبرت اور نصیحت حاصل کریں گے۔

"حاکم نا انصاف ہو جائینگے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئیگا جبکہ حاکموں کا طریقہ نا انصاف ہو جائے گا۔ اور عوام کو نا انصاف، حاکموں کے ہاتھوں شدید مصائب، اور تکالیف برداشت کرنی پڑینگی چنانچہ اس بارے میں حدیث ہے:۔

"عبداللہ بن مسعود رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ تم میرے بعد حکمرانوں میں نا انصافی دیکھوگے اور بہت سی ایسی باتیں دیکھوگے جن کو تم برا سمجھوگے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب ایسا وقت آجائے تو ہمارے لئے آپ کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا تم حاکموں کا حق ادا کرو اور اللہ سے اپنا حق مانگو" (مشکوٰۃ)

یعنی اگر ایسا وقت آجائے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ صبر و ضبط سے کام لیں قانون شکنی نہ کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں اسی سلسلہ میں ایک دوسری حدیث ہے:۔

"حضرت ابوہریرہ رض راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت تمہارے امیر یعنی حاکم صالح اور نیک ہوں اور تمہارے دولتمند سخی ہوں۔ اور تمہارے امور آپس کے مشورہ سے انجام پائیں تو اس زمین کی پشت تمہارے لئے بہتر ہے لیکن جس وقت تمہارے حاکم فاسق ظالم اور بدکار ہوں اور تمہارے دولتمند بخیل ہو جائیں اور خدمتِ خلق۔ اخوت، اور حسنِ سلوک کے جذبات مٹ جائیں تو ایسی حالت میں زمین کا پیٹ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ یعنی موت بہتر ہوگی" (ترمذی)

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا تھا۔ وہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ حکمرانوں کے دلوں میں عوام کے لئے کوئی درد باقی نہیں رہا۔ عوام شدید مصائب اور تکالیف میں مبتلا ہیں اور حکمران طبقہ کو احساس تک نہیں۔ وہ ظالم بھی بن گئے ہیں، اور بدچلن بھی دولتمند طبقہ خود غرض بن چکا ہے ان لوگوں میں نہ خدمتِ خلق کا جذبہ ہے نہ اخوت ہے اور نہ حسنِ سلوک۔ غرضکہ حضور اکرم نے آج سے چودہ سو برس قبل جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ آج ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم صبر و ضبط کے ساتھ حالات کا مقابلہ کریں اور دعا مانگیں کہ خداوند تعالیٰ زمانہ حاضرہ کے حکمرانوں اور دولتمندوں میں فرض شناسی کا مادہ پیدا کرے"

مصیبتوں کا ہمت سے مقابلہ کرو

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہوں اور جب کوئی مصیبت آن پڑے تو ہمیشہ صبر و ضبط سے کام لیں چنانچہ اِس سلسلہ میں صحیح حدیث ہے۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایماندار شخص کے لئے کوئی تکلیف۔ بیماری۔ اور غم ایسا نہیں ہے جو اُسے تردد میں ڈال سکے کیوں کہ اِس سے اُس کے گناہ دور ہوتے ہیں۔" (بخاری و مسلم)

یعنی سچا مسلمان کبھی بھی دنیاوی پریشانی سے نہیں گھبراتا بلکہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دنیاوی پریشانیوں سے اُس کے گناہوں کی تلافی ہوتی ہے۔ اور اسی سلسلہ میں ایک دوسری حدیث ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قدر بڑی مصیبت برداشت کی جاتی ہے اُسی قدر زیادہ اُس کا اجر ملتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اُسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے پھر جو اس قوم سے راضی ہوا اُس سے خدا بھی راضی ہو گیا اور جو ناراض ہوا تو اُس سے خدا بھی ناراض ہو گیا۔" (ترمذی)

اِس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جن قوموں میں مصیبت برداشت کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے وہ مصیبتوں کی بھٹی میں پڑ کر کندن بن جاتی ہیں اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ ہمارے سامنے ہے کہ کونسی ایسی مصیبت اور سختی تھی جو مشرکین مکہ اور کفار کے ہاتھوں مسلمانوں نے نہیں برداشت کی لیکن ان ہی مصیبتوں نے مسلمانوں کو کندن بنا دیا یہاں تک کہ بے سہارا مسلمان نصف صدی کے اندر ہی دنیا کے بیشتر حصہ کے مالک اور حکمران بن گئے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو مصائب سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر آج بھی مسلمانوں میں مردانہ وار مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو مسلمانوں کی آدھی سے بھی زیادہ مشکلات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

وطن دشمنی بدترین گناہ ہے

اسلام حب الوطنی کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ اسی لئے اُس نے ہر فرد پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ وہ سچے دل سے اپنے وطن کا وفادار رہے۔

اور اِس کے ساتھ ہی اسلام نے جاسوسی اور غداری کو بدترین جرم اور گناہ قرار دیا ہے چنانچہ اس بارے میں امام بخاری کی حدیث ہے:-

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مدینہ کے شمالی علاقہ میں کچھ یہودی آباد تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ پُرامن اور (وطن کے) وفادار رہیں گے۔ اس یقین دہانی کے بعد حضرت عالم صلعم اُن پر برابر احسانات کرتے رہے لیکن انھوں نے غداری کی۔ دھوکہ دیا اور جاسوسی کرتے رہے۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ انھیں جلا وطن کر دیا جائے۔ اِن میں سے جو زیادہ فتنہ انگیز تھے اور جن کے جرائم سنگین تھے انھیں قتل کر دیا گیا۔" (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ جن لوگوں کو جاسوسی اور وطن سے غداری کے جرم میں جلا وطن کیا گیا تھا۔ اُن کے ہتھیار بھی چھین لئے گئے تھے اور اُن کی املاک و جائیداد کو بھی ضبط کر لیا گیا تھا۔

اس حدیث سے یہ بات صاف طور پر واضح ہے کہ اسلام نے غداری اور جاسوسی کو بدترین جرم قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ جاسوسی اور غداری کا ارتکاب کرنے والوں کو سزائے موت تک دی گئی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام نے حب الوطنی کو ایمان کا جزو قرار دیا ہے اس لئے وہ ایسے لوگوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے جو ملک و وطن سے غداری کریں خواہ اُن کا تعلق کسی مذہب سے بھی کیوں نہ ہو۔

معاش کے لئے جدوجہد ضروری

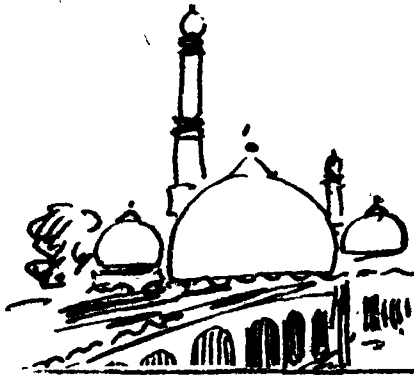
اسلام گوشہ نشینوں کا مذہب نہیں ہے بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس کے متبعین دین کے ساتھ دنیاوی جدوجہد میں بھی پورا پورا حصہ لیں چنانچہ ایک حدیث ہے:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بھی انسان کی عقلمندی ہے کہ وہ اپنی معاش کی اصلاح کرتا رہے یعنی معاش کیلئے نئی نئی راہیں تلاش کرتا رہے۔" (مشکوٰۃ)

اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ "جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنی روزی کی تلاش سے غافل ہو کر ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہ بیٹھے رہو۔"

اِن احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام دین کے ساتھ دنیاوی جدوجہد میں حصہ لینے کا کتنا بڑا حامی ہے۔

اسلامی افکار



اسلام اور اسلامی حکومتیں دنیا کیلئے رحمت

مسلم حکمرانوں نے نوعِ انسانی کی بڑی خدمت انجام دی ہے

(از۔ اے۔ ڈبلیو۔ محمد غوث)

اے ڈبلیو محمد غوث سیلون کے ایک نامور مفکر اور اسلامی تاریخ کے ایک ممتاز اسکالر ہیں پچھلے دنوں اُن کا ایک فاضلانہ مقالہ انگریزی زبان میں شائع ہوا تھا جس کا خلاصہ ناظرین دین دنیا کی دلچسپی کے لئے ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

جس طرح اسلام اور دیگر مذاہب میں فرق ہے اُسی طرح اسلامی اور غیر اسلامی حکومتوں میں بھی زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ چنانچہ زمانہ قدیم کی اسلامی حکومتوں میں بعض ایسی خصوصیات دکھائی دیتی ہیں۔ جو زمانہ حاضرہ کی جمہوری حکومتوں میں بھی مفقود ہیں اور اِس کا بڑا سبب یہ ہے کہ اسلام نے حکمرانی کا جو دستور پیش کیا ہے اُس کے ذریعہ حکمرانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو حکمران نہ سمجھیں بلکہ مخلوق خدا کا خادم بن کر حکومت کریں خزانہ شاہی کو ذاتی ملکیت نہیں بلکہ مخلوقِ خدا کی امانت تصور کریں۔ اور اسلام چونکہ صرف مسلمانوں کے لئے نہیں ہے بلکہ ساری دُنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہے۔ اِس لئے مسلم حکمرانوں کو یہ ہدایت بھی کی گئی ہے کہ وہ غیر مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ تنگ دلی کا سلوک ہرگز نہ کریں اُنھیں بھی وہی تمام سہولتیں اور مراعات دیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ چنانچہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں دُنیا کے ہر حصہ میں بلا امتیاز مذہب وملت رُوحانی اور مادّی ترقی میں جو عظیم کارنامے انجام دئے ہیں۔ اُن سے مسلم اور غیر مسلم یکساں طور پر مستفید ہوئے ہیں۔

مسلمان پہلی صدی ہجری ہی میں عرب کی حدود سے نکل کر فاتح کی حیثیت سے ایشیا کے دوسرے حصوں۔ شمالی افریقہ کی وسعتوں۔ اور یورپ کے بعض گوشوں میں پھیل گئے تھے۔ مسلمان اگرچہ ان خطوں پر حکمران اور فاتح کی حیثیت میں قابض ہوئے تھے۔ لیکن اُنھوں نے غیر مسلم حکمرانوں کی طرح مفتوحین کے ساتھ کبھی بھی جبر وتشدد کا سلوک نہیں کیا بلکہ اُنھوں نے مفتوحین کے ساتھ نہ صرف محبت کا سلوک کیا بلکہ اپنی تمام تر قوتوں کو خلقِ خدا کی خدمت گزاری اور اخلاقی اصلاح پر صرف کیا تھا۔

فاتحین اسلام کی رواداری پالیسی کی قدر وقیمت اُسی وقت معلوم ہو سکتی ہے جبکہ یوروپی فاتحین کے طرزِ عمل کا مسلم حکمرانوں کے طرزِ عمل سے مقابلہ کیا جائے۔ چارلس اعظم یورپ کا بہت بڑا فاتح ہوا ہے۔ اُس نے وسطی یورپ کے جرمنی قبائل سیکسنز' ایوارڈز وغیرہ کو زیر کر لیا تھا۔ اور اطالیہ کو فتح کر کے اپنی حکومت کی حدود کو وسیع تر کر لیا تھا۔ چنانچہ چارلس کے عہد کا مورخ ڈاکٹر سیلی چارلس کی فتوحات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"چارلس کے نزدیک توسیع سلطنت اور مذہبی تبلیغ ایک ہی چیز تھی۔ چنانچہ اُس نے مفتوحہ اقوام کے لئے حکم جاری کر دیا تھا کہ جو لوگ کہ مسیحیت سے انکار کریں گے یا مسیحیت کی توہین کریں گے وہ سزائے موت کے مستوجب قرار دئے جائیں گے۔" اسی طرح جب ولیم اوّل کے زیر قیادت نارمنوں نے انگلستان پر حملہ کر کے اُسے فتح کیا تھا۔ تو محض عقائد کے ذرا سے اختلافات کی بنا پر ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کو تہہ تیغ کر دیا تھا۔ اِس کے علاوہ روم کے پوپ اعظم نے یہ حکم دیدیا تھا کہ جو لوگ کیتھولک عقائد کے منکر ہیں اُنھیں زندہ رہنے

کا کوئی حق نہیں ہے۔ عقائد کے اختلاف کی بنا پر جا بجا ہزاروں انسانوں کو زندہ جلا دیا گیا تھا۔

اس کے برخلاف مسلمان فاتحانہ حیثیت سے جس ملک میں بھی داخل ہوئے انھوں نے وہاں کے قدیم باشندوں کے ساتھ پوری رواداری اور محبت کا سلوک کیا چنانچہ فرانسیسی مورخ ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتا ہے کہ "عیسائیوں کی طرح مسلمانوں نے بھی مختلف ملکوں کو فتح کر کے وہاں اپنی حکومتیں قائم کی ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان حکومتوں کے قیام سے مسلمانوں کا مقصد ملک گیری اور جلب منفعت نہیں تھا بلکہ وہ اپنی طاقت اور قوت سے مفتوحہ علاقوں میں ایک مخصوص نظام نافذ کرنا چاہتے تھے مسلمانوں کا زاویۂ نظر اُن کا مذہبی نظام ہے۔ وہ اس نظام کے پھیلانے کے خواہشمند تو ضرور تھے لیکن اس نظام کے تحت وہ غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ مسلمانوں کو سچا مسلمان بننے اور انھیں نوع انسانی کی خدمت کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ پھر مسلمانوں نے اپنی حکومتوں میں جو اسلامی نظام قائم کیا تھا اس کے ماتحت عدل و انصاف کے نقطۂ نظر سے کسی مسلمان اور غیر مسلم میں نیز امیر اور غریب کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا تعلیم سب کے لئے عام تھی اور تعلیم پر کسی کو ایک پائی بھی خرچ نہیں کرنی پڑتی تھی۔ مدرسے اور اعلیٰ تعلیم گاہیں اگرچہ عام طور پر مسجدوں کے ساتھ ملحق تھیں۔ اور ان کے تمام مصارف مسلم حکومتیں ہی برداشت کرتی تھیں لیکن کسی غیر مسلم طالب علم کو اسلام کی مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا تھا بلکہ غیر مسلم اپنے پسند کے علوم اسلامی مدارس کے اقامت گاہوں میں رہ کر آزادی سے حاصل کرتے تھے۔

اسی طرح ایک عیسائی سیاح میتزل نے اپنی ایک یادداشت میں لکھا ہے "میں نے جب مسلم ممالک کی سیاحت شروع کی تھی تو میرا مقصد یہ تھا کہ میں مسلمانوں کی وحشت، اور غیر شائستگی کے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں اور مسلمانوں کی درندگی کے متعلق جو کچھ سنتا اور پڑھتا رہا ہوں اس کی خود جا کر تصدیق کروں لیکن میں نے اسلامی ملکوں میں جو کچھ دیکھا وہ ان باتوں سے بالکل مختلف تھا جو میں مسلمانوں کے متعلق سنتا رہا تھا۔ اسلامی ممالک کے مرکزی مقامات پر جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ عیسائی اور یہودی بے فکری کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور مسلمان اُن کے عبادت خانوں [illegible] اور اُن کی عزت و آبرو کی حفاظت نہیں کرتے [illegible] زبان اور اُن کے علوم و فنون کے محافظ اور سرپرست بھی ہیں بعض مسلمان خود عبرانی۔ سریانی اور دوسری قدیم اور فراموش شدہ زبانیں پڑھتے ہیں اور اُن کے ذریعہ سے قدیم علوم و فنون کے متعلق معلومات حاصل کر کے اُن سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اور رفاہ عامہ کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کی بابت یہ بات کہنا کہ اُن کا طرز عمل غیر مسلموں کے ساتھ وحشیانہ ہے ایک ایسی غلط بیانی ہے جس کی کوئی بھی بنیاد نہیں

اس عیسائی سیاح کے ان ذاتی مشاہدات کے علاوہ بھی اگر تاریخ کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ مسلمانوں کے دور اقتدار سے دُنیا کو کتنا فائدہ پہنچا ہے تو یہ ماننا پڑیگا کہ مسلم حکمران مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ سب ہی کے لئے رحمت ثابت ہوئے ہیں مثلاً عباسی خاندان کے مشہور حکمران خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ کے متعلق مسلمانوں کے مخالف عیسائی مورخوں کو بھی اتفاق رائے کے ساتھ یہ بات تسلیم کرنی پڑی ہے "اس نے ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ اور ایک شفاخانہ بھی تعمیر کر دیا تھا۔ درسگاہوں میں بلا امتیاز مذہب و ملت مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ اور شفاخانوں میں علاج معالجہ کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا تھا۔ اور دماغی امراض کے علاج کے لئے بغداد میں سب سے پہلا شفاخانہ خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ ہی میں قائم کیا گیا تھا۔

بغداد خلفائے عباسیہ کا دارالحکومت اور اس دور میں دنیا کا سب سے بڑا علمی۔ فنی۔ تہذیبی اور تجارتی مرکز تھا چنانچہ انگریز مورخ گبن نے اس شہر کے متعلق لکھا ہے "پوری دُنیا میں یہ سب سے بڑا علمی اور فنی مرکز ہے جہاں طب جیسے مشکل فن کے بڑے بڑے ماہرین موجود ہیں صرف ایک ہی شہر میں ۸۰۰ طبیب مطب کرتے تھے اور تمام اطبا اپنے فن کے ماہر اور مسلم الثبوت تسلیم کئے جاتے تھے۔ جن میں کہ بہت سے طبیب عیسائی بھی تھے

مسلمانوں نے ایک طرف تو مشرق میں بغداد کو علوم و فنون کا مرکز بنا دیا تھا۔ اور دوسری جانب مغرب میں انھوں نے سپین میں جو حکومت قائم کی تھی۔ اسی کی بدولت یورپ کے عیسائی (باقی صفحہ ۲۹ پر)

تاریخ اسلام کا ایک ورق

جان دیدی مگر گردن نہ جھکائی

سیستان کے مسلمانوں کی سرفروشی کا ایک واقعہ



(از شوکت علی فہمی)

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دورِ اوّل میں مسلمانوں کی حق پسندی کا یہ عالم تھا کہ وہ جان دیدیتے تھے مگر باطل کے سامنے کبھی گردن نہیں جھکاتے تھے۔ چنانچہ ذیل میں ہم خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ بیان کر رہے ہیں جس سے کہ بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان کس طرح دین کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کر دیا کرتے تھے۔

یہ [illegible] ہجری کے اس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ مسلمانوں کی خانہ جنگی کی بدولت خلافتِ اسلامیہ کمزور ہو چکی تھی۔ اور اس کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سی باجگذار ریاستوں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔

انہی باجگذار ریاستوں میں سے ایک "سیستان" کی ریاست بھی تھی جس پر "رتبیل" نامی ایک آتش پرست سردار حکمراں تھا۔ رتبیل نے اچانک نہ صرف خلافتِ اسلامیہ سے بغاوت کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا بلکہ اس نے سیستان کے مسلمانوں پر بھی یہ دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا کہ وہ دینِ حق چھوڑ کر آتش پرستی کا مسلک اختیار کر لیں اور اپنے اس ناپاک مقصد کی تکمیل کے لئے رتبیل نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑنے شروع کر دیئے تھے۔

سیستان کے مسلمان ابتدا میں تو آتش پرستوں کی زیادتیاں برداشت کرتے رہے لیکن جب انھوں نے مسلم خواتین کی بے آبروئی شروع کی تو مسلمانانِ سیستان کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہا کہ وہ دینِ حق پر کٹ مریں۔ آخر مسلمانوں نے مجبور ہو کر اپنے اہل و عیال کو تو ایران منتقل کر دیا اور خود دینِ حق کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ اور انھوں نے سیستان کے آتش پرست حکمراں کو پیغام دیا کہ "ہم پر بلاوجہ جو زیادتیاں کی جا رہی ہیں وہ ناقابلِ برداشت ہیں۔ ہم ہمیشہ ریاست کے وفادار رہے ہیں لیکن پھر بھی اس جرم کی پاداش میں ہم پر زیادتیاں ہوتی ہیں چونکہ ہم اسلام کے پیرو ہیں صرف یہ ہی وجہ ہے کہ ہم پر سختیاں کی جا رہی ہیں۔ ہمارے گھروں کو اجاڑ دیا گیا ہے۔ ہماری کھیتیاں جلا کر خاک کر دی گئی ہیں اور اب ہمارے لئے یہ مظالم ناقابلِ برداشت ہیں یا تو ان مظالم اور ناانصافیوں کا سلسلہ بند کیا جائے۔ یا پھر ہم اپنے دین کی حفاظت کے لئے کٹ مرنے کے لئے مجبور ہیں۔"

مسلمانوں کے اس چیلنج نے رتبیل کو آپے سے باہر کر دیا اور اس نے سیستان کے ان تمام علاقوں پر یورش کر دی جہاں مسلمان آباد تھے آتش پرستوں کی فوجیں حرکت میں آ گئیں اور ان بے گناہ مسلمانوں پر پل پڑیں جن کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ خدائے واحد کا نام لیتے تھے اور دینِ حق کے پرستار تھے۔ مسلمانوں کی تعداد اگرچہ محدود تھی لیکن پھر بھی وہ بڑی پامردی کے ساتھ آتش پرستوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہ مقابلہ تقریباً سترہ

روز تک جاری رہا اور اس مقابلہ میں سیستان کے ایک ایک کلمہ گو نے دینِ حق پر اپنی جان قربان کردی۔ اللہ اللہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا کیا حوصلہ تھا کہ وہ بے سروسامانی کے باوجود باطل کی قوتوں سے ٹکرا جاتے تھے

اس دردناک سانحہ کا علم جب خلیفہ عبدالملک بن مروان کو ہوا تو اُسے اپنی کوتاہی کا بڑا احساس ہوا کہ وہ سیستان کے بے سہارا مسلمانوں کی کوئی مدد نہیں کرسکا چنانچہ اُس نے رتبیل سے مسلمانوں کے خونِ ناحق کا انتقام لینے کے لئے ایک لشکر روانہ کردیا جس کی قیادت سپہ سالار عبداللہ کے سپرد کی۔ عبداللہ نے اچانک سیستان پر حملہ کردیا لیکن رتبیل کی فوجی طاقت بھی کچھ کم نہ تھی لہٰذا سپہ سالار عبداللہ کو شکست ہوگئی اور ہزاروں مسلمان اِس معرکہ میں کام آگئے۔

عبداللہ کی شکست کے بعد خلیفہ عبدالملک نے ایک دوسرا عظیم الشان لشکر صالح بن ابی بکر کی سرکردگی میں روانہ کیا رتبیل بڑا ہی چالاک حکمران تھا۔ وہ بڑی عیاری کے ساتھ پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ اور صالح سیستان کے علاقہ میں اتنے آگے بڑھتے چلے گئے کہ اُن کے لئے واپسی دشوار ہوگئی۔ رتبیل نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ مسلمانوں کے لئے تمام راستے بند کردئے۔ صلح کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ رتبیل سے صلح کرلیں لیکن رتبیل اس شرط پر مسلمانوں سے صلح کرنے پر آمادہ ہوا کہ اُسے سات لاکھ دینار بطور تاوان ادا کئے جائیں۔

اِس معرکہ میں ایک پرجوش مجاہد شریح بن ہانی بھی صالح کے ہمراہ تھے۔ وہ شروع ہی سے صلح کی بات چیت کے مخالف تھے انھوں نے سپہ سالارِ اسلام سے کہا کہ "اوّل تو ایک دشمنِ اسلام سے صلح کی بات چیت کرنا ہی ہمارے لئے باعثِ ننگ تھا۔ اور اب جبکہ وہ ہم سے تاوانِ جنگ بھی مانگ رہا ہے۔ تو اُس کی شرائط قبول کرنا ہمارے لئے اور بھی باعثِ ننگ ہے۔ اگر ہم نے یہ شرط منظور کرلی تو نہ صرف اِس نواح میں اسلام کمزور پڑجائے گا بلکہ مسلمانوں کی بُری طرح ہوا خیزی ہوگی۔ ہم یہاں جان بچانے کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ ہمارا نشا دینِ حق پر اپنی جانیں قربان کرنا ہے۔ ہماری خودداری ہرگز اِس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم مال و زر دے کر زندہ رہیں ہم سے ہزار درجہ بہتر تو سیستان کے وہ نہتے مسلمان تھے جنھوں نے اپنی جانیں تک اسلام کے لئے قربان کردیں۔"

مختصر یہ کہ شریح بن ہانی کی مخالفت کی بنا پر رتبیل کی شرائط کو ٹھکرا دیا گیا اور مسلمان بے دریغ میدانِ کارزار میں کود پڑے۔ مسلمانوں کے لئے چونکہ واپسی کے تمام راستے بند کردئے گئے تھے اس لئے انھوں نے سیستان کے اندرونی علاقوں میں گھس کر اس ریاست کے بیشتر حصہ کو پامال کرڈالا۔ اور لشکرِ اسلام کا ایک ایک سپاہی اسلامی غیرت پر قربان ہوگیا۔

رتبیل کے مقابلہ میں جب مسلمانوں کی یہ دوسری مہم بھی ناکام ہوگئی تو خلیفہ عبدالملک بن مروان کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی اور اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود اِس معرکہ کو سر کرکے رتبیل سے بے گناہ مسلمانوں کے خون کا انتقام لے گا لیکن عبدالملک کے آزمودہ کار سپہ سالار عبدالرحمٰن بن اشعث نے خلیفہ کو اِس ارادہ سے روکتے ہوئے یہ مہم خود اپنے ذمہ لی اور ایک لشکرِ جرار کے ساتھ سیستان کی جانب روانہ ہوگیا۔

پچھلے دو معرکوں میں کامیاب ہونے کے بعد رتبیل کے حوصلے بے حد بڑھ گئے تھے۔ جوں ہی اسلامی لشکر سیستان کی حدود میں داخل ہوا رتبیل بڑے اہتمام کے ساتھ مقابلہ پر میدان میں آگیا۔ اور خونریز جنگ چھڑ گئی۔ لیکن چند ہی گھنٹوں کے بعد آتش پرستوں کو اندازہ ہوگیا کہ اس مرتبہ مسلمانوں پر فتح حاصل کرنا آسان نہیں۔ لہٰذا اُس نے سپہ سالارِ اسلام کے پاس پیغام بھیجا کہ "میں اپنی گذشتہ کوتاہیوں پر نادم ہوں اور دوبارہ اطاعت قبول کرنے پر آمادہ اور تیار ہوں" لیکن ابن اشعث نے کہلا بھیجا کہ "قاتلوں اور خونیوں کی اطاعت ہم نہیں قبول کیا کرتے"۔ اور اِس جواب کے بعد سپہ سالارِ اسلام سیستان کے علاقے فتح کرتے ہوئے اور مفتوحہ علاقوں کے نظام کو مستحکم بناتے ہوئے بڑھتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ پورا سیستان اس مردِ مجاہد نے فتح کرلیا۔ اور پھر ایک بار سیستان کے کوہستان میں نعرۂ توحید گونجنے لگا اور رتبیل کو گرفتار کرنے کے بعد قتل کردیا گیا۔

سیستان کے اِس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں کس بلا کا اسلامی جوش تھا کہ وہ اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کردیتے تھے چنانچہ مسلمانوں کی ان قربانیوں ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ اسلام مختصر سے عرصہ میں ایشیا اور افریقہ کے بر اعظموں سے گذر کر یورپ تک پھیل گیا تھا۔ اور اسلام کا پرچم مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک لہرانے لگا تھا۔ اور آج بھی دنیا کے جن حصوں میں مسلمانوں کی سلطنتیں قائم ہیں وہ اُن ہی مجاہدین کی یادگار ہیں۔

تاریخ ہند



قدیم زمانہ کے ہندو راجہ
یہ اسلام کے معاون اور مسلمانوں کے سرپرست تھے

(از سید صباح الدین عبد الرحمٰن)

سید صباح الدین کا یہ تاریخی مقالہ اس اعتبار سے بے حد اہم ہے کہ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آج ہمارے ملک میں جو فرقہ پرستی پائی جاتی ہے وہ زمانہ حاضرہ کی سیاست اور جوڑ توڑ کی پیداوار ہے۔ جہاں تک تاریخی حقائق کا تعلق ہے زمانۂ قدیم میں اس فرقہ پرستی کا نام و نشان تک نہ تھا چنانچہ سید صباح الدین نے جن تاریخی حقائق کا اظہار کیا ہے وہ ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔

جنوبی ہند میں عرب کے مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ہی آباد ہونے لگے تھے اور انھوں نے جنوبی ہند کے ساحلوں خصوصاً ملیبار میں اپنے پاکیزہ اخلاق اور میل جول سے ان علاقہ کے لوگوں پر اپنے خوشگوار اثرات پیدا کرنے کے بعد کافی عزت اور توقیر انھوں نے حاصل کر لی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب وہ ان علاقوں میں مذہبی تبلیغ کرتے تھے تو ان کی تبلیغی سرگرمیوں میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں پیدا کی جاتی تھی چنانچہ شمالی اور جنوبی ساحل کے علاقوں میں مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیاں ہو گئی تھیں۔ ان کی تجارتی منڈیاں قائم تھیں۔ ان کا میل جول وہاں کے ہندو باشندوں سے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ چنانچہ نو مسلم ہندوؤں کے خاندانوں میں عربوں نے شادیاں بھی کر لی تھیں جن سے کئی مخلوط نسلیں مثلاً نوائت اور لبی پیدا ہوئیں۔

دسویں صدی میں عرب پورے مشرقی ساحل پر چھا گئے تھے اور قلیل مدت میں سیاست اور معاشرت میں عربوں نے اہم حیثیت حاصل کر لی تھی۔ یہ ایک طرف تو ہندو ریاستوں میں وزرا، امیر البحر سفرا کے عہدوں پر مامور ہوئے دوسری طرف یہ وہاں کے لوگوں کو مشرف با اسلام بھی کرتے رہے۔ انھوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ بھی کی مسجدیں بنوائیں، مقبرے تعمیر کئے جو اسلام کے مبلغوں اور صوفیوں کے لئے تبلیغی مرکز بن گئے [illegible] بقول ڈاکٹر تاراچند ساتویں صدی کے بعد سے جنوبی ہند میں ہندو مت میں جتنے بھی نئے انقلابات آئے ہیں یہ اسلام ہی کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ (انفلوئنس آف اسلام ان انڈیا ص ۴۴)

کاٹھیاواڑ، گجرات اور کوکن میں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی تھی۔ ہر جگہ ان کی ایک ایک مسجد تھی ہندو راجہ ان مسلمانوں سے فراخدلی اور مہربانی سے پیش آتے تھے سلیمان مسعودی، ابن حوقل اور ابو زید نے گجرات کے راجہ بلہرائے کی مسلمان دوستی کی بے حد تعریف کی ہے۔

مسعودی ۳۰۶ ہجری میں ہندوستان آیا تھا وہ لکھتا ہے کہ:۔

"ہندوستان کے راجاؤں میں راجہ بلہرا کی حکومت میں مسلمانوں کو غیر معمولی عزت حاصل ہے۔ اس راجہ کی سلطنت میں اسلام محفوظ اور معزز ہے۔ اس کے ملک میں مسلمانوں کی پنجگانہ نماز کے لئے مسجدیں اور جامع مسجدیں ہیں جو سب آباد ہیں یہاں کے راجہ چالیس چالیس اور پچاس پچاس سال بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت تک راج کرتے ہیں۔ اس سلطنت کے باشندوں کا خیال ہے کہ ان کی عمریں عدل و انصاف اور مسلمانوں کی عزت اور توقیر کرنے کی وجہ سے لمبی ہوتی ہیں۔" (مروج الذہب ج اص ۳۸۴)۔

مسعودی آگے چل کر لکھتا ہے کہ ۳۰۴ ہجری میں ہندوستان کے شہر چیمور میں راجہ بلہورائے کی مملکت لار کا جو علاقہ ہے اس میں جو راجہ تھا اس کا نام جانج تھا یہ بھی مسلمانوں کا بہت بڑا

مشہور تھا۔ اس وقت تقریباً دس ہزار مسلمان وہاں آباد تھے۔ جو اصل میں بیاسرہ، سیراف، عمان، بصرہ، بغداد اور دوسرے ملکوں کے تھے۔ لیکن انھوں نے ان علاقوں میں بود و باش اختیار کرلی تھی۔ ان میں سے بہت سے نہایت معزز اور بڑے بڑے تاجر ہیں۔ اس علاقہ میں قاضی کے عہدہ پر ان دنوں ابوسعید معروف بن زکریا مامور تھے۔ جو مسلمانوں کے مقدمات فیصل کرتے تھے۔ راجہ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ کسی ممتاز مسلمان ہی کو مسلم آبادی کا حاکم مقرر کرتا تھا۔ اور مسلمانوں کے تمام معاملات اسی کے سپرد ہوتے تھے۔

اصطخری (۳۴۰ھ) لکھتا ہے، کہ کھمبایت سے راجہ بلہرا کے شہر چیمور تک سب ہندوؤں کے شہر ہیں۔ مگر ان میں کچھ مسلمانوں کی بھی آبادی ہے اور راجہ بلہرا کی طرف سے کوئی مسلمان ہی ان کے معاملات کا نگراں ہوتا ہے۔ ان شہروں میں مسجدیں اور جامع مسجدیں بھی ہیں جن میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے (مسالک الممالک صفحہ ۱۷۳) ادریسی جو گیارہویں صدی میں ہندوستان آیا تھا لکھتا ہے کہ نہروالہ میں کثرت سے مسلمان تاجر آتے رہتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے مسلم تاجروں کا بڑا اعزاز و اکرام ہوتا ہے ان کے مال و متاع کی حفاظت کی جاتی ہے (نزہۃ المشتاق جزو ۸) اور تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سومناتھ کے راجہ کے یہاں بھی مسلمان عہدہ دار تھے۔

جنوبی ہند میں جو قوم موپلا کے نام سے مشہور ہے وہ دراصل عراق سے اس علاقہ میں آئے تھے جو یہاں آباد ہوگئے۔ یہ گرم مسالہ ہاتھی دانت اور جواہرات کے تاجر بن کر آئے تھے۔ ان میں اور ہندو راجاؤں میں دوستانہ تعلقات پیدا ہوگئے تھے۔ ہندو راجہ اپنے علاقہ کی تجارت کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ اور اپنے ملک کی تجارت کو ترقی دینے کے لئے انھوں نے مسلمان تاجروں کو اپنی حفاظت اور سرپرستی میں لے لیا تھا اور ان کی وجہ سے اس علاقہ میں تجارت کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ خوشحالی بھی پیدا ہوئی۔ اسی لئے جب اس علاقہ میں مسلمانوں نے دعوت اسلام کے لئے سرگرمی دکھائی تو ان کی مزاحمت نہیں کی گئی۔ (دعوت اسلام طبع آرنلڈ ترجمہ باب نہم)

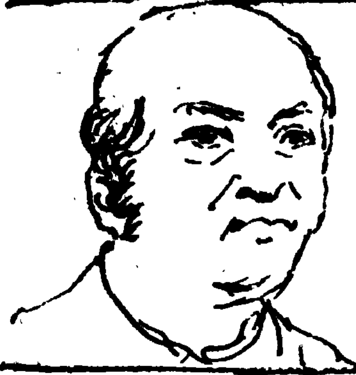
اسی طرح نہروالہ کے ایک ہندو راجہ جے سنگھ کی عدل پسندی اور مذہبی رواداری کے واقعات بھی بہت مشہور رہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کھمبایت کی ایک جامع مسجد کو ہندوؤں اور آتش پرستوں نے نقصان پہنچایا۔ مسجد کے خطیب نے نہروالہ کے حکمراں جے سنگھ کے پاس پہنچ کر اس ظلم و زیادتی کی فریاد کرنا چاہی لیکن درباریوں نے اس کی رسائی نہیں ہونے دی لیکن خطیب موقع پاکر راجہ کے پاس اس وقت جا پہنچا جب وہ شکار کھیلنے جا رہا تھا خطیب نے ساری سرگزشت راجہ کو سنادی

راجہ جے سنگھ جب شکار سے واپس آیا تو کئی روز تک روپوش رہا۔ اس اثنا میں وہ بھیس بدل کر کھمبات پہنچ گیا اور جامع مسجد کے پاس کے لوگوں سے حالات معلوم کئے تو ہر ایک کی زبانی اسے یہی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے۔ اس تفتیش کے بعد راجہ اپنی راجدھانی میں واپس آگیا اور خطیب کو دربار میں طلب کیا بھرے دربار میں جب یہ معاملہ پیش کیا گیا تو درباریوں نے اسے جھٹلانے کی کوشش کی لیکن جب راجہ نے اپنی ذاتی تفتیش کا حال سنایا تو سب حیران رہ گئے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ جن برہمنوں اور آتش پرستوں کے رہنماؤں نے مسجد کو نقصان پہنچایا ہے۔ انھیں سخت سزا دی جائے۔ اور اپنی طرف سے ایک لاکھ بالوترے (اس زمانہ کا سکہ) عنایت کئے تاکہ مسجد اور منار کی مرمت کی جائے۔ اور خطیب کو چار بیش قیمت جوڑے کپڑوں کے عطا کئے جو بڑے قیمتی کپڑوں سے تیار کئے گئے تھے (جوامع الحکایات قلمی نسخہ دارالمصنفین — اردو ترجمہ انجمن ترقی اردو)

ان تمام واقعات سے یہ بات صاف طور پر واضح ہے کہ قدیم زمانہ کے ہندو راجہ مسلمانوں کے معاملہ میں نہایت ہی وسیع نظر واقع ہوئے تھے۔ اور ان کی اس وسیع نظری کی وجہ سے تبلیغ اسلام کے معاملہ میں مسلمانوں کو بڑی سہولت حاصل ہوئی تھی۔ اور آج اسی ہندوستان میں فرقہ وارانہ بدمزگی عروج پر ہے۔

اسلام اور غیر مسلم



اسلام غیر مسلموں کی نظر میں

اسلام کے بارے میں شری بشمبر ناتھ پانڈے کے خیالات

(ہمارے مفکر کے قلم سے)

شری بشمبر ناتھ پانڈے ایڈیٹر "نیا ہند" کا ایک طویل مضمون "حضرت محمدؐ اور اُن کا پیغام" کے عنوان سے پچھلے دنوں شائع ہو اتھا جس میں کہ اس لائق اہل قلم نے اسلام کے محاسن پر بڑی وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی تھی۔ چنانچہ ہم اس مضمون کے بعض اہم حصے ناظرین دین دنیا کی معلومات کے لئے ذیل میں درج کر رہے ہیں ——

یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسلمانوں ہی کی رہنمائی کے لئے نہیں بلکہ ساری دُنیا کی اصلاح اور رہنمائی کے لئے دُنیا میں تشریف لائے تھے۔ اسی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے شری بشمبر ناتھ پانڈے لکھتے ہیں:۔

"اسلام کے پیغمبر حضرت محمدؐ (صلعم) کا شمار دنیا کے گنتی کے بڑے انسانوں میں کیا جاتا ہے۔ وہ عرب کے ایک معمولی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اور اپنی وفات سے قبل پورے عرب کے رہنما اور بادشاہ بن گئے تھے۔ برسوں کی عبادت اور ریاضت اور مجاہدوں کے بعد خدا نے اُن کے ذریعہ اُن کے وطن اور ساری دنیا کو بھلائی کا راستہ دکھایا ہے۔"

یہ امر واقعہ ہے کہ حضور اکرمؐ جس زمانہ میں تشریف لائے تھے ساری دُنیا شرک اور جہالت کی تاریکی میں بھٹک رہی تھی۔ لوگوں کا اخلاقی معیار گر چکا تھا لیکن حضورؐ کے جلوہ افروز ہونے کے بعد یہ تاریکیاں چھٹنے لگیں اور گمراہ انسان راہِ راست پر آنے لگے۔ حضور اکرمؐ کی اصلاحات پر تبصرہ کرتے ہوئے شری پانڈے لکھتے ہیں۔

"محمدؐ صاحب کی رہنمائی سے عربوں میں سے بہت سی اخلاقی بُرائیاں دور ہو گئیں اور آپ کی تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ سینکڑوں اور ہزاروں لوگ۔ الگ الگ دیوی اور دیوتاؤں کے پوجنے والے اُنھیں چھوڑ کر ایک خدائے واحد اور ایک اللہ کے پرستار بن گئے۔ اور وہ قبیلے جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے آپس میں متحد ہو کر ایک قوم بن گئے۔ اور اُنھوں نے ملک عرب کو غیر ملکی اثرات سے نجات دلا کر وہاں ایک مضبوط اور خود مختار عرب حکومت قائم کر دی۔"

فرانسیسی مؤرخ موسیو سید یو بون کے اِس سیاسی اور ذہنی انقلاب پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "دُنیا کی تاریخ کا یہ عجیب غریب واقعہ ہے کہ اسلام کی تعلیم نے عربوں کی جاہل ترین قوم کے کردار کو اِس قدر بلند کر دیا کہ چند سال کے اندر اندر ہی عربوں کا کردار ایک مثالی کردار بن گیا۔ اور بعد میں جب عربوں کے مسلمان دنیا کے دوسرے حصوں میں پھیلے تو اُن کے بلند کردار نے دنیا کے دوسرے ممالک کے باشندوں کے کردار پر بھی ایک گہرا اثر ڈالا۔ اور عربوں کے ہی بلند کردار کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ مختصر سی مدت میں دنیا کے بیشتر حصہ کے حکمران بن گئے۔ چنانچہ شری بشمبر ناتھ پانڈے عربوں کی فتوحات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"محمدؐ صاحب کی وفات کے سو سال کے اندر اندر عرب کا یہ نیا مذہب چین کی دیوار سے لے کر اٹلانٹک کے سمندر تک ایشیا۔ افریقہ اور یورپ میں پھیل گیا اور تمام مغربی ایشیا، شمالی افریقہ اور یورپ کے

حصہ پر بھی عربوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور اُس زمانہ میں طرح طرح کے علوم و فنون کو فروغ دینے میں عرب قوم دنیا کی سب سے بڑی اور بیدار قوم تسلیم کی جانے لگی۔"

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عرب کے مسلمانوں نے صرف ممالک ہی فتح نہیں کئے بلکہ انھوں نے مفتوحہ ممالک میں علوم و فنون کی روشنی بھی خوب پھیلائی۔ انھوں نے یونان کے مُردہ علوم کو زندہ کیا اور نوعِ انسانی کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر اُس کے دل و دماغ کو علوم و فنون کی روشنی سے منور کر دیا اور یہ اسلام کا دنیا پر اتنا بڑا احسان ہے جسے دنیا قیامت تک فراموش نہیں کر سکتی۔

اسلام کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ اُس نے مذہبی تنگ نظری کو جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ چنانچہ اسلام کے اِس اہم کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے شری پانڈے لکھتے ہیں:۔

"اُس زمانہ کے مذہبوں میں خاندانوں اور قبیلوں کی طرح گروہ بندی کا مرض عام تھا مذاہب کے الگ الگ گروہ بنے ہوئے تھے۔ اور ہر مذہب کا ماننے والا یہ سمجھتا تھا کہ سچائی صرف میرے ہی مذہب میں ہے۔ اور صرف میرے ہی ہم مذہبوں کے لئے سورگ یعنی جنت وقف ہے اور ہر مذہب ظاہری باتوں اور رواجوں ہی کو مذہب کی بنیاد سمجھتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ مذہب اور بے معنی عقائد نیز مذہبی اختلافات کی بنا پر خونریزی کا بازار گرم تھا۔ اِن حالات میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے کہ جلوہ گر ہو کر اُس زمانہ کی اِس مذہبی گروہ بندی کا مقابلہ کیا اور اس نے نئے سرے سے اِس اصول کو پیش کیا کہ نہ صرف اسلام میں بلکہ تمام مذہبوں میں سچائی موجود ہے۔ چنانچہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ اے پیغمبر ہم نے ہر گروہ کے لئے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ مذاہب کے بارے میں جھگڑا نہ کریں۔ اے پیغمبر تم لوگوں کو اللہ کی طرف محبت سے بلاؤ۔"

یہ امر واضح ہے کہ اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے کہ مذہبی تنگ نظری اور گروہ بندی کا خاتمہ کیا۔ اسلام سے قبل مختلف مذاہب کے ماننے والے بڑی بے دردی کے ساتھ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ رہے تھے اور عقائد کے اختلاف کی بنا پر بڑی بڑی خونریز لڑائیاں برپا ہو جاتی تھیں لیکن اسلام نے جلوہ گر ہو کر دنیا کو اس بات کا پہلی بار سبق پڑھایا کہ تمام مذاہب اور اُن کے داعی یکساں طور پر قابلِ احترام ہیں اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ "غیر مسلموں کے بتوں کو بُرا نہ کہو ورنہ وہ بھی تمہارے رب کو بُرا کہیں گے"۔ اِس کے علاوہ اسلام نے مذہب کے معاملہ میں ہر قسم کے جبر کو ناجائز قرار دیدیا۔

اسلام کی رواداری کی اِس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہزاروں برس سے مذہب کے نام پر جو خونریزیاں جاری تھیں وہ ختم تو نہیں ہوئیں لیکن ان میں بڑی حد تک کمی واقع ہو گئی۔ اور اللہ کی مخلوق اُس تباہی اور بربادی سے بچ گئی جس میں کہ وہ ہزاروں برس سے مبتلا تھی۔ پھر اسلام نے قرآنِ پاک کے ذریعہ کس طرح نوعِ انسانی کو نیکی اور رواداری کی تعلیم دی ہے اُس پر روشنی ڈالتے ہوئے شری شمبر ناتھ پانڈے رقمطراز ہیں:۔

"قرآن میں کہا گیا ہے کہ دھرم یا نیکی اس میں نہیں ہے کہ تم اپنے منہ نماز کے وقت پورب کی طرف کر لو یا پچھم کی طرف بلکہ دھرم یہ ہے کہ انسان خدا کو مانے آخرت پر عقیدہ رکھے فرشتوں کو مانے سب مذہبی کتابوں اور سب نبیوں کو مانے۔ اللہ کے نام پر اپنے مال اور دولت میں سے اپنے رشتہ داروں کو اور محتاجوں کو دے۔ نیز مصیبت اور تکلیف کے وقت صبر کرے۔ ایسے ہی لوگ پرہیزگار ہیں"۔

یعنی اسلام صرف نماز پڑھ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ انسان پکا موحد ہو۔ دوسرے کے مذاہب اور اُن کے بانیوں کا پورا پورا احترام کرے مصیبت اور تکلیف میں مخلوق خدا کے کام آئے اور اگر وہ خود مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو صبر اور ضبط سے کام لے۔ آگے چل کر شری پانڈے قرآنِ پاک کے محاسن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"قرآن خدا کے بنائے ہوئے اِس اصول کا اعلان کرتا ہے کہ جس نے بھی اِس دنیا میں اپنی بداعمالیوں سے بُرائی کمائی تو اُس کا پھل بھی بُرا ہی ہے اور جس کسی نے بھلائی کمائی تو اُس کا پھل بھی اچھا ہی ملیگا جس طرح زہر کھانے والا مرجاتا ہے خواہ وہ کسی مذہب اور قوم کا [illegible]

بُرائی کرنے والا بھی ضرور نقصان اُٹھاتا ہے ؎

یعنی قرآن نیکی اور پاکبازی کا سب سے بڑا مبلغ ہے، اور اُس کی تعلیمات سے مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی یکساں طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ شری پانڈے، اپنے طویل مضمون میں بطور اسلام کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اسلام کی تعلیم کے مطابق مذہب کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان سے نفرت کرے بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان سے محبت کرے جب سب کا پالن ہار ایک ہے تو سب آپس میں بھائی بھائی ہیں ؎"

اس بات کے سب ہی معترف ہیں کہ اسلام سے بڑھ کر دنیا کے کسی مذہب نے بھی محبت اور یگانگت کی تعلیم نہیں دی۔ اسلام دنیا میں آیا ہی اسی لئے ہے کہ وہ آپس کے منافقات کو مٹا کر سب کو ایک کر دے اور نیک کر دے۔ غرضکہ شری بشمبر ناتھ پانڈے نے اپنے طویل مضمون میں اسلام اور قرآن کے بارے میں جن حقائق کا اظہار کیا ہے ان کی صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اور مسٹر پانڈے کے مندرجۂ بالا احساسات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس ملک کے وسیع نظر غیر مسلم بھی اسلام کے محاسن سے کس قدر متاثر ہیں۔

تعلیم القرآن

بسلسلہ صفحہ ۱۸

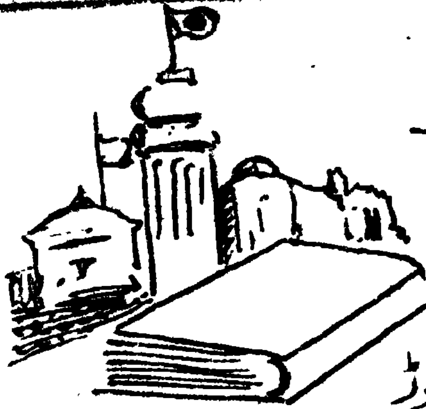
اس لئے انھوں نے حضور ؐ کی نبوت کا امتحان لینے کے لئے یہ سوال کیا تھا۔ اس پر حق تعالیٰ نے رسول اکرم پر یہ سورۃ نازل کر کے پورے قصہ سے آگاہ فرما دیا۔ اور جب حضور ؐ نے انھیں یہ قصہ سنایا تو علمائے یہود حیران رہ گئے۔ یہ ہے اس آیت کا سبب نزول۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ واقعہ جہاں اپنی جگہ ایک بہت بڑی داستانِ عبرت ہے۔ وہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انبیائے کرام نے دشمنوں ہی کے ہاتھوں نہیں بلکہ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں بھی کیسی کیسی مصیبتیں برداشت کی ہیں۔

اسلامی افکار

بسلسلہ صفحہ ۲۲

اس کی بدولت یورپ کے عیسائی ملکوں میں علم و فن اور تہذیب کی روشنی پھیلی تھی۔ چنانچہ یورپ کے عیسائی نوجوان ہی نہیں بلکہ بعض ممتاز عیسائی علما اور اہل فن بھی اسپین کی اسلامی درسگاہوں میں آکر عربوں کی علمی اور فنی صلاحیتوں سے فیض حاصل کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ اسلام نے دنیا میں آکر صرف روحانی پیغام ہی نہیں دیا ہے بلکہ اسلام کی بدولت دنیا کو بے شمار مادی فوائد بھی پہنچے ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اسلام نے دنیا میں جس نظامِ حکومت کی بنیاد رکھی تھی اُس کا مقصد صرف سلطنت قائم کرنا ہی نہیں تھا بلکہ نوعِ انسانی کی خدمت کرنا تھا۔ چنانچہ دنیا کے جس حصہ میں بھی مسلمان حکمراں رہے ہیں وہاں آج بھی اُن کی تہذیبی ترقیوں اور بنی نوعِ انسان کی خدمت گذاری کے آثار اور نشانات موجود ہیں۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین

اور عظیم شاہان اسلام کی فتوحات اور زندگیوں کے ولولہ انگیز حالات۔

مکمل تاریخ اسلام

عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی تاریخوں کے پچاس ہزار صفحات کا نچوڑ

(از مفتی شوکت علی فہمی)

یہ تاریخ نہیں ہے بلکہ سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ ایک ہزار صفحات کی یہ عظیم الشان تاریخ عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے مستند تاریخوں کے پچاس ہزار صفحات کا نچوڑ ہے۔ اس عظیم الشان تاریخ کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کس طرح ساری دنیا پر چھا گیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور شاہان اسلام نے مختصر سے عرصہ میں کافر اور مشرکین کی بڑی سے بڑی سلطنتوں کو فتح کر کے دنیا کے بیشتر حصہ پر کس طرح اسلامی حکومت قائم کر دی تھی۔

یہ عظیم الشان تاریخ چودہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کا ہر باب اپنی جگہ پر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر دور آخر تک کی تمام اسلامی حکومتوں کی یہ مکمل تاریخ چودہ ابواب میں یکجا طور پر پیش کر دی گئی ہے چنانچہ اس میں حکومت اسلامیہ کے بانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارک اور جنگی کارنامے موجود ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رض حضرت عمر فاروق رض حضرت عثمان غنی رض حضرت علی کرم اللہ وجہ اور حضرت امام حسن رض یعنی خلفائے راشدین کے دور خلافت کے مکمل حالات درج ہیں۔ اور خلفائے بنی امیہ اور خلفائے بنو عباس کی پوری تاریخ موجود ہے۔ اس کے علاوہ عرب، عراق، ایران، شام، فلسطین، افریقہ، روم، ترکستان، اسپین اور دنیائے اسلام کی سینکڑوں حکومتوں کا تذکرہ موجود ہے یہاں تک کہ ہندستان کے مسلم فرمانرواؤں کے بھی حالات درج ہیں۔

یہ تاریخ مندرجہ ذیل چودہ ابواب پر مشتمل ہے

پہلا باب:- حکومت اسلامیہ کے بانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارک

دوسرا باب:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی سرگرمیاں اور فتوحات

تیسرا باب:- حضرت ابو بکر صدیق رض کا عہد حکومت اور فتوحات

چوتھا باب:- حضرت عمر فاروق رض کا دور حکومت اور فتوحات

پانچواں باب:- حضرت عثمان غنی رض کا عہد حکومت اور فتوحات

چھٹا باب:- حضرت علی کرم اللہ وجہ کا دور حکومت اور فتوحات

ساتواں باب:- امیر معاویہ اور خلفائے بنی امیہ کا عہد حکومت اور فتوحات

آٹھواں باب:- خلفائے بنو عباس کا طویل دور حکومت

نواں باب:- اسپین اور یورپ کی اسلامی حکومتیں

دسواں باب:- مراکش، تیونس، الجزائر اور افریقہ کی اسلامی حکومتیں

گیارھواں باب:- مصر، شام کی اسلامی حکومتیں غازی صلاح الدین ایوبی کی صلیبی جنگیں

بارھواں باب:- ایران، افغانستان اور ماوراء النہر کی اسلامی حکومتیں

تیرھواں باب:- شاہان سلجوق اور سلاطین ترکیہ کا دور حکومت

چودھواں باب:- ہندوستان کی خودمختار اسلامی سلطنتوں کی مختصر تاریخ

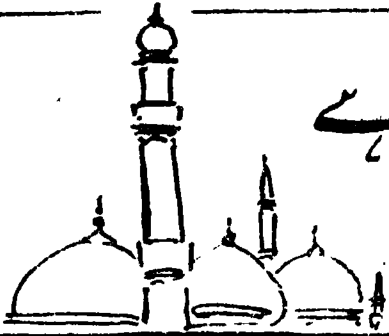
حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی مکمل اور جامع تاریخ ہے جو اب تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوئی تھی۔ انداز تحریر نادل کی طرح عام فہم اور دلکش صفحات تقریباً ایک ہزار، کاغذ سفید، نہایت اعلیٰ رنگین ٹائٹل۔ اگر ناپسند ہو تو قیمت واپس منگالیں۔ جدید ایڈیشن حال ہی میں طبع ہوا ہے

چودہ ابواب کی مکمل اور مجلد تاریخ مع خوشنما ڈسٹ کور صرف۔ سولہ ۱۶ روپے پچاس پیسے

دین دنیا پبلشنگ کمپنی جامع مسجد دہلی

اِسلام ہی تباہی سے بچا سکتا ہے

سائنس کی موجودہ ترقیاں دُنیا کو تباہ کر دیں گی



(از: جناب سر محمد ظفر اللہ خاں)

بین الاقوامی عدالت کے سابق جج سر محمد ظفر اللہ خاں کے اس قابل قدر مضمون سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مذہب سے ہٹنے کے بعد دُنیا کس طرح تباہی کی طرف جا رہی ہے اور زمانۂ حاضرہ کی ترقیاں کس طرح نوعِ انسانی کے لئے خطرہ بن گئی ہیں۔ اور اس تباہی اور خطرات سے صرف اسلام ہی دُنیا کو بچا سکتا ہے

گزشتہ چند سال کی مدت میں انسان نے سائنس، فنِ ٹکنالوجی اور علوم کے دوسرے شعبوں میں بے حد ترقی کی ہے اُس نے ایٹمی طاقت کا راز دریافت کر لیا ہے۔ اور وُہ خلا میں پرواز جیسا حیرت انگیز کارنامہ بھی انجام دے چکا ہے۔

قرآنِ کریم نے انسان کو یہ خوشخبری دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے سورج۔ چاند۔ اور ستاروں یعنی پوری کائنات کا فاتح بنایا ہے۔ آج یہ خوشخبری حقیقت کی شکل میں ظاہر ہو رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان پر کائنات کے بند دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ لیکن انسان کے علم اور اُس کی عملی قوتوں میں جو اضافہ ہوا ہے وُہ اُسے مفید کاموں کی بجائے تخریبی کاموں میں استعمال کر رہا ہے۔ اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے علم اور قوتِ عمل میں جو اضافہ کیا ہے کیا اس کا مقصد تخریب ہے اور اگر اُس کا مقصد تخریب نہیں ہے تو پھر انسان کے موجودہ تخریبی رجحان کو تعمیری رجحان میں کس طرح تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

اِس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اِس پوری کائنات کی تخلیق کا مقصد تخریب نہیں ہے بلکہ تعمیر ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو علوم عطا کیے ہیں وہ تخریب کے لئے نہیں بلکہ تعمیر اور انسانوں کی بھلائی کے لئے ہیں اگر انسان اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے علوم کو مخلوقِ خدا کی فائدہ رسانی کی بجائے اُن کی تباہی اور تخریب پہ صرف کرتا ہے تو یہ سراسر حکمِ الٰہی سے انحراف ہے۔ اور اُسے اِس انحراف سے روکنا اگرچہ آسان نہیں لیکن ناممکن اور دشوار بھی نہیں ہے اور اُس کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ اُسے خالق کی سزا سے ڈرایا جائے اور اچھے کاموں کی طرف ترغیب دلائی جائے اور اُس کی روحانی اور اخلاقی قوتوں کو بیدار کیا جائے اور یہ کام صرف اسلام ہی انجام دے سکتا ہے۔

دُنیا کے دوسرے مذاہب انسان کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کو بیدار کرنے اور اُنہیں تعمیری کاموں پر لگانے میں کس حد تک کامیاب ہوتے ہیں۔ اس کی بابت میں کچھ نہیں کہنا چاہتا لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے یہ بات پوری ذمہ داری کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اُس کا سب سے بڑا مقصد انسان کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کو بیدار کر کے اُنہیں صحت مند تعمیر کی راہ پر ڈالنا ہے اور اسلام کا تمام تربیتی نظام اور اُس کے سماج کا تمام تر ساخت اِسی نیک مقصد پر مبنی ہے۔

اسلام شروع ہی سے انسان کی تعمیری مقصد کی جانب رہنمائی کرتا رہا ہے۔ چنانچہ اسلام نے چودہ سو سال پہلے دُنیا کے

بگڑے ہوئے ماحول اور تخریبی رجحان کے خلاف انسانوں کو یہ دعوت دی تھی کہ انہیں کسی لحاظ سے بھی ایک دوسرے کو حقیر سمجھنا یا نفرت اور حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ اس نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ انہیں کسی قوم پر بھی جارحانہ حملہ نہیں کرنا چاہیے اور علوم و فنون نیز کائنات کے متعلق اپنی معلومات کو سب ہی انسانوں کی امانت سمجھ کر انہیں سب کے لئے عام کر دینا چاہیے۔ اس کے ان احکام اور ہدایات کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ دنیا کے مختلف حصوں میں آباد انسانوں کے درمیان برادرانہ اور اتحاد کا جذبہ پیدا کردے انہیں مادی ترقی کے راستہ پر آگے بڑھائے اور ساتھ ہی موت کے بعد کی زندگی میں ان کے اعمال کے مطابق انہیں سزا اور جزا کا یقین دلا کر ان کی روحانی اور اخلاقی قوتوں کو اس طرح ابھارے جو انسانوں کو سیدھے راستے سے نہ بھٹکنے دیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اسلام کی تعلیمات نے سب سے زیادہ اثر مسلمانوں پر ہی کیا تھا۔ اس لئے اسلام کی تاریخ ایسے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے انسان کی جن اخلاقی اور روحانی قوتوں کو بیدار کیا تھا۔ انھوں نے دنیا میں ایک ذہنی انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ حکومتیں جو عوام کو کچلا کرتی تھیں اسلام کی تعلیمات کی بدولت عوام کی خادم بن گئیں۔ اور جنگ جو تباہ کاری کا موجب تھی۔ اس کے دوران بھی نہ لڑنے والوں کو پناہ مل گئی۔ اور جنگی قیدی جن کے ساتھ درندگی کا سلوک کیا جاتا تھا ان کو بھی عافیت اور اطمینان حاصل ہو گیا۔ غرضیکہ اسلام نے تخریبی قوتوں کو بھی تعمیر پر لگا دیا۔

دوسری صدی ہجری کا زمانہ اسلامی تاریخ کا وہ زرّیں دور تھا جس نے کہ ساری دنیا کو علوم و فنون اور سائنس کی روشنی سے جگمگا دیا تھا۔ اس سنہری دور میں مسلمانوں کی دو عظیم الشان سلطنتیں قائم تھیں جن میں سے ایک عباسی حکومت تھی جس کا دارالخلافہ بغداد تھا۔ اور دوسری اسپین کی اسلامی حکومت تھی۔ جس کا دارالسلطنت قرطبہ تھا۔ یہ دونوں سلطنتیں اگرچہ مسلم سلطنتیں تھیں لیکن ایک دوسرے کی زبردست حریف تھیں دونوں میں نہ صرف فوجی اعتبار سے بلکہ فنی اور علمی لحاظ سے بھی زبردست مقابلہ جاری تھا۔ لیکن یہ مقابلہ آج کل کی حکومتوں کی طرح تخریبی مقاصد کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ اس کا مقصد سرتا پا تعمیری تھا۔

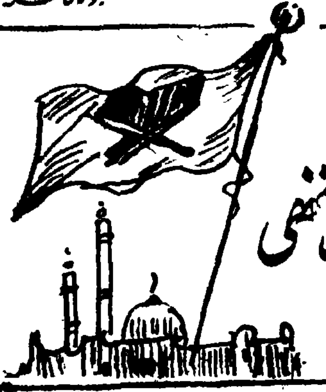
قرطبہ اور بغداد دونوں ہی علوم و فنون کے زبردست مرکز بنے ہوئے تھے۔ دونوں مقامات پر دنیا کے نامور عالموں، مصنفوں، ہیئت دانوں اور ماہرین سائنس کا ایک ہجوم لگا رہتا تھا۔ اور ان دونوں مرکزوں سے آج کل کی طرح تباہ کن ایجادیں نہیں ہو رہی تھیں بلکہ علوم و فنون کے ایسے دریا بہہ رہے تھے۔ جنہوں نے کہ نہ صرف خلافتِ عباسیہ اور سلطنتِ ہسپانیہ کو ہی سرسبز بنا دیا تھا بلکہ ان دونوں کی بدولت ساری دنیا میں علوم و فنون کی چمن بندی کی جا رہی تھی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام تخریبی طاقتوں کا دشمن اور تعمیری مقاصد کا بہت بڑا حامی ہے۔

اسلام کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے مسلمانوں میں نفع رسانی کا غیر معمولی جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ جو عوام سے لیکر حکمرانوں تک میں پایا جاتا تھا۔ اور اسلامی سربراہوں کا کردار یہ بن گیا تھا کہ وہ شہنشاہ ہونے کے باوجود عام انسانوں جیسی زندگی گذارتے تھے۔ کمزوروں اور معذوروں کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اور اسلام کی ہر ہدایت پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ اور تخریبی کاموں سے گریز کرتے تھے۔ ان کے دل میں خدا کا خوف تھا۔ وہ ڈرتے تھے کہ اگر ان سے کوئی تخریبی حرکت سرزد ہو گئی اور اس سے نوعِ انسانی کو نقصان پہنچا تو قیامت کے روز انھیں اپنے پروردگار کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

اسلامی تعلیمات میں چونکہ افادیت کا پہلو غالب ہے اس لئے اسلامی سلطنتوں نے زمانۂ حاضرہ کی سلطنتوں کی طرح اپنے ذرائع اور علوم کو نوعِ انسانی کی تخریب کے لئے کبھی استعمال نہیں کیا۔ لیکن آج کے زمانے میں یہ بات نہیں ہے۔ آج کا انسان ترقی ضرور کر رہا ہے لیکن اس کا رجحان نفسانیت اور تخریب پسندی کی جانب بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے وہ مذہب سے قطعی بیگانہ ہے۔ اور صرف مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو تخریب اور تباہ کاری سے روک سکتی ہے۔ عاقبت کا خوف ہی انسان کو درندہ صفت ایجادوں سے روک سکتا ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایٹمی اسلحہ اور اسی قسم کے

(باقی صفحہ ... پر)



زمین پر اللہ کی حکومت کا نمونہ

خلفائے راشدین کی حکومت مخلوق کے لئے رحمت تھی

(از:۔ ڈاکٹر راج نرائن ایم۔ اے۔ پی، ایچ۔ ڈی)

ڈاکٹر راج نرائن ہندوستان کے ایک نامور مفکر اور لکھنؤ یونیورسٹی کے اساتذہ میں سے ہیں آپ کو اسلامی تاریخ سے بھی دلچسپی ہے۔ چنانچہ ذیل میں آپ کا ایک تاریخی مقالہ پیش کیا جارہا ہے جس میں کہ آپ نے بتایا ہے کہ خلفائے راشدین نے کیسی دلسوزی کے ساتھ حکومت کی ہے ہمیں توقع ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا ذیل کا مضمون ہمارے ناظرین کے وسیع حلقہ میں بے حد پسند کیا جائے گا۔

خلفائے راشدین نے دُنیا کے سامنے جس پاکیزہ نظامِ حکومت کا نمونہ پیش کیا ہے اُس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے حکمرانی کے معاملہ میں بھی نوعِ انسانی کی کیسی خوبی کے ساتھ رہنمائی کی ہے۔

اسلام کے طریقِ حکمرانی کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے اِس بات کو خصوصیت سے مدِنظر رکھا ہے کہ فلوقِ خدا پر وہی لوگ حکومت کریں۔ جو اللہ کے بندوں کے دُکھ درد سے واقف ہوں۔ اور اُن کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے اُن پر جو ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں اُنھیں دیانت داری کے ساتھ انجام دیں۔

اسلام نے اِس قسم کی حکومت کا نام "خلافت الٰہیہ" رکھا تھا۔ اور اُس کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ بھی اِس حکومت کو چلائیں وہ اِس بات کو مدِنظر رکھیں کہ وہ حکمران نہیں ہیں بلکہ زمین پر اللہ کی نیابت کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ اور چونکہ اُنھیں اللہ کی نیابت کا فرض انجام دینا ہے اِس لئے اُنھیں اپنے کردار کو نہایت بلند اور مثالی بنانے کی ضرورت ہے۔

اِسلام میں خلافتِ الٰہیہ کا آغاز داعئ اسلام کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہد حکومت سے ہوا تھا۔ اور اُن کے بعد اِس منصب کے لئے حضرت فاروق اعظم رضؓ کا اِنتخاب عمل میں آیا تھا۔ اور خلافتِ راشدہ کا زمانہ حضرت عثمان رضؓ کے بعد حضرت علی رضؓ کی خلافت پر ختم ہوگیا تھا۔ لیکن اگر ہم حضرتِ صدیق اکبر رضؓ اور حضرت فاروق اعظم رضؓ ہی کی زندگیوں اور عہد حکومت پر ایک سرسری نظر ڈال جائیں تو ہمیں اندازہ ہوجائے گا کہ اِسلام دُنیا میں کس قسم کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور اِس حکومت کے سربراہ دُنیا میں کس قسم کے لوگ ہونے چاہئیں۔

اِسلام کے پہلے دو خلفاء داعئ اسلام کے ممتاز ترین جاں نثاروں میں شامل تھے۔ اور اُنھیں ہر اعتبار سے عزت و اقتدار کا حامل سمجھا جاتا تھا یہ وہ بزرگ تھے جنھوں نے اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے کے بعد ذاتی عیش و آرام کو بالکل ترک کردیا تھا۔ اور اُن کی زندگی غریب ترین مسلمانوں کے ساتھ جن میں غلام بھی شامل تھے، وابستہ ہوکر رہ گئی تھی۔ لیکن کہا جاسکتا ہے کہ یہ اُس وقت کے حالات کا تقاضہ تھا جبکہ مسلمان اپنے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جب وہ حالات ختم ہوگئے۔ اور اِن ہی بزرگوں کی سربراہی میں مسلمان بڑے بڑے ملکوں کے مالک اور حکمران بنے تو اُس وقت اِن حضرات نے اپنی زندگیوں کو کِس طرح بسر کیا تھا۔

اس سلسلہ میں اسلامی حکومت کے پہلے سربراہ حضرت صدیق اکبر رض کا حال یہ تھا کہ آپ خلیفۃ المومنین ہوتے ہوئے بھی خلق اللہ کی نفع رسانی اور خدمت گذاری میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا۔ وہ محلہ والوں کا کام کر دیتے تھے۔ بیماروں کی تیمارداری میں لگے رہتے تھے اور ضعیف و ناتواں لوگوں کے کام کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہنے کی کوشش فرماتے تھے۔ تاکہ آپ کی تقلید کرتے ہوئے دوسرے لوگ بھی خدمت خلق کو اپنا نصب العین بنالیں۔ خدمت خلق میں حضرت صدیق اکبرؓ کی پیش روی کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ مدینہ طیبہ کے نواح میں ایک نابینا اور عمر رسیدہ عورت رہا کرتی تھی اور حضرت عمرؓ روزانہ صبح کے وقت اس کی جھونپڑی میں جاکر اس کے ضروری کام کر دیا کرتے تھے۔ لیکن کچھ روز کے بعد انھوں نے دیکھا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے آکر اس ضعیفہ کا تمام کام کر جاتا ہے۔ ایک دن حضرت عمر رض نصف شب کے بعد ہی وہاں پہنچ گئے تو دیکھا کہ خلیفۃ المومنین حضرت ابوبکر صدیق رض ضعیفہ کے کاموں سے فراغت پاکر جھونپڑی سے باہر نکل رہے تھے۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق کا طرز معاشرت بالکل سادہ تھا۔ وہ موٹے کپڑے پہنتے تھے اور سادہ کھانا کھاتے تھے۔ اور منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد ان کی یہ سادگی اور بھی ترقی کر گئی تھی چنانچہ وفات کے وقت آپ نے اپنی دختر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض سے فرمایا تھا کہ جب سے میرے کاندھوں پر خلافت کا بار رکھا گیا ہے میں نے معمولی سے معمولی غذا اور موٹے جھوٹے کپڑے پر قناعت کی ہے۔

اسلامی مملکت کے دوسرے سربراہ حضرت فاروق اعظم رض ہوئے تھے۔ آپ کے زمانہ میں اسلامی سلطنت کا رقبہ دور دور تک پھیل گیا تھا۔ اور آپ ہی کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے روم اور ایران جیسی عظیم الشان سلطنتوں کو فتح کیا تھا۔ اور ان فتوحات کی بدولت مسلمانوں پر دولت کے دروازے کھل گئے تھے لیکن اتنی عظیم سلطنت کے حکمران کا حال یہ تھا کہ ان کا جسم بھی نرم اور ملائم بستروں سے آشنا نہیں ہوا۔ خلیفۃ المومنین ہونے کے باوجود وہ پیوند لگا ہوا کرتہ۔ پھٹا ہوا عمامہ اور ٹوٹی ہوئی جوتیاں پہنتے تھے، اور اس حال میں بھی قیصر و کسریٰ کے سفیروں اور دور دراز سے آنے والے قبائل کے وفود سے ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق کی غذا بھی نہایت سادہ ہوتی تھی۔ چنانچہ وہ بن چھنے آٹے کی روٹی کھاتے تھے جسے چھانا نہیں جاتا تھا۔ حضرت عمر رض اسلامی سلطنت کی سربراہی کو اپنے لئے ایک امانت یقین کرتے تھے اور ان کی کوشش یہ رہتی تھی کہ اس امانت میں ذرہ برابر بھی خیانت نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ان کی احتیاط پسندی اور احساس ذمہ داری کے واقعات سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے

مثال کے طور پر چند واقعات یہ ہیں کہ فتح شام کے بعد قیصر روم کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہوجانے کے باعث خط و کتابت بھی ہونے لگی تھی۔ اور تحفہ تحائف کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کی زوجہ محترمہ نے قیصر کی بیگم کے پاس عطر سے بھری ہوئی چند شیشیاں بطور تحفہ بھیجیں اور قیصر کی بیگم نے ان شیشیوں کو قیمتی جواہرات سے بھر کر واپس کر دیا۔ حضرت عمر رض کو معلوم ہوا تو انھوں نے اپنی رفیقہ حیات سے فرمایا کہ بلاشبہ عطر تمہارا تھا لیکن اسے روم وہ شخص لے کر گیا تھا جس کے مصارف بیت المال سے ادا کئے گئے تھے۔ اس لئے یہ جواہرات مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔ اور کچھ برائے نام معاوضہ اپنی رفیقہ حیات کو دیکر یہ تمام جواہرات بیت المال میں جمع کر دیئے۔

اس سلسلہ میں دوسرا قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رض کی علالت کی حالت میں طبیبوں نے بطور دوا شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن آپ نے اسے مسلمانوں کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اجازت حاصل کرنے کے بعد استعمال کیا۔ یہ تھا اسلامی ریاست کے سربراہوں کا کردار اور ظاہر ہے کہ جس حکومت کی باگ ڈور اس قسم کے فرض شناس اور دیانت دار لوگوں کے ہاتھوں میں ہو وہ کتنی کامیاب ہوگی اور عوام کو اس سے کتنا فائدہ پہنچے گا۔

حضرت صدیق اکبر رض اور حضرت عمر فاروق رض ہی کی طرح حضرت عثمان غنی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور ان بزرگوں نے اپنی زندگیاں مخلوق خدا کی خدمت کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔ اس سے ثابت یہ ہے کہ اسلام نے اپنی حکومت کی بنیاد ہی عوام کی راحت و بہبود کے جذبہ پر قائم کی تھی اور اس کا یہ مقصد اعلیٰ کردار رکھنے والے سربراہان حکومت ہی کے ذریعہ پورا ہو سکتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ آج کی مہذب دنیا میں بھی خلافت راشدہ کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔ سچ تو یہ ہے کہ خلافت راشدہ زمین پر اللہ کی حکومت کا بہترین نمونہ تھی



تلوار کے نیچے بھی نعرۂ حق

"حق کوشی و حق گوئی شیوہ ہے مسلمان کا"

(ہمارے مورخ کے قلم سے)

یہ فخر صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اُس نے ایسے مرد انسان پیدا کیے ہیں جو حق و صداقت کے پیکر تھے۔ اور جنھوں نے تلوار کے نیچے بھی حق بات کہنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ چنانچہ ذیل میں ان ہی حق گو بزرگوں کی جرأت ایمانی کے چند واقعات پیش کیے جا رہے ہیں۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ یہ خطرناک حد تک نہایت ہی ظالم اور جابر تھا۔ مخلوقِ خدا اس کے ظلم اور زیادتیوں سے تنگ آچکی تھی۔ اُسی زمانہ میں ابراہیم تیمی کوفہ کے ایک حق گو بزرگ تھے۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ حجاج کا ظلم بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے تو ایک روز اُنھوں نے کوفہ کی جامع مسجد میں حجاج کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"حجاج بن یوسف اللہ کا ایک قہر ہے جو تمہاری بداعمالیوں کے باعث تمہارے سروں پر مسلط کیا گیا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنی بداعمالیوں سے توبہ کرو تاکہ ایسے ظالم حکمرانوں سے تمہیں نجات مل جائے۔ خلیفہ عبدالملک کی بے خبری پر بھی مجھے حیرت ہے کہ اُس نے اہل عراق پر ایک ایسے شخص کو مسلط کر دیا ہے جسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے حکمرانوں کو ہدایت کی ہے۔ خلیفہ کو چاہیئے کہ وہ عوام پر ایسے حکمران مقرر کرے جو نیک دل ہوں اور بندگانِ خدا کے لیے مصیبت نہ بن جائیں۔"

ابراہیم تیمی بڑی دلیری کے ساتھ حجاج بن یوسف کے خلاف برابر اس قسم کی تقریریں کرتے رہتے۔ آخر حجاج بن یوسف نے اُن کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور ابراہیم کو گرفتار کر کے جب حجاج کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حجاج نے اُن سے پوچھا "تم کو معلوم ہے کہ اس قسم کی باغیانہ اور زہریلی تقریر کرنے کی سزا کیا ہے؟"

ابراہیم نے جواب دیا کہ "یقینی طور پر وہ سزا اُس سے کم ہوگی جو ظالم حکمراں کو عاقبت میں برداشت کرنی پڑے گی۔ حجاج اس بات کو نہ بھول کہ یہ دُنیاوی حکومت چند روزہ ہے۔ تجھے ایک روز خدا کے سامنے بھی جانا ہے اور اس ظلم و ستم کی جواب دہی کرنا ہے جس سے مخلوقِ خدا پریشان ہے"۔

حجاج کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہوگیا اور اُس نے ابراہیم سے کہا "اگر تم نے میری مخالفت ترک نہ کی تو میں مجبور ہوں گا کہ تمہارا سر قلم کر دوں"۔ ابراہیم بولے "اسلام نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ ہمیشہ حکمرانوں کے سامنے حق بات کہو اور اُنھیں غلط راستے سے ہٹاؤ۔ حق گوئی ہمارا فرض ہے اور اگر اس فرض کو انجام دیتے ہوئے ہماری جان جاتی ہے تو یہ ہمارے لئے سب سے بڑی سعادت ہوگی"۔

حجاج نے اُن کا یہ جواب سُن کر اُنھیں قیدخانہ میں ڈال دیا اور جب تک حجاج عراق کا گورنر رہا ابراہیم قیدخانے ہی میں رہے۔ اُنھوں نے قید و بند کی تکلیف برداشت کی مگر حق گوئی سے منہ نہ موڑا۔ یہ تھا اِن حق گو بزرگوں کا کردار۔

ہشام بن عبدالملک نے تقریباً بیس سال تک بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے۔ اس خلیفہ نے ایک مرتبہ اُس زمانے کے نامور بزرگ حضرت حبیب عجمی سے خواہش کی کہ وہ اُنھیں کوئی

نصیحت کریں۔

حضرت حبیب عجمی نے کہا کہ "ہشام وہ نصیحت بیکار ہے جس پر عمل نہ کیا جائے۔ یہ بات تجھے فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ خدا اپنے جس بندہ کو حکمران بنا تا ہے اُس پر پوری رعیت کی نگہبانی کا فرض عاید ہوجاتا ہے۔ اگر رعیت میں سے کسی ایک شخص پر بھی ظلم ہوتا ہے یا کوئی ایک شخص بھی بھوکا رہتا ہے تو قیامت کے روز اُسے جواب دینا ہوگا۔ لیکن تم جیسے حکمران ان فرائض کو ہرگز نہیں ادا کرسکتے۔ کیونکہ تمہیں اپنی عیش پسندی اور وجاہت کی نمائش ہی سے فرصت نہیں۔ اے ہشام زید بن علی جیسے بزرگوں کی تیرے عہد میں شہادت تیرے دامن پر ایسا داغ ہے جو کسی طرح بھی نہیں دُھل سکتا۔ بس میری نصیحت یہی ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کر۔ خدا سے اپنی مغفرت کی اُمید رکھ۔ شائد کہ وہ تیرے گناہوں کو معاف کردے۔"

ہشام بن عبدالملک حبیب عجمی کی اس حق گوئی سے بے حد متاثر ہوا۔ اور حضرت حبیب کے جانے کے بعد اپنی بداعمالیوں پر بڑی دیر تک روتا رہا۔

ابوالعباس سفاح نے بنی اُمیہ کی حکومت کا تختہ الٹ کر اور خود حکومت پر قبضہ جما کر وہ جس بے دردی کے ساتھ بنی اُمیہ کے لوگوں کو قتل کررہا تھا اُس سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ شاید اس حکمران کی زندگی کا واحد مقصد یہی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کا خون بہاتا رہے چنانچہ اُس کے اسی ظلم وستم کی بنا پر اُس کا نام "سفاح" یعنی "خونریز" پڑ گیا تھا۔

سفاح کے ظلم وزیادتی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اُس نے سابق شاہی خاندان کی قبروں تک کو کھدوا کر اُن پر ہل چلوا دیا تھا۔ اُسی زمانے میں ایک مشہور بزرگ زید بن اسلم تھے جن کی کہ سفاح بے حد عزت کرتا تھا۔ اُنھوں نے جب دیکھا کہ سفاح کے ظلم وستم کا سلسلہ ختم ہی ہونے میں نہیں آتا تو اُنھوں نے سفاح کو لکھا:

"اے سفاح۔ میں اس خط میں ایسی چند باتیں لکھ رہا ہوں جن پر اگر تم غور کروگے تو تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ یہ بات نہ بھولو کہ تم سے پہلے بنی اُمیہ کا جو خاندان حکمران تھا اُس کی سطوت اور عظمت عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ اُنھوں نے دُور دراز کے ممالک کو فتح کرکے اپنی سلطنت کو بے حد وسیع کرلیا تھا لیکن نہ اُن کی سلطنت باقی رہی اور نہ سطوت اُن کے خاندان کے افراد آج چُن چُن کر قتل کئے جارہے ہیں۔ اُن کے زوال سے عبرت حاصل کرو کیونکہ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کل تمہارا اور تمہارے خاندان کا بھی کیا حشر ہونے والا ہے۔ تمہارا ظلم وستم حد سے زیادہ بڑھ چکا ہے۔ زندوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ تم تو قبروں سے نکال نکال کر مُردوں سے بھی انتقام لے چکے ہو۔ ڈرو کہ کل تمہارا بھی وہی حشر نہ ہو۔ جو خاندان بنی اُمیہ کا ہوچکا ہے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرو۔"

ابوالعباس سفاح زید بن اسلم کے اِس خط سے بے حد متاثر ہوا اور اس کے بعد اُس کے ظلم وستم میں بڑی حد تک کمی واقع ہوگئی۔

منصور عباسی اپنے زمانہ کا بہت بڑا حکمراں ہوا ہے لیکن اس کی حکومت کی بنیاد چونکہ ظلم اور تعدی پر رکھی ہوئی تھی۔ اِس لئے حضرت امام ابوحنیفہ اُس کی حکومت کو پسند نہیں کرتے تھے

منصور عباسی نے ایک مرتبہ حضرت امام ابوحنیفہ کو طلب کیا اور خواہش ظاہر کی کہ وہ عہدۂ [illegible] کو قبول فرمالیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ منصور کی حکومت کو شرع اسلام کے خلاف سمجھتے تھے اِس لئے وہ منصور کی حکومت کا کوئی عہدہ بھی قبول کرنا پسند نہیں کرتے تھے لہٰذا آپ نے اِس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ "مجھ میں اِتنی قابلیت نہیں ہے کہ میں اِس شرعی عہدے کی ذمہ داریوں کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے سکوں میں معذور ہوں۔"

منصور کو آپ کا انکار ناگوار گذرا اور اُس نے غصہ سے کہا "میں سمجھتا ہوں کہ تم اِس کام کو بڑی خوبی کے ساتھ کرسکتے ہو۔ مگر نہ جانے کس مصلحت کی بنا پر تم اس وقت جھوٹ بول رہے ہو۔"

امام ابوحنیفہ نے جواب دیا کہ "شریعتِ اسلامیہ کی رُو سے جو شخص جھوٹ بولتا ہو وہ ہرگز عہدۂ قضا کے لائق نہیں ہوسکتا۔ آپ نے مجھے جھوٹا کہہ کر خود میرے اِس قول کی تصدیق کردی ہے کہ میں اِس عہدہ کے لئے موزوں نہیں ہوں۔"

منصور نہ مانا اور اُس نے قسم کھاکر کہا کہ تمہیں یہ عہدہ قبول کرنا ہوگا امام ابوحنیفہ نے بھی قسم کھائی اور کہا کہ میں اِس عہدہ کو کسی حالت میں بھی قبول نہیں کروں گا۔"

منصور آپ کے جواب صداقت پر اس قدر برگشتہ ہوا کہ اُس نے حضرت امام ابوحنیفہ کو قید میں ڈال دیا اور امام موصوف زمانۂ دراز

(باقی صفحہ پر)

اسلام ہی تباہی سے بچا سکتا ہے

(باقی مضمون صفحہ ۳)

کے دوسرے اسلحہ صرف نوع انسانی کی تخریب ہلاکت کے لئے ایجاد کئے جارہے ہیں۔ اُن کا منشا کمزوروں کو زیر اور تباہ کرنا ہے۔ اور چونکہ ان کے موجدوں کے دل میں نہ ایمان کی روشنی ہے اور نہ عاقبت کا خوف اس لئے وہ بے دھڑک انسان کی تباہی کے لئے تخریبی اسباب پیدا کر رہے ہیں۔

اس تخریب اور تباہ کاری سے صرف اسلامی تعلیم ہی انسانوں کو روک سکتی ہے۔ کیوں کہ وہ انسانوں میں روحانی اور اخلاقی قدریں پیدا کر کے تخریب سے باز رکھ سکتی ہے۔ سائنس کی ترقیوں سے فائدہ ضرور اٹھانا چاہیئے لیکن اُس کے ذریعہ تخریب کی راہیں تلاش کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ اگر انسان لامذہب اور عاقبت سے بے خوف ہو کر اسی طرح نوعِ انسانی کے لئے تخریب کا سامان تیار کرتا رہا تو نہیں کہا جا سکتا کہ کب یہ ساری دُنیا اس تخریب پسندی کی بدولت تباہ ہو جائے

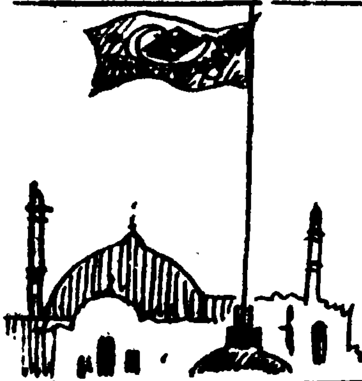
تلوار کے نیچے بھی نعرۂ حق

(باقی مضمون صفحہ ۳۶)

تک قید خانے میں پڑے ہوئے اپنی حق گوئی کی سزا بھگتتے رہے۔

خلیفہ مامون الرشید شطرنج کا بے حد شوقین تھا۔ ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ اُس کا سارا وقت شطرنج ہی میں گذرنے لگا اور حکومت کے کاروبار اور انتظام میں فرق آنے لگا اور کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اُسے ٹوک سکے۔

حضرت امام علی رضا جنھیں کہ مامون نے اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا خاموش نہ رہ سکے اور انھوں نے مامون سے کہا کہ آپ تو شطرنج میں اُلجھے ہوئے ہیں اور مُلک تباہی کی طرف جارہا ہے۔ مُلک میں جابجا بغاوتیں کھڑی ہوگئی ہیں۔ اس خطرناک کھیل کو بند کیجئے اور اُس ذمہ داری کو محسوس کیجئے جو خدا نے آپ کے سر پر ڈال دی ہے۔ خلیفہ مامون حضرت علی رضا کی اس حق گوئی سے بے حد متاثر ہوئے اور انھوں نے حکومت کے کاموں سے پھر دلچسپی لینی شروع کردی۔



فاتحین اسلام کا بلند کردار

انھوں نے دشمنوں سے بھی ہمدردی کا سلوک کیا ہے

(از علامہ ڈاکٹر نجم الدین جعفری بار ایٹ لا)

مسلمان دنیا کے جس ملک میں بھی فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے ہیں انھوں نے وہاں کے باشندوں کے ساتھ ایسا اخلاق برتا کہ وہاں کے باشندے مسلمانوں کے گرویدہ بن گئے۔ اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ مسلمانوں کے حسن سلوک کا سب سے بڑا اور اہم ترین واقعہ فتح مکہ کا واقعہ ہے۔ مشرکین مکہ نے کونسا ظلم اور ستم ایسا تھا جو مسلمانوں پر نہیں کیا تھا۔ ان ہی کی زیادتیوں کی وجہ سے رسول محترم اور صحابہ کرام کو مکہ چھوڑنا پڑا تھا۔ لیکن جب مکہ فتح ہوا تو تمام مشرکوں اور مسلمانوں کے دشمنوں کو معافی دیدی گئی۔ مکہ کی فتح کے کچھ دن بعد قبیلہ بنی ہوازن نے مسلمانوں پر چڑھائی کر دی گر اس جنگ میں انہیں شکست فاش ہوئی اور چھ ہزار قید کر کے نبی کریم کے سامنے لائے گئے آپ نے سب ہی کو معاف کر دیا

حضور اکرم کی اسی کرم گستری کا یہ اثر تھا کہ سب ہی خاندان اسلام نے رسول محترم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے دنیا کے ہر خطے میں مفتوحین اور غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی رواداری کا سلوک کیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ اُن غیر مسلموں یعنی ذمیوں کے ساتھ بے حد نرمی کا سلوک کیا گیا ہے جو کسی مسلم حکومت کی پناہ میں آ گئے تھے۔

ذمیوں کے متعلق رسول کریم کی ہدایت یہ ہے کہ "ذمیوں کے حقوق ادا کرنے واجب ہیں۔ اور ہم پر لازم ہے کہ ہم اُن کے حقوق کا خیال رکھیں" دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے "جس نے کسی ذمی کو ستایا وہ ہماری جماعت سے خارج ہو گیا" ایک اور ارشاد ہے "یاد رکھو جو شخص غیر مسلم رعایا کے حق میں ناانصافی کرے، گویا اُن سے کیا ہوا عہد توڑے گا۔ یا اُس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا یا اُس کی رضامندی کے بغیر اُس سے کوئی چیز لے گا تو قیامت کے روز میں اُس کا دامن گیر ہوں گا"

یہودی شروع ہی سے مسلمانوں کے بہت بڑے دشمن تھے یہ ہمیشہ ہی مخالفانہ سازشیں کرتے رہتے تھے لیکن نبی کریم کے وقت میں جو رعایتیں اُن کے ساتھ کی گئیں اُن کا پتہ اُن سندوں سے چلتا ہے جو آپ نے اُنہیں عطا فرمائی تھیں مدینہ کے یہودیوں کو جو سندیں عطا ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں

"مسلمانوں کی جانب سے یہودیوں کی مدد اور اعانت کی جائیگی اُنہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ اُن کے خلاف اُن کے دشمن کو مدد نہیں دی جائے گی۔ یہودی اپنے مذہب پر قائم رہیں گے۔ اور مسلمان اپنے مذہب پر اور اگر کوئی اُن پر حملہ کرے گا تو مسلمان ان کی مدد کریں گے"

اسی طرح مفتوح عیسائیوں کے ساتھ بھی غیر معمولی مراعات کا سلوک کیا گیا ہے۔ سنہ ۹ ہجری میں مسلمانوں اور نجران کے عیسائیوں کے درمیان جو عہد نامہ مرتب ہوا تھا وہ حسب ذیل ہے۔

"ان کے گرجا گھر۔ عبادت خانوں اور خانقاہوں میں ہر ایک چھوٹی اور بڑی چیز جوں کی توں رہے گی یہ خدا اور اس کے رسول نے عہد کیا ہے کہ نہ کوئی بشپ اپنے عہدے سے ہٹایا جائے گا اور نہ کوئی پادری اپنے منصب سے علیحدہ کیا جائے گا۔ اور نہ اُن کے اختیار حقوق اور معمولات میں کسی قسم کا تغیر ہونے پائے گا۔ اور جب تک کہ وہ صلح اور امن کے ساتھ رہیں گے نہ اُن پر کسی قسم کا جبر کیا جائے گا اور نہ وہ کسی کے ساتھ جبر و زیادتی کریں گے"

بیت المقدس کے فتح ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق نے بھی غیر مسلم آبادی کے ساتھ [illegible] کا سلوک کیا ہے۔

عیسائیوں نے جو بھی حقوق طلب کئے وہ اُن کو دیدیئے گئے ۔ اُن کے عبادت خانوں کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ قرار دی گئی ۔ جب مصر فتح ہوا تب بھی اِسی اصول پر عمل کیا گیا ۔ یہاں تک کہ وہ تمام مال و اسباب اور جائیدادیں جن پر فاتح سپاہیوں نے قبضہ کر لیا تھا ۔ اہل مصر کو واپس کر دی گئیں اور انکی سابقہ ملکیت کو بدستور برقرار رکھا گیا ۔ اور انہیں تمام شہری حقوق عطا کر دیئے گئے ۔

خلیفہ ہارون الرشید کے عہد حکومت میں بیت المقدس کے متعلق عیسائیوں کا ایک وفد خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ۔ اور اِس وفد نے مطالبہ کیا تھا کہ بیت المقدس کی زیارت کے لئے جو عیسائی جاتے ہیں ۔ اُنہیں خصوصی سہولتیں دی جائیں ۔ خلیفہ نے اُن کا مطالبہ بخوشی منظور کر لیا ۔ اور وفد کو جواہرات اور قیمتی اشیا کا ہدیہ عنایت کر کے واپس کیا گیا ۔

مسلمانوں نے اسلامی رواداری کی مثالیں تقریباً ہر ملک میں پیش کی ہیں جو تاریخ کے اوراق میں آج بھی موجود ہیں چنانچہ لین پول لکھتا ہے کہ "عربوں نے اسپین فتح کرنے کے بعد اسپین کے قدیم باشندوں کے لئے کسی قسم کی بھی مشکلات نہیں پیدا ہونے دیں ۔ اسپین کے باشندے مسلم عہد حکومت میں اپنے ہم مذہبوں کے عہد حکومت سے بھی زیادہ مطمئن تھے ۔ اور اِس کی وجہ یہ تھی کہ اب کٹر عیسائی دوسرے عیسائیوں کے عقائد میں تبدیلی کے لئے طرح طرح کے مظالم نہیں کر سکتے تھے ۔ مسلمانوں نے عیسائیوں اور تمام مذاہب کے افراد کو اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لئے آزاد چھوڑ دیا تھا "

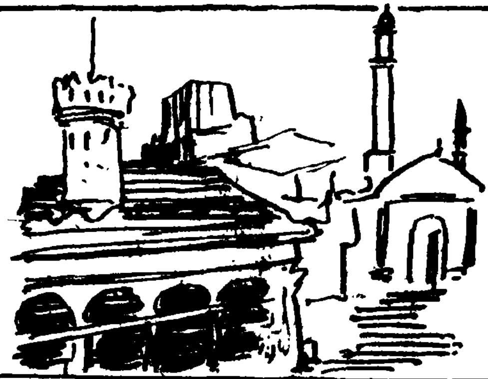
اس موقعہ پر حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد حکومت کا ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے جو یہ ہے کہ حمص کے فتح کرنے کے چھ مہینے بعد مسلمانوں کو بعض انتظامی اور سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر اپنی فوج حمص سے ہٹانی پڑ گئی تھی ۔ اِس موقعہ پر حمص کے عیسائیوں اور یہودیوں کو یہ شبہ ہوا کہ شاید مسلمان اُن کا ملک چھوڑ رہے ہیں مسلمانوں نے جمع شدہ جزیہ سے حساب کر کے جزیہ کی رقم بھی واپس کر دی تھی ۔ عیسائی اور یہودی اُن کے جانے پر بے حد افسردہ ہوئے اور انھوں نے رو رو کر اُن سے التجا کی کہ خدا کے واسطے ہمیں رومن ظالموں کے پنجہ میں دوبارہ گرفتار نہ ہونے دیا جائے ۔ حالانکہ رومی اُن کے ہم مذہب تھے اور اس کا باعث یہ تھا کہ اس قلیل مدت میں مسلمانوں کے منصفانہ طرز حکومت اور اخلاق نے حمص کے باشندوں کو مسلمانوں کا گرویدہ بنا لیا تھا اور وہ مسلمانوں کے جانے کے بعد اُن کی واپسی کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے ۔

خلیفہ منصور اور مہدی عباسی کے بارے میں عیسائی مورخ فلپی لکھتا ہے کہ "عباسیوں کا دورِ حکومت عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے ایک رحمت تھا ۔ انھوں نے کبھی کسی قسم کا تعصب غیر مسلموں کے ساتھ نہیں برتا " اور خلیفہ ہارون الرشید کے عہد حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے یہی مورخ رقمطراز ہے "خلیفہ نے غیر مسلموں کے تحفظ کی غرض سے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ عیسائی اور یہودی اپنا قدیم لباس پہنیں اور وہ مسلمانوں سے جدا دکھائی دیں تاکہ وہ اگر شراب پیتے ہوں یا کوئی ایسا کام کرتے ہوں جو اُن کے مذہب میں جائز ہے تو پولیس اُنھیں مسلمان سمجھ کر گرفتار نہ کر لے ۔ کیوں کہ مسلمانوں کے لئے شراب نوشی کی ممانعت تھی ۔ وہ اگر شراب پیئے ہوئے سڑکوں پر پائے جاتے تھے تو انہیں گرفتار کر لیا جاتا تھا "

خود ہندوستان کے متعلق ڈاکٹر بینی پرشاد اپنی کتاب "جہانگیر" میں لکھتے ہیں کہ "ہندوستان میں مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ساتھ بڑی رواداری برتی ہے ۔ اور پوری پوری مذہبی آزادی عطا کی ہے ۔ محمد بن قاسم کا عہد حکومت ہندوؤں کے لئے ایک زریں عہد تھا اُس کے بڑے بڑے عہدہ دار اور وزرا ہندو ہی تھے ۔ اِس کے علاوہ شیر شاہ سوری ۔ اکبر، جہانگیر شاہجہاں اور سب ہی مسلم بادشاہوں کے عہد میں ہندوؤں کو کامل مذہبی آزادی حاصل تھی "

ایک عیسائی سیاح ۔ "ریورنڈ ایڈورڈ ٹیری لکھتا ہے کہ ۔ "جہانگیر اور شاہجہاں اپنی مسلم اور غیر مسلم رعایا میں کسی قسم کا فرق نہیں کرتے تھے " اورنگزیب کے خلاف بعض مصنفوں نے جو کل افشانیاں کی ہیں وہ اب بے نقاب ہوتی جا رہی ہیں اورنگزیب کے ہندوؤں کے حق میں کئی فرمان ظہیر فاروقی نے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں ۔

پہلا فرمان ۱۰۹۱ھ کا ہے اور دوسرا ۱۱۰۱ھ کا ہے ۔ ان دونوں فرمانوں میں اورنگزیب نے اپنے ماتحتوں کو بائی منع کیا



انگلستان کے مسلمان

یورپین ممالک میں اسلامی سرگرمیاں

(از ادارہ دین دنیا)

اسلام پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ تلوار سے پھیلا ہے لیکن اِن الزام لگانے والوں سے پوچھا جاسکتا ہے کہ آج انگلستان، فرانس، جرمنی، اور دوسرے یورپین ممالک میں اسلام کا جو فروغ حاصل ہو رہا ہے وہ کونسی شمشیرزنی کا نتیجہ ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس بے دینی کے زمانہ میں بھی اسلام کو یورپین ممالک میں غیر معمولی فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں انگلستان میں اسلام کی ہردلعزیزی پر ہلکی سی روشنی ڈال رہے ہیں۔

یہ اگرچہ بے دینی اور لامذہبی کا زمانہ ہے لیکن اِس کے باوجود بھی اسلام کو دیگر یورپین ممالک میں عموماً اور انگلستان میں خصوصاً غیر معمولی فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ چنانچہ اسلام کی اِس ہردلعزیزی پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک عیسائی مفکر نے "اسلامک ریویو لندن" میں لکھا ہے کہ "اگر اسلام اسی رفتار سے انگلستان اور دوسرے یورپین ممالک میں پھیلتا رہا تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ آگے چل کر یہاں تمام مذاہب پر غالب آجائے گا"

آج سے دس پندرہ سال قبل تک انگلستان میں مسلمان کی آبادی چار پانچ لاکھ کے درمیان تھی۔ لیکن گذشتہ پندرہ سال میں یہ بڑھتے بڑھتے دس لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ یہ درست ہے کہ پاکستان ہندوستان اور دوسرے ممالک سے بھی مسلمان یہاں آکر آباد ہوئے ہیں۔ لیکن (مدانتہ ہے) اِس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں کے قدیم باشندے بھی اسلام کی جانب راغب ہوتے چلے جارہے ہیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ وہ عیسائی تو اسلام کو بہت ہی آسانی سے قبول کرلیتے ہیں جو فی الحقیقت ایک سچے مذہب کے متلاشی ہیں جو حضرات کہ خود انگلستان جاکر وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے ہیں اُن کا خیال ہے کہ اگر انگلستان میں تبلیغی کوششوں کو تیز کردیا جائے تو یہاں اسلام کے فروغ کے لئے بہت بڑا میدان موجود ہے

انگلستان کے بعض علاقے تو اس وقت بھی ایسے ہیں۔ جہاں مسلمان کثرت سے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً بریڈفورڈ برطانیہ کا ایک ایسا شہر ہے جہاں اتنی بڑی تعداد میں ایک ہی جگہ مسلمان بسے ہوئے ہیں کہ یہ برصغیر ہند کا ہی کوئی ایسا خطہ معلوم ہوتا ہے جہاں مسلمانوں کی کثرت ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ عید اور عید اضحیٰ کے موقع پر تو یہاں کی رونق بے حد بڑھ جاتی ہے۔

ہندوستان کے اُردو نواز دوستوں کے لئے یہ خبر باعث مسرت ہوگی کہ یہاں مسلم آبادی کے علاقہ میں جتنی بھی دکانیں مسلمانوں کی ہیں اُن سب ہی پر سائن بورڈ اردو کے لگے ہوئے ہیں۔ اور یہ حال برطانیہ کے تقریباً سب ہی شہروں کا ہے۔ یعنی برطانیہ کے دوسرے شہروں میں بھی جہاں جہاں مسلمانوں کی دکانیں ہیں اُن پر اردو بورڈ نظر آتے ہیں۔

برصغیر ہند اور پاکستان سے آئے ہوئے تمام لوگوں کے درمیان یہاں اردو ہی رابطہ کی زبان ہے۔ مسلمانوں کے سارے سماجی، اور مذہبی اجتماعات میں تقریریں زیادہ تر اردو

زبان ہی میں کی جاتی ہیں - اردو مشاعروں کا سلسلہ بھی یہاں عام ہے - جب مشاعرے ہوتے ہیں تو اُن میں کافی اجتماع ہوتا ہے۔

ایک زمانہ آج الوقت زبان کی طرح اردو کے یہاں کئی خوالقو آفسٹ پریس بھی ہیں - جہاں کا سب بار د طور پر اردو کی کتابت اور طباعت کا کام ہوتا ہے یہاں تک کہ لندن سے اردو کے روزنامے اور ہفتہ وار اخبارات بھی شائع ہوتے ہیں - جن میں جنگ، مشرق، ملت، مساوات اور اخبار وطن خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں - اور یہ اردو اخبارات ہاکروں اور ایجنٹوں کے ذریعہ پورے برطانیہ میں فروخت ہوتے ہیں - اردو اخبارات میں فلموں کے جو اشتہارات ہوتے ہیں انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کے آٹھ دس سینما ہاؤس بھی برطانیہ میں کھل گئے ہیں - غرضکہ اسلام کے ساتھ برطانیہ میں اُردو زبان کو بھی خوب فروغ حاصل ہوا ہے

انگلستان میں جو لاکھوں مسلمان آباد ہیں اُن کے دینی شغف کا اندازہ اُن مساجد سے بخوبی ہو سکتا ہے جو پورے انگلستان میں پھیلی ہوئی ہے - عام اندازہ کے مطابق مختلف فرقوں اور جماعتوں کی ان مسجدوں کی تعداد اس وقت سو سے بھی زیادہ ہے یہاں مساجد قائم کرنے میں کچھ زیادہ زحمت نہیں اٹھانی پڑتی ہر شہر میں کارپوریشن کے بنائے ہوئے جو مکانات ہوتے ہیں - اُن ہی میں سے کوئی مکان خرید لیا جاتا ہے - اور اُس کے اندرونی حصّہ کی دیواروں کو توڑ کر ایک کشادہ ہال کی صورت میں تبدیل کر دیا جاتا ہے - عموماً یہاں کے مکانات تین یا چار منزلہ ہوتے ہیں جن میں کہ زمین دوز تہہ خانے بھی ہوتے ہیں - اُن مکانات کو مساجد میں تبدیل کرنے کے بعد یہ زمین دوز تہہ خانے وضو اور غسل کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں - اور اوپر کی منزلوں میں نمازیں ادا کی جاتی ہیں - عمارت کے باہر مسجد کا سائن بورڈ لگا دیا جاتا ہے لیکن باہر سے یہ ایک عام عمارت معلوم ہوتی ہے مسجد کی کوئی خاص علامت نہیں ہوتی - لیکن اب ایسی بھی متعدد شاندار مسجدیں بن گئی ہیں جن میں کہ مساجد کا مخصوص طرز تعمیر نمایاں ہے -

انگلستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی کثرت ہے وہاں پوری طرح رمضان المبارک کے مہینہ میں رونق دکھائی دیتی ہے رہی سحری کے انتظامات - وہی افطار کا اہتمام وہی مساجد میں تراویح کی رونق اور وہی تلاوت قرآن کا جذبہ - غرضکہ انگلستان میں رمضان المبارک اپنی روایتی شان کے ساتھ آتا ہے - اور جن علاقوں میں مسلمانوں کی کثرت ہے وہاں ہند اور پاکستان کے شہروں جیسی رونق رمضان المبارک میں دکھائی دیتی ہے۔

عید کا زمانہ یہاں سب سے زیادہ دلچسپ اور رنگین ہوتا ہے - برطانیہ کا آسمان چونکہ ہمیشہ ابر آلود رہتا ہے - اس لئے یہاں کے لوگ ہلالِ عید کے دیکھنے کی مسرت سے عموماً محروم رہتے ہیں - اس لئے چاند کے مسئلہ پر تقریباً ہر سال ایک ہنگامہ اور اختلاف سا رہتا ہے - مراکش سب سے قریبی اسلامی ملک ہے اس لئے کچھ لوگ وہاں سے ٹیلیفون کے ذریعہ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں - کچھ لوگ برطانیہ کے محکمہ موسمیات کی طرف رجوع کرتے ہیں - اور کچھ لوگ اِن تمام جھگڑوں میں پڑے بغیر تیس دن کے پورے روزے رکھ کر عید مناتے ہیں غرضکہ اختلاف رائے کے نتیجہ میں یہاں دو تین دن تک عید منائی جاتی ہے -

انگلستان میں عیدین کی نماز میدانوں میں نہیں ہوتی بلکہ بڑے بڑے ہالوں اور مسجدوں میں ہوتی ہے - اور جگہ کی قلت اور نمازیوں کی کثرت کے باعث تین تین بار یا چار چار بار عید کی نمازیں ہوتی ہیں - قربانی کا رواج انگلستان میں کم ہے باہر کے لوگ اپنی قربانیاں زیادہ تر وطن ہی میں کرتے ہیں - حج کے لئے انگلستان سے ہر سال دو ہزار کے قریب عازمین حج کا قافلہ جاتا ہے - جانے والے سب کے سب ہوائی جہاز کے ذریعہ جاتے ہیں بحری جہاز سے جانے کا سسٹم نہیں ہے - حکومت کی طرف سے حاجیوں کا کوئی کوٹا مقرر نہیں جتنے بھی مسلمان حج کے لئے جانا چاہیں جا سکتے ہیں ماہ محرم - ربیع الاول اور گیارہویں شریف کے موقعہ پر ذکر شہادت میلاد شریف اور وعظ کی محفلوں کی بھرمار رہتی ہے - اِس قسم کی تقریبات صرف ہفتہ اور اتوار کے روز ہوتی ہیں - دوسرے ایام میں لوگوں کو فرصت مشکل ہی سے ملتی ہے -

یورپ کے دوسرے ملکوں کی طرح اگرچہ انگلستان میں بھی بے دینی کی وبا عام ہے لیکن مسلمانوں پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہے

افسانہ

پتھر کا دل

جذبات میں ڈوبی ہوئی ایک کہانی

(از رفیعہ شبنم - ایم - اے - بی - ایڈ)



فراز میڈیکل کالج میں تعلیم پا رہا تھا اور اعلیٰ التعلیم کی وجہ سے انکل نے اُسے ڈیڈی کے پاس علی گڈھ بھجوایا تھا، تاکہ ڈیڈی کے اثر و رسوخ سے اُسے ایم - ڈی میں داخلہ بھی مل جائے اور رہائش کا انتظام بھی ہو جائے - فراز سے ملتے ہی ڈیڈی نے اُسے گھر پر روک لیا اور اپنا تمام ساز و سامان اُسی وقت یہاں لے آنے کا حکم دے دیا -

فراز کی کیا مجال تھی جو ڈیڈی کے سامنے انکار کرتا اُسے اُن کے حکم کی تعمیل کرنا ہی پڑی، اور یوں چند ہی دنوں میں فراز ہم میں ایسا گھل مل گیا جیسے ہمارے ہی گھر کا ایک فرد ہو -

فراز بہت ہی خود دار اور غیور تھا عجیب سی فطرت تھی اُس کی ایک بات میری سمجھ میں کبھی نہ آئی، یا شاید مجھے فرصت ہی نہ ملی تھی کہ اُسے سمجھنے کی کوشش کرتی روزانہ صبح جیسے ہی میری آنکھ کھلتی سرخ گلاب مجھے اپنے سرہانے مہکتے ہوئے دکھائی دیتے اور ایک مانوس سی خوشبو میرے مشامِ جاں کو معطر کر دیتی - آیا سے پوچھنے پر مجھے یہی جواب ملتا "فراز بیٹا رکھ گئے ہیں" اور مجھے فراز کے اِس پاگل پن پر ہنسی آ جاتی -

"نہ جانے تمہارا یہ کیا پاگل پن ہے فراز، اِن گلابوں سے تمہیں اتنا پیار کیوں ہے؟"

میں کبھی جھنجھلا کر پوچھتی تو مجھے صرف ایک ہی جواب ملتا -

"مجھے گلابوں سے نہیں زندگی سے پیار ہے شیری! اِس لئے کہ زندگی خوشبوؤں سے معطر ایک موسمِ گل کا نام ہے"

اُس روز میں رات، گئے تک پڑھتی رہی، صبح تھیسس کا آخری حصہ پروفیسر پٹھان کو دکھانا تھا - وہی میرے گائیڈ تھے، اِس لئے مجھے دیر تک جاگنا پڑا - اپنے ہی خیالوں میں کھوئی ہوئی کسی کتاب میں غرق تھی کہ پشت سے آواز آئی -

"اتنی موٹی موٹی کتابوں میں کھو کر اپنے آپ کو برباد نہ کرو شیری! ابھی تم عمر کی اُس منزل پر نہیں جو پی - ایچ - ڈی کی ڈگری کا بار سنبھال سکو، اِس کے لئے شعور کی پختگی ضروری ہے"

"فراز تم؟"

نہ جانے کب وہ دبے پاؤں میرے کمرے میں گھس آیا تھا -

"شیری، اتنی پیاری پیاری آنکھوں کو اتنی تکلیف نہ دیا کرو، مجھے ڈر لگتا ہے کہ اگر یہ بار وہ نہ اٹھا سکیں تو کیا ہوگا؟"

"ایک عدد عینک کا استعمال کروں گی اور کیا" میں نے قہقہہ لگایا تو وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولا -

"عینک بھی ایک فریب ہے شیری، اِس سے کھوئی ہوئی بینائی واپس تو نہیں آ جاتی اور پھر کیا پتہ تم کسی دن ایسی عینک چڑھا لو کہ اپنوں کو بھی پہچاننے سے انکار کر دو"

"اُف وہ! آخر تم چاہتے کیا ہو" میں جھنجھلا گئی -

"اِدھر آؤ میرے ساتھ، دیکھو باہر چاندنی کیسے پھیلی ہوئی ہے - رات کی رانی کی مہک سے سارا باغ، ساری روشیں معطر ہو رہی ہیں - کتنا پیارا منظر ہے اِس وقت"

"مجھے نیند آ رہی ہے - تم باغ میں جا کر منظر کا لطف اٹھاؤ میں یہ تھیسس مکمل کر لوں"

فراز خاموش ہو گیا اور چپ چاپ نکل گیا، بالکل اُسی طرح جیسے وقت دبے پاؤں آئے اور چپکے سے چلا جائے -

اور یوں ہی زندگی کا ایک سال بیت گیا - میں نے ہمیشہ کی طرح خوشی خوشی اپنی سالگرہ منائی - موم شمعوں کی روشنی میں

جب میں نے سر اٹھایا تو بے ساختہ کئی تالیاں بج اٹھیں۔ سامنے ہی میری نظر فراز پر جا پڑی وہ دروازے میں کھڑا تھا۔ گہرے نیلے سوٹ میں ملبوس، بے حد شاد و مسرور۔ بہت ہی تپاک سے وہ میری طرف بڑھا اور پھر میرے ہاتھوں میں پھولوں کا ایک بڑا سا گلدستہ اور ایک پیکٹ دیتے ہوئے بولا۔

"بہاروں کی ملکہ، خدا تمہاری زندگی میں ان شمعوں سے بھی زیادہ اُجالا بھر دے"

اُس کے اِس شاعرانہ انداز تخاطب پر میں ہنس پڑی۔ وہ بھی مسکرایا اور بولا۔

"شیری کھول کے دیکھو تو میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں"

میں نے ایک میکانکی انداز میں پیکٹ کھول دیا۔ گلاب کے سرخ سرخ پھولوں سے سجی ہوئی ایک خوبصورت سی ساڑی رکھی تھی۔

"پسند آئی نہیں؟" اُس نے اشتیاق بھرے لہجے میں کہا

"ہاں، بس ٹھیک ہی ہے" میں نے برا سا منہ بنایا۔ "نہ جانے تمہیں گلاب اور گلابی رنگ میں کیا خوبی نظر آتی ہے"

"تو پھر، واپس کر دوں؟"

"ہاں بہتر تو یہی ہے، لیکن میرا خیال ہے اب دکاندار واپس نہ لے گا، رہنے دو۔ میں اپنی کسی سہیلی کو دے دوں گی"

فراز نے مردہ ہاتھوں سے ڈبہ میری گود میں لڑھکا دیا اور اور بوجھل قدموں سے واپس چلا گیا۔ لیکن میرے خیال میں یہ کوئی بدسلوکی نہ تھی۔ اپنی پسند اور ناپسند کے اظہار کا مجھے پورا حق حاصل تھا۔ آخر فراز کو مجھ سے پوچھے بغیر ایسی ساڑی لانے کی ضرورت بھی کیا تھی!۔

صبح میں باغ میں چہل قدمی کر رہی تھی کہ فراز چلا آیا، نہ جانے کہاں سے!

"شیری یہ پھول دیکھ رہی ہو، کتنے خوبصورت ہیں"

"ہاں"

"بالکل تمہاری طرح"

"نہ جانے کیوں تم ہر وقت میری تعریف کیا کرتے ہو" میں اس خوشامد سے چڑ سی گئی "تمہیں تو ذوق اور سودا کے زمانے میں پیدا ہونا چاہیئے تھا"

"تمہاری شان میں قصیدے پڑھ پڑھ کر تو ذوق اور سودا سے بھی دو چار ہاتھ آگے نکل گیا ہوں" وہ ہنسا۔

"اور اب تھوڑے دنوں میں دماغ بھی جاتا رہے گا، پاگل ہو جاؤ گے پاگل" میں نے جل کر کہا۔

"مجھے یہ پاگل پن بھی منظور ہو گا"

"کیوں؟"

"اس لئے ــــ اس لئے کہ میں تمہیں چاہتا ہوں شیری! مجھے تم سے ــــ مجھے تم سے محبت ہے" اُس کی آواز بھاری ہو گئی۔

"محبت!" ــــ میں نے ایک قہقہہ لگایا "تم واقعی بے وقوف ہو فراز۔ میں محبت وحبت کی قائل نہیں۔ غالب نے کہا تھا "کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا"

"شیری، کچھ سمجھنے کی کوشش کرو۔ دیکھو بھونرا بے چین رہتا ہے صرف پھول کے لئے جب تک وہ پھول تک نہیں پہنچتا اُس وقت تک ادھر ادھر سر مارتا پھرتا ہے، اور جس وقت پھول کے نرم اور ملائم لمس کو اپنے پروں کے قریب محسوس کرتا ہے اُسے سکون سا مل جاتا ہے۔ وہ سرشار ہو کر پھولوں پر اپنا سر رکھ دیتا ہے۔ پروانے کو دیکھو وہ شمع کے لئے اپنی جان تک دیدیتا ہے اور ننھا سا چکور وہ بھی چاند کی محبت میں بلندی پر پرواز کرتا رہتا ہے، حالانکہ کہ قوت پرواز جواب دے جاتی ہے۔ لیکن جذبۂ محبت ہمت کو پسپا ہونے نہیں دیتا، تم نے کبھی یہ سوچا ہے وہ کون سا جذبہ ہے جس نے بھونرے کو بے چین کر دیا؟ پروانے کو جلا کر خاک کر دیا، اور چکور کو آسمان کی بلندیوں میں اڑنے کا حوصلہ عطا کیا؟ شیری، تم سوچو بھولی نہیں۔ غور کیوں نہیں کرتیں۔ یہ جذبۂ محبت ہے۔ تخلیق کائنات کا مقصد محبت اور محض محبت ہے شیری!"

"تم ایک کامیاب لکچرر ثابت ہو سکتے ہو" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "تم سمجھتے ہو تمہاری یہ دلیلیں مجھے قائل کرنے کے لئے کافی ہیں یہ غلط ہے فراز! میں نے ان سب پر غور کیا۔ محبت کے متعلق میرا نظریہ محض وقتی یا جذباتی نہیں، سوچا سمجھا اور نپا تلا ہے۔ جسے دنیا محبت کہتی ہے وہ بوالہوسی کا دوسرا نام ہے۔

فراز مسکرایا۔ جس کی آنکھوں کے گوشوں میں عجیب سی چمک آئی اور اُس نے میری ٹھوڑی اوپر اٹھاتے ہوئے صرف اتنا کہا۔

"میری بھولی سی گڑیا!"

محبت ہے اک لفظِ صد رنگ و معنی
محبت نہ ہو پھر تو دنیا میں کیا ہے

"ایک نہ ایک دن تم ضرور قائل ہو جاؤ گی کہ محبت ہی سب کچھ ہے"

"تمہارا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو گا فراز"

اور وہ ایک قہقہہ لگاتا ہوا چلا گیا۔ اچانک باغ میں ایک ساتھ پرندے چہچہانے لگے۔

گھر میں عجیب سی فضا تھی۔ ڈیڈی اور ممی دونوں ہی فراز پر جان دیتے تھے۔ بھائی جان کو بھی فراز بہت پسند تھا۔ چھوٹی ممی ناہید بھی اپنے فراز بھیا کے حق میں تھی۔ انکل جعفری کے ارادے بھی نیک تھے۔ اور سب مل کر اندر ہی اندر چپکے چپکے میرے متعلق کوئی پلان بنا رہے تھے۔ معاملے کی ساری نوعیت میری سمجھ میں نہ آسکی تھی۔ لیکن پھر بھی کبھی ڈرائنگ روم اور کبھی کچن میں ہونے والی سرگوشیاں میرے کانوں تک بھی پہنچ جاتی تھیں۔ لیکن میں انہیں کوئی اہمیت نہ دیتی تھی۔

میں نے اپنی زندگی کا ایک خاص مقصد متعین کر لیا تھا اور وہ تھا اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا۔ مجھے بچپن ہی سے تعلیم کا شوق تھا۔ یہ شوق جنون کی حدوں سے بھی آگے بڑھ گیا تھا۔ میں نے اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنا لیا تھا۔ میرا خیال تھا میں زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کروں گی اور پھر ایک کامیاب، باوقار اور باعزت زندگی گزاروں گی۔ ایسی زندگی جس میں کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی

دو چار دنوں تک میں تھیسس کے مکمل کرنے میں اتنی مصروف رہی کہ سارا وقت یونیورسٹی میں گزارنا پڑا اور فراز سے ملاقات نہ ہو سکی۔ تھیسس پیش کر کے ایک ذہنی سکون محسوس کر رہی تھی آج کئی دنوں بعد مجھے چین اور سکون کی نیند آئی تھی۔ صبح آنکھ کھلی بھی نہ تھی کہ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی ہلکی ہلکی، نرم نرم، بہت ہی سبک سی انگلیاں میرے بالوں میں رینگ رہی ہوں۔ مجھے عجیب سا سکون محسوس ہوا۔

"شیری" فراز نے پکارا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اُس کی لمبی لمبی انگلیاں میری زلفوں سے کھیل رہی تھیں۔

"کیا کام ہے، صبح صبح چلے آئے ہو بور کرنے کے لئے۔ سونے بھی دو گے یا نہیں"

"ذرا ایک بات تو سنو شیری۔ اگر تکلیف نہ ہو تو میرے کپڑوں پر استری کر دو، مجھے آج بمبئی جانا ہے"

"کیوں؟" میں نے آنکھیں بند کئے ہوئے پوچھا۔

"ایک ضروری کام ہے"

"تو ہمیشہ کے لئے دفان کیوں نہیں ہو جاتے؟"

"تم کہو تو وہ بھی کر دکھاؤں"

"ہاں ہاں، میں کہہ رہی ہوں"

"اچھا تو ایک کام اور کر دو بس ایک شرط ہے" وہ میرے کانوں کے پاس گنگنایا۔

"کونسی شرط ہے؟" میں جل کر اٹھ بیٹھی۔ نیند اب بھی میری انکھوں میں چبھ رہی تھی۔

"شیری!" اُس نے اپنی ہتھیلیوں میں میرے چہرے کو تھامتے ہوئے کہا۔ "ایک بار، صرف ایک بار تم یہ کہہ دو کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو"

"محبت —— محبت —— محبت!" میں جھنجلا گئی "تم سے کتنی بار میں نے کہا ہے کہ میں محبت کی قطعی قائل نہیں، اور اگر سننا ہی چاہتے ہو تو سنو، مجھے تم سے محبت نہیں ہے، نہیں ہے، نہیں ہے۔ اب تم جا سکتے ہو"

اور میں پھر بستر پر لیٹ گئی۔ فراز یوں خاموش ہو گیا جیسے پتھر کا بے جان بے حس مجسمہ ہو۔ وہ اپنی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ اُس نے میرے قدموں کو اپنی آنکھوں کا بوسہ دیا اور بغیر کچھ کہے چلا گیا۔ میرے تلوے اُس کی پلکوں سے نم ہو گئے۔ اور یوں ہی لیٹے لیٹے پھر میری آنکھ لگ گئی۔

اچانک گھڑی کے پنڈولم نے چیخ چیخ کر مجھے جگا دیا۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو سامنے دیوار پر گھڑی کی سوئیاں گیارہ بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھی مجھے یاد آیا فراز نے مجھے کپڑوں پر استری کرنے کے لئے کہا تھا۔ میں جلدی جلدی

اُس کے کمرے کی طرف لپکی لیکن گھر میں کوئی بھی نہ تھا۔ کمرہ سنسان پڑا تھا عجیب خوفناک سناٹا تھا اُس کمرے میں میں نے الماری کھولی ہینگر خالی پڑے تھے، فراز جا چکا تھا۔ وہ اپنے دل میں کیا سوچے گا؟ پہلی بار مجھے اپنی بدسلوکی کا احساس ہوا۔ کہیں ناراض تو نہیں ہو گیا۔ لیکن کس سے پوچھوں؟ سامنے آیا آگئی، مجھے دیکھتے ہی بولی۔

سب گھر والے فراز بیٹا کو اسٹیشن چھوڑنے گئے ہیں۔ بی بی جی نے آپ کو جگانا چاہا لیکن فراز بیٹا منع کر گئے۔ جاتے وقت مجھ سے صرف اتنا کہہ گئے کہ اگر شیری میرے متعلق پوچھے تو بتا دینا کہ تمہارے لئے آخری تحفہ میز پر چھوڑے جا رہا ہوں"

آیا آگے بڑھ چکی تھی۔ میرے ذہن میں جیسے ایک ایٹمی دھماکہ ہوا سا ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی رگ و پے میں۔ ایسا پہلے تو کبھی نہ ہوا تھا۔ میں جلدی سے میز تک آئی، فراز کی تحریر جگمگا رہی تھی:

"میں جا رہا ہوں شیری! بمبئی نہیں، امریکہ۔ اس بات کے لئے معافی چاہتا ہوں کہ تمہیں یا کسی اور کو اپنے سفر کے متعلق پہلے نہ بتا سکا تھا۔ نہ جانے کیوں، میں سوچ رہا تھا کہ اگر تم رستہ کبھی مجھے روک لو گی تو میں اپنا ارادہ ترک کر دوں گا۔ لیکن تم نے ایسا نہیں کیا شیری! میں نے تمہاری ہر ادا پر جان چھڑکی۔ تمہاری ہر بے رخی برداشت کی۔ لیکن تم ——— تم پتھر کی ایسی بت نکلیں جس کے آگے سر ٹکرانے سے کچھ حاصل نہیں۔ بہرحال، پھر بھی مجھے کوئی شکایت نہیں۔ کیونکہ آج تم ہر بات سے انکار کر لو شیری لیکن مجھے یقین ہے کہ وقت کے اس وسیع سمندر میں ایک جذبہ تیرتا ہوا تمہارے دل کے ساحل تک ضرور پہنچے گا جو تمہارے جذبات میں طلاطم برپا کر دے گا۔ زندگی کا سفینہ تمہیں غرقاب ہوتا نظر آئے گا۔ تمہاری انا کا نازک شیشہ حالات کی سنگ باری سے چکنا چور ہو جائے گا ——— اور اُس وقت تم مجھے یاد کرو گی شیری! یہ زندگی، جسے تم نخلستان سمجھ رہی ہو، ایک تپتا ہوا ریگزار ہے اور یہ راستہ جس پر تم جا رہی ہو، ایک دن تمہیں جدائی اور تنہائی کے اُس الاؤ میں پھینک دے گا جہاں تمہارا وجود جل کر راکھ ہو جائے گا۔ یقین کرو تم ہار جاؤ گی شیری تم ہار جاؤ گی"

وہ کئی ماہ تک روزانہ فراز کا انتظار کرتی رہی اور آج وہ سوچ رہی تھی ہاں تم نے ٹھیک ہی لکھا تھا فراز ——— میں ہار گئی تم جیت گئے۔ میرے وجود کا ذرہ ذرہ بکھر چکا ہے، اور یہ بکھرے ہوئے منتشر ذرے تمہیں پکار رہے ہیں۔ تم کہاں ہو فراز! آواز تو دو ——— بولو ——— کچھ بولو نا؟ ——— ؟ ——— ؟ آج دل میں ایک عجیب سی ہلچل مچی ہے تم چلے آؤ فراز! خدا کے لئے چلے آؤ! میں تمہارے لئے بیقرار ہوں تمہارے بغیر ایک پل بھی نہیں جی سکتی یہ باغ، یہ پھول، یہ چاند یہ ستارے سب تمہارے منتظر ہیں فراز! ——— جب سے تم گئے ہو میری زلفیں کسی نے پیار سے نہیں سنواریں۔ کسی نے ان میں نرم ملائم انگلیوں کی ٹھنڈک نہیں بخشی کسی نے میرے چہرے کو اپنی گرم ہتھیلیوں کی حرارت نہیں پہنچائی میرے تلوؤں میں کسی کی پلکوں کی نمی نہیں آئی، فراز! ——— تمہیں میری قسم، میری محبت کی قسم! آجاؤ۔ خدا کے لئے آجاؤ!"

اور اس کے آگے میں فراز کو کچھ بھی نہ لکھ سکی۔ صرف آنسوؤں کے داغ باقی رہ گئے۔ کئی مہینے کی مسلسل کشمکش کے بعد میں نے یہ خط فراز کو لکھا تھا۔ میرا ایک ایک لمحہ اُس کے جواب کے انتظار میں گزر گیا پل۔ دو پل، لمحہ، ساعت، دن، رات، ہفتے اور مہینے! اچانک فراز کا لفافہ موصول ہوا۔ میں نے بے قرار ہاتھوں سے اسے کھولا پڑھا تو حیران رہ گئی

"شیری، خلاف توقع تمہاری تحریر پا لی۔ دل محزوں کی تسکین تو کیا ہوتی ہاں اضطرابی کیفیت اور بھی بڑھ گئی۔ تم نے اپنی قسم دی ہے، اپنی محبت کی قسم۔ محبت کی تو تم قائل نہیں شیری! اس لئے اس قسم کی ضرورت نہیں ہاں تمہاری قسم نبھاؤں گا کہ تمہاری جان اب بھی مجھے پیاری ہے۔ لیکن شیری، تم نے بہت دیر کر دی۔ تم نہیں جانتیں یہاں آنے کے بعد کتنی مصیبتوں سے میں نے اپنے تمام ارمانوں کو دفن کر کے، بڑی مشکل سے دل کے بکھرے ٹکڑوں کو جوڑ کر پیار کا ایک نیا تاج محل تعمیر کیا ہے۔ اب مجھے اسی میں رہنے دو شیری! ابھی [illegible] کا ضرورت ہے [illegible]۔ مگر اپنی [illegible] شریک زندگی [illegible]"

اور شام کی اس تاریکی میں ایک بار پھر میں نے محسوس کیا ہے جیسے کوئی چیز اندر ہی اندر ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی ہے، آنگن سے اب کچی مٹی کی خوشبو نکل رہی ہے، جیسے کسی کنواری کے دوپٹے کے پھول مہکتے ہیں۔ میں اپنی بھیگی پلکوں کو صاف کر کے فراز کے خط پر سر رکھے سسک رہی ہوں۔



آج کل کی لڑکیاں

یہ اندھی آزادی کا شکار بن رہی ہیں

(از زبیدہ سلطان صاحبہ دہلوی)

عورتوں کی آزادی کیا چیز ہے؟ اس کا مفہوم کیا ہے؟ جو آزادی آج کل کی لڑکیوں میں پھیل رہی ہے کیا اُسے شریف عورتوں کی آزادی قرار دیا جاسکتا ہے؟ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو پردہ میں رہنا چاہیے کیا وہ راستی پر ہیں؟ یا وہ لوگ جو پردہ کے مخالف ہیں اُن کی رائے درست ہے؟ یہ ہیں وہ سوالات جو ایک خط کے ذریعہ مجھے موصول ہوئے ہیں اور اُن کا جواب ایک بہن نے مجھ سے طلب کیا ہے۔ ان بہن کے طویل خط کے آخری جملے یہ ہیں۔

"عورتوں کی آزادی کا مسئلہ دن بدن پیچیدہ بنتا چلا جارہا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اگر موجودہ زمانہ کی لڑکیوں کو اندھی آزادی سے نہ روکا گیا تو ہندوستان کی معاشرتی زندگی ایک مستقل مصیبت بن جائے گی آپ تجربہ کار ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ اس معاملہ میں رہنمائی کریں اور عورتوں کو سیدھا راستہ دکھائیں"

ان بہن کے خط سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ موجودہ زمانہ کی لڑکیوں کی اس اندھی آزادی کو بڑی تشویش کی نظر سے دیکھ رہی ہیں جس نے کہ عورتوں کو ایک اچھا خاصہ عشرت پسندی کا کھلونا بنا دیا ہے۔ حالانکہ اگر عورت کی حقیقت پر غور کیا جائے تو یہ دنیا کی نہایت ہی مقدس ہستی ہے کیونکہ اس کے پیٹ سے سب ہی بڑے بڑے پیغمبر، اولیا اور اوتار پیدا ہوئے ہیں اور دنیا کے سب ہی بڑے بڑے عالموں اور فاضلوں نے عورت ہی کے پیٹ سے جنم لیا ہے۔ لیکن یہ عورت ذات کی بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ وہ اپنا اس تقدیس کو بھول چکی ہیں اور اس نے تہذیب جدید کی بدولت اپنے آپ کو بہت زیادہ سستا اور ارزاں بنا دیا ہے چنانچہ زمانہ حاضرہ کی عورتوں کا ایک بہت بڑا طبقہ اس مغربی تہذیب کے سیلاب میں بہتا چلا جارہا ہے جس نے کہ ہماری گھریلو زندگی کی راحتوں کو برباد کرکے رکھ دیا ہے۔

خط لکھنے والی بہن نے مجھ سے پوچھا ہے کہ عورتوں کی آزادی کیا ہے؟ میرے نزدیک عورتوں کی حقیقی آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے نیک اعمال کی ادائیگی میں آزاد ہوں۔ اور اُن کا کردار نہایت بلند ہو۔ وہی کردار جو اسلام نے اپنے متبعین کو عطا کیا ہے اور جس کی بلندی کے بعد عورتیں مردوں کے ہم پلہ اور ہم رتبہ بن جاتی ہیں۔ اور پھر ان کے بطن سے قابل فخر قومیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ ہے عورت کی آزادی کا مفہوم لیکن موجودہ زمانہ میں عورتوں کی آزادی کے معنی یہ ہیں۔

(۱) مذہب اور اخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہو جانا اور سربازار حسن کا جلوہ دکھانا (۲) گھریلو ذمہ داریوں کا جوا اپنے کاندھوں سے اتار پھینکنا سینما اور تفریح گاہوں میں وقت برباد کرنا (۳) اولاد کی پیدائش اور پرورش کو ایک وبال سمجھنا (۴) عورتوں سے کم اور مردوں سے زیادہ رسم و راہ پیدا کرنا (۵) مذہبی اور اخلاقی تعلیم کو غیر ضروری سمجھنا۔

یہ اور اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں جن کو اس زمانہ میں "روشن خیالی" کہا جاتا ہے۔ جو طبقہ اس نام و نہاد "روشن خیالی" میں مبتلا ہے میں نے اُس طبقہ کی عورتوں کا بہت قریب سے

مطالعہ کیا ہے اور اس طبقہ کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنے کے بعد میں جس نتیجہ پر پہنچی ہوں وہ یہ ہے۔

اس طبقہ کی عورتوں میں خلوص کی بے حد کمی ہے۔ ان میں بہت سی اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو گئی ہیں۔ یہ زندگی کے اصل مقصد اور مفہوم سے قطعی نا آشنا ہیں۔ یہ زندگی کا مقصد صرف یہ سمجھتی ہیں کہ مزے اور عیش کے ساتھ زندگی گزرتی رہے آرام کے ساتھ زندگی گزارنے کا جذبہ اگر فرض شناسی کی حدود کے اندر ہو تو کوئی برائی نہیں۔ لیکن یہ کہاں کی شرافت ہے کہ فرائض اور پاکبازانہ زندگی سے بے نیاز ہو کر عیش پرستی اور عیش پسندی کی روش اختیار کر لی جائے۔

یاد رکھئے کہ ایک ایسی عورت جو صرف عیش کرنے کی قائل ہو وہ ہر قیمت پر عیش اور راحت خریدنے پر تیار ہو سکتی ہے۔ یہی سب کچھ یورپ و امریکہ میں ہو رہا ہے۔ اور یورپ و امریکہ کی تقلید میں یہی ہمارے ملک کی لڑکیاں بھی کر رہی ہیں جو بد قسمتی سے اندھی آزادی کے گڑھے میں گر چکی ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ یہ اندھی آزادی ہمارے ملک کے لئے ایک اچھی خاصی مصیبت بن چکی ہے۔ اور اس مصیبت سے نکلنے کا اب کوئی آسان راستہ بھی ہمارے سامنے نہیں۔ کیونکہ جب کوئی بری رو چل پڑتی ہے تو اس کا روکنا بڑا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور ایسی حالت میں جبکہ موجودہ زمانہ کی لڑکیاں مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے مطالعہ میں قطعی کوری ہوں تو ان کی اصلاح بڑی دشوار ہو جاتی ہے۔ اور اس کے علاوہ جبکہ انھوں نے عیب کو ہنر سمجھ لیا ہو تو اُن کی اصلاح کیونکر ممکن ہے۔

اِن نام نہاد روشن خیال لڑکیوں کو قریب سے دیکھنے کے بعد میں نے اندازہ لگایا ہے کہ اِن کا وجود ہمارے معاشرہ کے لئے پریشان کن بن گیا ہے۔ یہ ماں باپ کے گھر میں رہنے کی حالت میں اپنی بری روش کی وجہ سے انہیں پریشان رکھتی ہیں۔ اور جب شوہر کے گھر جاتی ہیں تو اسے بھی کوفت اور الجھنوں میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ ماں باپ تو پھر ماں باپ ہیں وہ اُن کی اچھی بری تمام حرکتوں کو اپنی ممتا کی وجہ سے برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن شوہر ... ی لڑکیوں کو بھلا کیوں برداشت کریں ؟ چنانچہ عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ شادی کے بعد ہی ایسی لڑکیوں کی شوہروں سے خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے اور اکثر حالات میں تو اِن کے شوہروں سے تعلقات تک منقطع ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو اس اندھی آزادی نے خود لڑکیوں کو مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ اور دوسری جانب یہ لڑکیاں اپنے شوہروں کے لئے بھی ایک مستقل پریشانی کا باعث بن گئی ہیں۔

میں اور میرے ہم خیال بہن بھائی اس بات کے دل سے خواہاں ہیں کہ عورتوں کو اُن کے جائز حقوق حاصل ہوں اور ہم سب اس بات کے بھی حامی ہیں کہ عورتوں پر سے مردوں کا بیجا دباؤ ختم ہونا چاہیئے۔ نیز عورتوں کو ہر قسم کی ذہنی آزادی دی جائے لیکن یہ سب کچھ اخلاق اور انسانیت کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہو۔ چنانچہ اسلام نے اسی قسم کی پوری اور مکمل آزادی عورتوں کو عطا کی ہے اور کسی مرد کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ عورتوں کے اس پیدائشی حق کو وہ اُن سے چھین سکے۔ لیکن جس نام و نہاد آزادی اور روشن خیالی کا ڈھونگ آج کل اس ملک میں رچایا جا رہا ہے وہ عورتوں کی آزادی نہیں ہے بلکہ گمراہی ہے جس کے خلاف آواز بلند کرنا ہر معقولیت پسند انسان کا فرض ہے اور مسلمانوں کو تو خصوصیت کے ساتھ اس طرف توجہ کرنی چاہیئے ان کو شروع ہی سے لڑکیوں کی اس طرح تربیت کرنی چاہیئے کہ وہ غلط راستہ پر نہ پڑ سکیں۔



افسانہ

حسین تحفہ

ایک نہایت ہی دلچسپ معاشرتی کہانی

(از جناب شاکر کریمی)

تین سال بعد ــــــ

وہ ایف، آر، سی، ایس کی ڈگری لے کر وطن واپس آ رہا تھا - لندن چھوڑنے سے ایک دن پہلے اُسے فیاض کا خط ملا تھا - فیاض نے اُس کی کامیابی پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا ــــــ

"جب تم ــــــ ایئر پورٹ پر اُترو گے تو میں تمہیں تمہاری کامیابی پر اتنا شاندار اور نایاب تحفہ پیش کروں گا کہ حیرت زدہ ہو جاؤ گے اور جب ہوش کی دنیا میں واپس آؤ گے تو خود کو مسرتوں اور شادمانیوں سے ہمکنار پاؤ گے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے !"

اور وہ سوچنے لگا تھا کہ وہ کون سا ایسا تحفہ ہو سکتا ہے؟

اُس کے گرد بشاش چہرے ہیں، مسکراہٹیں ہیں، سرگوشیاں ہیں، بھینی بھینی خوشبوئیں ہیں، تقریباً پچاس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے ــــــ بوئنگ کا ہلکا شور ہے، اُس کے اپنے برتھ پر دائیں طرف خوش مزاج بوڑھا ہمسفر ہے اور بائیں طرف خوبصورت سی جوان لڑکی ــــــ لڑکی بار بار اُسے گھورنے لگتی ہے - اُس کے گھورنے کے انداز میں بے زاری ہے، جھنجلاہٹ ہے - جیسے اُس کا یوں آنکھیں بند کئے خاموش رہنا لڑکی کو گراں گزر رہا ہو - وہ چاہتی ہو وہ آنکھیں کھول دے - اُس کی طرف دیکھے، باتیں کرے ایک اچھے ہمسفر کی طرح - وہ جب اکتا جاتی ہے تو شانہ یا سر کو اُس کے شانہ سے ٹکرا دیتی ہے - تاکہ اس لطیف تصادم ہی سے وہ آنکھیں کھول دے - لیکن اُسے تو جیسے احساس ہی نہ تھا کہ اُس کے پہلو میں ایک قیامت مچل رہی ہے - وہ تو گرد و پیش کے پرکشش ماحول سے بے خبر آنکھیں بند کئے فیاض کی طرف سے ملنے والے تحفہ کے بارے میں سوچ رہا تھا -

بہت سوچنے اور غور کرنے کے بعد بھی وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو جھنجلا گیا - یہ کم بخت فیاض بھی عجیب ہے خوامخواہ الجھن میں ڈال دیا مجھے صاف صاف لکھ دیتا تو کون سی کمی آ جاتی تحفہ کی اہمیت میں - جہنم میں جائے فیاض اور اُس کا تحفہ! اُس نے ذہن کو جھٹک دیا - سوچنے کا انداز بدل دیا ــــــ پتہ نہیں ان تین برسوں میں کیسی کیسی تبدیلیاں ہوئی ہوں گی؟ دوستوں میں کون کہاں ہو گا؟ کون کون برسرِ کار ہوا ہو گا؟ کون ابھی بے کار ہو گا؟ پروفیسر ذو الفقار صاحب سخت بیمار تھے صحت یاب ہوئے یا نہیں ... ؟ پتا جی میرے لئے مطب تیار ہے ... اب تو بن گیا ہو گا - ماں کو تو اور کچھ نہیں میری شادی ہی کی فکر ہے پتہ نہیں کیسی لڑکی دیکھ رکھی ہے انھوں نے؟ کتنے ہی دوستوں کی شادیاں ہو گئی ہوں گی کرونا، شدھا، بالا، مدھو بھی پیا کے گھر جا چکی ہوں گی؟ تین سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا - فیاض نے لکھا تھا نیلما کی شادی طے ہو گئی ہے اب تو اُس کی بھی ــــــ وہ مضطرب ہو گیا - خیالوں کی وادیوں سے گزرتے ہوئے وہ اُس موڑ پر آ گیا جہاں ایک خوبصورت پیکر کے گرد ماضی کی تلخ یادوں کے سوا کچھ نہ تھا - وہ نیلما کے خیال سے فرار کی راہ تلاش کرنے لگا ــــــ لیکن نیلما اُس کے خیالوں کے راستے میں اس طرح حائل ہو گئی کہ فرار کے سارے راستے مسدود ہو گئے - تھک ہار کر اُس نے خود کو ماضی کی تلخ یادوں کے کربناک دھارے پر

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے!" اُس نے فیاض کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا
"آؤ میرے ساتھ!" فیاض اُس کا ہاتھ پکڑ کر دوستوں کی بھیڑ سے الگ (ایئرپورٹ) کے ایک تنہا گوشے کی طرف لئے چلا گیا۔

اور پھر اُس کے قدم شل ہو گئے پلکیں جھپکنا بھول گئیں وہ حیرت و استعجاب کا مجسمہ بنا اُس لڑکی کو دیکھنے لگا۔ جو تازہ تازہ سرخ و سفید گلابوں کا بڑا سا ہار لئے سامنے کھڑی تھی سرنگوں، شرمائی شرمائی سی، خاموش۔

فیاض نے سکوت توڑا۔

"میرے دوست یہی ہے وہ تحفہ ـــــ تمہارے لئے ـــ ہے نا نایاب؟"

اور پھر فیاض لڑکی سے مخاطب ہوا۔

"خاموش کیوں کھڑی ہو۔ نچھاور کردو ان پھولوں کو اپنے اُس دیوتا پر جس کے انتظار میں تمہاری زندگی کے تین سال انتہائی کربناک و اذیت ناک گزرے ہیں!"

اور ـــــ نیلما نے آگے بڑھ کر ہار اُس کے گلے میں ڈال دیا۔

اُس نے حیرت سے نیلما کو دیکھا۔ پھر فیاض کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم نے تو لکھا تھا۔ نیلما کی شادی طے ہو گئی ہے۔"

فیاض نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں نے غلط نہیں لکھا تھا۔ نیلما کی شادی طے ہو گئی ہے۔ کسی اور سے نہیں، تم سے! پوچھ لو نیلما سے اور پھر بھی یقین نہ آئے تو گھر جا کر ماں سے بھی پوچھ لینا!"

اور خوشی کی تاب نہ لا کر اُس نے نیلما اور فیاض کو ایک ساتھ باہوں میں لے لیا!!

فاتحین اسلام کا بلند کردار

(باقی صفحہ ۴۲ سے)

کو تاکید کی ہے کہ "بنارس کے مادھو راؤ مندر کے گسائیں کے معاملہ میں دخل نہ دیا جائے۔ اور جو زمین مندر کی تعمیر کے لئے دی گئی ہے اُس میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے"

اور ایک تیسرے فرمان میں جو ۱۶۹۱ء کا ہے تحریر ہے کہ "بنارس کا کلا برہمن اپنے فرائض کی ادائیگی میں تنگ نہ کیا جائے" اس فرمان کی ایک فوٹو کاپی میرے پاس موجود ہے

مسجد گیان بنارس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اورنگزیب نے ایک مندر توڑ کر اس کی جگہ اس مسجد کو تعمیر کیا تھا۔ لیکن اب تاریخی حقائق سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہاں پر اکبر کے "دین الٰہی" کا ادارہ تھا جسے اورنگزیب نے نہیں بلکہ شاہجہاں نے توڑ کر ۱۰۴۸ھ میں مسجد بنوائی تھی۔ اور اس کا تاریخی نام "ایوان شریف" رکھا تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ کہاں اورنگزیب مندروں کے تحفظ کے لئے فرمان جاری کرے اور اسی کے حکم سے مندر توڑے جائیں۔ یہ اورنگزیب پر بالکل بے بنیاد الزام ہے۔ محض اُسے بدنام کرنے کی غرض سے۔

اسلامی عقائد، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے مسائل سے بھی مسلمان واقف نہیں

مسلمان بے دین ہوتے چلے جا رہے ہیں

آج کل کے مسلمانوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اسلام اور ایمان میں کیا فرق ہے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت میں کیا فرق ہے ایمان مجمل کیا ہے اور ایمان مفصل کیا ہے ایمان اور اسلام میں کن کن باتوں میں فرق ہے۔ زبان سے کون سے کلمے نکالنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے۔ فرض کیا ہے۔ سنت مؤکدہ کسے کہتے ہیں نفل کیا ہے اور واجب کیا ہے مباح کسے کہتے ہیں، حرام کیا ہے، مکروہ تحریمی کیا ہوتی ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد کیا ہیں، اسلام کے فرائض میں سے نماز کو کیا اہمیت حاصل ہے نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے روزہ اور زکوٰۃ کے مسائل کیا ہیں، حج کس طرح ادا کیا جاتا ہے۔ نکاح، طلاق، عقیقہ، تجہیز و تکفین و تدفین کے مسائل کیا ہیں ان باتوں کا مفصل جواب "اسلامی ارکان" میں موجود ہے، یہ کتاب مستند اور ضخیم فقہ کی کتب کی روح ہے۔

اسلامی ارکان آج کل کے تعلیم یافتہ مگر اسلام سے ناواقف مسلمانوں کے لئے خاص طور پر یہ کتاب لکھی گئی ہے تاکہ کم سے کم وقت میں انہیں اسلامی ارکان سے پوری پوری واقفیت ہو جائے، اس کتاب کے مطالعہ کے بعد صرف اسلامی عقائد پر عبور حاصل ہو جاتا ہے بلکہ پنج وقتہ نماز پڑھنے کا طریقہ اور نماز میں کیا پڑھا جاتا ہے سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ نماز میں کتنے فرائض سنن اور نوافل ہیں، نماز کی پوری ترتیب کے علاوہ روزے، زکوٰۃ اور حج کے جملہ مسائل سے واقفیت ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے مطالعہ کے بعد ہی ایک مسلمان سچا مسلمان بن سکتا ہے اور کفر و شرک سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے "دین دنیا پبلشنگ کمپنی" نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہ کتاب بڑے اہتمام سے شائع کی ہے۔ کوئی اسلامی گھر، اسلامی لائبریری اس سے خالی نہیں رہنی چاہیے مخیر حضرات اس کی جلدیں خرید کر مسجدوں ... رکھیں اور ثواب دارین حاصل کریں صفحات تقریباً دو سو صفحات ٹائٹل رنگین اور بہت خوشنما۔ قیمت فی جلد تین روپے پچیس پیسے۔



دنیائے اسلام پر ایک نظر

پاکستان کو جنگ کی آگ میں جھونکنے کی کوشش

عرب ممالک میں فوج اتارنے کا منصوبہ - افغانستان کی کمونسٹ حکومت لب دم

(ہمارے سیاسی مبصر کے قلم سے)

پاکستان کو جنگ کی آگ میں جھونکنے کی کوشش

ذوالفقار علی بھٹو کے قاتل جنرل ضیاء کے لئے اپنی گدی بچانے کے لئے اب اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں دکھائی دے رہا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح پاکستان کو جنگ کی آگ میں جھونک دیں تاکہ جنگ کے ہنگامہ کی وجہ سے پاکستانی عوام ذوالفقار علی بھٹو کے سانحہ کو بھول جائیں۔ اور اس طرح پاکستان کے انتخابات بھی ملتوی کئے جا سکیں۔

اصل بات یہ ہے کہ مردہ بھٹو جنرل ضیا کے لئے زندہ بھٹو سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو رہا ہے۔ چنانچہ پاکستانی عوام کی مسٹر بے نظیر بھٹو سے ہمدردی اور عقیدت یہ ثابت کر رہی ہے کہ جس ناپاک مقصد کے لئے ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی گئی تھی وہ پورا نہیں ہو سکا ہے۔ جنرل ضیا کا اصل منشا بھٹو کی پیپلز پارٹی کو ختم کرنا تھا۔ لیکن یہ بات جنرل ضیا کے لئے بے حد پریشان کن ہے کہ بھٹو کی موت کے بعد پیپلز پارٹی کے اثرات بے حد بڑھ گئے ہیں اور جنرل ضیا کو یہ اندیشہ ہو رہا ہے کہ اگر حسب وعدہ، نومبر کو پاکستان میں جنرل انتخابات ہوئے تو بھٹو کی پیپلز پارٹی یقینی طور پر برسر اقتدار آجائے گی۔ جو حکومت سنبھالنے کے بعد جنرل ضیا، انوار الحق اور جنرل ضیا کے سب ہی ساتھیوں کو پھانسی پر لٹکا دے گی۔

پاکستان کے انتخاب کی مصیبت سے بچنے کے لئے جنرل ضیا کے سامنے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں کہ وہ اپنے کسی پڑوسی ملک سے جھگڑا مول لے کر پاکستان کو جنگ کی بھٹی میں جھونک دیں۔ جہاں تک ہندوستان سے جنگ چھیڑنے کا تعلق ہے اس کے لئے نہ تو پاکستان کے پاس کوئی بہانہ ہے اور نہ پاکستان میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ہندوستان کا مقابلہ کر سکے۔ اب رہ گیا افغانستان ہی رہ گیا ہے۔ جس سے کہ پاکستان کی دیرینہ کشیدگی ہے اور چونکہ ان دنوں افغانستان میں اندرونی بغاوت بھی برپا ہے تو یہ اس بغاوت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے افغانستان سے الجھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ پاکستانی طیارے افغانستان میں بم گرا رہے ہیں اور افغانی طیارے پاکستان کے سرحدی علاقوں پر بم باری کر رہے ہیں۔ اور دونوں ملکوں میں چھیڑ چھاڑ جاری ہے جسے کہ جنرل ضیا باقاعدہ جنگ کی صورت میں تبدیل کر دینا چاہتے ہیں۔

مگر جنرل ضیا کے لئے اُس روس کا خطرہ بھی لگا ہوا ہے جس نے کہ کھلے الفاظ میں پاکستان کو چیلنج دیدیا ہے۔ اور اس کے بعد یہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں پاکستان اور افغانستان کی یہ جنگ کسی خطرناک جنگ کی صورت نہ اختیار کر لے۔ مگر جنرل ضیا پھر بھی اس کے لئے مجبور ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی نیا فتنہ پاکستان میں کھڑا کر کے انتخابات کو ٹال سکے۔ کیوں کہ اگر وقت مقررہ پر پاکستان میں انتخابات ہوتے ہیں تو یہ جنرل ضیا کے لئے یقینی طور پر موت کا پیغام ثابت ہوں گے۔

عرب ممالک میں فوج اتارنے کا منصوبہ

امریکہ نے مصر و اسرائیل معاہدہ کرانے میں جو اہم رول ادا کیا ہے اُسے بعض امریکی حلقوں میں اچھی نظر نہیں دیکھا جا رہا ہے

اور یہ سمجھا جا رہا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں امریکی پالیسی ناکام ہو چکی ہے کیوں کہ اس پالیسی کی بنا پر مصر کے علاوہ سبھی عرب ممالک امریکہ سے برگشتہ ہو گئے ہیں۔

امریکیوں کو مصر کی طرف سے بھی پورا اطمینان نہیں ہے اور وہ محسوس کر رہے ہیں کہ مصر کے خلاف عربوں کی عام بڑھتی ہوئی مخالفت کے تحت مصر کے رویہ میں بھی مجبوراً کسی وقت تبدیلی آ سکتی ہے۔ کیونکہ سب ہی عرب یہ محسوس کر رہے ہیں کہ صدر سادات نے عرب مفادات کا خون کر دیا ہے۔ اور سادات میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ زیادہ مدت تک عربوں کی عام مخالفت کا مقابلہ کر سکیں۔

سعودی عرب کے شہزادہ فہد جو نہ صرف سعودی عرب میں بلکہ سب ہی عرب ممالک میں اہم پوزیشن رکھتے ہیں مصر و اسرائیل کے نام و نہاد سمجھوتے کے شدید مخالف ہیں اور شہزادہ فہد کی مخالفت کا مطلب یہ ہے کہ مصر کو عرب ممالک کی جو ۲۰۰ کھرب سے بھی کی امداد ہر سال ملتی ہے وہ بند ہو جائے گی اور امریکہ زیادہ مدت تک مصر کے اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکے گا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مصر جلد ہی عرب ممالک کی جانب جھک جائے گا۔ امریکیوں کا خیال ہے کہ سینائی کے تیل کے لالچ میں مصر نے اسرائیل سے سمجھوتہ کیا ہے۔ تیل کے یہ ذخائر ابھی ایک سال تک اسرائیل کے قبضہ ہی میں رہیں گے۔ لیکن ایک سال بعد جوں ہی مصر کا تیل کے ان ذخائر پر قبضہ ہو جائے گا اس کا اسرائیل سے سمجھوتہ بھی ختم ہو جائے گا اور اس طرح امریکی پالیسی ناکام ہو جائے گی۔

امریکہ کا ایک طبقہ ایک ایسا منصوبہ بنا رہا ہے کہ اگر امریکہ اور عرب ممالک کے تعلقات ٹوٹ جائیں تو ایک لاکھ امریکی فوج سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک میں اتار دی جائے۔ لیکن اس صورت میں روس کی مداخلت کا شدید خطرہ ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں عرب ممالک اپنے تیل کے ذخائر برباد نہ کر دیں۔ بہرحال مصر و اسرائیل کے تازہ معاہدہ نے جہاں عرب ممالک کے لئے شدید پریشانی پیدا کر دی ہے وہاں امریکی ڈپلومیسی بھی ناکام ہو چکی ہے۔

افغانستان کی کمونسٹ حکومت لب دم

حال ہی میں افغانستان کے ایک مذہبی رہنما نے جدہ میں بیان دیتے ہوئے کہا ہے "کہ افغانستان کے اسلام پسند باغی برابر آگے بڑھ رہے ہیں۔ نور محمد ترہ کی کی کمونسٹ حکومت دم توڑ چکی ہے۔ اور افغان باغی اب کابل سے صرف بیس کلومیٹر دور جنگ کر رہے ہیں"

شیخ برہان نور الدین ربانی نے المدینہ اخبار کے نمائندے کو بتایا ہے کہ افغانستان کے ۲۹ اضلاع میں سے ۲۴ میں جنگ جاری ہے ترہ کی حکومت کا کنٹرول صرف پانچ اضلاع پر باقی ہے۔ اس عالم نے دعویٰ کیا ہے کہ صدر ترہ کی اور وزیر فوجی بارکوں میں منتقل ہو گئے ہیں اور روسی مشیروں کے ذریعہ ان بارکوں ہی سے حکومت چلا رہے ہیں۔ شیخ ربانی کا کہنا ہے کہ تاتار، روزجان، بامیان بزیکی، ہرات، اور لوگار سے سرکاری ثمال فرار ہو گئے ہیں اور ملک میں لاقانونی سی کیفیت ہے۔

واشنگٹن پوسٹ کی اطلاع کے مطابق اسلام پسند گوریلوں کے دباؤ اور خوف کی وجہ سے صدر نور محمد ترہ کی اور وزیر اعظم حفیظ اللہ امین کے خاندانوں کو کابل سے روس منتقل کر دیا گیا ہے۔ امریکی ماہرین کا خیال ہے کہ افغانستان میں روس کی پوزیشن ویسی ہونے والی ہے جو ویٹ نام میں امریکہ کی ہو چکی ہے

افغانستان کے اسلام پسندوں نے دعویٰ کیا ہے کہ روس کے پٹھو نور محمد ترہ کی کی حکومت اب چند دنوں کی مہمان ہے۔ اور افغان فوج کے سپاہی بھاگ کر پاکستان جا رہے ہیں۔ اور کسی وقت بھی افغانستان کی موجودہ بے دین کمونسٹ حکومت ختم ہو سکتی ہے۔

فلسطین کے لئے مصر کی کوشش ایک ڈھونگ

تنظیم آزادی فلسطین کے ڈائرکٹر فیصل حمدان نے "معاہدہ کیمپ ڈیوڈ" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ مصر نے فلسطینی مفاد کی قربانی دے کر مغربی ایشیا میں امن بحال نہیں

ہو سکتا۔ اور محض دریائے اردن کے مغربی کنارے پر امن بحال ہو جانے سے نہ فلسطینیوں کو اور نہ عربوں کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

اُنھوں نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "فلسطینیوں کے بارے میں مصر و اسرائیل میں جو گفتگو جاری ہے وہ فلسطینیوں اور عربوں کو دھوکہ دینے کے لئے ایک ڈھونگ ہے۔ مصر بلا شبہ ایک غدار ملک ہے اُس نے سب ہی عرب ممالک کے ساتھ غداری کی ہے محض امریکی امداد اور سینائی کے تیل کے لالچ میں۔ ایک غدار سے کسی طرح بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ فلسطینیوں کی آزادی کا تصور بھی کر سکتا ہے۔"

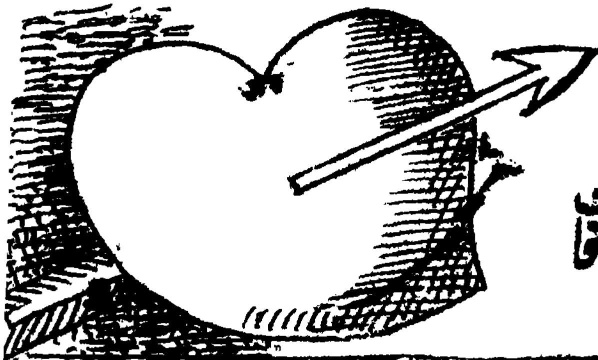
فیصل حویدا کی رائے ہے کہ "مصر و اسرائیل معاہدہ مشرق وسطیٰ میں امن تو کیا قائم کر سکتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس معاہدہ نے اسرائیلیوں اور عرب دشمنوں کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔ اور اس بات کا پورا امکان پیدا ہو گیا ہے کہ اب ایک اور عرب و اسرائیل جنگ چھڑ جائے گی جو دراصل عرب و اسرائیل جنگ نہیں ہو گی بلکہ امریکہ اور عربوں کی جنگ ہو گی اور ہمیں اس جنگ کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے"

تنظیم آزادی فلسطین کے ڈائرکٹر نے جو کچھ کہا ہے اُس کی اہمیت اور صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے یہ امر واقعہ ہے کہ صدر سادات نے ذاتی مفاد کے لئے صرف عربوں کا مفاد ہی کا نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام کے مفاد کا خون کر دیا ہے۔

سعودی عرب کی صنعتی میدان میں پیش رفت کی کوشش

سعودی عرب کے شاہ خالد نے حال ہی میں ۸۰-۱۹۷۹ء کا ۲۰۰ بلین ریال کا جو بجٹ پیش کیا ہے وہ سعودی عرب کی تاریخ میں سب سے بڑا بجٹ ہے۔ اس بجٹ کو پیش کرتے ہوئے شاہ خالد نے بتایا ہے کہ سعودی عرب اب صنعتی میدان میں کافی تیزی سے آگے بڑھنے کی کوشش کریگا۔ اور غیر ملکی ماہرین صنعت کی یہ رائے ہے کہ سعودی عرب جس طرح صنعتی ترقی میں کوشاں ہے اُسے دیکھتے ہوئے بجا طور پر یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ یہ ملک صنعتی اعتبار سے بہت جلد اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے گا۔

اسی طرح حال ہی میں سعودی عرب کے وزیر مالیات شیخ محمد ابوالخیل نے صنعتی ترقی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ "سعودی عرب میں پرائیویٹ سیکٹر نے بہت وسعت اختیار کر لی ہے مگر یہ ترقی بڑی حد تک حکومت کی سرپرستی اور امداد ہی کی رہین منت ہے ضرورت اس کی ہے کہ اب سعودی عرب کے تاجر بھی اس ضمن میں نمایاں حصہ لیں۔ اُنہیں چاہیئے کہ وہ بیرونی ممالک کی اشیاء درآمد کرنے اور اُن کی فروخت پر قناعت کرنے کی بجائے صنعتوں کے لئے خود ضرورت کی اشیاء سعودی عرب میں تیار کریں گے۔ اور سعودی عرب کو ایک صنعتی ملک بنانے میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں چنانچہ نئے بجٹ میں نئی نئی صنعتوں کو فروغ دینے کے لئے بڑی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس سے تاجروں اور صنعت کاروں کو پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔



دلچسپ معلومات
حیرت انگیز اور عجیب و غریب انکشافات
(از ادارہ دین دنیا)

سورج چھوٹا ہوتا جارہا ہے

سورج کے بارے میں ایک ماہر فلکیات کا یہ عجیب انکشاف اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ اب سورج کی جسامت پہلے کے مقابلہ میں کم ہو گئی ہے اور دن بدن کم ہوتی چلی جارہی ہے ۔ چنانچہ امریکہ کے ماہر فلکیات جیک ایڈی نے انکشاف کیا ہے کہ سورج روز بروز چھوٹا ہوتا جارہا ہے ۔
مسٹر ایڈی نے برطانیہ کے گذشتہ دو سو سالہ ریکارڈ کے مطالعہ کے بعد دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے گہرے تجزیہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ سورج کا قطر ہر سال ۱۴ کلومیٹر کے حساب سے گھٹ رہا ہے لیکن اب بھی سورج کا قطر ۱۴ لاکھ کلومیٹر ہے اس لیے اس کے قطر کے گھٹنے کا کسی کو احساس بھی نہیں ہوسکا ہے لیکن وہ زمانہ دور نہیں جب سورج کا قطر کافی گھٹ جائے گا اور اس کا اثر موسموں پر بہت زیادہ پڑے گا ۔ انھوں نے کہا کہ آسمان میں سورج کی طرح دوسرے ستارے بھی ایسے ہیں جو معدوم ہو گئے ہیں ۔ یا ختم ہونے کے قریب ہیں ۔

افریقہ میں آج بھی جادوگر موجود

افریقہ کے حبشی جادوگروں کے بے حد معتقد ہیں ۔ وہاں آج بھی ڈاکٹروں کی طرح جادوگروں کے مطب چلتے ہیں ۔ اور مختلف جادوگروں کے علاوہ کو ڈاکٹر کی علاقے پر ترجیح دیتے ہیں ۔

پچھلے دنوں روڈیشیا میں ایک سفید فام سے برا سلوک کرنے کے جرم میں وہاں کے ایک سفید جج نے ایک افریقی جادوگر کو دو سال کی سزا دیدی ۔ جادوگر نے سزا سننے کے بعد اعلان کردیا کہ جب تک میں جیل میں رہوں گا شہر میں امن قائم نہیں ہوسکے گا ۔

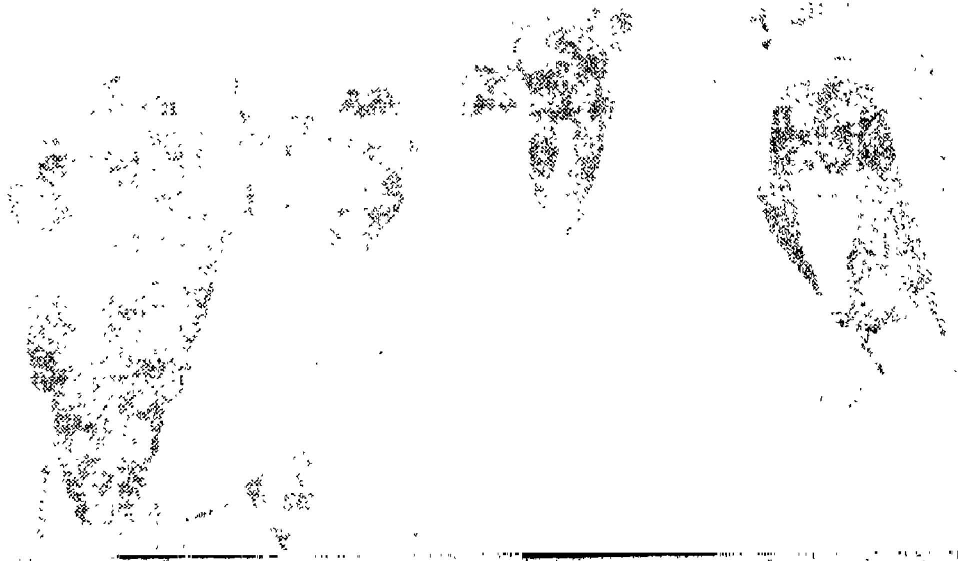
جادوگر نے جو کچھ کہا تھا وہی ہوا ۔ دوسرے ہی دن متعدد ببر شیر شہری علاقے میں نظر آنے لگے ۔ اور انھوں نے پورے شہر میں تباہی برپا کردی ۔ ان شیروں کا شکار کرنے کے لئے ماہر شکاریوں کو بلایا گیا ۔ مگر شیروں پر بندوق کی گولی اثر ہی نہیں کرتی تھی ۔
آخر مقامی لوگوں کے زور دینے پر افریقی جادوگر کی سزا معاف کی گئی ۔ تو سزا کے معاف ہوتے ہی یہ ببر شیر شہر سے خود بخود غائب ہوگئے ۔ اور یہ ماننا پڑا کہ اب بھی افریقہ میں بڑے بڑے ماہر جادوگر موجود ہیں ۔

مادر زاد برہنگی کا عام رواج

ایک اخباری نامہ نگار نے انکشاف کیا ہے کہ ۔ اٹلی جرمنی فرانس اور کئی دوسرے یورپین ممالک میں مادر زاد برہنہ رہنے کا رواج دن بدن بڑھ رہا ہے چنانچہ ان ممالک کے سب ہی بڑے شہروں میں ایسے متعدد کلب کھل گئے ہیں جن کے ممبر اپنے کلبوں میں مادر زاد برہنہ رہتے ہیں ۔ برہنگی کے ان شوقینوں میں مردوں سے زیادہ عورتوں کی تعداد ہے ۔



ایڈیٹر: شوکت علی فہمی



بحرین کے حکمران "شیخ عیسیٰ بن سلمان" کا بغداد میں خیر مقدم



عراق کے سابق صدر [illegible]
[illegible]



عراق کے صدر "صدام حسین"
[illegible] کے جوانوں میں ہیں۔



دوبئی کے حکمران "شیخ رشید بن سعید" (بائیں طرف) شیخ زائد بن سلطان سے تبادلہ خیال کر رہے ہیں



امیر کویت کی بہن "امیرزادی صباح السلیم" نئی دہلی میں کویت کے چند صنعت کاروں کے ہمراہ

"بہت بے آبرو ہوکر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔" شری چرن سنگھ اپنی بیوی اور بیٹیوں کے ہمراہ

"اب کوئی رجعت پسند حکومت ملک میں قائم نہیں رہ سکتی"
مسز اندراگاندھی کی ایک تقریر



”میں اب سنیاس نہیں لونگا“ مرارجی اپنی اہلیہ ”شریمتی گجرابن“ کو اطمینان دلا رہے ہیں۔



یہ ہیں ”شری راج نرائن“ جنکی ساری تدبیریں اوندی پڑ گئیں۔



وزارت عظمیٰ کے امیدوار یہ بھی تھے ”بابو جگجیون رام“



کانگریسی زعما دیو کانت بروا۔ تارا ایشوری سنہا۔ چندر جیت یادو"
ملک کے بگڑتے ہوئے حالات پر تبادلہ خیال کر رہے ہیں۔



بنگلہ دیش کی بدنصیب بہاری عورتیں اور بچے جن کے لئے نہ بنگلہ دیش میں جگہ ہے
اور نہ پاکستان انہیں لینے کے لئے تیار ہے۔

ہندوستان کا سب سے قدیم اور کثیر الاشاعت تاریخی اور اصلاحی جریدہ

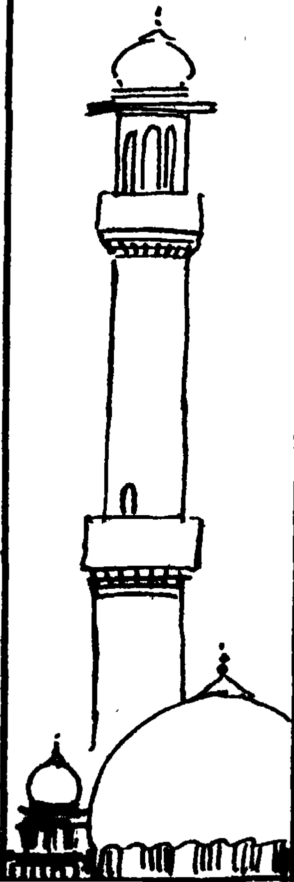
ماہنامہ

دین دنیا

دہلی

ایڈیٹر شوکت علی فہمی

جلد ۵۹	ستمبر ۱۹۶۹ء	نمبر ۹



قیمت سالانہ	ترسیل زر کا پتہ	قیمت فی پرچہ
اٹھارہ روپے ششماہی دس روپے	دفتر ماہنامہ دین دنیا دین دنیا ہاؤس ۔۔۔ متصل جامع مسجد دہلی دہلی کے شائقین پرسوا تین روپے کا زائد خرچ ہے ۔ منی آرڈر بھیجئے	ایک روپیہ پچھتر پیسے پاکستان بنگلہ دیش اور پیپا ہند بائیس روپے غیر ممالک سے دو پونڈ

(مفتی شوکت علی فہمی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے اپنے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر دین دنیا جامع مسجد دہلی سے شائع کیا)



رفتار زمانہ

(شوکت علی فہمی)

ہندوستان کا بیڑا غرق

ملک کو بحران اور تباہی سے بچانے کے لئے جدید انتخابات

ہمارا ملک ایک ایسے نازک دور سے گزر رہا ہے جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اقتدار کے بھوکے اور دولت کے لالچی ہمارے ملک کے نام نہاد لیڈروں نے ہمارے ملک کا بیڑا غرق کرکے رکھ دیا ہے اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ یہاں روز حکومتیں بنتی ہیں اور ٹوٹتی ہیں۔ اور ملک بری طرح بحران میں مبتلا ہے چنانچہ اس بحران سے ملک کو نکالنے کے لئے صدر جمہوریہ ہند کو مجبور ہو کر جدید انتخابات کا اعلان کرنا پڑا ہے۔ جس پر کہ ہندوستان کے غریب عوام کا بیس کروڑ کے قریب روپیہ خرچ ہوگا اور پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان خود غرض لیڈروں کے پیدا کردہ بحران سے ہمارا ملک نجات حاصل کر سکے گا یا نہیں اور ہمارے ملک میں کوئی مستحکم حکومت قائم بھی ہوسکے گی یا نہیں

ہندوستان وہ ملک ہے جس کی کہ کبھی ساری دنیا میں بہت بڑی ساکھ تھی۔ اس ملک کو دنیا کی سب سے بڑی اور مثالی جمہوریت تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن اب نہ اس ملک میں جمہوریت ہے اور نہ سیکولرزم۔ بس جوڑ توڑ کی پالیسی اور ابن الوقتی کارفرما ہے۔ روس امریکہ اور چند دوسرے بڑے ملکوں کو چھوڑ کر ہندوستان کا وقار ساری دنیا میں نہایت بلند تھا لیکن ہندوستان کے اس وقار کو ہمارے ان اقتدار کے بھوکے لیڈروں نے ختم کرکے رکھ دیا ہے جن کا مقصد اور منشا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ انہیں کرسی حاصل ہو جائے اور اس اقتدار اور کرسی کی آڑ میں وہ اور ان کے خاندان والے اتنی دولت کما لیں جو ان کی سات پشتوں کے لئے کافی ہو سکے۔ گویا ان

ابن الوقت لیڈروں کو نہ تو ملک سے کوئی واسطہ ہے اور نہ اس ملک کے عوام سے ہمدردی ہے انہیں تو صرف کرسی اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والے فوائد سے غرض ہے۔ خواہ ملک کا انجام کچھ بھی کیوں نہ ہو

اس ملک کے عوام نے بے اندازہ قربانیاں دے کر آزادی حاصل کی تھی محض اس لئے کہ اس ملک کے باشندے آزادی اور خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ملک کے اقتدار پسند لیڈروں نے اس ملک کے عوام کو تباہ کرکے رکھ دیا ہے۔ یہ خود تو شاہانہ اور راجوں مہاراجوں جیسی زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ لیکن ملک کے عوام بھوکے مر رہے ہیں۔ افلاس اور تنگ دستی ہماری گردنوں پر بری طرح سوار ہے۔ ہر آئے دن غریب عوام پر بھاری بھاری ٹیکس لگا کر دیدہ و دانستہ ملک میں گرانی کو بڑھا رہے ہیں۔ بے روزگاری آسمان سے باتیں کر رہی ہے لاقانونی عام ہے نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال اور آبرو۔ پھر اقلیتوں اور خصوصاً مسلم اقلیت کو تو انہوں نے بالکل کچل کر ہی رکھ دیا ہے۔ گویا ان نام نہاد لیڈروں نے اس ملک کے غریب عوام کو تباہی کے غار میں دھکیل دیا ہے۔ صرف پنڈت جواہر لال نہرو اور اندرا گاندھی کے ابتدائی دور تک تو ملک کی حالت سنبھلی رہی لیکن اس کے بعد سے ہمارا ملک نہایت تیزی کے ساتھ زوال کی طرف چلا جا رہا ہے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب اس ملک میں کسی مستحکم اور عوام سے ہمدردی رکھنے

والی حکومت کی توقع مشکل ہی سے کی جا سکتی ہے

ہمارے ملک کا یہ بدبختانہ زوال ایمرجنسی اور اس کے بعد جنتا پارٹی کے اقتدار کے ساتھ شروع ہوا ہے اور آج تک جاری ہے۔ جنتا پارٹی جو دراصل راشٹریہ سنگھ، جن سنگھ اور مختلف رجعت پسند پارٹیوں کا مجموعہ ہے۔ اس لائق ہی نہیں تھی کہ ملک کی عنان حکومت کو سنبھال سکے۔ لیکن یہ ملک کی بدقسمتی تھی کہ یہ پارٹی برسر اقتدار آگئی اور اقتدار حاصل ہونے کے بعد جو اہم کارنامے اس پارٹی نے انجام دیئے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس پارٹی کے لیڈر کرسیوں اور اقتدار کے لئے آپس میں لڑتے رہے۔ ایک دوسرے کی ٹانگیں گھسیٹتے رہے یا بے نتیجہ تحقیقاتی کمیشنوں پر ملک کا کروڑوں روپیہ برباد کرتے رہے۔ ملک وطن کے فائدہ کے لئے نہیں بلکہ سابقہ حکومت کے لیڈروں سے انتقام لینے کے لئے اور انہیں اپنے راستہ سے ہٹانے کے لئے تاکہ اپنے اقتدار کی مدت کو زیادہ سے زیادہ طویل کر سکیں۔

جنتا پارٹی پر چونکہ راشٹریہ سنگھ اور جن سنگھ کا غلبہ تھا اس لئے اس نے مسلمانان ہند کے "راشٹریہ کرن" کے پرانے منصوبے کو آگے بڑھانے کے لئے پورے ملک میں مسلمانوں کے قتل عام اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری کر دیا جس کی ابتدا جنتا پارٹی کے جنم داتا جے پرکاش نراین کے گھر یعنی بہار سے شروع ہوئی اور یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔ کبھی سنبھل میں فساد ہوا۔ اور کبھی لکھنؤ میں۔ کبھی بنارس میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا اور کبھی کانپور میں۔ اور علی گڑھ کا فساد تو ہندوستان کی تاریخ میں آپ اپنی مثال ہے جو مہینوں جاری رہا اور اس کے بعد جمشید پور میں جو کچھ ہوا اس نے تو ساری دنیا میں ہندوستان کو ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ ہریجنوں پر بھی جو مظالم توڑے گئے وہ جنتا دور کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔

اس کے علاوہ جنتا حکومت کا ایک یادگار کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے صرف ۲۸ ماہ کے مختصر دور اقتدار میں اس ملک کے غریب باشندوں پر اتنے ٹیکس لگا دیئے ہیں کہ جو شاید گزشتہ دس سال میں بھی نہیں لگے تھے۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اشیائے ضروریہ کی قیمتیں ۵ فیصد سے لے کر ۲۵ فیصد تک بڑھ گئیں۔ جنتا حکومت نے جس طرح اس ملک کے غریب عوام پر اندھا دھند ٹیکس لگا کر ان کا گلا گھوٹا ہے اگر اس طرح کسی دوسرے ملک میں ٹیکس لگائے جاتے تو شاید پورے ملک میں بغاوت برپا ہو جاتی۔ ہم کو خوشی ہے کہ جو جنتا حکومت اس ملک کے عوام کے لئے ایک مستقل مصیبت بنی ہوئی تھی وہ آپس کی خانہ جنگی کی بدولت ختم ہو گئی اور اس ملک کو ایک ایسی ناکارہ حکومت سے نجات مل گئی جو ۲۸ ماہ تک عوام کے لئے ایک مصیبت بنی رہی ہے۔

یوں تو مارچ ۱۹۷۷ء ہی میں جبکہ جنتا حکومت قائم ہوئی تھی یہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ یہ حکومت جو مختلف پارٹیوں کے گٹھ جوڑ سے بنی ہے زیادہ مدت تک چلنے والی نہیں۔ لیکن یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ جن لوگوں نے اس حکومت کو اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا وہی اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دیں گے۔ اور چند روز کے اندر دیکھتے ہی دیکھتے یہ حکومت ختم ہو جائے گی چنانچہ اچانک جنتا حکومت کا شیرازہ بکھر گیا مرارجی مستعفی ہو گئے۔ اور مرارجی کے بعد شری چرن سنگھ نے جس شاخ نازک پر اپنی حکومت کا آشیانہ بنایا تھا اس پر اندرا کانگریس کی بجلی اس طرح گری کہ یہ آشیانہ بھی باقی نہ رہ سکا اور آخر صدر جمہوریہ کو مجبور ہو کر جدید انتخابات کا اعلان کرنا پڑا۔

جنتا پارٹی کے علاوہ ہندوستان کی سب ہی سیاسی پارٹیاں جدید انتخابات کے اعلان سے مطمئن ہیں اور عوام نے بھی اطمینان کا سانس لیا ہے۔ کیونکہ ملک کی جمہوریت کو بچانے کے لئے اور ابن الوقتوں کے ہاتھوں سے ملک کو محفوظ کرنے کے لئے بلاشبہ اس کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا کہ لوک سبھا کو توڑ دیا جائے اور جدید انتخابات کا اعلان کر کے عوام کے ہاتھوں میں نئی حکومت کا فیصلہ دے دیا جائے۔ لیکن جنتا لیڈر آپے سے باہر ہیں۔ انھوں نے جدید انتخابات کا اعلان ہوتے ہی اچھا خاصہ ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اس بات کا پورا خدشہ ہے کہ اب کرسیاں انہیں واپس مل نہیں سکتیں۔ عوام انہیں حقارت سے ٹھکرا دیں گے۔ ان کے بڑے بڑے اسکنڈل سامنے آئیں گے اور کوئی تعجب نہیں کہ بعض جنتا لیڈروں کو اپنی بداعمالیوں کے لئے عدالت کے کٹہروں میں بھی کھڑا ہونا پڑے۔

ہمارے ملک میں ابن الوقت لیڈروں نے جو سیاسی بحران پیدا کر دیا ہے اسے دیکھتے ہوئے اگرچہ اس بات کی بہت کم توقع ہے کہ جدید انتخابات کے بعد بھی اس ملک میں کوئی مضبوط اور مستحکم حکومت قائم ہو سکے گی۔ لیکن اس بات سے ہم پوری طرح مطمئن ہیں کہ آنے والے انتخابات میں اس جنتا پارٹی کا صفایا ضرور ہو جائے گا۔ جس نے کہ اس ملک کی جمہوریت سیکولرزم اور سوشلزم کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ اور جس نے کہ اپنے دور اقتدار میں اس ملک کی اقلیتوں کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے

اندرا گاندھی کا ستارہ عروج پر

زمانہ کا انقلاب دیکھئے کہ ہمارے ملک کے وہی جنتا لیڈر جو مسز اندرا گاندھی کو ساری عمر کے لیے جیل میں ڈال دینا چاہتے تھے آج مسز اندرا گاندھی کی نظر کرم کے لیے محتاج ہیں۔ چنانچہ چودھری چرن سنگھ کی وزیر اعظم بننے کی تمنا پوری ہوئی تو اندرا گاندھی کی خوشامدیں کرنے کے بعد اور چرن سنگھ کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو اندرا گاندھی کے ہاتھوں۔ اسی طرح جگ جیون رام اگر برسراقتدار آنا چاہتے تھے تو کانگریس (آئی) کے سہارے۔ اور یہ سہارا نہ مل سکا تو اُن کی وزیر اعظم بننے کی تمنا دل ہی دل میں رہ گئی۔

اِس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایمرجنسی کے زمانہ میں مسز اندرا گاندھی سے بہت سی لغزشیں ہوئی ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ وہ اِس ملک کی مسلمہ لیڈر رہیں۔ ایمرجنسی کے زمانہ کی غلطیوں نے بلاشبہ اُن کے امیج کو بگاڑ دیا تھا لیکن جنتا لیڈروں نے اُن کے خلاف اپنی معاندانہ روش سے پھر ایک بار عوام کے دلوں میں اُن کے لئے غیر معمولی ہمدردی پیدا کر دی۔ سب ہی کو معلوم ہے کہ جنتا لیڈروں نے اپنی بدترین معاندانہ ذہنیت کا اظہار کرتے ہوئے گذشتہ سال ایک نہایت ہی کمزور مقدمہ میں اندرا گاندھی کو گرفتار کر لیا تھا جس سے کہ وہ دوسرے ہی دن بری ہو گئیں۔ اور بری ہونے کے بعد عوام کی ہمدردیاں اُن کے ساتھ اتنی بڑھ گئیں کہ وہ دوبارہ پارلیمنٹ میں بھی منتخب ہو کر پہنچ گئیں لیکن جنتا لیڈروں کی معاندانہ روش بدستور جاری رہی یہانتک کہ مراعات شکنی کا معاملہ کھڑا کر کے نہ صرف اُنہیں جیل بھیج دیا بلکہ پارلیمنٹ کی ممبری سے بھی برطرف کر دیا گیا۔ یعنی انتقام کے جوش میں چک منگلور کے اُن لاکھوں رائے دہندگان کو بھی سزا دے دی گئی جنھوں نے اُنہیں پارلیمنٹ میں بھیجا تھا چنانچہ اُنہیں نمائندگی سے محروم کر دیا گیا حالانکہ کمیونسٹ پارٹی اور دوسری سب ہی اپوزیشن پارٹیاں مسز اندرا گاندھی کو جیل بھیجنے کی شدید مخالف تھیں۔ لیکن جنتا لیڈروں کو تو مسز اندرا گاندھی سے انتقام لینا تھا۔ چنانچہ وہ جیل بھیج دی گئیں۔ اور اُن کے جیل جانے کے بعد سے مسز اندرا گاندھی کی پارٹی یعنی کانگریس (آئی) دن بدن طاقتور ہوتی چلی گئی اور نوبت یہانتک پہنچ گئی کہ اندرا گاندھی کے سہارے کے بغیر اب اس ملک میں نہ کوئی حکومت بن سکتی ہے اور نہ زندہ اور برقرار رہ سکتی ہے۔

ہماری ایمانداری کے ساتھ یہ رائے ہے کہ اگر جنتا لیڈروں نے مسز اندرا گاندھی کے خلاف بدترین معاندانہ روش کا اظہار نہ کیا ہوتا اور اُنہیں درجنوں مقدموں میں پھانسنے کی کوشش نہ کی ہوتی تو شائد مسز اندرا گاندھی کو اتنی جلد دوبارہ یہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکتی۔ اور ہمارا خیال ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ جدید انتخابات کے بعد مسز اندرا گاندھی کی پوزیشن اور بھی زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔ کیوں کہ اُن کے مقابلہ میں اِس وقت جو پارٹیاں بھی ہیں وہ بڑی حد تک عوامی ہمدردی سے محروم ہو چکی ہیں۔

جن پارٹیوں سے مسز اندرا گاندھی کو مقابلہ کرنا ہے اِن میں ایک تو شری جگ جیون رام کی جنتا پارٹی ہے جو راشٹریہ سنگھ اور جن سنگھ کے ساتھ گٹھ جوڑ کی بنا پر پہلے ہی بدنام ہے۔ اور عوام میں اپنی ساکھ کھو چکی ہے۔ دوسری پارٹی شری چرن سنگھ کی پارٹی ہے۔ یعنی جنتا سیکولر جس کے ساتھ کانگریس (ایس) اور چند دوسری پارٹیاں بھی شامل ہیں لیکن خود شری چرن سنگھ کا امیج اس حد تک بگڑ چکا ہے کہ اُس سے اندرا گاندھی کو فائدہ پہنچے گا۔ اور اس بات میں ذرا بھی شک نہیں کہ اگر حالیہ انتخابات میں انھوں نے مسز گاندھی کو آگے بڑھانے کی طاقت نہیں کی تو بجا طور پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اُن کی پارٹی یعنی کانگریس (آئی) انتخابات کے بعد ایک مضبوط سیاسی پارٹی بن کر ابھرے گی۔ اور اس بات کا بھی بڑی حد تک امکان ہے کہ یہ اکثریت حاصل کر لے اور اگر اکثریت بھی حاصل نہ کر سکی تو اُس کی طاقت اتنی ضرور ہو جائے گی کہ اُس کی مدد کے بغیر اس ملک میں کوئی بھی پارٹی اپنی حکومت نہ بنا سکے گی اور نہ حکومت چلا سکے گی۔

مسلمانوں کو پھر احمق بنایا جائے گا

صدر جمہوریہ ہند نے جس لوک سبھا کو توڑا ہے وہ ہندوستان کی چھٹی لوک سبھا تھی یہ اپنی میعاد بھی پوری نہ کرنے پائی تھی کہ توڑ دی گئی۔ اور اب ساتویں لوک سبھا کے لئے نومبر اور دسمبر میں انتخابات ہونے والے ہیں۔ ان انتخابات میں تین بڑی پارٹیوں میں ٹکر ہوگی ایک مسز اندرا گاندھی کی کانگریس (آئی) دوسری شری چرن سنگھ کی سیکولر جنتا پارٹی اور تیسری پرانی جنتا پارٹی جس کے سربراہ شری جگجیون رام ہیں۔ اور یہ تینوں ہی پارٹیاں حسب سابق مسلمانوں کو سبز باغ دکھائیں گی۔ مسلمانوں کی بہت بڑی ہمدرد ہونے کا دعویٰ کریں گی اور اپنے انتخابی منشور میں مسلمانوں کے سب ہی مطالبات کے پورا کرنے کا وعدہ کریں گی لیکن اس کے بعد ہوگا وہی جو گذشتہ بتیس

سال سے ہوتا رہا ہے یعنی انتخابات کے فوراً ہی بعد مسلمانوں کو قطعی فراموش کر دیا جائے گا۔ اور اُن کے سب ہی مطالبات کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے گا۔ محض اس لئے کہ مسلمانانِ ہند اپنی ووٹ کی قدر و قیمت سے قطعی ناواقف ہیں۔ اُن کا کوئی متحدہ محاذ نہیں ہے۔ اُن کا کوئی ایک پلیٹ فارم نہیں ہے۔ اور اس کا افسوس ناک نتیجہ یہ نکلتا رہا ہے کہ جو پارٹی بھی مسلمانوں ہی کے ووٹوں سے برسرِ اقتدار آتی ہے وہ حکومت کی کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد اُن ہی کے حقوق کو پوری بے دردی کے ساتھ ذبح کرتی ہے

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ اس ملک میں متوازن طاقت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ذرا سوچیے اور غور کیجئے کہ جس ملک میں دس بارہ کروڑ مسلمان آباد ہوں۔ وہ اگر متحد ہو جائیں تو کیا کچھ نہیں کر سکتے وہ اگر چاہیں تو اپنی متحدہ طاقت سے ملک کی سیاست کو جس طرف چاہیں موڑ سکتے ہیں اور جس سیاسی پارٹی کو بھی برسرِ اقتدار لانا چاہیں بڑی آسانی سے لا سکتے ہیں لیکن ہمیں افسوس ہے کہ گذشتہ ۳۲ سال کے تلخ تجربات کے بعد بھی آج تک مسلمان متحد نہیں ہو سکے ہیں اور اس انتشار کی وجہ سے مسلمان مختلف سیاسی پارٹیوں کے آلہ کار بنتے رہے ہیں۔ سب ہی سیاسی پارٹیاں انتخابات کے موقع پر تو انہیں طرح طرح کے چھانسے دیتے کے بعد اپنا کام نکال لیتی ہیں لیکن جب مسلمانوں کے ووٹوں سے انہیں اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو اپنے سب ہی وعدوں سے منحرف ہو جاتی ہیں۔ یہی گذشتہ ۳۲ سال سے ہو رہا ہے۔ اور یہی اُس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک کہ مسلمانانِ ہند کا ایک پلیٹ فارم نہیں بنے گا اور جب تک مسلمان اپنے ووٹ کی قدر و قیمت سے واقف نہیں ہوں گے۔

مسلمانانِ ہند کے اِس انتشار سے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ اِس ملک کی جمہوریت اور سیکولرزم کو جو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اُسے ہوش مند مسلم طبقوں میں محسوس بھی کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ مجلس مشاورت کے نام سے ایک جماعت بھی قائم ہو چکی ہے جس کا مقصد اور منشا یہ ہے کہ ہندوستان کی سب ہی مسلم جماعتیں خواہ اُن کی پالیسی کچھ بھی کیوں نہ ہو مسلمانوں کے مشترک مسائل کے سلسلہ میں متحد ہو کر اپنی آواز بلند کریں۔ چنانچہ پچھلے دنوں دہلی میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے زیرِ صدارت "ملی کنونشن" کا جو اجلاس ہوا تھا اُس میں جمیعتہ العلمائے ہند۔ جماعت اسلامی، مسلم لیگ، جماعت اتحاد المسلمین اور سب ہی دوسری مسلم جماعتوں کے سربراہوں اور مندوبین نے

شریک ہو کر یہ طے کیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے مشترک مسائل کو ایک ہی پلیٹ فارم سے متحد ہو کر اٹھایا جائے گا۔ اور اِن مشترک مسائل کے لئے سب ہی مسلم جماعتوں کا متحدہ پلیٹ فارم "مسلم مجلس مشاورت" ہو گا۔

یہ یاد رہے کہ "مسلم مجلس مشاورت" کوئی نئی جماعت نہیں ہے بلکہ یہ کئی سال قبل ڈاکٹر سید محمود مرحوم کی تحریک پر اِسی مقصد کے لئے قائم کی گئی تھی مگر مدت سے یہ بے عملی کے عالم میں پڑی ہوئی تھی اور گزشتہ سال دوبارہ اس کا احیاء عمل میں لایا گیا تھا۔ اور دہلی میں منعقدہ "ملی کنونشن" میں شریک ہونے والے سب ہی مسلم زعماء نے یہ طے کر دیا تھا کہ "مسلم مجلس مشاورت" ہندوستان کے بارہ کروڑ مسلمانوں کا متحدہ پلیٹ فارم ہو گا۔ جہاں سب ہی مسلم جماعتوں کے زعماء ایک ساتھ بیٹھ کر وقتاً فوقتاً مسلمانوں کے اُن بنیادی مسائل پر غور کرتے رہیں گے جو مشترک ہیں اور زمانہ دراز سے تشنہ پڑے ہوئے ہیں۔ مثلاً مسلم اقلیت کے جملہ حقوق کا تحفظ۔ فرقہ وارانہ فسادات سے نمٹنے کے لئے موثر تدابیر۔ مسلم یونیورسٹی اور دوسرے مسلم تعلیمی اداروں کی خود مختاری اور آزادی کے لئے جد و جہد۔ مسلم پرسنل لا پر اثر انداز ہونے والی دفعات کو حذف کرانے کی کوششیں۔ اردو کو دوسری سرکاری زبان بنوانے پر زور۔ سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں مسلمانوں کی ملازمتوں کا معاملہ۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو سنبھالنے کی موثر تدابیر۔ مسلم اوقاف اور مساجد کا تحفظ نام نہاد تاریخی کتب اور دیگر ذرائع سے مسلمانوں کے خلاف بدظنی پھیلانے والے شرارت پسندوں سے مسلم اقلیت کا بچاؤ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے اِن طویل اور دیرینہ مسائل کا حل اُسی وقت نکل سکتا ہے جبکہ مسلمان متحد ہو کر کسی ایسی حکومت کو اقتدار میں لا سکیں جو ان کے ڈھب کی حکومت ہو۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان اپنی قوت اور طاقت کو سمجھیں۔ کھل کر سیاسی پارٹیوں سے بات چیت کریں سب ہی مسلم جماعتوں کو نمائندے مجلس مشاورت کے پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اور سیاسی پارٹیوں سے گفتگو کرنے کے بعد یہ طے کریں کہ انہیں کس پارٹی کو ووٹ دینا ہے اور کسے مسترد کر دینا ہے۔ یعنی مسلمانانِ ہند پوری طرح متحد ہو کر قدم اٹھائیں اور اپنے ووٹوں کو ضائع نہ ہونے دیں بلکہ اپنی اجتماعی طاقت سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

مسلمان گزشتہ بتیس سال سے احمق بن رہے ہیں۔ اب مسلمانوں کے لئے اپنی گزشتہ غلطیوں کی تلافی کا وقت آگیا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب

مسلمان اپنے ووٹوں کی طاقت سے سیاسی پارٹیوں کا دماغ درست کر سکتے ہیں۔ مسلمان اس بات کو فراموش نہ کریں کہ ایسے مواقع بہت ہی کم آتے ہیں اگر مسلمانوں نے اس موقع کو کھو دیا اور مسلم زعما بدستور پارٹی بندیوں میں مبتلا رہے تو پھر اس ملک کے مسلمانوں کا خدا ہی حافظ ہے۔

راشٹریہ سنگھ ملزموں کے کٹہرے میں

حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ وہی "راشٹریہ سنگھ" جو آج سے دو ماہ قبل جنتا پارٹی کی آڑ میں مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں پر چھائی ہوئی تھی۔ اور جو اس ملک پر اپنی ڈکٹیٹری کا خواب دیکھ رہی تھی آج ملزموں کے کٹہرے میں کھڑی ہے۔ اور اس کے لیڈر اپنی صفائی میں بیان پر بیان دے رہے ہیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں راشٹریہ سنگھ کے جنرل سیکریٹری نے اپنے ایک بیان میں فرمایا تھا کہ "اس الزام میں کوئی صداقت نہیں کہ راشٹریہ سنگھ سیاسی یا فرقہ پرست جماعت ہے بلکہ یہ اس ملک کے سبھی فرقوں کے ساتھ رواداری روش اختیار کئے ہوئے ہے" اور جنرل سیکریٹری صاحب کے اس بیان کے بعد اب آر۔ ایس۔ ایس کے سربراہ شری بالا صاحب دیورس کا ایک بیان راشٹریہ سنگھ کی صفائی میں شائع ہوا ہے جس میں کہا آپ نے فرمایا ہے کہ "راشٹریہ سنگھ کو فرقہ پرست قرار دینا انتہائی احمقانہ فعل ہے۔ راشٹریہ سنگھ کے کسی رویہ سے بھی یہ بات نہیں ثابت کی جا سکتی کہ اس کا فرقہ پرستی سے دور کا بھی تعلق ہے" انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ "اس تنظیم کا اہم مقصد کردار سازی اور لوگوں کے اندر اخوت اور محبت کے جذبات کو ابھارنا ہے" لیکن دیورس صاحب سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا انھوں نے راشٹریہ سنگھ کے بڑے گرو جی شری گولوالکر کی اُن تصانیف کی ہدایتوں پر بھی غور کیا ہے جو راشٹریہ سنگھ کے لئے ایک دستور اور قانون کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور جن کی ہدایتوں پر عمل کرنا شری دیورس اور سب ہی راشٹریہ سنگھیوں کے لئے فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ہم ذیل میں اِن بڑے گرو جی کی ایک انگریزی تصنیف "ودر نیشن ہڈ ڈیفائینڈ" کا ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں جس سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ راشٹریہ سنگھ کی بنیاد کن باتوں پر کیا ہے۔ اور اس تنظیم کی بنیاد محبت و اخوت اور رواداری پر رکھی ہوئی ہے۔ یا اس کا منشا ملک میں نفرت و حقارت کے جذبات کو ابھارنا ہے۔ چنانچہ بڑے گرو جی فرماتے ہیں۔

"قبل از تاریخ کے زمانہ سے اس ملک (ہندوستان) میں پراچین ہندو نسل آباد ہے۔ اُس کی سانجھی ماتری بھاشا ہے سانجھے رسم و رواج ہیں۔ یہ ہندو قوم ہندو دھرم کو مانتی ہے اس لئے ہندوستان ہندوؤں کا دیش ہے۔ یہاں صرف ہندو قوم کو رہنا چاہیئے جو لوگ اس قومی نسل میں شامل نہیں انہیں اس ملک کے قومی جیون میں حصہ لینے کا تب تک کوئی حق نہیں جب تک کہ وہ مکمل طور پر اپنے آپ کو اسی قومی نسل میں مدغم نہ کر دیں (یعنی ہندو نہ بن جائیں) لیکن وہ جب تک علیحدہ مذہب اور علیحدہ سنسکرتی کو اپنائے بیٹھے ہیں تب تک وہ بدیشی ہیں۔ وہ یا تو بدیشی نہ رہیں (یعنی غیر مذہب کے پیروکار نہ رہیں) یا ہندو قوم کے ماتحت بن کر رہیں۔ مگر پھر بھی انہیں کوئی حق نہیں ملے گا یہاں تک کہ شہری حق بھی نہیں ملے گا"

ملاحظہ فرمائیے کہ راشٹریہ سنگھیوں کے بڑے گرو جی نے کس طرح اس ملک کے سب ہی غیر ہندوؤں کو وطن عزیز کے جملہ حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ انھوں نے اس ملک کے ہندوؤں کو اس بات کی بھی ترغیب دی ہے کہ جس طرح ہٹلر نے جرمنی سے یہودیوں کو نکال دیا تھا۔ اسی طرح تم بھی تمام غیر ہندوؤں کو ہندوستان سے نکال دو چنانچہ بڑے گرو جی اپنی اسی کتاب "نیشن ہڈ ڈیفائینڈ" میں ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں "جرمن قوم کا افتخار ساری دنیا میں مشہور ہے۔ جرمنوں نے یہودیوں کو اپنی سرزمین سے اس لئے نکال باہر کیا تھا تاکہ اپنی نسلی اور ثقافتی پاکیزگی کو برقرار رکھا جا سکے۔ اس مثال سے بھارت بہت کچھ سبق سیکھ سکتا ہے" یعنی گرو جی اپنے جانشین شری دیورس اور اپنے سب ہی چیلوں کو یہ سبق دے رہے ہیں کہ وہ سب ہی غیر ہندوؤں کو اسی طرح ہندوستان سے نکال دیں جس طرح جرمن قوم نے یہودیوں کو نکال دیا تھا۔ بڑے گرو جی کی ان ہدایات کی روشنی میں کوئی احمق ہی اس بات کا یقین کر سکتا ہے کہ راشٹریہ سنگھ ایک غیر فرقہ پرست اور کلچرل جماعت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ جماعت صرف غیر ہندوؤں ہی کی دشمن نہیں ہے بلکہ یہ اس ملک کے سبھی باشندوں کی دشمن ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ امریکہ کی اُس خفیہ ایجنسی سی۔ آئی۔ اے کی ایجنٹ ہے

جو ہمارے ملک کی جمہوریت اور سیکولرزم کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ لیکن یہ چیز ہمارے لئے قابل اطمینان ہے کہ پورا ملک اب اس وطن دشمن جماعت کے خلاف صف آرا ہو گیا ہے اور ان حالات میں اس کا ہمارے ملک میں زندہ اور برقرار رہنا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے

جنرل ضیا پاکستان سے بھاگنے کی فکر میں

پاکستان کے نام نہاد صدر جنرل ضیاء الحق ایک طرف تو بار بار یہ اعلان کر رہے ہیں کہ وہ پاکستان میں انتخابات ضرور کرائیں گے اور اقتدار حاصل کرنے والی پارٹی کو حکومت سپرد کرکے اپنے صدارت کے عہدہ سے دستبردار ہو جائیں گے۔ اور دوسری جانب وہ انتخابات سے بعد گھبرائے ہوئے ہیں اور ایسی چالیں چل رہے ہیں کہ یہ انتخابات ایک سرے سے ہو ہی نہ سکیں کیونکہ انہیں اس بات کا خوف کھائے جا رہا ہے کہ اگر انتخابات کے بعد مرحوم بھٹو کی پیپلز پارٹی برسر اقتدار آ گئی تو وہ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو مرحوم بھٹو کے قتل کے جرم میں ضرور پھانسی پر لٹکا دے گی

جنرل ضیا نے تین سال کے ایک پرانے اور جھوٹے قتل کے مقدمہ میں بھٹو کو پھانسی کرا اس لئے تختہ دار پر چڑھایا تھا کیونکہ جنرل صاحب کا خیال تھا کہ بھٹو کے راستہ سے ہٹانے کے بعد ان کی راہ کا سب سے بڑا روڑا صاف ہو جائے گا لیکن انہیں اس بات کا تصور تک نہ تھا کہ مردہ بھٹو ان کے لئے زندہ بھٹو سے کہیں زیادہ مصیبت بن جائے گا۔ چنانچہ بھٹو کو پھانسی پر لٹکانے کے بعد سے پورے پاکستان میں جنرل ضیا کے خلاف شدید ناگواری بڑھ گئی ہے اور گرانی کو بہانہ بنا کر آئے دن پاکستان میں نئے نئے ہنگامے کھڑے کئے جاتے ہیں۔ اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ "پیپلز لبریشن آرمی" کے نام سے پاکستان میں دہشت پسندوں کی ایک نئی تنظیم بھی قائم ہو گئی ہے۔ جس نے کہ جنرل ضیا کی حکومت کا تختہ الٹ دینے کا اعلان کر دیا ہے۔

ادھر بھٹو کی بیوہ نصرت بھٹو اور صاحبزادی بے نظیر بھٹو نے اپنی تقریروں سے پورے پاکستان میں آگ لگا دی ہے اور دونوں ماں بیٹی پاکستان کے جس حصہ میں بھی جاتی ہیں انہیں آنکھوں پر بٹھایا جا رہا ہے۔ جس سے کہ یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اگر پاکستان میں انتخابات ہوئے تو مرحوم بھٹو کی پیپلز پارٹی کے مقابلہ میں پاکستان کی سب ہی سیاسی پارٹیاں جن میں کہ زیادہ تر سرکار نواز ہیں بری طرح پٹ جائیں گی اور بھٹو کی پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد جنرل ضیا کا جو حشر ہو گا وہ سب ہی پر روشن ہے لہٰذا جنرل ضیا اس فکر میں ہیں کہ انہیں کسی طرح آنے والی (اس) مصیبت سے نجات مل جائے۔

اور اس سلسلہ میں لندن کی ایک نہایت ہی اہم اطلاع ہے کہ صدر ضیاء الحق عنقریب پاکستان کی زمام حکومت استقلال پارٹی کے سربراہ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خاں کو سونپنے والے ہیں چنانچہ برطانیہ سے شائع ہونے والے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف کے نامہ نگار نے اسلام آباد سے خبر دی ہے کہ پاکستان کی اقتصادی حالت اتنی خراب ہو گئی ہے کہ کسی وقت بھی ضیاء الحق کی فوج نافرمانی کر سکتی ہے اور اس صورت حال میں جنرل ضیا اور ان کی کابینہ کے ساتھی قومی اسمبلی کے انتخابات سے قبل ہی مارشل اصغر خاں کو حکومت سونپ دینا چاہتے ہیں ادھر لندن سے شائع ہونے والے ایک اخبار روزنامہ ملت نے شاہ سرخیوں کے ساتھ یہ خبر شائع کی ہے کہ صدر ضیاء الحق ان کی فوجی کابینہ اور مسٹر اصغر خاں کے درمیان حکومت کی منتقلی کے سب ہی معاملات طے پا چکے ہیں اور عنقریب ہی اصغر خاں کو وزیر اعظم بنا دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پاکستان کی مسلح افواج میں بھی صدر ضیا کے رویہ کی بنا پر شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ اور صدر ضیا کے لئے اپنی پوزیشن کا برقرار رکھنا دشوار ہو گیا ہے۔ اور ایسی حالت میں جنرل ضیا اس بات کے لئے مجبور ہیں کہ وہ انتخابات سے بچنے کے لئے کسی اچھے ڈھب کے آدمی کے حوالے پاکستان کی حکومت منتقل کرکے راہ فرار اختیار کر لیں تاکہ پیپلز پارٹی کے اقتدار میں آنے کے بعد وہ پھانسی پر لٹکنے سے بچ جائیں۔

صدر جمہوریہ ہند پہ بھی حملے

صدر جمہوریہ ہند مسٹر سنجیوا ریڈی نے آزادی کی (۳۲ویں) سالگرہ کے موقع پر قوم کے نام جو پیغام نشر کیا تھا اس پیغام میں ملک کے سیاسی لیڈروں کی ابن الوقتی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے اس بات پہ افسوس ظاہر کیا تھا کہ ہم اخلاقی قدروں کو بھول چکے ہیں اور ہم نے پارٹی پالیٹکس میں مبتلا ہو کر اپنے کردار کو برباد کر ڈالا ہے لیکن تقریر کرتے وقت انہیں اس بات کا تصور بھی نہ تھا کہ جلد ہی ایک ایسا وقت بھی آنے والا ہے

جبکہ ہمارے ملک کے لیڈر اپنی بداخلاقی کا سب سے بڑا نشانہ خود صدر جمہوریہ ہی کو بنانے پر تُلے ہوئے ہیں چنانچہ جیسے ہی صدر جمہوریہ نے پارلیمنٹ توڑنے اور جدید انتخابات کرانے کا اعلان کیا تو جنتا لیڈر آپے سے باہر ہوگئے۔ اُنہوں نے صدر جمہوریہ کو گالیاں دینے سے بھی گریز نہیں کیا اور صدر جمہوریہ کا قصور صرف یہ تھا کہ اُنھوں نے جنتا پارلیمنٹری پارٹی کے نئے لیڈر شری جگجیون رام کو دوبارہ بلاکر وزارت سازی کا موقعہ کیوں نہیں دیا۔ حالانکہ صدر جمہوریہ نے جو قدم اٹھایا ہے اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں تھا۔ وہ بار بار وزارتوں کے بننے اور ٹوٹنے کا تماشہ کر کے ہندوستان کو دنیا کے دوسرے ملکوں کی نظر میں ذلیل نہیں کرنا چاہتے تھے۔

صدر جمہوریہ کے اس اقدام پر سب ہی جنتا لیڈر بری طرح برہم ہیں جو جس کے منہ میں آرہا ہے وہ کہہ رہا ہے۔ صدر جمہوریہ پر جانبداری کا الزام لگایا جارہا ہے اُن کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ وہ سازش کے شکار ہوگئے ہیں۔ اور الزام لگایا جارہا ہے کہ اُنھوں نے آئین ہند کا مذاق اڑایا ہے۔ یہاں تک کہ بعض لیڈروں کی جانب سے صدر جمہوریہ کے خلاف بدترین قسم کی بداخلاقی کا مظاہرہ ہورہا ہے محض اس لئے کہ گدیاں اُن سے چھین گئی ہیں اور اب اُنہیں یقین ہے کہ یہ گدیاں آئندہ کبھی بھی میسر نہ آسکیں گی۔

صدر جمہوریہ حکومت کا سب سے بڑا سربراہ ہوتا ہے۔ دنیا کے سب ہی ملک اپنے اس سب سے بڑے ملکی سربراہ کا پورا پورا احترام کرتے ہیں۔ ہمیشہ اُس پر نکتہ چینی سے گریز کیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارا ملک ایک ایسا ملک ہے جس میں کہ سب سے بڑے ملکی سربراہ کی بھی کوئی وقعت نہیں جو چاہتا ہے اُن کے خلاف زہر افشانی شروع کر دیتا ہے۔ صدر جمہوریہ نے سچ ہی کہا تھا کہ ہمارا ملک اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے۔

ایران میں اسلام کی مٹی پلید

اسلام کا نام لے کر اس وقت ایران میں جو قتل وخون کا بازار گرم ہے اُس نے اسلام کو ساری دنیا میں بدنام کر کے رکھ دیا ہے۔ یعنی ایران میں علامہ آیت اللہ خمینی اور اُن کے حواریوں کے ہاتھوں جو انسانی خون بہہ رہا ہے اُس نے دنیا کے سامنے نہایت ہی بھیانک شکل میں اسلام کو پیش کیا ہے۔

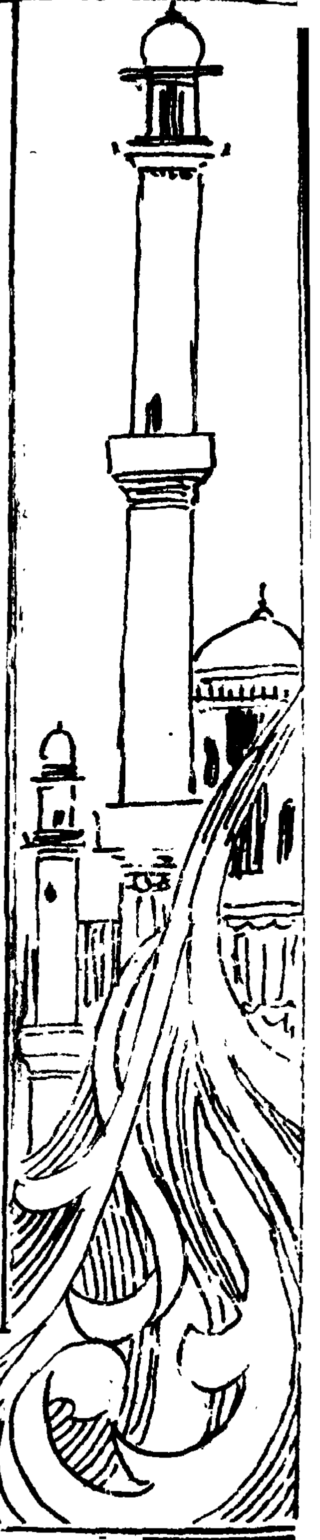
ایران میں کہنے کے لئے تو وزیر اعظم بازرگان کی حکومت ہے لیکن دراصل وہاں کی حکومت پر علامہ خمینی اور ان درجنوں ملاؤں کا قبضہ ہے جو اسلام کا نام لے کر ذاتی دشمنیاں نکالنے کے لئے جسے چاہتے ہیں تختہ دار پر چڑھا دیتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ اپنی اس درندگی اور اسلام دشمنی پر فخر بھی کر رہے ہیں چنانچہ حال ہی میں ہٹلر ثانی علامہ خمینی نے بڑے فخر کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ۔

"ہم ایران میں ایک نہایت ہی پائدار اسلامی جمہوریت کے قیام کے لئے کوشاں ہیں۔ اور امید ہے کہ جلد ہی ناپاک اور شاہ پسند سب ہی عناصر کو ختم کر کے ایران میں ایک مثالی حکومت قائم کر دیں گے۔"

علامہ خمینی نے جس مثالی "اسلامی حکومت" کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ ہلاکو اور چنگیز خاں کی حکومت تو کہی جاسکتی ہے مگر اُس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں کیونکہ اسلام نے اس قسم کی بربریت اور درندگی کبھی بھی اجازت نہیں دی اسلام انتقام پسند نہیں بلکہ امن پسند مذہب ہے۔ سب ہی کو معلوم ہے کہ جب فتح مکہ کے بعد رسول مقبول صلعم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اسلام اور مسلمانوں کے سب ہی دشمنوں کو معاف کر دیا۔ علامہ خمینی اپنے آپ کو حضرت علی کا مقلد بتاتے ہیں۔ لیکن جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ابن ملجم نامی ایک خارجی نے شہید کیا تو آپ نے وفات سے قبل وصیت فرمائی کہ میرے قتل کے معاملہ کو مسلمانوں میں خونریزی کا ذریعہ نہ بنانا اور ہرگز کسی سے انتقام نہ لینا۔

لیکن آیت اللہ خمینی اور ایران کے وہ درجنوں نام نہاد علما جو اپنے آپ کو حضرت علی کا پیرو بتاتے ہیں رسول اللہ صلعم اور حضرت علیؓ کے مسلک کو چھوڑ کر انتقام کے ایک ایسے مذموم راستہ پر گامزن ہیں جس کی اسلام نے شدید مذمت کی ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ایران کے ان نام نہاد علما نے اپنی درندگی سے ساری دنیا میں اسلام کو رسوا کر کے رکھ دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کے اسلام کے منافی رویہ کے خلاف شدید احتجاج کیا جائے تاکہ دنیا کو معلوم ہو سکے کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اُس سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو اگرچہ علمائے اسلام کا بہروپ اختیار کئے ہوئے ہیں مگر اسلام کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔

ہمکو افسوس ہے کہ جتنا بدنام ان ملاؤں نے اسلام کو کیا ہے اُس کی مثال پوری تاریخ اسلام میں ناپید ہے۔ سب ہی مسلم حکومتوں کے سربراہوں کا فرض ہے وہ اُنہیں راہ راست پر لانے کے لئے کوئی نہایت مضبوط قدم اٹھائیں تاکہ ان ناعاقبت اندیشوں کے ہاتھوں اسلام کی مزید بدنامی نہ ہو سکے۔



بندۂ مومن کا مقام

(از جناب اختر چغتائی میرٹھی)

کتنے بے نور ہیں تہذیب و ترقی کے چراغ　　کس قدر تلخ ہیں یہ امن و اماں کے پیغام

کتنے بوسیدہ ہیں دامانِ خرد کے ٹکڑے　　کتنا مجبور ہے شخصی ہو کہ جمہوری نظام

کتنا مُردہ ہے ہر دور میں لادینی شعور　　کس قدر تیرہ و تاریک ہے قلبِ اہرام

آج بھی تیرے ہی دم سے ہے وجودِ عالم　　تیرا اسلام ہے اک عرش نشیں کا پیغام

تیرے ایمان میں مستور ہیں فاروق و حسن

تو نے سمجھا ہی نہیں بندۂ مومن کا مقام

وقت و ماحول سے آزاد ہے مسلم کی حیات　　پست ہوتی ہی نہیں ہمتِ مردانہ کبھی

وسعتیں اور بڑھیں اور بڑھیں اور بڑھیں　　مختصر ہو نہ سکا عشق کا افسانہ کبھی

ہاں یہی خون تھا خالد کی رگوں میں بیتاب　　ہاں اسی خاک میں تھا جذبِ کلیمانہ کبھی

تو وہ خاکی ہے تری خاک سے ہو گا پیدا　　گل کبھی شاخ کبھی برگ کبھی دانہ کبھی

سینہ سے جوششِ طوفان لگانا ہو گا

یعنی انسان کو انسان بنانا ہو گا

۱۲۹



عورتوں کے فریب بڑے (غضب کے) ہوتے ہیں۔ (پھر حضرت یوسف کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔) یوسف اس معاملہ میں درگذر سے کام لو۔ تم کسی بات کا خیال نہ کرو اور اے عورت تو ہی خطا وار ہے اپنے قصور کی معافی مانگ۔

زلیخا کی بدچلنی کا چرچہ

وَقَالَ نِسْوَةٌ .... مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ ۝

ترجمہ:۔ اور شہر کی چند عورتوں نے (اپنے غلام سے زلیخا کی دل بستگی کا واقعہ سن کر یہ بات کہی کہ عزیز کی بیوی اپنی نفسانی خواہش کے لئے اپنے غلام کو پھسلا رہی ہے اور اس کی محبت میں مبتلا ہو گئی ہے (یہ بہت نازیبا بات ہے) جب عزیز کی بیوی نے عورتوں کی یہ بدگوئی سنی تو ان کو اپنے پاس بلا بھیجا اور ان کے لئے ایک محفل آراستہ کی اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں (پھل تراشنے کے لئے) ایک چھری دیدی اور (جب وہ پھل تراش رہی تھیں تو) یوسف سے کہا کہ ان کے سامنے آجاؤ۔ جب عورتوں نے انھیں دیکھا تو حیران رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور بولیں کہ حاشا یہ انسان نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ اب عزیز کی بیوی نے کہا یہی (وہ غلام) ہے جس کے بارے میں تم مجھ پر لعنت ملامت کر رہی تھیں۔ واقعی میں نے اس سے نفسانی خواہش کی کوشش کی تھی۔ مگر یہ پاک صاف رہا۔ اور اگر آئندہ یہ میرا کہنا نہیں مانے گا تو قید میں جائے گا اور ذلیل ہوگا۔

تشریح:۔ (پھر جب زلیخا کے دست درازی کے واقعہ کی خبر شہر میں پھیلی تو جا بجا چہ میگوئیاں ہونے لگیں) اور شہر کی عورتیں کہنے لگیں کہ (کیسی پست حرکت ہے کہ) عزیز مصر کی بیوی اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرنے کے لئے خود اپنے غلام کو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ اور غلام کی محبت میں بری طرح مبتلا ہو گئی ہے۔ ہمارے نزدیک تو وہ بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کر رہی ہے۔ (یہ بڑی ہی مذموم حرکت ہے) زلیخا نے عورتوں کی جب یہ باتیں سنیں تو ایک دعوت میں سب کو بلا بھیجا اور ان کے لئے ایک محفل منعقد کی اور (جب) عورتیں جمع ہو گئیں تو زلیخا نے کچھ پھل وغیرہ ان کی تواضع کے لئے پیش کئے اور پھل تراشنے کے لئے (ہر ایک کو ایک ایک چھری بھی دیدی اور (جب وہ پھل تراشنے لگیں تو عین وقت پر) یوسف سے کہا کہ باہر آجاؤ ان کے سامنے۔ جب عورتوں نے انھیں دیکھا تو ان کا رعب حسن ان پر ایسا طاری ہوا کہ انھوں نے (مسحور ہو کر پھل تراشتے تراشتے) اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور بے ساختہ بول اٹھیں حاشا یہ انسان نہیں بلکہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

(اب موقعہ دیکھ کر) زلیخا نے عورتوں سے کہا یہ وہی غلام ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں اور طعنے دیتی تھیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں نے اس کے ساتھ اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے اور اپنی جانب مائل کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔ مگر یہ پاک و صاف رہا اور بچ گیا۔ (لیکن اب میں صاف صاف بتانا چاہتی ہوں کہ میں اپنے ارادہ سے باز نہیں آؤں گی)۔ اگر اس نے آئندہ میرا کہنا نہیں مانا تو قید کیا جائے گا اور بری طرح ذلیل ہوگا۔

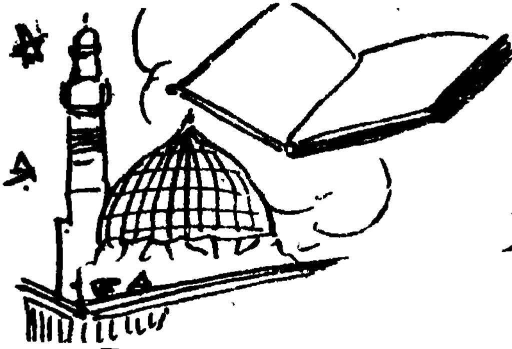
حضرت یوسف کو قید کر دیا گیا

قَالَ رَبِّ .... لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیْنٍ ۝

ترجمہ:۔ یوسف نے عرض کیا کہ اے رب جس چیز کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں اس کے مقابلہ میں تو مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اور اگر تو ان کے فریب کو مجھ سے دفع نہ کرے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں جیسی حرکت کر بیٹھوں گا۔ اور ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی۔ اور انھیں عورتوں کے فریب سے باز رکھا بے شک وہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ مگر پھر بھی مختلف نشانیاں دیکھنے کے باوجود ان لوگوں کی مصلحت یہی ہوئی کہ انھیں ایک وقت تک قید میں رکھا جائے۔

تشریح:۔ (عورتوں کے روبرو زلیخا کے یہ ناپاک ارادے سن کر) یوسف نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ اے میرے پروردگار جس برے کام کی جانب یہ عورتیں مجھے مائل کرنا چاہتی ہیں اس کے مقابلہ میں تو مجھے یہ پسند ہے کہ (باقی صفحہ ۲۹ پر)

تعلیم الحدیث



دُنیاوی جدوجہد مسلمان پر فرض

دُنیا اور دولت دہوکہ ہے۔ عیبوں پر پردہ ڈالو

(از شوکت علی فہمی)

دین دنیا کی ہر اشاعت میں پابندی کے ساتھ احادیث کی مستند کتب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قیمتی ارشادات درج کئے جاتے ہیں جو مسلمانوں کے لئے بہترین شمع ہدایت ہیں۔ خدا مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ اِن جواہر پاروں سے نصیحت اور سبق حاصل کرسکیں۔

دُنیاوی جدوجہد مسلمان پر فرض

اسلام دیگر مذاہب کی طرح ترکِ دُنیا کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اپنے متبعین کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ جائز طور پر دُنیا کی جدوجہد میں پوری طرح حصہ لیں۔ اور کارگاہِ حیات میں برابر آگے بڑھتے رہیں چنانچہ اس بارے میں صحیح حدیث ہے:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دُنیا کے کاموں میں ایسی کوشش کرو گویا تم ہمیشہ زندہ رہوگے۔ اور آخرت کے لئے اِس طرح عمل کرو گویا تم کل ہی مرجاؤگے۔" (المدینۃ و الاسلام)

اس حدیث کے ذریعہ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ دُنیاوی جدوجہد میں پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لیں۔ مگر آخرت کو بھی فراموش نہ کریں۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا اور رزق تلاش نہ کرنا۔ اور صرف یہ کہتے رہنا نہیں چاہیئے کہ اللہ مجھے روزی عطا فرمائے گا بلکہ رزق کے لئے خود بھی جدوجہد کرنی چاہیئے۔" (المدینۃ والاسلام)

ذرا غور فرمائیے کہ اِس حدیث کے ذریعہ کس طرح مسلمانوں کی قوت عمل کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ محض اللہ کے بھروسہ پر ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہ بیٹھے رہیں بلکہ دنیاوی جدوجہد میں پوری طرح حصہ لیں۔

رسول مقبول صلعم اور صحابہ کرام کا یہ طریقہ کار تھا کہ وہ جہاں یادِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے وہاں دنیاوی جدوجہد میں بھی پوری طرح حصہ لیتے تھے۔ اُسی کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام اگرچہ بے سروسامان مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ گئے تھے لیکن چند ہی روز میں اُنھوں نے تجارت اور محنت کے ذریعہ بے اندازہ دولت پیدا کرلی تھی۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کی غیر معمولی دُنیاوی جدوجہد ہی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان مختصر سی مدت میں نہ صرف دنیا کے بیشتر حصہ کے حکمراں بن گئے تھے بلکہ اُنھوں نے علمی اور عملی میدان میں بھی ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دئے تھے جو ہستی دُنیا تک تاریخ میں روشن رہیں گے۔

دُنیا اور دولت دہوکہ ہے

اسلام نے جہاں اپنے متبعین کو دُنیاوی جدوجہد میں حصہ لینے کی ترغیب دی ہے وہاں یہ بھی بتایا کہ یہ دُنیا اور دولت

سرتاپا ڈوبا ہو کہ ہے اور وہ اسی کے پرستار بن کر رہ جائیں چنانچہ اس بارے میں حدیث ہے:-

"ابو ہریرہ رض کہتے ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ بندہ میرا مال، میرا مال پکارتا ہے لیکن مال میں اس کا جو حصہ ہے وہ صرف تین چیزیں ہیں، ایک چیز تو وہ جو کھائی اور ختم ہو گئی۔ دوسرے وہ جو پہنا اور پھاڑ ڈالا۔ تیسرے وہ جو خدا کی راہ میں دیدیا اور آخرت کے لئے ذخیرہ کر دیا۔ ان تینوں کے علاوہ جو کچھ ہے اس سب کو وہ اللہ کے دوسرے بندوں کے لئے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔" (مسلم)

یعنی انسان جس ثروت اور دولت کو اپنی میراث سمجھتا ہے وہ در اصل اس کی میراث نہیں ہے۔ اس لئے ہمیشہ دولت اور ثروت سے آخرت کا ذخیرہ جمع کرنا چاہئے۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے:-

"سہیل بن سعد رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر دنیا خدا کی نظر میں مچھر کے پاؤں کی برابر بھی وقعت رکھتی تو وہ اس میں سے کافر کو ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔" (احمد، ترمذی۔ ابن ماجہ۔)

ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو دنیا اور دنیا کی دولت سے محبت نہیں کرنی چاہئے۔ وہ دولت اور دنیا سے جائز فائدہ تو ضرور حاصل کریں مگر اسی کے بن کر نہ رہ جائیں۔

دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالو

اسلام اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہے کہ مسلمان دوسروں کے عیبوں کی تشہیر کریں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کیا کرو چنانچہ اس بارے میں صحیح حدیث ہے:-

"عقبہ بن عامر رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان میں کوئی عیب دیکھے اور پھر وہ اسے چھپا لے تو اس کا ثواب اس شخص کی برابر ہے جس نے کہ زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو بچا لیا۔" (ترمذی۔ احمد)

پھر ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص میں کوئی برائی دیکھو تو اس کی اصلاح میں بڑی نرمی سے کام لو چنانچہ اس بارے میں حدیث ہے:-

"ابو ہریرہ رض کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے (یعنی خاموشی کے ساتھ عیبوں کو ظاہر کرنے والا) اس لئے اگر اس میں کوئی برائی دیکھے تو خاموشی اور نرمی سے دور کر دے۔" (ابو داؤد)

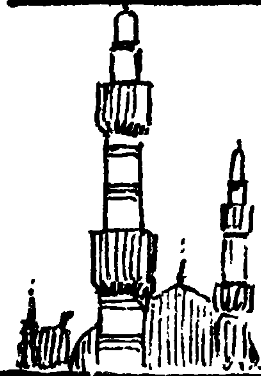
لیکن ہوتا یہ ہے کہ عیبوں کو چھپانے کی بجائے عام طور پر ان کی تشہیر کی جاتی ہے۔ اور اصلاح کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ یہ طریقہ کار خدا اور خدا کے رسول کو مطلق پسند نہیں۔

مظلوم کا حامی خدا کا محبوب

اسلام دنیا میں اسی لئے آیا ہے کہ وہ غریبوں اور مظلوموں کی حمایت کرے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ ہمیشہ مظلوموں اور مجبوروں کے کام آئیں چنانچہ اس بارے میں صحیح حدیث ہے:-

"حضرت انس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مظلوم کی فریاد رسی کریگا اللہ تعالیٰ اس کے لئے تہتر بخششیں لکھ دیتا ہے جن میں سے ایک بخشش وہ ہے کہ جو اس کے تمام کاموں کی اصلاح کی ضامن بنجاتی ہے باقی بہتر بخششیں قیامت کے دن اس کے درجات بلند کرنے کا سبب ہوں گی۔" (مشکوٰۃ)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص غریبوں بیوہ عورتوں اور مساکین کی خبر گیری کرتا ہے اس کا درجہ مجاہدین کی برابر ہے۔ ان احادیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام غریبوں اور مظلوموں کا کتنا بڑا حامی ہے۔



اسلامی افکار

مسلمانوں نے صرف مدافعت کے لئے تلوار اٹھائی

اسلام جنگ اور خونریزی کا شدید مخالف ہے

(از ڈاکٹر ایس۔ اے خلوصی۔ ایم۔ اے دمشق)

اسلام پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ یہ جنگ بازوں کا مذہب ہے۔ حالانکہ اسلام امن پسندی کا بہت بڑا حامی ہے۔ دمشق کے نامور اہل قلم ڈاکٹر خلوصی نے ذیل کے مقالہ میں اس الزام کی تردید کرتے ہوئے اسلام کی امن پسندی پر بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

اسلام اپنے ظہور کے پہلے ہی دن سے امن اور سلامتی کا حامی رہا ہے۔ اسلام کا نام ہی اس مذہب کی امن پسندی کے تصور کو واضح کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ "انھیں ہر حالت میں امن پسند رہنا چاہئے اور امن شکنی کرکے شیطان کی پیروی نہیں کرنی چاہئے"۔ اور قرآن کریم کی اسی ہدایت کو آنحضرت صلعم نے اس طرح غیر مبہم الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو بھی کسی طرح کی اذیت نہ پہنچے"۔

اسلام کی اس بنیادی خصوصیت اور تعلیم کے باوجود بعض قوموں اور بعض فرقوں میں اسلام کے متعلق آج بھی یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اسلام امن پسند مذہب نہیں ہے بلکہ خونریزی کا زبردست حامی ہے۔ اور اس غلط فہمی کا باعث یہ ہے کہ اول تو اسلام کے خلاف صدیوں سے پروپیگنڈا جاری ہے۔ دوسرے عیسائیت کی طرح اسلام نے دنیا کو غیر فطری امن پسندی کی دعوت نہیں دی بلکہ اس نے ضرورت کے وقت مدافعت اور ناپسندیدہ عناصر کے خلاف تلوار اٹھانے کو بھی انسانیت کا سب سے بڑا فریضہ قرار دیا ہے۔

مگر تلوار اٹھانے کے لئے اسلام کی اجازت کا مقصد غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کرنا قوموں کو غلام بنانا یا ان کے اقتصادی وسائل پر قبضہ کرکے انھیں مسلمانوں کے لئے استعمال کرنا نہیں ہے بلکہ اسلام کو اس کے دشمنوں کے حملوں اور یورش سے بچانا کمزوروں کی مدد کرنا۔ اور ایک ایسا ماحول پیدا کر دینا ہے جس سے تمام مذہبوں کی آزادی برقرار رہے اور اُن کے ماننے والے کسی پابندی کے بغیر اپنے مذہبی فرائض کو انجام دے سکیں۔

اسلام نے مسلمانوں کو اپنی حفاظت اور اپنے مذہب کی مدافعت کے لئے یا کمزوروں کی امداد کی غرض سے تلوار اٹھانے کی اجازت تو دی ہے مگر اس صورت میں بھی یہ ہدایت کی ہے کہ انھیں بے ضرورت خونریزی نہیں کرنی چاہئے اور خود کو عوام کی تباہکاری کا مجرم نہیں بنانا چاہئے۔

اسلام نے جنگ کا جو ضابطہ مقرر کیا ہے اس کی رو سے جنگ میں حصہ نہ لینے والے افراد یعنی عورتوں بچوں اور بوڑھوں پر تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ جو لوگ ہتھیار ڈال دیں یا امن اور صلح کے خواہشمند ہوں انھیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے حتیٰ کہ اگر مسلمانوں کا کوئی غلام یا اسلامی لشکر کا کوئی معمولی سپاہی بھی کسی دشمن کو پناہ دیدے یا جنگ کے دوران دشمن سے کوئی وعدہ کرلے تو سب مسلمانوں کو اس کے وعدہ کی پابندی کرنا اپنا فرض سمجھنا چاہئے۔

اسلام نے اپنی امن پسندی کو صرف انسان کی جان مال اور آبرو کی حفاظت ہی تک محدود نہیں رکھا ہے۔ بلکہ اس کے دائرہ کو حیوانات اور جمادات تک بھی پھیلا دیا ہے۔ چنانچہ اسلام نے حکم دیا ہے کہ جنگ کے زمانہ میں کھیتوں کو برباد نہ کیا جائے ہرے بھرے درختوں کو کاٹا نہ جائے ملوگین سے اپنی ضرورت سے زیادہ غلہ۔ چارہ اور ضرورت کی دوسری اشیا ہرگز نہ لی جائیں۔ اور جو کچھ بھی لیا جائے اس کی پوری قیمت ادا کی جائے۔ اور خوراک کی ضرورت کے علاوہ ہرگز مویشیوں کو ذبح نہ کیا جائے۔

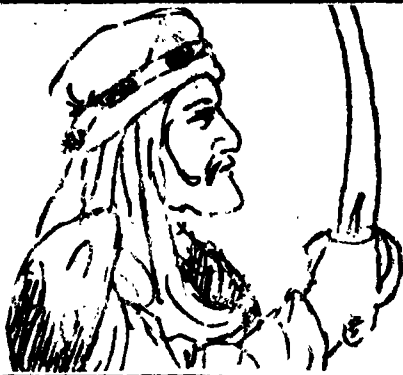
جنگ کے سلسلہ میں یہ اسلامی قوانین ہی اسلام کی امن پسندی کا کھلا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اور آج بھی جبکہ ساری دنیا جنگ کے دوران اس کی تباہ کاریوں اور نقصان رسانیوں کو کم سے کم کر دینے پر متفق الرائے ہے۔ وہ جنگ کے کچھ ایسے ضابطہ پر اتفاق رائے نہیں کر سکی ہے جو اس کی تباہ کاریوں کو کم کر سکے اور جس کے ذریعہ جنگ کے زمانہ میں امن پسندوں کو تحفظ مل سکے غرضکہ جنگ کے متعلق اسلام کی مذکورہ بالا ہدایات اس کی امن دوستی اور اسلام کے ایک ترقی یافتہ مذہب ہونے کا ناقابلِ انکار ثبوت ہے۔ اور اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ مذہب روزِ اوّل ہی سے اپنے امن پسندانہ کردار کا برابر ثبوت بہم پہنچاتا رہا ہے اور اپنے اس بلند کردار کو برقرار رکھنے کے لئے بعض اوقات اپنے مسلّم مفادات کو بھی نظر انداز کر دینا پڑا ہے۔

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں کہ مدینہ منورہ سے ہجرت کرنے سے پہلے مسلمانوں نے مکہ معظمہ میں جو زندگی بسر کی تھی وہ اسلام اور مسلمانوں کی مظلومیت اور مجبوری کی ایک مسلسل اور دردناک کہانی کی حیثیت رکھتی ہے مسلمانوں اور خود آنحضرت صلعم کو مظلومیت کی اسی زندگی سے تنگ آکر ترک وطن پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ لیکن مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ میں بھی چین سے رہنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ بلکہ انھوں نے نہ صرف مدینہ پر بار بار فوج کشی ہی کی تھی اور مسلمانوں کو جنگ بدر اور جنگ خندق لڑنے پر مجبور ہونا پڑا تھا بلکہ وہ جنگ خندق میں شکست کھانے کے بعد بھی مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتے رہے تھے۔

اس پس منظر میں جب مسلمانوں نے طاقت پکڑنے کے بعد پہلی مرتبہ جنگ کے لئے نہیں بلکہ صرف حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کرنے کی غرض سے مکہ جانا چاہا تھا تو اس امر کے باوجود کہ وہ اپنی فوجی قوت کے بل پر آسانی سے مکہ میں داخل ہو سکتے تھے جب مشرکین مکہ نے انھیں حج کے لئے بھی مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی اور ایک سال کے لئے مسلمانوں کے ساتھ صلح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو آنحضرت صلعم نہ صرف اس خواہش کو قبول فرمانے کے لئے راضی ہو گئے بلکہ آپ نے محض امن برقرار رکھنے کے لئے مشرکین مکہ کی ایسی شرائط کو بھی منظور فرما لیا تھا جو بظاہر مسلمانوں کی کمزوری اور دشمنان اسلام سے دبنے کی مترادف تھیں حالانکہ اس موقعہ پر آنحضرت صلعم اور مسلمان اپنی فوجی طاقت کی بنا پر آسانی سے مکہ میں داخل ہو سکتے تھے اور حج کر سکتے تھے۔ چونکہ حضور محترم خونریزی کو ناپسند فرماتے تھے اس لئے آپ نے مشرکین مکہ سے تصادم نہ ہونے دیا اور مسلمان حج کئے بغیر مدینہ واپس آ گئے۔

اور اس سے بھی بڑھ کر آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کی امن پسندی کا یہ شاہکار ہے کہ جب کچھ مدت کے بعد مسلمان ایک لشکر عظیم کیساتھ اس اپنے قدیم وطن مکہ میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے جہاں سے مشرکین مکہ نے انھیں جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا تھا تو حضور اکرم نے مکہ کے اپنے تمام مخالفوں اور دشمنوں کو پناہ دیدی۔ جنگ اور خونریزی تو درکنار کسی دشمن اسلام کو ایک خراش تک نہیں آئی۔ ان کی جانیں جائیدادیں سب محفوظ رہیں۔ اور وہی مشرکین مکہ جو مسلمانوں کو اذیتیں دیتے رہے تھے۔ ان پر بار بار حملے کرتے رہے تھے ان سب کو معافی مل گئی اور وہ امن و سکون سے زندگی گذارنے کے لئے مکہ میں آزاد چھوڑ دیئے گئے۔ صرف اس ایک واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام امن پسندی کا کتنا بڑا حامی ہے اور اسے جنگ اور خونریزی سے کس قدر نفرت ہے۔

آج دنیا کی سب ہی قوموں کے لئے امن کا سوال ایک اہم ترین اور بنیادی سوال بنا ہوا ہے۔ تباہکاری کے لئے نئے نئے وسائل دریافت کئے جا رہے ہیں جس سے پوری دنیا اور پوری نوع انسانی مستقبل کی تباہی کے بدترین خطرہ سے دوچار ہے۔ (باقی صفحہ ۲۹ پر)



تاریخ اسلام کا ایک ورق

جب فرانس پر اسلامی پرچم لہرایا گیا

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی حوصلہ مندی کی داستان

(از شوکت علی فہمی)

اللہ اللہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا کیا حوصلہ تھا کہ وہ کسی بڑے سے بڑے ملک کو بھی فتح کر لینا معمولی بات سمجھتے تھے چنانچہ ذیل کے مقالہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسپین کی فتح کے بعد جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ فرانس مسلمانوں سے اسپین کو چھیننے کی تیاریاں کر رہا ہے تو اُنھوں نے فرانس کی پیش قدمی سے پہلے ہی فرانس پر یورش کر دی اور فرانس کے ایک بڑے حصّہ کو فتح کرنے کے بعد اس ملک پر بھی اسلامی پرچم لہرا دیا اور فرانس کے بعد مسلمان دوسرے یورپین ممالک کی فتح کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ اچانک ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ دوسرے یوروپین ممالک کی فتح کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ ذیل میں فرانس کی فتح کے اسی واقعہ پر ہلکی سی روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

٭

یہ ۹۴ ہجری کا وہ زمانہ تھا جب طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر اسپین جیسے عظیم الشان اور دولت مند یورپ کے ملک کو فتح کر چکے تھے اور اسپین کی اچانک فتح نے پورے یورپ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسپین کی تسخیر کے موقعہ پر مسلمانوں نے اپنی حوصلہ مندی اور جرأت کا جو نمونہ پیش کیا تھا وہ بے مثال تھا۔ اور اہل یورپ کو پہلی مرتبہ پتہ چلا تھا کہ اسلامی تعلیمات نے مسلمانوں میں کس بلا کا فاتحانہ جوش پیدا کر دیا ہے۔

اسپین فرانس سے بالکل ملا ہوا تھا۔ اسپین کی فتح کے بعد اہل فرانس یہ سوچ رہے تھے کہ اب اُن کی باری ہے۔ اور اُن کے لئے اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ یورپ کی تمام بڑی بڑی عیسائی سلطنتوں کو اپنا ہمنوا بنا کر اسپین سے مسلمانوں کو نکالنے کے لئے متحدہ طور پر کوشش کریں۔ چنانچہ فوراً ہی یورپین ممالک سے نامہ و پیام شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے جرمنی۔ اٹلی۔ آسٹریا اور دوسرے یوروپین ممالک کی فوجیں مسلمانوں کے قبضہ سے اسپین کو نکالنے کے لئے فرانس میں آکر جمع ہو گئیں۔

اسپین کی سابقہ جنگ اور فتح کے بعد مسلمان تھک چکے تھے اور اُن کی فوجی طاقت میں بھی بڑی حد تک کمی آگئی تھی لیکن اس کے باوجود جب طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کو یہ معلوم ہوا کہ فرانس میں مختلف یوروپین ممالک کی فوجیں محض اسی مقصد کے لئے جمع ہو رہی ہیں تاکہ سب مل کر اپنی متحدہ طاقت سے مسلمانوں کو اسپین سے نکال دیں تو اُن کے لئے بھی اب واحد صورت یہی تھی کہ اسپین کی طرح فرانس کو بھی بتا دیں کہ مسلمان جس سرزمین پر بھی قدم رکھ دیتے ہیں وہ اللہ کے فضل سے اُن ہی کی سرزمین بن جاتی ہے اور وہاں سے فرزندانِ توحید کا نکالنا آسان نہیں۔

آخر طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے فوراً ہی اپنی منتشر فوج کو جمع کیا اور ایک مختصر سے لشکر کو لے کر یہ دونوں حوصلہ مند سردار جبل البرتات کی پہاڑیوں کو عبور کر کے اللہ کا نام لیکر فرانس کی سرحد میں داخل ہو گئے فرانس پہلے ہی سے تیار تھا فوراً ایک عظیم الشان عیسائی لشکر مقابلہ پر آگیا۔ عیسائیوں میں غیر معمولی جوش تھا کیونکہ اب اس لڑائی نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین مذہبی جنگ کی صورت

اختیار کر لی تھی۔ اس جنگ کو کامیاب بنانے میں عیسائی سپہ سالاروں سے زیادہ پادری حصّہ لے رہے تھے اور یہ پادری مذہب کے نام پر اپنے مقلدوں کو صرف جوش ہی نہیں دلا رہے تھے بلکہ اُنھیں حضرت مسیح کی خوشنودی اور جنت کی خوشخبری بھی سُنا رہے تھے۔

مسلمانوں کو شدید مزاحمت کا سامنا تھا۔ اُنھیں قدم قدم پر جوشیلے عیسائیوں سے مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ لیکن پھر بھی مسلمانوں کا اسلامی جوش اُنھیں آگے بڑھائے چلا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ مسلمان بڑھتے بڑھتے حصن سوڈان تک پہنچ گئے۔ حصن سوڈان فرانس کا ایک کلیدی مقام تھا۔ اور مسلمانوں کا اِس مقام پر قبضہ بہت بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ لیکن اس معرکہ میں مسلمانوں کو شدید جانی نقصان اُٹھانا پڑا۔ اُن کی فوج بہت مختصر رہ گئی اور اُنھیں مجبوراً اربونیہ کی طرف لوٹ کر خیمہ زن ہونا پڑا۔

مسلمان اِس وقت بڑی اُلجھن میں مبتلا تھے۔ نہ تو پسپائی ہی کا راستہ تھا اور نہ اتنی فوج ہی تھی کہ آگے بڑھ کر جارحانہ حملہ کر سکیں لیکن مسلمانوں کی خوش نصیبی کہ عین وقت پر اُن کی مدد کے لئے تازہ کمک آ گئی۔ کمک کا آنا تھا کہ اسلامی لشکر میں نئے سرے سے زندگی پیدا ہو گئی۔ اور اب مسلمانوں کی کیفیت یہ تھی کہ دشمن پر حملے کرتے چلے گئے اور جدھر بھی بڑھتے تھے فتح اور کامرانی اُن کے قدم چومتی تھی۔ اِس معرکہ میں مسلمانوں کو اگرچہ ہر محاذ پر شدید مقابلہ کرنا پڑا لیکن اس کے باوجود انھوں نے تقریباً ہر مورچہ پر عیسائیوں کو شکست دی اور مسلمان برابر آگے بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ انھوں نے جنوبی فرانس کا پورا علاقہ ایک سال سے بھی کم مدت میں فتح کر لیا۔ اب اُنھیں شمالی فرانس فتح کرنا تھا۔ لیکن شمالی فرانس میں چونکہ اِس زمانہ میں سردی بے حد پڑ رہی تھی اِس لئے طارق اور موسیٰ نے یہ طے کیا کہ سردیوں کا موسم گزر جانے کے بعد پہلے تو شمالی فرانس کو فتح کریں گے اور اُس کے بعد اٹلی اور بلقان کو فتح کرتے ہوئے قسطنطنیہ تک جا پہنچیں گے۔ لہٰذا دونوں سپہ سالار فرانس کا مفتوحہ علاقہ اپنے نائبوں کے سپرد کر کے پھر اسپین

واپس چلے گئے۔

خلیفہ ولید اِن فتوحات سے بے حد خوش تھا۔ لہٰذا یہ دونوں جوں ہی اسپین پہنچے تو اُنھیں خلیفہ کی جانب سے پیغام ملا کہ وہ فوراً دمشق آ کر تمام حالات سے اُسے مطلع کریں۔ ولید کا حکم ملتے ہی یہ دونوں بے اندازہ مال و خزانہ لے کر دمشق کی جانب روانہ ہو گئے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ یہ دونوں سپہ سالار جب مالِ غنیمت لے کر اسپین سے دمشق کی جانب روانہ ہوئے ہیں تو اِن کے ساتھ سونے اور چاندی کا انبار اور جواہرات کا ڈھیر تھا۔ اس کے علاوہ سلطنتِ اسپین کے ایسے نوادرات تھے جن کی قیمت کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ اسپین کے قدیم بادشاہوں کے چوبیس جواہرات سے مرصع تاج بھی مالِ غنیمت میں شامل تھے

یہ دونوں سپہ سالار ابھی راستہ ہی میں تھے کہ خلیفہ ولید اچانک سخت بیمار ہو گیا اور اُس کے بچنے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی۔ ولید کے بعد خلافت کا حق ولید کا بھائی سلیمان بن عبدالملک تھا جو خلیفہ ولید طارق اور موسیٰ بن نصیر کا شدید مخالف تھا وہ یہ چاہتا تھا کہ یہ دونوں ولید کے سامنے ولید کی زندگی میں نہ پہنچنے پائیں تاکہ اسپین کا وہ خزانہ جو یہ اپنے ساتھ لا رہے تھے ولید کی بجائے سلیمان کے ہاتھ لگے۔ لہٰذا سلیمان نے طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کو جبکہ وہ راستہ ہی میں تھے۔ ولید کی نازک حالت سے مطلع کرتے ہوئے ہدایت کر دی کہ وہ اُس وقت تک دمشق میں داخل نہ ہوں جب تک کہ اُنھیں اگلا حکم نہ ملے یعنی اُس وقت آئیں جب ولید کا کام تمام ہو چکے۔

موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد دونوں ہی کو خلیفہ ولید سے بے اندازہ محبت تھی جب اُنھیں معلوم ہوا کہ اُن کا خلیفہ شدید بیمار ہے تو وہ اُسے دیکھنے کے لئے بے چین ہو گئے وہ چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو خلیفہ ولید ہی کی زندگی میں اُس کی خدمت میں حاضر ہو جائیں لہٰذا سلیمان کی ہدایت کی پرواہ کئے بغیر یہ دونوں جب ولید کی زندگی ہی میں دمشق پہنچے تو سلیمان کو بے حد ناگوار ہوئی سلیمان اِس لئے بھی اِن کا دشمن تھا کہ کیونکہ اِن دونوں نے اُس کی ولیعہدی کی شدید مخالفت کی تھی اور اُس پر مستزاد یہ کہ اِن دونوں نے ہونے والے خلیفہ کے حکم کی خلاف ورزی

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

تاریخ ہند



شاہان ہند کا طریق حکمرانی

ہندوستان کا مسلم دورِ حکومت تاریخ کی روشنی میں

(ہمارے مورخ کے قلم سے)

ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات کو اُبھارنے کے لئے یہاں کا متعصب طبقہ شاہانِ ہند کو ظالم جابر اور غاصب ثابت کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ ذیل کا تاریخی مقالہ ایسے غلط پروپگنڈے کے جواب میں پیش کیا جا رہا ہے جس میں کہ یہ بتایا گیا ہے کہ شاہانِ ہند کا طرز حکومت کیا تھا اور انھوں نے اس ملک پر کیسی وسیع نظری کے ساتھ حکومت کی ہے۔ اُمید ہے کہ یہ مضمون جو تاریخ کی روشنی میں سپرد قلم کیا گیا ہے ہمارے ناظرین کے حلقہ میں پسند کیا جائے گا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے کا زمانہ آٹھویں صدی ہے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ لوگ جمہوریت اور رواداری کے تصور سے بھی آشنا نہیں تھے۔ حکومت کا عام طرز شخصی تھا۔ ہر حکمران کی زبان سے نکلا ہوا لفظ قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور مذہبی رواداری کا نام ونشان تک نہیں تھا۔

اس دور کی یورپین تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جو یوروپین حکمران دوسرے ممالک فتح کرتے تھے وہ مفتوحین کے ساتھ بے حد وحشیانہ سلوک کرتے تھے۔ انھوں نے مفتوحین کے لئے عیسائیت قبول کر لینے کو لازمی قرار دیدیا تھا اور جو لوگ تبدیل مذہب کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے انھیں موت کی سزا دی جاتی تھی۔ تعصب کا یہ عالم تھا کہ عیسائیوں میں بھی ایک فرقہ جو مخصوص عقائد کا حامل تھا۔ دوسرے عقائد کے عیسائیوں کو قابل گردنی سمجھتا تھا۔

یہ یاد رہے کہ اس وقت کے عیسائی فاتحین اختلاف مذہب کی بنا پر صرف لوگوں کو ہلاک کر دینے ہی کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ ان کے مکانات، کھیتیوں اور حیوانات کو بھی تباہ کر دینا کارِ خیر تصور کرتے تھے اور اس طرح یورپ کی سرزمین غیر عیسائیوں پر تنگ ہوگئی تھی۔ پھر اسی قدر نہیں بلکہ تبدیلِ مذہب کے بعد بھی محکوم قوموں کو فاتحین کا غلام تصور کیا جاتا تھا۔

ایک ایسے زمانہ میں جبکہ پوری دنیا مذہبی تعصب اور نسلی تنگ نظری میں مبتلا تھی، مسلمانوں نے ہندوستان میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہو کر مفتوحین کے ساتھ جس رواداری اور مساوات کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ اس زمانہ کے حالات کے اعتبار سے بے مثال ہے چنانچہ بنگال کے نامور اہل قلم جے سی چٹرجی فاتحین اسلام کی اس رواداری پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس بات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک ایسے زمانے میں جبکہ مذہبی تعصب عام تھا مسلم حکمرانوں نے ہندوستان میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد بڑی ہی فراخ دلی کا ثبوت دیا ہے۔ مسلم حکمرانوں کے دور حکومت میں مذہبی رواداری عام تھی۔ چنانچہ: راما نند۔ رام داس جیتا نیہ۔ گرو نانک غرضکہ تمام ہندو مصلحین مسلمانوں ہی کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے اور انھوں نے ہندو دھرم میں اصلاح کر کے اُسے اس ملک میں پھیلایا۔"

ہندستان میں مسلمانوں کے فاتحانہ داخلہ کا سلسلہ آٹھویں صدی عیسوی میں سندھ کی فتح سے شروع ہوا تھا۔ اس مہم کی سربراہی محمد بن قاسم نے کی تھی۔ لیکن سندھ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ لڑائی کے دوران جن ہندو مندروں یا غیر مسلموں کو نقصان پہنچا تھا۔ سرکاری خزانہ سے انھیں معاوضہ دلاکر یا مندروں کی مرمت کرا کے اُس نقصان کی تلافی کردی تھی۔

محمد بن قاسم کا دوسرا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ سندھ پر مسلمانوں کی حکومت کے قیام کے بعد اُس نے وہاں کے غیر مسلم باشندوں کو پوری مذہبی اور شہری آزادی دینے کے علاوہ سندھ کے برہمنوں کے سابقہ حقوق کو نہ صرف بحال ہی رکھا تھا بلکہ ممتاز ہندوؤں کو حکومت کے بہت سے اعلیٰ عہدوں پر بھی مقرر کردیا تھا اور سختی کے ساتھ مسلم حکام کو ہدایت کردی تھی کہ سندھ کے غیر مسلم باشندوں کی جان، مال، عزت اور جائیداد کا پوری طرح تحفظ کیا جائے اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیدیا تھا کہ اگر کسی غیر مسلم کے ساتھ کسی قسم کی بھی زیادتی ہوئی تو مسلم حکام کو سخت سزائیں دی جائیں گی۔

ہندوستان کے قدیم غیر مسلم باشندوں کے ساتھ مسلمانوں کی یہ رواداری اور وسیع نظری صرف محمد بن قاسم کے دورِ حکومت ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ محمد بن قاسم سے لیکر مغل خاندان کے آخری حکمران بہادر شاہ ظفر تک سب ہی مسلم حکمرانوں کا یہی فراخ دلانہ طرزِ عمل رہا ہے۔ کیونکہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی یہی [illegible] پالیسی تھی کہ وہ دوسرے مذاہب کا احترام کرتے تھے۔ مفتوحین کے ساتھ رواداری کا سلوک کرتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی مسلمانوں کے تقریباً ایک ہزار سالہ دورِ حکومت میں ایسے غیر مسلموں کے نام نظر آتے ہیں جو حکومت کے اعلیٰ انتظامی اور فوجی عہدوں پر مامور تھے۔ اور اس طویل مسلم دورِ حکومت میں کوئی ایک بھی مسلمان بادشاہ ایسا نہیں ہوا ہے جس کے عہدِ حکومت میں ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں کے حقوق کی پوری حفاظت نہ کی گئی ہو۔

ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کی رواداری کا تذکرہ کرتے ہوئے مشہور یوروپین مورخ پروفیسر آرنلڈ نے لکھا ہے کہ "مسلمان تقریباً ایک ہزار سال تک کُلّی یا جُزوی طور پر ہندستان کے حکمران رہے ہیں لیکن اُنھوں نے اِس ملک کے غیر مسلم باشندوں پر رواداری اور مساوات کے جس جذبہ کے ماتحت حکومت کی ہے یورپ کے کسی ملک میں بھی اُس کی مثال نہیں مل سکتی۔ شاہانِ ہند کی رواداری کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ جب تک مسلمان ہندوستان پر حکومت کرتے رہے اُن کی تعداد میں مشکل ہی سے تھوڑا بہت اضافہ ہو سکا وہ بھی مسلمان فقرا اور درویشوں کی بدولت ورنہ جہاں تک مسلمان بادشاہوں کا تعلق ہے انھوں نے لوگوں کو بالجبر مسلمان بنانا تو درکنار تبلیغِ اسلام پر بھی توجہ نہیں دی"۔

یوروپین مورخوں کے علاوہ ہندوستان کے ہندو مفکروں نے بھی ہندوستان کے مسلم دورِ حکومت کو رواداری کا بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ مسٹر مکندی لال بار ایٹ لا لکھتے ہیں "مسلم حکمرانوں نے ہندوستان میں جیسی بے تعصبی اور رواداری کا ثبوت دیا ہے اُسکی مثال اُس زمانہ کی تاریخ میں نایاب ہے مسلم دورِ حکومت میں ہندوستان میں سنسکرت زبان میں قومی اور مذہبی لٹریچر کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ تنگ نظر اور فرقہ پرستی کے جو واقعات اُس زمانہ میں ساری دنیا میں ہو رہے تھے ان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جب ہم اس زمانہ کے مسلمان بادشاہوں کی رواداری پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اسلامی دور کی قدر ہوتی ہے ہندوؤں کے آخری زمانہ کے بڑے بڑے مصلح رامانند، چیتن، کبیر اور گرونانک جنھوں نے ہندو قوم کی کایا پلٹ دی اسی مسلم دورِ حکومت میں پیدا ہوئے تھے اور مسلم حکومتوں نے ان کو اپنے عقائد کی تبلیغ کی پوری آزادی دے رکھی تھی۔"

ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی ہردلعزیزی اور رواداری کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ مسلم حکومتوں کے مضبوط کرنے میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ راجپوتوں اور دوسرے غیر مسلم فرقوں نے بڑی بے جگری کے ساتھ اپنا خون بہایا ہے واقعہ یہ ہے کہ شاہانِ ہند کی رواداری اور بے تعصبی نے یہاں کے باشندوں کے دلوں کو موہ لیا تھا اور اس ملک میں ایک ہزار سال تک مسلمانوں کے مختلف خاندانوں کی سلطنتوں کے قیام کا ایک بڑا باعث یہ تھا کہ یہاں کے غیر مسلم باشندے مسلم حکومتوں کو اپنی ہی حکومتیں خیال کرتے تھے کیونکہ مسلم حکومتوں میں اُن کے تمام حقوق بالکل محفوظ تھے۔



اسلام اور غیر مسلم

اسلام ایک امریکن مفکر کی نظر میں

پروفیسر گرین برگ کے اسلام کے بارے میں احساسات

(پروفیسر گرین برگ کے انگریزی مقالہ سے ماخوذ)

پروفیسر سیراللہ گرین برگ امریکہ کے ایک نامور مفکر ہیں۔ ان کا ایک طویل مقالہ پچھلے دنوں ایک انگریزی ماہنامہ میں شائع ہوا تھا۔ جس کا خلاصہ ناظرین دین دنیا کی معلومات کے لئے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اسلام کی جس خوبی نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ اسلام کی وسیع نظری ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسلام سے بڑھ کر دنیا کے کسی مذہب نے بھی تنگ نظری کے خلاف جہاد نہیں کیا ہے۔

تعصب اور تنگ نظری ایک ایسی بیماری ہے جو طلوع اسلام سے پہلے عام تھی۔ اور اس بیماری نے انسان کی فکری اور ذہنی صلاحیتوں کو تعمیر کی راہ سے ہٹا کر تخریب کی طرف ڈال دیا تھا۔ یہ وہ بیماری ہے جو قوموں کی اجتماعی ترقی کو مسدود کر کے رکھ دیتی ہے۔

اس بات سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام دنیا میں بنی نوع انسان کی تعمیری صلاحیتوں کو ابھارنے اور ترقی دینے کے لئے ظاہر ہوا تھا۔ اسی لئے اس نے تنگ نظری اور تعصب سے اپنی شدید بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ انسان کی تنگ نظری اور اس کے تعصب کی ابتدا اوّل تو اس کے احساس کمتری اور احساس برتری کے خیال پر مبنی ہوتی ہے اور دوسرے مذہبی کٹرپن بھی اسے متعصب اور تنگ نظر بنا دیتا ہے۔ اسلام نے تنگ نظری اور تعصب کی مخالفت کرتے ہوئے ان ہی دونوں اسباب کو مد نظر رکھا ہے اور انھیں دور کرنے کی نہایت ہی کامیاب کوشش کی ہے۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام کے ظہور سے پہلے بنی نوع انسان نسلی اور ملکی گروہوں میں منقسم تھا۔ ان میں سے بعض گروہ خود کو دوسروں سے افضل سمجھتے تھے اس لئے نسلی اور گروہی تعصب نے انھیں ایک دوسرے کا حریف اور دشمن بنا رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اسلام سے پہلے دنیا میں جن جن مذاہب کو عروج حاصل ہوا تھا ان میں سے کسی ایک مذہب نے بھی مذہبی رواداری کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی اور ان سب کے ماننے والے ایک دوسرے کے صرف دشمن ہی نہیں بنے رہے بلکہ اس دشمنی کو خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اپنی نجات کا موجب بھی یقین کرتے تھے چنانچہ ایک یوروپین مفکر نے ظہور اسلام سے قبل کی انسانی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:۔

”اسلام سے پہلے دنیا میں مذہبی تعصب عام تھا۔ اس زمانہ میں بنی نوع انسان کے درمیان ربط و تعلق کچھ ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اور اسی نسلی اور مذہبی تعصب کی بنا پر طویل قبائلی لڑائیاں جاری تھیں۔ اور اس زمانہ کے کسی ایک مذہب نے بھی اس بات پر توجہ نہیں دی تھی کہ جب تک انسان کے ذہن سے نسلی، ملکی اور مذہبی تنگ نظری کو دور نہیں کیا جائے گا کبھی اخلاقی اصلاح ممکن نہیں ہو سکتی۔ یہ کارنامہ صرف اسلام نے انجام دیا ہے چنانچہ اس کے پورے دینی اور دنیاوی نظام میں بے تعصبی سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔“

اسلام نے انسان کو تعصب اور تنگ نظری کی دلدل سے

نکالنے کے لئے جو بہت سے طریقے اختیار کئے تھے۔ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور اعلان بھی اُن طریقوں میں سے ایک نہایت ہی مؤثر طریقہ تھا۔ اُس نے خالقِ کائنات کے ایک ہونے کا اعلان کرکے بنی نوعِ انسان کے دل میں یہ احساس پیدا کیا تھا کہ جبکہ اِس پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے تو اِس کائنات کے سارے بندے خواہ وہ کسی رنگ اور نسل کے کیوں نہ ہوں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور پھر اِس حقیقت کی جانب بھی توجہ دلائی تھی کہ جس کائنات کو خدائے بزرگ نے پیدا کیا ہے اور بندوں کی پرورش کی ہے وہ انسانوں کے اعمال کے علاوہ اور کسی اور لحاظ سے اُن کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز نہیں رکھ سکتا۔ اِس لئے انسان کو نسل، رنگ اور وطن کے تعصبات سے بالاتر ہوکر رہنا چاہیئے۔ اسلام نے مجازی طور پر سب انسانوں کو خدا کا کنبہ قرار دیکر بھی اسی حقیقت پر زور دیا ہے کہ دُنیا میں جتنے بھی انسان ہیں وہ سب خدا کا کنبہ ہونے کے اعتبار سے برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

تنگ نظری اور تعصب کے خلاف اسلام کے اِس نظریہ کی روشنی میں جب ہم تاریخی حقائق پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اپنے معاشرہ کے علاوہ دُنیا کے دوسرے معاشرے بھی مسلمانوں کی رواداری کی اِس تعلیم سے متاثر ہوئے تھے۔ مسلمان جس ملک میں بھی گئے تھے اُنھوں نے وہاں اپنے وسیع نظری کے عمل سے اِس بات کا ثبوت بہم پہنچا دیا تھا کہ انسان غیر متعصب اور کشادہ نظر رہ کر ہی انفرادی اور اجتماعی طور پر زیادہ مطمئن اور متحد رہ سکتا ہے پھر اسلام نے غیر مبہم الفاظ میں رنگ نسل اور وطن کے تعصبات اور امتیازات کی مذمت کرکے واضح طور پر بھی اِس بُرائی سے اجتناب کرنے کی ترغیب دی تھی اور پھر یہ اعلان کرکے انسان کے احساس کمتری اور برتری کو دُور کر دیا تھا کہ "تمام انسان انسانیت کے رشتہ سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور اعمال کے علاوہ اور کسی نقطۂ نظر سے بھی اُن میں سے کسی کو بھی دوسروں پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔"

نسلی۔ قومی۔ اور وطنی تعصب کو اِس طرح ختم کردینے کے ساتھ ساتھ اسلام نے مذہبی تنگ نظری کو ختم کرنے کے لئے بھی نہایت مؤثر قدم اُٹھایا ہے۔ چنانچہ اُس نے صاف الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ "مذہب کے معاملہ میں کسی قسم کا بھی جبر نہیں کرنا چاہیئے۔ ہر شخص کو اپنا مذہب خود منتخب کرنے کا کامل اختیار ہونا چاہیئے۔ اور مذہب کے اختلاف کی بنا پر تعصب اور تنگ نظری سے کام نہیں لینا چاہیئے" پھر اسلام نے صرف اِسی ہدایت پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اُس نے مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ اُنھیں اسلام سے قبل کے تمام مذاہب، مذہبی داعیوں اور پیغمبروں کا پورا پورا احترام کرنا چاہیئے۔ گویا اس طرح اسلام نے تعصب اور مذہبی تنگ نظری کے تمام دروازے بند کردیے ہیں۔

اسلام کی بے تعصبی اور رواداری ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا اور اُس کی تاریخی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی گہرے مطالعہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس قدر جان لینا کافی ہے کہ مسلمان ایشیا۔ افریقہ اور یورپ کے بہت سے ملکوں پر حکومت کرتے رہے ہیں لیکن صدیوں تک برسرِ حکومت رہنے کے باوجود اُنھوں نے کسی ملک میں بھی نسلی یا مذہبی تنگ نظری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اُن کی حکومتوں میں ہر مذہب اور رنگ و نسل کے لوگوں کو کامل مذہبی، قانونی، لسانی، معاشرتی، معاشی اور اقتصادی آزادیاں حاصل رہی ہیں اور اُنھوں نے اپنی حکومت میں رہنے والی تمام قوموں کی تمام روایات نیز مذہبی اور غیر مذہبی رسوم کی پوری پوری حفاظت کی ہے اور یہ بات مسلمانوں کی ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ اُنھوں نے اپنے کسی مفتوحہ ملک میں بھی اپنی مذہبی اکثریت قائم کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی حتیٰ کہ اُن ملکوں میں بھی جو ظہورِ اسلام کے بعد سے اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں چلے آرہے ہیں۔ چنانچہ آج بھی مذہبی اقلیتیں ان مسلم ممالک میں موجود ہیں لیکن اُنھیں کسی قسم کی بھی کوئی شکایت نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ اسلام کسی صورت میں بھی مذہبی تعصب اور تنگ نظری کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اور یہ بات اسلام کی ایک ایسی امتیازی خصوصیت ہے جس سے کہ اس کا بدترین دشمن بھی انکار نہیں کرسکتا اور اسلام کی اِسی وسیع نظری

نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر اسلام کی یہ وسیع نظری عام ہو جائے تو دنیا کے آدھے سے زیادہ جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں۔

تعلیم القرآن

سلسلہ ص ۱۸

تو مجھے قید خانہ میں ڈال دے تاکہ یہ مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکیں اے میرے مالک اگر تو ان عورتوں کے فریب سے مجھے محفوظ نہیں رکھے گا تو مجھے اندیشہ ہے کہ نفسانی خواہش سے مغلوب ہو کر کہیں میں بھی ان کی جانب مائل نہ ہو جاؤں اور ایک ایسی جاہلانہ حرکت کر گذروں جو مجھے ناپسند ہے چنانچہ یوسف کے پروردگار نے انکی دعا قبول کر لی۔ اور انھیں عورتوں کے مکر و فریب سے بچا لیا۔ بے شک وہ سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ غرضکہ لوگوں نے اور خود عزیز مصر نے اگرچہ یوسف کی پاکدامنی کی مختلف نشانیاں دیکھ لی تھیں لیکن پھر انھوں نے مزید رسوائی اور بدنامی سے بچنے کے لئے، اسی میں مصلحت سمجھی کہ یوسف کو قید خانہ میں ڈال دیا۔

اسلامی افکار

سلسلہ ص ۲۲

اور اگر اس سوال کو حل نہ کیا گیا تو نہ جانے اس دنیا کا انجام کیا ہوگا ضرورت ہے کہ آج غلط طور پر اسلام کو امن کا مخالف قرار دینے اور تا ہے، کرنے کی بجائے اس کی امن پسند فطرت کو سمجھنے کی اور انسانی تاریخ میں اس کے امن پسندانہ کردار کے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے تاکہ اس سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا جا سکے یہ امر واقعہ ہے کہ اسلام سے بڑھ کر دنیا میں کسی مذہب نے بھی امن پسندی کی تعلیم نہیں دی۔ اور اس تعلیم پر آج بھی اگر عمل کیا جائے تو دنیا بڑی حد تک جنگ کی تباہ کاریوں سے بچ سکتی ہے۔

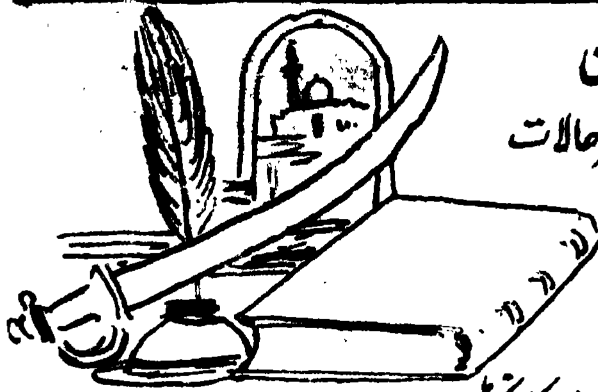
تاریخ اسلام کا ایک ورق

سلسلہ ص ۲۷

بھی لی تھی۔ اس لئے سلیمان اور بھی ان کا دشمن بن گیا۔

خلیفہ ولید۔ طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کی آمد کے چند روز بعد ہی فوت ہو گیا۔ اور سلیمان خلیفہ بن گیا۔ سلیمان نے خلیفہ ہونے کے بعد طرح طرح سے ان دونوں سے انتقام لینا شروع کیا۔ موسیٰ بن نصیر پر جھوٹے الزامات لگائے اور اس پر لاکھوں اشرفی کا جرمانہ کر کے اسے بالکل مفلس اور قلاش بنا دیا اور جیل خانہ میں ڈال دیا جہاں چند روز کے بعد ہی موسیٰ بن نصیر مار ڈالا گیا۔ اور طارق بن زیاد کو ایک دیہات میں نظربند کر دیا۔ اور اسپین کا گورنر موسیٰ بن نصیر کا بیٹا عبدالعزیز تھا جو فن سپہ گری میں اپنے باپ کا سچا جانشین تھا۔ لیکن سلیمان نے اسپین میں عبدالعزیز کو بھی قتل کرا دیا۔ اور اس طرح ایک ایک کر کے ان تمام لائق سپہ سالاروں کو ختم کر دیا جنھوں نے کہ اسپین کو فتح کیا تھا۔ اور اسپین کے بعد فرانس میں اسلام کا جھنڈا لہرایا تھا۔ اور جن کے ارادے یہ تھے کہ فرانس۔ اٹلی۔ اور بلقان کی فتح کے بعد پورے یورپ کو فتح کر کے وہاں اللہ کا نام بلند کر دیں۔ آخر نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ تو کیا فتح ہوتا، فرانس بھی چند روز کے بعد مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔

سب ہی مورخوں کی رائے ہے کہ اگر خلیفہ سلیمان نے ذاتی عناد کی بنا پر موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور خلیفہ ولید کے زمانہ کے دوسرے مایہ ناز سپہ سالاروں کا خاتمہ نہ کر دیا ہوتا تو آج پورے یورپ پر اسلام کا پرچم لہرا رہا ہوتا۔ ولید کے مایہ ناز سپہ سالاروں کے بارے میں مورخوں کی یہ رائے ہے کہ اگر انھیں اپنی فتوحات کے جوہر دکھانے کے لئے مزید دو تین سال اور مل گئے ہوتے تو شاید مملکت اسلامیہ پوری دنیا پر حاوی ہو جاتی مگر مسلمانوں کی بدقسمتی کہ خلیفہ سلیمان نے چن چن کر ان تمام لائق سپہ سالاروں کو ختم کر دیا۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین

اور سینکڑوں شاہانِ اسلام کی فتوحات اور زندگیوں کے ولولہ انگیز حالات

مکمل تاریخ اسلام

عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی تاریخوں کے پچاس ہزار صفحات کا نچوڑ

(از مفتی شوکت علی فہمی)

یہ تاریخ نہیں ہے بلکہ سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ ایک ہزار صفحات کی یہ عظیم الشان تاریخ عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کی مستند تاریخوں کے پچاس ہزار صفحات کا نچوڑ ہے۔ اس عظیم الشان تاریخ کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کس طرح ساری دنیا پر چھا گیا۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور شاہانِ اسلام نے مختصر سے عرصے میں کا فروں اور مشرکین کی بڑی سے بڑی سلطنتوں کو فتح کر کے دنیا کے بیشتر حصہ پر کس طرح اسلامی حکومت قائم کر دی تھی۔

یہ عظیم الشان تاریخ چودہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کا ہر باب اپنی جگہ پر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر دورِ آخر تک کی تمام اسلامی حکومتوں کی یہ مکمل تاریخ چودہ ابواب میں یکجا طور پر پیش کر دی گئی ہے چنانچہ اس میں حکومتِ اسلامیہ کے بانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحِ مبارک اور جنگی کارنامے موجود ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمر فاروق رضؓ حضرت عثمان غنی رضؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسن یعنی خلفائے راشدین کے دورِ خلافت کے مکمل حالات درج ہیں اور خلفائے بنی امیہ اور خلفائے بنو عباس کی پوری تاریخ موجود ہے اس کے علاوہ عرب، عراق، ایران، شام، فلسطین، افریقہ، روم، ترکستان، اسپین اور دنیائے اسلام کی سینکڑوں حکومتوں کا تذکرہ موجود ہے یہاں تک کہ ہندستان کے مسلم فرمانرواؤں کے بھی حالات درج ہیں۔

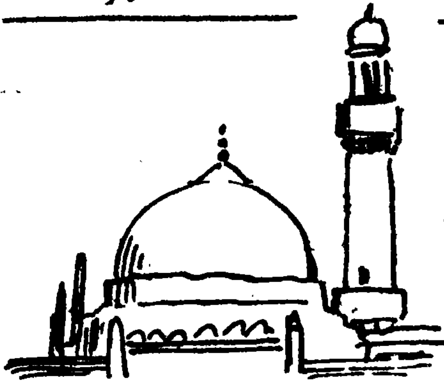
یہ تاریخ مندرجۂ ذیل چودہ ابواب پر مشتمل ہے

- پہلا باب۔ حکومتِ اسلامیہ کے بانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحِ مبارک
- دوسرا باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی سرگرمیاں اور فتوحات
- تیسرا باب۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا عہدِ حکومت اور فتوحات
- چوتھا باب۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کا دورِ حکومت اور فتوحات
- پانچواں باب۔ حضرت عثمان غنی رضؓ کا عہدِ حکومت اور فتوحات
- چھٹا باب۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا دورِ حکومت اور فتوحات
- ساتواں باب۔ امیر معاویہ اور خلفائے بنی امیہ کا عہدِ حکومت اور فتوحات
- آٹھواں باب۔ خلفائے بنو عباس کا طویل دورِ حکومت
- نواں باب۔ اسپین اور یورپ کی اسلامی حکومتیں
- دسواں باب۔ مراکش، ٹیونس، الجزائر اور افریقہ کی اسلامی حکومتیں۔
- گیارہواں باب۔ مصر، شام کی اسلامی حکومتیں، غازی صلاح الدین ایوبی کی صلیبی جنگیں۔
- بارہواں باب۔ ایران، افغانستان اور ماوراء النہر کی اسلامی حکومتیں
- تیرہواں باب۔ شاہانِ سلجوق اور سلاطینِ ترکیہ کا دورِ حکومت
- چودہواں باب۔ ہندستان کی خود مختار اسلامی سلطنتوں کی مختصر تاریخ

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی مکمل اور جامع تاریخ ہے جو اب تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوئی تھی۔ اندازِ تحریر ناول کی طرح عام فہم اور دلکش۔ صفحات تقریباً ایک ہزار۔ کاغذ سفید نہایت اعلیٰ۔ رنگین ٹائٹل۔ اگر ناپسند ہو تو قیمت واپس منگالیں۔ جدید ایڈیشن حال ہی میں طبع ہوا ہے۔

چودہ (۱۴) ابواب کی مکمل اور مجلد تاریخ مع خوشنما ڈسٹ کور صرف سولہ روپے پچاس پیسے

دینی دنیا پبلشنگ کمپنی جامع مسجد دہلی



اسلام بہترین سوشل نظام ہے

بگڑی ہوئی دنیا کی اصلاح میں اسلام کا حصہ ہے

(ہمارے مفکر کے قلم سے)

اسلام جس وقت جلوہ گر ہوا ہے دُنیا کی اخلاقی حالت بُری طرح بگڑی ہوئی تھی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اسلام نے سوسائٹی کی بگڑی ہوئی حالت کو سُدھارنے میں نہایت ہی اہم رُول ادا کیا ہے۔ اور یہ اسلام کا دُنیا پر اتنا بڑا احسان ہے جسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا

اخلاق اور کردار کی بلندی اور پستی ہی ایسی چیزیں ہیں جن سے کہ قومیں بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اور اسلام چونکہ دینِ فطرت ہونے کی بنا پر اِس راز سے واقف تھا۔ اِس لئے اُس نے عوام کے کردار اور اخلاق کو اُبھارنے میں اور اُسے بُرائیوں سے بچانے میں نمایاں حصّہ لیا ہے۔

سب ہی کو معلوم ہے کہ "انسانیت" کو اپنی موجودہ منزل تک پہنچنے کیلئے بہت سے اجتماعی نظاموں سے واسطہ پڑا ہے لیکن یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ اسلامی سوسائٹی کا نظام تمام سابقہ نظاموں میں ایک انفرادی اور امتیازی شان رکھتا ہے۔ اور اس نے دُنیا کی بگڑی ہوئی اخلاقی حالت کو سُدھارنے میں بہت زیادہ حصّہ لیا ہے۔

اسلامی سماج یا سوسائٹی کی بُنیاد اخلاقِ حسنہ پر رکھی گئی ہے اور چونکہ اخلاق بُرائیوں کی اجازت نہیں دیتا اس لئے اسلامی سوسائٹی بُنیادی طور پر ایک پاکیزہ سوسائٹی کی حیثیت رکھتی ہے اور اسلام نے صرف اپنی تعلیمات ہی کے ذریعہ سوسائٹی کی اصلاح کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ اُس نے ایک پوری کی پوری جماعت ایسی پیدا کر دی تھی جو اعلیٰ اخلاق اور کردار کا نمونہ تھی اور جن کو دیکھ کر صرف مسلمانوں ہی کی اصلاح نہیں ہوتی ہے بلکہ دوسری قوموں نے بھی

اُن سے اخلاقی پاکیزگی اور خدمتِ خلق کا سبق لیا ہے اور یہ جماعت صحابۂ کرامؓ کی تھی۔ جن میں سے ہر فرد اخلاق اور انسانیت کا بہترین نمونہ تھا اور جن کی خود رسولِ محترم نے تربیت فرمائی تھی۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر توجہ اس بات پر مبذول تھی کہ وہ عوام کے اخلاق کی اصلاح فرمائیں چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میں یمن کو جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "معاذ! لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنے خلق کو اچھا بناؤ کیونکہ نیک ترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تم جانتے ہو کہ کیا چیز داخل کرتی ہے انسان کو جنت میں وہ تقویٰ اور حسنِ خلق ہے اور کیا تم جانتے ہو کہ کیا چیز داخل کرتی ہے آدمی کو جہنم میں وہ بدکلامی اور بدکاری ہے"

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوذر میں تمہیں دو ایسی باتیں بتاؤں جو بظاہر نہایت معمولی اور ہلکی ہیں لیکن اعمال کی ترازو میں بہت بھاری ہیں یہ دو باتیں خاموشی اور خوش خلقی ہے قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ

میں میری جان ہے ان دو خصلتوں سے بہتر مخلوق کے لئے کوئی کام نہیں۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" حیا ایمان کا ایک جزو ہے اور ایماندار جنت میں جائے گا۔ اور بے حیائی ایک قسم کی بدی ہے جو دوزخ میں لے جائے گی۔" غرضیکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق و کردار کی اصلاح پر سب سے زیادہ زور دیا تھا۔ اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ حضورؐ کی تربیت کی بدولت ایک ایسی پوری کی پوری جماعت تیار ہو گئی تھی جو اعلیٰ اخلاق اور کردار کا بہترین نمونہ تھی۔

مختصر یہ کہ اسلام نے ایک ایسا سماج بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ جو اخلاق اور انسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا۔ کسی سماج کی کامیابی اور استحکام کے لئے یہ بات بھی بے حد ضروری ہے کہ اس کا ہر فرد باکار اور ہنر مند ہو۔ اور جو لوگ کسی وجہ سے بے کار رہنے پر مجبور ہو جائیں تو سماج کے دوسرے افراد انہیں ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے بچا کر ان کی خودداری اور عزتِ نفس کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کریں۔ چنانچہ بیت المال کے قیام کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ اس کے ذریعہ سماج کے ایسے عناصر کو جو کسی مجبوری کے باعث مالی مشکلات میں مبتلا ہو گئے ہوں۔ انہیں بیت المال سے امداد دی جائے اور انھیں اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکیں۔ اور اس کے ساتھ ہی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے سماج کے افراد کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ معاش کے لئے جدوجہد کرنے میں ہرگز کوتاہی سے کام نہ لیں

ایک حدیث ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کوشش کرے گا اسے کوشش کا پھل ضرور ملے گا۔ اور ہر کوشش کرنے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے۔" اور ایک دوسری حدیث ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے کوشش کرنا فرض قرار دے دیا ہے۔" اسی طرح ایک اور حدیث ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنی روزی کی تلاش سے غافل ہو کر سونے نہ رہو۔" یعنی لوگوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ معاش کے لئے جدوجہد میں برابر مصروف رہیں۔

پھر اسلام نے سرمایہ داروں کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے سرمایہ کو بے کار جمع نہ کریں۔ بلکہ اسے مفید کاموں میں لگائیں یا ضرورت مندوں کی اپنے سرمایہ سے ضرورتیں پوری کریں۔ حضور اس بات کو سخت ناپسند فرماتے تھے کہ خوشحال مسلم طبقہ دولت جمع کرے یا جائیدادیں بنائے بلکہ حضورؐ یہ چاہتے تھے کہ دولت مندوں کا سرمایہ یا تو غریبوں کے کام آئے یا نیک کاموں میں صرف ہو۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کعبہ کے سائے میں آرام فرماتے تھے مجھے دیکھ کر فرمایا قسم ہے پروردگار کعبہ کی وہ لوگ بڑے ٹوٹے میں ہیں میں نے عرض کیا وہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا، مال کو زیادہ جمع کرنے والے مگر وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو نیک کاموں میں صرف کرنے کے لئے مال جمع کرتے ہیں۔"

اسلام کا منشا اور مقصد یہ ہے کہ وہ ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس کے افراد ہر قسم کی اخلاقی برائیوں سے پاک ہوں ان کی تمام تر کوشش یہ ہو کہ وہ دوسروں کے کام آئیں مجبوروں اور کمزوروں کو ان سے مدد ملے۔ اس کے علاوہ ہمارے زمانے کی ایک اہم ضرورت یہ بھی ہے کہ ایک مکمل اور ممتاز معاشرہ کو عالمگیر معاشرہ ہونا چاہیئے۔ اور یہ خوبی صرف اسلامی معاشرہ ہی میں پائی جاتی ہے۔

اسلامی معاشرہ کی بنیاد قوم، نسل اور مذہبی تعصب اور تنگ نظری پر نہیں رکھی گئی ہے۔ بلکہ اسلامی سوسائٹی اسلامی مساوات کے اصول پر قائم ہے۔ رنگ، نسل یا زبان کا اختلاف کسی انسان کو اسلامی سوسائٹی میں شامل ہونے سے نہیں روکتا اور دنیا کی ہر نسل اور قوم کو اس سوسائٹی میں مساوی درجہ حاصل ہے۔ حتیٰ کہ اسلامی سماج میں مسلم اور غیر مسلم کا بھی امتیاز موجود نہیں ہے۔

اسلامی سوسائٹی کی یہی وہ خصوصیات ہیں جن پر عمل کر کے مسلمانوں نے ظہورِ اسلام کے بعد چند سال کی مختصر سی مدت میں ان بڑے بڑے ممالک کو زیر کر لیا تھا۔ جب کہ سماج اسلامی سماج جیسی رواداری اور وسعتِ نظر سے محروم تھے اور اپنی انہی سماجی خصوصیات کی بنا پر مسلم قوم نے زندگی کے ہر شعبہ میں وہ ترقیاں کی تھیں جو بے مثال ہیں۔



خلفاء حق کے سامنے گردن جھکا دیتے تھے

خلفائے اسلام کے عہد میں عدل و انصاف کے واقعات

(از جناب عبدالرؤف عثمانی)

خلفائے اسلام کے عہدِ حکومت میں انصاف حاصل کرنے کے لئے نہ تو بھاری رقوم صرف کرنی پڑتی تھیں نہ عدالتوں کی برسوں خاک چھاننی پڑتی تھی۔ اور نہ اس بات کا شبہ کیا جاسکتا تھا کہ کسی کے ساتھ ناانصافی کی جائے گی بلکہ اکثر اوقات خود خلفائے اسلام کو بھی عام شہریوں کی طرح عدالت کے کٹہرے میں لاکر کھڑا کر دیا جاتا تھا چنانچہ ذیل کے مقالہ میں تاریخ اسلام سے چند ایسے واقعات پیش کئے جا رہے ہیں جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خلفائے اسلام کا دورِ حکومت انصاف کے معاملہ میں کس طرح مخلوقِ خدا کے لئے ایک رحمت تھا

خلفائے اسلام نے اپنے زرّیں عہدِ حکومت میں غیر جانبدارانہ انصاف کی جو شاندار مثالیں پیش کی ہیں دنیا کی پوری تاریخ میں اُن کی نظیر نہیں ملتی۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے انصاف کے لئے صرف اصول ہی نہیں بنائے تھے بلکہ اُصول کو عملی شکل دینے کے لئے نہایت جامع قوانین بھی مرتب کئے تھے جو بڑی سختی سے عمل در آمد ہوتا رہا ہے چنانچہ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ عدل او ر انصاف کے معاملہ میں قاضی بالکل آزاد اور خود مختار ہوتے تھے۔ اُن کے فیصلوں میں امیر و غریب اور مسلم و غیر مسلم کے درمیان کوئی امتیاز نہیں پایا جاتا تھا اور وہ انصاف کے معاملہ میں خلفاء اور سلاطینِ وقت کی شخصیت سے بھی مرعوب نہیں ہوتے تھے بلکہ انصاف کی خاطر اُن کے خلاف بھی فیصلہ دیدیتے تھے۔

اسلام کے قانونِ عدل کی برتری آج ایک مسلمہ حقیقت تسلیم کی جاچکی ہے۔ چنانچہ دنیا کی تمام ترقی یافتہ قوموں نے اپنے قوانین عدل میں اسلام کے قوانین عدل سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن اس بات کا جائزہ لینے کے لئے اسلام کا یہ بے مثال قانون عدل صرف کتابی نہیں ہے اور خود مسلمانوں نے اس پر کس حد تک عمل کیا ہے ہمیں تاریخ سے مدد لینی ہوگی۔

اسلام کے قانونِ عدل کے نفاذ اور اُس کی آزمائش کا زمانہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضؓ کے دورِ خلافت میں اُس وقت سے شروع ہوتا ہے جب اسلامی مملکت دُور دُور تک پھیل چکی تھی اور اُس کے دائرۂ اثر میں بہت سی ایسی قومیں شامل ہوگئی تھیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت سے لیکر آج تک اسلام کا یہ قانون عدل کسی قسم کا خارجی اثر قبول کئے بغیر پوری قوت کے ساتھ اپنا کام کرتا رہا تھا۔

خلافتِ راشدہ کا دور جو اسلامی حکومت کا سُنہری دور ہے اُس دور میں اِس قانون پر جس سختی اور کامیابی سے عمل ہوتا رہا ہے۔ وہ تو سب ہی پر روشن ہے اِس لئے یہاں اُس پر روشنی ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن اُس دور کے بعد کے واقعات بھی اس بات کا بیّن ثبوت پیش کرتے ہیں کہ یہ قانون تقریباً ہر دور میں جاری رہا ہے

اس سلسلے میں عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے بصرہ کے قاضی سوار بن عبداللہ کو لکھا کہ "تمہاری عدالت میں فلاں سے متعلق ایک سوداگر کا مقدمہ ہے

جیسں کا جو مقدمہ زیر غور ہے اُس کا فیصلہ ہمارے سائیس کے حق میں ہونا چاہیے"
لیکن خلیفہ منصور عباسی کو قاضی صاحب کی طرف سے اپنے اِس خط کا یہ جواب ملا کہ "میرے سامنے جو شہادتیں پیش ہوئی ہیں چونکہ سوداگر کے حق میں ہیں اس لئے میں شاہی سائیس کے حق میں شہادتوں کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتا" یہ جواب پڑھ کر خلیفہ بے حد خوش ہوا اور کہا کہ "میں نے روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیا ہے مجھے فخر ہے کہ میرے ہی مقرر کردہ قاضی انصاف کی خاطر میری سفارش کو بھی نظر میں نہیں لاتے"

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اسی خلیفہ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ نے ایک ایسے قاضی کو دربار میں بلایا جس کے بارے میں ایک مقدمہ میں جانب داری کی شکایت کی گئی تھی۔ ابھی خلیفہ نے قاضی سے اصل معاملہ کے سلسلہ میں بات چیت شروع بھی نہیں کی تھی کہ خلیفہ کو چھینک آئی لیکن قاضی نے حسب دستور "یرحمک اللہ" نہیں کہا اور جب خلیفہ نے اس کی وجہ دریافت کی تو قاضی نے جواب دیا کہ "چونکہ آپ نے الحمدللہ نہیں کہا تھا اس لئے میں بھی خاموش رہا" خلیفہ نے کہا "میں نے دل ہی دل میں الحمدللہ کہہ لیا تھا" اس پر قاضی نے جواب دیا کہ "میں نے بھی دل ہی دل میں یرحمک اللہ کہہ لیا تھا" یہ جواب سن کر خلیفہ نے کہا۔ آپ اپنے علاقہ میں واپس جائیں اور اپنے فرائض انجام دیں آپ کے بارے میں جانبداری کی شکایت مجھے ملی تھی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص خلیفہ وقت ہی کی رعایت نہیں کر سکتا اُس سے کسی مقدمہ میں جانبداری سے کام لینے کی توقع نہیں کی جا سکتی"

خلیفہ منصور ہی کے زمانہ میں محمد بن عمران مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب خلیفہ منصور مدینہ منورہ آیا ہوا تھا تو چند شتربانوں نے اُس کے خلاف قاضی کی عدالت میں ایک مقدمہ دائر کیا۔ اور قاضی نے اپنے پیشکار ضمیر مدنی کو خلیفہ کے نام عدالت میں حاضر ہونے کی ہدایت کی لیکن جب پیشکار نے خلیفہ کے خوف سے یہ حکمنامہ جاری کرنے سے معذوری کا اظہار کیا تو قاضی محمد بن عمران نے خود حکمنامہ کی عبارت لکھی اور اُس پر اپنی مہر لگانے کے بعد پیشکار کو حکم دیا کہ وہ خود میرے اس حکم کو خلیفہ کے پاس لے کر جائے۔ چنانچہ جب پیشکار یہ حکمنامہ لیکر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو خلیفہ نے بخوشی اس حکمنامہ پر دستخط کر دئے۔

ضمیر مدنی کا بیان ہے کہ امیر المومنین اسی وقت میرے ساتھ چلے آئے اور جب وہ عدالت میں پہنچے تو قاضی نہ صرف اپنی جگہ بیٹھے رہے بلکہ انھوں نے

اپنے چہرے کو اور بھی پھیلا لیا اِس کے بعد تاریخ مقررہ پر مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ خلیفہ کے خلاف دعویٰ یہ تھا کہ اُس کے آدمیوں نے کسی معاوضہ کے بغیر شتربانوں کے اونٹ لے لئے تھے۔ شہادتیں چونکہ خلیفہ اور اُس کے آدمیوں کے خلاف تھیں اس لئے قاضی نے خلیفہ کے خلاف فیصلہ دے دیا اپنے خلاف فیصلہ سننے کے بعد خلیفہ کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے "اللہ تعالیٰ تمہیں اس انصاف کا اجر دے" اور خلیفہ نے خوش ہو کر قاضی کو دس ہزار دینار بطور انعام دئے

ایک شخص نے خلیفہ مہدی عباسی سے کہا "امیر المومنین اگر کسی شخص پر ظلم ہوتا ہے تو مظلوم آپ کی خدمت حاضر ہو کر دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور انصاف پا سکتا ہے لیکن اگر کسی شخص کو خود آپ ہی کے خلاف شکایت ہو تو وہ کہاں جائے۔ مجھے آپ کے خلاف دعویٰ کرنا ہے اگر آپ فرمائیں تو میں اُسے پیش کر دوں ورنہ میں روز قیامت کا انتظار کرتا رہوں گا" خلیفہ نے جواب دیا کہ "اگرچہ ہمارے سامنے وزرا اور امرا کے سر خم ہوتے ہیں لیکن شریعت کے سامنے ہم بھی گردن جھکا دیتے ہیں۔ اس لئے تمہارا دعویٰ دنیا ہی میں سنا جائے گا اور کسی قسم کی طرفداری کے بغیر انشا اللہ اُس کا فیصلہ بھی شریعت ہی کے مطابق ہوگا۔ اِس کے بعد امیر المومنین اُس شخص کو ساتھ لے کر عدالت میں گئے اور قاضی کے روبرو دعویٰ پیش کرنے کے لئے کہا۔ قاضی نے مدعی کا دعویٰ سنا۔ امیر المومنین نے جواب دہی کی۔ لیکن قاضی نے فیصلہ مدعی کے حق میں صادر کر دیا۔ امیر المومنین نے قاضی کے فیصلہ کے روبرو گردن جھکا دی۔

دنیا میں نوشیرواں کے عدل کی داستانیں بھی مشہور ہیں لیکن نوشیرواں کا عدل صرف اس کی ذات تک محدود رہا لیکن اسلام نے عدل و انصاف کا ایک ایسا ضابطہ بنا دیا ہے۔ جس سے انحراف کوئی مسلمان حکمراں کبھی بھی نہیں کر سکتا ہے۔ خلفائے راشدین سے لیکر اس وقت تک یہ ضابطۂ عدل اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ آج بھی موجود ہے اور اس سے دنیا نے بہت کچھ سیکھا ہے۔



"میں کفر کو دنیا سے مٹا دوں گی"

اسلام کی بہادر بیٹی "عاتکہ بنت ہاشم" کا نعرہ جہاد

(از شوکت علی فہمی)

اُس قوم اور اُس مذہب کی سربلندی میں بھلا کیسے شبہ ہو سکتا ہے جس کے صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی سرفروشی اور جانبازی میں مردوں کے دوش بدوش دکھائی دیں۔ ذیل میں ہم اسلام کی ایک بہادر بیٹی "عاتکہ بنت ہاشم" کی حوصلہ مندی کے واقعات سپرد قلم کر رہے ہیں۔ جن سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کے پرچم کو سربلند کرنے میں خواتین اسلام کا کتنا بڑا حصہ ہے۔ یہ ولولہ انگیز واقعات محض مسلمانوں میں حوصلہ بڑھانے کے لئے پیش کئے جا رہے ہیں۔

"عاتکہ بنت ہاشم" عرب کے قبیلۂ اسد کے سردار "ہاشم بن علی" کی وہ بیٹی ہے جس کے مجاہدانہ کارناموں پر مسلمان قوم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ عاتکہ عین عالم شباب ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ اور اُن کے محبوب شوہر "مسلم بن نعمان" شام کے ایک محاذ پر رومیوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔

یہ دولت مند باپ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ حسن و جمال میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ بیوہ ہونے کے بعد عرب کے بڑے بڑے سرداروں نے اُن سے نکاح کرنے کی خواہش کی لیکن انھوں نے جواب دیا کہ "شوہر کی شہادت کے بعد میری زندگی اسلام کے لئے وقف ہو چکی ہے جس مشن کو میرے مرحوم شوہر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا سکے ہیں۔ میں اُسے پورا کروں گی اور اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گی جب تک کہ میں کفر و شرک کی لعنت کو دنیا سے مٹا کر نہ رکھ دوں گی"

غرضیکہ اِس جانباز اور حوصلہ مند خاتون نے اپنی جوانی۔ اپنا عیش اور اپنا آرام سب کچھ اسلام پہ قربان کر دیا تھا۔ وہ جوان تھیں۔ اور خوبصورت تھیں۔ اور دولتمند بھی تھیں۔ وہ اگر چاہتیں تو نکاح ثانی کے بعد بڑے عیش و آرام کی زندگی بسر کر سکتی تھیں۔ لیکن ہر قسم کے آرام اور سکھ کو خیرباد کہنے کے بعد وہ مجاہدین اسلام کے ساتھ شام اور ایران میں دوڑی دوڑی پھرتی تھیں مجاہدوں کی خدمات انجام دیتی تھیں۔ اور جب ضرورت پڑتی تھی تو تلوار لے کر بھی میدان کارزار میں کود پڑتی تھیں۔

ظہور اسلام کے بعد شام کے رومیوں اور ایران کے آتش پرستوں نے اسلام کو اپنے لئے بہت بڑا خطرہ تصور کر لیا تھا اس لئے ملک عرب پر سلطنت روما اور سلطنت ایران دونوں کی یورشیں شروع ہو گئی تھیں۔ اِن حالات و واقعات نے عربوں کو اس بات کے لئے مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنی قوم کی عورتوں اور لڑکیوں کو بھی فنون جنگ کی تربیت دیں تاکہ جب عرب میدان کارزار میں اپنے گھروں سے دور رہیں تو یہ عرب عورتیں تلوار لے کر اپنے گھروں اور اپنی آبرو کی حفاظت کر سکیں۔

اِسی مقصد کے تحت عاتکہ کے والد نے عاتکہ کو نہایت ہی اعلیٰ پیمانہ پر جنگ کی تربیت دی تھی اور اسی تربیت کی بنا پر بیوہ ہونے کے بعد عاتکہ میدان کارزار میں نکل آئی تھیں۔

عاتکہ یوں تو اپنے والد ہاشم بن اسد اور عرب کے نامور سپہ سالار عدی بن سہیل کے ہمراہ بہت سے معرکوں میں شریک ہو چکی تھیں لیکن صحیح معنوں میں اُن کی رزمیہ زندگی کا آغاز ۲۳ھ ہجری سے شروع ہوا۔ جبکہ وہ اپنے ماموں عدی بن سہیل کے ساتھ ایران کے

آتش پرستوں کے مقابلہ پر صف آرا تھیں۔ یہ زمانہ حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کا آخری دور تھا جبکہ ایران کے آتش پرستوں نے اصفہان خراسان اور سابور میں مجتمع ہو کر اسلام کے خلاف ایک نہایت ہی مضبوط محاذ قائم کر لیا تھا۔

۷ ربیع الاول ۲۱ ہجری کو آتش پرستوں نے پوری طاقت سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ اسلامی لشکر کے قدم ڈگمگانے لگے عاتکہ کے ماموں عدی بن سہیل اس معرکہ میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے۔ وہ بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ آتش پرستوں کے سیلاب کا مقابلہ کر رہے تھے کہ اچانک آتش پرستوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ عاتکہ نے جب یہ دیکھا کہ اُن کے ماموں کی زندگی خطرہ میں ہے تو وہ تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے اور گھوڑے کو ایڑ لگاتی ہوئی اُن کی مدد کے لئے پہنچ گئیں اور ایسی جرأت اور تیزی کے ساتھ آتش پرستوں پر حملہ کیا کہ اُن کی صفوں میں زلزلہ پیدا ہو گیا۔

ادھر عرب سپاہیوں نے جب دیکھا کہ ایک حسین وجمیل اور نوعمر عورت اسلام کے لئے جان کی بازی لگائے ہوئے ہے تو اُن کی غیرت اسلامی بھی جوش میں آگئی اور اس کے بعد ایسی گھمسان کی جنگ چھڑی کہ پورا میدان کارزار انسانی خون میں رنگ گیا۔ ادھر عاتکہ کی حالت یہ تھی کہ وہ نتیجہ سے بے پرواہ ہو کر دشمن کی صفوں کی جانب بجلی کی سرعت سے بڑھ رہی تھیں اور اُن کی تلوار قہر بن کر دشمنوں پر اپنا کام کر رہی تھی۔ اسی معرکہ کے دوران جب عاتکہ کا گھوڑا زخمی ہو کر گرا تو عاتکہ نے گھوڑے سے کود کر ایک ایرانی سوار پر حملہ کیا۔ یہ سوار زمین پر آ رہا اور عاتکہ نے اُس کے گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد پھر دشمن کی صفوں میں ہلچل برپا کر دی۔ آخر نتیجہ یہ نکلا کہ آفتاب کے غروب ہونے سے قبل ہی ایرانیوں کو شکست ہو گئی اور عاتکہ کی ہمت اور جرأت نے میدان جیت لیا۔

[illegible] ماموں عدی بن سہیل یوں تو پہلے ہی سے عاتکہ کی ہمت اور جرأت سے واقف تھے لیکن اس معرکہ میں عاتکہ نے جس ہوشمندی کے ساتھ فوج کی قیادت کی تھی اور اپنی جانبازی کا ثبوت دیا تھا اُس نے سپہ سالار اسلام کو یہ بتا دیا کہ عاتکہ ایک بہادر سپاہی ہونے کے ساتھ لائق ترین سپہ سالار بھی ہے۔ چنانچہ اس معرکہ کے بعد عدی بن سہیل تقریباً تمام لڑائیوں میں عاتکہ کو اپنے ہم رکاب رکھتے تھے اور اُنھوں نے عاتکہ کو فوج کے ایک دستہ کا سردار مقرر کر دیا تھا۔

اس مورچہ کو زیر کرنے کے بعد مجاہدین کا لشکر اصطخر کی جانب روانہ ہوا لیکن مجاہدین کے لئے بڑی دشواری یہ تھی کہ اصطخر جانے والے راستہ کے تقریباً تمام پل آتش پرستوں نے توڑ دیئے تھے اور اب سپہ سالار اسلام عدی بن سہیل کے لئے یہ مسئلہ درپیش تھا کہ جو دریا راستہ میں پڑتا ہے اُسے کیوں کر پار کیا جائے لیکن عاتکہ نے جلد ہی اس مشکل کو بھی آسان کر دیا اُنھوں نے دریا کا جائزہ لینے کے بعد ایک ایسا مقام معلوم کر لیا جہاں پانی کم تھا چنانچہ عاتکہ کے مشورے پر دریا میں گھوڑے ڈال دیئے گئے اور پوری فوج پانی کی لہروں سے ٹکراتی ہوئی دوسرے کنارے پر جا پہنچی

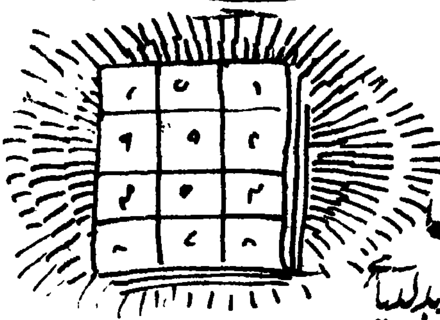
دریا پار کرتے ہی ایرانیوں کا ایک لشکر عظیم مقابلہ کے لئے سامنے آ گیا اور پھر ایک بار کفر و اسلام میں ایک بہت بڑا معرکہ گرم ہو گیا۔ اس جنگ میں بھی عاتکہ آگے بڑھ بڑھ کر دادِ شجاعت دے رہی تھی۔ یہ معرکہ پورے دو دن تک گرم رہا آخر عاتکہ کی ہوشمندی اور دلیری کی بدولت یہاں بھی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور اسلامی پرچم اصطخر پر بھی لہرانے لگا۔

ایران کے مندرجہ بالا معرکوں کے علاوہ دوسری متعدد لڑائیوں میں بھی عاتکہ نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ حصہ لیا ہے۔ وہ ایک حوصلہ مند سپاہی کے علاوہ جادو بیان مقررہ بھی تھی۔ یہ اپنی تقریروں سے پہلے تو فوج سپاہیوں میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کر دیتی تھیں۔ اس کے بعد دشمن پر ٹوٹ پڑتی تھیں عاتکہ میں ہمت اور جرأت اس بلا کی تھی کہ بڑے بڑے جانباز مرد بھی ان کی جانبازی اور سرفروشی کو دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔

جب شام اور ایران پر مسلمانوں کا کامل تسلط ہو گیا اور ان دونوں ملکوں میں مسلمانوں کی ایک مضبوط سلطنت قائم ہو گئی تو عاتکہ بنت ہاشم نے اپنی زندگی تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر دی تھی وہ شام اور ایران کے مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر تبلیغ اسلام کرتی تھیں اور مشرکوں کو حق کی جانب دعوت دیتی تھیں چنانچہ اس مجاہدہ کی کوششوں سے بہت سے مشرک حلقہ بگوش اسلام بن گئے۔

عاتکہ بنت ہاشم کی ساری عمر خدمت اسلام میں گزری ہے اور اُن کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جس پر کہ زخموں کے نشانات نہ ہوں غور فرمایئے کہ جس قوم میں ایسی سرفروش بیٹیاں موجود ہوں وہ دنیا میں کیا کچھ نہیں کر سکتی

مفلسی، مصیبت، بیماری اور پریشانی کا مجرب علاج



اعمال و وظائف کی بے پناہ طاقت

اولیائے کرام کے وہ پانچسو مجرب اعمال و نقوش جنھوں نے ہزاروں مایوسوں کی قسمتوں کو بدل دیا ہے

یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ خدا نے اعمال و وظائف اور اولیاء اللہ کے کلام میں وہ بے پناہ طاقت پوشیدہ رکھی ہے کہ اعمال کو اگر صحیح طریقہ پڑھا جائے اور نقوش کو صحیح اوقات میں لکھا جائے تو ان سے لوگوں کی قسمتیں بدل جاتی ہیں بیماری اور مفلسی سے حیرت انگیز طریقہ پر نجات مل جاتی ہے۔ بگڑے ہوئے کام آن کی آن میں درست ہو جاتے ہیں۔ ان اعمال کے پڑھنے والے نہ صرف مالامال ہو جاتے ہیں بلکہ محبوب خلائق بھی بن جاتے ہیں لیکن اعمال و وظائف کی پوشیدہ طاقت صرف اسی حالت میں اپنے کرشمے دکھاتی ہے جبکہ اعمال و وظائف کو اولیائے کرام کے بتائے ہوئے صحیح طریقہ پر پڑھا جائے اور نقوش کو صحیح اوقات میں بزرگان دین کے مقررہ کردہ طریقوں پر لکھا جائے۔ لہٰذا جو حضرات اعمال و وظائف کا زندہ کرشمہ دیکھنا چاہتے ہیں وہ آج ہی اس فن پر سب سے مستند کتاب "عملیات" منگا لیں جس کو ایک زبردست عامل اور عالم دین نے پچاس سال کی محنت و جستجو کے بعد مرتب کیا ہے۔

عملیات
مرتبہ مولانا سید ظہور احمد شاہ بچھرایونی

فی الحقیقت اعمال و وظائف اور نقوش نویسی کے فن پر سب سے مستند کتاب ہے جس میں اعمال و وظائف کے بارے میں مکمل معلومات ہے برجوں اور سیاروں کی پوری تفصیل ہے۔ ہر شخص کا طالع جاننے کے طریقے درج ہیں سیاروں کو مسخر کرنے کے اعمال درج ہیں۔ اعمال حسنہ پر مکمل بحث ہے بے شمار محبت کے اعمال درج ہیں لاتعداد عداوت کے اعمال درج ہیں اور کشائش رزق تسخیر محبوب اور چور کی شناخت کامیابی مقدمات اور مختلف امراض کے لئے اولیائے کرام کے بتائے ہوئے سینکڑوں نقوش درج ہیں۔

کتاب عملیات کے خاص خاص ابواب یہ ہیں

باب اول:- ابتدائی معلومات:- اس میں حروف تہجی کے اعداد و اقسام، برجوں کے رنگ و زائچے، سیاروں کی رفتار اور مقامات کی تفصیل درج ہے۔

باب دوم: اعمال حسنہ: اس میں اسمائے حسنہ کے موکلوں کے اعداد و شمار اور اسمائے جلالی و جمالی نیز اُن کے نقوش و اعمال درج ہیں۔

باب سوم: اعمال محبت:- اس میں محبوب کو قابو میں کرنے کے لئے اسم یا ودود کا عمل، عمل اسم الٰہی، سرمۂ محبت، تصور محبوب کا عمل۔ قرآنی اعمال اور بے شمار محبت کے نقوش موجود ہیں۔

باب چہارم: عملیات عداوت:- اس میں دشمن کے شر اور فساد سے بچنے کے لئے اور اس پر جوابی حملہ کرنے کے لئے مستند اعمال و نقوش درج ہیں

باب پنجم: کشائش رزق: اس میں مفلسی اور بیکاری کو دور کرنے کے لئے اور شہرت و عظمت حاصل کرنے کے لئے مستند اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب ششم: تسخیر خلائق: اس میں مخلوق خدا میں ہردلعزیز بننے کے لئے اور شہرت و عظمت حاصل کرنے کے لئے مستند اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب ہفتم: تسخیر حکام:- اس میں حکام کی تسخیر کے لئے اور کامیابی مقدمات کے لئے اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب ہشتم: چور کی شناخت:- اس میں چور کی شناخت اور مال مسروقہ کی بازیافت کے لئے اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب نہم: گمشدہ کی واپسی: اس میں گمشدہ کی واپسی کے لئے ایسے اعمال و نقوش درج ہیں جن سے گمشدہ یقینی طور پر واپس آجاتا ہے۔

باب دہم: مختلف امراض کے لئے:- اس میں ایسے مایوس العلاج مریضوں کی صحتیابی کے لئے اعمال و نقوش درج ہیں جنھیں حکیم و ڈاکٹر جواب دے چکے ہوں۔

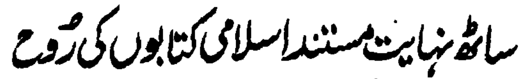
باب یازدہم: اولاد کے لئے:- اس میں بزرگان دین کے وہ مجرب اعمال و نقوش درج ہیں جن کے طفیل میں بے اولاد صاحب اولاد بن جاتے ہیں

باب دوازدہم: حل مشکلات:- اس میں پریشانی اور مشکلات کے لئے نہایت مجرب اور آزمودہ اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب سیزدہم: فالنامہ غوث الاعظم: اس فالنامے کے ذریعہ بھی فال نکالی جاسکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اعمال و وظائف اور نقوش نویسی کے فن پر یہ اردو کی پہلی کتاب ہے جس کو بڑی تحقیق کے بعد مرتب کیا گیا ہے اور جس میں اولیائے کرام اور بزرگان دین کے سینکڑوں اعمال و نقوش درج ہیں قیمت مجلد مع خوشنما ڈسٹ کور قیمت سات روپے پچاس پیسے

دین دنیا پبلشنگ کمپنی — جامع مسجد — دہلی



ساٹھ نہایت مستند اسلامی کتابوں کی روح

ایک زبردست اور شاندار

اسلامی انسائیکلوپیڈیا

عربی تعلیم اور مذہب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے مسلمان دن بدن اسلام سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ناواقفیت کی بنا پر ایسی حرکتیں کر بیٹھتے ہیں جو کھلا ہوا شرک اور کفر ہوتا ہے مسلمانوں کو گمراہی اور بے دینی سے بچانے کے لئے ہم نے حال ہی میں فقہ کی ساٹھ مستند کتابوں کی مدد سے ایک ایسی جامع کتاب شائع کی ہے جس میں دس ہزار سے زیادہ ایسے دینی اور دنیاوی معاملات پر بحث کی گئی ہے جن سے کہ ہر مسلمان کو روزانہ واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ یہ مستند اور ضخیم کتاب حال ہی میں

فلاح دین دنیا
(جدید اضافہ شدہ اڈیشن)

کے نام سے شائع کی گئی ہے۔ (اس جدید اڈیشن میں بہت سے نئے عنوانات کا اضافہ کر دیا گیا ہے اس میں مسلمانوں کے لئے کوئی ایسی دینی اور دنیاوی معلومات نہیں جو موجود نہ ہو اس میں اسلام کے فضائل اور عقائد کی تفصیل ہے اس میں عبادات اور اعمال و وظائف کا لاجواب ذخیرہ ہے اسلامی تہذیب، اسلامی تمدن اور اسلامی معاشرت کا درس موجود ہے۔ غرضکہ اس کتاب میں ایک مسلمان کے لئے پیدائش سے لیکر موت تک کے تمام دینی اور دنیاوی معاملات پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہاں تک کہ اسلامی نقطہ نظر سے کھانے پینے، رہائش میل جول اور حفظان صحت تک کے اصول درج کر دئے گئے ہیں جس گھر میں یہ کتاب ہوگی اس گھر میں ایک زبردست عالم اور تجربہ کار دنیاوی مشیر مسلمانوں کو مشورہ دینے کے لئے ہر وقت موجود رہے گا۔ یہ کتاب نہیں ہے بلکہ ایک زبردست انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں پوری اسلامی لائبریری کے برابر مواد موجود ہے۔

اس کتاب میں چودہ ابواب ہیں جن میں سے ہر باب اپنی جگہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے

باب اوّل: فضائل اسلام: اس میں اسلام کے فضائل، اسلام کے دین فطرت ہونے کا ناقابل تردید ثبوت اور اسلام کے بارے میں غیر مسلم مشاہیر کے بلند و بالا خیالات درج ہیں۔

باب دوم: عقائد اہل سنت والجماعت: اس میں اسلامی عقائد کے بنیادی اصول اور یہ مضامین درج ہیں۔ ذات و صفات الٰہی، عرش و کرسی، لوح و قلم، فرشتے، حضرت جبرئیل و میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، منکر نکیر، سجین و علیین، قبر میں سوال نکیرین، علامات قیامت، ظہور امام مہدی، دجال اور حضرت عیسیٰ کا نزول یاجوج ماجوج مغرب سے طلوع آفتاب، قیامت صغریٰ، قیامت کبریٰ، صور پھونکنے کا ذکر، میدان حشر، حساب کتاب، پلصراط، دوزخ جنت رسول مقبول صلعم کی فضیلت آپ کی زندگی کے حالات، ازواج مطہرات، خلفائے راشدین، اولیاء اللہ پیران طریقت، موت و حیات وغیرہ

باب سوم: اسلامی عبادات: اس میں عبادات پر پوری طرح روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً وضو، غسل تیمم، نماز پنجگانہ، نماز مسافر، نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز اشراق، نماز چاشت جنازے کی نماز، اعتکاف، فضائل ماہ رمضان المبارک، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے جملہ مسائل اور ارکان درج ہیں

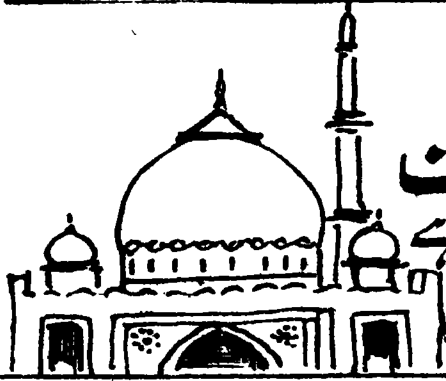
باب چہارم: اعمال و وظائف: اس میں سال کے تین سو ساٹھ دن میں تاریخوار پڑھنے کے لئے وہ مستند اعمال و وظائف درج ہیں جو بزرگان دین اور اولیاء اللہ کا معمول رہے ہیں نیز بزرگان دین کی ولادت اور رحلت کی تاریخیں بھی درج ہیں۔

باب پنجم: حلال و حرام جانور ذبح و شکار:۔ اس میں حلال حرام جانور اور ذبح و شکار کے تمام مسائل بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

باب ششم: اللہ اور اللہ کے بندوں کے حقوق: اس میں حقوق اللہ، حقوق آنحضرت صلعم، حقوق صحابہ، حقوق اہلبیت، حقوق پیران طریقت، والدین اور بیوی بچوں کے حقوق، اعزاو اقربا کے حقوق، حقوق ملازم غرضکہ ایک مسلمان پر جتنے بھی حقوق عاید ہوتے ہیں وہ سب درج ہیں۔

دیگر ابواب: باقی آٹھ ابواب میں سے ایک باب میں اسلامی معاشرت پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً خورد و نوش اور لباس کے مسائل پیدائش عقیقہ، شادی، بیاہ، نکاح و طلاق تجہیز و تکفین، ماتم، بیری وغیرہ کے بارے میں جملہ [illegible] ہیں۔ ایک علیحدہ باب میں میلاد شریف کا جواز اور حضور کی ولادت کا مفصل بیان ہے جو مکمل میلاد نامے کا کام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک علیحدہ باب میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور دیگر اولیائے کرام کی سوانح عمریاں درج ہیں اور آخری باب میں تندرستی اصول اور حفظان صحت کے ہیلا اصول اور اہم بیماریوں کے علاج درج ہیں۔ غرضکہ اس کتاب میں وہ سب کچھ موجود ہے جو پوری مسلم لائبریری میں ہو سکتا ہے ضخامت تقریباً نو سو صفحات، کاغذ سفید نہایت اعلیٰ، لکھائی چھپائی عمدہ، ٹائیٹل رنگین، منگانے کے بعد اگر کتاب ناپسند ہو تو واپس کر دیجئے۔ قیمت مجلد مع خوبصورت گرد پوش صرف پندرہ روپے پچاس پیسے

دین دنیا پبلشنگ کمپنی ــــ جامع مسجد ــــ دہلی ۶



ہندوستان پر اسلامی تہذیب کے اثرات

مسلمانوں نے اس ملک کی تہذیب میں رنگا رنگی پیدا کی ہے

(مسٹر۔ ایم۔ این۔ رائے کے انگریزی مضامین سے ماخوذ)

آج ہندوستان کی تہذیب میں جو غیر معمولی دلکشی اور رنگارنگی نظر آتی ہے یہ صرف مسلمانوں کی بدولت ہے چنانچہ ہندوستان کے نامور مفکر مسٹر ایم۔ این۔ رائے نے اپنے بعض انگریزی مضامین میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ ذیل کا مضمون اُن کے اِن ہی مضامین سے مرتب کیا گیا ہے۔ ہمکو توقع ہے کہ یہ مضمون دین دنیا کے ناظرین کے حلقہ میں بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

ہندوستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس ملک میں مختلف قومیں آتی رہی ہیں اور اپنی تہذیبیں بھی اپنے ساتھ لاتی رہی ہیں لیکن تاریخ سے اِس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ہندوستان میں آنے والی ہر قوم جو بھی اس ملک میں آئی اُس نے پہلی آباد قوموں کی تہذیب کو نابود کر کے اپنی ہی تہذیب کو پھیلانے اور مسلط کرنے کی کوشش کی ہے۔

مسلمان بھی تاریخ کے اسی دھارے کے ساتھ بہہ کر ہندوستان آئے تھے۔ اُن کے ساتھ بھی اس ملک میں اُن کی اپنی تہذیب آئی تھی۔ لیکن تاریخ ہی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہندوستان پر ایک ہزار سال تک حکومت کرنے کے باوجود مسلمانوں نے اِس ملک کی قدیم تہذیب کو منسوب کرنے در مٹانے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ قدیم تہذیب کو برقرار رکھنے اور ترقی دینے میں وہ ہر ممکن مدد کرتے رہے ہیں۔

یہ بات یاد رہے کہ مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل صرف ہندوستان ہی کے لئے مخصوص نہیں رہا تھا بلکہ وہ جس ملک میں بھی فاتح کی حیثیت سے گئے انہوں نے قدیم تہذیبوں کو وہاں برقرار رکھنے کی ہر امکانی کوشش کی ہے۔ گویا اُن کا یہ فراخ دلانہ طرزِ عمل اُن کے قومی کردار کا ایک جزو بن گیا تھا۔ اور ایک مغربی عالم نے اِس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ "اسلام نے انہیں اسی طرزِ عمل کی ہدایت کی ہے کہ وہ جس ملک میں جائیں وہاں کی پرانی تہذیب کو برقرار رکھیں اور وہاں کی تہذیب کی اچھائیوں کو قبول کریں۔ اور اُس کی برائیوں کو دور کرنے کی کوشش ضرور کریں لیکن جو لوگ کہ اپنی پرانی تہذیب کی برائیوں کو ترک کرنے کے لئے رضامند نہ ہوں انہیں اُن ہی کے حال پر چھوڑ دیں اور اُن پر کسی قسم کا جبر نہ کریں۔ اِسی لئے مسلمان جس ملک میں بھی گئے انھوں نے وہاں کی اچھائیوں کو اپنا لیا اور اِس طرح اُن کی تہذیب ایک عالمگیر تہذیب بن گئی۔"

ہندوستان میں بھی مسلمان اپنی یہی عالمگیر تہذیب لے کر آئے تھے اور یہاں آنے کے بعد انھوں نے ہندوستان کی قدیم تہذیب کی اچھائیوں کو بھی اپنی اِسی عالمگیر تہذیب میں داخل کر لیا تھا۔ اس لئے اُن کے سامنے یہ سوال پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ ہندوستان کی قدیم تہذیب کو مٹا کر اپنی لائی ہوئی تہذیب کی تعمیر کریں۔ اور اس طرح ہندوستان کی تہذیب ہندو اور مسلمان کی ایک ملی جلی تہذیب بن گئی تھی۔

مسلمان ہندوستان میں تاریخ کے اُس دور میں آئے تھے جب ہندوستان کے باشندے اپنے مذہبی اعتقادات کے ماتحت سمندر پار جانے کو گناہ تصور کرتے تھے۔ اسی لئے ہندوستان کی تہذیب ہندوستان کے اندر ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ لیکن مسلمان جو اُس وقت تک دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیل چکے تھے جب ہندوستان آئے تو اُن کے ساتھ اُن کی نکھری ہوئی عالمگیر تہذیب بھی تھی۔ مگر انھوں نے اپنی تہذیب کو ہندوستان پر مسلط نہیں کیا بلکہ خود اسلامی تہذیب کی کشش نے یہاں کے باشندوں کے

دلوں کو موہ لیا۔ اور مسلمانوں نے اپنی تہذیب میں ہندوستانی تہذیب کی اچھی باتیں شامل کرکے اپنی تہذیب میں اور بھی دلکشی پیدا کرلی۔ چنانچہ آج ہندوستان کی تہذیب وہی ہے جسے مسلمان اپنے ساتھ لائے تھے اور جو ہندوستانی تہذیب کے ساتھ مل کر اور بھی پرکشش بن گئی ہے۔ اور اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر ہم اس تہذیب سے دست بردار ہو جائیں تو ہماری تہذیب میں کوئی بھی کشش باقی نہیں رہ سکتی۔

مسلمان جو تہذیب اپنے ساتھ لائے تھے اور جو بعد میں ہندوستان ہی کی تہذیب بن گئی ہے۔ اُس نے ہمارے ملک کو اُس زمانہ میں تہذیبی اعتبار سے دنیا کا ایک ممتاز ترین ملک بنا دیا تھا۔ چنانچہ آج بھی اس تہذیب کے نقوش ہماری تہذیبی عظمت کی داستان دہرا رہے ہیں۔

مسلمانوں نے ہندوستان میں اعلیٰ اور ترقی یافتہ جس تہذیب کو روشناس کرایا تھا یہاں اُس کے ہر پہلو کو واضح کرنا تو ممکن نہیں ہوسکتا لیکن پھر بھی یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی لائی ہوئی تہذیب نے ہندوستان کی معاشرت سے لیکر اُس کے علوم و فنون تک ہر چیز کو اس جدید تہذیب نے متاثر کیا تھا۔ مثال کے طور پر مسلمانوں کے زمانہ کے فن تعمیر ہی کو لے لیجئے۔ ہندوستان کا فن تعمیر بہت پرانا ہے لیکن اُس میں نزاکت اور سبک پن موجود نہیں تھا اور نہ مسلمانوں کی آمد سے قبل کی یہاں کی تعمیرات کو عجائبات عالم میں شامل کیا جاسکتا تھا۔ لیکن مسلمانوں کی آمد کے بعد اس ملک میں جو نئی نئی عمارتیں تعمیر ہوئیں وہ ایک طرف بے حد مضبوط اور دیر پا ثابت ہوئیں اور دوسری جانب اپنی خوبصورتی اور سبک پن میں بے مثال ہیں۔ اس کے علاوہ وہ عجائبات عالم میں شمار کی جاتی ہیں چنانچہ آج بھی اُن عمارتوں کو دیکھنے کے لئے دنیا کے کونے کونے سے سیاح آتے ہیں۔ یہ عمارات ہندوستانی اور اسلامی تہذیب کی ملی جلی شاہکار ہیں اور آج بھی ہمارے ملک کے لئے باعث فخر ہیں اور ہندوستان میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہیں جو ہمارے ملک کے حسن کو نکھار رہی ہیں۔

ہندوستان میں منصوبہ بند شہروں کی تعمیر کی بنیاد بھی مسلمانوں نے ہی رکھی تھی۔ وہ اپنے شہروں کو خصوصیت کے ساتھ دریاؤں کے کنارے پر بساتے تھے۔ شہروں کے محلے عموماً ہندو۔ مسلمانوں اور پیشہ وروں کے ناموں پر آباد کئے جاتے تھے اور ان شہروں میں رہنے والوں کی سب ہی ضرورتوں کا خیال رکھا جاتا تھا پھر دریاؤں کے کنارے شہروں کی تعمیر سے جہاں تجارت کو فروغ حاصل ہوتا تھا وہاں ان شہروں کو خوبصورت بنانے اور ان کے گرد و نواح میں باغات لگانے اور زراعت کو فروغ دینے میں بھی سہولت ہوتی تھی۔ اور اِس طرح مسلمانوں کی لائی ہوئی تہذیب نے اِس ملک کی رہائش کے طریقوں میں ایک زبردست اور صحت مند انقلاب پیدا کر دیا تھا۔

مسلمانوں کی تہذیب نے اِس ملک کے لباس کو بھی متاثر کیا تھا۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے اِس ملک میں تراشیدہ اور سلے ہوئے لباس کا رواج برائے نام تھا۔ ایسا لباس مسلمان اپنے ساتھ لائے تھے اور انھوں نے اِس لباس کو ہندوستان کے حالات اور آب ہوا کے مطابق بنا کر اُسے یہاں کے قومی لباس کا درجہ دے دیا تھا۔

ہندوستان کے کھانے بھی مسلمانوں کی تہذیب سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ انھوں نے گوشت کے جزو سے تیار ہونے والے کھانوں کے علاوہ اُن کھانوں میں بھی بہت سے اضافے اور اصلاحات کی تھیں جو کہ گوشت کے بغیر تیار ہوتے ہیں اور چونکہ مسلمانوں کے کھانوں پر ان تمام ملکوں کا اثر تھا جہاں جہاں مسلمان پہنچ چکے تھے اس لئے مسلمانوں کی آمد سے اِس ملک کے کھانوں میں رنگارنگی پیدا ہوگئی چنانچہ آج بھی مغلئی کھانے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں مشہور ہیں۔

مسلمان جب اِس ملک میں آئے تو پھلوں کے نئے نئے درخت اپنے ساتھ لائے۔ یہاں نئے نئے قسم کے پھلوں کے باغ لگائے اِس طرح یہاں کے پھلوں میں بھی رنگارنگی پیدا ہوگئی۔ پھر مسلمانوں نے یہاں کی قدیم تہذیب کو ابھارنے اور برقرار رکھنے میں بھی نمایاں حصّہ لیا ہے۔ چنانچہ مسلم سلاطین اور امراء ہیروں جواہرات اور زیورات کا جو استعمال کرتے تھے اُس کا مقصد ہندو راجاؤں کی تہذیب کو برقرار رکھنا تھا۔ پھر مسلمان جہاں اپنے علوم و فنون لیکر آئے وہاں انھوں نے ہندوستانی علوم و فنون کو فارسی میں ترجمہ کرا کے انہیں ساری دنیا میں فروغ دیا۔ مختصر یہ کہ آج ہمارے ملک میں جو تہذیب موجود ہے وہ اِس ملک کی قدیم اور جدید تہذیب کا ایک نہایت ہی حسین مجموعہ ہے جو ہم سب ہی کے لئے باعث فخر ہے



میں نے اسلام کیوں قبول کیا

ایک نومسلم انگریز کے اسلام کے بارے میں تاثرات

(از البرٹ فیاض - ایم - اے - آکسن)

مسٹر البرٹ فیاض آکسفورڈ یونیورسٹی لندن کے ایک لائق اسکالر ہیں۔ اُنھوں نے اپنا آبائی مذہب عیسائیت ترک کرنے کے بعد اسلام قبول کرلیا ہے۔ اسلام اُنھوں نے کیوں قبول کیا؟ اور وہ کیا خاص محرکات تھے جن کی بنا پر وہ اپنا آبائی مذہب چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے، اس پر ایک ہلکی سی روشنی مسٹر البرٹ فیاض نے اپنے ذیل کے مضمون میں ڈالی ہے۔ جسے انگریزی سے ترجمہ کرکے ناظرین دین دنیا کی معلومات کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔

ایک انسان جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے۔ پرورش پاتا ہے اور ہوش سنبھالتا ہے اُس کے لئے اُسے چھوڑ دینا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اور مجھ جیسے شخص کے لیے جس نے کہ ایک پادری کے گھر میں پیدا ہوکر عیسائیت کے ماحول میں تربیت اور پرورش پائی ہو۔ عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرلینا اور بھی دشوار تھا۔ لیکن خدا کو شاید یہی منظور تھا۔ اسلام کی پرکشش تعلیم نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو ابتدا ہی سے مذہب کو آخرت کی نجات کا واحد ذریعہ یقین کرتا ہوں اور اپنے ذہنی شعور کی بدولت چونکہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو انسان کی نجات اور اُس کے لئے خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کی ضمانت دیتا ہے اس لئے مجھے اسلام کے قبول کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوئی۔

اسلام کے ساتھ میری دلچسپی کا آغاز میرے اُن مسلمان دوستوں کی بدولت ہوا تھا جو آکسفورڈ میں میرے ساتھ تعلیم حاصل کر رہے تھے اور چونکہ میں ایک پادری خاندان کا فرد تھا اور مجھے اپنے سابق مذہب کے ساتھ گرویدگی کے باعث دوسرے مذاہب سے اپنے مذہب کا مقابلہ کرنے سے بھی دلچسپی تھی اس لئے میں دیگر مذاہب کا بھی مطالعہ کرتا رہتا تھا تاکہ میں موثر طور پر غیر مذاہب کی تردید کرسکوں چنانچہ میں نے اپنے مسلمان دوستوں کی بمعرفت اسلام کے مطالعہ کی ایک راہ پیدا کرلی تھی۔

میرا طریقہ کار یہ تھا کہ اسلام کے بارے میں ان مسلم دوستوں سے معلومات حاصل کرتے ہوئے سمجھ میں آنے والی باتوں پر اسلام پر اعتراضات بھی کرتا رہتا تھا۔ ان ہی اعتراضات کی بنا پر میرے دوستوں نے مجھے قرآن کریم کے چند انگریزی تراجم بہم پہنچادیے تھے تاکہ میں ان تراجم کے ذریعہ اسلام کو بہتر طریقہ پر سمجھ سکوں۔ چنانچہ ان ہی تراجم کے مطالعہ نے مجھے اس نتیجہ پر پہنچایا تھا کہ میں اب تک اسلام کے خلاف اپنے ذہن میں جن خیالات کو پرورش کرتا رہا ہوں وہ بالکل غلط تھے اور پھر جب میں نے احادیث نبوی کا مطالعہ کیا تو میری آنکھیں کھل گئیں اور مجھے یہ محسوس ہوا کہ صرف اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو انسان کی دینی اور دنیاوی زندگی میں صحیح رہنمائی کرتا ہے۔

میرے دل پر اسلام کی اس تعلیم نے بہت ہی گہرا اثر کیا تھا جو اُس نے حضرت عیسیٰ کے احترام کے متعلق مسلمانوں کو دی تھی اور مجھے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا تھا کہ اگرچہ عیسائی پیغمبر اسلام کی بڑی شدت سے مخالفت کرتے ہیں لیکن پیغمبر اسلام نے نہ صرف حضرت عیسیٰ کے ایک جلیل القدر نبی اور پیغمبر ہونے ہی کی تصدیق کی ہے بلکہ اسلام اُن الزامات کی تردید میں بھی پیش پیش ہے جو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ اور اُن کی والدہ حضرت

مریم پہلگاتے تھے اور اس طرح میرا ذہن اس جانب منتقل ہوا کہ اگر میں عیسائی کی حیثیت سے حضرت عیسیٰ کے متعلق اسلام کی شہادت کو یقین کرتا ہوں اور عیسائی پادری حضرت عیسیٰ کی نبوت کی تصدیق میں اسلام کی شہادت کو بطور ثبوت پیش کر سکتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اسلام کی سچائی کی تصدیق کر رہے ہیں۔ اور اس خیال نے سب سے زیادہ اسلام قبول کرنے کے معاملہ میں میری رہنمائی کی ہے

یہ دلیل خواہ کتنی ہی متاثر کن کیوں نہ ہو لیکن ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص ہونے کی حیثیت سے میں صرف اسی ایک منطقی دلیل کی بنا پر اپنے آبائی مذہب کو ترک کرنے کے لئے کافی نہیں سمجھتا تھا اس لئے میں نے مذہبی اور معاشرتی دونوں زاویوں سے اسلام کا مطالعہ شروع کیا اور جوں جوں میں اسلام کا مطالعہ کرتا گیا میں اسلام کی صداقت اور افادیت کا معترف ہوتا گیا۔ لیکن میں یہاں صرف اس کے سماجی نظام ہی کے متعلق نہایت اختصار کے ساتھ اپنے تاثرات کا اظہار کروں گا۔

میں شروع ہی سے ایسا محسوس کرتا تھا کہ مذہب کو دنیاوی زندگی میں بھی انسان کی رہنمائی کرنی چاہئے۔ تاکہ مذہب ہمیں بتائے کہ ہمیں اس دنیا میں رہتے ہوئے کیسی اور کس قسم کی زندگی گذارنی چاہئے۔ اس لئے جب میں نے اسلام کے سماجی نظام کا مطالعہ شروع کیا تو مجھ پر روز بروز یہ بات واضح ہوتی چلی گئی کہ اسلام جہاں ایک مذہب ہے وہاں ایک مکمل سماجی نظام بھی ہے۔ اور بالکل ویسا ہی سماجی نظام ہے جس کی مدتوں سے میں تلاش میں تھا۔

اسلام کے سماجی نظام میں اونچ نیچ اور امارت و غربت کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ اس سماج میں رنگ، نسل اور وطن کی بنا پر انسانوں کے درمیان کوئی تفریق اور امتیاز نہیں کیا جاتا۔ اسلامی معاشرہ میں ناانصافی اور عدم مساوات کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ پھر اسلام نے تمام مذاہب اور اُن کے بانیوں کے احترام کی تاکید کی ہے۔ اسلامی سماج کی یہ چند ایسی خصوصیات ہیں جو بالکل نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ اسلام کے مطالعہ کے بعد انسان اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ زندگی کے ہر مرحلہ میں انسان کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔

اسلامی سماج کی بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ پاکیزہ زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام مسیحیت کی طرح ترک دنیا کا حامی نہیں ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے متبعین دنیا میں رہتے ہوئے پاکیزہ زندگی گزاریں۔ معاملات میں کھرے ثابت ہوں۔ اُن کے اخلاق بلند ہوں۔ رواداری کے معاملہ میں اُن کے ہاں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی امتیاز نہ ہو۔ اسلام نے دنیا کو عاقبت کی کھیتی قرار دیا ہے۔ یعنی انسان دنیا میں جیسا بھی عمل کرے گا اُس کا ویسا ہی پھل اُسے عاقبت میں ملے گا۔ اور یہ سب باتیں ایسی ہیں جو ایک ہوشمند انسان کو اسلام کی جانب آنے کی دعوت دیتی ہیں۔ اور اسلام کی ان ہی خصوصیات نے مجھے اس دین حق کو قبول کرنے کی رغبت دی ہے۔

میرے سب ہی دوست اور واقف کار اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ مجھے تبدیلی مذہب سے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں پہنچا ہے بلکہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں اپنے بہت سے مادّی فوائد سے محروم ہو گیا ہوں لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد جو سب سے بڑی چیز مجھے حاصل ہوئی ہے وہ اطمینان قلب ہے۔ اور مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ حلقہ بگوش اسلام بننے کے بعد میں دنیاوی زندگی بھی سکون کے ساتھ گزار سکوں گا۔ اور میری عاقبت بھی بہتر بن جائے گی۔

افسانہ

محبت کے نقوش

ایک دلکش کہانی ۔ دلگداز واقعہ

(از جناب شاکر پریمی)



محبت کے نقوش انسانی قلب پر اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ اگر وہ انہیں مٹانا بھی چاہے تو مٹا نہیں سکتا ۔ اور اُس کا اندازہ مجھے اسوقت ہوا جب میں نے کئی سال بعد پروین کو دیکھا ۔

نشاط کیفے سے نکلتے ہوئے میری نظر پروین پر پڑی تو میں حیران رہ گیا اسی طرح پروین کو بھی حیرت ہوئی اُس نے پوچھا "تم یہاں کیسے؟"

"میں یہاں یونیورسٹی میں لکچرر ہوں ۔ اور تم؟"

"ابو کا تبادلہ یہیں کا ہوگیا ہے میں اُن ہی کے ساتھ ہوں ۔ مگر تم یہاں کب آئے؟"

"تم سے بچھڑنے کے بعد میں یہیں چلا آیا تھا ۔ پروین تین برس کی اس طویل مدت میں کبھی میں تمہیں یاد بھی آیا؟"

"کیوں نہیں ۔ تم، انیتا، رشیتا، نلنی برابر یاد آتی رہیں ۔" پروین نے نظریں نیچی کئے ہوئے کہا ۔

وہ اداس ہوگیا ۔ جیسے پروین نے انیتا، رشیتا، نلنی کے ساتھ اُس کا نام لیکر اُسے کوئی اہمیت نہ دی ہو ۔

پروین نے اس کی اداسی کو محسوس کیا اور بات کا رُخ بدلتے ہوئے بولی "تم یہاں اکیلے تو نہ رہتے ہوگے؟"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمہارے ساتھ تمہاری وہ بھی تو ہوں گی ۔"

— اور پروین نے قصداً اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور مسکراتی ہوئی اُس کی طرف اس طرح دیکھنے لگی جیسے اُس کی آنکھوں میں اپنے ادھورے سوال کا پورا جواب ڈھونڈ رہی ہو ۔

وہ پروین کی طرف غور سے دیکھنے لگا اور پھر اس طرح چونکا جیسے پروین کی بات اب اُس کی سمجھ میں آئی ہو ۔ ایک ہلکی ہنسی کے بعد اُس نے بے تکلفی سے کہا ۔

"کیوں نہیں ۔۔۔ کیوں نہیں ۔۔۔ جہاں میں وہاں وہ !"

"وہ کیسی ہیں وہ؟"

"بہت خوبصورت، بالکل تمہاری طرح !"

"کیا؟" وہ چونک گئی ۔

"سچ کہتا ہوں ۔ یقین نہ ہو تو کسی دن میرے گھر آکر دیکھ لو !"

وہ مسکرانے لگا

"ضرور آؤں گی، لیکن ۔۔۔ !" وہ خاموش ہوگئی ۔

"ہاں ہاں بولو ۔۔۔ چپ کیوں ہوگئیں؟"

"نہیں، میں کہہ رہی تھی ایسا نہ ہو وہ مجھے غلط سمجھیں، تم پر شک کریں؟"

پروین کا لہجہ سپاٹ اور سنجیدہ تھا

"نہیں، ایسا نہ ہوگا ۔ تم سے مل کر تو انہیں خوشی ہوگی ۔"

"کیا انہیں معلوم ہے کہ کبھی تم مجھ سے ۔۔۔ !" پروین کا جملہ ادھورا رہ گیا ۔ اُس کی نگاہیں جھک گئیں ۔

"بولو ۔۔۔ بولو نا بھئی !" اُس نے ضد کی ۔

وہ اُس کی طرف اداس نظروں سے دیکھتی ہوئی ٹھہر ٹھہر کر بولی

"یہی کہ کبھی تم مجھے چاہتے تھے ۔ !"

"ہاں ۔۔۔ انہیں معلوم ہے کہ میں آج بھی چاہتا ہوں ۔۔۔ !" وہ خاموش ہوگیا ۔ جیسے الفاظ حلق ہی میں گھُٹ کر رہ گئے ہوں اُس کے چہرے پر کرب کی پرچھائیاں لہرانے لگیں، آنکھوں میں مایوسیوں کے اندھیرے گہرے ہوگئے ۔ اُس نے ہونٹوں کو بھینچ لیا ۔

دونوں کے درمیان خاموشیوں کے لمحے طویل اور طویل تر ہوتے گئے

رات سونا اور تاریک تھی۔ کمرے کی تاریکی نے اس تاریکی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ وہ اپنے نرم اور ملائم بستر پر لیٹا اس طرح کروٹیں بدل رہا تھا جیسے انگاروں پر لیٹا ہو۔ گزرے ہوئے دنوں کی جاں گسل یادوں نے اُسے مضطرب کر دیا تھا۔

اُس نے آنکھیں بھینچ لیں۔ تکیے میں منہ چھپا لیا۔ اندھیرا اور گہرا ہو گیا —— اور اس گہرے اندھیرے میں ذہن کے اُفق پر ماضی کی یادیں ایک خوبصورت پیکر کے سانچے میں ڈھل کر اُجاگر ہونے لگیں۔

وہ ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہ تھے دوستوں کی طرف سے ترتیب دیئے گئے ہر پروگرام میں وہ ساتھ ساتھ ہوتے تھے اُن کی اکثر شامیں ایک ساتھ گزرتی تھیں۔ بیڈمنٹن، ٹینس، کیرم اور تاش کے کھیلوں میں وہ ایک دوسرے کے پارٹنر ہوا کرتے تھے۔ وہ گھنٹوں کسی تنہا گوشے میں باتیں کرتے رہتے تھے۔ کسی موضوع پر بحث کرتے رہتے اور وہ بحث کے آخری مرحلے پر پروین کو لاجواب اور مایوس ہوتی دیکھ کر قصداً کوئی ایسی بات کہہ دیتا تھا کہ وہ کھل اُٹھتی تھی، مسکرا دیتی تھی۔

شام کے دھندلے اندھیرے میں دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر دریا کے کنارے ریت پر دور تک دوڑتے چلے جاتے تھے اور پھر پروین اُس کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا کر ریت پر بیٹھ جاتی تھی اور اپنی اکھڑی اکھڑی منتشر سانسوں کو سمیٹتی ہوئی اُس کی طرف اپنی محبت پاش نظروں سے دیکھتی ہوئی کہتی تھی ——

"اب اور نہیں، میں تھک گئی ہوں!"

اور وہ اُس کے قریب ہی بیٹھ کر اُس کے شفق گوں چہرے کے نیچے سینے کے زیر و بم اور ڈوبتی اُبھرتی سانسوں کو دیکھنے لگتا تھا اور اُسے محسوس ہونے لگتا جیسے اُس کے اندر جوار بھاٹا سا اٹھ رہا ہو —— اور جذبات کی یہ پُراسرار لہریں صبر و ضبط کے بند توڑ کر اُسے بہا لے جائیں گی دُور —— بہت دُور —— جہاں کیف ہی کیف ہے —— مستی ہی مستی ہے!

یہ خیال ہی اُس کے لئے حیات آفریں تھا کہ پروین کی مسکراہٹیں میری ہیں، اُس کے نقرئی قہقہے میرے لئے ہیں، اُس کا مہکتا ہوا خوبصورت مرمریں پیکر میرا ہے —— صرف میرا!

———

ایک شام ——

پروین خوش تھی —— بہت خوش! آج وہ اُسے معمول سے زیادہ حسین اور دلکش نظر آ رہی تھی۔ جیسے کلیوں نے اپنی مسکراہٹیں اُس کے باریک ہونٹوں پر سجا دی ہوں، گلوں نے اپنی تازگی و شگفتگی اُسے عطا کر دی ہو۔ ڈوبتے سورج نے اپنی آخری چمپئی کرنوں کا عکس اُس کے شگفتہ رخساروں کو بخش دیا ہو، بادِ نسیم کے خنک جھونکوں نے اپنی نازک خرامی اُس کے حوالے کر دی ہو، جیسے دنیا کی ساری رعنائیاں اِس ایک پیکر میں سمٹ آئی ہوں۔

آج اُس کی نگاہیں پروین پر نثار ہوئی جا رہی تھیں۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ اُس کی نگاہوں کو اپنے چہرے پر محسوس کر کے بولی۔

"نہیں —— آج تم بہت ہی خوبصورت نظر آ رہی ہو!" وہ ضبط نہ کر سکا۔ دل کی بات زبان پر آ گئی۔

"سچ!" وہ اٹھلائی۔

"ہاں، اور آج تم بہت خوش ہو، کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں!" وہ مسکرائی۔

"میں بھی تو سنوں؟"

وہ ایک بھرپور انگڑائی لے کر بولی۔

"آج میں خوش ہوں —— بہت خوش —— آج خط ملا ہے کل صبح وہ آ رہا ہے!"

"کون؟" ایک انجانے خوف سے اُس کا دل دھڑکنے لگا۔

"ساجد —— میرا ساجد ——!" اُس نے سر جھکا لیا۔ جیسے شرما گئی ہو۔

اُس کے ذہن کو زبردست جھٹکا لگا اور اُسے محسوس ہوا جیسے کسی نے اُس کا دل مٹھی میں لیکر زور سے دبا دیا ہو اور خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا ہو۔

"کل شام میں تمہیں اُس سے ملاؤں گی۔ دیکھنا کتنا اچھا ہے وہ!"

اُس کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو رہا تھا۔ وہ ایک پھول کی طرح کھل اٹھی تھی پروین کا یہ انکشاف کڑکتی ہوئی بجلی کی طرح اُس کے دل پر گرا تھا اور دل میں پھول بننے کے لیے بیتاب تمناؤں اور آرزوؤں کی معصوم کلیاں جھلس گئی تھیں۔ شدّتِ کرب سے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اُس نے دل کی بے چین دھڑکنوں کو سنبھالنے اور آنکھوں میں اُمڈ آنے والے

آنسوؤں کو پی جانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مبارک ہو پروین! لیکن میں ساجد سے نہ مل سکوں گا۔ آج ہی رات کی گاڑی سے مجھے دہلی جانا ہے، انٹرویو کے لئے!" اُس نے جھوٹ کہا تھا۔ حالانکہ اُسے دو روز بعد دہلی جانا تھا وہ جانتا تھا کہ ساجد سے مِل کر اُسے خوشی نہ ہوگی۔ اُس کا غم اور بڑھ جائے گا، وہ خود کو سنبھال نہ سکے گا۔

اور پھر وہ پروین سے اس طرح جُدا ہوا کہ پھر نہ مل سکا لیکن ہزار کوششوں کے باوجود وہ پروین کو نہ بھلا سکا۔ اُس کی یاد کو دل سے نہ نکال سکا، اُس کے ساتھ گزرے ہوئے دنوں اور لمحوں کے تصوّر سے فرار حاصل نہ کر سکا۔

اور ایک سال بعد پروین کے لٹ جانے برباد ہو جانے، اس کی خوشیوں اور امنگوں سے بھرپور زندگی کے شیرازے کے بکھر جانے کی خبر سن کر وہ اور بھی مضطرب ہو گیا۔ بے چین ہو گیا —— اُف، کتنی روح فرسا تھی وہ خبر —— کاش میں پروین کے کام آسکتا —— کاش!

اور تین سال بعد پروین زندگی کے ایک موڑ پر پھر اس طرح اچانک اُس کے سامنے آئی تھی کہ وہ ایک بار پھر خود کو سنبھالنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ پروین کے ساتھ گزرے ہوئے دنوں اور لمحوں کا تصوّر ایک بار پھر پوری شدّت سے بیدار ہو گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کیوں نہ پروین سے وہ ساری باتیں کہہ دے —— لیکن وہ ڈر رہا تھا۔ اگر پروین نے انکار کر دیا تو؟؟

وہ بہت بے چینی سے پروین کا انتظار کر رہا تھا۔ اپنے فلیٹ میں ٹہلتے ہوئے وہ کبھی کمپاؤنڈ کے آہنی گیٹ کی طرف دیکھنے لگتا تو کبھی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف۔ چھ بجنے کو تھے۔ پروین نے پانچ بجے آنے کا وعدہ کیا تھا گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ اُس کی بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوتی جا رہی تھیں آنکھوں میں نااُمیدی اور مایوسی کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے وہ انتظار کے صعوبتوں سے نِڈھال ہو کر خود کو ایزی چیئر پر گرا دینا چاہتا تھا کہ وہ چونک پڑا۔ جیسے اندھیرے کو چیر کر روشنی کی کرن جلوہ گر ہو گئی ہو وہ گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ پروین ڈولی کو سنبھالے اُس کی طرف آرہی تھی۔ اس کے خوبصورت اور باریک ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی ہلکی معصوم سی مسکراہٹ۔

"بہت دیر کر دی تم نے۔ جب کتنی دیر سے تمھارا انتظار کر رہا ہوں" اُس نے محبت آمیز لہجے میں شکایت کی۔

"اوہ! معاف کرنا۔ اِس کی وجہ سے دیر ہو گئی!"۔ پروین نے ڈولی کی طرف اِشارہ کیا۔

"کچھ بھی ہو، دیر سے آئی ہو تو دیر تک نہ جانے دوں گا!"

"کیوں؟" اُس کی مسکراہٹ اور نکھر گئی

"بس، باتیں کریں گے بہت ساری باتیں!" وہ سٹپٹا گیا۔

دونوں کی نگاہیں ملیں اور جھک گئیں پروین کے ساتھ وہ بھی خاموش رہا۔ جیسے سمجھ نہ رہا ہو کہ بات کہاں سے شروع کرے کس طرح شروع کرے؟

"وہ کہاں ہیں؟" ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتی ہوئی پروین آہستہ سے بولی۔

"کون؟" وہ پروین کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمھاری وہ —— !"

"ملوگی اُن سے؟" اُس نے کچھ سوچتے ہوئے تھوڑے سے توقف سے کہا۔

"کیوں نہیں!" وہ سر جھکائے ہوئے بولی

"تو پھر آؤ!" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ گیا

پروین اُس کے ساتھ چلتی ہوئی اُس کے بیڈ روم میں آئی۔

"یہاں تو کوئی نہیں ہے!" وہ بیڈ روم میں چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"یہیں ہیں وہ، جن کے سہارے میں اپنی زندگی گزار رہا ہوں لو دیکھو!" اُس نے آگے بڑھ کر دیوار سے لٹکی ہوئی ایک ریشمی ڈور کو پکڑ کر کھینچا۔ دیوار کے وسط میں تنا ہوا پردہ ایک طرف سرک گیا۔ ایک صورت سامنے ابھر آئی۔

"یہ ——!" پروین بری طرح چونک گئی۔ اُس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اُس نے صوفے کا سہارا لیا اور بیٹھ گئی اور حیرت و استعجاب میں ڈوبی نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگی۔

وہ کہنے لگا۔ "پروین! اگر میں ایسا نہ کرتا تو یقین کرو میری زندگی کا سُونا پن مجھے نگل لیتا، میری تنہائیاں مجھے ڈس لیتیں۔ تم سے بچھڑ جانے کا غم ناقابلِ برداشت ہو جاتا اور میں اِس سسکتی بلکتی زندگی سے گھبرا کر

رات منہ زور اندھا بیکراں تھی۔ کمرے کی تاریکی نے اِس تاریکی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ وہ اپنے نرم اور ملائم بستر پر لیٹا اس طرح کروٹیں بدل رہا تھا جیسے انگاروں پر لیٹا ہو۔ گزرے ہوئے دنوں کی چلتی پھرتی یادوں نے اُسے مضطرب کر دیا تھا۔

اُس نے آنکھیں بھینچ لیں۔ تکیہ میں منہ چھپا لیا۔ اندھیرا اور گہرا ہو گیا ——— اور اس گہرے اندھیرے میں ذہن کے اُفق پر ماضی کی یادیں ایک خوبصورت پیکر کے سانچے میں ڈھل کر اُجاگر ہونے لگیں۔

وہ ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہ تھے دوستوں کی طرف سے ترتیب دئے گئے ہر پروگرام میں وہ ساتھ ساتھ ہوتے تھے اُن کی اکثر شامیں ایک ساتھ گزرتی تھیں۔ بیڈ منٹن، ٹینس، کیرم اور تاش کے کھیلوں میں وہ ایک دوسرے کے پارٹنر ہوا کرتے تھے۔ وہ گھنٹوں کسی تنہا گوشے میں باتیں کرتے رہتے تھے۔ کسی موضوع پر بحث کرتے رہتے اور وہ بحث کے آخری مرحلے پر پروین کو لاجواب اور مایوس ہوتی دیکھ کر قصداً کوئی ایسی بات کہہ دیتا تھا کہ وہ کھِل اُٹھتی تھی، مسکرا دیتی تھی۔

شام کے ہلکے اندھیرے میں دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر دریا کے کنارے ریت پر دور تک دوڑتے چلے جاتے تھے اور پھر پروین اُس کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا کر ریت پر لیٹ جاتی تھی اور اپنی اُکھڑی اُکھڑی منتشر سانسوں کو سمیٹتی ہوئی اُس کی طرف اپنی محبت پاش نظروں سے دیکھتی ہوئی کہتی تھی ———

"اب اور نہیں، میں تھک گئی ہوں!"

اور وہ اُس کے قریب ہی بیٹھ کر اُس کے شفق گوں چہرے کے نیچے سینے کے زیر و بم اور ڈوبتی اُبھرتی سانسوں کو دیکھنے لگتا تھا اور اُسے محسوس ہونے لگتا جیسے اُس کے اندر جوار بھاٹا سا اٹھ رہا ہو ——— اور جذبات کی بپھری لہریں صبر و ضبط کے بند توڑ کر اُسے بہا لے جائیں گی دُور ——— بہت دُور ——— جہاں کیف ہی کیف ہے ——— مستی ہی مستی ہے!

یہ خیال ہی اُس کے لئے حیات آفریں تھا کہ پروین کی مسکراہٹیں میری ہیں، اُس کے نقرئی قہقہے میرے لئے ہیں، اُس کا مہکتا ہوا خوبصورت مرمریں پیکر میرا ہے ——— صرف میرا!

———

ایک شام ———

پروین خوش تھی ——— بہت خوش! آج وہ اُسے معمول سے زیادہ حسین اور دلکش نظر آ رہی تھی۔ جیسے کلیوں نے اپنی مسکراہٹیں اُس کے باریک ہونٹوں پر سجا دی ہوں، گلوں نے اپنی تازگی و شگفتگی اُسے عطا کر دی ہو۔ ڈوبتے سورج نے اپنی آخری چمپئی کرنوں کا عکس اُس کے شگفتہ رخساروں کو بخش دیا ہو، بادِ نسیم کے خنک جھونکوں نے اپنی نازک خرامی اُس کے حوالے کر دی ہو، جیسے دنیا کی ساری رعنائیاں اِس ایک پیکر میں سمٹ آئی ہوں۔

آج اُس کی نگاہیں پروین پر نثار ہوئی جا رہی تھیں۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ اُس کی نگاہوں کو اپنے چہرے پر محسوس کر کے بولی۔

"نہیں ——— آج تم بہت ہی خوبصورت نظر آ رہی ہو!" وہ ضبط نہ کر سکا۔ دل کی بات زبان پر آ گئی۔

"سچ!" وہ اٹھلائی۔

"ہاں، اور آج تم بہت خوش ہو، کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں!" وہ مسکرائی۔

"میں بھی تو سنوں؟"

وہ ایک بھرپور انگڑائی لے کر بولی۔

"آج میں خوش ہوں ——— بہت خوش ——— آج خط ملا ہے کل صبح وہ آ رہا ہے!"

"کون؟" ایک انجانے خوف سے اُس کا دل دھڑکنے لگا۔

"ساجد ——— میرا ساجد ———!" اُس نے سر جھکا لیا۔ جیسے شرما گئی ہو۔

اُس کے ذہن کو زبردست جھٹکا لگا اور اُسے محسوس ہوا جیسے کسی نے اُس کا دل مٹھی میں لیکر زور سے دبا دیا ہو اور خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا ہو۔

"کل شام میں تمہیں اُس سے ملاؤں گی۔ دیکھنا کتنا اچھا ہے وہ!"

اُس کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو رہا تھا۔ وہ ایک پھول کی طرح کھل اٹھی تھی پروین کا یہ انکشاف کڑکتی ہوئی بجلی کی طرح اُس کے دل پر گرا تھا اور دل میں پھول بننے کے لئے بیتاب تمناؤں اور آرزوؤں کی معصوم کلیاں جھلس گئی تھیں۔ شدتِ کرب سے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اُس نے دل کی بے چین دھڑکنوں کو سنبھالنے اور آنکھوں میں اُمڈ آنے والے

آنسوؤں کو پی جانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مبارک ہو پروین! لیکن میں ساجد سے نہ مل سکوں گا۔ آج ہی رات کی گاڑی سے مجھے دہلی جانا ہے، انٹرویو کے لئے!" اُس نے جھوٹ کہا تھا۔ حالانکہ اُسے دو روز بعد دہلی جانا تھا وہ جانتا تھا کہ ساجد سے مل کر اُسے خوشی نہ ہوگی۔ اُس کا غم اور بڑھ جائے گا، وہ خود کو سنبھال نہ سکے گا۔

اور پھر وہ پروین سے اس طرح جُدا ہوا کہ پھر نہ مل سکا لیکن ہزار کوششوں کے باوجود وہ پروین کو نہ بھلا سکا۔ اُس کی یاد کو دل سے نہ نکال سکا، اُس کے ساتھ گزرے ہوئے دنوں اور لمحوں کے تصوّر سے فرار حاصل نہ کر سکا۔

اور ایک سال بعد پروین کے لٹ جانے برباد ہو جانے، اس کی خوشیوں اور امنگوں سے بھرپور زندگی کے شیرازے کے بکھر جانے کی خبر سن کر وہ اور بھی مضطرب ہو گیا۔ بے چین ہو گیا ——— اُف، کتنی روح فرسا تھی وہ خبر ——— کاش میں پروین کے کام آسکتا ——— کاش!

اور تین سال بعد پروین زندگی کے ایک موڑ پر پھر اِس طرح اچانک اُس کے سامنے آئی تھی کہ وہ ایک بار پھر خود کو سنبھالنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ پروین کے ساتھ گزرے ہوئے دنوں اور لمحوں کا تصوّر ایک بار پھر پوری شدّت سے بیدار ہو گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کیوں نہ پروین سے وہ ساری باتیں کہہ دے ——— لیکن وہ ڈر رہا تھا۔ اگر پروین نے انکار کر دیا تو؟؟

وہ بہت بے چینی سے پروین کا انتظار کر رہا تھا۔ اپنے فلیٹ میں ٹہلتے ہوئے وہ کبھی کمپاونڈ کے آہنی گیٹ کی طرف دیکھنے لگتا تو کبھی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف۔ چھ بجنے کو تھے۔ پروین نے پانچ بجے آنے کا وعدہ کیا تھا گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ اُس کی بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوتی جا رہی تھیں آنکھوں میں ناامیدی اور مایوسی کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے وہ انتظار کے صعوبتوں سے نڈھال ہو کر خود کو ایزی چیئر پر گرا دینا چاہتا تھا کہ وہ چونک پڑا۔ جیسے اندھیرے کو چیر کر روشنی کی کرن جلوہ گر ہو گئی ہو وہ گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ پروین ڈولی کو سنبھالے اُس کی طرف آ رہی تھی۔ اس کے خوبصورت اور باریک ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی ہلکی معصوم سی مسکراہٹ۔

"بہت دیر کر دی تم نے۔ میں کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں" اُس نے محبت آمیز لہجے میں شکایت کی۔

"اوہ! معاف کرنا۔ اِس کی وجہ سے دیر ہو گئی!" پروین نے ڈولی کی طرف اشارہ کیا۔

"کچھ بھی ہو، دیر سے آئی ہو تو دیر تک نہ جانے دوں گا!"

"کیوں؟" اُس کی مسکراہٹ اور نکھر گئی

"بس، باتیں کریں گے بہت ساری باتیں!" وہ سٹپٹا گیا۔

دونوں کی نگاہیں ملیں اور جھک گئیں پروین کے ساتھ وہ بھی خاموش رہا۔ جیسے سمجھ نہ رہا ہو کہ بات کہاں سے شروع کرے کس طرح شروع کرے؟

"وہ کہاں ہیں؟" ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتی ہوئی پروین آہستہ سے بولی۔

"کون؟" وہ پروین کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہاری وہ ——— !"

"ملوگی اُن سے؟" اُس نے کچھ سوچتے ہوئے تھوڑے سے توقف سے کہا۔

"کیوں نہیں!" وہ سر جھکائے ہوئے بولی

"تو پھر آؤ!" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ گیا

پروین اُس کے ساتھ چلتی ہوئی اُس کے بیڈ روم میں آئی۔

"یہاں تو کوئی نہیں ہے!" وہ بیڈ روم میں چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"یہیں ہیں وہ، جن کے سہارے میں اپنی زندگی گزار رہا ہوں لو دیکھو!" اُس نے آگے بڑھ کر دیوار سے لٹکی ہوئی ایک ریشمی ڈور کو پکڑ کر کھینچا۔ دیوار کے وسط میں تنا ہوا پردہ ایک طرف سرک گیا۔ ایک صورت سامنے اُبھر آئی۔

"یہ ——— !" پروین بری طرح چونک گئی۔ اُس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اُس نے صوفے کا سہارا لیا اور بیٹھ گئی اور حیرت و استعجاب میں ڈوبی نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگی۔

وہ کہنے لگا۔ "پروین! اگر میں ایسا نہ کرتا تو یقین کرو میری زندگی کا سُونا پن مجھے نگل لیتا، میری تنہائیاں مجھے ڈس لیتیں۔ تم سے بچھڑ جانے کا غم ناقابلِ برداشت ہو جاتا اور میں اِس سسکتی بلکتی زندگی سے گھبرا کر

اپنا الکھوتا لیا۔ غموں کی تیز آندھی نے جلا کر خاک کر دیتی - یہ جانتے ہوئے
کہ تم ساجد کی ہو چکی ہو اور میرے لئے تمہارا تصور بھی گناہ ہے۔ میں یہ گناہ
کرتا رہا، تمہاری تصویر کی پرستش کرتا رہا۔ یہ سوچ کر خود کو بہلاتا رہا
کہ کسی صورت سہی تم میرے پاس تو ہو۔" اُس کی آواز بھر آگئی، گلا رندھ
گیا، پلکیں نم ہو گئیں۔

وہ اپنی حکایت سنی سنتی اِس طرح اُس کی باتیں سُنتی اور اُس کی
طرف دیکھتی رہی جیسے وہ سانس لیتی ہوئی عورت نہیں سنگ مرمر کا
مجسمہ ہو۔ حیرت و استعجاب میں ڈوبا ہوا۔

چند لمحوں بعد وہ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا

"پروین! میں جانتا ہوں ساجد کی اچانک موت نے تمہاری
زندگی کی ساری خوشیاں تم سے چھین لی ہیں۔ تمہارا سکون درہم برہم
ہو گیا تمہارے گرد غم و آلام کے دائرے تنگ ہو گئے ہیں اور تم
انہوں بے مہری راہوں سے گزرتی زندگی کے اس سفر پر تنہا نکل پڑی
ہو جس کی کوئی منزل نہیں۔"

"پروین! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم ایک منزل کا تعین کریں اور
زندگی کی راہ پر قدم سے قدم ملا کر چلیں، ایک دوسرے کا غم
بانٹ لیں؟"

"بولو پروین! بولو!" اُس نے پروین کو جھنجھوڑ دیا۔

پروین نے نظریں نیچی کر لیں۔ اُس کی پلکوں پر آنسوؤں کے ستارے
جھلملانے لگے۔

اُس نے پروین کی آنکھوں میں اُمڈ آنے والے آنسوؤں کو دیکھا
اور اُسے محسوس ہوا جیسے پروین کے آنسوؤں نے اُس سے سب کچھ کہہ
دیا ہو۔ جیسے پروین کے اِن آنسوؤں نے اُس کے اندر سلگتی ہوئی
محبت کی تیز آنچ کو سرد کر دیا ہو۔ جیسے پروین کے اندر کا کرب آنسو
بن کر قطرہ قطرہ ٹپک رہا ہو اُس کے دل پر رکھی غموں کی سل رفتہ رفتہ
پگھل رہی ہو۔

ڈولی فرش پر بیٹھی اُس کے لائے ہوئے کھلونوں سے کھیل رہی
تھی اُس نے ڈولی کو گود میں اٹھا لیا اور اُسے پیار کرتے ہوئے بولا۔

"میں کون ہوں بیٹی؟"

ڈولی معصوم نگاہوں سے اِس طرح اُسے دیکھنے لگی جیسے اُسے پہچاننے
کی کوشش کر رہی ہو۔

"کہو ابو!" اُس نے ڈولی کے کان میں سرگوشی کی اور اپنا
سوال پھر دُہرایا۔

"میں کون ہوں بتاؤ ـــ بتاؤ نا میری گڑیا بیٹی!"

"ابو!" ڈولی نے اپنی توتلی زبان سے کہا اور مسکرانے لگی اُس کا
پھول جیسا معصوم چہرہ کھل اُٹھا اور وہ اپنی ننھی ننھی باہوں کو اُس
کے گلے میں ڈال کر اُس کے سینے سے لگ گئی۔

اُس نے پروین کی طرف دیکھا

اشک آلود آنکھوں کے نیچے پروین کے مرجھائے ہوئے ہونٹوں
سے تبسم کی زرتار کرنیں پھوٹ پڑی تھیں۔

اور اُسے محسوس ہوا جیسے پاس کے گھنگھور اندھیروں میں اُس
کی کتنی ہی قندیلیں فروزاں ہو گئی ہوں۔ اُس نے ڈولی کو سینے سے
لگا لیا۔ اور اپنے ہونٹ اُس کی پیشانی پر رکھ دئے!!

عورتوں کے لئے



موجودہ زمانہ کی لڑکیاں

کیا اچھی بیویاں ثابت نہیں ہو رہی ہیں؟

(از زبیدہ سلطان صاحبہ دہلوی)

ایک تعلیم یافتہ نوجوان شادی سے گھبرا رہا ہے۔ اور اُس نے ایک طویل خط کے ذریعہ مجھ سے کچھ سوالات کئے ہیں اس نوجوان کے خط کی عبارت درج کرنے سے پہلے میں شادی کے معاملہ میں زمانہ حاضرہ کے نوجوانوں کے رجحان پر ہلکی سی روشنی ڈال دینا ضروری سمجھتی ہوں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ آجکل کے نوجوان شادی سے کیوں گھبراتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ زمانہ حاضرہ کے نوجوان کچھ تو ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں کے بوجھ سے گھبراتے ہیں۔ اور کچھ لڑکیوں نے اپنے آپ کو ان نوجوانوں کے سامنے ایسے رنگ میں پیش کیا ہے کہ وہ شادی کو ایک اچھی خاصی مصیبت سمجھنے لگے ہیں چنانچہ اس نوجوان کے خط سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آجکل کے نوجوان شادی کرنے سے کیوں گھبرانے لگے ہیں۔ یہ نوجوان لکھتا ہے۔

"دنیا کے عام دستور کے مطابق میری خواہش بھی یہی تھی کہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اپنا گھر بساؤں۔ لیکن میرے بعض دوستوں کا شادی کے بعد جو انجام ہوا ہے اُس سے میں ڈر گیا ہوں ان میں سے میرے ایک دوست کا کالج ہی کے زمانہ میں ایک لڑکی سے عشق ہو گیا تھا۔ اور عشق و محبت کے بعد ان دونوں نے شادی کر لی تھی۔ لیکن ایک سال کے بعد ہی آئے دن کی خانہ جنگی کی وجہ سے ان میں علیحدگی ہو گئی۔ اسی طرح میرے ایک دوسرے دوست کو بدقسمتی سے ایسی بیوی ملی ہے کہ جس نے کہ اپنی بدمزاجی اور فرعونیت سے اُس کی زندگی کو جہنم بنا دیا ہے اور مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ آج کل کی لڑکیاں اور تو سب کچھ بن سکتی ہیں مگر وہ اطاعت شعار اور اچھی بیویاں نہیں ثابت ہو سکتی ہیں اور اسی بنا پر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں شادی نہیں کروں گا"

یہ بات ہم سب کے لئے قابل غور ہے کہ بعض واقعات نوجوانوں کے دل و دماغ پر کتنا بڑا اثر پیدا کر دیتے ہیں۔ اور ان واقعات نے عورتوں کی جو بھیانک تصویر نوجوانوں کے دل و دماغ میں قائم کر دی ہے وہ بڑی ہی ڈراونی اور خوفزدہ کرنے والی ہے آگے چل کر یہی نوجوان اپنے اسی خط میں لکھتا ہے کہ

"میں یہ سنتا آیا ہوں کہ ہندوستان کی عورتیں بڑی ہی وفاشعار اور اطاعت گزار ہوتی ہیں لیکن شائد یہ گزرے ہوئے زمانہ کی بات ہے کیونکہ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ موجودہ زمانہ کی لڑکیوں نے شادی کو بھی نفع نقصان کا ایک کاروبار بنا رکھا ہے۔ وہ شوہر کی اخلاقی خوبیوں کے مقابلہ میں روپیہ اور پیسہ کو زیادہ اہمیت دیتی ہیں۔ شوہر کے روپیہ سے عیش کرنا چاہتی ہیں۔ سامان آرائش اور کپڑوں پر اندھا دھند روپیہ برباد کرتی ہیں۔ اگر اُن کے شوق کے پورا ہونے میں ذرا سی کمی بھی ہوتی ہے تو ناگوار گزرتی ہے۔ اور شادی کے چند ماہ بعد ہی شوہروں کی خوبیوں پر نہیں بلکہ ان کی کمزوریوں پر گہری نظر رکھنا شروع کر دیتی ہیں اور اس طرح آپس میں تلخی بڑھتی ہی جاتی ہے کیا میں آپ سے یہ پوچھ سکتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے؟ وہی عورتیں جو گذشتہ زمانہ میں شوہروں پر جان چھڑکتی تھیں اب اتنی خودغرض کیوں بن گئی ہیں۔ یورپین عورتوں کے بارے میں تو ہم ایسی باتیں سنا کرتے تھے۔ لیکن اب یہی سب کچھ ہمارے ملک میں بھی ہو رہا ہے"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نوجوان کے ذہن میں عورتوں کے بارے میں مدت سے برے تصورات پرورش پا رہے تھے اور یہ نوجوان صرف تاریک پہلوؤں پر ہی غور کرنے کا عادی ہو گیا ہے۔ پھر آگے چل کر یہ لکھتا ہے۔

"کالج کے زمانہ میں جن لڑکیوں سے میں قریب رہا ہوں اُن میں سے بیشتر میں میں نے بے حیائی پائی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو لڑکیاں

کنوارپنے ہی میں حیا کو بالائے طاق رکھ دیں وہ ازدواجی زندگی میں کس قسم کی آزادی حاصل کریں گی اور بعد کیا کچھ نہیں کر گزریں گی۔ مہربانی فرما کر میرے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کیجئے۔"

اس نوجوان نے اپنے خط میں اور بھی بہت سی باتیں کہی ہیں۔ اور کچھ چشم دید واقعات بھی بیان کئے ہیں جن کا دوہرانا بھی ضروری نہیں سمجھتی لیکن اس نوجوان کے خیالات کے پیش نظر میں اپنے ملک کی لڑکیوں سے چند باتیں کہنا چاہتی ہوں۔ امید ہے کہ میری باتوں سے ہمارے ملک کی لڑکیاں سبق لیں گی۔

لڑکیوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ شرم و حیا کو برقرار رکھیں تاکہ بعض بے حیا لڑکیوں کی وجہ سے نوجوان غلط تصورات قائم نہ کرنے پائیں۔ یاد رکھئے کہ ایک لڑکی کا سب سے بڑا حسن اس کی حیا ہے اور اس کی سب سے بڑی خوبی باطنی جوہر ہے لیکن زمانہ حاضرہ کی لڑکیوں نے ظاہری حسن ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب حسن و خوبصورتی کی سربازار نمائش تک ہونے لگی ہے۔

لڑکیوں کی یہ روش بلاشبہ غلط اور قابل اعتراض ہے اور انکی اسی روش نے نوجوانوں کو ان سے بدظن کرنا شروع کر دیا ہے اور نوجوان یہ سوچنے لگے ہیں کہ جب کنوارپتے ہی میں لڑکیاں آپے سے باہر ہو رہی ہیں تو وہ آگے چل کر نہ جانے کیسے کیسے گل کھلائیں گی چنانچہ اس نوجوان نے اپنے خط میں کھلے الفاظ میں اس اندیشہ کا اظہار کیا ہے۔ لڑکیوں کو چاہئے کہ وہ اس نوجوان کے خط سے عبرت اور نصیحت حاصل کریں اور اپنے کردار سے کوئی ایک بات بھی ایسی ظاہر نہ ہونے دیں جس سے کہ نوجوانوں کے طبقہ میں ان کی جانب سے بدظنی پیدا ہو۔

اب میں اس نوجوان سے اور اس قسم کے خیالات رکھنے والے دوسرے نوجوانوں سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ تم نے اپنے خط میں جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ تم نے اس ملک کی سب ہی لڑکیوں کو ایک ہی صف میں لا کر کھڑا کر دیا ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ ہر ملک میں اچھے اور برے دونوں ہی ہوتے ہیں چنانچہ اس ملک میں اچھی لڑکیاں بھی ہیں اور بری لڑکیاں بھی۔ اور اس طرح اچھے نوجوان بھی ہیں اور ایسے بدکردار نوجوان بھی ہیں جو اسکول اور کالج جانے والی نیک لڑکیوں پر بھی سربازار آوازے کسنے اور چھیڑ چھاڑ کرنے تک سے باز نہیں آتے تمہیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اب بھی اللہ کے فضل سے ہمارا ملک اچھی اور نیک لڑکیوں سے خالی نہیں ہے۔ تم نے اپنے دو دوستوں کی ناکام ازدواجی زندگی کا واقعہ بیان کیا ہے۔ ان دو دوستوں میں سے ایک دوست نے تو خود ہی غلط قدم اٹھایا تھا۔ اس نے تعلیم ہی کے زمانہ میں کالج کی ایک ایسی لڑکی سے جس کے حالات سے بھی وہ قطعی ناواقف تھا محبت کی پینگیں بڑھائی تھیں۔ اور یہ سمجھ لیا تھا کہ ازدواجی زندگی عشق و عاشقی ہی کا نام ہے۔ حالانکہ ازدواجی زندگی کا عشق و عاشقی سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہندوستان کا تو ذکر ہی کیا ہے یورپ میں بھی عشق و عاشقی کی شادیاں نوے فیصد ناکام ہو رہی ہیں۔ پھر اگر تمہارے دوست کی عشق و عاشقی کی شادی ناکام ہو گئی تو یہ کونسی انوکھی بات ہے۔

اب رہا تمہارے دوسرے دوست کا معاملہ۔ ممکن ہے کہ اس کی بیوی تیز مزاج ہو۔ لیکن ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ خود تمہارے دوست میں بھی تحمل، برداشت اور معقولیت کی کمی ہو یاد رکھو اگر میاں بیوی میں سے ایک نرم ہے اور دوسرا گرم تو زندگی نبھ جاتی ہے۔ لیکن اگر دونوں گرم مزاج ہوں تو پھر آئے دن کی کل کل اور جھک جھک پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں تم صرف اپنے دوست کی بیوی ہی کو الزام کیوں دے رہے ہو۔ خود تمہارے دوست میں بھی خامیاں ہو سکتی ہیں۔

میں اس بات کو تسلیم کر سکتی ہوں کہ زمانہ حاضرہ کی لڑکیوں میں مذہبی اور اخلاقی تعلیم اور تربیت کا فقدان ہونے کی وجہ سے وہ خوبیاں کم ہو گئی ہوں جو قدیم زمانہ کی عورتوں میں پائی جاتی تھیں لیکن یہ زمانہ بھی اچھی عورتوں اور لڑکیوں سے خالی نہیں ہے۔ میری نظر میں ایک دو نہیں بلکہ متعدد ایسی لڑکیاں موجود ہیں۔ جو اپنے شوہروں میں بہت سی کمزوریاں ہونے کے باوجود ان کے ساتھ بہت اچھی زندگیاں گزار رہی ہیں ان میں غیر معمولی تحمل موجود ہے۔ مالی دقتیں بھی ہنسی خوشی برداشت کر لیتی ہیں اور شوہروں کی بدمزاجیاں بھی سہہ رہی ہیں۔ تمہیں اس روشن پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے لیکن تمہارے خط سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ تم عورتوں اور لڑکیوں کے صرف تاریک پہلوؤں ہی کو سامنے رکھتے ہو۔ یہ تمہاری ایک ذہنی کمزوری ہے جسے دور کئے بغیر تم نہ زندگی کا سکھ حاصل کر سکتے ہو اور نہ اطمینان۔ تمہیں اپنی اس ذہنی کمزوری پر بھی نظر رکھنی چاہئے

———•———

افسانہ



ادھورے سپنے

ایک دلچسپ معاشرتی کہانی

(از ڈاکٹر سید محی الدین سبحانی - ایم - اے - پی - ایچ ڈی)

وہ حسین تھی جوان تھی! کافی فیشن ایبل تھی۔

اُس کی پُرکشش آنکھیں مجھے بے حد پسند تھیں

میں نے خوبصورتی یارسٹی بس پر سفر کرتے دیکھا تھا۔ ایک بار مختصر سی رسمی گفتگو بھی ہوئی تھی۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ایک پرائیویٹ فرم میں سیلس اسسٹنٹ ہے اور لالی کھرایس رہتی ہے۔ پھر کبھی اُس سے طویل گفتگو کرنے کا مجھے موقع نہ مل سکا تھا۔ ایک دن بس پر وہ بھی ہم لوگوں کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ میں اپنے دوست کیپور سے ایک کرائے کا مکان تلاش کر دینے کو کہہ رہا تھا۔ کیونکہ جب سے میرا تبادلہ شیلانگ میں ہوا تھا میں ہوٹل ہی میں رہتا تھا اور اب میں ہوٹل کی زندگی سے تنگ آچکا تھا۔ وہ ہماری باتیں غور سے سن رہی تھی۔ ایک اسٹاپ پر جب بس رکی تو بس سے اترتے ہوئے اُس نے کپور سے کہا، "آپ کو کرائے کے مکان کی ضرورت ہو تو میں آپ کو دو کمروں کا مکان دے سکتی ہوں"

کپور اور میں اُس کے ساتھ ہی اُسی اسٹاپ پر اتر گئے۔ لالی کھرایس اُس کا مکان تھا مکان میں پانچ چھ کمرے تھے۔ تین چار کمروں میں وہ خود رہتی تھی۔ دو کمرے وہ کرائے پر لگانا چاہتی تھی جس کا کرایہ صرف سو روپے تھے۔ اُس کے مکان کے کمروں اور میرے کمرے کے بیچ وارڈ روب کا ایک پارٹیشن تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ یہ اُس کا آبائی مکان ہے۔ کچھ دنوں پہلے تک اُس کی ماں بہنیں سبھی اسی مکان میں رہتی تھیں۔ حال ہی میں اُس کی بہنوں نے شادی کر لی ہے اور اب وہ اپنے ہزبنڈ کے ساتھ رہتی ہیں۔ اُس کی ماں یہاں سے پچاس میل کے فاصلے پر ایک گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر ہے۔ وہیں اُسے رہنے کے لئے کوارٹر ملا ہوا ہے۔

مجھے اُس کا مکان بے حد پسند آیا۔ نہایت صاف ستھرا تھا۔ کمرے کافی کشادہ تھے۔ کھڑکیاں بڑی بڑی ہوادار کھلی ہوئی تھیں۔ باتھ روم بیڈ روم سے ملا ہوا تھا۔ فرنیچر بھی ماڈرن ڈیزائن کا تھا۔ کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ میں نے اُسی وقت اُسے سو روپے اڈوانس دے دئے اور اُسی شام اپنا سامان ہوٹل سے اٹھا لایا۔

نئے مکان میں آتے ہی دو چار دنوں میں اُس سے کافی گھل مل گیا اُس نے اپنا نام شیل بتایا۔ یہ نام مجھے بے حد پیارا معلوم ہوا اور میں نے اُس کی کافی دلجوئی کی۔ یہ حقیقت تھی کہ میں اُس کے رنگ روپ، ناک نقشے اور طرز رہائش سے بہت پہلے ہی سے متاثر تھا اور بس پر بھی اکثر اُسے کنکھیوں سے دیکھا کرتا تھا۔ اُس کی عمر بائیس تیئس سال سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ کھلتے ہوئے رنگ پر ہلکی پیازی ساری پہنے جب وہ گھر سے نکلتی تو فضا نکہت و نور میں ڈوب جاتی۔ اکثر لوگوں کی نگاہیں اُسی کی جانب ہوتیں۔ آفس سے واپس آنے پر اکثر شام کو اُس سے باتیں کرنے کا موقع ملتا۔ لیکن باتیں عموماً مختصر اور رسماً ہوتیں۔

ایک شام شیل کی طبیعت ذرا خراب تھی تو میں نے فوراً ایک اچھے سے ڈاکٹر کو بلوا لیا۔ اُس کی فیس دے دی اور اُس کے لئے چند ضروری دوائیں لا دیں اور گھنٹوں اُس کے کمرے میں بیٹھ کر اُس کی دلجوئی کرتا رہا۔ میرے اس برتاؤ سے وہ بے حد متاثر ہوئی۔ اُس دن سے ہمارے مراسم کافی گہرے ہو گئے۔ دو ہی تین ہفتوں میں ہم اتنے قریب ہو گئے کہ صبح آٹھ بجتے بجتے شیل میرے کمرے میں چلی آتی اُس وقت میں باتھ روم میں ہوتا یا شیو کرتا ہوتا۔ وہ آتے ہی کچن میں گھس جاتی ٹوسٹر پر بریڈ سینکتی، اُن پر مکھن اور جیلی لگاتی اور انڈے بوائلڈ کر کے ناشتہ میرے سامنے لگا دیتی۔ بیحد اصرار کرنے پر مشکل سے وہ ایک آدھ سلائس لیتی ہوگی۔ میرے کمرے کی صفائی کرتی، گندے کپڑے ڈرائی کلیننگ میں بھیج دیتی اور خود تھوڑی دیر بعد تیار ہو کر میرے ساتھ ہی دفتر کے لئے نکل پڑتی۔ کبھی میں اُس کا

ٹفن باکس سنبھالتا تو کبھی وہ میرا بیگ اٹھا لیتی۔ ہم دونوں ایک ہی بس اسٹاپ پر اترتے وہ کچھ دور ساتھ چلتے ہوئے اپنے فرم کی طرف مڑ جاتی اور میں سیدھے آفس کی طرف بڑھ جاتا۔ واپسی میں جب کبھی وہ مل جاتی تو ہم دونوں بس کا انتظار نہ کرتے ٹیکسی پکڑ لیتے۔

ایک دن ٹیکسی میں جب ہم دونوں آرہے تھے تو اُس نے آہستہ سے میرے کاندھے پر اپنا سر ٹیک کر کہا۔ "پرکاش! میں مردوں کو دھوکہ باز، فریبی، جھوٹا سمجھنے لگی تھی۔ مجھے مردوں سے نفرت ہوگئی تھی۔ لیکن تم سے مل کر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں برسوں سے تمہاری ہی تلاش میں بھٹک رہی تھی۔" میں نے پیار سے اُس کا گال تھپتھپا دیا اور کچھ دیر تک ہم ایک دوسرے کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ اُس دن کے بعد ہم اتنے زیادہ قریب ہوگئے کہ صبح سے شام تک فرصت کے زیادہ تر اوقات ساتھ ہی گزارنے لگے۔ صبح اُٹھ کر ساتھ ہی چہل قدمی کے لئے نکل پڑتے۔ گھنٹوں پہاڑوں کی سیر کرتے، پہاڑوں کی اوٹ سے نکلتے ہوئے آفتاب کو دیکھتے۔ کبھی "ہیپی ویلی" جاکر کافی بلندی سے گرتے ہوئے "سیوٹ فال" کے نغمے سنتے، کبھی "ایلیفنٹا فال" کی طرف نکل پڑتے

تو کبھی بڑا پانی، جاکر گھنٹوں ٹہلتے رہتے، تو کبھی اُسے اپنی باہنوں کا سہارا دیکر اوپر بہت اوپر درختوں کے سائے میں پہنچ جاتے اور اپنے پہلو میں بٹھا کر وائلن کے لطیف نغمے بکھیرتے۔ وہ وائلن سے نکلتی ہوئی آواز غور سے سنتی اور خمار آلود آنکھوں سے میری طرف دیکھتی۔ ہم دونوں ایک دوسری دنیا میں کھو جاتے، جہاں پہنچنے ہی پہنچنے ہوتے۔ میں یہ بھول جاتا کہ میں ایک بڑے دفتر میں اسسٹنٹ برانچ منیجر ہوں اور شیل ایک معمولی سیلس اسسٹنٹ ہے جو کاؤنٹر پر کھڑی ہو کر کمپنی کی بنی ہوئی چیزیں فروخت کرتی ہے۔ میں اُس کی زلفوں کا اسیر ہو کر رہ گیا تھا۔ ہر اتوار کو اُس کے ساتھ پکنک کا پروگرام بناتا۔ ہم دونوں کسی ویران سی پہاڑی پر درختوں کے جھنڈ میں دری بچھا کر بیٹھ جاتے۔ خوب کھاتے پیتے، سیر و تفریح کرتے پھر تھک کر بیٹھ جاتے۔ میں اُسے نئے نئے لطیفے سناتا۔ شیل خوب قہقہے لگاتی پھر ہم دونوں ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتے۔ جب دور چیرا پونجی میں زور کی بارش ہوتی اور اُڑتے ہوئے کالے بادل ساری فضا میں چھا جاتے اور بارش کی ننھی پھواریں کیف و سرور برسانے لگتیں تو شیل ننھی منی بچی کی طرح خوش ہو کر اپنی پیاری پیاری کھاسی زبان میں پہاڑی

گیت گانے لگتی - پھر چپکے سے کسی درخت کی اوٹ میں جاکر چھپ جاتی - اور میں اُسے پاگلوں کی طرح تلاش کرتا اور پھر کسی درخت کی اوٹ سے جھانکتے ہوئے دیکھ کر اُسے جا پکڑتا - یہ لمحے کافی خوشگوار تھے مجھے ایسا محسوس ہوتا دنیا کی ساری خوشیاں مجھے ہی مل گئی ہیں - !

اُنہی دنوں ایک دن گھر سے ممی کا خط آیا - اُنہوں نے لکھا تھا "بیٹا! تمہاری عمر تیس سال کے قریب ہونے کو آئی ہے اب تمہیں شادی کر لینی چاہیئے - اِس بار میں تمہاری ایک نہ سنوں گی میں نے ایک بہت ہی سُندر لڑکی پسند کی ہے - گھرانا بھی اچھا ہے - ہماری برادری کے لوگ ہیں وہ تمہیں ایک بار دیکھنا چاہتے ہیں چھٹی لیکر ایک دن کے لئے یہاں چلے آؤ - لڑکی کی تصویر بھیج رہی ہوں" شیل کے مقابلے میں مجھے ماں کی بھیجی ہوئی تصویر ذرا بھی پسند نہ آئی - میں نے تصویر یونہی لفافے میں بند کرکے رکھ دی - ماں کی شادی کی بات پر ذرا بھی دھیان نہ دیا - شیل کے البم سے اُس کی ایک اچھی سی تصویر نکالی اور اُسے اپنی ماں کے پاس بھیج دیا اور انہیں لکھ دیا "ایک لڑکی میری بھی نظر میں ہے تصویر بھیج رہا ہوں آپ اپنی پسند لکھیے" میں ممی کی فطرت سے واقف تھا پھر بھی میں انہیں کا بیٹا تھا - اور مجھے خود پہ پورا بھروسہ تھا - اُس شام شیل نے مجھ سے کہا کہ وہ دو چار دنوں کے لئے اپنی ماں سے ملنے جا رہی ہے - رات ہم دونوں نے ایک ہوٹل میں ڈنر لیا اور بہت رات گئے تک شیلانگ لیک کے کنارے میٹھے زندگی کے حسین سپنے دیکھتے رہے - میں نے اُس سے کہہ دیا کہ میں نے اُس کی تصویر ممی کے پاس بھیج دی ہے صرف اُن کی منظوری کی دیر ہے - اس کے بعد ہی ہم دونوں ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے - میری باتیں سن کر شیل فرطِ مسرت سے کھِل اُٹھی "اوہ ڈیئر کاش" ایسا کہہ کر میرے سینے سے لگ گئی - کافی رات گئے ہم واپس ہوئے

دوسرے دن صبح ہی شیل اپنی ماں سے ملنے چلی گئی - شام کو دفتر سے آکر مجھے تنہائی کا شدید احساس ہوا - شیل کا چہرہ نظروں کے سامنے گھومتا ہوا محسوس ہوا - میں ٹہلتا ہوا بازار کی طرف نکل پڑا - طبیعت ذرا بھی نہ لگی - ہوٹل میں کھانا کھا کر جلد ہی لوٹ آیا - دو تین دن کسی طرح گزار دیئے - دل کو چین نہ ملا - طبیعت ہر وقت اُداس اداس سی رہنے لگی - چوتھے دن آفس میں ممی کا ٹیلیگرام ملا - وہ بیمار تھیں - اُنھوں نے فوراً آنے کو لکھا تھا - میں کشمکش میں پڑ گیا - ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ باس کی نظر ٹیلیگرام پہ پڑی - اُنھوں نے فوراً ہی چھٹی منظور کر دی اور مجھے گھر چلے جانے کے لئے اصرار کرنے لگے - میں اُسی دن ٹیکسی پکڑ کر گوہاٹی آیا اور وہاں سے آسام میل سے گھر چلا آیا - ممی کچھ زیادہ بیمار نہ تھیں - پاؤں میں کچھ تکلیف ہو گئی تھی - علاج جاری تھا - اُنھوں نے بہانے سے مجھے بلایا تھا کیونکہ لڑکی والوں کا اصرار مجھے دیکھنے کے لئے بڑھ رہا تھا - میرے گھر پہنچنے کے دوسرے ہی دن لڑکی کے والدین مجھ سے ملنے آئے - مختصر سی گفتگو ہوئی - اُس شام میں نے ماں سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ شادی مجھے کرنی ہے، شادی میری پسند اور میری مرضی کے مطابق ہوگی - ممی بہت ناراض ہو کر رونے لگیں - میں رات کی ٹرین پکڑ کر گوہاٹی چلا آیا اور پھر ٹیکسی کر کے دوسرے دن شیلانگ پہنچا - شیل واپس آچکی تھی - وہ مجھے دیکھتے ہی بچوں کی طرح چہک اُٹھی اور میرے سینے پر بچوں کی طرح سسکیاں لیتے ہوئے کہنے لگی - "ڈیئر کاش! میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ تم بھی مجھے ستیش کی طرح چھوڑ کر چلے گئے - میں نے زندگی میں بہت دُکھ جھیلے ہیں - اب مجھے کبھی چھوڑ کر نہ جانا ! " میں نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا "شیل! بیتے دنوں کو بھول جاؤ - میں اوروں کی طرح بے وفا نہیں ہوں - مجھ پہ

پھر دسہ رکھو" میں نے اُسے ساری باتیں بتائیں۔ میری باتیں سُن کر چند لمحوں کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ مسرور نظر آنے لگی۔ اسی رات شبیل نے مجھ سے کہا کل اُس کی ماں شیلانگ آنے والی ہے۔ دن کے بارہ بجے ہمیں انہیں لینے بس اسٹینڈ چلنا ہے۔

اُس رات نہ جانے کیوں مجھے ستیش بہت کھٹکا۔ مردوں کی فطرت شکی ہوتی ہی ہے۔ میرے دل میں یہ جاننے کی خواہش بار بار اُبھرنے لگی کہ ستیش کون تھا؟ شبیل کے ساتھ اُس کے کیسے تعلقات تھے؟ پھر میں نے یہ سوچ کر دل میں اطمینان کر لیا کہ شادی سے پہلے ہر عورت یا مرد کی زندگی میں کوئی نہ کوئی حادثہ ضرور پیش آتا ہے۔ تعلیم یافتہ ماڈرن انسان کو اُس کی طرف زیادہ توجہ نہ دینی چاہئے۔

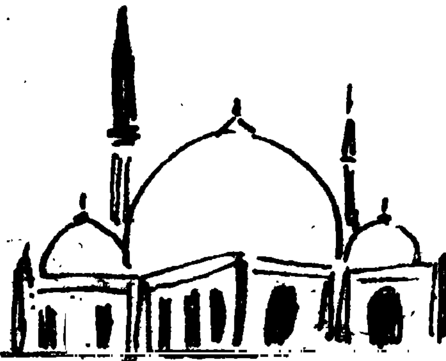
دوسرے دن ہم دونوں نے آفس جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا شبیل نے صبح ہی سے گھر کی صفائی شروع کر دی اور وہ گھنٹوں کام کرتی رہی۔ میری نظریں بار بار شبیل کے چہرے کی طرف اُٹھ جاتی تھیں۔ مجھ اداسی کی ایک ہلکی سی لہر اُس کے چہرے پر دوڑتی ہوئی نظر آتی تھی۔ وہ کچھ فکرمند سی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ پہلے کی طرح مسرور نہ تھی۔ میں ناشتے کے بعد اخبار پڑھتا رہا۔ شبیل میک آپ درست کرتی رہی۔ نارنجی رنگ کی ساڑی میں وہ بہت ہی حسین اور کمسن معلوم ہو رہی تھی گیارہ بجے تیار ہو کر ہم بس اسٹینڈ کی طرف چل پڑے۔ بارہ بجے بس آ گئی۔ میں بس سے اترتے ہوئے مسافروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ بس سے ایک اُدھیڑ عمر کی عورت تین بچوں کے ساتھ اُتری۔ بچے شبیل کو دیکھتے ہی "ممی!" کہہ کر دوڑتے ہوئے اُس سے آکر لپٹ گئے۔ بڑے لڑکے کی عمر دس سال کی تھی۔ دوسری لڑکی آٹھ نو سال کی ہوگی اور تیسرا لڑکا پانچ چھ سال کا معلوم ہو رہا تھا۔ شبیل نے مجھ سے کہا "یہ کاش! ستیش نے یہی تین تحفے مجھے دیئے تھے۔ میں انہیں کے سہارے جی رہی ہوں!" بچوں کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے میں نے یوں محسوس کیا جیسے میرے پاؤں تلے کی زمین کھسکنے لگی ہے۔

دنیائے اسلام پر ایک نظر

خانہ کعبہ پر قبضہ کا منصوبہ

سعودیہ عرب کی فوجی طاقت - ایران میں مسلح بغاوت شروع

(ہمارے سیاسی مفکر کے قلم سے)



خانہ کعبہ پر قبضہ کا منصوبہ

توسیع پسند یہودیوں نے ایک فرضی نقشہ تیار کر رکھا ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ قدیم زمانہ میں خانہ کعبہ پر بھی یہودیوں ہی کا قبضہ تھا اس لیے یہودیوں کا اس پر حق ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے یہودیوں کو کوئی کوشش نہیں اٹھا رکھنی چاہیئے چنانچہ اسی [illegible] کی جانب سے بار بار خانہ کعبہ کو یہودی ملکیت ثابت کرنے کے لیے برابر پروپگنڈا ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں اسی قسم کا پروپگنڈا یروشلم کے گورنر "ہرتازوک" کی جانب سے پھر شروع کیا ہے۔

عمان کی ایک اطلاع ہے کہ مملکت ہاشمی کے وزیر اوقاف کامل شریف نے خانہ کعبہ کو یہودی عمارت ثابت کرنے کی شرارت آمیز کوشش کے خلاف انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ "اسرائیلی تمام عالم عرب اور مشرق وسطیٰ پر جبراً قبضہ کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں" انھوں نے یروشلم کے گورنر جنرل کی اس ہرزہ سرائی پر سخت غم و غصہ کا اظہار کیا ہے کہ کعبۃ اللہ حضرت ابراہیم نے تعمیر کیا تھا اور وہ یہودیوں کے پیغمبر تھے لہذا وہ یہودیوں کی ملکیت ہے اور اسرائیل اس پر قبضہ کر کے دم لے گا۔ انھوں نے کہا کہ "اسرائیل اس بات سے مطمئن نہیں ہے کہ وہ قبلہ اول بیت المقدس پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ اور اس نے مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے اس کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر میں مصروف ہے"

مسٹر کامل شریف نے اسرائیل کے ان ناپاک عزائم کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ "خانہ کعبہ صرف مسلمانان عرب ہی کا مقدس مقام نہیں ہے بلکہ یہ ساری دنیا کے ۷۰ کروڑ مسلمانوں کی مقدس عبادت گاہ ہے۔ اسکی جانب بری نظر سے دیکھنا اسرائیل [illegible] کے حامیوں کو بہت گراں تھا ہے ہوگا۔"

ملاحظہ فرمائیے اسرائیل کے ناپاک عزائم کہ وہ خانہ کعبہ کو بھی مسمار کر دینا چاہتا ہے۔ لیکن۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ وقت دور نہیں ہے جبکہ قبلۂ اول بیت المقدس کو بھی اُسے واپس کرنا پڑے گا۔

سعودی عرب کی فوجی طاقت میں اضافہ

اسرائیلی خطرہ کے پیش نظر یوں تو سب ہی عرب ممالک اپنی فوجی طاقت کو بڑھا رہے ہیں۔ لیکن سعودی عرب ان ممالک میں بہت زیادہ پیش پیش ہے چنانچہ تازہ اطلاعات سے پتہ چلا ہے کہ سعودی عرب کے عین وسط میں خصوصیت کے ساتھ ایک جدید فوجی شہر کی تعمیر ہو رہی ہے۔ سیکڑوں بلڈوزر اور ہزاروں کاریگر اس نئے فوجی شہر کی تعمیر میں مصروف ہیں عام خیال یہ ہے کہ یہ شہر ایک بہت بڑا فوجی اڈہ ہوگا جس پر اندازاً پانچ ارب ڈالر کی رقم صرف کی جائے گی۔

اس فوجی اڈہ میں ہر وقت ۶۰ ہزار فوجیوں کے رہنے کا انتظام ہوگا ۲ ہزار دیگر افراد یہاں رہیں گے جو فوجی محکمہ سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہونگے اور تقریباً ڈیڑھ سو لڑاکا طیاروں کے آنے جانے اور انھیں کھڑا کرنے کا انتظام ہوگا۔ اس کے علاوہ چند دوسرے فوجی اڈے بھی تعمیر کیے جا رہے ہیں ان مزید فوجی اڈوں پر اندازہ ہے کہ بیس ارب ڈالر کی رقم خرچ ہوگی اور یہ سب اڈے ۱۹۸۰ء تک مکمل ہو جائیں گے ان مزید ہوائی اڈوں پر بھی ڈیڑھ سو لڑاکا طیاروں کے آنے جانے اور کھڑا کرنے کا انتظام [illegible] حکومت سعودی عرب کی کوشش ہے کہ [illegible] [illegible] طاقت کو جو نقصان پہنچا ہے [illegible]

اس کے علاوہ سعودی عرب میں فوجی تربیت کے سینٹر بھی قائم کئے جا رہے ہیں اور عنقریب حکم جاری ہونے والا ہے جس کی رو سے سعودی عرب کے ہر شہری کے لئے جس کی عمر ۱۸ اور ۳۵ سال کے درمیان ہے فوجی تربیت لازمی قرار دے دی جائے گی۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سعودی عرب اس کوشش میں بھی ہے کہ عرب ممالک ہی میں ہلکے فوجی اسلحہ تیار ہو سکیں۔ سعودی عرب کے یہ اقدامات نہ صرف عربوں کے لئے بلکہ پوری دنیائے اسلام کے لئے نہایت ہی اطمینان بخش ہیں۔

ایران میں مسلح بغاوت شروع

ایران کے بارے میں عام اندیشہ یہ تھا کہ اب جبکہ ایرانی ملاؤں اور مولویوں نے تمام بڑے بڑے فوجی افسروں کو تختہ دار پر چڑھا دیا ہے۔ اور ایران کی فوج لائق فوجی لیڈروں سے محروم ہو گئی ہے تو کسی وقت بھی ایران میں اندرونی بغاوت کھڑی ہو سکتی ہے چنانچہ تازہ اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ ایران میں اندرونی بغاوت شروع ہو گئی اور بعد کرد قبائل جو غیر معمولی فوجی صلاحیت رکھتے ہیں مسلح ہو کر ایران کی ملاؤں کی حکومت کے مقابلہ پر آ گئے ہیں اور کئی شدید جھڑپیں بھی ہو چکی ہیں

کردوں کی اس تازہ مسلح بغاوت سے ایت اللہ خمینی کی حکومت بے حد پریشان ہے۔ ایرانی مسلح افواج کی چھٹیاں منسوخ کر دی گئی ہیں بیرکوں میں جو فوج موجود ہے اُسے خصوصی طور پر چوکنا کر دیا گیا ہے۔ اور کسی بھی غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا ہے اس کے علاوہ ریڈیو تہران نے ایک نشریہ کے ذریعہ تمام فوجیوں کو اپنے ہیڈ کوارٹروں میں حاضر رہنے کی ہدایت جاری کر دی گئی ہے۔ جس سے کہ ظاہر ہے کہ ایت اللہ خمینی کی حکومت کردوں کے حملے کے خوف سے بری طرح حواس باختہ ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ فوجی سربراہوں کے قتل کے چلنے کی وجہ سے ایرانی فوج اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ وہ کسی بڑی جنگ کا تو ذکر ہی کیا ہے کسی معمولی سی اندرونی بغاوت کا بھی مقابلہ کرنے کے ناقابل ہے

عام خیال یہ ہے کہ اگر ایرانی فوج کو باغی کردوں کے مقابلہ میں ایک دو مورچوں پر بھی شکست ہو گئی تو پورے ایران میں بغاوت پھوٹ پڑے گی یہاں تک کہ ایرانی شہری جو آیت اللہ خمینی کی جابر حکومت سے تنگ آ چکے ہیں وہ بھی میدان میں آ جائیں گے اور اس کے بعد ملاؤں کی حکومت کا ایران میں جو حشر ہونے والا ہے وہ سب بر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ مختصر یہ کہ اب ایرانی عوام کو ایک نئے آگ اور خون کے دریا سے گزرنا ہو گا۔ اور یہ سب کچھ ایران میں کٹ ملاؤں کی بے عقلیوں کا نتیجہ ہے۔

مصر پر یہودی عورتوں کی یورش

مصر کے صدر انور سادات نے دنیائے عرب سے غداری کرتے ہوئے بالا ہی بالا اسرائیل سے جو دوستانہ معاہدہ کیا ہے۔ اُس سے عربوں اور مصریوں کو تو کیا فائدہ پہنچا البتہ اسرائیل کو مصر میں پنجے گاڑنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہو گئے ہیں۔

قاہرہ کی ایک اطلاع ہے کہ اس معاہدہ سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسرائیل کی خوبصورت لڑکیوں نے مصری نوجوانوں سے شادیاں کرنی شروع کر دی ہیں۔ تاکہ وہ مصر کے قلب کا مستقل ناسور بن کر ایں

ملک کی تباہی میں نمایاں حصہ لے سکیں۔ اور مصر و عرب ممالک کے خلاف جاسوسی کا اچھی طرح جال بچھا سکیں۔

حال ہی میں العریش کے مقام پر جب ایک یہودی لڑکی جوڈتھ شیرل کی شادی ایک مصری جوان سے ہوئی تو اس موقعہ پر جب ایک اخباری نمائندہ نے یہودی دلہن سے پوچھا کہ "اگر آگے چل کر اسرائیل اور مصر میں جنگ ہوئی تو اسرائیلی لڑکیوں کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوگی اُن کا رول کیا ہوگا" یہودی دلہن نے جواب دیا کہ "اول تو اب اسرائیل اور مصر میں جنگ کا امکان نہیں لیکن اگر جنگ ہوئی تو اسرائیلی لڑکیوں کے بطن سے جو لڑکے پیدا ہوں گے وہ عربوں کا ساتھ دیں گے اور جو لڑکیاں پیدا ہوں گی وہ اسرائیل کی ہمنوا ثابت ہوں گی کیوں کہ کوئی بھی اسرائیلی لڑکی اسرائیل کے علاوہ کسی دوسری قوم کی ہمنوا نہیں ہوسکتی خواہ اس کا باپ عرب ہی کیوں نہ ہو"۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو اسرائیلی لڑکیاں مصریوں سے شادی کررہی ہیں وہ اور اُن کی سب اولاد خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں اسرائیل کی حامی اور عربوں کے مخالف ثابت ہوں گے۔ گویا صدر انور سادات نے مصر کے قلب میں ایک ایسا ناسور پیدا کردیا ہے۔ جو آگے چل کر پورے مصر کو اسرائیلی بستی میں تبدیل کردے گا اور ملک مصر بھی صدر سادات کی عنایت سے آگے چل کر دوسرا اسرائیل ہی نہیں بلکہ اُس سے بھی بدتر ثابت ہوگا۔

عرب سرزمین پر امریکہ کی نظر بد

فلسطین کے لیڈر یاسر عرفات نے بیروت میں اخباری نمائندوں کو بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ "اُس ملک سے بڑھ کر کون سا ملک ذلیل ہوسکتا ہے جو دوسرے ممالک کی نفع بخش پیداوار پر نظر بد رکھے حالانکہ امریکہ کی اس لالچی ذہنیت کی خود امریکہ میں مذمت کی جارہی ہے اور یہ سمجھا جارہا ہے کہ اس طرح امریکہ سب ہی عرب ممالک کو اپنا مخالف بنالے گا"

یاسر عرفات نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "امریکہ اپنی فوجی طاقت کے بل پر ہمارے تیل کے چشموں پر قبضہ جمانے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ لیکن اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ تیل پیدا کرنے والے خلیجی اور عرب ممالک میں امریکہ کی فوجی مداخلت کا مقابلہ کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے" انھوں نے کہا کہ "ہم عرب سرزمین پر امریکہ کے قدم جمانے کی کسی حیثیت پر بھی اجازت نہیں دیں گے۔ کیوں کہ یہ سرزمین ہماری ہے اور ہم اس کے تیل کے مالک ہیں"

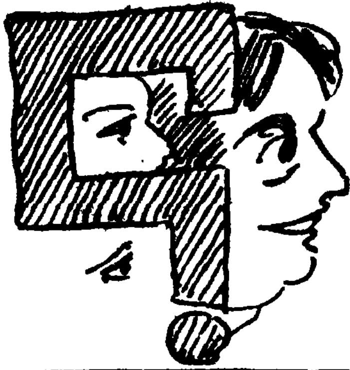
امریکہ کے یہ ناپاک ارادے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ سب ہی کو معلوم ہے کہ اسرائیل امریکہ کا پٹھو ہے۔ اور امریکہ نے اُسے اس لئے بڑھاوا دیا ہے تاکہ وہ امریکہ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے عرب علاقوں میں جارحانہ پیش قدمی کرتا رہے۔ اسرائیل اب تک جو کچھ کرتا رہا ہے وہ دراصل امریکہ ہی کررہا ہے۔ ایسی حالت میں اگر امریکہ براہ راست بھی عرب ممالک پر تیل کے لالچ میں حملہ کردیتا ہے تو کوئی تعجب نہیں خواہ اُسے ذلت اور ناکامی ہی کا منہ کیوں نہ دیکھنا پڑے۔

جنوبی لبنان پر اسرائیل کا قبضہ

لبنان اسرائیل کا پڑوسی ملک ہے۔ اسرائیل یہ چاہتا ہے کہ اس ملک کے جنوبی حصہ پر اپنا اقتدار قائم کرکے اپنی سرحدوں کی مزید توسیع کرلے۔ اور جنوبی لبنان میں چونکہ عیسائیوں کی اکثریت ہے اس لئے وہ بڑی حد تک اپنے مقصد کے قریب پہنچ چکا ہے۔

اس سے قبل اطلاع ملی تھی کہ جنوبی لبنان کے عیسائی کمانڈر نے جنوبی لبنان کی خودمختاری کا اعلان کردیا ہے۔ اور اب کویت کے روزنامہ "السیاست" کی اطلاع کے مطابق اسرائیل اس سال موسم خزاں کے آخر تک جنوبی لبنان پر قبضہ کرے گا۔ چنانچہ دو خلیجی ریاستوں کو ایسی اطلاعات موصول ہوئی ہیں جن سے اسرائیل کے وسیع پیمانہ پر لبنان میں فوجی عزائم کی تصدیق ہوتی ہے۔

اور اسرائیل کی لبنان میں فوجی مداخلت کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ لبنان میں گزشتہ چار سال سے جو خون ریزی اور خانہ جنگی برپا ہے وہ دراصل اسرائیل ہی کی فوجی مداخلت کا نتیجہ ہے۔ اسرائیل کی کوشش یہ ہے کہ وہ لبنان کے علیحدگی پسند عیسائی عنصر کو تقویت پہنچا کر لبنان کو دو حصوں میں تقسیم کردے یعنی "مسلم لبنان اور عیسائی لبنان" تاکہ وہ عیسائی لبنان پر اپنا اقتدار قائم کرکے وہاں ایک دوسرے اسرائیل کی داغ بیل ڈال سکے



دلچسپ معلومات

حیرت انگیز اور عجیب و غریب انکشافات

(از ادارہ دین دنیا)

روحوں سے بات چیت ممکن ہے

امریکہ کا ماہر روحانیات ”ولیم یکسن“ جو شگاگو کا باشندہ ہے گزشتہ کئی سال سے روحوں سے بات چیت کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اور اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے نہ صرف خود روحوں سے بات چیت کرنے کا طریقہ دریافت کر لیا ہے بلکہ وہ عنقریب دنیا کے سامنے ایک ایسا طریقہ کار پیش کرنے والا ہے جس کے ذریعہ ہر شخص اپنے مردہ عزیزوں اور دوستوں کی روحوں سے گفتگو کر سکے گا۔

اس ماہر روحانیات نے کئی مرتبہ روحوں سے گفتگو کرنے کا کھلا مظاہرہ کیا ہے جس میں کہ مرنے والوں کی روحوں نے اپنے عزیزوں سے بات چیت کی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ جس طرح زندہ انسان اپنے مرنے والے عزیزوں اور دوستوں کی روحوں سے گفتگو کرنے کے خواہشمند ہیں۔ اسی طرح روحیں بھی دنیا میں رہنے والے اپنے عزیزوں سے بات چیت کرنے کی زبردست خواہش رکھتی ہیں۔ گر چونکہ کوئی ذریعہ پیدا نہیں ہو سکا ہے اس لئے روحوں سے بات چیت نہیں ہو سکتی لیکن امید ہے کہ اب یہ سلسلہ جلد ہی شروع ہو جائے گا۔

مردوں سے بیزار عورتوں کے کلب

حال ہی میں معلوم ہوا ہے کہ مغربی جرمنی میں ایسے متعدد کلب قائم ہو چکے ہیں جنکی ممبر صرف وہ عورتیں اور لڑکیاں ہیں جنھوں نے کہ تازندگی مردوں سے الگ رہنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے جرمنی میں مردوں کی جو کمی واقع ہو گئی تھی وہ ابھی تک پوری نہیں ہو سکی ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی مغربی جرمنی میں مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی تعداد بڑھ گئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لاکھوں عورتیں اور لڑکیاں کنوارپنے کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئی ہیں۔

چونکہ مردوں کی کمی ہے اس لئے مغربی جرمنی میں عموماً مرد عورتوں سے ناجائز فوائد حاصل کرتے رہتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں بیوی کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔ اور مردوں کی اس تلوّن مزاجی نے مغربی جرمنی میں عورتوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا کر دیا ہے جو مردوں سے نفرت کرنے لگا ہے۔

تین سال میں چودہ بچوں کی ماں

نیپلز کی اطلاع ہے کہ وہاں کی ایک ۲۸ سالہ خاتون کے بطن سے حال ہی میں ایک ساتھ آٹھ بچے پیدا ہوئے ہیں ان ۸ بچوں میں سے ایک بچہ تو پیدا ہوتے ہی مر گیا اور جو بچے زندہ ہیں انہیں گرمی پہنچانے والی مشین میں رکھا ہوا ہے۔ ان بچوں کا زیادہ سے زیادہ وزن ایک کلو ہے یہ بچے وقت سے دو ماہ پہلے پیدا ہو گئے ہیں۔

جس خاتون کے بطن سے یہ آٹھ بچے پیدا ہوئے ہیں اس کا نام ہے ”پکالینا“ اس کا شوہر ایک انشورنس کمپنی میں کلرک ہے۔ مسز پکالینا نے اب سے تین سال پہلے بھی ایک ساتھ چھ بچوں کو جنم دیا تھا۔ اس طرح تین سال کے اندر اس خاتون کے بطن سے چودہ بچے پیدا ہو چکے ہیں۔ گزشتہ مرتبہ جو چھ بچے پیدا ہوئے تھے وہ سب کے سب مر گئے تھے اور موجودہ بچوں میں سے بھی کم کے زندہ رہنے کی امید ہے۔


دین دنیا



''کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا ——— تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو''
مرارجی ڈیسائی، شری راج نرائن اور بابو جگجیون رام



کانگریس کے صدر ''سردار سورن سنگھ''
چودھری چرن سنگھ سے ہاتھ ملانے کو تیار ہو گئے۔



وزارت عظمیٰ کے امیدوار —
''چودھری چرن سنگھ''



دوبئی کے حکمراں ہزہائینس شیخ رشید بن سعید" دوبئی میں ایک نو تعمیر عمارت کا افتتاح کر رہے ہیں۔



سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی" صدر سادات عرب کاز کو شدید نقصان پہنچانے کے بعد آجکل نمازی بن گئے ہیں۔



عراق کے وزیر خارجہ ''جلول مہندی'' ایک غیر ملکی مدبر کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔



اڑیسہ کے وزیر اعلیٰ ''دیو راج ارس''
نے اندرا کانگریس سے علیحدگی اختیار کرلی ہے



سنجے نوازی نے ''اندرا کانگریس'' کی
بنیادیں ہلادی ہیں



مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر "علی محمد خسرو" اور یونیورسٹی کے طلبا سرسید کے مزار پر یونیورسٹی کے حق میں دست بدعا ہیں -



امریکہ میں ہندوستان کے سفیر " پالکی والا" (چشمہ لگائے ہوئے) ہندوستان واپس آرہے ہیں تصویر میں مسٹر اٹل بہاری واجپائی اور امریکہ کے سیکریٹری آف اسٹیٹ سائرس کے ہمراہ ہیں-



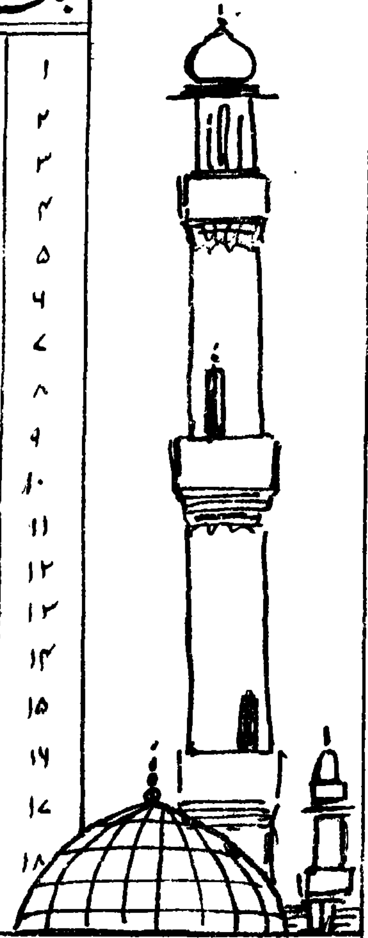
رمضان المبارک کے موقع پر جامع مسجد دہلی میں نمازیوں کا ہجوم

ہندوستان کا سب سے قدیم اور کثیر الاشاعت تاریخی اور اصلاحی جریدہ

ماہنامہ دین دنیا دہلی

(ایڈیٹر شوکت علی فہمی)

جلد ۵۹ — اگست ۱۹۷۹ء — نمبر ۸



قیمت فی پرچہ
ایک روپیہ پچھتر پیسے
پاکستان بنگلہ دیش اور برما سے بائیس روپے
غیر ممالک سے ...... دو پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ دین دنیا
دین دنیا ہاؤس ۔ متصل جامع مسجد دہلی
وی ۔ پی منگانے میں سوا تین روپے زائد خرچ ہے ۔ منی آرڈر بھیجئے

قیمت سالانہ
اٹھارہ روپے
ششماہی
دس روپے

(مفتی شوکت علی فہمی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے اپنے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر دین دنیا جامع مسجد دہلی سے شائع کیا)



رفتار زمانہ

(شوکت علی فہمی)

یہ نئی حکومت

کیا دیرپا اور مستحکم ثابت ہوسکے گی؟

قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جن لوگوں نے آج سے ڈھائی سال قبل جنتا پارٹی کی عمارت کو تعمیر کیا تھا۔ اور جن ہاتھوں نے جنتا حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ آج جنتا حکومت سے بیزار ہوکر خود ہی اپنے ہاتھوں سے انھوں نے جنتا حکومت کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ اور یہ سب کچھ اتنی سرعت اور تیزی سے ہوا ہے کہ ایک ماہ قبل کوئی اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا جنتا حکومت شروع ہی سے وعدہ شکنی اور عوام دشمنی کی ڈگر پر چل رہی تھی۔ اور اس کے زعما حکومت کے نشہ میں جس طرح مدہوش تھے اس سے صاف طور پر یہ ظاہر ہورہا تھا کہ اس حکومت کو ایک نہ ایک دن ٹوٹنا ہے۔ لیکن یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ حکومت اتنی جلد ختم ہوجائے گی اور اس کا شیرازہ بالکل ہی بکھر جائے گا۔ جنتا حکومت کے اس انجام سے ملک کے سب ہی زعما کو اور خصوصیت کے ساتھ نئے حکومت کے سربراہ شری چرن سنگھ کو سبق لینا چاہئے۔ اور یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کوئی بھی ایسی حکومت جو عوام کے مفاد سے روگردانی کرے اور جس کے زعما کرسیوں کی خاطر رسہ کشی میں مصروف رہیں زیادہ مدت تک قائم نہیں رہ سکتی۔

ہمکو خوشی ہے کہ شری چرن سنگھ کی حکومت کے قیام سے اس آپس کی رسہ کشی میں عارضی طور پر تو کمی آگئی ہے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ رسہ کشی ختم ہونے والی نہیں بلکہ ممکن ہے کہ آگے چل کر اس میں اور بھی اضافہ ہوجائے۔ اور ایسی حالت میں جبکہ چرن سنگھ وزارت بھی ٹیلیائی وزارت کی طرح مختلف پارٹیوں کے جوڑ توڑ سے بنی ہے تو اسے کیونکر استحکام حاصل ہوسکتا ہے۔ سابقہ مرارجی حکومت بھی پانچ پارٹیوں کے جوڑ توڑ سے بنی تھی اور موجودہ چرن سنگھ حکومت بھی متعدد پارٹیوں کے جوڑ توڑ سے عالم وجود میں آئی ہے جن کے نظریات میں شدید اختلاف ہے۔ اور اسے صرف گنے چنے چند ممبروں کی اکثریت حاصل ہے تو کسی وقت بھی کسی ایک پارٹی کے ناراض ہونے پر چرن سنگھ کی حکومت کا بھی وہی حشر ہوسکتا ہے جو آج مرارجی حکومت کا ہوچکا ہے

چرن سنگھ وزارت قائم ضرور ہوچکی ہے لیکن ہمیں شبہ ہے کہ یہ ملک کے لئے کوئی مستحکم حکومت ثابت ہوسکے گی۔ اصل بات تو یہ ہے کہ سابقہ کانگریسی حکومت اور جنتا پارٹی کی بے عنوانیوں نے ملک کو شدید مشکلات میں مبتلا کردیا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب مدتوں اس ملک میں کوئی مستحکم حکومت نہیں بن سکے گی۔ نئی نئی حکومتیں بنتی رہیں گی اور ٹوٹتی رہیں گی۔ اور اگر ملک میں وسط مدتی انتخابات بھی کرانے پڑے تو ان سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ملک کے غریب عوام کا کروڑوں روپیہ جدید انتخابات پر برباد ہوجائے گا۔ اور انتخابات کے بعد جو پارٹیاں ابھر کر سامنے آئیں گی وہ درجنوں ہوں گی اور ان میں سے کوئی پارٹی بھی اس قابل نہیں ہوگی کہ وہ مستحکم حکومت بنا سکے۔ اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں ملی جلی پارٹیوں کی حکومتیں بنتی

رہیں گی اور لوٹتی رہیں گی اور ملک دن بدن کمزور ہوتا چلا جائے گا اور ہماری اِس کمزوری کی بنا پر بیرونی دشمنوں کو ہمارے ملک میں ریشہ دوانیوں کے مواقع ملتے رہیں گے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہمارے یہ تمام اندیشے غلط ثابت ہوں اور شری چرن سنگھ کی وزارت کو استحکام حاصل ہو۔

جہاں تک مرار جی وزارت کے ٹوٹنے کا تعلق ہے عوام اِس سے خوش ہیں کیوں کہ مرار جی وزارت نہایت ہی بدعہد ثابت ہوئی ہے۔ اس نے عوام سے جو وعدے کئے تھے اُن میں سے کوئی ایک وعدہ بھی پورا نہیں ہو سکا ہے۔ لاقانونی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ عوام کی نہ جانیں محفوظ ہیں اور نہ مال۔ ڈاکے اور چوریاں عام ہیں۔ بے روزگاری انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اور گرانی ہر روز بڑھ رہی ہے اور آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ سرکاری ملازمین اور پولیس تک بغاوت پر آمادہ ہیں اور فرقہ وارانہ فسادات نے تو ایک نیا ریکارڈ قائم کر دیا ہے پہلے اگر فسادات ہوتے تھے تو دو چار دن میں اُن کا خاتمہ ہو جاتا تھا۔ لیکن اب تو نو نو اور دس دس مہینے فسادات برقرار رہنے لگے ہیں جیسا کہ علیگڑھ میں ہوا۔ اور علیگڑھ ہی پر کیا موقوف ہے۔ جمشید پور میں ہفتوں خون کی ہولی کھیلی جاتی رہی۔ جمشید پور کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ ندیا کی باری آگئی اور ندیا کے بعد پورنیہ میں فساد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ غرضکہ پورے ملک میں لاقانونیت اور طوائف الملوکی جیسی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔ اور اِن حالات کو دیکھتے ہوئے عوام نے مرار جی وزارت کے خاتمہ کے بعد اطمینان کا سانس لیا ہے۔

مرار جی کے بعد اقتدار شری چرن سنگھ کے ہاتھوں میں آیا ہے۔ مگر چرن سنگھ سے بھی عوام مطمئن نہیں ہیں کیونکہ وہ بھی اُسی پارٹی سے نکل کر برسر اقتدار آئے ہیں جس نے کہ ڈھائی سال کے اندر ہندوستان کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ مرار جی کی وزارت میں شامل رہنے کی بنا پر چرن سنگھ بھی اول سے لیکر آخر تک جنتا وزارت کے گناہوں میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ وہ مدتوں وزیر داخلہ رہے ہیں لیکن آئے دن کے فسادات کے روکنے کے لئے وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ وزیر خزانہ بنے تو اُنھوں نے اندھا دھند اتنے بھاری ٹیکس لگا دئے کہ گذشتہ حکومتوں نے شاید دس سال میں بھی نہیں لگائے تھے۔ اُنھوں نے شراب اور جوئے بازی پر تو کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔ لیکن غریب عوام کی ضروریات زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر بھی ٹیکس لگا کر غریب عوام کا گلا گھونٹ دیا۔ اُن کے زمانہ میں دیاسلائی، بیڑی، مٹی کا تیل۔ نہانے کا صابن، کپڑے دھونے کا صابن۔ بسکٹ اور بچوں کے کھانے کی مٹھائیاں تک ٹیکس سے نہ بچ سکیں۔ اور اُن کی غلط ٹیکس پالیسی کی بدولت آج ہمارے ملک میں گرانی ناقابل برداشت حد تک بڑھ چکی ہے۔ یہ کسان ہونے کی بنا پر کسان دوست تو ضرور ہیں۔ لیکن انہیں عوام دوست نہیں سمجھا جا رہا ہے اِس لئے عوام اُن سے بھی مطمئن نہیں ہیں۔

تازہ اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ وزارت عظمیٰ کے حاصل ہونے کے بعد شری چرن سنگھ نے اپنی کوٹھی پر جو پریس کانفرنس کی ہے اُس میں کہا ہے کہ وہ ایک ایسی قابل اطمینان حکومت ملک کے سامنے پیش کریں گے جیسی حکومت کہ عوام چاہتے ہیں۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ میری سرکار کا سب سے بڑا اور پہلا کام یہ ہوگا کہ ملک سے بے روزگاری، افلاس اور گرانی کا خاتمہ ہو جائے اور مختلف طبقوں میں امیری اور غریبی کا جو فرق ہے وہ کم ہو جائے۔ مگر اِس موقعہ پر شری چرن سنگھ سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے سابقہ جنتا حکومت کے وزیر خزانہ کی حیثیت سے عوام پر اندھا دھند ٹیکس لگا کر افلاس اور گرانی میں جو اضافہ کیا ہے کیا وہ دوبارہ اِن ٹیکسوں پر نظر ثانی کے لئے آمادہ ہیں۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو گرانی اور افلاس میں کیونکر کمی ہو سکتی ہے۔

شری چرن سنگھ ایک پرانے مدبر اور سیاست داں ہیں ہمیں امید ہے کہ وزارت عظمیٰ کی ذمہ داریوں کی بنا پر ان میں حسب ضرورت تبدیلی ضرور پیدا ہوگی اور وہ اُن کوتاہیوں کو دور کرنے کی ضرور کوشش کریں گے جو مرار جی کی حکومت میں اُن سے سرزد ہوتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ شری چرن سنگھ اور مسٹر راج نرائن کا یہ اقدام بلاشبہ قابل تعریف ہے کہ اُنھوں نے اُس راشٹریہ سنگھ اور جن سنگھ پر کاری ضرب لگائی ہے جو اس ملک کی جمہوریت اور سیکولرزم کے سب سے بڑی دشمن ہیں۔ ہم کو توقع رکھنی چاہئے کہ شری چرن سنگھ کا دور ہر حالت میں مرار جی ڈیسائی کے دور سے بہتر ہوگا۔ اور ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ اُن کی حکومت کو استحکام حاصل ہو اور خدا انہیں توفیق دے کہ وہ اُن اقلیتی مسائل کی جانب توجہ کر سکیں جن سے عدم توجہی کی بنا پر ہمارے ملک کی جمہوریت اور سیکولرزم کے دامن پر بدنما داغ لگ گیا ہے اور ہندوستان غیر ممالک میں بدنام ہو رہا ہے

اقلیتی محاذ کے قیام کی ضرورت

ہمارا ملک اِس وقت جن نازک حالات سے گزر رہا ہے۔ انہیں دیکھتے ہوئے اِس ملک کی سب ہی اقلیتوں کے متحدہ محاذ کا قیام نہایت ضروری ہوگیا ہے۔ کیونکہ اگر اِس ملک کی اقلیتیں متحد ہوجائیں اپنا ایک مشترکہ محاذ اور پلیٹ فارم قائم کرلیں اور زیادہ سے زیادہ اقلیتی نمائندوں کو لوک سبھا میں بھیجنے کی کوشش کریں تو وہ اِس ملک کی ایک ایسی متوازن طاقت بن سکتی ہیں کہ جن کے بغیر اِس ملک میں نہ تو کوئی حکومت قائم ہوسکتی ہے اور نہ چل سکتی ہے۔

اِس ملک کی اقلیتوں کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ اِس ملک کی سب ہی اقلیتیں منتشر ہیں۔ کیونکہ اِس ملک کی اکثریتی سیاسی پارٹیاں شروع ہی سے اِن کو منتشر کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ خود اقلیتوں نے بھی متحد ہونے کی آج تک کوئی کوشش نہیں کی اور اُن کے انتشار سے اِس ملک کی سیاسی پارٹیاں گذشتہ تیس سال سے ناجائز فائدہ اٹھاتی رہی ہیں۔ چنانچہ وہ اقلیتوں ہی کے ووٹوں سے لوک سبھا میں جاتی ہیں۔ اور وہاں پہنچنے کے بعد اقلیتوں ہی کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتی رہتی ہیں۔

ہم اِس ملک کی اقلیتوں کو بار بار یہ سمجھاتے رہے ہیں کہ یہ ملک اکثریت کا نہیں بلکہ اقلیتوں کا ہے۔ اِس ملک میں اقلیتوں کی عددی طاقت دنیا کے تمام ممالک سے زیادہ ہے۔ اِس ملک میں دس بارہ کروڑ مسلمان ہیں سولہ سترہ کروڑ کے قریب ہریجن اور پسماندہ اقوام ہیں۔ [illegible] کی تعداد بھی ایک کروڑ تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے علاوہ عیسائیوں سکھوں اور دوسری اقلیتوں کی تعداد بھی پانچ کروڑ سے زیادہ ہے۔ ذرا غور فرمایئے کہ اگر یہ تمام اقلیتیں متحد ہوجائیں تو وہ کیا کچھ نہیں کرسکتیں۔

ہمیں اِس بات کا اعتراف ہے کہ ملک کی سب ہی اقلیتوں کو متحد کرنا اور ایک ہی پلیٹ فارم پر لاکر کھڑا کردینا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ ایک دشواری یہ بھی ہے کہ یہاں کی اکثریت نے اور اکثریتی طبقہ کی سیاسی پارٹیوں نے اقلیتوں میں تفریق پیدا کرنے میں نہایت ہی اہم پارٹ ادا کیا ہے۔ ہریجنوں اور پسماندہ اقوام کو غیر معمولی مراعات اِسی لئے دی جاتی رہی ہیں تاکہ وہ دوسری اقلیتوں سے الگ تھلگ رہیں اور اچھوتوں کے جگ جیون رام جیسے لیڈر روزِ اول ہی سے اِس کوشش میں لگے رہے ہیں کہ ہریجن اور پسماندہ اقوام دیگر اقلیتوں سے الگ ہی رہیں تاکہ وہ اُن کے واحد لیڈر بن کر اپنے اقتدار کو برقرار رکھ سکیں۔

لیکن وقت آگیا ہے کہ ہندوستان کی سب ہی اقلیتیں اپنا مشترکہ محاذ اور پلیٹ فارم قائم کریں تاکہ اِس پلیٹ فارم کے ذریعہ ایک طرف تو ملک و وطن کی زیادہ سے زیادہ خدمات انجام دی جاسکیں اور دوسری جانب اُن اقلیتی مسائل کو حل کیا جاسکے جو گذشتہ تیس سال سے الجھے پڑے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں اور تمام دوسری اقلیتوں کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ اُن کا کوئی مسئلہ بھی اُس وقت تک حل نہیں ہوسکتا جب تک کہ تمام اقلیتیں متحدہ محاذ قائم نہیں کریں گی یعنی مسلمانوں کے حقوق پر اسی طرح ڈاکے پڑتے رہیں گے اور انہیں تباہ کرنے کے لئے برابر فسادات ہوتے رہیں گے اور اسی طرح ہریجنوں کا خون بہتا رہے گا اور ہریجن عورتوں کی آبرو لٹتی رہے گی ضرورت ہے کہ مسلم زعما اور دوسرے فرقوں کے اقلیتی لیڈر اِس معاملہ پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں۔

راشٹریہ سنگھ کی حالت پتلی

حکومت کے موجودہ انقلاب کے جنم داتا ”شری راج نرائن“ نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ ”میں حکومت میں شامل نہیں ہوں گا میں نے چودھری چرن سنگھ سے اِس بات کی منظوری حاصل کرلی ہے کہ میں حکومت سے باہر رہ کر ایک طرف تو پارٹی کو مضبوط کروں اور دوسری جانب میری کوشش یہ ہوگی کہ آر ایس ایس پر پابندی لگادی جائے اور مجھے یقین ہے کہ مجھے اِس مقصد میں کامیابی ضرور حاصل ہوگی۔“

شری راج نرائن نے جس طرح راشٹریہ سنگھ اور جن سنگھ کے خلاف جہاد شروع کیا ہے۔ وہ ہندوستان کی تاریخ میں آپ ہی اپنی مثال ہے۔ سب ہی اِس چیز سے واقف ہیں کہ ایک ماہ قبل راشٹریہ سنگھ ہمارے ملک پر چھایا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ حکومت اُس کی کٹھ پتلی بنی ہوئی تھی۔ لیکن یہ راج نرائن ہی ہیں جنھوں نے کہ دیکھتے ہی دیکھتے راشٹریہ سنگھ پر ایسی کاری ضرب لگائی ہے کہ

راشٹریہ سنگھی اب اپنے بنیادی آئین میں تبدیلی پیدا کرنے پر بھی غور کر رہے ہیں۔ اور جن سنگھ نے بھی ہندو راشٹر کے دیرینہ خواب سے توبہ کر لی ہے۔

راشٹریہ سنگھ اس ملک کی وہ بدنام جماعت ہے جس کا کہ براہ راست امریکہ کی جاسوسی ایجنسی سی۔ آئی۔ اے سے تعلق ہے یہ اس ملک کی جمہوریت اور سیکولرزم کی سب سے بڑی مخالف ہے ہمارے ملک کے اتحاد اور یکجہتی کو غارت کرنے میں اس کا سب سے بڑا ہاتھ رہا ہے۔ اور مسلمانوں کی تو یہ سب سے بڑی دشمن ہے۔ اسی جماعت کے بڑے گروجی گوالوالکر کا کہنا ہے کہ "مسلمان اس ملک میں چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح داخل ہوئے ہیں اس لئے ملک کے عام شہریوں اور مسلمانوں کو برابری نہیں دی جاسکتی اور اُن کو شہری حقوق بھی نہیں دئے جاسکتے" اور بڑے گروجی کے اسی ارشاد اور حکم کی روشنی میں راشٹریہ سنگھ کے ہاتھوں گذشتہ تیس سال سے مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔

ہم کو خوشی ہے کہ اب راشٹریہ سنگھ اور اُس کی ذیلی جماعت جن سنگھ کا پوری طرح پردہ چاک ہو چکا ہے۔ اور سب ہی حریت پسند عناصر کا مطالبہ ہے کہ اس جماعت کو خلاف قانون قرار دیا جائے۔ اور ہم کو امید رکھنی چاہیئے کہ جس طرح شری راج نرائن کی کوششوں سے راشٹریہ سنگھ نواز جنتا حکومت کا تختہ الٹا ہے اُسی طرح جلد ہی اس زہریلی جماعت پر پابندی بھی لگ جائے گی۔

مرارجی سنیاسی بن رہے ہیں

"جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا" تازہ اطلاع ہے کہ اب مرارجی ڈیسائی وزارت عظمیٰ سے محروم ہونے کے بعد ایک سنیاسی کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے جنتا پارلیمانی پارٹی کی لیڈری سے بھی استعفیٰ دے دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا ہے کہ وہ سیاست سے کنارہ کش ہو رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے جنتا پارٹی کے صدر شری چندر شیکھر کے نام ایک طویل خط میں لکھا ہے کہ آئندہ وہ کسی قسم کی بھی سیاسی سرگرمی میں حصہ نہیں لیں گے۔ نیز انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اس بات پر بھی سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں کہ لوک سبھا کی ممبری سے بھی استعفیٰ دیدیں اور باقی زندگی ایک سنیاسی کی طرح گوشہ نشینی میں گزار دیں۔

مرارجی ڈیسائی کے مندرجہ بالا تازہ ترین ارشادات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے ملک کے بڑے سے بڑے لیڈر کی تمام تر سرگرمیاں ملک اور وطن کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ یہ صرف اقتدار کی کرسی تک محدود رہتی ہیں۔ اگر اقتدار اور کرسی ہے تو سب کچھ ہے۔ لیکن اگر کرسی نکل جاتی ہے تو وہ ایک سرے ہی سے سیاست سے منہ موڑ لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ سنیاس تک اختیار کرنے کے لئے بھی آمادہ ہو جاتے ہیں۔ پھر نہ انھیں اس ملک کے عوام سے کوئی دلچسپی باقی رہتی ہے اور نہ ملک و وطن سے ابن الوقتی کی انتہا ہے۔

مرارجی ڈیسائی جو آج سنیاس لینے کی باتیں کر رہے ہیں اور سیاست سے کنارہ کش ہونے پر آمادہ ہیں کاش اس سے پہلے ہی انھوں نے یہ قدم اٹھا لیا ہوتا تو اُنکی ذات اور بہار جیسی غلطیوں سے ملک و وطن کو جو نقصان پہنچا ہے ملک کم از کم اُس سے تو بچ جاتا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مرارجی ڈیسائی اس ملک کے ناکام ترین وزیر اعظم ثابت ہوئے ہیں۔ اُن کے عہد میں قومی زندگی کے ہر گوشہ میں انارکی اور لاقانونیت جیسی حالت پیدا ہو گئی تھی۔ اور جب کبھی اُن کی توجہ ملک کے بگڑتے ہوئے حالات کی جانب دلائی گئی تو وہ برافروختہ ہو جاتے تھے

مرارجی ڈیسائی اٹھائیس ماہ تک وزارت عظمیٰ کی کرسی پر براجمان رہے ہیں اور اس طویل مدت میں اگر اُنھوں نے کچھ کیا ہے تو وہ یہ ہے کہ اول تو فسطائی عناصر کو اس ملک پر مسلط کرتے رہے۔ دوسرے وہ اپنے برخوردار کانتی ڈیسائی کو دولت سمیٹنے کے لئے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرتے رہے یا کانتی ڈیسائی پر جب مفادی بے عنوانیوں کے الزامات لگائے جاتے تھے تو وہ انہیں بچانے کے لئے اپنی تمام کوشش صرف کر دیتے تھے یہاں تک کہ موجودہ وزیر اعظم چرن سنگھ سے اُن کی اسی بات پر ٹھن گئی تھی کیوں کہ وہ بحیثیت وزیر داخلہ کانتی ڈیسائی کے خلاف انکوائری کرانے پر بضد تھے غرضکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مرارجی ڈیسائی نے وزارت عظمیٰ محض اس لئے سنبھالی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کانتی ڈیسائی کی بے عنوانیوں کے لئے ڈھال بنے رہیں۔

شری مرارجی ڈیسائی کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ مکمل طور پر راشٹریہ سنگھ کے آلۂ کار بن گئے تھے۔ راشٹریہ سنگھ انہیں جس طرح

نچاتا تھا وہ ناچتے تھے۔ انھوں نے اپنے تمام پرانے نظریات کو ترک کر کے راشٹریہ سنگھ کو نیک چلنی کا سارٹیفکٹ دیدیا تھا۔ اُن کی اسی راشٹریہ سنگھی غلامی کی وجہ سے جا بجا ملک میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے تھے جن کے نتیجہ میں سیکڑوں بے گناہ مارے گئے۔ لیکن وہ ان فسادات میں بھی راشٹریہ سنگھ کے ملوث ہونے سے انکار کرتے رہے کیونکہ مرارجی ڈیسائی بے گناہ انسانوں کے خون کو نظر انداز کر کے راشٹریہ سنگھ کی مدد سے اپنی گدی کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے اور آخر میں راشٹریہ سنگھ کی یہ حمایت ہی مرارجی کے زوال کا باعث بنی۔ بہرحال ہمیں خوشی ہے کہ جلد ہی مرارجی کی حکومت سے ملک کو نجات مل گئی۔ اور مرارجی گدی سے محروم ہونے کے بعد آج کل سنیاس لینے اور سیاست سے سبکدوش ہونے کی باتیں کر رہے ہیں۔

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

جمیعۃ العلماء ہند کی سول نافرمانی

سابقہ جنتا حکومت جس پر کہ کلیتہً راشٹریہ سنگھ اور جن سنگھ جیسی فسطائی جماعتوں کا قبضہ رہا ہے۔ جمعیۃ العلماء ہند نے بروقت اُس کی اقلیت کشی اور بے عنوانیوں کے خلاف ستیا گرہ شروع کر کے یہ بات ثابت کردی ہے کہ جس طرح اس ملک کے مسلمان آج سے چالیس پچاس سال قبل ملک کی آزادی کے لئے ایک غیر ملکی حکومت کے خلاف بڑی سے بڑی قربانیاں دے سکتے تھے۔ اسی طرح وہ اپنے ملک کی ایک ناکارہ اور نکمی حکومت کو جھنجوڑنے کے لئے آج بھی جیلوں کو بھر سکتے ہیں۔

سب ہی کو معلوم ہے کہ سابقہ جنتا حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے اس ملک پر فسطائی عناصر اس بری طرح سے چھاتے چلے گئے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس ملک میں نہ کوئی قانون ہے اور نہ کوئی حکومت۔ فرقہ وارانہ فسادات روز کی لعنت بن گئے اور ان فسادات میں صرف فسادیوں اور فسطائیوں ہی نے اپنے ہاتھ بے گناہوں کے خون میں نہیں رنگے بلکہ اکثر مقامات کی پولیس اور پی۔ اے۔ سی بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گئی۔ اور انتہائی بے دردی کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کا قتل عام ہوتا رہا۔ اُن کے گھروں کو لوٹا اور جلایا گیا۔ اور اُن کے کاروبار کو تباہ کیا گیا اور ساتھ ہی ہریجنوں اور دوسرے کمزور طبقوں پر بھی بری طرح مظالم توڑے گئے یہاں تک کہ ہریجن عورتوں کی کھلے بندوں اجتماعی طور پر عصمت دری کی گئی۔ یہ صبر آزما حالات ایسے نہیں تھے کہ جنھیں زیادہ مدت تک برداشت کیا جاسکتا۔ لہٰذا پہلے تو جمعیۃ العلماء کے زعماء نے بار بار اس بڑھتے ہوئے ظلم و ستم کے خلاف حکومت کو توجہ دلائی اور جب سابقہ جنتا حکومت اس پر بھی ٹس سے مس نہ ہوئی تو جمیعۃ العلماء ہند کو پرامن ستیہ گرہ کا حربہ استعمال کرنا پڑا۔

ستیاگرہ کی اس تحریک کی مقبولیت اور کامیابی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگرچہ یہ تحریک نہایت ہی محدود پیمانہ پر صرف دہلی میں شروع کی گئی تھی۔ لیکن پھر بھی گرفتاریاں دینے والوں کا ہندوستان کے کونے کونے سے تانتا بندھ گیا۔ جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ آج بھی مسلمانوں میں قربانیاں دینے والوں کی کمی نہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر جو چیز ملک و ملت کے لئے باعث فخر ہے وہ یہ ہے کہ ستیاگرہ کی یہ تحریک صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ نیک دل غیر مسلموں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ گرفتار ہو کر اس تحریک کی ہمت افزائی کی۔

جمیعۃ العلماء ہند کی ستیاگرہ کی اس تحریک کا موجودہ دور ڈھائی ہزار گرفتاریاں دینے کے بعد ۲۵ جولائی کو ختم ہو گیا ہے۔ اور اب جبکہ جنتا حکومت ہی جس کے خلاف یہ تحریک شروع کی گئی تھی ختم ہو چکی ہے۔ تو شائد مزید ستیاگرہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ لیکن پھر بھی اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جمیعۃ العلماء ہند نے اس جرأت مندانہ اقدام کے ذریعہ اس ملک کی سب ہی اقلیتوں کو ایک راستہ دکھایا ہے اور ظلم و زیادتی اور ناانصافی کے خلاف ستیہ گرہ کر کے سب ہی کمزور طبقوں کی رہنمائی کی ہے۔ اقلیتوں اور اس ملک کے کمزور طبقوں کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ قربانیوں کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوا کرتا ہمکو امید ہے کہ جمیعۃ العلماء ہند کے اس اقدام سے سب ہی کمزور طبقے سبق حاصل کریں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جمیعۃ العلماء ہند نے بروقت اس ملک کی اقلیتوں اور کمزور طبقوں کی صحیح رہنمائی کر کے ایک عملی راستہ دکھایا ہے۔ جس کے لئے اس ملک کی سب ہی اقلیتوں کو جمیعۃ العلماء ہند کا شکر گزار ہونا چاہیے

اقلیتوں اور کمزور طبقوں سے وعدے

یہ ایک پرانا دستور سا بن گیا ہے کہ جب بھی کوئی نیا وزیراعظم اقتدار کی گدی سنبھالتا ہے تو وہ اقلیتوں اور کمزور طبقوں سے طرح طرح کے وعدے ضرور کرتا ہے۔ لیکن چند ہی روز کے بعد ان سب ہی وعدوں کو بھلا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حسب دستور نئے وزیراعظم شری چرن سنگھ نے بھی اقتدار سنبھالنے کے بعد جو پہلی تقریر کی ہے اُس میں اقلیتوں اور کمزور طبقوں سے بہت سے وعدے کئے ہیں اور اپنی تقریر میں فرمایا ہے

"ہمارا ملک اب بھی دنیا کا ایک غریب ترین ملک ہے۔ ہمیں اِس ملک سے افلاس کو دور کرنا ہوگا اور اپنے عوام کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنا ہوگا۔ سب سے بڑا مسئلہ بھوک کا ہے۔ اس لئے سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ملک کا کوئی ایک بچہ بھی بھوکا نہ رہے ملک میں بیروزگاری بڑھ رہی ہے اور ہمیں ہر ایک کو روزگار فراہم کرنا ہوگا۔ میری حکومت میں اولیت بیروزگاری اور مفلسی دور کرنے کے معاملہ کو دی جائے گی۔ میری حکومت اقلیتوں ہریجنوں اور کمزور طبقوں کو پورا پورا تحفظ دے گی تاکہ وہ ملک کی ترقی میں پورا پورا حصہ لے سکیں۔ حکومت اقلیتوں کو اُنکی ثقافتی مذہبی اور اقتصادی ترقی میں پوری پوری مدد دے گی اور سب زبان کو ترقی کا پورا پورا موقعہ دیا جائے گا"

اقلیتوں اور کمزور طبقوں کے بارے میں وزیراعظم چرن سنگھ نے جو وعدے کئے ہیں بلاشبہ خوش آئند ہیں۔ دیگر اقلیتیں اور خصوصیت کے ساتھ مسلم اقلیت جو اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہے شری چرن سنگھ کی حکومت کا بڑی گہری نظر سے جائزہ لے رہی ہے۔ سب سے پہلے تو اُسکی نظر شری چرن سنگھ کی زیر تیاری کیبنٹ پر ہے کہ اُس میں کہاں تک ملک کی اِس سب سے بڑی اقلیت کو نمائندگی دی جاتی ہے۔ اور جن مسلمانوں کو کیبنٹ میں شامل کیا جا رہا ہے وہ کس حد تک مسلم اقلیت کی نمائندگی کے اہل ہیں۔ اس لئے شری چرن سنگھ کو بہت سوچ سمجھ کر اپنی کیبنٹ میں مسلمانوں کو لینا چاہیے مسلمانان ہند کا دیرینہ مطالبہ یہ ہے کہ کیبنٹ میں صرف ایسے مسلم وزراء کو لیا جائے جو صحیح طور پر مسلم مسائل کو سمجھ سکیں اور اُن کے حل میں حکومت کے مدد و معاون ثابت ہو سکیں نہ یہ کہ وہ نمائشی نمائندے بن کر رہ جائیں

پھر مسلمان اِس بات پر بھی گہری نظر رکھ رہے ہیں کہ شری چرن سنگھ کی حکومت مسلم یونیورسٹی جیسے اہم معاملہ میں کیا اسٹینڈ اختیار کرتی ہے اگر اس حکومت نے بھی سابقہ حکومت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کے تسلیم کرنے سے گریز کیا تو یہ حکومت بھی جنتا حکومت کی طرح مسلم اقلیت کی نظروں میں اپنی ساکھ بگاڑ لے گی۔ لیکن ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ مسلم مسائل کے معاملہ میں چرن سنگھ کی حکومت کی پالیسی زیادہ ہوشمندانہ رہیگی کیونکہ چرن سنگھ کی حکومت پر اُس راشٹریہ سنگھ اور جن سنگھ جیسی شیطانی جماعتوں کا دباؤ نہیں ہے۔ جو اِس ملک کی مسلم اقلیت کو کچل دینا چاہتی ہیں۔ اور ہمیں یہ بھی امید رکھنی چاہیئے کہ اب آئے دن کے فرقہ وارانہ فسادات کی شدت میں بھی کمی واقع ہو جائے گی۔

اب رہا غریبی اور بیکاری کا مسئلہ واقعی یہ ہمارے ملک کے لئے بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ شری چرن سنگھ کی حکومت حسب وعدہ اِس دیرینہ مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کون سا عملی قدم اٹھاتی ہے۔ اور اُن بھاری ٹیکسوں کا کونسا مداوا تلاش کرتی ہے جو خود اُن کے ہی لگائے ہوئے ہیں۔ اور جن کی بنا پر آج ملک میں گرانی ناقابل برداشت حد تک پہنچ چکی ہے۔

یہ بدچلن اور جرائم پیشہ وزیر

بمبئی سے شائع ہونے والے انگریزی ہفتہ وار اخبار "کرنٹ" نے اپنی ۷ جولائی ۱۹۷۹ء کی اشاعت میں اپنے خصوصی نامہ نگار کے حوالے سے "یوپی کیبنٹ" کے آدھی درجن کے قریب وزراء پر ایسے سنسنی خیز الزامات لگائے ہیں جنکا مشکل ہی سے یقین کیا جا سکتا ہے اِن میں سے ایک وزیر کی بابت کہا گیا ہے کہ اُس پر اغلام بازی کا الزام ہے۔ اور دیگر وزراء پر قتل۔ اسمگلروں سے ساز باز اور رشوت وغیرہ کے الزامات ہیں چنانچہ یہ معاصر لکھتا ہے۔

"یوپی کی بنارسی داس کیبنٹ میں بعض وزراء کے خلاف ایسے ایسے الزامات عائد کئے جا رہے ہیں جنھیں سن کر ایک شریف آدمی شرم سے پانی پانی ہو جائے۔ سب سے زیادہ شرم ناک الزام تو یوپی کے ہوم منسٹر

منسٹر کے خلاف ہے ان پر زیر دفعہ ۳۷۷ اغلام بازی کا الزام عائد ہے یوپی کیبنٹ کے ایک دوسرے وزیر پر قاتل ہونے کا الزام ہے یہ وزیر مسٹر اسمال ازری گیشن کے انچارج بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں قتل کے جرم میں سزائے موت ہو چکی تھی لیکن بعد میں راشٹرپتی سے رحم کی درخواست پر انہیں معافی مل گئی تھی۔ اور ان پر اسمگلروں سے سانٹھ بانٹھ رکھنے اور ہزارہا روپیہ وصول کرنے کا بھی الزام ہے اسی طرح ایک تیسرے آپ باسی کے وزیر پر الزام ہے کہ وہ بھی ضلع علیگڈھ کی ایک واردات قتل میں ملوث ہے "

اخبار کرنٹ نے ان تمام وزرا کی تصویریں بھی شائع کی ہیں اور اُن کے نام بھی دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ چند دوسرے وزرا کی بے عنوانیوں کی بھی ایک طویل سرگزشت شائع کی گئی ہے۔ اخبار کرنٹ نے جو کچھ لکھا ہے اگر وہ درست ہے تو اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک کے لیڈروں کا معیار اخلاق کس قدر گر چکا ہے کہ وہ عوام کی قسمتیں ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دیدیتے ہیں جو انتہا درجہ کے بدچلن اور جرائم پیشہ ہیں۔ اس موقعہ پر یوپی کے وزیر اعلیٰ شری بنارسی داس سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ یوپی کی کیبنٹ بناتے وقت کیا انہیں جرائم پیشہ اغلام باز اور بدچلن وزرا کے علاوہ دوسرے وزیر نہیں مل سکے اور اگر مل سکتے تھے تو انھوں نے ایسے پست کردار لوگوں کو یوپی کے غریب عوام کے سروں پر کیوں مسلط کیا؟

پارلمنٹ کے ممبروں کو لاکھوں کی رشوت

روزنامہ تیج نے اپنی ۲۸ جولائی کی اشاعت میں یہ افسوس ناک انکشاف کیا ہے کہ مرکزی وزارت کی جنگ جو حال ہی میں مرارجی اور چرن سنگھ کے درمیان لڑی گئی ہے اُس میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپیہ پارلمنٹ کے بعض ممبروں کو خریدنے اور توڑنے پر صرف کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ معاصر لکھتا ہے کہ۔

" موجودہ سیاسی لڑائی نے ہمارے ممبران پارلیمنٹ کی قلعی کھول کر رکھدی ہے کہ اُن کے اخلاق اور کردار کے دعووں کی حقیقت کیا ہے اور آج جس طرح کھلے عام ممبران پارلیمنٹ بکتے رہے ہیں ایسا اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ شری ڈیسائی کے مستعفی ہونے کے بعد جس طرح کروڑوں کا لین دین ہوا ہے وہ ہمارے سیاست دانوں کے لئے بڑی شرم کی بات ہے۔ چھوٹی پارٹیوں سے متعلق آزاد ممبروں کی قیمت سب سے زیادہ لگی یعنی تقریباً دس لاکھ فی ممبر۔ ممبران پارلیمنٹ اور سیاسی گروپوں کو دی جانے والی رقم کا بھاؤ اس طرح سے نیچے اوپر ہوتا رہا جیسے کہ سٹہ بازی میں بھاؤ نیچے اوپر ہوا کرتے ہیں۔ سارے کھیل میں پیسہ کی کہیں بھی کمی نہیں تھی۔ پارلیمنٹ کے ممبروں کو خریدنے کے لئے کروڑوں روپیہ موجود تھا۔ چنانچہ جنتا پارٹی سیکولر (چرن سنگھ پارٹی) کے ممبران نے کھلے عام یہ الزام لگایا ہے کہ جن سنگھی عناصر نیپال میں چھپے کروڑوں کے خزانے سے تھیلیاں بھر بھر کر لانے رہے ہیں کیونکہ مختلف جنتا لیڈروں نے نیپال کے بینکوں میں پیسہ چھپا رکھا ہے۔ شری راج نرائن نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اُن کا پہلا کام یہ ہوگا کہ اس بات کی جانچ کی جائے کہ کس طرح جن سنگھی لیڈروں نے کروڑوں روپیہ کی تھیلیاں نیپال سے ہندوستان میں برآمد کیں۔ یہ بات سننے میں عجیب سی لگتی ہے کہ فلاں ممبر پارلیمنٹ اتنے لاکھ روپیہ میں فروخت ہو گیا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جب دہلی میں وزارت عظمیٰ کے لئے سیاسی لڑائی چل رہی تھی تو کھمنڈو کے بینکوں سے بڑے پیمانہ پر روپیہ نکلوایا گیا "

یہ چیز ہمارے ملک کے لیڈروں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کے لئے انتہائی شرمناک ہے کہ وہ اس ملک کے غریب عوام کے ووٹوں سے تو پارلیمنٹ میں جائیں اور وہاں پہنچنے کے بعد ہی پارلیمنٹ کی ممبری کا دلال بن کر مختلف پارٹیوں سے سودا کرتے پھریں۔ ایسے ممبر ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کی اُس ممبری کو برقرار رکھا جائے جو اچھی خاصہ بننے کی دوکان بن گئی ہے۔

مرکز میں قائم ہونے والی نئی سکولر حکومت کے زعما سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ اس سارے معاملہ کی چھان بین کریں اور اگر اوپر کی اطلاع درست ہے تو اُن ممبران پارلیمنٹ کی ممبری سے محروم کرنے کے لئے کوئی مضبوط قدم اٹھائیں جنھوں نے کہ پارلیمنٹ کی ممبری کو بکاؤ مال بنا کر ہند پارلیمنٹ اور پورے ملک کی توہین کی ہے۔

نیز اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ نیپال کے بینکوں کا جائزہ لیا جائے اور ان بینکوں میں جن جنتا لیڈروں نے روپیہ جمع کرایا ہے اُس روپیہ کی چھان بین کی جائے۔ اور ہندوستان سے غیر ملک میں روپیہ اسمگل کرنے کے جرم میں ان پر مقدمات چلائے جائیں

دُعاؤں میں اثر دے

(از جناب قادری بہاری)

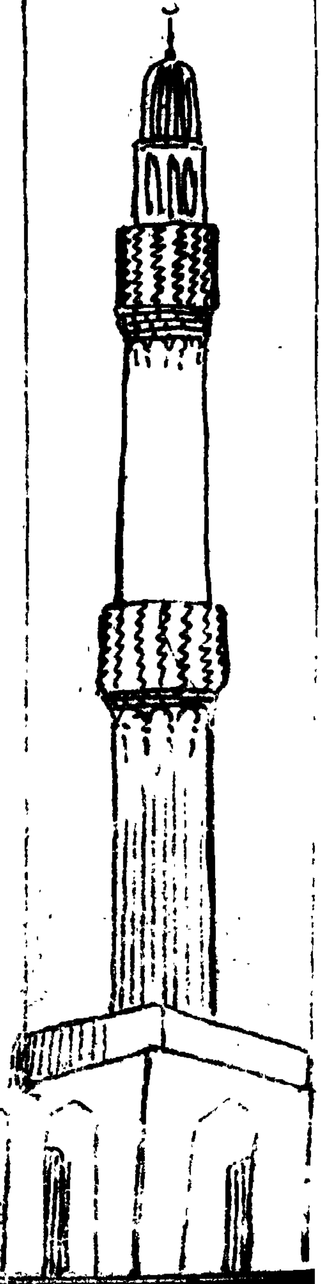
قطروں کو بھی اے بحرِ کرم آب گُہر دے　　ذرّوں کو بھی کچھ تابشِ انوارِ قمر دے
شب تار ہے موئی اسے پیغامِ سحر دے　　اے مبدءِ الطاف دُعاؤں میں اثر دے
سُوکھے ہوئے پودوں کو متاعِ گُلِ تر دے

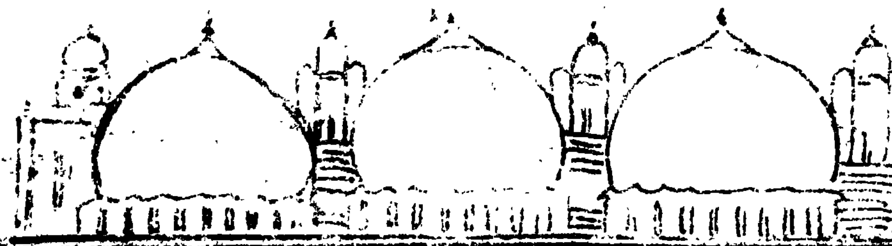
یہ سوزِ الم و غم کی یہ گھنگور گھٹائیں　　بے رنگ ہیں رُخسار تو بے کیف نگاہیں
جھلسے ہوئے ہونٹوں کی یہ بے چین دُعائیں　　ظلمات میں آ ابرِ کرم آبِ خضر دے
سُوکھے ہوئے پودوں کو متاعِ گُلِ تر دے

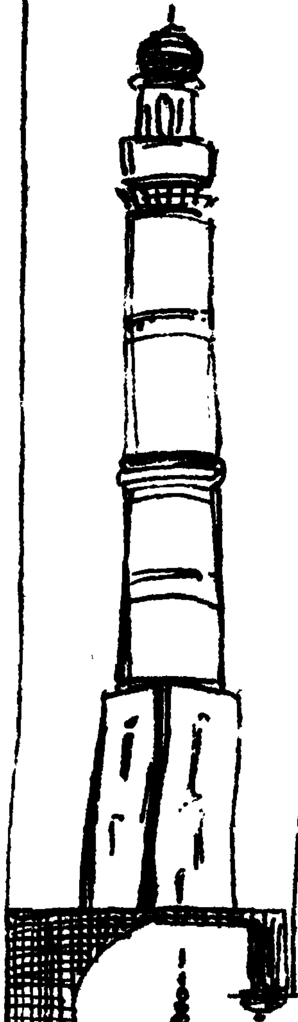
جینا کہیں زحمت کہیں رحمت ہے سراپا　　کانٹے ہیں کہیں اور کہیں پھولوں کا تماشا
دکھلا دے زمانہ کو وہ قدرت کا کرشمہ　　تپتے ہوئے صحرا کو بھی شاداب سا کر دے
سُوکھے ہوئے پودوں کو گُلِ تر دے

رُخ بارشِ انعام کا اے کاش اِدھر ہو　　اس کی بھی خبر لے جو تمایندہ و در ہو
روندے ہوئے غنچوں پہ بھی رحمت کی نظر ہو　　ٹوٹی ہوئی ہر شاخِ تمنا کو ثمر دے
سُوکھے ہوئے پودوں کو متاعِ گُلِ تر دے

چھپا جائے کسی شکل میں پھر ابرِ کرم کا　　ٹل جائے کسی طور سے یہ دورِ ستم کا
یا چھین لے بندوں کو احساس کرم کا　　دیتا ہے تو پھر دامنِ اُمید کو بھر دے
سُوکھے ہوئے پودوں کو متاعِ گُلِ تر دے







نذرِ عقیدت

بدرگاہِ رسالت مآب حضرت محمد صلعم

(از جناب توصیف علوی عاصی۔ بی۔ اے۔ کیرانوی)

رسالت لیکے آئے ہیں نبوت لیکے آئے ہیں
محمدؐ دونوں عالم کی حکومت لے کے آئے ہیں

ملائک کی جبینیں بھی جھکی تعظیم میں جس کی
رسولِ پاک انساں کی وہ عظمت لیکے آئے ہیں

برابر ہیں جہاں دونوں گدا بھی اور سلطاں بھی
میرے آقا وہ میزانِ عدالت لیکے آئے ہیں

مکمل زندگی کا ہے جو ایک آئین دنیا میں
جہاں میں آپؐ وہ قرآنِ حکمت لے کے آئے ہیں

سفینوں کو نہ ڈر گرداب کا ہے اور نہ طوفاں کا
کہ جب خود آپ منزل کی ضمانت لیکے آئے ہیں

جہاں پر فکرِ انساں کی رسائی بھی نہیں ممکن
وہاں سے آپ اسرارِ حقیقت لیکے آئے ہیں

مٹا کر ساری تفریقیں گلے سے مل گیا انساں
کچھ ایسے آپ آدابِ اخوت لے کے آئے ہیں

جہاں کونین کی ہر سرودی کی حدِ امکاں ہے
پیمبرِ دو جہاں کی وہ امامت لیکے آئے ہیں

ضمانت جس میں مضمر ہے وقارِ نوعِ انساں کی
جہاں میں آپ وہ یکتا شریعت لیکے آئے ہیں

نہیں ہے گرچہ ہاتھوں میں کوئی "سرمایۂ ہستی"
مگر دامن میں دو عالم کی دولت لیکے آئے ہیں

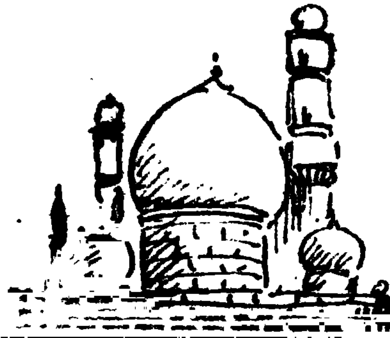
مکمل داستانِ انسانیت کی جن سے ہوتی ہے
محمدؐ ایسے عنوانِ حقیقت لیکے آئے ہیں

حیاتِ نوعِ انساں آج تک محتاج ہے جن کی
انھیں "فکر و نظر" کی آپ دولت لیکے آئے ہیں

بڑا احسان ہے یہ گلزارِ ہستی پر محمدؐ کا
کہ ہر گل کے تبسم کی ضمانت لیکے آئے ہیں

ضرورت کیا ہے پھر عاصی کو فکرِ جرم و عصیاں کی
کہ جب خود آپ بخشش کی ضمانت لیکے آئے ہیں

گذشتہ سے پیوستہ



تعلیم القرآن

بارھواں پارہ — وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ — سُورۂ یوسف

(از ادارۂ دین دنیا)

دین دنیا کی زیرِ نظر اشاعت میں ہم قرآنِ پاک کے بارھویں پارہ کی تعلیمات کی دسویں قسط پیش کر رہے ہیں جس میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے بندوں کی نصیحت اور عبرت کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ پیش فرمایا ہے

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی غلط بیانی

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ .... عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ○

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ (یعنی حضرت یوسف کے سوتیلے بھائی) عشاء کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے پہنچے اور کہا اے باپ ہم آپس میں بازی لگاکر دوڑنے لگے کہ دیکھیں آگے کون نکلتا ہے اور اپنے اسباب کے پاس (حفاظت کے لئے) یوسف کو بٹھادیا تو اُسے بھیڑیا کھا گیا۔ ہم اگرچہ سچے ہیں مگر تم تو ہماری بات کا یقین نہیں کروگے اور اُن کے کرتے پر جھوٹ موٹ خون بھی لگا لائے۔ یعقوب بولے یہ بات ہرگز نہیں ہے بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لئے ایک حیلہ گھڑا ہے۔ اب میرے لئے صبر ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم کہتے ہو اُس پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔

تشریح: (حضرت یوسف کے سوتیلے بھائی انھیں ایک تاریک کنویں میں ڈال کر) رات کو عشاء کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ ابا جان ہم تو بازی لگاکر آپس میں دوڑنے لگے کہ دیکھیں کون آگے نکلتا ہے، اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس حفاظت کی غرض سے چھوڑ گئے تھے کہ اتنے میں ایک بھیڑیا آیا اور انھیں کھا گیا۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ ہماری بات کا کبھی بھی یقین نہیں کریں گے خواہ ہم کتنے ہی سچے کیوں نہ ہوں اور یہ لوگ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کسی جانور کا خون بھی لگا لائے تھے تاکہ باپ کو اُن کی باتوں کا یقین آجائے مگر اس دلخراش خبر کو سُن کر یعقوب نے کہا کہ حقیقتِ حال یہ نہیں ہے بلکہ اصلیت یہ ہے کہ یہ بات تم حیلہ اور بہانہ کی غرض سے گھڑ کر لائے ہو۔ بہرحال اب میں کیا کرسکتا ہوں میرے لئے تو بس یہی ہے کہ میں صبر کرکے بیٹھ جاؤں اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اُس کی حقیقت کے انکشاف کے لئے اللہ ہی سے مدد طلب کروں (حضرت یوسف کی قمیص جو وہ لائے تھے وہ پھٹی ہوئی نہیں تھی بلکہ بالکل صحیح و سالم تھی۔ اُسے دیکھ کر حضرت یعقوب کو شبہ ہوگیا اور کہا کہ اگر واقعی یوسف کو بھیڑیا کھا جاتا تو بھیڑیئے کے دانتوں سے قمیص ضرور پھٹ جاتی اس لئے یوسف کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا ہے بلکہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ سرتاپا غلط ہے۔ غرضکہ حضرت یعقوب صبر کرکے خاموش ہوگئے اور سارا معاملہ اپنے پروردگار پر چھوڑ دیا)۔

حضرت یوسفؑ کو فروخت کردیا گیا

وَجَآءَتْ .... مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ○

ترجمہ:۔ پھر ایک قافلہ (اُدھر سے) گذرا۔ اُنھوں نے کنویں میں اپنا ڈول ڈالا۔ کہنے لگا بڑی خوشی کی بات ہے کہ ایک خوبصورت لڑکا نکل آیا۔ اور اہلِ قافلہ نے اُسے قیمتی مال کی طرح چھپا لیا

اور جو کچھ وہ کر رہے تھے اللہ کو معلوم تھا۔ پھر انھوں نے اُسے معمولی قیمت یعنی چند درہموں میں فروخت کر دیا کیونکہ وہ لوگ اُن کی قدر و قیمت سے ناواقف تھے۔

تشریح :۔ حضرت یوسف کے بھائیوں نے جس کنویں میں حضرت یوسف کو ڈالا تھا اتفاق سے مصر جانے والا ایک قافلہ اُدھر سے گذرا۔ اہلِ قافلہ نے اپنا ایک آدمی اسی کنویں سے پانی بھرنے کے لئے بھیجا۔ اُس نے جب اپنا ڈول کنویں میں ڈالا تو حضرت یوسف ڈول کی رسی میں لٹک گئے اور باہر نکل آئے۔ پانی کھینچنے والے نے حضرت یوسف کو دیکھ کر کہا کہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ایک خوبصورت لڑکا ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ اہلِ قافلہ نے (حضرت) یوسف کو اپنے قیمتی مال کی طرح چھپا لیا اور جو کچھ یہ لوگ کر رہے تھے اللہ کو سب معلوم تھا۔

(اور اہلِ قافلہ جب حضرت یوسف کو لیکر مصر پہنچے تو انہوں نے انھیں معمولی سی قیمت یعنی چند درہموں میں فروخت کر دیا کیونکہ وہ لوگ اُن کی قدر و قیمت سے قطعی ناواقف تھے

حضرت یوسفؑ کی عزت افزائی

وَقَالَ الَّذِی .... لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ :۔ اور جس شخص نے مصر میں انھیں خریدا تھا اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو اچھی طرح رکھنا شاید کہ ہمارے کام آ سکے یا ہم اُسے اپنا بیٹا بنا لیں۔ اور ہم نے اس طرح یوسف کو اِس سرزمین میں خوب قوت دی تاکہ ہم انھیں خوابوں کی تعبیر دینا سکھا دیں اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تشریح :۔ اور مصر میں جس شخص نے انھیں خریدا تھا وہ عزیزِ مصر تھا۔ (جس کے کوئی اولاد نہیں تھی) اُس نے اپنی بیوی (زلیخا) سے کہا کہ اس لڑکے کو بہت اچھی طرح رکھنا کیا تعجب ہے کہ یہ (آگے چل کر) ہمارے کام آئے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔ غرضکہ ہم نے یوسف کو (عزیزِ مصر کے محل میں پہنچا کر) ملک مصر میں اُن کی قوت بڑھائی اور

ہماری ایک غرض یہ بھی تھی کہ ہم انھیں خوابوں کی تعبیر سکھائیں (تاکہ وہ اور بھی زیادہ ممتاز بن جائیں) سچ تو یہ ہے کہ اللہ اپنے کام پر قادر اور غالب ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔

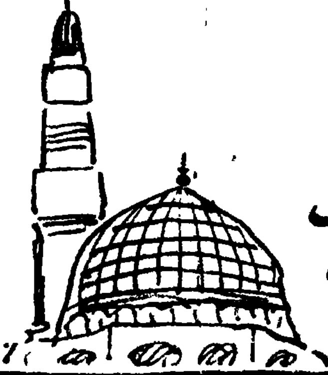
زلیخا حضرت یوسفؑ پر عاشق ہو گئی

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ .... مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ۝

ترجمہ :۔ جب وہ جوانی کو پہنچا تو ہم نے اُنھیں حکمت اور علم دیا۔ اور اسی طرح ہم نیک لوگوں کو جزا دیا کرتے ہیں اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اُس نے اُن سے بدکاری کا ارادہ کیا۔ اور دروازے بند کر لئے پھر کہنے لگی کہ آ جاؤ میں تم ہی سے کہتی ہوں۔ یوسف بولے اللہ مجھے بچائے وہ (عزیزِ مصر) میرا آقا ہے اُس نے مجھے کیسی اچھی طرح رکھا ہے۔ ایسے احسان فراموش کو فلاح نہیں ہوا کرتی۔ اور اُس عورت کے دل میں تو اُن کا خیال بیٹھا ہی ہوا تھا۔ اگر اپنے رب کی دلیل کو انھوں نے نہ دیکھا ہوتا تو اُن کا خیال بھی زیادہ ہو جاتا ہم نے اس طرح ان کو علم دیا تاکہ ہم اُن کو صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے دُور رکھیں کیونکہ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔

تشریح :۔ اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے انھیں دانائی عطا کی اور علم بھی عطا کیا۔ اور نیکوکاروں کو ہم اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔ اور (زلیخا نامی) جس عورت کے گھر میں یوسف رہتے تھے (وہ اُن پر بُری طرح فریفتہ ہو گئی اور) اُس نے اُن سے بدکاری کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ایک روز (کمرے کے) سب دروازے بند کر کے کہنے لگی یوسف آ جاؤ میں تم ہی سے کہہ رہی ہوں (کہ میری دلی خواہش پوری کر دو) انھوں نے کہا معاذ اللہ (تم کیا کہہ رہی ہو عزیزِ مصر) میرا آقا اور محسن ہے اُس نے مجھے کیسی اچھی طرح رکھا ہے (میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا کیونکہ) ایسے احسان فراموش اور حق کے دشمنوں کو کبھی فلاح نصیب نہیں ہوا کرتی۔ (باقی صفحہ پر)

تعلیم الحدیث



قتلِ عام کے بارے میں پیشنگوئی

حکومت اور عہدہ امانت ہے ۔ گناہ اور ظلم تباہی کی علامت

(از شوکت علی فہمی)

دین دنیا کی ہر اشاعت میں احادیث کی مستند کتب سے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قیمتی ارشادات درج کئے جاتے ہیں جو مسلمانوں کے لئے بہترین شمع ہدایت ہیں ۔ امید ہے کہ مسلمان ان جواہر پاروں سے استفادہ کرینگے ۔

قتلِ عام کے بارے میں پیشنگوئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جبکہ دنیا میں جا بجا قتلِ عام ہوگا اور طرح طرح کے فتنے کھڑے ہو جائیں گے چنانچہ اس بارے میں صحیح حدیث ہے :-

"ابو ہریرہ رض نبی صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ آئندہ زمانہ میں علم (دین) اٹھا لیا جائے گا ۔ جہل اور فتنے غالب آجائیں گے اور ہرج بہت ہوگا ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ہرج کیا چیز ہے ؟ تو آپ نے اپنے ہاتھ سے ترچھا اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرح ۔ آپ کی مراد قتلِ عام سے تھی ۔" (بخاری)

قتلِ عام اور فتنوں کے بارے میں ایک دوسری حدیث بھی ہے ۔

"ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ آئندہ زمانہ میں ایسے فتنے اٹھیں گے کہ ان فتنوں کے زمانہ میں بیٹھا ہوا شخص کھڑے ہوئے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہوا شخص چلنے والے سے بہتر ہوگا اور جو بھی ان فتنوں کی طرف جھانکے گا وہ اس کی طرف جھانکیں گے یعنی وہ اسے اپنی لپیٹ میں لے لیں گے ۔ اس زمانہ میں اسے جہاں بھی پناہ مل جائے وہ پناہ حاصل کر لے ۔" (بخاری و مسلم)

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو برس قبل جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ آج ہمارے سامنے ہے ۔ علم دین دنیا سے اٹھتا چلا جا رہا ہے ہر طرف کفر و جہالت اور تاریکی کا دور دورہ ہے ۔ علم سائنس نے اگرچہ کافی ترقی کر لی ہے ۔ لیکن یہ علم انسانی تباہی کی طرف متوجہ ہے ۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں آئے دن نئے نئے فتنے کھڑے ہوتے رہتے ہیں ۔ اور نوعِ انسانی کا قتلِ عام تو معمولی سی بات ہے ۔ چنانچہ آج دنیا کے مختلف گوشوں میں انسانی خون پانی کی طرح بہہ رہا ہے ۔

اس کے علاوہ سائنس نے ایٹم بم ۔ ہائیڈروجن بم ۔ اور نیوٹرون بموں کے تباہ کر دینے والے جو فتنے پیدا کر دئے ہیں وہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں ۔ اگر ان ہلاکت آفریں ہتھیاروں کو استعمال کیا گیا تو آدھی سے زیادہ دنیا تباہ ہو جائیگی اور حضور اکرم کی ہدایت کے مطابق جب یہ فتنے رونما ہوں تو جہاں بھی کسی شخص کو پناہ مل سکے وہ پناہ حاصل کرلے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان احادیث سے عبرت حاصل کریں

حکومت اور عہدہ امانت ہے

اسلام نے حکومت کے ہر عہدہ کو اللہ کی امانت قرار دیا ہے چنانچہ حکمرانوں اور عہدہ داروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے

فرائض کو بڑی دیانت داری کے ساتھ انجام دیں۔ اس بارے میں صحیح حدیث ہے :۔

"ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے کوئی خدمت (سرکاری عہدہ) نہیں دیتے تو آپ نے میرے مونڈھے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے ابوذر تم ایک ناتوان آدمی ہو اور یہ (امارت یا عہدہ) ایک امانت ہے اور اس سے قیامت کے دن بجز شرمندگی اور پشیمانی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا سوائے ایسے شخص کے جو اسے عمدہ طور پر انجام دے اور اس کے متعلق تمام حقوق کو ادا کرے۔" (مسلم و ابوداؤد)

اس حدیث سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت اور امارت کو اللہ کی امانت قرار دیا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں حکومت اور امارت ایک قسم کا سیاسی جوڑ توڑ ہے جس کے ذریعہ نہ مخلوق خدا کی خدمت کا مقصد ہے۔ اور نہ عوام کی بہبودی کا یہ ذریعہ ہے بلکہ ذاتی مفاد اور ذاتی اقتدار کے لئے حکومتیں حاصل کی جاتی ہیں۔ کاش اس زمانہ میں بھی ایسے حکمراں اور مدبر پیدا ہوسکیں جو حکومت اور امارت کو اللہ کی امانت سمجھ سکیں۔

گناہ اور ظلم تباہی کی علامت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کسی قوم میں ظلم بڑھتا چلا جاتا ہے یا کوئی قوم گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے تباہ اور برباد کر دیتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم نے نہایت سختی کے ساتھ مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ ظلم اور گناہ کو بڑھنے سے روکیں اس ضمن میں مشہور حدیث ہے :۔

"فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اُسے ظلم کرنے سے باز نہ رکھ سکیں تو جلد ہی خدا اُن سب پر عذاب نازل کرے گا۔ اور اگر کسی قوم میں کثرت سے گناہ ہوتے ہوں۔ اور لوگ یہ قدرت رکھتے ہوں کہ اُنھیں گناہ کرنے سے باز رکھ سکیں مگر پھر بھی ایسا نہ کریں تو جلد ہی خدا اُن سب کو قہر میں مبتلا کر دے گا۔" (ابوداؤد۔ ترمذی)

کون نہیں جانتا کہ آج زمانہ ایسا آگیا ہے کہ کوئی ظالم کو ظلم کرنے سے روکے گا تو کیا۔ اگر کوئی ظلم و ستم کرتا ہے تو اُسے کوئی ٹوکتا تک نہیں۔

اسی طرح گناہ ہمارے معاشرہ کا جزو بن گیا ہے۔ چنانچہ بہت سے گناہ ایسے ہیں جنھیں اس زمانہ میں گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ شراب نوشی عام ہے رشوت، ریاکاری دُنیا میں بُری طرح پھیل چکی ہے دھوکہ دہی اور بے ایمانی تو کوئی گناہ ہی نہیں رہا جب لوگوں کی آنکھوں پر اس طرح پردہ پڑ جائے تو کوئی تعجب نہیں کہ قہر الٰہی اُن پر ٹوٹ پڑے۔ خدا مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ گناہ کو گناہ سمجھیں اور اپنی غلط کاریوں سے قہر الٰہی کو دعوت نہ دیں ورنہ اُن کا بھی وہی حشر ہوگا جو قوم عاد۔ قوم ثمود۔ قوم لوط اور دوسری گمراہ قوموں کا ہو چکا ہے۔

مل جل کر جماعت کے ساتھ رہو

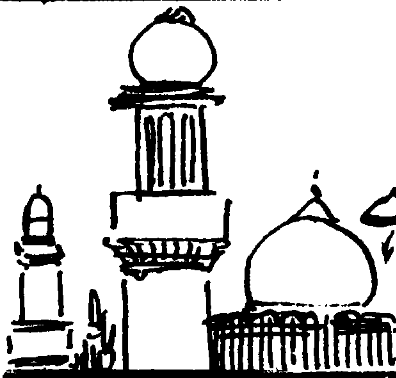
اسلام کا اوّلین مقصد یہ ہے کہ وہ سب ہی مسلمانوں کو رشتہ اخوت میں منسلک کر دینا چاہتا ہے۔ تاکہ اتحاد اور یک جہتی کے ذریعہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت میں اضافہ ہو چنانچہ اتحاد اور یک جہتی کے بارے میں حدیث ہے :۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص امام کی اطاعت چھوڑ دے اور ایسی حالت میں مر جائے تو وہ کافر کی موت مرا۔ اور جو شخص کسی غیر کے جھنڈے کے نیچے لڑے اور مارا جائے تو وہ منکر کی موت مرا۔"
(مسلم و نسائی)۔

اس حدیث کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ متحد رہیں جماعت سے الگ نہ ہوں۔ اور جو لوگ ایسا کریں گے وہ کافر کی موت مریں گے۔

یہ مسلمانوں کے اتحاد اور یکجہتی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے مختصر سے عرصہ میں دُنیا کے بیشتر حصہ کو زیر کر لیا تھا اور وہ آدھی دنیا کے حکمراں بن

اسلامی افکار



اسلام دولت جمع کرنے کا مخالف ہے

وہ دولتمندوں کی دولت میں غریبوں کو شریک بنا دینا چاہتا ہے

(از ڈاکٹر عمر۔ اے۔ فرخ۔ لبنان)

ڈاکٹر عمر فرخ لبنان کے مشہور اہل قلم ہیں۔ انھوں نے اپنے ذیل کے مضمون میں بتایا ہے کہ جہاں اسلام نے دولت پیدا کرنے کی اجازت دی ہے۔ وہاں اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ سرمایہ دار اور دولتمند اپنی دولت میں غریبوں کا حق بھی ضرور قائم کریں۔ ذیل کے مقالہ میں اسی پہلو پر بحث کی گئی ہے۔

اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جو سرمایہ داری کا شدید مخالف ہے۔ اسی لئے اُس نے سرمایہ داری کی لعنت سے معاشرہ کو پاک کرنے کے لئے نہایت ہی اہم قدم اُٹھایا ہے۔

زمانۂ حاضرہ میں بھی "سرمایہ داری" ایک نہایت ہی اہم سوال بنا ہوا ہے جس نے کہ ساری دُنیا میں ایک ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ اور اس ہنگامہ کی بنا پر دنیا دو مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ لیکن مجموعی حیثیت سے دُنیا اِس بات پر متفق ہوتی جا رہی ہے کہ سرمایہ داری انسانیت کے لئے ایک زبردست لعنت ہے۔ اور قومی دولت کا صرف چند افراد یا چند گروہوں کے قبضہ میں چلا جانا عوام کے لئے بے حد نقصان رساں ثابت ہو رہا ہے گویا اسلام آج سے چودہ سو برس قبل سرمایہ داری کے جس نقصان کو محسوس کر چکا تھا۔ موجودہ دُنیا اُس نقصان کو بعد میں محسوس کر سکی ہے۔

ہمارے زمانہ میں انسانوں کے جس گروہ کو سرمایہ داری کا حامی سمجھا جاتا ہے وہ بھی اُس کی نقصان رسانیوں سے انکار نہیں کرتا اور اِس طرح سرمایہ داری کے حامیوں اور مخالفوں کے درمیان اختلاف صرف اِس بات پر رہ جاتا ہے کہ سرمایہ داری کو فوراً ختم کر دیا جائے یا اِس مقصد کو آہستہ آہستہ حاصل کیا جائے۔

آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے جب دُنیا میں اسلام کا ظہور ہوا تھا تو اُس زمانہ کا انسان آج کی طرح سیاست کے علم سے واقف نہیں تھا لیکن اسلام نے جو ایک اصلاحی مذہب اور سماجی انقلاب کی ایک عظیم تحریک کی حیثیت سے ظاہر ہوا تھا اُسی زمانہ میں سرمایہ داری کی نقصان رسانیوں کو سمجھ لیا تھا اور سرمایہ داری کو ختم کرنے کے لئے وہ قدم اُٹھائے تھے جو انسانی فطرت کے عین مطابق اعتدال پر مبنی اور افراط و تفریط سے پاک تھے۔

اسلام کا پورا اقتصادی نظام زکوٰۃ۔ وراثت اور سود کی ممانعت پر قائم ہے اور اِن ہی تین مسئلوں کے متعلق اسلامی احکامات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے سرمایہ داری کو کس مؤثر طریقہ پر ختم کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

موجودہ زمانہ کے مفکرین نے سرمایہ داری کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ خود محنت کئے بغیر دوسروں کی محنت کے معاوضہ میں سے اپنے لئے رقم بچا لینا سرمایہ داری ہے۔ اور یہ تعریف سود پر سب سے زیادہ صادق آتی ہے۔ چنانچہ اسلام نے سود کو حرام قرار دے کر سرمایہ داری کے ایک بہت بڑے ذریعہ کو بالکل معطل اور ناکارہ کر دیا ہے لیکن سود سرمایہ داری کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہونے کے باوجود سرمایہ بڑھانے کا واحد ذریعہ نہیں ہے۔ بلکہ انسان دوسرے بہت سے طریقوں سے بھی سرمایہ دار بن سکتا ہے۔ اِسی لئے اسلام نے محض سود کو

حرام قرار دے کر سرمایہ داری پر ضرب لگانے ہی کو کافی نہیں سمجھا ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی زکوٰۃ کی ادائیگی اور وراثت کی تقسیم کا بھی حکم دیا ہے۔

اسلام سے پہلے مسیحیت نے بھی افراد پر مذہبی ٹیکس عائد کر رکھا تھا لیکن یہ ٹیکس صرف گرجاؤں کے مصارف کے لئے مخصوص تھا۔ لیکن زکوٰۃ اسلام کا ایک ایسا مذہبی ٹیکس ہے جو عوام اور غریبوں کی فلاح و بہبود پر صرف ہوتا ہے۔ اور اس سے ایک طرف تو سرمایہ داری کے خاتمہ میں مدد ملتی ہے اور دوسری طرف غریبوں کی معاونت کے ذریعہ قوم میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کی رقم مفلسوں، ضرورتمندوں، غریب نو مسلموں، غلاموں کے آزاد کرانے، مقروضین کے قرضے ادا کرنے، مجاہدین اور مبلغین کی مالی امداد اور نادار مسافروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے مخصوص ہے۔ اس لئے ایک طرف تو اس اسلامی ٹیکس کی بدولت سماج کے کمزور طبقوں کو سنبھالنے میں مدد ملتی ہے، اور دوسری طرف روپیہ کے گردش میں رہنے کے باعث دولت کے ایک جگہ جمع ہونے کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔

زکوٰۃ چونکہ ظاہرہ دولت کی طرح پوشیدہ دولت پر بھی ادا کی جاتی ہے اس لئے حساب کے مطابق اندازہ کیا گیا ہے کہ ۲۷ سال کی مدت میں صرف ۲½ فی صد رقم بطور زکوٰۃ ادا کرتے رہنے کی بدولت بڑی سے بڑی رقم بھی تحلیل ہو کر رہ جاتی ہے لیکن اگر دولت مندوں کے ذاتی مصارف کی رقم کو بھی شامل کر لیا جائے۔ تو ایک دولت مند کی کل رقم دس پندرہ سال سے زیادہ اس کے پاس باقی نہیں رہ سکتی اور اگر پھر بھی کسی شخص کے پاس دولت باقی رہ جاتی ہے تو وہ وراثت کی تقسیم کی وجہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتی ہے۔

انسان فطری طور پر بیک وقت اپنی دولت سے دست بردار نہیں ہو سکتا لیکن وہ ایک وقت میں تھوڑا سا خرچ برداشت کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔

لیکن آج جو لوگ سرمایہ داری کو بیک وقت ختم کر دینے کی جد وجہد کر رہے ہیں وہ انسانی فطرت کی اس خصوصیت کو نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اسلام نے سرمایہ داری کو ختم کر دینے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کی بنیاد انسان کی اسی فطری خصوصیت پر رکھی ہوئی ہے۔ اس لئے اگر دنیا حقیقی معنی میں سرمایہ داری کو ختم کر دینا چاہتی ہے تو اسے اسلام کے بتائے ہوئے طریقوں کی بنیاد پر کوئی ایسا ہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو انسانی فطرت کے مطابق اور اعتدال پر مبنی ہو۔

اسلام صرف سرمایہ داری کو ختم ہی نہیں کرنا چاہتا بلکہ اس کا منشا یہ بھی ہے کہ سرمایہ داروں کے سرمایہ میں غریب اور حاجت مندوں کا بھی حصہ مقرر کر دیا جائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "نیک کاموں میں خرچ کرو اور شمار نہ کرو اس لئے کہ اگر تم شمار کر کے خرچ کروگے تو اللہ بھی تمہیں شمار کر کے دے گا" اسی طرح ایک دوسری حدیث کے ذریعہ سرمایہ داری کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

"ابو ہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ بندہ میرا مال میرا مال پکارتا رہتا ہے لیکن اس کے مال میں جو کچھ اس کا حصہ ہے وہ صرف تین چیزیں ہیں۔ ایک وہ کہ جو کچھ اس نے کھا لیا۔ دوسرے وہ جو اس نے پہن لیا۔ تیسرے وہ جو خدا کی راہ میں دیدیا اور آخرت کے لئے ذخیرہ کر لیا۔ ان تینوں کے علاوہ جو کچھ ہے اسے وہ دوسروں کے لئے چھوڑ کر چلا جائے گا"۔ (مسلم)

عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلعم نے فرمایا ہے کہ "ان چیزوں کے علاوہ آدم کے کسی بیٹے کو کسی چیز پر کوئی حق نہیں۔ اول رہنے کے لئے مکان دوم تن ڈھانکنے کے لئے کپڑا سوم خشک روٹی اور پانی" اور اس سے زیادہ اس کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اس کا نہیں ہے بلکہ اس پر غریبوں اور حاجت مندوں کا حق ہے۔

مختصر یہ کہ اسلام صرف سرمایہ داری ہی کا مخالف نہیں ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ سرمایہ دار اپنے سرمایہ میں غریبوں کو بھی شریک کر لیں۔ اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ صحابہ کرام نے اسی اصول پر زندگی گذاری ہے۔ انھوں نے ہمیشہ غریبوں کو اپنی دولت میں شریک تصور کیا ہے۔ غرضکہ اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے کہ سرمایہ داری پر نہ صرف کاری ضرب لگائی ہے بلکہ اسے ختم کرنے کے لئے عملی طریقے بھی بتائے ہیں۔



تاریخ اسلام کا ایک ورق

خلیفہ عبد الرحمٰن ثانی

اسپین کا ایک نیک دل اور انسانیت دوست حکمراں

(از شوکت علی فہمی)

اپنے باپ الحکم کے مرنے کے بعد خلیفہ عبد الرحمٰن ثانی نے ۳۱ سال تک اسپین پر جیسی رواداری اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے وہ آپ ہی اپنی مثال ہے۔ اس مرد مومن نے اپنے بادشاہت سے یہ بات ثابت کر دی تھی کہ ایک سچا مسلمان حکمراں مسلم اور غیر مسلم میں کبھی امتیاز نہیں کرتا۔ اور وہ اپنی تمام رعایا کو خواہ وہ کسی مذہب یا ملت سے کیوں نہ تعلق رکھتی ہو اولاد کی طرح سمجھتا ہے۔ کیوں کہ اسلام نے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی ہے۔ غرضیکہ اپنے دور کے فرض شناس حکمرانوں میں سے خلیفہ عبد الرحمٰن ثانی بھی تھا۔ چنانچہ ذیل کے مقالہ میں اس مرد مومن کی زندگی کے ایک درس پہلو کو اجاگر کر کے پیش کیا گیا ہے۔

مسلسل تین سال تک انسانی خون پانی کی طرح بہتا رہا۔ ۲۰۶ھ میں خلیفہ عبد الرحمٰن ثانی کے تخت نشین ہونے کے بعد اسپین کے کونے کونے میں خوفناک بغاوت کھڑی ہو گئی تھی۔ کیونکہ شمالی اسپین کی عیسائی ریاستوں نے منظم ہو کر اسپین کی اسلامی سلطنت کا تختہ الٹ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن خلیفہ عبد الرحمٰن ثانی کی حوصلہ مندی نے مخالف عیسائی طاقتوں کو تن تنہا کچل کر رکھ دیا۔ عیسائی باغیوں کو شکست فاش ہوئی اور عیسائی امرا گرفتار کر لئے گئے۔

اب پورے اسپین میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ لیکن غم زدہ اور پریشان تھے دس ہزار سے زیادہ عیسائی جنگی قیدی اپنی قسمت کا آخری فیصلہ سننے کے لئے مضطرب اور بے چین تھے۔ جنگی قیدیوں کے علاوہ اسپین کے وہ لاکھوں عیسائی بھی جو سلطنت اسپین میں آباد تھے بے حد پریشان تھے۔ کیوں کہ وہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ ان کے بارے میں عبد الرحمٰن ثانی اور زعمائے سلطنت کیا طے کریں گے۔ کیا انہیں اسپین میں رہنے دیا جائے گا یا انہیں جلاوطنی کی مصیبت برداشت کرنی پڑے گی۔

عیسائیوں کی یہ تشویش بے جا بھی نہیں تھی کیوں کہ ان کے ہم مذہب عیسائی حکمرانوں نے متحد ہونے کے بعد اسپین کی اسلامی سلطنت کو مٹانے کی کوئی کوشش نہیں اٹھا رکھی تھی۔ انہوں نے بڑی تیاری کے ساتھ خلیفہ عبد الرحمٰن کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اسپین کے ان شہروں کو جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی نہ صرف بری طرح لوٹا تھا بلکہ بے شمار عمارتوں کو جلا کر خاک کر دیا تھا اور یہ سب کچھ مذہبی تعصب کی بنا پر ہوا تھا۔ اسپین کے عیسائی سوچ رہے تھے کہ اگر مسلمانوں نے بھی اسی تعصب سے کام لیا تو ان کا انجام کیا ہوگا۔ غرض کہ اسپین کی پوری عیسائی آبادی بڑی تشویش میں مبتلا تھی۔ انہیں موت اور تباہی سامنے نظر آ رہی تھی۔

ماہ صفر ۲۰۹ھ میں آخر عیسائیوں کی قسمت کے فیصلے کا دن آ ہی گیا۔ عیسائیوں کے دل سینہ میں دھڑک رہے تھے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ انہیں اپنے ہم مذہب عیسائی حکمرانوں کی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ لیکن جب جشن فتح کے موقعہ پر قرطبہ کے بھرے دربار میں خلیفہ عبد الرحمٰن ثانی نے عیسائیوں کے لئے عام معافی کا اعلان کیا تو اسپین کے عیسائی باشندے اس مسلم حکمراں کی رواداری کے

حیران و ششدر رہ گئے اور سوچنے لگے کہ وہ جو کچھ سن رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں، ایک حقیقت ہے یا صرف خواب ہے۔

خلیفہ عبدالرحمٰن ثانی نے اس عظیم الشان فتح پر پہلے تو خدا کا شکر ادا کیا اور اس کے بعد تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ "اس جنگ کو اگرچہ عیسائی حکمرانوں اور پادریوں نے عیسائیت اور اسلام کی جنگ قرار دے دیا تھا۔ اور انھوں نے عیسائیوں کے مذہبی جذبات کو مسلمانانِ اسپین کے خلاف بری طرح بھڑکایا تھا۔ لیکن ہم اس جنگ کو کسی حالت اور کسی صورت میں بھی عیسائیت اور اسلام کے مابین جنگ قرار نہیں دیتے بلکہ اس سارے معاملہ کو ذاتی اقتدار کا ایک جھگڑا تصور کرتے ہیں جن عیسائی حکمرانوں نے اسپین کی اسلامی سلطنت کے خلاف بغاوت برپا کی تھی انہیں اپنے کیے کی سزا مل گئی۔ اُن کے بڑے بڑے سردار گرفتار ہو چکے ہیں اور ہم اس سزا کو بالکل کافی سمجھتے ہیں اور ہم اُن چھوٹے درجے کے سپاہیوں کو بھی کوئی سزا نہیں دینا چاہتے جو صرف تنخواہ اور پیٹ کی خاطر عیسائیوں کی جانب سے مسلمانوں سے لڑے تھے، یا جو پادریوں کے ورغلانے کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکل آئے تھے۔ لہٰذا ہم اعلان کرتے ہیں کہ ان سب ہی سپاہیوں کو رہا کر دیا جائے گا اور اُن سے کسی قسم کا انتقام نہیں لیا جائے گا۔"

اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے اسپین کے عام باشندوں کے بارے میں خلیفہ نے اعلان کیا "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہماری سلطنت کے عیسائی باشندے اس بات پر بےحد فکرمند ہیں کہ کہیں اُن کے ہم مذہب عیسائی حکمرانوں کی غلطیوں کی پاداش میں انہیں جلاوطنی یا جائیداد کی ضبطی کی سزا نہ دی جائے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام غیر منصفانہ انتقام کا شدید مخالف ہے۔ وہ ایک کے گناہ کی سزا کسی دوسرے کو دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ اس لئے ہم عیسائی حکمرانوں کی غلطی کی سزا عام عیسائیوں کو کیوں کر دے سکتے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو روزِ قیامت خدا کو کیا منہ دکھائیں گے؟ ہمارے ملک کے عیسائی باشندے ذرا نہ گھبرائیں۔ انہیں ہم مسلم باشندوں کی طرح اس جنگ کے معاملے میں بےقصور سمجھتے ہیں۔ نہ انہیں جلاوطن کیا جائے گا۔ نہ اُن کی املاک و جائیداد پر قبضہ کیا جائے گا۔ اور نہ اُن کی ذات سے کسی قسم کا تعرض کیا جائے گا۔"

خلیفہ نے اسی تقریر کے دوران کہا "ان کے گرجا اور عبادت خانے محفوظ رہیں گے۔ انہیں حسبِ معمول ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ اُن کے پرسنل لا میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی اور اُن کے مقدمات بدستور عیسائی عدالتوں میں عیسائی ججوں کے ذریعہ فیصل ہوں گے۔ اور اگر کوئی مسلمان اُن کے کسی عبادت خانہ کو نقصان پہنچائے گا یا اُن کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرے گا تو اُسے سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔"

صرف اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خلیفہ عبدالرحمٰن ثانی کا اسلامی کردار کس قدر بلند تھا۔ اور اُس نے کیسی رواداری اور تحمل کے ساتھ حکومت کی ہے۔ چنانچہ خلیفہ کی اس رواداری نے عیسائیوں پر اس قدر گہرا اثر کیا کہ ہزاروں عیسائیوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا۔

خلیفہ عبدالرحمٰن ثانی کی یہ رواداری صرف اس ایک واقعہ تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ اُس کی سلطنت میں عیسائی بہت بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ کے مصاحبین میں جیمز جیسے امراء شامل تھے جیمز کو بہت بڑا اقتدار حاصل تھا۔ اُسے عیسائیوں کا نمائندہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور عیسائیوں کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ جیمز کی رائے کے بغیر نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ عیسائی عورتوں سے شادی کے بارے میں مسلمانوں پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ حالانکہ بعض مواقع پر عیسائی عورتوں سے مسلمانوں کی شادیاں کرنا سیاسی اعتبار سے نہایت ہی خطرناک ثابت ہو چکا تھا۔

ایک مرتبہ مسلمانوں کے ایک با اثر طبقہ نے خلیفہ پر اس بات کے لئے زور دیا تھا کہ وہ عیسائی عورتوں سے مسلمانوں کی شادیوں کو ممنوع قرار دیدے تو خلیفہ نے جواب دیا تھا کہ "جب کہ اسلام نے اہلِ کتاب عورتوں سے شادی کی اجازت دی ہے تو میں کتاب اللہ کے خلاف کیوں کر قدم اٹھا سکتا ہوں" ان حقائق اور واقعات سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں غیر مسلموں کے ساتھ کیسی رواداری کا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

خلیفہ عبدالرحمٰن ثانی جہاں اپنے زمانہ کا بہت بڑا جرنیل اور لائق مدبر تھا وہاں نہایت ہی بلند پایہ عالم اور شریعت اسلامیہ پر پوری طرح حاوی تھا۔ اس کے علاوہ علوم و فنون کا بہت بڑا سرپرست تھا۔ اس کے دربار میں ہمیشہ علماء اور ماہرین فن کا ہجوم رہتا تھا (باقی صفحہ ۲۹ پر)

تاریخ ہند



مسلم دور کا ہندوستان

بے تعصبی اور باہمی میل محبت کا ایک چمن

(ہمارے مورخ کے قلم سے)

یہ تاریخی مضمون ہندوستان کے اُن متعصبوں کے لئے دندان شکن جواب ہے جو ہندوستان کے مسلم بادشاہوں اور مسلم دورِ حکومت کی برائیاں کرتے ہوئے نہیں تھکتے اِس مضمون کے ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ مسلم دور کا ہندوستان کس طرح بے تعصبی اور باہمی میل و محبت کا حسین نمونہ تھا۔

ہندوستان کے ساتھ اسلام کا جو گہرا تعلق رہا ہے وہ کبھی کسی غیر مسلم ملک کے ساتھ نہیں رہا۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اُن کے سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کا نزول جنوبی ہندوستان میں ہوا تھا۔ اور رسول مقبول صلعم یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ہندوستان کی طرف سے بھینی بھینی خوشبو آتی ہے۔

اِسی لئے ظہور اسلام کے بعد ہی سے عرب کے مسلمان مغربی اور جنوبی ہندوستان کے ساحلی مقامات میں آئے تھے اور رہنے سہنے لگے تھے۔ وہ اِس ملک کی سرزمین کا اور یہاں کے باشندوں کا بےحد احترام کرتے تھے۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ اُنھوں نے سندھ اور پنجاب کے کچھ حصوں کو فتح کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ سندھ کا پہلا فاتح محمد بن قاسم تھا۔ جس نے کہ سندھ کو فتح کرنے کے بعد وہاں کی حکومت ہندو خیال حکومت کے حوالے کر دی تھی۔ اور اُس نے ہندو راجاؤں سے زیادہ مندروں اور پنڈتوں کی خدمت کی ہے۔ چنانچہ ہندو اُس کا اِس قدر احترام کرتے تھے کہ جب وہ ہندوستان سے عرب چلا گیا تو سندھ کے بعض علاقوں میں اُس کی مورتی بنا کر اُس سے محبت کرنے والے اُس کی مورت کی پوجا کرنے لگے۔

پھر اس کے بعد شمال کی طرف سے مسلم فاتحین کی آمد کا ایک سلسلہ شروع ہوا جن کے مختلف خاندان صدیوں تک اِس ملک پر حکومت کرتے رہے۔ اور اسی طرح یہاں انگریزی حکومت کے قیام سے پہلے کی تاریخ نیم اسلامی تاریخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اِس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس ملک کے حکمراں کس درجہ منتظم۔ غیر متعصب اور روادار رہا قنع

ہوئے تھے۔ اور اُن کا دورِ حکومت کس طرح ہندو اور مسلمانوں کے باہمی میل جول اور یگانگت کا ایک بے مثال نمونہ تھا۔ اور اِس کا ناقابل انکار ثبوت یہ ہے کہ مسلمانوں کے سکیڑوں سالہ دورِ حکومت میں اِس ملک میں کبھی فرقہ وارانہ فساد تو در کنار فرقہ وارانہ بدمزگی تک پیدا نہیں ہوئی۔

ہندوستان میں آنے والے مسلمان فاتحین میں سے چند کو چھوڑ کر باقی سب ہی نے اس ملک کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ اور انگریزوں کی طرح ہندوستان کو ایک مقبوضہ کالونی سمجھنے کی بجائے وہ اسے اپنا ملک کہنے میں فخر محسوس کرتے تھے اور اسی لئے وہ ایک طرف تو اِس ملک کی تعمیر و ترقی اپنی سب سے پہلی ذمہ داری سمجھتے تھے اور دوسری جانب یہاں کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ نہایت ہی خوش گوار تعلقات رکھتے تھے۔ اور اُن کی اسٹیٹ پالیسی اِن ہی دو باتوں پر قائم تھی۔

اِس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مذہب دنیا کی بہت بڑی قوت ہے، اور مذہبی اختلافات عموماً انسانوں کے مختلف گروہوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیتے ہیں۔ اور یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد اِس ملک کے باشندوں کے عقائد سے بالکل مختلف تھے۔ لیکن اِس کے باوجود مسلم حکمرانوں نے یہاں کے باشندوں کے رواجات اور مذہبی عقائد میں ذرہ برابر بھی مداخلت نہیں کی بلکہ مذہبی مداخلت کو ایک گناہ سمجھتے رہے ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ مسلم حکمرانوں کے عہد میں ہندو راجاؤں کے زمانہ سے بھی زیادہ اِس ملک کے باشندوں کو مذہبی آزادی

حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بھی سمجھتے رہے تھے جس سے کہ دنیا میں بڑے بڑے ہنگامے کھڑے ہو گئے تھے۔ لیکن اسلام نے انسانیت کی بنیاد پر تمام انسانوں کی یگانگت کا نعرہ بلند کر کے بنی نوع انسان کے روبرو ایک نئی راہ کھول دی تھی۔

انسانیت کا سب سے بڑا جوہر اُس کی وسیع نظری ہے اور یہ جوہر اسلام نے اپنے متبعین میں پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ اسلام نے اپنے متبعین کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے مذہب کی طرح دنیا کے تمام مذاہب کا احترام کریں اور ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ جملہ بانیان مذہب کی عزت کریں چنانچہ مسلمان صرف اپنے پیغمبرؐ کا احترام نہیں کرتے بلکہ وہ حضرت سلیمان، حضرت داؤد، اور حضرت موسیٰ کا نام بھی بڑے احترام سے لیتے ہیں۔ بلکہ انھوں نے تمام انبیائے کرام کو اپنے محبوب پیغمبروں کے زمرہ میں شامل کر لیا ہے۔ اور یہ اسلام کی ایک ایسی وسیع نظری ہے جو دیگر مذاہب میں ناپید ہے۔

پھر اسلام نے انسانوں کی مساواتِ عمومی کا جو تجزیہ پیش کیا ہے اُس کے خوش گوار اور دور رس نتائج کا صحیح اندازہ اُن کی اُن ملکی فتوحات سے کیا جا سکتا ہے جو مسلمانوں نے مختصر سے عرصہ میں حاصل کی تھیں ان فتوحات نے اسلامی مملکت کی حدود کو مغربی اور وسطی ایشیا شمالی اور مشرقی افریقہ نیز جنوبی مغربی یورپ تک وسیع کر دیا تھا اور اسلام کی اس وسیع مملکت میں ہر مذہب اور ہر نسل اور قوم کے لوگ آباد تھے لیکن مسلمانوں نے ان سب لوگوں کے مذاہب کا پورا پورا احترام کیا تھا۔ ان کے شہری حقوق کو نہ صرف برقرار ہی رکھا تھا بلکہ اُن کے تحفظ کی یقین دہانی بھی کی تھی۔ اور اپنی علمی اور عملی ترقیوں میں سب ہی لوگوں کو برابر کا حصہ دار بنا لیا تھا۔ اور اُس دور میں چونکہ یہودی ہر جگہ مظلومیت اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے اس لئے انہیں مسلمانوں کی فراخ دلانہ حکمت عملی سے سب سے زیادہ فائدہ پہنچا تھا۔

ہم اگر ماضی کی طرف سے اپنی آنکھوں کو بند بھی کر لیں تب بھی ہم اسلام کے حسنِ سلوک سے انکار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ بیسویں صدی میں یورپ کی تقریباً تمام عیسائی ملکوں میں یہودیوں پر جو مظالم توڑے گئے ہیں اُن کا اندازہ زار کے زمانہ کے روس اور ہٹلر کے زمانہ کے جرمنی میں پیش آنے والے واقعات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جبکہ اُس زمانہ میں یورپ کے ملکوں میں یہودیوں کو غلاموں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ اُنہیں آبادیوں کے بدترین حصوں میں رہنے کے لئے مجبور کیا جاتا تھا اور اُن کے گھروں کو لوٹنے اور اُنہیں بے عزت کرنے کے لئے باقاعدہ طور پہ پروگرام بنائے جاتے تھے اور یہودیوں پر ظلم کا یہ طریقہ "پوگرم" کہلایا جاتا تھا۔ لیکن اسی زمانہ میں کسی اسلامی ملک میں کبھی ایک یہودی کو بھی مسلمانوں کے خلاف کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی چنانچہ وہ تمام اسلامی ملکوں میں امن اور عزت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اور آج بھی مسلم ممالک میں یہ اطمینان اور عزت کے ساتھ رہ رہے ہیں

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ اسلام کا معاملہ احسان اور فائدہ بخشی کا رہا ہے۔ اور جیسا کہ ہمیں بتایا جا چکا ہے کہ یہودیوں کو اسلام کی حکمت عملی سے سب سے زیادہ فائدہ پہنچا ہے کیوں کہ وہ سب سے زیادہ مظلوم تھے اس لئے یہودیوں کو اسلام کا ممنون احسان ہونا چاہئے۔ لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ آج اسرائیل نے اپنے ان ہی محسن مسلمانوں کے خلاف امریکہ کی شہ پر معاندانہ روش اختیار کر رکھی ہے۔ جو سب ہی یہودیوں کے لئے باعث شرم ہے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اسرائیل مسلمانوں کے سابقہ احسانات کے پیش نظر عرب حکومتوں کے ساتھ بہتر سے بہتر تعلق رکھنے کی کوشش کرتا لیکن اس کے برخلاف وہ عرب حکومتوں کے خلاف صف آرا ہیں۔ جس سے کہ آگے چل کر یہودیوں کو شدید نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔

اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو یہودیوں کے لئے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہے۔ اور یہودی تو آج اسلام کے طفیل اور صدقہ میں زندہ اور برقرار ہیں ورنہ نہ جانے اس مظلوم قوم کا کیا حشر ہو چکا ہوتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہودی، مسلمانوں اور عربوں کے خلاف اپنی معاندانہ روش پر ٹھنڈے دل کے ساتھ غور کریں اور ایسی راہ تلاش کریں جس کے ذریعہ یہودیوں اور مسلمانوں میں خوش گوار تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہو سکے۔

اسرائیل کے قیام کے بعد یہودی عربوں کے پڑوسی بن چکے ہیں۔ ان کی فلاح اور بہبود کا دار و مدار محض اس پر ہے کہ وہ عرب پڑوسیوں سے اپنے تعلقات خوش گوار رکھیں۔ لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ وہ امریکہ کے آلہ کار بن کر اپنے مستقبل کو تباہ کر رہے ہیں۔

خلیفہ عبدالرحمٰن ثانی

(بسلسلہ صفحہ ۲۲ سے)

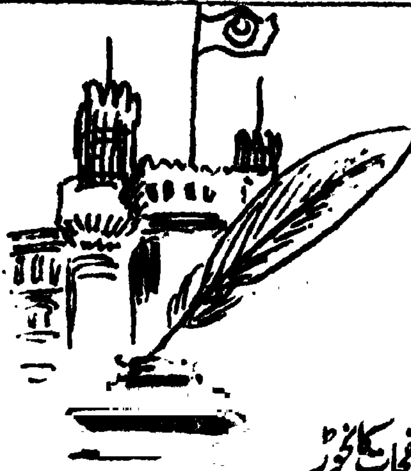
اِس مردِ مومن نے علوم و فنون کی ترقی میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ نہ صرف قرطبہ ہی میں بلکہ پوری مملکت میں اُس نے مدارس کا جال پھیلا دیا تھا۔ چنانچہ قرطبہ میں ایسے عظیم الشان دارالعلوم اُس کے زمانہ میں قائم کیے گئے جن میں ہزاروں طلباء علوم حاصل کرتے تھے۔ طلبا کو اپنی تعلیم پر ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ تعلیم کے جملہ اخراجات خزانۂ شاہی سے ادا کیے جاتے تھے یہاں تک کہ کتابیں بھی طلباء کو مفت دی جاتی تھیں اور اِن عظیم الشان درسگاہوں میں مسلمانوں کے دوش بدوش نہ صرف اسپین کے عیسائی طلباء ہی تعلیم حاصل کرتے تھے بلکہ یورپ کے دوسرے ممالک کے ہزاروں طلبا بھی اسپین آکر اِن مدارس سے فیض یاب ہوتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ عبدالرحمٰن ثانی نے صرف اسپین میں علوم و فنون کو خوب فروغ دیا بلکہ اس نیک دل حکمراں کے زمانہ میں علم کی روشنی یورپ کے دوسرے علاقوں میں پھیلنی شروع ہو گئی تھی۔

خلیفہ عبدالرحمٰن ثانی کو نئی نئی عمارتیں بنانے کا بھی بے حد شوق تھا جامع مسجد قرطبہ کو اس نے نئے سرے سے تعمیر کیا تھا بے شمار دوسری مسجدیں بنائی تھیں۔ نئی نئی سڑکیں اور پل تعمیر کرائے تھے تاکہ ملک کی تجارت میں ترقی ہو۔ چنانچہ اُس کے زمانہ میں اسپین خوب پھولا پھلا جب یہ تخت نشین ہوا تھا تو اس وقت چھ لاکھ دینار سرخ کی آمدنی تھی لیکن چند ہی سال بعد یہ آمدنی دس لاکھ سرخ تک پہنچ گئی تھی۔

مسلم دور کا ہندوستان

(بسلسلہ صفحہ ۲۶ سے)

اصول پر قائم کی تھی۔ چنانچہ مسلم دورِ حکومت کے ہندو اور مسلمانوں میں جیسا میل و محبت اور رواداری پائی جاتی تھی اُس کی مثال بعد کے زمانہ میں قطعی مفقود ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اُس زمانہ کا ہندوستان ایک بے مثال ہندوستان تھا۔ جس کی نظیر دنیا کے کسی حصہ میں بھی موجود نہیں تھی۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین

اور سیکڑوں شاہانِ اسلام کی فتوحات اور سرفروشیوں کے ولولہ انگیز حالات

مکمل تاریخ اسلام

عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی تاریخوں کے پچاس ہزار صفحات کا نچوڑ

(از مفتی شوکت علی فہمی)

یہ تاریخ نہیں ہے بلکہ سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ ایک ہزار صفحات کی عظیم الشان تاریخ عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے مستند تاریخوں کے پچاس ہزار صفحات کا نچوڑ ہے۔ اس عظیم الشان تاریخ کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کس طرح ساری دنیا پر چھا گیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور شاہانِ اسلام نے مختصر سے عرصہ میں کافر اور مشرکین کی بڑی سے بڑی سلطنتوں کو فتح کر کے دنیا کے بیشتر حصہ پر کس طرح اسلامی حکومت قائم کر دی تھی۔

یہ عظیم الشان تاریخ چودہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کا ہر باب اپنی جگہ پر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر دورِ آخر تک کی تمام اسلامی حکومتوں کی مکمل تاریخ چودہ ابواب میں یکجا طور پر پیش کر دی گئی ہے۔ چنانچہ اس میں حکومتِ اسلامیہ کے بانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارک اور جنگی کارنامے موجود ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ یعنی خلفائے راشدین کے دورِ خلافت کے مکمل حالات درج ہیں۔ اور خلفائے بنی امیہ اور خلفائے بنو عباس کی پوری تاریخ موجود ہے۔ اس کے علاوہ عرب، عراق، ایران، افغانستان، فلسطین، افریقہ، روم، ترکستان، اسپین اور دنیائے اسلام کی سیکڑوں حکومتوں کا تذکرہ موجود ہے یہاں تک کہ ہندوستان کے مسلم فرمانرواؤں کے بھی حالات درج ہیں۔

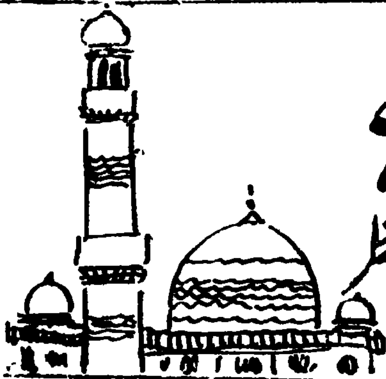
یہ تاریخ مندرجہ ذیل چودہ ابواب پر مشتمل ہے

- پہلا باب: حکومتِ اسلامیہ کے بانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارک
- دوسرا باب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی سرگرمیاں اور فتوحات
- تیسرا باب: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عہدِ حکومت اور فتوحات
- چوتھا باب: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت اور فتوحات
- پانچواں باب: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عہدِ حکومت اور فتوحات
- چھٹا باب: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دورِ حکومت اور فتوحات
- ساتواں باب: امیر معاویہ اور خلفائے بنی امیہ کا عہدِ حکومت اور فتوحات
- آٹھواں باب: خلفائے بنو عباس کا طویل دورِ حکومت
- نواں باب: اسپین اور یورپ کی اسلامی حکومتیں
- دسواں باب: مراکش، تیونس، الجزائر اور افریقہ کی اسلامی حکومتیں
- گیارھواں باب: مصر و شام کی اسلامی حکومتیں، غازی صلاح الدین ایوبی کی جنگیں
- بارھواں باب: ایران، افغانستان اور ماوراء النہر کی اسلامی حکومتیں
- تیرھواں باب: شاہانِ سلجوقی و سلاطین ترکیہ کا دورِ حکومت
- چودھواں باب: ہندوستان کی خود مختار اسلامی سلطنتوں کی مختصر تاریخ

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی مکمل اور جامع تاریخ ہے جو اب تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوئی تھی۔ اندازہ کیجئے کہ اتنی ضخامت اور تمام فہم اور دلکش صفحات تقریباً ایک ہزار، کاغذ سفید، نہایت اعلیٰ، رنگین ٹائیٹل۔ اگر آپ پسند ہو تو قیمت واپس منگالیں۔ جدید ایڈیشن حال ہی میں طبع ہوا ہے۔

چودہ ابواب کی مکمل اور مجلد تاریخ مع خوبصورت گرد پوش صرف ... روپے

دینی و تبلیغی کتب خانہ ——— جامع مسجد ——— دہلی



اسلام کا نظام حکومت بے مثال ہے

خلفائے راشدین کے طرز حکومت پر ایک نظر

(ہمارے مورخ کے قلم سے)

خلفائے راشدین نے دنیا کے سامنے جس منصفانہ نظام حکومت کا نمونہ پیش کیا تھا اُس کی مثال آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی ناپید ہے - دنیا خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے لیکن اُسے پھر بھی خلفائے راشدین کے طرز حکومت سے بہت کچھ سیکھنا ہے - چنانچہ ذیل کے مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ خلفائے راشدین نے کیسی دل سوزی اور درد مندی کے ساتھ حکومت کی ہے -

مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو میں مذہب کو جو دخل حاصل رہا ہے اُس کی بنا پر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اُنھوں نے اپنے عروج اور اپنے اقتدار کے زمانہ میں جو اہم کارنامے انجام دئے ہیں وہ تمام تر اسلامی تعلیمات پر مبنی تھے اور ساتھ ہی اِس بات کا بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے جو ترقی کی ہے اُس میں بھی مذہبی اثرات کارفرما رہے ہیں -

دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کی زندگی میں ایک دور وہ بھی آتا ہے جب انہیں حکومت اور ریاست کی ذمہ داریاں سنبھالنی پڑتی ہیں اور مورخین اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ ایسی قوموں کی بلندی یا پستی کا اندازہ کرنے کے لئے اِس بات کا گہرا جائزہ لینا چاہئے کہ اُنھوں نے حکومت اور ریاست سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو کس طرح پورا کیا ہے اُن کی حکمرانی کے اصول انصاف اور فراخ دلی کے حامل تھے یا ناانصافی اور تنگ دلی پر محمول تھے - اور اُنھوں نے حکومت کا جو دستور اور قوانین مرتب کئے تھے وہ اُن پر عمل کرنے میں غیر متعصب اور غیر جانب دار تھے یا تعصب اور جانبداری سے کام لیتے تھے -

مسلمانوں کی تمام تر زندگی چونکہ اسلام کی تعلیمات پر مبنی ہے اِس لئے ہم جب مندرجہ بالا اصول کے مطابق مسلمانوں کے طرز حکومت کا جائزہ لیتے ہیں تو اس جائزہ میں قدرتی طور پر اسلامی تعلیمات کا جائزہ بھی شامل ہو جاتا ہے اور ہم اس اعتراف پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ مسلمانوں کا نظام ریاست صرف اِس لئے اچھائیوں کا مجموعہ تھا کیونکہ اسلام نے مسلمانوں کو ایک اچھا اور مفید نظام ریاست قائم کرنے کی سختی سے ہدایت کی تھی -

قرآن کریم کے بعد اسلام کی بنیاد حدیث نبوی اُسوہ حسنہ اور تقلید صحابہ یعنی اصحاب نبوی کے عمل پر ہے اور ان اصحاب میں خلفائے راشدین کے عمل کو فوقیت حاصل ہے اِس لئے اس سلسلہ میں ہمیں اُن ہی چیزوں کی جانب رجوع کرنا چاہئے - اور دیکھنا چاہئے کہ قرآن کریم - احادیث نبوی اور صحابہ کرام نے اپنے عمل کے ذریعہ کس طرح رہنمائی کی ہے -

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کا زمانہ آج کے زمانہ سے بہت زیادہ مختلف تھا - اور اُس زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر خود رسول کریمؐ کو بھی کئی مرتبہ جنگ کے میدان میں اترنا پڑا تھا - لیکن اسلام نے مسلمانوں کو جس قسم کا نظام ریاست قائم کرنے کا حکم دیا تھا جنگ کے قاعدوں میں بھی اُس کی جھلک موجود تھی اور ایک کامیاب سپہ سالار کی حیثیت سے نبی کریمؐ نے جنگ کے لئے جو ضابطے اور قاعدے مقرر فرمائے تھے اُن سے قبل تاریخ میں اُن قاعدوں کی کوئی مثال نہیں ملتی - اِس سلسلہ میں آنحضرت کے احکام کا خلاصہ یہ ہے -

"مسلمان اپنے حریفوں کے ساتھ جو وعدے اور معاہدے کریں انہیں ایمان داری کے ساتھ پورا کریں جنگ کے دوران بھی دشمن کو دھوکہ نہ دیں۔ دشمنوں کے اعضا نہ کاٹیں۔ بچوں عورتوں بوڑھوں اور اُن لوگوں کو ہلاک نہ کریں جنھوں نے اپنی زندگیاں خدمت خلق یا مذہب کے لئے وقف کردی ہیں۔ اس کے علاوہ باغات۔ کھیتوں فصلوں اور مقدس مقامات کی چیزوں کو تباہ نہ کریں"

ظاہر ہے کہ جو مذہب جنگ کے زمانہ میں بھی اپنے ماننے والوں کو اخلاق اور انسانیت کے اِس قسم کے احکام دے گا اُس کا نظام حکومت اقوام کے لئے ایک رحمت ہی ثابت ہو سکتا ہے۔

تاریخ کے صفحات مسلمانوں کی حکومت اور ان کے اقتدار کے زمانہ کے کارناموں سے بھرے پڑے ہیں لیکن ہم یہاں صرف خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضؓ کے چند ایسے اصول حکومت پیش کرنے کو کافی سمجھتے ہیں جن سے مسلمانوں کی حکومت کے بنیادی اصول کا اندازہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے اپنے عہد خلافت کے آغاز میں حضرت عبیدہ ابن جراح کو جنھیں حضرت خالد بن ولید کی جگہ دمشق کے محاذ پر جنگ کا سپہ سالار اعظم مقرر فرمایا تھا اور اس موقعہ پر سیدنا عمر رضؓ حضرت ابو عبیدہ کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں سے ایک مکتوب کے بعض جملے یہ ہیں۔

"تمہیں دنیاوی شان وشوکت کی طرف سے اپنی آنکھوں کو بند کرلینا چاہئے۔ اور اپنے دل کو دنیاوی ترغیبات سے متاثر نہیں ہونے دینا چاہئے دنیا کی حرص وہوس سے اپنے آپ کو ہمیشہ بچانا کیوں کہ دنیا کی محبت نے جس طرح تم سے پہلی قوموں کو تباہ کردیا ہے اُسی طرح وہ تمہیں بھی تباہ کرسکتی ہے"

یہ وہ بنیادی اصول جس پر اسلامی ریاست اور حکومت کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اور خلیفہ دوم حضرت عمر رضؓ کے اسی مکتوب میں اِس اصول کی تشریح بھی موجود ہے لیکن اس تشریح کو سمجھنے کے لئے تاریخ کے ایک واقعہ سے واقف ہوجانا ضروری ہے۔

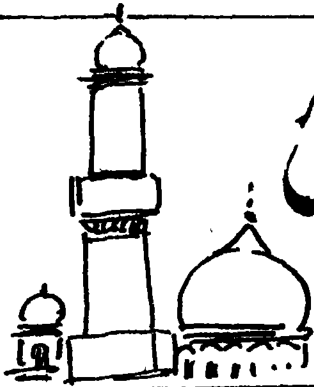
حضرت عمر رضؓ کے عہد خلافت کے آغاز میں اسلامی لشکر نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا اُس زمانہ میں دمشق پر یونانی عیسائیوں کا قبضہ تھا اور ایک طویل محاصرہ کے بعد یونانی سپہ سالار نے حضرت عبیدہ کے ساتھ اس شرط پر صلح کرلی تھی کہ مسلمان انہیں شہر سے جانے کی اجازت دیدیں گے۔ اور یونانی اپنے ساتھ جو کچھ لیجانا چاہیں لے جاسکیں گے اور اُن کی روانگی سے تین روز بعد تک انہیں کوئی مسلمان کچھ نہ کہے گا

مگر حضرت خالد بن ولید اس معاہدہ کے مخالف تھے اُن کا کہنا یہ تھا کہ ہم نے دمشق کو بزور شمشیر فتح کیا ہے اس لئے عیسائیوں کو کسی قسم کی رعایت نہیں دی جاسکتی چنانچہ جب حضرت عمر فاروق کو اِس اختلاف کا علم ہوا تو آپ نے فوراً حضرت ابوعبیدہ کو لکھا۔

"دمشق خواہ تلوار سے فتح ہوا ہو یا باہمی صلح کے ذریعہ ملا ہو لیکن جب تم نے اپنے دشمنوں سے نرمی کے کچھ وعدے کرلئے ہیں تو انہیں ہر حال میں پورا کرنا چاہئے اگر ایسا نہ کروگے تو مسلمانوں کی ساکھ ختم ہو جائے گی۔ جو عہد کیا ہے اسے پورا کرو خواہ نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے"

تاریخ اِس بات کی بھی گواہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ حکام کے انتخاب اور تقرر میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اور حکام کے تقرر کے وقت ان سے اس بات کا عہد لیتے تھے کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہونگے باریک کپڑا نہیں پہنیں گے چھنا ہوا آٹا نہیں کھائیں گے۔ دروازہ پر دربان نہیں رکھیں گے اُن کا دروازہ غریبوں اور ضرورت مندوں کے لئے ہمیشہ کھلا رہے گا۔ پھر اسی قدر نہیں بلکہ وہ کسی شخص کو حاکم مقرر کرتے تو اُس کے مال اسباب کی ایک فہرست تیار کرکے محفوظ کرلیتے تھے اور جب کسی حاکم کی مالی حالت میں غیر معمولی خوشحالی محسوس ہوتی تھی تو اُس کے بارے میں پوری تحقیقات کی جاتی تھی اگر مال میں زیادتی پائی جاتی تھی تو وہ ضبط کرلیا جاتا تھا اور حاکم کو عہدہ سے برطرف کردیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ عوام کی شکایت پر تحقیقات کے بعد بڑے بڑے حکام کو عوام کے سامنے عبرت انگیز سزائیں بھی دی جاتی تھیں اور شکایت کرنے والوں میں یہودی اور عیسائی بھی ہوتے تھے یہ تھا اسلامی نظام حکومت۔

پھر اسلامی نظام حکومت میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی سوال نہ تھا چنانچہ حضرت عمر رضؓ کے دور حکومت میں ایک مسلمان نے ایک عیسائی کو قتل کردیا مقتول کے رشتہ داروں نے دربار خلافت میں حاضر ہوکر شکایت کی تو حضرت عمر کے حکم سے مسلمان قاتل کو مقتول کے رشتہ داروں کے حوالہ کردیا گیا جنھوں نے اُسے (باقی صفحہ ۳۷ پر)



یورپ میں علم کی روشنی مسلمانوں نے پھیلائی

علوم و فنون کی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ

(از جناب احمد۔ ایم۔ اے)

یورپ اور دنیا کے دوسرے حصوں میں آج علوم و فنون کی جو روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ اُس کے پھیلانے میں سب سے زیادہ مسلمانوں کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ۔ ذیل کے محققانہ مقالہ میں اسی پہلو پر بحث کی گئی ہے۔

یورپ و امریکہ کو جدید علوم و فنون کا ہیرا دل یا مشعل بردار کہا جاتا ہے۔ لیکن تاریخی حقیقت یہ ہے کہ علوم و فنون کا کوئی ایک شعبہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں کہ مسلمانوں نے مغربی قوموں کی رہنمائی نہ کی ہو چنانچہ مشہور انگریز محقق جارج سارٹن نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے ان الفاظ میں مسلمانوں کی علمی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔

"بنی نوع انسان کے لئے قدرت نے جو کام متعین کئے تھے اُن میں سے اہم ترین کام کی تکمیل مسلمانوں نے کی ہے دنیا کا سب سے بڑا خلا سفر الفارابی مسلمان تھا۔ دنیا کے سب سے بڑے حساب دان ابوالکامل اور ابراہیم ابن سینا بھی مسلمان ہی تھے۔ اور سب سے بڑے جغرافیہ دان المسعودی نیز سب سے بڑے مورخ الطبری بھی مسلمان ہی تھے"

جارج سارٹن نے مسلمانوں کی علمی خدمات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ کسی مفروضہ کی بنا پر نہیں لکھا بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ آج مغربی قومیں جن جن علوم اور اُن کی جن جن شاخوں کی ترقی پر فخر کرتی ہیں اُنہیں مسلمانوں نے مرتب اور مدون کیا تھا۔

مشہور برطانوی سائنس داں اور مفکر ڈاکٹر کیمبل لکھتا ہے کہ "جب پورا یورپ تاریکی کے گڑھے میں پڑا ہوا تھا اُس وقت خلفائے بغداد و قرطبہ اسلامی ممالک میں تمدن اور تہذیب کی روشنی پھیلا چکے تھے اور ازمنہ وسطیٰ میں جبکہ یورپ کے امرا ورؤسا اپنا نام بھی لکھنا نہیں جانتے تھے اُس وقت اسلامی ممالک علم کی روشنی سے جگمگا رہے تھے۔ ہمیں خلفائے اسپین کا شکر گزار ہونا چاہیئے جن کی بدولت پورے یورپ میں علم کی روشنی پھیلی"

یہ حقیقت ہے کہ علم کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس میں کہ مسلمانوں نے دنیا کی رہنمائی نہ کی ہو۔ سماجی مسائل کی تعلیم کو ہمارے ملک میں سوشیالوجی کہا جاتا ہے جسکی تعلیم حال ہی میں شروع ہوئی ہے اور مغربی قوموں کے لئے بھی علم کی یہ شاخ کچھ بہت زیادہ پرانی نہیں ہے۔ لیکن علم الاخلاق کے اِس موضوع پر سب سے پہلے مشہور مورخ ابن خلدون نے روشنی ڈالی تھی اور اس کے بنیادی اصول مرتب کئے تھے چنانچہ آج مغرب کا علم تاریخ۔ علم اخلاق اور علم سیاست ابن خلدون ہی کے اصول اور نظریات سے متاثر ہے۔ اور اس علم میں اہل یورپ ابن خلدون ہی کے مقلد ہیں۔

علم تاریخ کو علوم کی فہرست میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اور سیاست کے ساتھ اِس علم کا بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ اور مغرب کو اپنی سیاست دانی پر بڑا ناز ہے۔ لیکن علم تاریخ کا امام بھی علامہ طبری کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مشرق و مغرب میں تاریخ نویسی کا فن اِن ہی کے قائم کئے ہوئے اصول پر مبنی ہے۔ اور اہل یورپ نے تاریخ نویسی کا فن طبری ہی سے سیکھا ہے خود یورپین مورخین نے علامہ طبری کو تاریخ کا امام تسلیم کیا ہے۔

سائنس کا علم جس پر اہل یورپ کو بے حد فخر ہے اور ناز ہے

اُس کے موجد اور رہنما بھی مسلمان ہیں چنانچہ رابرٹ بریفالٹ نے اپنی کتاب "انسانیت کی تشکیل" میں کھلے الفاظ میں اِس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اہلِ یورپ نے اس فن میں مسلمانوں سے بہت کچھ سیکھا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"ہماری موجودہ سائنس عربوں کی صرف اس لئے زیرِ بار احسان نہیں ہے کہ اُنھوں نے اِس کے ہر شعبہ میں حیرت انگیز دریافتیں کی تھیں یا ان کے بارے میں انقلابی نظریات پیش کئے تھے بلکہ وہ اس لئے بھی عربوں کی زیرِ بار احسان ہے کہ اُنھوں نے حقیقی معنی میں اس علم کو پیش کیا تھا۔ آج ہم مغربی ملکوں کے باشندے جن علوم کو سائنس کے نام سے موسوم کرتے ہیں اُن سے عربوں ہی نے ہمیں واقف کیا ہے"

علم کیمیا اور دوا سازی کا انسانی زندگی کے ساتھ ہمیشہ ہی گہرا تعلق رہا ہے اور یورپین محقق اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ابن جابر زمانہ وسطیٰ میں اس علم کا نہ صرف سب سے بڑا ماہر ہی تھا بلکہ میکس میرہوف کے الفاظ میں پورا یورپ اِس علم میں ابن جابر کا خوشہ چین ہے۔ اِس نے دوا سازی کے موضوع پر ایک سو سے زائد کتابیں لکھی ہیں جن میں سے بیشتر کتابوں کا ترجمہ یورپ کی بہت سی زبانوں میں ہو چکا ہے

علم طب مسلمانوں کا ایک مخصوص علم تھا اور اُنھوں نے اپنے زمانہ میں اسے بہت زیادہ ترقی دی تھی چنانچہ عہد وسطیٰ میں ذکریا رازی نے چیچک کے مرض کے متعلق جو کتاب لکھی تھی وہ آج بھی ایک مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یورپ کی متعدد زبانوں میں اس کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے اور ۱۴۹۸ء سے ۱۸۶۶ء تک اِس کے چالیس اڈیشن شائع ہوئے تھے۔ ذکریا رازی ہی کی ایک کتاب "الحاوی" بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اِس کتاب میں ادویہ کے خواص بیان کئے گئے ہیں اور میکس میرہوف کے بیان کے مطابق اِس کتاب نے یورپی ادویہ پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔

حکیم ابن سینا کی کتاب "قانون" کا بھی یہی درجہ ہے یورپ کی بہت سی زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں چنانچہ ایک بہت بڑے مغربی اہل قلم نے لکھا ہے "یورپ میں ابن سینا کی کتاب قانون سے زیادہ کسی بھی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا گیا۔ اور اسی لئے مغربی طب پر ابن سینا کے خیالات کا بہت اثر پڑا ہے"

علم الحیوان کی دریافت اور ترتیب بھی مسلمانوں ہی کا ایک کارنامہ ہے اور اس علم کے سلسلہ میں الجابر کی کتاب "کتاب الحیوان" کو آج بھی ایک مستند اور بنیادی اصول سمجھا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ مفید اور کار آمد ایجادات میں مسلمانوں کا بہت بڑا حصہ ہے چنانچہ قطب نما مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے اور آج یورپی قومیں سمندروں کی وسعتوں اور فضا کی بلندیوں پر جو حکمرانی کر رہی ہیں مسلمانوں کی اسی ایجاد نے ان کے لئے سہولتیں پیدا کی ہیں۔

بارود کی ایجاد بھی مسلمانوں ہی کے کارناموں میں شامل ہے اور اُن کی یہ ایجاد ہی جنگ کے طریقوں کو یکسر تبدیل کر دینے کا باعث ثابت ہوئی ہے اور اسی ایجاد کو ترقی دیکر نئے نئے قسم کے بم ایجاد کئے گئے ہیں۔ پھر کاغذ بھی ابتدا میں مسلمانوں ہی نے بنانا شروع کیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں چھپائی کی مشین عالم وجود میں آئی۔ اور ان کی بدولت علوم و فنون کو جو ترقی حاصل ہوئی اُس کے لئے بھی مسلمانوں ہی کو مبارک باد کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے۔

مختصر یہ کہ آج علوم و فنون کی جن ترقیوں کو مغربی قوموں کی کوششوں سے منسوب کیا جاتا ہے وہ درحقیقت مسلمانوں کی محنت اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ کارل ڈی ورکس نے اپنی کتاب "لی گیسی آف اسلام" میں لکھا ہے کہ "علوم و فنون کے میدان میں عربوں نے عظیم کارنامے انجام دیئے تھے۔ اُنھوں نے صفر کی دریافت کرکے علم حساب کی بنیاد رکھی تھی اور اس طرح اُن تمام علوم کے بنیادی اصول مرتب کئے تھے جو آج دنیا کی ترقی اور خوشحالی کی بنیاد بنے ہوئے ہیں"

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ یورپ پر ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جبکہ وہاں حصول علم کو بدترین گناہ اور جرم خیال کیا جاتا تھا جو لوگ کہ علم حاصل کرتے تھے انہیں مذہبی عدالتوں میں پیش کرکے سخت سزائیں دی جاتی تھیں چنانچہ مسئلہ ارتقا پر یقین رکھنے کی بنا پر لوگوں کو آگ میں جھونک دیا جاتا تھا۔ افلاطون کی تصانیف کے مشہور مفسر ہیپاشیا کو افلاطون کے فلسفہ کی تشریح کرنے کے جرم میں سزائے موت دیدی گئی تھی اور یہ جہالت اس وقت تک یورپ پر چھائی رہی جب تک کہ اسلامی اسپین سے علم کی روشنی یورپ کے دوسرے ممالک میں نہیں پھیلی۔ ڈاکٹر لیبان کا کہنا ہے کہ "اگر عربوں نے اہل یورپ کو علم کی روشنی نہ دکھائی ہوتی تو نہ جانے وہ کب تک جہالت کی تاریکی میں مبتلا رہتے۔



ایسے بھی حکمراں ہوئے ہیں

تاریخ اسلام کے چند منتخب واقعات

(از مولوی محمد حفیظ اللہ پھلواروی)

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا میں بادشاہوں اور امرا کا کردار نہایت ہی پست رہا ہے۔ یہ اپنی طاقت اور ثروت کے زعم میں کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلامی تعلیم کا یہ کرشمہ ہے کہ اس نے بادشاہوں اور حکمرانوں کے بے حس اور بداخلاق طبقہ کے کردار کو بھی نکھار دیا تھا۔ چنانچہ ذیل کے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے اسلام نے حکمراں طبقہ میں کس قدر فرض شناسی اور عوام کے لئے ہمدردی پیدا کر دی تھی۔

ایک مظلوم عورت کی فریاد

خلیفہ معتصم عباسی کے دور خلافت میں شہنشاہ روم نے ۲۲۳ھ ہجری میں اسلامی مملکت پر حملہ کر کے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑے تھے۔ اُنہوں نے مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو قید خانہ میں ڈال دیا اور مسلم قیدیوں پر یہ ظلم کیا کہ کسی کی آنکھ پھوڑ دی اور کسی کے ناک کان کاٹ لئے۔ اور جب ایک بوڑھی ہاشمی عورت کو ایک رومی سپاہی نے بری طرح زدوکوب کیا تو وہ بلبلا اٹھی اور اس نے چیخ کر کہا "معتصم عباسی کی دہائی"

اس واقعہ کی خلیفہ معتصم کو بھی اطلاع مل گئی۔ اس دردناک اطلاع پر وہ مضطرب اور بے چین ہو گیا۔ اور اس نے عالم اضطراب میں بلند آواز میں کہا "لبیک، لبیک" یعنی میں آ رہا ہوں۔ اور اسی وقت خلیفہ معتصم نے فوج کی تیاری کا حکم دے دیا۔ اور ایک عظیم الشان لشکر لے کر خود روانہ ہو گیا اور شہر عموریہ میں رومیوں کا محاصرہ کر لیا۔ ایک طویل جنگ کے بعد شہر فتح ہو گیا۔ اور بڑے ظلم کرنے کی پاداش میں ہزاروں رومی تہ تیغ کر دیئے گئے۔ اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خلیفہ معتصم کے دل میں اپنی رعایا کا کس قدر درد تھا اس کے برخلاف زمانہ حاضرہ کی ترقی یافتہ حکومتوں کی حالت یہ ہے کہ انہیں عوام سے کوئی بھی ہمدردی نہیں ہے۔

ایک عیسائی عورت سے ہمدردی

سلطان الحکم بن ہشام اپنی رعایا کی تکالیف دور کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ سخت قحط پڑا اور قحط کی وجہ سے چوروں اور ڈاکوؤں کی دست درازیاں بڑھ گئیں اسی زمانہ میں ایک روز درباری شاعر عباس ابن ناصح وادی الحجارۃ کے قریب سے گزر رہا تھا وہ چونکہ امیرانہ لباس میں تھا اس لئے ایک عیسائی عورت نے اُسے سلطان سمجھ کر بلند آواز سے کہا۔

"اے حکم کیا ایسے سخت زمانہ میں جس نے کہ میرے شوہر اور باپ دونوں کو ہلاک کر دیا ہے تو بھی اپنی غریب رعایا کو جو بھوک اور پیاس میں تجھ سے فریاد کر رہی ہے بھول گیا ہے"

عباس نے اس عیسائی عورت کو تسلی دی اور واقعہ دریافت کیا تو عورت نے بتایا "ہم اپنے مردوں اور بچوں کے ساتھ وادی الحجارہ کے کھیتوں سے گزر رہے تھے کہ عیسائی ڈاکوؤں کی ایک جماعت نے ہم کو گھیر لیا ہم میں سے بہتوں کو قتل کر ڈالا اور بچے کچے انہیں قید کر لیا"

عباس ابن ناصح جب سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے اس سارے واقعہ کو نظم کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا جس کا

خلاصہ یہ تھا " اے سلطان خدا نے آپ کو رعایا کا محافظ بنایا ہے۔ اس لئے آپ کا فرض ہے کہ آپ دشمنوں پر فتح اور غلبہ حاصل کرکے کمزوروں اور مظلوم عورتوں کی مصیبتیں دور کریں کیونکہ مظلوموں کی دستگیری اور اعانت ہی آپ کی عبادت ہے۔ وہ حکومت بیکار ہے جو مظلوموں کو پناہ نہیں دے سکتی "

اِس حق گو شاعر کے قصیدہ سے سلطان بے حد متاثر ہوا اور سارا واقعہ معلوم کرنے کے بعد خود فوج لے کر وادی الحجارہ گیا۔ اور تحقیقات کے بعد مجرموں کو قتل کرکے مظلوموں کو اتنا دیا کہ وہ مالا مال ہوگئے۔

اس کے بعد الحکم نے مظلوم عورت کو بلوایا اور عباس سے کہا کہ۔

" اے عباس اِس عورت سے پوچھو کہ حکم اپنی غریب رعایا کی تکالیف کا ازالہ کرتا ہے یا نہیں اور اُس نے تیری فریاد رسی کی یا نہیں "

عیسائی عورت نے آبدیدہ ہوکر رکاب کو بوسہ دیا اور نہایت ادب سے کہا " سلطان نے دشمنوں کو ہلاک کرکے ہمارے دلوں کو مطمئن کردیا ہے۔ اے بادشاہ جس طرح تو نے ایک مصیبت زدہ عورت کی فریاد رسی ہے۔ خدا ہمیشہ تیری فریاد سنے اور ہر معرکہ میں تیری فوج کو فتح اور کامیابی حاصل ہو۔

ملک شاہ کا عدل و انصاف

سلطان ملک شاہ خاندان سلجوق کا مشہور بادشاہ ہوا ہے۔ اِس نے بڑے عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی ہے۔ تاریخ کے صفحات اب تک اُس کی داد رسی اور عدل گستری کی یاد دلاتے ہیں۔

ایک مرتبہ سلطان ملک شاہ اصفہان کے جنگل میں شکار کھیلنے گیا ہوا تھا کہ اُس نے ایک گاؤں میں قیام کیا۔ اِسی قیام کے دوران اُس کے بعض سپاہی ایک غریب بیوہ کی گائے ذبح کرکے کھا گئے۔ بیوہ کو بے حد صدمہ ہوا کیونکہ اسی گائے کے دودھ کی آمدنی پر اُس کے تین یتیم بچوں کی پرورش ہوتی تھی۔

غریب عورت نے بہت شور مچایا۔ شاہی افسروں سے فریاد کی مگر کہیں بھی غریب کی شنوائی نہ ہوئی۔ اُس کے لئے اب خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر فریاد کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا

لیکن جب اُس نے بادشاہ کے پاس جانا چاہا تو دربانوں نے روک دیا۔ آخر اُس نے طے کیا کہ جب بادشاہ شکار کے لئے نکلے گا تو وہ راستہ روک کر اُس سے فریاد کرے گی چنانچہ وہ اصفہان کی نہر کے پل پر جاکر کھڑی ہوگئی۔ اور بادشاہ کا انتظار کرنے لگی۔ اور جب بادشاہ کی سواری پل پر پہنچی تو بیوہ نے بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

" اے بادشاہ تیا میرا انصاف اِس پل پر کرے گا یا پلصراط پر دونوں میں سے تیرے نزدیک جو مناسب ہو اُسے منتخب کرلے "

بیوہ کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی بیوہ کی فریاد سن کر بادشاہ گھوڑے سے اتر پڑا اور بولا۔

" اے عورت یہ بات میری طاقت سے بعید ہے کہ میں پلصراط پر تیرا انصاف کرنے کی جرأت کرسکوں۔ بتا کیا معاملہ ہے میں اسی پل پر اور اسی وقت تیرا انصاف کروں گا "

عورت نے اپنی بربادی کی پوری داستان سنادی۔ ملک شاہ کو سپاہیوں کی زیادتی پر بہت افسوس ہوا۔ اور اُس نے فوراً ایک گائے کے بجائے ستر گائیں دینے کا حکم دے دیا۔ اور عورت سے پوچھا کہ " اب بھی تو خوش ہے یا نہیں " جب عورت نے اپنی خوشی کا اظہار کیا تو ملک شاہ گھوڑے پر سوار ہوکر آگے بڑھا۔

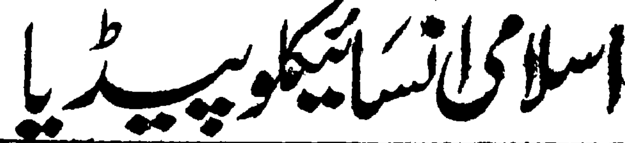
اسلام کا نظام حکومت بے مثال

(باقی مضمون صفحہ سے)

قتل کر دیا۔ اور دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق نے ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا اُس سے بھیک مانگنے کا سبب دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا کہ اگرچہ میں بالکل مفلس ہوں مگر مجھ پر جزیہ لگا دیا گیا ہے۔ آپ نے نہ صرف اُس کی مالی امداد فرمائی بلکہ بیت المال کے حاکم کو ہدایت فرمائی کہ غیر مسلم مساکین کے لئے بھی وظائف مقرر کر دیئے جائیں اور ان سے جزیہ ہرگز نہ لیا جائے

یہ بات یاد رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق۔ اور حضرت عمر فاروق نے جو عادلانہ اور منصفانہ نظام حکومت قائم کیا تھا وہ صرف خلفائے راشدین کے دور ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کے بعد جتنے بھی مسلم خلفا اور سلاطین برسر حکومت رہے ہیں ان میں سے بیشتر نے اسی مثالی طرز حکومت کی تقلید کی ہے۔ اور اِس اسلامی طرز حکومت میں کچھ ایسی خصوصیات تھیں جو زمانہ حاضرہ کی ترقی یافتہ جمہوری حکومتوں میں بھی ناپید ہیں۔

ساٹھ نہایت مستند اسلامی کتابوں کی روح
ایک زبردست اور شاندار



مغربی تعلیم اور مذہب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے مسلمان دن بدن اسلام سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ناواقفیت کی بنا پر ایسی حرکتیں کر بیٹھتے ہیں جو کھلا ہوا شرک اور کفر ہوتا ہے مسلمانوں کو گمراہی اور بے دینی سے بچانے کے لئے ہم نے حال ہی میں فقہ کی ساٹھ مستند کتابوں کی مدد سے ایک ایسی جامع کتاب شائع کی ہے جس میں دس ہزار سے زیادہ ایسے دینی اور دنیاوی معاملات پر بحث کی گئی ہے جن سے کہ ہر مسلمان کا روزانہ واسطہ پڑتا رہتا ہے یہ مستند اور ضخیم کتاب حال ہی میں

فلاح دین دنیا (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن) کے نام سے شائع کی گئی ہے اس جدید ایڈیشن میں بہت سے نئے عنوانات کا اضافہ کر دیا گیا ہے اس میں مسلمانوں کے لئے کوئی ایسی دینی اور دنیاوی معلومات نہیں ہے کہ موجود نہ ہو اس میں اسلام کے فضائل اور عقائد کی تفصیل ہے۔ اس میں عبادات اور اعمال و وظائف کا اچھا ذخیرہ ہے اسلامی تہذیب، اسلامی تمدن اور اسلامی معاشرت کا درس موجود ہے۔ غرضکہ اس کتاب میں ایک مسلمان کے لئے پیدائش سے لیکر موت تک کے تمام دینی اور دنیاوی معاملات پر پوری طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہاں تک کہ اسلامی نقطہ نظر سے کھانے پینے، رہائش، میل جول اور حفظان صحت کے اصول بھی درج کر دیئے گئے ہیں بس گھر میں یہ کتاب ہوگی اس گھر میں ایک زبردست عالم دین اور تجربہ کار دنیاوی مشیر مشورہ دینے کے لئے ہر وقت موجود ہے گویا یہ کتاب نہیں ہے بلکہ ایک زبردست اسلامی انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں پوری اسلامی لائبریری کے برابر مواد موجود ہے۔

اس کتاب میں چودہ ابواب ہیں جن میں سے ہر باب اپنی جگہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے

باب اوّل: — فضائل اسلام:۔ اس میں اسلام کے فضائل اسلام کے دین فطرت ہونے کا ناقابل تردید ثبوت اور اسلام کے بارے میں غیر مسلم مشاہیر کے بلند پایہ اعترافات درج کئے گئے ہیں

باب دوم: — عقائد اہل سنت والجماعت: اس میں اسلامی عقائد کے بنیادی اصول اور یہ مضامین درج ہیں۔ ذات و صفات الٰہی، عرش و کرسی، لوح و قلم، فرشتے حضرت جبرئیل و میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، منکرین، علیین و سجین، قبر میں سوال نکیرین، علامات قیامت، ظہور امام مہدی، دجال اور حضرت عیسیٰ کا نزول، یاجوج ماجوج، مغرب سے طلوع آفتاب، قیامت صغریٰ، قیامت کبریٰ، صور پھونکے کا ذکر، میدان حشر، حساب و کتاب، پل صراط، دوزخ جنت، رسول مقبول صلعم کی فضیلت آپ کی زندگی کے حالات، ازواج مطہرات، خلفائے راشدین، اولیاء اللہ، پیران طریقت، موت و حیات وغیرہ۔

باب سوم: — اسلامی عبادات:۔ اس میں عبادات پر پوری طرح روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً وضو، غسل، تیمم، نماز پنجگانہ، نماز مسافر، نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز اشراق، نماز چاشت، جنازے کی نماز، اعتکاف، فضائل ماہ رمضان المبارک، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے جملہ مسائل اور ارکان درج ہیں۔

باب چہارم: — اعمال و وظائف:۔ اس میں سال کے تین سو ساٹھ دن میں تاریخ وار پڑھنے کے لئے مستند اعمال و وظائف درج ہیں جو بزرگان دین اور اولیاء اللہ کا معمول رہے ہیں نیز بزرگان دین کی ولادت اور رحلت کی تاریخیں بھی درج ہیں۔

باب پنجم: — حلال و حرام جانور، ذبح و شکار:۔ اس میں حلال و حرام جانور اور ذبح و شکار کے تمام مسائل بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

باب ششم: — اللہ اور اللہ کے بندوں کے حقوق:۔ اس میں حقوق اللہ، حقوق آنحضرت صلعم، حقوق صحابہ، حقوق اہل بیت، حقوق پیران طریقت، والدین اور بیوی بچوں کے حقوق، عزیز و اقربا کے حقوق، حقوق ملازم غرضیکہ ایک مسلمان پر جتنے بھی حقوق عائد ہوتے ہیں وہ سب درج ہیں۔

دیگر ابواب: — باقی آٹھ ابواب میں سے ایک باب میں اسلامی معاشرت پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً خورد و نوش اور لباس کے مسائل۔ پیدائش، عقیقہ، شادی بیاہ، نکاح و طلاق، تجہیز و تکفین، عدت، ماتم پرسی وغیرہ کے بارے میں جملہ مسائل درج ہیں۔ ایک علیحدہ باب میں میلاد شریف کا جواز اور حضور کی ولادت کا مفصل بیان ہے جو مکمل میلاد نامہ کا کام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک علیحدہ باب میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور دیگر اولیائے کرام کی سوانح حیات درج ہیں اور آخری باب میں ضروری نصائح اور حفظان صحت کے بعض اصول اور اہم بیماریوں کے علاج درج ہیں [illegible] اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جو مسلم لائبریری میں ہو سکتا ہے۔ ضخامت تقریباً سو صفحات کا اندازہ اور نہایت اعلیٰ لکھائی چھپائی [illegible] کتاب ناپسند ہو تو واپس کر دیجئے۔ قیمت مجلد مع خوشنما دست کور صرف بارہ روپے پچاس پیسے

دین دنیا پبلشنگ کمپنی —— جامع مسجد —— دہلی ۶



ہمایوں کی داستانِ عشق

"حمیدہ بانو" کے لئے بادشاہ کی بے چینی اور اضطراب

(از پروفیسر قاضی محمد ابراہیم ایم۔ اے)

شہنشاہ ہمایوں مغلیہ خاندان کا صرف ایک جانباز سپاہی ہی نہیں تھا بلکہ اُس کا دل حسن و عشق کی لذت سے بھی آشنا تھا چنانچہ ذیل میں اِس شہنشاہ کی داستانِ عشق پیش کی جارہی ہے۔

اپنے باپ شہنشاہ بابر کی طرح ہمایوں بھی علم پرور اور ادب نواز تھا۔ اور ساتھ ہی بابر کی رومانیت بھی اُسے ورثہ میں ملی تھی۔ چنانچہ وہ بھی حسن پرور اور اُس کا دل حسن و خوبصورتی کا دلدادہ تھا چنانچہ تاریخ کے اوراق میں آج بھی حمیدہ بانو سے ہمایوں کے بے پناہ عشق کا واقعہ موجود ہے۔

حمیدہ بانو جس کے دامِ محبت میں ہمایوں جیسا عظیم شہنشاہ اسیر ہو گیا تھا میر بابا دوست کی بیٹی تھی۔ بہت ہی حسین و جمیل لڑکی تھی۔ میر بابا دوست ہمایوں کے بھائی مرزا ہندال کی ملازمت میں تھا اور حمیدہ بانو کی مرزا ہندال کی حرم سرا میں بہت زیادہ آمد و رفت تھی۔

ہندال کے حرم کی بیگمات کے علاوہ خود مرزا ہندال بھی حمیدہ کو بے حد عزیز رکھتا تھا۔ اُس کی ذہانت اور ہوشیاری پر عش عش کرتا تھا۔ ہمایوں کی نظر حمیدہ پر اُس وقت پڑی جب وہ ہندال کے یہاں مقیم تھا شاہی رسم کے مطابق جب مرزا ہندال نے اپنے مہمان بھائی کا خیر مقدم کیا اور اُس کے اعزاز میں ایک جشن منعقد کیا تو محل کے سب ہی ممتاز لوگ ہمایوں کی خدمت میں آداب بجالائے۔ احمد بادشاہ کے سلام کے لئے حاضر ہوئے حرم سرا کی بیگمات اور دیگر خواتین بھی آداب بجالانے کے لئے حاضر ہوئیں اِن ہی میں حمیدہ بانو بھی تھی جو دست بستہ ہو کر آداب بجالائی ۔ حمیدہ اخلاقِ حمیدہ سے موصوف تھی۔ اُس کے خدا داد حسن کو دیکھ کر ہمایوں ششدر رہ گیا۔ اس نے ہزاروں عورتیں دیکھی تھیں لیکن حمیدہ میں کچھ ایسی کشش تھی کہ ہمایوں اُسے دیکھتے ہی اس کا گرویدہ بن گیا۔ ہمایوں چالیس سال کا ایک معمر انسان تھا اُس کی حرم سرا میں متعدد بیگمات موجود تھیں لیکن حمیدہ کی کشش نے اسے مضطرب اور بے چین کر دیا۔ ہمایوں اس وقت دربار میں تھا جہاں اس کی آمد پر جشن منایا جا رہا تھا۔ جشن کے اختتام پر وہ اپنے کمرہ میں چلا گیا مگر اُس کی شہنشاہیت اور جاہ و عظمت حمیدہ کے حسن کے روبرو سرنگوں ہو چکی تھی۔ ہمایوں خاموش تھا لیکن اس کے دل و دماغ میں اضطراب اور بے چینی برپا تھی۔ ایک طرف اپنی شاہانہ عظمت کا خیال تھا تو دوسری طرف کشش و محبت کا طوفان اُسے حمیدہ کی طرف بہائے لئے جا رہا تھا۔ غرضیکہ وہ بری طرح سے کشاکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

سب سے پہلے ہمایوں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ حمیدہ کون ہے۔ اور کس کی بیٹی ہے۔ لہٰذا وہ اضطراب کے عالم میں اپنی والدہ دلدار بیگم کی خدمت میں پہنچا جہاں اُس کا بھائی ہندال بھی موجود تھا۔ ہمایوں نے اپنی اضطراب پذیر حالت پر پردہ ڈالتے ہوئے یہ معلوم کر لیا کہ حمیدہ بانو میر بابا دوست کی لڑکی ہے۔ مگر ہمایوں اپنے اِس دلی اضطراب کو زیادہ دیر تک نہ چھپا سکا چنانچہ اُس نے اپنی ماں اور بھائی کے سامنے اپنی دلی خواہش ظاہر کر دی۔ اور اپنی والدہ دلدار بیگم سے یہ گذارش کی کہ وہ حمیدہ کا رشتہ اُس سے کرا دے۔

ہندال اگرچہ ہمایوں کا بے حد احترام کرتا تھا مگر اُسے ہمایوں کی یہ بات پسند نہیں آئی کہ اُس نے ہمایوں اور حمیدہ کے درمیان عمر کے

فرق کو بے حد محسوس کیا۔ ہندال نہیں چاہتا تھا کہ ہمایوں جیسے متلون مزاج اور عمر شخص کے ساتھ حمیدہ کی شادی ہو۔ ہندال کو حمیدہ سے ایک خاص لگاؤ تھا۔ حمیدہ ہندال کی لڑکیوں کی سہیلی تھی اور اُس نے حمیدہ کی بھی اپنی لڑکیوں ہی کی طرح پرورش کی تھی۔ لہٰذا ہندال نے دلدار بیگم اور ہمایوں سے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ "حمیدہ ایک کم عمر لڑکی ہے اُس کا اور ہمایوں کا کوئی جوڑ نہیں اس کے علاوہ میں نے حمیدہ کو اپنی بیٹیوں کی طرح پرورش کیا ہے۔ ایسی حالت میں ہمایوں کے لئے یہ موزوں نہیں ہے کہ وہ اس قسم کی خواہش کا اظہار کرے" ہندال کو ہمایوں سے محبت ضرور تھی لیکن اس معاملہ میں وہ مخالف تھا۔ ہمایوں کو ہندال سے یہ توقع نہیں تھی اور ہندال کے جواب نے ہمایوں کو کبیدہ خاطر کر دیا۔ اور ہمایوں وہاں سے ناراض ہو کر چلا آیا۔

دلدار بیگم آزمائش تھی۔ ہمایوں کا اس طرح ناراض ہو کر چلا جانا اُسے گوارا نہ تھا۔ مغلیہ سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا اُس کے محبوب شوہر نے رکھا تھا اُس کی بنیادیں ابھی کمزور تھیں اور اُسے مستحکم کرنا ہمایوں کا کام تھا۔ وہ آپس میں اختلافات نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ لہٰذا دلدار بیگم نے ہمایوں کے چلے جانے کے بعد اُسے خط لکھا کہ "جس خواہش کا اظہار تمہاری طرف سے ہوا ہے اُس کے لئے میں کوشش کروں گی۔ مگر حمیدہ کی ماں بھی رضامند معلوم ہوتی ہے۔ خدا نے چاہا تو کامیابی ہو گی۔"

ماں کے اس خط نے ہمایوں کے بے چین قلب کو قرار سا پیدا کر دیا۔ اُس نے دوبارہ دلدار بیگم کو لکھا کہ وہ اِس رشتہ کو پختہ کرنے میں عجلت سے کام لیں اور لڑکی کے والدین کی جو بھی شرطیں ہوں وہ مجھ سے پوچھے بغیر بسر و چشم منظور کر لیں۔ چنانچہ دلدار بیگم نے اس رشتہ کے بارے میں سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔

حمیدہ کے علم میں جب یہ بات آئی تو وہ ایک گہری فکر میں پڑ گئی۔ اُس نے ہمایوں کی خواہش پر ہر پہلو سے غور کیا۔ اور وہ اپنی زندگی اُس کی نظر میں ایک ایسی بیش قیمت چیز تھی کہ شوہر اور بیوی دونوں کا حق اور درجہ برابر ہو اور یہ بات ہمایوں سے شادی کر کے اُسے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ حمیدہ کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ اگر بادشاہ سے شادی کرے گی تو زندگی کے سہانے خوابوں کا ساحل حاصل کرنے کی بجائے ایک ایسے شخص سے جو شخص تھا اور وہ ایک دوشیزہ تھی ایسے شخص کا ہم خیال ہونا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ حمیدہ اِس بات سے بھی واقف تھی کہ ہمایوں افیون کا شائق ہے اور اُس کی زندگی افیون کے بغیر بے کیف ہے۔ اِن وجوہات کی بنا پر حمیدہ نے ہمایوں کی خواہش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اُدھر ہمایوں کی بے چینی روز بروز بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ وہ اب حمیدہ کو دیکھنے کے لئے نہایت ہی مضطرب اور بے چین تھا۔ لہٰذا اُس نے حمیدہ کو طلب کیا۔ مگر حمیدہ نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔ اور صاف الفاظ میں لکھ دیا کہ جہاں تک شاہی رسم کا تعلق ہے۔ میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو چکی ہوں۔ اب یہ ضروری نہیں ہے کہ میں بار بار بادشاہ کے سامنے حاضر ہوں۔ لہٰذا حمیدہ نے آنے سے انکار کر دیا۔ اب ہمایوں نے اپنے خاص ملازم سبحان قلی کو ہندال کے پاس بھیج کر حمیدہ کو طلب کیا اور سبحان قلی نے ہندال کو شاہی فرمان سے مطلع کیا۔ ہندال اِس معاملہ میں نہیں پڑنا چاہتا تھا کیونکہ اُسے یقین تھا کہ حمیدہ اُس کی یہ بات ہرگز نہیں مانیگی اس کے علاوہ وہ خود بھی اِس رشتہ کو ناپسند کرتا تھا لہٰذا اُس نے سبحان قلی سے کہا کہ وہ خود جا کر حمیدہ کو شاہی فرمان سنا دے اور اگر وہ تعمیل حکم کے لئے تیار ہو تو مجھے کوئی عذر نہیں۔

سبحان قلی نے ایسا ہی کیا لیکن حمیدہ پر شاہی فرمان کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ حمیدہ یہ محسوس ہی نہیں کر رہی تھی کہ ہمایوں کو واقعی اُس سے محبت پیدا ہو گئی ہے۔ اُس کی نظر میں ہمایوں صرف حسن پرست اور ہوس کا بندہ تھا۔ اور وہ اُس کی ہوس پرستی کا شکار نہیں بننا چاہتی تھی۔ وہ یہ سمجھتی تھی کہ ہمایوں اِس وقت تو اُس کی خوبصورتی پر لٹو بنا ہوا ہے لیکن چند ہی روز بعد جب اُس کا دل اُس سے بھر جائے گا تو وہ اُسے ٹھکرا دے گا اور اُس کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ حمیدہ خود بھی اپنے آپ کو اِس قابل نہیں سمجھتی تھی کہ وہ اتنے بڑے ملک کی ملکہ بن کر حسن و خوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکے گی لہٰذا اُس نے بڑی جرأت سے کام لے کر بادشاہ کے پیغام بر کو جواب دے دیا کہ "بادشاہ ایک دیندار آدمی ہے۔ بادشاہ کو ایک مرتبہ تو دیکھنا جائز ہے مگر دوسری مرتبہ دیکھنا ناجائز اور نامحرمی ہے لہٰذا میں حاضر نہیں ہو سکتی"۔

حمیدہ کے اِس جواب پر ہمایوں کو بڑی مایوسی اور ناگواری ہوئی اُس نے کہا کہ "اگر ہمارا جذبہ محبت سچا ہے (باقی صفحہ پر)



لڑکی کی پیدائش ایک گناہ تھا

اسلام سے پہلے کی دنیا میں بیٹی ایک لعنت سمجھی جاتی تھی

(از جناب مالک رام - ایم - اے)

اسلام سے پہلے کی دنیا کس طرح جہالت میں مبتلا تھی اُس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تھی تو اُسے ہلاک کر دیا جاتا تھا یا اُس کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ جناب مالک رام صاحب نے ذیل کے مضمون میں تاریخ کی روشنی میں زمانہ قدیم کی اسی لعنت پر روشنی ڈالی ہے۔

قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا والوں کے لئے آخری اور مکمل ترین پیغام ہے اور یہ تمام پہلی شریعتوں کو منسوخ کرتا ہے۔ اور اب اُس کے بعد کوئی نئی شریعت دنیا میں نازل نہیں ہوگی۔ ہم قرآن پاک کے اس دعوے کی صداقت کو جب نسلی امتیاز اور عورتوں کے معاملہ پر پرکھتے ہیں تو اس دعوے کو بالکل درست پاتے ہیں اور ہمیں پتہ چلتا ہے کہ واقعی اسلام نے انسانی معاشرہ کی اصلاح میں بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔

اسلام سے قبل دنیا نہ صرف نسلی امتیاز میں بری طرح مبتلا تھی بلکہ ایک ہی نسل کے عورت و مرد میں بھی امتیاز پایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ لڑکی کی پیدائش کو ایک حادثہ عظیم تصور کیا جاتا تھا چنانچہ حضرت یعقوب کی بیوی راحل جب دردِ زہ میں مبتلا تھیں تو دائی نے اُن سے کہا تھا کہ "محترمہ اب کے بھی تیرے ہاں بیٹا ہی ہوگا" اور لڑکی کی پیدائش پر یہ ڈر اس وجہ سے تھا کیونکہ اُس زمانہ میں لڑکی کی پیدائش کو بہت برا خیال کیا جاتا تھا۔

حضرت موسیٰ کی شریعت میں بھی لڑکا لڑکی سے بہتر ہے اور لڑکی کی پیدائش عورت کے لئے طویل ناپاکی کا پیش خیمہ ہے چنانچہ اگر کسی عورت کے لڑکا پیدا ہوتا تھا تو وہ صرف سات دن ناپاک رہتی تھی تینتیس دن تک اُسے طہارت سے محروم تصور کیا جاتا تھا یعنی جب تک طہارت کے یہ تینتیس ۳۳ دن پورے نہ ہوں وہ نہ کسی مقدس شئے کو چھو سکتی تھی۔ اور نہ کسی مقدس مقام پر جا سکتی تھی۔ لیکن اگر کسی عورت کے لڑکی پیدا ہوتی تھی تو وہ دو ہفتہ ناپاک رہتی تھی اور اس کے بعد چھیاسٹھ دن تک طہارت سے محروم رہتی تھی یعنی اسے چھیاسٹھ دن تک ناپاک اور نجس تصور کیا جاتا تھا۔ گویا لڑکی کی پیدائش کی صورت میں ناپاکی کے زمانہ کی میعاد دوگنی رکھی گئی ہے۔

قرآن میں ذکر ہے کہ حضرت مریم کی والدہ نے منت مانی تھی کہ میں اس حمل سے پیدا شدہ بچہ کو ہیکل کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گی لیکن جب اُن کے بطن سے مریم پیدا ہوئیں تو انھوں نے کہا کہ "اے مولیٰ یہ تو لڑکی پیدا ہو گئی" اس پر خدا نے کہا کہ "اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ لڑکی لڑکے سے بہتر ہے" حضرت مریم کی والدہ کے اس قول سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُس زمانہ میں بھی لڑکی کو لڑکے کے مقابلہ میں کمتر سمجھا جاتا تھا۔

ہندو دھرم میں کسی شخص کی اُس وقت تک نجات ممکن ہی نہیں جب تک کہ اُس کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا چند مخصوص دھارمک رسمیں ادا نہ کرے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ویدک دھرم میں بھی دھارمک پہلو سے لڑکی لڑکے کے برابر نہیں ہے۔ یعنی لڑکی والدین کو حیات بعد الموت میں نجات اور موکش نہیں دلا سکتی۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں میں لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دی جانے لگی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ویدوں میں اولاد نرینہ کے حصول کے لئے تو دعائیں ملتی ہیں لیکن یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ اے ایشور مجھے لڑکی عطا کر

اِس کے برخلاف اسلام نے پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلان کر دیا ہے کہ لڑکے اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں سب مخلوق اُسی ایک اللہ کی ہے وہ کسی کو محض لڑکیاں عطا فرماتا ہے تو کسی کو لڑکے اور کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں۔ نہ لڑکے کو لڑکی پر کوئی فوقیت حاصل ہے اور نہ لڑکے کے والدین کو لڑکی کے والدین پر کسی قسم کی فضیلت ہے

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی مرد اور عورت میں اسلام کی رو سے کوئی فرق نہیں۔ بحیثیت مخلوق دونوں کا درجہ برابر ہے۔ فرق صرف اعمال سے پیدا ہوتا ہے۔ جو کوئی اچھے عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اُس کے لئے اِس دنیا میں بھی حیات طیبہ ہے اور آخرت میں بھی نیک اعمال کا اجر ملے گا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اصل بنیاد رنگ و نسل یا جنس نہیں ہے۔ پھر روحانی برتری یا نیک اجر مردوں کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ اگر عورت بھی ایمان صحیح اور اعمال صالح رکھتی ہے تو بعینہٖ اُس کے لئے بھی وہی انعام ہے جو مرد کے لئے ہے اور ان میں سے جو بھی بُرے عمل کرے گا اُسے اُس کی سزا بھگتنی ہوگی۔

اسلام نے اول تو ایک سرے ہی سے اِس خیال کی تردید کر دی ہے کہ کسی شخص کے محض چند باتوں کا زبانی طور پر اقرار کر لینے سے یا چند لگی بندھی مذہبی رسوم کی ادائیگی سے آخرت میں نجات مل سکتی ہے۔ بلکہ صاف الفاظ میں کہہ دیا گیا ہے کہ "ایمان سچے دل سے اقرار اور عمل کے بغیر نامکمل ہے" دوسرے اسلام نے اِس بات کا بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ دینی پہلو سے لڑکے کو لڑکی پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہے۔ نیز متنبہ کر دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب انسانی اعمال میزان میں رکھے جائیں گے تو نہ بھائی بھائی کی مدد کر سکے گا۔ نہ ماں باپ اولاد کا بوجھ اٹھا سکیں گے اور نہ بیوی بچے ہی کسی شخص کے کام آسکیں گے۔ اُس روز ہر شخص خود اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوگا اور اس کے اچھے اور بُرے اعمال ہی کی بنا پر اُس کی نجات کا فیصلہ ہو سکے گا۔

ہُمایوں کی داستانِ عشق

(باقی مضمون صفحہ ۳ سے)

تو انشاء اللہ ہم نامحرم کو محرم بنانے میں کامیاب ہو نگے" ہمایوں برابر حمیدہ کو اپنانے کے لئے جدوجہد کرتا رہا لیکن کوئی صورت بھی نہ نکل سکی یہاں تک کہ وہ حمیدہ کی محبت میں بیمار رہنے لگا اور اُس کا دل کسی کام میں بھی نہیں لگتا تھا۔

دلدار بیگم کو جب ہمایوں کی اِس حالت کا علم ہوا تو وہ خود حمیدہ کے پاس گئی حمیدہ کے والدین کو تو پہلے ہی راضی کر چکی تھی لیکن حمیدہ اپنے فیصلہ پر ابھی تک اٹل تھی۔ اُس نے حمیدہ کو سمجھایا کہ "حمیدہ تو آخر ایک لڑکی ہے تجھے ایک نہ ایک دن کسی سے شادی کرنی پڑیگی۔ اِس کے لئے کیوں نہ تو ایک ایسے بادشاہ کو منتخب کرے جو واقعی تجھ سے محبت کرتا ہے۔ بادشاہ کی بیماری اور بے چینی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اُسے واقعی تجھ سے محبت ہو گئی ہے" دلدار بیگم نے حمیدہ کو ہموار کرنے کے لئے پند و نصائح سے بھی کام لیا اُس نے کہا کہ "تجھے یہ بھی سوچنا چاہئے کہ تیری ضد کی وجہ سے مغلیہ حکومت کو شدید نقصان پہنچ سکتا ہے اگر ہمایوں کی خاطر نہیں تو ملک و سلطنت ہی کے لئے اپنے رویہ کو بدل دے میں یقین دلاتی ہوں کہ تجھے مایوسی نہیں ہوگی تیرا درجہ تمام بیگمات سے بلند ہوگا کیونکہ واقعی ہمایوں تجھ سے محبت کرتا ہے" اس پر حمیدہ نے کہا کہ یہ درست ہے کہ میں ایک نہ ایک دن شادی ضرور کروں گی لیکن اُس شخص کے ساتھ جس کے گریبان تک میرا ہاتھ پہنچ سکے نہ یہ کہ ایک ایسے شخص کے ساتھ جس کے دامن تک بھی میرا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا ہے اگر واقعی بادشاہ مجھ سے محبت کرتا ہے تو مجھے وقت دیا جائے کہ میں اِس معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکوں"

دلدار بیگم بڑی ہی ہوشمند خاتون تھیں وہ برابر حمیدہ بانو کو ہموار کرتی رہیں اور اُسے یقین دلا دیا کہ ہمایوں تا زندگی اُسی کا بن کر رہے گا۔ اور حمیدہ کے دل میں بھی یہ خیال جاگزیں ہو گیا کہ ہمایوں کے دل میں کچھ تو ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اُس کے لئے اتنا بے قرار ہے۔ خوبصورت عورتوں کی اُس کے لئے کمی نہیں اگر محض ہوس رانی ہی مقصود ہوتی تو ہمایوں نے بہت پہلے اُس کا خیال چھوڑ دیا ہوتا۔ اس کے علاوہ حمیدہ بیگم کا باپ جو شاہی ملازمین کے زمرہ میں شامل تھا اُس نے بھی بیٹی پر زور دیا تو حمیدہ بانو نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا اور اس طرح بڑی کوششوں کے بعد جمادی الاول ۹۴۷ھ میں ہمایوں کی پاتر کے مقام پر حمیدہ بانو سے شادی انجام پا گئی۔ ہمایوں کو واقعی حمیدہ بانو سے محبت تھی جس میں کہ تا زندگی کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔



افسانہ

درد کا رشتہ

دلچسپ واقعہ ایک معاشرتی کہانی

(از مسرت جہاں صاحبہ)

اُن کی شادی کو چھ مہینے گزر گئے تھے۔ اِس طویل عرصے میں یاسمین نے اُسے ایک بار بھی شکایت کا موقع نہ دیا تھا۔ اُسے اگر یاسمین سے کوئی شکایت تھی تو بس یہی کہ وہ چپ چپ اور خاموش رہتی ہے۔ کبھی کسی وقت تو اُسے یہ خاموشی بہت ناگوار گزرتی تھی اُس وقت اور بھی زیادہ جب وہ ہنسنے ہنسانے کے موڈ میں ہوتا۔ لیکن وہ اپنی خاموشی سے اُس کے سارے موڈ کا ستیاناس کر دیتی تھی۔ ایسے میں وہ اُسے کچھ تلخ و ترش بھی کہہ جاتا تھا۔ لیکن وہ اُس کی کسی بات کا جواب نہ دیتی تھی اور اُسے بس اپنی سیاہ معصوم آنکھوں سے دیکھ کر رہ جاتی تھی اُس کی اِس ادا پر اسے بےساختہ پیار آجاتا۔ وہ اُس وقت ایک معصوم اور سہمی ہوئی فاختہ نظر آتی اور وہ اُسے بے اختیار اپنی بانہوں میں بھر لیتا۔ اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کر کے ایک بار پھر وہی انور بن جاتا جو اُس کے عشق میں دیوانہ ہو کر اُسے بیاہ لایا تھا۔

پہلی بار اُس نے یاسمین کو نینی تال میں دیکھا تھا۔ وہ اکتوبر کا مہینہ تھا۔ نینی تال میں یہ موسم بہار کا زمانہ تھا۔ اُن دنوں دُور دُور سے سیاح آئے ہوئے تھے۔ اُسے یہ موسم مئی اور جون سے بھی زیادہ خوشگوار معلوم ہو رہا تھا۔ رنگ رنگ کے پھولوں کی مہک ساری فضا میں بسی ہوئی تھی۔ ہر سمت خوشنما پھول مسکراتے نظر آتے تھے۔ مسکراتے ہوئے گلاب کے پھول تو سیاح کو اپنی طرف متوجہ کر کے اور بھی مغرور اور مسرور کر دیتے تھے۔ فلیٹ پہ بھی شام کے وقت خاصی چہل پہل ہو جاتی تھی —— بوٹ ہاؤس کا کلب اور اسکیٹنگ ہال کی رونقیں بھی شباب پر تھیں۔

اتنے حسین موسم اور اتنی چہل پہل میں وہ جھیل کے کنارے پتھر کی ایک بنچ پر تقریباً سنسان سی جگہ تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ سفید بے داغ لباس میں اُس کا حسن حوروں کو شرما رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا، کوئی جل پری پانی سے نکل کر آ بیٹھی ہے۔ ایسے میں اگر وہ بے اختیار اُس کی طرف کھنچ گیا تو قصور اُس کا نہیں —— یاسمین کے حسن کا یا پھر موسم کی دلکشی ہی کا ہو سکتا ہے۔

"معاف کیجیے گا۔ کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

اُس نے قدرے ہمت کر کے کہا۔ یہ بھی خوف تھا کہ کہیں وہ سچ مچ چھپاک سے نیلے پانیوں میں غوطہ مار کر غائب ہی نہ ہو جائے اُس نے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اٹھا کر اُسے دیکھا اور کھڑی ہو گئی۔

"اوہ! میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ آپ کو اٹھا کر خود بیٹھ جاؤں اتنی بڑی بنچ ہے، ہم دونوں بہت آرام سے بیٹھ سکتے ہیں۔ بیٹھیے نا؟"

وہ اُس کے لہجہ میں شرافت محسوس کر کے بیٹھ گئی اور اُس سے تھوڑے سے فاصلے پر وہ بھی بیٹھ گیا۔

"مجھے انور کہتے ہیں۔ ایک دوست کے بہکاوے میں آکر تنہا ہی موسم بہار کا لُطف اُٹھانے چلا آیا۔ لیکن یہاں آکر محسوس ہوا کہ تنہا انسان کو جنت میں بھی رکھا جائے تو وہ بور ہوگا۔ شاید اِسی لئے اللہ میاں نے وہاں بھی حوروں کا انتظام کر رکھا ہے!"

اُس نے گفتگو میں پہل کی اُس کی باتوں پر وہ آہستہ سے مسکرا دی

"کیا میری طرح آپ بھی تنہا ہیں؟"

"میں اپنی فیملی کے ساتھ ہوں" اُس نے مختصر سا جواب دیا۔

"تب تو آپ بہت خوش نصیب ہیں" اُس نے اپنی بدقسمتی پہ سرد آہ بھری ہے بھری۔

"اب میں چلوں گی" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ شاید اِس تنہائی میں ایک اجنبی اور بالتونی مرد کے قریب بیٹھنا اُسے پسند نہ تھا۔ انور کا جی چاہا اُسے روک لے اور کچھ اُس کے متعلق پوچھے لیکن

وہ کچھ نہ کہہ سکا اور وہ چلی گئی چند پل کی ملاقات میں آسے اِس کا حق ہی کب پہنچتا تھا کہ وہ ایک اجنبی اور حسین لڑکی کو روک لے

دوسری بار وہ اُسے مال روڈ کی ایک دوکان میں نظر آئی جہاں وہ اپنے لئے چند رسائل خریدنے گیا تھا اور دوسرے کاؤنٹر پر اُس کے سامنے روزمرّہ کی ضروریات کا چھوٹا موٹا سامان رکھا تھا۔ رسائل کی قیمت ادا کرکے وہ اُس کے قریب چلا گیا۔

"ہیلو!" وہ چونک پڑی پھر اُسے دیکھ کر اُس کے لبوں پہ پہچان مسکراہٹ بن کر ابھر آئی۔

"ہیلو!" اُس نے آہستہ سے کہا اور سیلز مین سے سامان لیکر اپنے نائیلان کے خوبصورت سے بیگ میں رکھنے لگی۔ پھر وہ ساتھ ہی دوکان سے باہر نکلے۔ دوپہر کا وقت تھا اِس لئے اُس وقت مال روڈ پر بھیڑ کم تھی۔ وہ چند منٹ خراماں خراماں چلتے رہے خاموشی سے اُکتا کر انور بولا۔

"اگر زحمت نہ ہو تو میرے ساتھ ایک کپ چائے یا کافی پی لیں"

"جی ـــــ؟" اُس نے عجیب نظروں سے دیکھا۔

"یہ سوچ کر انکار نہ کیجئے گا کہ تنہائی کا ستایا ہوا ہوں"

وہ مسکرا دی اور خاموشی سے اُس کے ساتھ کیفے میں داخل ہو گئی۔ وہ آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ بیرہ آرڈر لینے آیا تو اُس نے پوچھا۔

"چائے یا کافی؟"

"جو آپ پسند کریں"

"دو کافی!" اُس نے بیرہ سے کہا۔ پھر اُس کی طرف گھوم گیا "میں نے آپ کا نام نہ پوچھ کر جس بدتہذیبی کا ثبوت دیا ہے اُسے معاف کیجئے گا" انور نے بہت خوبصورتی سے اُس کا نام پوچھا۔

"یاسمین"، مختصر سا جواب ملا۔

"جب ہی آپ اتنا آپ کا نام پھولوں سے بھری اِس وادی سے پوری طرح ہم آہنگ نظر آتے ہیں" انور نے اُس کی اور اُس کے نام کی تعریف کی۔

کافی سپ کرتے ہوئے بھی وہ خاموش رہی اور انور اُس کے صبیح چہرہ کا بنظرِ غائر جائزہ لیتا رہا۔ حُسن اور اداسی کا اتنا حسین امتزاج اُس نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ سونے پہ سہاگہ اُس کی سنجیدگی، متانت اور خاموشی ـــــ ان سب چیزوں نے مل کر اُس میں شہزادیوں جیسا وقار اور رکھ رکھاؤ پیدا کر دیا تھا۔ عام لڑکیوں کے مقابلے میں یاسمین اُسے بہت پسند آئی تھی وہ دل ہی دل میں اُس کا موازنہ دنیتا کپور، ڈمپل، رشمی وغیرہ سے کر رہا تھا۔ یقیناً یاسمین کا اور اُن لڑکیوں کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔

کافی ختم ہوئی تو یاسمین نے اُس کا شکریہ ادا کرکے رخصت مانگی۔

"یاسمین ایک درخواست کر سکتا ہوں؟"

یاسمین نے نظریں اٹھا کر اُسے دیکھا اور پھر سر جھکا کر اثبات میں گردن ہلا دی۔

"آپ جب تک یہاں ہیں کبھی کبھی مل لیا کریں۔ نینی تال بہت چھوٹی سی جگہ ہے یہاں ہر صورت کہیں نہ کہیں روز ہی نظر آجاتی ہیں اور اگر ہم چاہیں بھی تو اُنہیں تلاش کرنا ناممکن ہو جاتا ہے"

یاسمین نے آہستہ سے کہا۔

"واقعی انور صاحب آپ نے سچ ہی کہا۔ کھوئی ہوئی صورتوں کو تلاش کرنا ناممکن ہو جاتا ہے"

یہ اُن کی چند ملاقاتوں میں سب سے طویل جملہ تھا جو یاسمین نے اُس سے کہا۔ کیونکہ اس کے بعد بھی اُن کی کئی ملاقاتیں ہوئیں اور انور صرف یاسمین کی خاطر پروگرام سے کئی دن زیادہ رُک گیا اور جب یاسمین چلی گئی تو نینی تال کی پھولوں بھری وادی اپنی ساری دلکشی اور گہما گہمی کے باوجود، انور کو سنسان اور بے کیف نظر آنے لگی دوسرے دن اُس نے بھی اُسے الوداع کہہ دیا۔

انور نے یاسمین کا پتہ لے لیا تھا۔ دہلی پہنچ کر اُس نے یاسمین کو خط لکھا اور پھر یہ سلسلہ چل پڑا۔ یاسمین بہت باقاعدگی سے اُس کے ہر خط کا جواب دیتی تھی۔ بہت سادہ سا خط ہوتا تھا سلجھا ہوا اندازِ تحریر، سیدھی سادھی باتیں۔ یقیناً وہ بے داغ کردار کی تعلیم یافتہ اور سمجھدار لڑکی تھی انور کو محسوس ہوا کہ اُسے اپنی تنہائی کا ساتھی بنانے کے لئے یاسمین ہی جیسی لڑکی کی ضرورت ہے۔ اُس نے اُسے صاف الفاظ میں لکھ دیا

کہ وہ اُسے اپنی شریکِ حیات بنانا چاہتا ہے۔ ساتھ ہی اُسے یقین دلایا کہ وہ اُسے ہر طرح خوش رکھنے کی امکانی کوشش کرے گا۔

انور کو یاسمین کے جواب کا بے چینی سے انتظار تھا لیکن یاسمین کے بجائے اُس کی بڑی بہن کا صبیحہ کا خط آ گیا۔ اُنہوں نے اُسے ساری گفتگو کے لئے آگرہ بلایا تھا۔ اور صاف لکھ دیا تھا کہ شادی بیاہ کی بات چیت خط و کتابت کے ذریعہ مناسب نہیں ہے۔

اگلے دن وہ آگرہ کے لئے روانہ ہو گیا یاسمین کی طرح اُس کے والدین بھی بے حد سلجھی ہوئی طبیعت کے تھے بڑی بہن صبیحہ نے بھی اُس کا مقدور بھر خیال کیا۔ چند ضروری باتوں کے متعلق دریافت کرکے یاسمین کے والد نے رشتے کی منظوری دے دی اور دو ہی ہفتے کے بعد انور اور یاسمین کی شادی بہت سادگی سے ہو گئی انور کے والدین بمبئی میں رہتے تھے اور یاسمین کے والد لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور حال ہی میں تبادلہ کے بعد آگرہ آئے تھے۔ اس لئے دونوں طرف سے شادی میں شریک ہونے والے دوست اور ملنے والے بھی تھے دو دن آگرہ میں رُک کر انور یاسمین کو رخصت لے کر دہلی آ گیا۔

انور کا چھوٹا سا فلیٹ یاسمین کے سلیقہ مند ہاتھوں سے سج کر چھوٹی سی جنت بن گیا اور اُن کی زندگی کے شب و روز سکون سے گزرنے لگے انور نے بار ہا سوچا کہ اُس نے یاسمین سے شادی کرکے یقیناً اچھا کیا ورنہ جب تک یاسمین اُس کی زندگی میں شامل نہ ہوئی تھی اُس کے شب و روز بالکل بے کیف گزر رہے تھے آفس اور ہوٹل اور کبھی کسی شام کو ایک لڑکی جو اپنے لبوں پر مسکراہٹوں کا نقلی خول چڑھائے رہتی تھی بس یہی اُس کی زندگی کے مشاغل تھے اور اب صبح کی بیڈ ٹی سے لے کر ــــ رات کے سونے تک ایک ایک لمحہ، ایک ایک پل کتنا خوش گوار گزرتا تھا۔ یاسمین اُس کا بے حد خیال کرتی تھی اور وہ اُس کی محبت کو عبادت کا درجہ دیتا تھا۔ یہ عبادت یاسمین کے بے داغ کردار اور اعلیٰ صفات کو دیکھتے ہوئے کچھ بھی نہ تھی۔ بس ایک حقیر سا نذرانۂ عقیدت ہی تو تھی۔ اس کی کم گوئی، سنجیدگی اور خاموشی بھی اُسے پسند تھی۔ صرف اُن لمحوں کے سوا جب وہ ہنسنے ہنسانے کے موڈ میں ہوتا اور یاسمین سے بھی ایسے ہی برتاؤ کی توقع کرتا۔ لیکن یہ کوئی اتنی اہم بات نہ تھی جسے لے کر وہ اپنی اچھی بھلی زندگی کو روگ لگا لیتا۔ یہ خاموشی تو یاسمین کی فطرت تھی۔ اس کی ادا تھی اُس کے کردار کا ایک جزو تھی۔ جسے اگر یاسمین سے علیحدہ کر دیا جاتا تو شاید پھر یاسمین وہ نہ رہ جاتی جو تھی۔ اُسے اپنی یاسمین کا یہ روپ بہت عزیز تھا۔

اتوار کا دن تھا۔ انور بستر میں کاہلی سے لیٹا ہوا کروٹیں بدل رہا تھا یاسمین کئی بار آ کر اُسے اٹھنے کے لئے کہہ چکی تھی لیکن یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ یہ تو ہر چھٹی کے دن ہوتا تھا۔ انور دس بجے سے پہلے بستر نہ چھوڑتا تھا۔ انور نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ کی ڈبیا اٹھائی تو یاسمین کی کتاب پھسل کر نیچے گر پڑی۔ انور نے لیٹے ہی لیٹے کتاب اٹھا لی۔ کتاب سے نکل کر ایک تصویر بھی گر پڑی تھی اُس نے اُسے بھی اٹھا لیا۔ رات میں سونے سے پہلے یاسمین یہ کتاب پڑھ رہی تھی۔ پھر وہ تو سو گیا۔ یاسمین خدا جانے پڑھتے پڑھتے کب سوئی تھی؟

انور نے کتاب میز پر رکھ دی اور تصویر دیکھنے لگا۔ اُس نے سوچا تھا کہ یہ اُس کا اور یاسمین کا گروپ فوٹو ہوگا۔ کیونکہ یاسمین کی اکیلی تصویر کوئی بھی نہ تھی۔ ہر تصویر میں وہ اُس کے ساتھ تھی لیکن یہ تصویر اُس کے ساتھ کی نہ تھی۔ یاسمین کے ساتھ کوئی اور نوجوان تھا جس کا ایک ہاتھ اُس کی کمر کے گرد حمائل تھا اور یاسمین چند ماہ کے ایک بچے کو لئے ہوئے بیٹھی تھی۔

انور ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا تصویر اُس کی نظروں کے سامنے تھی۔ لیکن جو کچھ سامنے تھا، اُس پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اُسی وقت یاسمین اندر آ گئی اور اُس نے چھوٹا ٹی سیٹ ٹی پائی پر رکھ کر ایک پیالہ چائے بنا کر انور کی طرف بڑھایا۔ معاً اُس کی نظر تصویر پر پڑی اور وہ کانپ اٹھی چائے چھلک گئی۔ اُس کا ہاتھ جل گیا۔ انور نے کپ تھامنے کے لئے ابھی تک ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔ اُس نے خاموشی سے کپ ٹرے میں رکھ دیا اور مجرم کی طرح کھڑی رہ گئی۔

"یہ ــــ یہ ــــ تصویر کس کی ہے؟"

انور نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر بے حد سنگین لہجہ میں کہا

یاسمین خاموش رہی۔

"میں پوچھتا ہوں تمہارے ساتھ اِس تصویر میں کون ہے؟ اس مرد سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟ اور ــــ اور یہ بچہ ــــ کون ہے تمہارا؟"

یاسمین اب بھی خاموش تھی۔ اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور بڑی بڑی سیاہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوکر چھلکنے کے لئے تیار تھیں۔ انور کو اُس کی خاموشی پر پہلی بار اتنا زیادہ غصہ آیا تھا کہ اُس نے زناٹے سے ایک تھپڑ یاسمین کے گال پر رسید کر دیا اور چیخ کر بولا —

"بولو — یہ سب کیا ہے؟ کیا تم نے اپنے گناہوں کا راز چھپانے کے لئے مجھ سے شادی کی تھی؟ یہ بچہ تمہارے گناہ کی نشانی —؟ تمہاری ناجائز اولاد ہے — اور یہ مرد — یہ — یہ —!" ایک شوہر اور ایک مرد کے سارے شکوک و شبہات سر اٹھا کر چیخ پڑے۔

"ایسا نہ کہو — خدا کے لئے یہ سب نہ کہو!" یاسمین نے تڑپ کر کہا —

"اتنا بڑا الزام نہ لگاؤ انور!" وہ سسک اٹھی۔

"پھر یہ کس کی تصویر ہے؟" انور کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، جیسے وہ ابھی جھپٹ پڑے گا اور یاسمین کا گلا دبا دے گا۔

"یہ — میرے پہلے شوہر اور بچے کی تصویر ہے" یاسمین نے گویا اعترافِ جرم کر لیا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تمہارا شوہر! کہاں ہے اب وہ؟"

"اُن کا انتقال ہو گیا — ڈیڑھ سال پہلے"

"اور بچہ —؟"

"ممی میرا بچہ ہے۔ آپا نے اُسے پالا ہے۔ شہزاد کے انتقال کے بعد میری حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ اس لئے ممی کو آپا نے لے لیا"

"مجھ سے کیوں چھپایا؟"

انور نے پژمردہ لہجہ میں پوچھا

"ڈیڈی کا خیال تھا کہ شاید آپ حقیقت کا علم ہو جانے کے بعد شادی نہ کریں۔ اور — اور اُنہیں معلوم تھا کہ میں — میں آپ سے —" یاسمین نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اوہ!" انور کسی سوچ میں ڈوب گیا اور پھر اُس نے ہاتھ بڑھا کر یاسمین کا بازو تھاما اور اُسے اپنے پہلو سے لگا لیا

"یاسمین! تمہاری ممتا کو مصلحت کے پردے میں چھپا کر تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی گئی ہے ورنہ — ورنہ ممی اِس وقت تمہارے پاس ہی ہوتا۔ میں تمہارا درد سمجھتا ہوں — بلکہ — بلکہ ہمارا درد مشترک ہے۔ رضیہ کے انتقال کے بعد مجھے بھی اپنے جگر گوشہ سے دور رہنا پڑا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ اب شادی ہی نہ کروں گا لیکن تمہیں دیکھا تو اپنا عہد توڑنا پڑا۔"

یاسمین اُس کے کاندھے سے لگ کر سسک اٹھی۔ اور زار و قطار رونے لگی۔

"بگلی! یہ رونا دھونا بند کرو! اور ناشتہ کے بعد فوراً تیاری کر لو ہم پہلی گاڑی سے آگرہ چل رہے ہیں اپنے ممی کو ساتھ لے آئیں گے اور جلد ہی کسی لمبی چھٹی میں بمبئی بھی چلیں گے۔ تم پپو سے مل لینا اور اگر اُس کی دادی نے اجازت دی تو پھر دونوں بیٹے ہمارے ساتھ ہی رہیں گے۔"

یاسمین کی آنکھیں ایک بار پھر چھلک اٹھیں۔ اِس وقت یاسمین انور کو سب دن سے زیادہ پیاری اور اپنی لگی۔ درد کے رشتہ نے اُنہیں ایک دوسرے سے بے حد قریب کر دیا تھا۔ انور نے اُس کے گال کو چوم لیا جس پر اُس کی انگلیوں کے سُرخ سُرخ نشان ابھر آئے تھے۔

تعلیم القرآن

(صفحہ ۱۸ کا بقیہ مضمون)

اور اس عورت کے دل میں تو اُن کا خیال بیٹھا ہی ہوا تھا۔ (اس لئے برابر ضد کرتی رہی) مگر اُن کو بھی اُس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا۔ اور اگر انھوں نے اپنے رب کی دلیل کو نہ دیکھا ہوتا تو شاید وہ بھی اُس کی جانب رجوع ہو جاتے اِس نازک وقت میں ہم نے انہیں علم و دانش عطا کی تاکہ ہم اُنہیں صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے بچا سکیں۔ کیوں کہ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔

پروردگار کی جس دلیل کا ذکر اوپر آیا ہے اُس کے بارے میں مستند تفاسیر میں لکھا ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو اللہ کے حکم سے اس موقعہ پر حضرت یوسف کے والد محترم حضرت یعقوب کی صورت اُن کے سامنے پیش کر دی گئی۔ چنانچہ حضرت یوسف نے دیکھا کہ حضرت یعقوب سامنے کھڑے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ یوسف معبودِ برحق سے ڈرو یہ دیکھ کر حضرت یوسف چونکنے ہو گئے اور اُن کے قدم لغزش سے رک گئے۔



عورتوں کے لئے

ظاہری خوبصورتی

باطنی خوبیوں کے بغیر قطعی بیکار ہے

(از زبیدہ سلطان صاحبہ دہلوی)

زبیدہ بہن کے مضامین کی خوبی یہ ہے کہ وہ نہایت دلچسپ انداز میں عورتوں کی کمزوریوں پر روشنی ڈالتی رہتی ہیں۔ تاکہ عورتوں کی اصلاح ہو سکے۔ ذیل کے مضمون میں بھی انھوں نے ایک نہایت ہی ضروری معاملہ پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالی ہے۔

اللہ اللہ کیا زمانہ آگیا ہے کہ وہی عورتیں جو کسی زمانہ میں چراغ خانہ بن کر ہمارے گھروں کو جگمگایا کرتی تھیں اور جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض حضرت عائشہ رض اور حضرت فاطمۃ الزہرا کی پاکیزہ مثالوں کو اپنے سامنے رکھتی تھیں آج مغربی سیلاب میں بہتی چلی رہی ہیں اور اپنے اندر باطنی خوبیاں پیدا کرنے کی بجائے بناوٹی آرائش کی دلدادہ بن گئی ہیں۔

اِن مغرب زدہ عورتوں کی حالت یہ ہے کہ جسم پر مڑھا ہوا چست لباس ہے۔ کپڑے اتنے باریک کہ بدن جھلک رہا ہے اور میک آپ کے جدید سامان کے ذریعہ وہ اس کوشش میں لگی رہتی ہیں کہ دیکھنے میں جنت کی حور معلوم ہونے لگیں۔ لیکن انھیں معلوم نہیں کہ جن مغربی عورتوں کی یہ تقلید کر رہی ہیں اُن کا ہوشمند طبقہ خود اِس بناوٹی آرائش سے بیزار ہو چکا ہے چنانچہ ایک امریکن خاتون نے "عورتوں کے لئے صحیح راستہ" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں کہ بناوٹی بناؤ سنگھار پر تنقید کرتے ہوئے اس خاتون نے لکھا ہے کہ۔

"خوبصورت بننے کا شوق عورتوں میں جنون کی حد تک بڑھ چکا ہے۔ ہر عورت کی کوشش یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ خوبصورت نظر آئے۔ اِس مقصد کے لئے بے شمار جدید ترین طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ خوبصورت بننے کے لئے پلاسٹک سرجری (عمل جراحی) سے بھی مدد لی جا رہی ہے خوبصورت بننے کا یہ جنون صرف کم عمر لڑکیوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ عمر ڈھلی ہوئی عورتیں بھی اِس جنون میں بری طرح مبتلا ہیں خوبصورتی اچھی چیز ضرور ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنوعی ذرائع سے خواہ مخواہ اپنے آپ کو خوبصورت بنانا کہاں تک درست ہے طبی لحاظ سے تو یہ مضر ہے ہی لیکن اخلاقی اعتبار سے یہ اِس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔"

یہ ایک ایسے ملک کی ہوشمند خاتون کی رائے ہے جو دنیا کا سب سے دولت مند اور فیشن پرست ملک شمار کیا جاتا ہے۔ اِس خاتون کا خیال ہے کہ خوبصورت بننے کا یہ جنون عورتوں کو دن بدن پستی میں گراتا چلا جا رہا ہے۔ چنانچہ آگے چل کر یہ لکھتی ہے

"خوبصورت بننے کے اِس جنون نے عورتوں کے طبقہ پر جو ناگوار اثر ڈالا ہے وہ یہ ہے کہ عورتیں یہ سمجھنے لگی ہیں کہ خوبصورتی ہی عورتوں کے لئے سب کچھ ہے۔ حالانکہ خوبصورتی کے علاوہ بھی عورتوں میں بہت سے محاسن کی ضرورت ہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ بناوٹی خوبصورتی مردوں کے نفسانی جذبات کو ضرور بھڑکا سکتی ہے اور عورتوں کو مردوں کا کھلونا بنانے میں مدد دے سکتی ہے لیکن اِس سے عورتوں کو کوئی پائیدار فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور نہ اِس طرح عورتیں عزت ہی حاصل کر سکتی ہیں اور نہ وقار۔ عزت اور وقار اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب عورتیں ظاہری خوشنمائی کے بجائے اپنے اندر باطنی خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کریں"

اِس خاتون نے جو کچھ کہا ہے اُس کی صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے یہ امر واقعہ ہے کہ کوئی عورت بھی اپنی باطنی خوبیوں کے بغیر اپنے شوہر کو اپنا گرویدہ نہیں بنا سکتی۔ خود میرے علم میں ایسی بہت سی عورتیں ہیں جو مصنوعی طور پر نہیں بلکہ قدرتی طور پر بے حد خوبصورت ہیں۔ لیکن اُن کی خوبصورتی اُن کے کچھ کام نہ آسکی چنانچہ بعض کے تعلقات تو اپنے شوہروں سے کشیدہ ہیں اور بعض کو اُن کے شوہروں نے بالکل ہی چھوڑ دیا ہے۔

بات یہ ہے کہ اُن میں ظاہری حسن تو موجود تھا لیکن باطنی خوبیاں نہ تھیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند ہی دنوں میں یہ نہ صرف سسرال والوں کی نظر میں بلکہ شوہر کی نظر میں بھی گر گئیں۔ اِس کے برخلاف میں ایسی بہت سی عورتوں سے واقف ہوں جن کی شکل وصورت کچھ اچھی نہیں ہے۔ اور نہ وہ بناوٹی حسن ہی کی دلدادہ ہیں۔ لیکن پھر بھی اُن کے شوہر اُن پر جان دیتے ہیں اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی باطنی خوبیوں، سلیقہ مندی، خوش گفتاری اور فرض شناسی نے اُن کے شوہروں کا اُن کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ آگے چل کر یہی امریکن خاتون لکھتی ہے۔

" مردوں کی مثال ہمارے سامنے ہے خوبصورت بننے پر وہ نہ اپنا وقت برباد کرتے نہ روپیہ بلکہ اپنی تمام تر توجہ اُن چیزوں پر صرف کرتے ہیں جن کے ذریعہ اُنہیں اقتصادی استحکام اور سوسائٹی میں عزت حاصل ہو سکے یہی طریقہ عورتوں کو بھی اختیار کرنا چاہئے۔ دنیا میں جتنی بھی مشہور اور لائق عورتیں ہوئی ہیں اُن میں سے ایک بھی ایسی نہ تھی جس نے کہ محض خوبصورتی کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا ہو۔ بلکہ اُن کی بڑائی اور ہردلعزیزی کا راز یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے اندر باطنی خوبیاں اور غیر معمولی قابلیت پیدا کی تھی اور اِن خوبیوں کی بدولت وہ محبوب خلائق بن گئی تھیں "

نامور اور مشہور و معروف عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے ہم روزانہ زندگی میں یہ دیکھتے ہیں کہ جن عورتوں میں زیادہ باطنی خوبیاں ہوتی ہیں اتنی ہی زیادہ اُن میں سادگی بھی ہوتی ہے۔ اس امریکن خاتون کا خیال یہ بھی ہے کہ ضرورت سے زیادہ بناؤ سنگھار کا شوق گھریلو زندگی کے سکھ کو بھی برباد کر دیتا ہے چنانچہ یہ لکھتی ہے۔

" خوبصورت بننے کا یہ جنون عورتوں کی سوشل ترقی ہی میں رکاوٹ نہیں ہے بلکہ عورتوں کی گھریلو زندگی کو بھی اُس نے برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ وہ ہر وقت نت نئے لباس اور بناؤ سنگھار کی فکر میں لگی رہتی ہیں گھر کے کاموں اور ذمہ داریوں سے اس لئے جی چراتی ہیں کہ کہیں گھر کے کام کاج سے اُن کی خوبصورتی میں فرق نہ آجائے "

حقیقت یہ ہے کہ خوبصورت بننے کے اِس جنون نے عورتوں کی معاشرتی زندگی پر بہت برا اثر ڈالا ہے۔ کیونکہ عورتوں کی توجہ بجائے اِس کے کسی ہنر کے سیکھنے یا ترقی کی راہیں تلاش کرنے پر صرف ہو وہ آرائش حسن وجمال پر صرف ہو رہی ہے وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ خوبصورت نظر آئیں۔ حالانکہ اُن کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اُن میں زیادہ سے زیادہ جوہر اور قابلیت پیدا ہو۔

ایسی عورتیں جو اِس مغالطہ میں مبتلا ہیں کہ وہ محض ظاہری اور بناوٹی حسن کے ذریعہ شوہروں کے دلوں میں گھر کر لیں گی یا اُس سے انہیں دائمی فوائد حاصل ہو سکیں گے۔ وہ سراسر غلطی پر ہیں کیونکہ مرد عورتوں میں ظاہری حسن نہیں بلکہ اخلاقی اور باطنی خوبیاں ڈھونڈا کرتے ہیں اور اُن ہی عورتوں کی قدر کرتے ہیں جن میں کہ باطنی جوہر ہوتے ہیں اس لئے میں اپنی بہنوں اور بیٹیوں سے گذارش کروں گی کہ وہ خدارا بناوٹی حسن کی بجائے اپنے اندر ایسی خصوصیات پیدا کرنے کی کوشش کریں کہ اپنے اور پرائے سب ہی اُن کے گرویدہ بن جائیں۔

افسانہ



جیون ساتھی

جذبات میں ڈوبی ہوئی کہانی

(از ڈاکٹر سید محی الدین سبحانی - ایم - اے - بی - ایچ - ڈی)

شام ڈھل چکی ہے۔ سورج کی آخری شعاعیں دُور مغربی گھاٹ کی پہاڑیوں پر پیلی کرنیں بکھیر رہی ہیں۔ بنارس سے بمبئی جانے والی کاشی ایکسپریس ٹرین اسی رنگین ماحول میں آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ میں ٹو ٹائر سلیپر کے چودہ نمبر کے برتھ پر بیٹھا مسلسل کئی گھنٹوں سے اُس خوبصورت لڑکی کی طرف دیکھ رہا ہوں جو میرے سامنے بیٹھی سویٹر بن رہی ہے۔ کبھی کبھی نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھ لیتی ہے ہلکی سی مسکراہٹ اُس کے لبوں پر بکھر جاتی ہے۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی ہیں۔ میرے جذبات مچل اُٹھے ہیں۔ ایک سرد سی لہر چہرے پر دوڑ گئی ہے۔ کیف و سرور کی لکیریں اُبھرنے لگی ہیں۔ مجھ میں وہ تاب نہیں کہ میں اُس سے نظریں ملا سکوں۔ اُس کے تبسم میں ایک معصومیت ہے ایک عجیب سی شوخی ہے۔ ہلکے آسمانی بیل بوٹم میں وہ بے حد پرکشش معلوم ہو رہی ہے۔ چہرے پر بہت ہلکا سا میک اپ ہے۔ رنگ صاف کھلا کھلا سا ہے۔ آنکھیں بڑی بڑی بیحد پرکشش ہیں۔ جب وہ ہنستی ہے تو رخساروں پر خوبصورت گڑھے پڑ جاتے ہیں جو اُسے اور خوبصورت بنا دیتے ہیں۔ اس کے رخساروں پر پڑ جانے والے گڑھے کو دیکھ کر میرے دل میں ایک کسک سی ہونے لگی ہے۔ میرا دل کیوں بیٹھنے لگا ہے۔ یہ رنگین فضا سوگوار اور بجھی بجھی سی معلوم ہونے لگی ہے۔ اپنا وجود کیوں آتش فشاں کا کھولتا ہوا دہانہ بن گیا ہے۔ میرے دل میں شعلے کیوں بھڑک اٹھے ہیں۔ کون سی یادیں میرے تصور کے پردوں پر رقص کرنے لگی ہیں۔ اُس کے رخساروں کے یہ خوبصورت گڑھے کون سی یادیں لئے میرے ذہن و احساس پر چھا گئے ہیں۔ کڑی سے کڑی ملتی چلی جاتی ہے اور مجھے ایسا محسوس ہونے لگا ہے میری شانو میرے سامنے بیٹھی سویٹر بن رہی ہے۔ میرے تصور کو پر لگ گئے ہیں۔ میرے خیالات بیتے دنوں کی اُن حسین وادیوں میں آ گئے ہیں جو اب ہوتے ہوئے سہرے خواب بن کر رہ گئے ہیں۔

یہ صرف پانچ سال پہلے کی بات ہے جب میں نے پہلی بار شانو کو کالج میں دیکھا تھا میں کلچرل سوسائٹی کا جوائنٹ سیکریٹری تھا اور وہ سیکریٹری تھی۔ میں تھرڈ ایئر میں نیا نیا آیا تھا۔ وہ فورتھ ایئر میں بہت پہلے سے پڑھتی تھی۔ میں اور لڑکوں سے زیادہ تیز طرار اور حاضر جواب تھا۔ کالج کی ہر بزم اور کلچرل پروگرام کا روح رواں تھا۔ وہ بلا کی کم سخن اور سنجیدہ تھی مجھے موسیقی سے محبت تھی۔ کئی سالوں تک کلاسیکی موسیقی کی تعلیم حاصل کرتا رہا اسے بھی رقص اور موسیقی سے بہت دلچسپی تھی بڑی خوبی سے ہر پروگرام میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی تھی۔ ریڈیو اسٹیشن سے پروگرام دیتی تھی حسنِ اتفاق دیکھئے ہم ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ ہمارے مکان بھی پاس پاس تھے۔ ہم ساتھ ہی کالج جاتے اور ساتھ ہی واپس آتے۔ دونوں کی پسند، غور و فکر اور مطالعہ کرنے کے طریقوں میں بہت مشابہت تھی۔ پڑھنے کے سلسلے میں اُس نے میری بہت مدد کی تھی۔ اُس کی حوصلہ افزائی نے میرے اندر عزم و حوصلہ اور استقلال بھر دیا تھا۔ اُس کے خدوخال، انداز بیاں سے میں بے حد متاثر ہوا تھا۔ کالج کے ہر فنکشن میں ہم ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ خواہ وہ فائینل ایئر اسٹوڈنٹس کا پکنک پروگرام ہو، انہیں دی گئی فیرول پارٹی ہو، اُن کی آخری ثقافتی نمائش، جہاں بھی ہو ہم دوش بدوش رہتے۔ چند ہی دنوں میں مجھے شانو سے بیحد اُنسیت ہو گئی تھی۔ اُس کے مسکراتے ہوئے ہونٹ، رخساروں پر پڑتے گہرے نشان، کھلتا ہوا صاف رنگ مجھ پر اکثر نشہ طاری کر دیتا میں سوچنے لگا تھا کاش شانو میری جیون ساتھی بن جاتی اور سدا سدا کے لئے ہم دونوں ایک ہو جاتے۔ لیکن اُن دنوں میری کون سنتا۔ میں نے جب کبھی ڈیڈی یا ممی سے شانو کا ذکر بھی کیا تو انھوں نے ڈانٹ دیا اور کہا پہلے اپنی تعلیم پوری کر لو، پھر کچھ سوچنا ـــــ اور میں سوچتا ہی رہا۔ اور شانو دیکھتے ہی دیکھتے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے روٹھ کر چلی گئی کسی سن رسیدہ کے کھردرے ہاتھوں نے اُس کی مانگ میں سیندور بھر دیا۔

اب جب شانو کسی اور کی ہو چکی ہے۔ میری دنیا سے بہت دور جا چکی ہے اُس کی یاد مجھے بے چین کر دیتی ہے۔ ہر نئے چہرے میں مجھے شانو کا روپ نظر آتا ہے۔ سامنے بیٹھی اِس خوبصورت لڑکی کے رخساروں کے گہرے نشان نے میرے جذبات میں شعلے بھر دیئے ہیں۔ میری غمناک آنکھیں کیوں آنسوؤں سے بھیگتی جا رہی ہیں۔ میرا دل بیٹھنے لگا ہے۔ سامنے بیٹھی خوبرو لڑکی نے بار بار میرے اُداس چہرے کی طرف دیکھا ہے۔ وہ شانو سے کسقدر ملتی جلتی ہے۔ اُسے مجھ سے کچھ ہمدردی سی ہونے لگی ہے۔ اُس کی ماں جو بہت دیر سے بیٹھی کوئی ناول پڑھ رہی تھی، میری طرف دیکھنے لگی ہے۔ یہ ماں بیٹی بھی بمبئی جا رہی ہیں۔ میں نے رات ایک بجے جبلپور سے یہ ٹرین پکڑی ہے۔ یہ بھوساول سے اِس ٹرین میں بیٹھی۔ بھوساول اسٹیشن پر انہیں کچھ لوگ ٹرین پر بٹھانے آئے تھے۔ اِن میں سے ایک بوڑھے آدمی نے چلتے چلتے مجھ سے کہا تھا، "بیٹا! تم بھی بمبئی جا رہے ہو۔ ذرا اِن کا بھی خیال رکھنا"۔ میں نے سر کو ہلکی سی جنبش دیکر کہا تھا، آپ اطمینان رکھیں، میں اُن کا پورا خیال رکھوں گا۔ اسی وقت سے میں برابر اِس کوشش میں ہوں کہ انہیں کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ ہو۔ جلگاؤں میں جب تھوڑی دیر کے لئے گاڑی ٹھہری تھی تو میں نے اُن سے پوچھا تھا، "آپ لوگوں کو کس چیز کی ضرورت ہے؟" اُنہوں نے انکار میں سر ہلا دیا تھا۔ چالیس گاؤں اسٹیشن پر جب میں کچھ دیر کے لئے ٹرین سے اتر کر پلیٹ فارم پر چہل قدمی کرنے لگا اور پھر کھانے کے لئے اپنے تھرموس میں پانی لانے لگا تو سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی نے آہستہ سے مجھ سے کہا، "ذرا اِس صراحی میں بھی پانی لا دیجئے تو بڑی مہربانی ہوگی"۔ اُس نے چھوٹی سی صراحی میری طرف بڑھا دی تھی۔ میں نے جب پانی بھر کر صراحی اُسے تھما دی تھی تو اُس نے ممنون نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر شکریہ کہا تھا۔ جب ٹرین چل پڑی اور میں پھر اپنی جگہ پر بیٹھ کر ٹفن باکس سے کھانا نکال کر کھانے لگا، تو اُس نے اپنی ماں سے کچھ کہا۔ میں نے اخلاقاً کھانا اُن کی طرف بڑھایا۔ لڑکی کے چہرے پر تبسم کی لہر دوڑ گئی۔ اُس کی ماں نے انکار میں سر کو ہلکی سی جنبش دی اور کہا، شکریہ! اُنہوں نے اپنا ناشتہ دان کھولا اور بہت سی مٹھائی نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔ میں انکار کرتا ہی رہا لیکن اُنہوں نے ایک نہ مانی اُس کی ماں بار بار کہے جا رہی تھی، "ارچنا! ذرا پانی دینا، ارچنا ذرا اِن پوریوں اور بچی ہوئی مٹھائیوں کو بھی سمیٹ لو،

اُس لڑکی کا نام مجھے معلوم ہو گیا تھا۔ اُس کا نام مجھے بہت پیارا معلوم ہوا۔ کچھ دیر کے لئے اُس نے سوئٹر بننا چھوڑ دیا تھا۔ کچھ کھوئی کھوئی سی وہ سہانے سپنوں کی دنیا میں کھو گئی تھی۔ کسی کا تصور اُس کے حواس پر چھا رہا تھا۔ پھر وہ کھڑکی سے باہر کی طرف جھانکنے لگی۔ اپنے گرد و پیش سے بے نیاز ڈوبتے سورج کا منظر دیکھنے میں منہمک ہو گئی۔ میں سوچنے لگا — شانو تو اب مجھے مل نہیں سکتی، کاش یہ لڑکی ارچنا ہی مجھے مل جاتی۔ میں اپنے پاپا سے کہتا —— مجھے ارچنا کی طرح خاموش، کم گو اور سنجیدہ لڑکی پسند ہے۔ میں ایسی ہی لڑکی کو شریکِ حیات بنانا چاہتا ہوں جو صرف نگاہوں سے اپنے دل کی باتیں کہے جس کے چہرے پر حیا کی سُرخی ہو ——

رات ایک بجے سے میں کتنا بور ہو رہا تھا کبھی کتابیں پڑھ کر کبھی سگریٹ جلا کر، کبھی سو کر سفر کاٹ رہا تھا۔ اب جب ارچنا کمپارٹمنٹ میں آ گئی ہے وقت کتنی تیزی سے گزرتا جا رہا ہے۔ اُسے دیکھ کر میں اپنے تصورات کی دُنیا میں کھو گیا ہوں۔ اُس کی آواز کتنی سُریلی ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے بچوں کی طرح دور بھاگتے ہوئے مور کو دیکھ کر بول پڑی تھی "ممی ممی دیکھو! وہ کتنا سُندر مور ہے!" اور اُس کی ممی ناول پڑھتے ہوئے ہی بول پڑی تھی، "ہاں! ہاں دیکھ رہی ہوں بیٹی!" میں نے دُور بہت دُور بھاگتے ہوئے مور کو دیکھا تھا۔ پھر میری نگاہیں ارچنا کی طرف لوٹ آئی تھیں۔ میں دونوں کے حُسن کا موازنہ کرنے لگا تھا۔ وہ خود بھی ایک مورنی تھی۔ ان چند گھنٹوں میں ارچنا مجھے کس قدر بھا گئی۔ مجھے اُس میں شانو کا روپ نظر آتا ہے۔ وہی خاموشی، وہی سنجیدگی، وہی مسکراہٹ ہے! کتنی مشابہت ہے دونوں میں! اس کے بھی رخساروں پر خوبصورت گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ اُس کی بھی نگاہیں باتیں کرتی ہیں آنکھیں جھپکائے بغیر ارچنا کو دیکھے جا رہا ہوں۔ میں سوچنے لگا ہوں۔ کاش کچھ دن پہلے ارچنا سے ملاقات ہو گئی ہوتی۔ اب جب میرے پاپا بمبئی میں میری شادی طے کر چکے ہیں اور لڑکی دکھانے کے لئے مجھے بمبئی بلا رہے ہیں۔ میں کیوں کسی پرائی لڑکی کو دیکھوں؟ کاش! ارچنا مجھے پہلے مل گئی ہوتی! میں اُس کے سامنے پیار کی جھولی پھیلا دیتا اور اُس سے ہاتھ جوڑ کر کہتا "ارچنا مجھے تمہاری ایک ہلکی سی مسکراہٹ چاہئے۔ مجھے اپنے پاؤں تلے کی خاک کو پیشانی پر ملنے کا موقع دے دو"۔ اُس کے لئے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیتا۔

ٹرین ایک بڑی سرنگ کو پار کرنے لگی ہے۔ کمپارٹمنٹ میں بلبیاں روشن ہو گئی ہیں۔ بجلی کی روشنی میں ارچنا کا چہرہ چمک اُٹھا ہے اُس کے چہرے میں کتنی جاذبیت ہے۔ اُس کی آنکھوں میں کتنی کشش ہے... ارچنا کو دیکھے جا رہا ہوں۔ میں کیوں اپنے مقدر کو کوسنے لگا ہوں۔ شانو تو مجھے ملی نہیں، کیا اُس کی ہم شکل کوئی بھی لڑکی میرے مقدر میں نہیں؟ گاڑی یگتپوری کے اسٹیشن پر جا رُکی ہے۔ میں ٹرین سے اُتر کر ریفرشمنٹ روم کی طرف جا رہا ہوں، بیرے کو ایک پوٹ چائے لے کر سلیپر کوچ کی طرف آنے کو کہا ہے۔ پلیٹ فارم پر ٹہلتے ہوئے میں نے دیکھا ہے ارچنا میری طرف گہری نظر سے دیکھ رہی ہے۔ بیرا چائے لئے کمپارٹمنٹ میں داخل ہو گیا ہے۔ میں بھی اُس کے پیچھے ڈبے میں چلا آیا ہوں۔ انجن نے سیٹی دی ہے۔ ارچنا چائے بنا رہی ہے اُس نے چائے بناتے ہوئے مجھ سے پوچھا ہے "کتنی شکر ڈالوں؟" — "صرف دو چمچہ!" میں نے آہستہ سے جواب دیا ہے۔ اُس نے چائے کی پیالی میری طرف بڑھاتے ہوئے آہستہ سے کہا ہے "لیجئے، چائے پیجئے" لہجہ بہت پیارا ہے میں نے فارملٹی برتتے ہوئے "شکریہ" کہا ہے۔ اُس کے ہاتھوں میں بھی چائے کی پیالی ہے۔ کتنے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہی ہے۔ ذرا بھی منہ سے آواز نہیں نکلتی۔ کتنی شائستہ لڑکی ہے۔ میرے مقدر میں ایسی لڑکی کہاں ہو سکتی ہے۔ میرے پاپا نے بمبئی میں میرے لئے روپے اور جہیز کے لالچ میں آ کر ضرور کوئی ایک آنکھ کی کانی، نہایت ہی بدصورت لڑکی ٹھیک کی ہو گی۔ اور مجھے یوں ہی تشفی کے لئے خط میں لکھ دیا ہے "سیٹھ دونددر لال جی کی اکلوتی بی۔اے پاس سُندر لڑکی سے تمہاری شادی طے کر دی ہے۔ پارٹی بہت بڑی ہے۔ لاکھوں روپیوں سے اوپر شادی میں خرچ کرنے کو تیار ہیں۔ تم فوراً لڑکی دیکھنے چلے آؤ!" اب میں اُن سے صاف صاف کہہ دوں گا۔ مجھے کسی سیٹھ وسیٹھ کی بدصورت لڑکی سے شادی نہیں کرنی ہے۔ روپیوں کا مجھے لالچ نہیں ہے۔ مجھے تو صرف لڑکی چاہئے ایک خوبصورت، سلیقہ مند، شائستہ لڑکی۔

ٹرین کلیان اسٹیشن پر پہنچ گئی ہے۔ بہت سارے مسافر سلیپر کوچ میں چلے آئے ہیں۔ کافی بھیڑ ہو گئی ہے۔ بمبئی یہاں سے بہت نزدیک ہے۔ ارچنا کی نظریں کھڑکی سے باہر کی طرف ہیں وہ جیسے بھاگتی ہوئی ان عمارتوں کو دیکھ رہی ہے، جن میں شور و غل ہے، ہنگامہ ہے۔

ٹرین تھانہ اسٹیشن پر آ رکی ہے۔ میں کافی ہمت کر کے ارچنا سے پوچھ بیٹھا ہوں۔

"آپ بمبئی میں کہاں جائیے گا؟"

"پیا گھر"

"آپ بمبئی میں پڑھتی ہیں؟"

"جی نہیں"

"کہاں پڑھتی ہیں؟"

"کہیں نہیں۔ بی۔ اے کر چکی ہوں اب آگے پڑھنے کا ارادہ نہیں ہے"

"بمبئی میں آپ کے کون رہتے ہیں؟"

"پتا جی"

"وہ کیا کرتے ہیں؟"

"اُن کا کپڑے کا بزنس ہے"

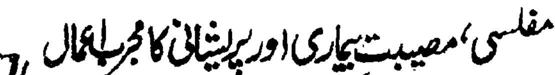
"ان کا کیا نام ہے؟"

"دیوندر لال"

یہ نام میرے دل میں کچھ کھٹکا ایسا محسوس ہوا جیسے یہ نام پہلے بھی سن چکا ہوں۔ پاپا نے اپنے خط میں اسی نام کے کسی آدمی کا ذکر کیا تھا۔ گاڑی کئی اسٹیشن چھوڑ کر آگے بڑھتی جاتی ہے۔ سربفلک عمارتیں دوڑتی ہوئی معلوم ہو رہی ہیں۔ جوں جوں ٹرین بمبئی اسٹیشن سے قریب ہوتی جاتی ہے۔ میرے دل میں ایک کسک سی ہونے لگی ہے میں اداس ہو گیا ہوں۔ ارچنا خاموش نظروں سے ایک بار پھر میری طرف دیکھا ہے۔ اُس کے چہرے پر اداسی کی ہلکی سی جھلک دکھائی دے رہی ہے گاڑی وی۔ ٹی اسٹیشن پر پہنچ گئی ہے۔

میرے پاپا مجھے لینے آئے ہیں۔ ارچنا اپنی ممی کے ساتھ کمپارٹمنٹ سے باہر نکل آئی ہے۔ ایک ادھیڑ عمر کے سیٹھ جی انہیں لینے آئے ہیں۔ ارچنا اُن کے پیر چھو رہی ہے۔ اُن کی نظر میرے پاپا پر پڑ گئی ہے "جے رام جی کی، دیوندر لال جی" کہہ کر میرے پاپا اُن سے گلے مل رہے ہیں۔ ارچنا میرے پاپا کے بھی پیر چھو رہی ہے۔

پاپا نے آہستہ سے مجھ سے کہا ہے، "یہی ہے دیوندر لال جی کی بیٹی ارچنا جس سے میں تیرا بیاہ کر رہا ہوں" یہ سن کر میرے دل میں گدگدی سی ہونے لگی ہے۔ کانوں میں شہنائی کی آواز گونجنے لگی۔ ارچنا جیسی جیون ساتھی پاکر میں اپنے مقدر پہ ناز کرنے لگا۔ میری سنا تو ایک نئے روپ میں مجھے مل گئی ہے! اُس کا یہ نیا روپ کتنا پیارا ہے!



اعمال و وظائف کی بے پناہ طاقت

اولیائے کرام کے وہ پانچسو مجرب اعمال و نقوش جنہوں نے ہزاروں بایوسوں کی قسمتوں کو بدل دیا ہے

یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ خدا نے اعمال و وظائف اور اولیاء اللہ کے کلام میں وہ بے پناہ پوشیدہ طاقت رکھی ہے کہ اعمال کو اگر صحیح طریقہ پر پڑھا جائے اور نقوش کو صحیح اوقات میں لکھا جائے تو ان سے لوگوں کی قسمتیں بدل جاتی ہیں بیماری اور مفلسی سے حیرت انگیز طریقہ پر نجات مل جاتی ہے بگڑے ہوئے کام آن کی آن میں درست ہو جاتے ہیں اور اعمال کے پڑھنے والے نہ صرف مالا مال ہو جاتے ہیں بلکہ محبوب خلائق بھی بن جاتے ہیں لیکن اعمال و وظائف کی پوشیدہ طاقت صرف اسی حالت میں اپنے کرشمے دکھاتی ہے جبکہ اعمال و وظائف کو اولیاء کرام کے بتائے ہوئے صحیح طریقہ پر پڑھا جائے اور نقوش کو صحیح اوقات میں بزرگانِ دین کے مقرر کردہ طریقوں پر لکھا جائے۔ لہٰذا جو حضرات اعمال و وظائف کا زندہ کرشمہ دیکھنا چاہیئے وہ آج ہی اس فن پر سب سے مستند کتاب "عملیات" منگالیں جس کو ایک زبردست فاضل اور عالم دین نے پچاس سال کی محنت و تحقیق کے بعد مرتب کیا گیا ہے۔

عملیات

مرتبہ مولانا سید ظہور احمد ساحر جہانپوری

فی الحقیقت اعمال و وظائف اور نقوش نویسی کے فن پر سب سے مستند کتاب ہے جس میں اعمال و ظائف کے بارے میں مکمل معلومات ہے بروجوں اور سیاروں کی پوری تفصیل ہے ہر شخص کا طالع جاننے کے طریقے درج ہیں سیاروں کو مسخر کرنے کے اقوال درج ہیں۔ اعمال حسنہ پر مکمل بحث ہے بے شمار محبت کے اعمال درج ہیں لاتعداد عداوت کے اعمال درج ہیں اور کشائش رزق قابل تسخیر محبوب اور چور کی شناخت کامیابی مقدمات اور مختلف امراض کے لئے اولیائے کرام کے بتائے ہوئے سینکڑوں مستند نقوش درج ہیں۔

کتاب عملیات کے خاص خاص ابواب یہ ہیں

باب اول :- ابتدائی معلومات :- اس میں حروف تہجی کے اعداد و اقسام، برجوں کے رنگ و ذائقے، سیاروں کی رفتار اور مقامات کی تفصیل درج ہے۔

باب دوم :- اعمال حسنہ :- اس میں اسمائے حسنہ کے موکلوں کے اعداد و شمار اور اسمائے جلالی و جمالی نیز ان کے نقوش و اعمال درج ہیں۔

باب سوم :- اعمال محبت :- اس میں محبوب کو قابو میں کرنے کے لئے اسم یا ودود کا عمل، عمل اسم الٰہی سر محبت، بتصور محبوب کا عمل۔ قرآنی اعمال اور بے شمار محبت کے نقوش موجود ہیں۔

باب چہارم :- عملیات عداوت :- اس میں دشمن کے شر اور فساد سے بچنے کے لئے اور اس پر جوابی حملہ کرنے کے لئے مستند اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب پنجم :- کشائش رزق :- اس میں مفلسی اور بیکاری کو دور کرنے کے لئے اور شہرت و عظمت حاصل کرنے کے لئے مستند اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب ششم :- تسخیر خلائق :- اس میں مخلوق خدا میں ہر دلعزیز بننے کے لئے اور شہرت و عظمت حاصل کرنے کے لئے مستند اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب ہفتم :- تسخیر حکام :- اس میں حکام کی تسخیر کے لئے اور کامیابی مقدمات کے لئے اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب ہشتم :- چور کی شناخت :- اس میں چور کی شناخت اور مال مسروقہ کی بازیافت کے اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب نہم :- گمشدہ کی واپسی :- اس میں گمشدہ کی واپسی کے لئے ایسے اعمال و نقوش درج ہیں جن سے گمشدہ یقینی طور پر واپس آجاتا ہے۔

باب دہم :- مختلف امراض کے لئے :- اس میں ایسے مایوس العلاج مریضوں کی صحتیابی کے لئے اعمال و نقوش درج ہیں جنہیں حکیم و ڈاکٹر جواب دے چکے ہوں۔

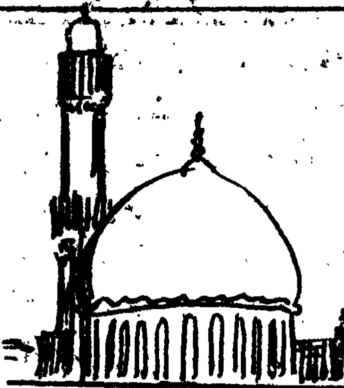
باب یازدہم :- اولاد کے لئے :- اس میں بزرگان دین کے وہ مجرب اعمال و نقوش درج ہیں جن کے طفیل میں بے اولاد صاحب اولاد بن جاتے ہیں

باب دوازدہم :- حل مشکلات :- اس میں ہر پریشانی اور مشکل کے لئے نہایت مجرب اور آزمودہ اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب سیزدہم :- فالنامہ غوث الاعظم :- اس فالنامے کے ذریعہ بھی فال نکالی جا سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اعمال و وظائف اور نقوش نویسی کے فن پر یہ اردو کی پہلی کتاب ہے جس کو بڑی تحقیق کے بعد مرتب کیا گیا ہے اور جس میں اولیائے کرام اور بزرگان دین کے سینکڑوں اعمال و نقوش درج ہیں قیمت مجلد مع خوشنما ڈسٹ کور قیمت سات روپے پچاس پیسے

دین دنیا پبلشنگ کمپنی ——— جامع مسجد ——— دہلی



دنیائے اسلام پر ایک نظر

عربوں کو امریکہ کی فوجی دھمکی

ایران میں درندوں کی حکومت - افغانستان میں انقلاب ہو کر رہے گا

(ہمارے سیاسی مبصر کے قلم سے)

عربوں کو امریکہ کی فوجی دھمکی

امریکہ نے پچھلے دنوں تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک میں فوج اتارنے کی دھمکی دی تھی۔ اس پر نہ صرف عرب ممالک میں امریکہ کی شدید مذمت کی جا رہی ہے بلکہ امریکہ کے دانشور طبقوں میں بھی اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا جا رہا ہے چنانچہ اس دھمکی پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکہ کا مشہور کالم نویس جان اینڈرسن لکھتا ہے۔

"امریکی حکومت کے تدبر کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ اسرائیل سے تعلقات برقرار رکھتے ہوئے بھی اُن عرب ممالک سے امریکہ کے تعلقات کو نہ بگڑنے دیتی۔ جن کی کہ امریکہ کو اسرائیل سے بھی زیادہ ضرورت ہے لیکن امریکی مدبرین کی شروع ہی سے یہ غلط پالیسی رہی ہے کہ انہوں نے صرف ایک اسرائیل کی خاطر سب ہی عرب ممالک سے اپنے تعلقات بگاڑ لئے ہیں اور صدر کارٹر کے دور میں تو سعودی عرب جیسے امریکہ کے دوست ممالک بھی اس سے دور ہو گئے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں عرب ممالک پر امریکہ کے فوجی یلغار کی جو دھمکی دی گئی ہے اس نے تو عرب ممالک اور امریکہ کے تعلقات کو اور بھی زیادہ بگاڑ دیا ہے۔ اگر امریکہ واقعی عرب ممالک میں فوج اتارنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو وہ سب ہی عرب ممالک میں ایک ساتھ فوج نہیں اتار سکتا۔ اس لئے اسے ناکامی ہی ہو گی اور ویتنام کی طرح عرب ممالک میں بھی ذلت اٹھانی پڑے گی اور اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہو گا کہ پھر عرب ممالک اور امریکہ کے تعلقات کبھی بھی نہ سدھر سکیں گے اور روس کا عرب ممالک پر پورا پورا اثر قائم ہو جائے گا اس لئے ضرورت ہے کہ امریکی مدبرین عرب ممالک کے معاملہ میں اپنی پالیسی پر نظر ثانی کریں اور اسرائیل سے تعلقات رکھتے ہوئے بھی عرب ممالک سے تعلقات بہتر بنانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں کیوں کہ امریکہ کا اسی میں فائدہ ہے۔"

اصل بات یہ ہے کہ امریکہ کا خیال تھا کہ وہ مصر کو جال میں پھانسنے کے بعد دوسرے عرب ممالک کو بھی آسانی سے فریب دے سکے گا۔ اور چونکہ اس میں اُسے کامیابی نہیں ہوئی ہے اس لئے وہ جھلایا ہوا ہے اور اس کے مدبرین ایسے بیانات دے رہے ہیں جن سے امریکہ اور عرب ممالک کے تعلقات اور بھی بگڑ گئے ہیں۔ اور اسے خود امریکہ میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جا رہا ہے اور حکومت امریکہ کے خلاف شدید نکتہ چینی شروع ہو گئی ہے۔

ایران میں درندوں کی حکومت

کہنے کے لئے تو اس وقت ایران میں "مہدی بازرگان" کی حکومت ہے لیکن حقیقت میں وہاں کسی کی بھی حکومت نہیں مختلف تنگ نظر ملاؤں نے الگ الگ انقلابی ٹولیاں بنالی ہیں جو اندھا دھند ایران کے فوجی افسروں۔ مدبرین۔ اور سول افسروں کو قتل کر رہی ہیں۔ چنانچہ لندن کے اخبار گارجین کا کہنا ہے۔

"ایران میں چن چن کر ممتاز مدبروں تجربہ کار فوجی لیڈروں اور پرانے سول افسروں کو قتل کیا جا رہا ہے۔ اور اب تو مذہبی رہنماؤں پر بھی ایران میں قاتلانہ حملے ہونے لگے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں کوئی سول حکومت موجود نہیں ہے بلکہ وہاں درندوں اور قاتلوں کا دور دورہ ہے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ ایران کی مکمل تباہی ہے خود وزیر اعظم بازرگان ایران کی اس حالت سے پریشان

ہیں اور انہوں نے تہران میں اخباری نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "اگر ایران کے سب ہی تجربہ کار فوجی اور سول افسروں کو قتل کر دیا گیا یا انہیں اُن کے ذمہ داری کے عہدوں سے ہٹا دیا گیا تو سوچنا یہ ہے کہ ہم ایران کی حکومت کو کس طرح چلا سکیں گے میں موجودہ حالات سے بے حد پریشان ہوں اگر ایران کے حالات نہ سدھرے تو میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہوگا کہ میں حکومت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں"۔

دنیا کے مختلف ممالک میں آئے دن حکومتیں بدلتی رہتی ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں دیکھا گیا کہ نئی حکومت نے سابقہ حکومت کے سب ہی مدبرین اور تجربہ کار فوجی اور سول افسروں کو قتل کر دیا ہو۔ مگر ایران میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اگر سچ پوچھئے تو ایران غلط ہاتھوں میں پڑ کر تباہ ہو گیا ہے اور اب اُس کا آئندہ پچاس سال میں بھی سنبھلنا ناممکن نظر آتا ہے۔

افغانستان میں انقلاب ہو کر رہے گا

افغانستان کی ترا کی حکومت یعنی کمونسٹ حکومت خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ جلد ہی ترا کی حکومت کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ اور افغانستان میں ایک نیا انقلاب ہو کر رہے گا۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ افغانستان کی موجودہ کمونسٹ حکومت کو اکھاڑنے میں امریکی اثرات بھی اپنا کام کر رہے ہیں۔ لیکن اصلیت یہ ہے کہ ترا کی حکومت نے افغانستان میں علمائے اسلام کا قتل عام کر کے اور افغانستان کے مذہبی طبقہ کو بھڑکا کر خود ہی ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں جن سے کہ امریکی ڈپلومیسی پورا پورا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اگر افغانستان کے مذہبی طبقہ پر ضرب نہ لگائی جاتی۔ اور علمائے اسلام کا قتل عام نہ کیا جاتا تو شائد ترا کی حکومت کی اتنی جلد ایسی خراب حالت نہ ہوتی۔

تازہ اطلاعات سے پتہ چلا ہے کہ انقلابیوں نے افغانستان کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ جما لیا ہے چنانچہ افغانستان کے انقلابیوں کے رہنما "برہان الدین ربانی" نے دعویٰ کیا ہے کہ انقلاب پسند مسلمانوں نے افغانستان کے ۲۹ صوبوں پر پوری طرح قبضہ جما لیا ہے۔ اُنھوں نے کویت کے ایک روزانہ اخبار کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے توقع ظاہر کی ہے کہ انقلابی عنقریب افغانستان کے تمام فوجی ٹھکانوں پر قبضہ کر لیں گے۔ لیکن اُنھوں نے کہا ہے کہ دارالسلطنت کابل پر قبضہ حاصل کرنا آسان نہیں ہے کیوں کہ ہمارے پاس ضروری اسلحہ کی کمی ہے"۔

یہ بات یاد رہے کہ مسٹر ربانی کی قیادت میں افغانستان کے انقلابیوں کا ایک وفد ان دنوں عرب ممالک کے دورے پر ہے تاکہ عرب ممالک سے فوجی اسلحہ اور مالی اعانت حاصل کرے اس وفد کو اس بات کا کامل یقین ہے کہ افغانستان جلد ہی کمونسٹ حکومت کے تسلط سے پاک ہو جائے گا۔

سادات کا وجود باعث توہین

لیبیا کے صدر کرنل معمر القذافی نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ "اسرائیل کے آگے گھٹنے ٹیک دینے کی وجہ سے سادات کا وجود پوری دنیائے عرب کے لئے باعث توہین ہے۔ اس لئے مصر کو عرب وابستہ تحریک سے باہر نکال دینا چاہیئے"۔ اُنھوں نے ایک انگریزی ہفتہ وار کو انٹرویو دیتے ہوئے اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

کرنل قذافی نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا ہے کہ "اگر آج ہم مصر کی غدار حکومت کو تسلیم کر لیتے ہیں تو کل ہمیں اسرائیل، جنوبی افریقہ اور روڈیشیا کی حکومتوں کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ مجھے مصر اور ان حکومتوں میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔ سادات ہمارے ساتھ نہیں ہو سکتے اُنھوں نے عرب ملکوں کا سودا اسرائیل اور امریکہ سے کر لیا ہے اُن کے ساتھ بیٹھنا ہمارے لئے باعث توہین ہے"۔

لیبیا کے رہنما کے ان خیالات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عرب رہنما ان دنوں صدر انور سادات سے کس قدر برہم ہیں۔ اور انہیں برہم ہونا بھی چاہئے کیونکہ امریکہ کی ناقابل یقین فوجی اور مالی امداد اور نیز اُس تیل کے لالچ میں جو اب مصر کو سینائی کے علاقہ سے مل رہا ہے "صدر انور سادات نے سب ہی عربوں کی آزادی کا سودا اسرائیل سے بالا ہی بالا کر لیا ہے۔ اور اس سودے کے بعد عرب مخالف عناصر کی جرأت اسقدر بڑھ گئی ہے کہ اب وہ تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک پر جارحانہ حملہ کر کے قبضہ کرنے کے بھی خواب دیکھ رہے ہیں۔ کاش انور سادات ان حالات سے سبق حاصل کر سکیں۔

لبنان میں دوسرے اسرائیل کا قیام

لبنان میں گذشتہ تین سال سے امریکہ اور اسرائیل کی معاونت سے جو خونریزی ہوتی رہی ہے اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ لبنان کے عیسائی علاقہ میں ایک دوسرے اسرائیل کی داغ بیل ڈال دی جائے چنانچہ اسرائیلی ذرائع سے جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیل اس مقصد میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب ہو گیا ہے اسرائیل ریڈیو نے اعلان کیا ہے کہ ۔

"جنوبی لبنان میں اسرائیل کی مدد سے لبنان کی عیسائی فوج کے سربراہ نے خود مختار ہونے کا اعلان کر دیا ہے ۔ اور یہ اعلان بھی کر دیا ہے کہ ایک نئی ریاست آزاد لبنان (یعنی عیسائی لبنان) عالم وجود میں آچکی ہے ۔ اس اعلان سے چند گھنٹے پہلے جوں ہی لبنانی فوج کے ایک دستہ نے اس علاقہ میں گھسنے کی کوشش کی تھی عیسائی فوجوں نے اُس پر گولہ باری شروع کر دی تھی ۔ اسرائیل اور عیسائی دونوں اس کوشش میں ہیں کہ شام سے مدد حاصل کرنے والی لبنانی فوج کو اِس علاقہ میں گھسنے نہ دیا جائے "

اسرائیل ریڈیو کے اس اعلان کے مطابق "عیسائی لبنان" یا یوں کہیے کہ لبنان کی سرزمین پر دوسرا اسرائیل قائم کیا جا رہا ہے ۔ اسرائیلی ریڈیو کے اس اعلان سے اسرائیل کے نئے ہمنوا صدر انور سادات کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کہ انھوں نے عربوں سے غداری کر کے اسرائیل کو کس قدر جری کر دیا ہے کہ وہ اب ایک نئے اسرائیل کی داغ بیل ڈالنے میں مصروف ہے اور اس ناپاک مقصد کے حصول کے لئے برابر لبنان پر گولہ باری کی جا رہی ہے تاکہ لبنانی مجبور ہو کر اس "نئے اسرائیل" کو تسلیم کر لیں

عرب علاقہ میں اسرائیل کی بستیاں

یوں تو پورا اسرائیل ہی فلسطین کی سرزمین پر قائم ہے ۔ اور کسی ایک اسرائیلی کو بھی وہاں رہنے کا حق نہیں ہے ۔ لیکن اسرائیل کی غاصبانہ حکمت عملی یہ ہے کہ وہ عربوں کے مقبوضہ علاقوں میں بھی نئی نئی اسرائیلی بستیاں قائم کر رہا ہے ۔ چنانچہ اسرائیل کی اس ہٹ دھرمی کو حال ہی میں جب اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں پیش کیا گیا تو اُس نے اسرائیل کے خلاف ایک قرارداد منظور کرتے ہوئے اسرائیل کو ہدایت کی ہے کہ وہ مقبوضہ عرب علاقوں میں نہ تو نئی یہودی بستیاں قائم کرے اور نہ پرانی یہودی بستیوں کو مستحکم بنانے کی کوشش کرے ۔

بین الاقوامی قانون کے مطابق کسی بھی ملک کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دیگر ممالک کے مقبوضہ علاقوں کو اپنا علاقہ سمجھتے ہوئے وہاں بستیاں قائم کر سکے ۔ اور اپنے قبضہ کو مستحکم بنا سکے لیکن اقوام متحدہ کی قراردادوں کے باوجود اسرائیل محض امریکہ کی شہ پر بدستور غاصبانہ روش پر قائم ہے ۔ حالانکہ ضرورت اِس کی تھی کہ بین الاقوامی فوج کے ذریعہ اُسے مقبوضہ علاقوں سے نکال باہر کیا جاتا لیکن اقوام متحدہ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ یہ قدم اٹھا سکے ۔ اور اس طرح اقوام متحدہ کی ساکھ کو زبردست نقصان پہنچ رہا ہے ۔ کیونکہ جب اقوام متحدہ چوروں اور ڈاکوؤں سے ممالک کو محفوظ نہیں رکھ سکتی تو اُس کی قدر و قیمت میں کیا باقی رہ جاتی ہے ۔

سعودی عرب میں سورج کی شعاعوں سے بجلی

سعودی عرب کی یہ انتہائی کوشش ہے کہ وہ صنعتی میدان میں دنیا کے کسی ملک سے بھی پیچھے نہ رہے ۔ چنانچہ سعودی عرب کے صنعتی پروگرام کو ترقی دینے کی غرض سے تازہ پیش رفت [illegible] ہے کہ اب سعودی عرب سورج کی شعاعوں سے بجلی حاصل [illegible] کے لئے ایک پروجیکٹ کی تیاریوں میں مصروف ہے

جدہ کی ایک اطلاع سے پتہ چلا ہے کہ آئندہ ماہ دسمبر تک مشرق وسطیٰ میں شمسی توانائی استعمال کرنے والا سعودی عرب پہلا ملک ہوگا ۔ اور اُس کا شمسی توانائی استعمال کرنے والا پہلا [illegible] جیٹ اُس وقت تک مکمل ہو جائے گا ۔ یہ پروجیکٹ مشرقی صوبہ میں ہوگا جو سورج کی شعاعوں سے بجلی پیدا کرے گا ۔

سعودی عرب اور امریکہ کے درمیان [illegible] کے ایک معاہدہ کی وجہ سے یہ پروجیکٹ قائم کیا جا رہا ہے ۔ [illegible] اس سلسلہ [illegible] تحقیقات کے لئے سعودی عرب نے ۵ کروڑ [illegible] ۱۳ [illegible] گا



دلچسپ معلومات

حیرت انگیز اور عجیب و غریب انکشافات

(از ادارہ دین دنیا)

مصنوعی خون بھی تیار ہونے لگا

بعض مصنوعی اعضا کی تیاری میں سائنس والوں کو بڑی کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ چنانچہ مصنوعی دل اور مصنوعی گردے تیار کیے جا چکے ہیں۔ اور اب معلوم ہوا ہے کہ سائنس والوں کو مصنوعی خون کی تیاری میں بھی کامیابی ہو گئی ہے چنانچہ اب مختلف گردیوں کا مصنوعی خون تیار ہونے لگا ہے۔

ٹوکیو جاپان کی ایک اطلاع ہے کہ یہاں کے میڈیکل کالج کے ڈاکٹروں نے دو مریضوں کے گردے بدلنے کے لیے بڑی خوبی کے ساتھ مصنوعی خون کا استعمال کیا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ دنیا میں آپریشن کے لئے مصنوعی خون کو کام میں لایا گیا ہے۔ اور عام خیال ہے کہ مصنوعی خون کی یہ ایجاد آئندہ بھی اسپتالوں میں مدد و معاون ثابت ہو گی نیز مصنوعی خون کمزور مریضوں کے جسم میں توانائی پیدا کرنے کے کام میں بھی لایا جا سکے گا۔

روحیں زندوں کی مدد کرتی ہیں

مشہور انگریز ماہر روحانیات "سائمن وڈ" کا ایک مقالہ اخبارات میں شائع ہوا ہے جس میں کہ اس نے یہ انکشاف کیا ہے کہ اکثر مرنے والوں کی روحیں اپنے زندہ عزیزوں اور دوستوں کی مدد کرتی ہیں۔

اس سلسلہ میں اس ماہر روحانیات نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ "کوم" نامی کے ہوائی اڈے سے دسمبر [illegible] میں ایک ہوائی جہاز نے اڑان کی۔ جب یہ ہوائی جہاز پوری بلندی پر پہنچا تو پائلٹ نے دیکھا کہ اس کے معاون پائلٹ کی سیٹ پر معاون کی بجائے ایک دوسرا پائلٹ بیٹھا ہوا ہے۔ جو اس کا پرانا ساتھی تھا۔ اور گزشتہ سال ہوائی حادثہ میں ہلاک ہو چکا تھا۔

پائلٹ اپنے پرانے ساتھی کی روح کو دیکھ کر گھبرا گیا مگر فوراً ہی پائلٹ کی روح نے اس سے کہا گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے اس لیے آیا ہوں تاکہ تمہیں بتا دوں کہ تمہارے ہوائی جہاز کے انجن میں خرابی پیدا ہونے والی ہے جو بھی ہوائی اڈا نزدیک ہو وہاں جہاز کو اتار لو ورنہ جہاز تباہ ہو جائے گا۔ اور یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔ پائلٹ نے فوراً اس کی ہدایت پر عمل کیا اور قریبی اڈے پر ہوائی جہاز اتار کر دیکھا تو واقعی اس کے انجن میں خرابی پیدا ہو چکی تھی۔ اگر وہ جہاز کو نہ اتارتا تو اگلے چکر پرواز کے دوران ہی ہوائی جہاز فیل کر تباہ ہو جاتا۔

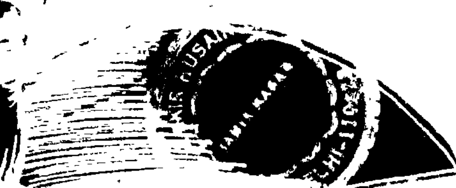
شوہر کو بیویوں کے نام بھی معلوم نہیں

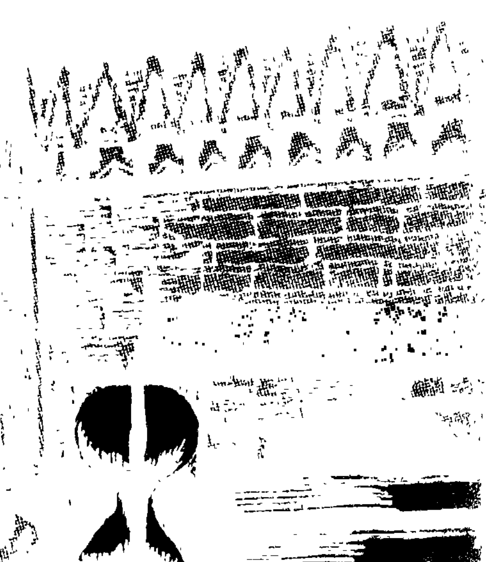
یوگنڈا (مشرقی افریقہ) میں تورو کے نام سے ایک ریاست ہے جس کے بادشاہ پیٹر جانسن "روکیدی دوم" کو نئی نئی شادیاں کرنے کا شوق ہے چنانچہ اس بادشاہ کے حرم میں سینکڑوں بیویاں موجود ہیں جنکی تعداد اور ناموں کا بھی اس بادشاہ کو علم نہیں۔

شاہ روکیدی کی عمر اس وقت ۷۲ سال ہے۔ لیکن اس نے حال ہی میں ۱۶، اور ۱۷ سال کی عمر کے درمیان کی لڑکیوں سے شادیاں کی ہیں اور اس کی بیویوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کے نام بھی اسے یاد نہیں۔











امیر عبدالرحمٰن بن معا

یہ اسلام کا وہ مایۂ ناز فرزند ہے جس
اسپین میں ایک ایسی خود مختار اسلامی
جو آٹھ سو سال تک



"شیخ زائد بن سلطان" صدر متحدہ امارات عربیہ کی صدارت میں
عرب سربراہوں کی ایک میٹنگ





عرب ریاست شارجہ کے حکمراں "شیخ سلطان محمد القاسمی" برطانوی مدبر لارڈ آرتھر رابرٹ سے تبادلہ خیال کر رہے ہیں۔



نائب صدر جمہوریہ ہدایت اللہ سے مسز اندرا گاندھی کی ایک ملاقات کی ایک تصویر



صدر جمہوریہ ہند "سنجیوا ریڈی" اور ان کی اہلیہ
آجکل صدر جمہوریہ کے خلاف جنتا لیڈروں کی جانب سے شدید نکتہ چینی ہو رہی ہے



نئے مرکزی وزیر "ڈاکٹر کرن سنگھ"



نئے وزیر دفاع "سی سبرامنیم"



مرکزی وزیر ''کے- سی- پنت''



''نئے وزیر ہوابازی شفیع قریشی''



عراق کے سابق صدر ''حسن البکر'' روس کے وزیراعظم ''کوسیگن'' کے ہمراہ



افغانستان کے صدر "نور محمد ترا کی"
تازہ انقلاب میں ہلاک ہو گئے



تہران کی اطلاع ہے کہ ایران کے وزیراعظم
"مہدی بازرگان" مستعفی ہو گئے



تاجکستان (روس) کے مسلمان ایک مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کر رہے ہیں

ہندوستان کا سب سے قدیم اور کثیر الاشاعت تاریخی اور اصلاحی جریدہ

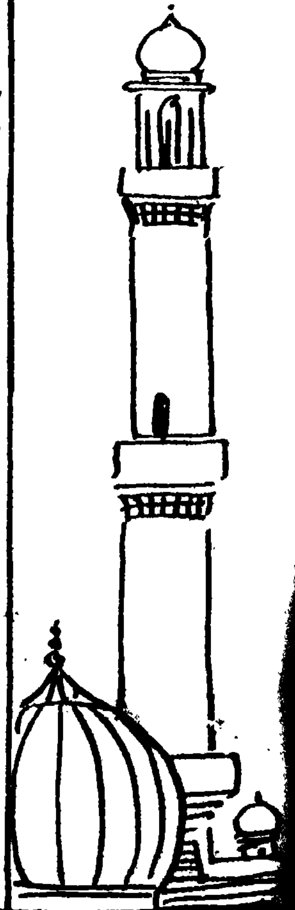
ماہنامہ

دین دنیا

دہلی

(ایڈیٹر شوکت علی فہمی)

جلد ۵۹	اکتوبر ـــــــ سنہ ۱۹۷۹	نمبر ۱۰



قیمت سالانہ	ترسیل زر کا پتہ	قیمت فی پرچہ
اٹھارہ روپے ششماہی دس روپے	دفتر ماہنامہ دین دنیا دین دنیا یا دین ...... منتقل ہو جاتا ہے وی پی منگانے پر سوا تین روپے کا زائد خرچ ہے۔ منی آرڈر بھیجیں	ایک روپیہ پچھتر پیسے [illegible]

مفتی شوکت علی فہمی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے اپنے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر دین دنیا [illegible] سے شائع کیا



رفتارِ زمانہ

(شوکت علی فہمی)

وزارت عظمیٰ کے لئے دوڑ دھوپ
مگر کوئی پارٹی بھی مستحکم حکومت نہ بنا سکے گی

جنتا پارٹی کے لیڈر ملک کی کوئی خدمت تو کیا کرتے۔ اُنھوں نے ہمارے ملک کو شدید انتشار میں مبتلا کر دیا ہے۔ تمام ہی سیاسی پارٹیوں کے ٹکڑے ہو چکے ہیں کانگریس منقسم ہو چکی ہے اور جنتا پارٹی کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اور ان حالات میں مشکل ہی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ہمارے ملک میں زمانہ دراز تک کوئی مستحکم وزارت بن سکے گی۔

اس وقت وزارت عظمیٰ کے لئے میدان میں تین اُمیدوار ہیں یعنی مسز اندرا گاندھی، چودھری چرن سنگھ اور بابو جگ جیون رام۔ یہ تینوں ہی بڑھ چڑھ کر اپنی کامیابی کے دعوے کر رہے ہیں اور تینوں ہی کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ایک مستحکم حکومت بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنتا لیڈروں نے اس ملک میں جو انتشار پیدا کر دیا ہے اُس کا دور ہونا آسان نہیں ہے۔

بابو جگ جیون رام اور ان کی پارٹی کے لیڈروں کا کہنا ہے کہ کیونکہ صدر جمہوریہ نے انھیں وزارت عظمیٰ بنانے کے موقع سے محروم کر دیا ہے اس لئے ہندوستانی عوام کو اُن سے ہمدردی پیدا ہو گئی ہے۔ اور وہ محض اس مفروضہ ہمدردی کی بنا پر غالب اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جگ جیون رام اور سب ہی جنتا لیڈر آنے والے انتخابات سے لرزہ براندام ہیں کیونکہ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ رہے ہیں کہ جس طرح ۱۹۷۷ء میں اندرا مخالف لہر چلی تھی بالکل اسی طرح آج جنتا مخالف لہر پورے ملک پر مسلط ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جنتا پارٹی کو دوسرا راشٹریہ سنگھ سمجھا جا رہا ہے۔ جہاں تک مسلم اقلیت کا تعلق ہے اُس کا تو شاید مشکل ہی سے اُسے کوئی ووٹ مل سکے ادھر اکثریتی طبقہ بھی اُس سے بیزار ہو چکا ہے ایسی حالت میں جنتا پارٹی کا جو حشر ہوگا وہ سب پر ظاہر ہے۔

اب رہی چودھری چرن سنگھ کی پارٹی "جنتا سیکولر" چونکہ یہ بھی جنتا پارٹی ہی کا ایک حصہ ہے۔ اور جنتا پارٹی سے نکلے ہوئے لیڈروں نے اُس کی تشکیل کی ہے اس لئے اس وقت جو جنتا مخالف لہر چلی ہوئی ہے اُس سے اس پارٹی کا متاثر ہونا یقینی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چودھری چرن سنگھ سے ہندوستانی عوام اس لئے بھی ناراض ہیں کیوں کہ انھوں نے سابق جنتا پارٹی کے وزیر مالیات کی حیثیت سے جو ناقابل برداشت بجٹ عوام کے سر تھوپ دیا ہے۔ اُس نے عوام کا دھڑ توڑ کر رکھ دیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کانگریس یو کے شامل ہونے سے اِس پارٹی میں جان پڑ گئی ہے۔ اور اس سے شاید چرن سنگھ کی پارٹی کو کوئی فائدہ پہنچ جائے۔

اب رہی مسز اندرا گاندھی کی پارٹی یعنی کانگریس آئی تو اُس کی کامیابی کا دار و مدار صرف اس بات پر ہے کہ مسز اندرا گاندھی کس حد تک اپنے فرزند ارجمند کو اس نازک موقعہ پر آگے بڑھانے میں احتیاط سے کام لیتی ہیں یہ بات سب ہی کو معلوم ہے کہ ہندوستان کا ایک بڑا طبقہ مسٹر سنجے گاندھی سے ناخوش ہے نس بندی کے سلسلہ میں ان کی زیادتیوں اور ایمرجنسی کے زمانہ میں بے ضرورت توڑ پھوڑ نے عوام کو اُن سے بدظن کر دیا ہے۔ اگر اس

زک ہوتی ہے پھر بھی مسز اندرا گاندھی نے انہیں آگے بڑھ جانے کی کوشش کی تو اس سے انہیں کسی فائدہ کی بجائے الٹا نقصان پہنچے گا۔

لیکن پھر بھی اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسز اندرا گاندھی آج بھی ملک کی ایک ہر دلعزیز لیڈر ہیں۔ ایمرجنسی کے زمانہ کی غلطیوں نے ان کے امیج کو ضرور بگاڑ دیا تھا۔ لیکن اُن کے خلاف جنتا لیڈروں کی معاندانہ روش نے پھر ایک بار عوام کے دلوں میں اُن کے لئے غیر معمولی ہمدردی پیدا کر دی ہے۔ اور عوام کی اس ہمدردی کو دیکھتے ہوئے بجا طور پر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ مسز اندرا گاندھی کی پارٹی آنے والے انتخابات میں ایک مضبوط پارٹی بن کر ابھرے گی۔ لیکن یہ پارٹی بھی شائد اکثریت حاصل نہ کرسکے گی مگر اندرا کانگریس کی طاقت میں ضرور اضافہ ہوجائے گا۔

بہرحال ہمارے ملک کی سب ہی سیاسی پارٹیوں کا یوم حساب قریب آرہا ہے اور اب انہیں اپنی بداعمالیوں کے سلسلہ میں عوام کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اور عام خیال یہ ہے کہ ملک کے عوام میں کافی بیداری پیدا ہوچکی ہے۔ کرپٹ لیڈروں کو سزا دئے بغیر نہیں رہیں گے۔ ہماری قطعی رائے ہے کہ حالیہ انتخابات میں جنتا پارٹی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے وہ مشکل سے بیس فیصد سیٹیں حاصل کرسکے گی اور چودھری چرن سنگھ کی پارٹی کے بارے میں بھی عام تاثر یہ ہے کہ صرف بیس فیصد سیٹیں حاصل کرسکے گی۔ البتہ مسز اندرا گاندھی کی پارٹی یعنی کانگریس آئی ایک طاقت ور جماعت بن کر ابھرے گی۔ مگر وہ بھی اکثریت نہیں حاصل کرسکے گی اور غالب خیال یہ ہے کہ کانگریس آئی چودھری چرن سنگھ کو ساتھ ملا کر ہی وزارت بنانے میں کامیاب ہوسکے گی۔

گویا آنے والے انتخابات کے بعد بھی اس ملک میں کوئی مستحکم حکومت نہ بن سکے گی۔ سچ تو یہ ہے کہ جنتا پارٹی کے نااہل لیڈروں نے ہمارے ملک میں اپنی نالائقی سے جو انتشار پیدا کر دیا ہے۔ وہ شائد زمانہ دراز تک برقرار رہے گا اور اس کا خمیازہ ہندوستان کے غریب عوام کو نہ جانے کب تک اٹھانا پڑے گا

ملک کے اکثر لیڈروں کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ انتخابات پر امن نہ ہو سکیں گے چنانچہ عزت مآب وجے لکشمی پنڈت جو پہلے بین۔ اقوام میں ہندوستان کی نمائندہ رہ چکی ہیں۔ انھوں نے اس اندیشہ کا اظہار کیا ہے کہ اس وقت ملک میں جو افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ اس [illegible] سے شائد چناؤ پر امن نہ رہ سکیں گے اور انکی بھی رائے ہے کہ آنے والے انتخابات میں کوئی پارٹی بھی غالب اکثریت حاصل نہیں کرسکے گی

مسلمان متحد ہو کر ووٹ استعمال کریں

مسلمان اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہیں اس لئے اُن کے ووٹوں کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن مسلمان چونکہ اپنی ووٹوں کی قدر و قیمت سے ناواقف ہیں اس لئے ہندوستان کی سب ہی سیاسی پارٹیاں اُن کے ووٹوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتی رہی ہیں۔ یہ پارٹیاں مسلمانوں ہی کے ووٹوں سے اقتدار کی کرسیوں پر قبضہ جماتی رہی ہیں۔ اور پھر مسلم ووٹوں سے حاصل شدہ اِن کرسیوں ہی پر بیٹھ کر مسلم حقوق کو ذبح بھی کرتی رہی ہیں۔ یہی گزشتہ بتیس سال سے ہو رہا ہے اور یہی اُس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک کہ سب ہی مسلم جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہو کر مسلم کاز کے لئے مل جل کر قدم نہیں اٹھائیں گی۔

ہمکو خوشی ہے کہ سیاسی پارٹیوں کی اس ابن الوقتی سے مسلمانان ہند کو بچانے کے لئے کوشش شروع ہوگئی ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں "مسلم مجلس مشاورت" کا ایک نمائندہ اجتماع حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی کی صدارت میں دہلی میں ہوا تھا جس میں کہ تقریباً سب ہی مسلم جماعتوں کے لیڈروں اور نمائندوں نے حصہ لیا ہے۔ اس اجتماع کے موقع پر مسلم جماعتوں کے رہنماؤں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ "مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے ووٹوں کو ضائع نہ کریں اور وسط مدتی انتخابات میں مسلمان متحد ہو کر اپنا وزن ڈالیں" مسلم لیڈروں نے اس اجتماع کے موقعہ پر کہا ہے کہ "مسلمان عددی اعتبار سے اس ملک میں ایک بہت بڑی طاقت ہیں جو کہ ملک کی سیاست کا رخ متعین کرنے میں فیصلہ کن رول ادا کرسکتے ہیں۔ اور اس کے لئے "مسلم مجلس مشاورت" آئندہ ہونے والے پارلیمانی انتخابات میں مسلمانوں کی واضح طور پر رہنمائی کرے تاکہ ان انتخابات میں مسلمانوں کے ووٹ تقسیم نہ ہونے پائیں گے"

مجلس مشاورت کے اس اجتماع میں جو ۲۲، ۲۳ ستمبر کو دہلی میں ہوا تھا۔ جماعت اسلامی ہند، کل ہند مسلم مجلس، مجلس اتحاد المسلمین، انڈین یونین مسلم لیگ، نیشنل لیگ، اور بعض سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں کے ساتھ۔ بدرالدین طیب جی، مولانا ابوالحسن ندوی، مرکزی وزیر ذوالفقار اللہ صاحب، یوپی کے وزیر محمد مسعود خاں، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، امیر جماعت اسلامی مولانا محمد یوسف اور دوسری بہت سی سرکردہ شخصیتوں نے شرکت کی اور افتتاحی اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی نے فرمایا

آزادی کے بعد سے مسلمانوں کو چار پانچ مسائل میں بری طرح الجھا دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ قومی زندگی میں مثبت رول ادا کرنے سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس صورت حال کو تبدیل کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔ خیر امت ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صرف اپنے مسائل کے حل ہی پر نہیں بلکہ قومی مسائل کے حل پر بھی توجہ دیں۔"

حضرت مفتی صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے اُس کی صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ آئے دن کے فرقہ وارانہ فسادات۔ مسلم یونیورسٹی کا نہ ختم ہونے والا جھگڑا۔ مسلم پرسنل لا پر پے در پے حملے۔ اردو زبان کے ساتھ ناانصافی۔ سرکاری اور نیم سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے ساتھ امتیاز۔ اور مسلم اوقاف اور مساجد کی بے حرمتی ایسے مسائل ہیں جن میں کہ مسلمان بری طرح الجھ کر رہ گئے ہیں۔

ان بنیادی مسائل اور مسلمانوں کے دوسرے تمام مسائل کا حل یہی ہے کہ "مسلم مجلس مشاورت" کے پلیٹ فارم کے ذریعہ تمام ہی مسلم پارٹیاں متحد ہو کر نہ صرف آواز بلند کریں بلکہ ضرورت پڑنے پر سول نافرمانی کی تحریک کو بھی آگے بڑھائیں۔ اور سب سے بڑی ضرورت اس وقت یہ ہے کہ ہمارے سب ہی مسلم زعما سر جوڑ کر لوک سبھا میں زیادہ سے زیادہ مسلم نمائندوں کو بھیجنے کی کوشش کریں۔ اور سب ہی سیاسی پارٹیوں کا جائزہ لینے کے بعد مسلمانوں کو مشورہ دیں کہ انہیں متفقہ طور پر کونسی سیاسی پارٹی کو برسر اقتدار لانے کے لیے اپنا ووٹ استعمال کرنا چاہیئے تا کہ مسلمانوں کے ووٹ ضائع نہ ہونے پائیں۔

مسلمانوں کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ اس ملک میں اُن کا ایک خاص مقام ہے وہ اس ملک میں ایک متوازی طاقت کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر وہ متحد ہو جائیں تو صرف اپنے ہی لئے نہیں بلکہ پورے ملک اور اُس کے باشندوں کے لئے بہترین خدمات انجام دے سکتے ہیں ہمیں خوشی ہے کہ "مسلم مجلس مشاورت" نے اس ضمن میں بہت ہی اہم قدم اٹھایا ہے۔ اس ملک کے کروڑوں مسلمان دست بدعا ہیں کہ خدا مسلمانوں کو کامیابی اور اتحاد عطا فرمائے۔ ہم کو یقین ہے کہ اگر "مسلم مجلس مشاورت" کے زعما۔ مسلمانوں کی سیاسی پارٹیوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ملک کی سیاست میں ایک خوشگوار انقلاب آجائے گا۔

مسلم پرسنل لا کے سب سے بڑے ماہر نہیں رہے مرحوم

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے جو قابل ذکر اور مایہ ناز فرزند پیدا کئے ہیں ان ہی میں سے ایک سید عزیز الشفیع بھی ہیں۔ سید صاحب نہ صرف دہلی میں بلکہ پورے ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے سب سے بڑے ماہر تسلیم کیے جاتے تھے۔ یہ مسلسل چالیس سال تک اسپیشل آنریری جج کی حیثیت سے مسلم پرسنل کے مقدمات فیصل کرتے رہے ہیں۔ اور مسلم پرسنل لا پر ایک اتھارٹی تسلیم کئے جاتے تھے۔ افسوس کہ ۱۸ ستمبر کو دہلی میں رحلت فرمانے کے بعد ہم سے جدا ہو گئے۔

ہمارے ملک میں گزشتہ ۳۲ سال سے مسلم پرسنل لا پر جو پے در پے حملے ہوتے رہے ہیں سید صاحب مرحوم اپنے بے مثال مقالات کے ذریعہ ان حملوں کا دندان شکن جواب دیتے رہے ہیں۔ آپ جہاں زندگی بھر مسلم پرسنل لا پر حملہ کرنے والوں کے لئے مسلمانان ہند کے واسطے ایک سپر بنے رہے ہیں وہاں اس بات کے بھی سچے دل سے خواہشمند تھے کہ مسلم پرسنل لا کے مرتب کرنے میں جو بنیادی خامیاں باقی رہ گئی ہیں اور جن سے کہ اس ملک کے مسلم معاشرہ کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے علمائے ہند سر جوڑ کر بیٹھیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان خامیوں کو دور کر دیا جائے۔

مثال کے طور پر آپ چاہتے تھے کہ جو غیر ذمہ دار لوگ اسلام میں ایک سے زیادہ شادیوں کے قانون سے ناجائز استفادہ کر رہے ہیں۔ اور اس قانون کو بے ضرورت نئی نئی شادیوں کے لئے بیجا طور پر استعمال کر رہے ہیں اُن پر کسی نہ کسی صورت میں روک لگا دی جائے۔ تاکہ وہ صرف تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کہہ کر اُن بے بس عورتوں سے چھٹکارا نہ پا سکیں جنہیں وہ محض نفسانی اغراض کے لئے چھوڑ دینا اور گھر سے نکال دینا کوئی گناہ نہیں سمجھتے سید صاحب اس ملک کی اُن مظلوم عورتوں کے بہت بڑے حامی تھے جن کو کہ اُن کے شوہروں نے بغیر کسی معقول وجہ کے نہ صرف چھوڑ دیا ہے بلکہ اُن کا جہیز اور مہر بھی ہضم کر گئے ہیں۔ آپ چاہتے تھے کہ اسلامی قوانین سے مذاق کرنے والے ایسے لوگوں پر نہ صرف پابندیاں لگائی جائیں بلکہ انہیں قانونی شکنجہ میں بھی جکڑا جائے۔ چنانچہ آپ اس ضمن میں ہندوستان کے سب ہی ممتاز علما کو بار بار توجہ دلاتے رہے ہیں۔

سید عزیز الشفیع یہ بھی چاہتے تھے کہ باپ کی زندگی میں مرنے والے شادی شدہ بیٹے کی اولاد اور کسی جوان بیوہ کو اگر حق وراثت سے محروم کیا جاتا ہے تو

اُس کے گزارہ کے لئے کوئی قانونی راستہ نکالا جائے تاکہ مرنے والے جوان بیٹے کی بیوہ اور اولاد بے سہارا بن کر نہ رہ جائے غرضکہ آپ موجودہ پرسنل لا میں قرآن و حدیث نیز آئمہ کے نظریات کی روشنی میں ایسی اصلاحات کے زبردست حامی تھے جو زمانہ حاضرہ کے مسلم معاشرہ کے لئے نہایت ضروری ہیں اور آپ نے اِس سلسلہ میں کئی اردو اور انگریزی کتب بھی تصنیف کی ہیں جو اسلامی لٹریچر میں نایاب اضافہ ہیں

سید عزیز الشفیع صرف ایک ماہر قانون ہی نہیں تھے بلکہ آپ میں مسلمانوں کی رہنمائی کی غیر معمولی صلاحیت بھی موجود تھی۔ آپ مشہور قومی لیڈر رفیع احمد قدوائی اور یاسین نوری کے ہم خیال اور ہم مشرب ساتھیوں میں سے تھے۔ چنانچہ آپ کی عملی زندگی کی ابتدا ایک قومی رہنما کی حیثیت ہی سے ہوئی تھی اور آپ مدتوں دیوبند میونسپل بورڈ کے وائس چیرمین رہے ہیں۔ لیکن جوڈیشیل سروس نے انہیں اپنی طرف کھینچ لیا تھا لیکن بحیثیت ایک جج کے بھی اُن کی آزادروی میں فرق نہیں آیا۔ چنانچہ برطانوی اقتدار کے زمانہ میں آپ کے اکثر و بیشتر مقدمات کے فیصلے حکومت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ غریب عوام کے حق میں ہوتے تھے اور آپ کی آزادروی اور حریت پسندی ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کو قبل از وقت سرکاری ملازمت سے دستبردار ہونا پڑا۔ لیکن آپ چونکہ مسلم پرسنل لا پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے ہماری قومی حکومت نے خصوصی طور پر انہیں مسلم پرسنل لا کے مقدمات کے لئے اسپیشل انریری جج مقرر کردیا تھا۔ اِس عہدہ پر آپ مرتے دم تک برقرار رہے۔

سید صاحب ایک سچے اور مثالی اسلامی کردار رکھنے والے مسلمان تھے۔ بزرگان دین سے آپ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی محبت میں بغداد بھی جا پہنچے اور وفات کے بعد دہلی میں حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ حج بیت اللہ کا شرف بھی آپ کو حاصل تھا غرضکہ ایک مرد مومن میں جتنی صفات ہوسکتی ہیں وہ سب سید عزیز الشفیع میں موجود تھیں وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۱ سال تھی۔ اور آخر وقت تک آپ کی زندگی خدمت خلق کے لئے وقف رہی۔

سید عزیز الشفیع مرحوم نے اپنے پیچھے چار فرزند چھوڑے ہیں سید سعید الشفیع، سید نعیم الشفیع، سید انیس الشفیع اور سید سلیم الشفیع جن میں کہ اپنے لائق باپ کی بہت سی خوبیاں موجود ہیں۔ سید سعید الشفیع گورنمنٹ آف انڈیا میں چیف پلاننگ ایڈوائزر ہیں۔ اور سید سلیم الشفیع مرکزی حکومت میں انفارمیشن افسر ہیں۔ ان چار صاحبزادوں کے علاوہ آپ کی دو صاحبزادیاں بھی ہیں۔ اور آپ کی اہلیہ قدیم دہلی کے نامور مدبر نواب فیض احمد مرحوم کی صاحبزادی ہیں۔ اور سب سے زیادہ جو قیمتی شئے سید صاحب نے چھوڑی ہے۔ وہ اُن کا مسلم پرسنل لا پر بے مثال لٹریچر ہے جو اُن کی سب سے بڑی یادگار ہے۔

اور ان کے لائق صاحبزادے اس لٹریچر کی وسیع پیمانہ پر اشاعت کا اہتمام کر کے اسے پورے ملک سے روشناس کرا دینا چاہتے ہیں۔ آخر میں ہماری دعا ہے کہ خدا سید صاحب کو اپنی رحمت سے نوازے اور اُن کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

قومی دھارے میں شامل ہونے کا مشورہ

خدا کی شان ہے کہ جو لوگ کہ "قوم پرستی" کی ابجد سے بھی واقف نہیں وہ ان مسلمانوں کو "قوم پرستی" اور سیکولرزم کا سبق پڑھانا چاہتے ہیں۔ جو اس ملک میں قوم پرستی کے امام اور سب سے بڑے مجاہد ہیں حالانکہ یہ خود "قوم پرستی" کے میدان میں طفلی کر رہے ہیں اور اُس راشٹریہ سنگھ کے نام لیوا ہیں۔ جو اس ملک کی جمہوریت اور سیکولرزم کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

ہماری مراد راشٹریہ سنگھی دھڑے سے تعلق رکھنے والے سابق وزیر داخلہ "مسٹر ایچ۔ ایم۔ پٹیل" سے ہے جنھوں نے کہ پچھلے دنوں ڈاکٹر ذاکر حسین میموریل کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے مسلمانان ہند کے خلاف دل کھول کر زہر اگلا ہے اور اپنی ایک بے تکی تقریر میں اُنھوں نے کہا ہے کہ

"یہ بات بڑی افسوسناک ہے کہ ہندوستان میں مسلمان مسلسل مشترکہ سِول کوڈ کے نفاذ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ کوئی بھی شخص جب یہ طرز عمل اختیار کرتا ہے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ سیکولرازم کی مخالفت کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمان متبنّی بل کی بھی مخالفت کر رہے ہیں۔ نیز مذہبی آزادی بل کے بھی مخالف ہیں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو سماجی تبدیلیوں سے الگ نہ رکھیں اور قومی دھارے میں شامل ہو جائیں"

مگر انھوں نے اس بات کی تشریح نہیں فرمائی کہ جس "قومی دھارے" کا تصور اُن کے دماغ میں محفوظ ہے وہ کونسا "قومی دھارا" ہے اگر اُن کے نقطہ نظر سے قومی دھارے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان قرآن و حدیث کی روشنی میں مرتب کردہ "مسلم پرسنل لا" چھوڑ کر اُن کے گھڑے ہوئے سِول کوڈ پر ایمان لے آئیں تو یہ قوم پرستی نہیں ہے بلکہ پرلے درجہ کی رجعت پسندی ہے

اور اگر "قومی دھارے" کا منشا ملک اور وطن کی خدمت ہے تو تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان روزِ اول ہی سے اِس "قومی دھارے" میں شامل رہے ہیں۔ اور اُس وقت سے شامل ہیں جبکہ اِس ملک کے دوسرے فرقے "قومی دھارے" سے قطعی ناآشنا تھے۔

مسٹر پٹیل کی یہ گمراہ کن تقریر بظاہر کر رہی ہے کہ انھوں نے شاید کبھی ہندوستان کی تاریخ پڑھی ہی نہیں۔ اگر انھوں نے تاریخِ ہند کو پڑھا ہوتا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ "قومی دھارا" کیا ہے۔ اور مسلمان قومی دھارے میں کس طرح حصہ لیتے رہے ہیں۔ تاریخِ ہند ہمیں بتاتی ہے کہ یہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے کہ مجاہدِ حریت سراج الدولہ کے جھنڈے کے نیچے اور "قومی دھارے" میں شامل ہو کر ۱۷۵۷ء میں انگریز غاصبوں سے جنگ کی تھی اور اپنی جانیں تک قربان کر دی تھیں اسی طرح یہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے کہ بہادر ٹیپو، حیدر علی اور سلطان ٹیپو جیسے فداکارانِ وطن کے ساتھ شامل ہو کر وطنِ عزیز کے لئے قربانیاں دی تھیں۔ اور پھر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مجاہدِ وطن بہادر شاہ ظفر کی زیرِ قیادت مسلمانوں ہی نے "قومی دھارے" میں شامل ہو کر وطنِ عزیز کے لئے آزادی کا دروازہ کھولا تھا۔ اِس کے علاوہ ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے قومی رہنماؤں کے زیرِ قیادت مسلمانوں نے "قومی دھارے" میں شامل ہو کر جو بے اندازہ قربانیاں دی ہیں انہیں کون بھول سکتا ہے۔ اگر ان سب چیزوں ہی کا نام "قومی دھارے" میں شامل ہونا ہے تو مسلمان صدیوں سے اس میں شامل ہیں۔ لیکن اگر مسٹر پٹیل کی لغت میں قومی دھارے میں شامل ہونے کا مطلب ہندو عقائد کا احیا اور مسلمانوں کا اسلام سے انحراف ہے تو اُن کا یہ خواب شاید کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔

جنتا حکومت میں پورے ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف جو فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے تھے۔ اُس پر ہندوستانی عوام حیران تھے۔ لیکن جب پٹیل جیسے وزیرِ داخلہ ہوں تو جو کچھ بھی اس ملک میں ہو جائے وہ کم ہے۔ بہرحال مسٹر پٹیل نے اپنی تقریر سے خود ہی اپنے آپ کو اور جنتا پارٹی کو عریاں کر دیا ہے۔ اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ جتنی مدت بھی وزیرِ داخلہ رہے ملک و وطن کی نہیں بلکہ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے تخریبی مشن کو پورا کرتے رہے۔ اور اب جبکہ وزارتِ داخلہ سے محروم ہو گئے ہیں۔ تو انھوں نے "قومی دھارے" کے اُس پرانے فتنہ کو ابھارنا شروع کر دیا ہے جو راشٹریہ سنگھ کے [illegible] کرد یا ہے۔

پاکستان میں بغاوت ہوگی یا انتخابات

ذوالفقار علی بھٹو کے قاتل جنرل ضیا نے اپنی گدی کو بچانے کے لئے انتخابات کا جو ڈھونگ رچایا ہے وہ بے نقاب ہوتا چلا جا رہا ہے۔ انھوں نے انتخابات میں حصہ لینے والی پارٹیوں پر جو ڈکٹیٹرانہ شرائط عائد کئے ہیں اُن کا مطلب اِس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مرحوم بھٹو کی پیپلز پارٹی کو انتخابات میں حصہ لینے کا نااہل قرار دے دیا جائے۔ اِن ہی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ پاکستان کی اگر کوئی سیاسی پارٹی ملک کے اتحاد اور فوجی وقار یعنی ضیاء الحق کی فوجی حکومت کے خلاف پروپگنڈا کرتی رہی ہے یا کرے گی تو اُسے انتخابات میں حصہ لینے کے حق سے محروم کر دیا جائے گا ظاہر ہے کہ اِس شرط کا مقصد صرف بھٹو کی پیپلز پارٹی کو انتخابات کے حق سے محروم کرنا ہے۔ اور ایک لغو شرط یہ بھی ہے کہ انتخابات میں حصہ لینے والی سب ہی پارٹیوں کو اپنا نام رجسٹرڈ کرانا ہوگا۔ اور الیکشن کمیشن کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ جس پارٹی کو چاہے انتخابات میں حصہ لینے سے روک دے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ الیکشن کمیشن کا سربراہ اُن ہی مولوی مشتاق احمد جج کو بنایا گیا ہے جن کے حکم سے بھٹو کو پھانسی کے پھندے پر لٹکایا گیا ہے۔ اور اِن سب باتوں سے یہ چیز واضح ہے کہ پاکستان میں انتخابات کا جو ڈھونگ رچایا جا رہا ہے وہ اول سے لیکر آخیر تک فراڈ ہے۔

جنرل ضیا اور اُن کے ساتھی اِس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ خواہ پاکستان میں بغاوت ہی رونما کیوں نہ ہو جائے مگر وہ برابر جمہوریت کا گلا گھونٹتے رہیں گے اور بھٹو مرحوم کی اُس پیپلز پارٹی کو ہرگز برسرِ اقتدار نہیں آنے دیں گے۔ جسے اگر انتخابات کے بعد اقتدار حاصل ہو گیا تو جنرل ضیاء اور اُن کے اُن تمام ساتھیوں کو پھانسی کے تختہ پر چڑھنا پڑے گا۔ جنھوں نے کہ ایک پلان بنا کر مسٹر بھٹو کو قتل کیا ہے۔ اور اسی لئے جنرل ضیاء نے سوچ سمجھ کر الیکشن کمیشن کا سربراہ بھٹو کو پھانسی دینے والے جج مولوی مشتاق احمد کو بنایا ہے۔ کیونکہ پیپلز پارٹی کے اقتدار میں آنے سے مولوی مشتاق احمد کی جان بھی جنرل ضیا کی طرح خطرہ میں ہے۔ اس لئے وہ پیپلز پارٹی کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت ہی نہیں دیں گے۔

جنرل ضیا کی [illegible] کا ردِ عمل یہ ہوا کہ پاکستان کی [illegible] سیاسی پارٹیوں یعنی پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد [illegible] شرائط [illegible] اور اپنا نام رجسٹرڈ کرانے سے [illegible]

اعلان بھی کر دیا ہے کہ اب قومی اتحاد پارٹی جنرل ضیا کی فوجی حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن کرنے پر مجبور ہے۔ یہ یاد رہے کہ قومی اتحاد پارٹی جنرل ضیا کی سب سے بڑی معاون تھی لیکن اب وہ بھی جنرل ضیا کے خلاف صف آرا ہو گئی ہے۔ قومی اتحاد پارٹی کے سربراہ مفتی محمود نے کراچی میں بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ "اگر پاکستان پیوپلز پارٹی اور قومی اتحاد پارٹی انتخابات کا بائیکاٹ کرتی ہیں تو انتخابات نہ صرف مذاق بن کر رہ جائیں گے بلکہ ملک میں بغاوت کے پھوٹ پڑنے کے بھی قوی امکانات ہیں" چنانچہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پاکستانی عوام تو پہلے ہی سے جنرل ضیا سے برگشتہ تھے اب پاکستان کی فوج کا ایک بڑا حصہ بھی جنرل ضیا کی ابن الوقتی پر برہم ہے جنہیں سے اکثر مستعفی بھی ہو گئے ہیں۔

مثال کے طور پر پاکستان کے دو بڑے فوجی افسر بریگیڈیر عثمان خالد اور لفٹنٹ کرنل محمد الیاس شمیم اپنے عہدوں سے مستعفی ہو چکے ہیں چنانچہ انہوں نے لندن کی ایک پریس کانفرنس میں بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ "ہم نے بطور پروٹسٹ فوج سے استعفیٰ دیدیا ہے۔ ہم ایک نجات دہندہ فوج بنانے کی تیاریوں میں مصروف ہیں تاکہ طاقت کے ذریعہ جنرل ضیا سے نجات حاصل کی جا سکے" یہ دونوں افسر اپنی فوجی یونیفارم میں پریس سے خطاب کر رہے تھے انھوں نے کہا ہے کہ "پاکستان میں حالات نہایت تشویشناک ہیں نومبر میں ہونے والے انتخابات چونکہ ایک دھوکہ ہے اس لئے انتخابات کے علاوہ بھی ہمیں اور کوئی طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔ اب تک کئی درجن فوجی افسر استعفیٰ دے چکے ہیں۔ اور پاکستانی فوج میں جنرل ضیا کے خلاف بغاوت پھیل رہی ہے۔ پاکستان کے عوام اور فوج کی اکثریت جنرل ضیا کے خلاف ہے اور اب ضیا کو ہٹنا ہی پڑے گا" فوجی افسروں کے اس بیان کو دیکھتے ہوئے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ پاکستان میں انتخابات ہوں گے یا ایک بار پھر فوجی بغاوت کا اس بدنصیب ملک کو سامنا کرنا پڑے گا۔

عرب ممالک کے خلاف زہر افشانی

ہمارے ملک میں ایک ایسی عرب مخالف اور اسرائیل نواز لابی موجود ہے جو سالہا سال سے عرب ممالک سے ہمارے تعلقات بگاڑنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ یہ بات سب ہی کو معلوم ہے کہ ہندوستان کے سب ہی عرب ممالک سے گہرے اور دوستانہ تعلقات ہیں اور ان تعلقات سے ہمیں بے انداز فائدہ پہنچ رہا ہے۔ عربوں کے ساتھ ہمارا کروڑوں کا نہیں بلکہ اربوں کا کاروبار ہے دس لاکھ کے قریب ہندوستانی عرب ممالک کے مختلف شعبوں میں روزگار حاصل کر رہے ہیں۔ جن کے ذریعہ ہندوستان کو دو کروڑ روپیہ سے بھی زیادہ کا زر مبادلہ وصول ہو رہا ہے۔ لیکن ان تمام مفادات کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ اسرائیل نواز لابی عرب ممالک کو بدنام کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔ مثلاً حال ہی میں پاکستان کے ایٹم بم بنانے پر ہمارے ملک میں چرچے ہو رہے ہیں اسے بھی یہاں کی عرب دشمن اور اسرائیل نواز لابی نے کھینچ تان کر عرب ممالک کے ساتھ جوڑنا شروع کر دیا ہے اور یہ کہا جانے لگا ہے کہ عرب ممالک ہندوستان کے خلاف بم بنانے کے لئے پاکستان کو روپیہ دے رہے ہیں۔ چنانچہ اخبار پرتاب جو ہمارے ملک میں اسرائیل کا سب سے بڑا ترجمان ہے اپنی ۳۰ اگست کی اشاعت میں عرب ممالک کے خلاف زہر افشانی کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"پاکستان کے ایٹم بم کی تیاریوں نے دو بڑے سوال کھڑے کر دئیے ہیں اول یہ کہ یہ کس کے خلاف تیار ہو رہا ہے اور دوسرے یہ کہ اس کی تیاری کے لئے کون روپیہ دے رہا ہے پاکستان کے اپنے سادھن تو ایسے نہیں کہ وہ ایٹم بم تیار کر سکے اس لئے اسے کسی دوسرے ملک سے مدد ملی ہے۔ اور یہ مدد ہے عرب دیشوں کی خاص کر سعودی عرب اور لیبیا کی اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بم کس کے خلاف بن رہا ہے عرب دیش اسرائیل کو اپنا دشمن مانتے ہیں اور پاکستان ہندوستان کو اپنا دشمن مانتا ہے۔ اس لئے یہ ہندوستان اور اسرائیل دونوں کے خلاف استعمال ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں ضروری ہے کہ ہندوستان اور اسرائیل آپس میں مل کر بیٹھیں اور سوچیں کہ اس خطرہ کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ لیکن یہاں تو تدبر کا دیوالہ نکل چکا ہے۔ جو عرب پاکستان کو ہمارے خلاف بم تیار کرنے کے لئے روپیہ دے رہے ہیں اُن ہی کے ڈر سے ہم اسرائیل کو منہ لگانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ برسوں تک اسرائیل ہمارے قدموں پر سر جھکا رہا ہے لیکن ہم نے اُسے حقارت سے ٹھکرا دیا ہے محض اُن لوگوں کو خوش کرنے کے لئے جو کسی حالت میں بھی ہم سے ہمدردی نہیں رکھتے"

ملاحظہ فرمائیے کہ کیسی عیاری کے ساتھ پاکستان کے ایٹم بم کا سہارا لے کر ہندوستان اور عرب ممالک کے تعلقات کو بگاڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور حکومت سے کہا جا رہا ہے کہ وہ عرب ممالک سے قطع تعلق کرنے کے بعد اسرائیل سے رشتہ جوڑے اور ہمارے ملک کی ناکارہ حکومت ہے کہ وہ دوست عرب ممالک کے خلاف اس

خطرناک زہرافشانی کو خاموشی سے بیٹھی ہوئی دیکھ رہی ہے اور یہ نہیں سوچ رہی کہ اس قسم کی زہرافشانی سے اگر ہندوستان اور عرب ممالک کے تعلقات بگڑ گئے تو ہمارے ملک کو کتنا بڑا اقتصادی دھکا لگ سکتا ہے اس کے علاوہ پٹرول اور پیٹرولیم سے بنی ہوئی اشیا میں رکاوٹ ہونے کے بعد ہمارے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی ہو سکتی ہے

کسی واضح ثبوت کے بغیر یہ کہہ دینا کہ عرب ممالک ہندوستان کے خلاف ایٹم بم بنانے کے لئے پاکستان کو روپیہ دے رہے ہیں کھلی ہوئی دروغ بیانی اور شرارت ہے جس کی کہ حکومت کی جانب سے کھلے الفاظ میں مذمت ہونی چاہئے جہاں تک عرب ممالک کا تعلق ہے وہ سب ہی ایشیائی اور افریقی مسلم ممالک کو مالی امداد دے رہے ہیں۔ اس مالی امداد کے لئے صرف پاکستان ہی کا ملک مخصوص نہیں ہے لیکن یہاں کی عرب دشمن اور اسرائیل نواز لابی نے اسے غلط رنگ میں پیش کر کے ہندوستان اور عرب ممالک کے تعلقات کو بگاڑنے کی مذموم کوشش شروع کر دی ہے۔

اسرائیل نواز لابی کا عرب ممالک کے خلاف زہرافشانی کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے کبھی تو یہ اصفہان کی ایک کالی چڑیا کے شکار کا سہارا لے کر اور کبھی ہندوستان میں عرب ڈپلومیٹوں پر حملے کر کے اپنی ناپاک ذہنیت کا برابر ہی مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ ہماری حکومت کا فرض ہے کہ وہ عرب ممالک اور ہندوستان کے تعلقات کو بگاڑنے والی اس اسرائیلی لابی پر گہری نظر رکھے۔ اگر ہماری سرکار ان کی قابل اعتراض سرگرمیوں پر کنٹرول نہیں کر سکتی تو وہ ہمارے ملک کے قومی مفادات کو داؤں پر لگا رہی ہے جس سے کہ ہمارے ملک کو زبردست نقصان پہنچ سکتا ہے۔

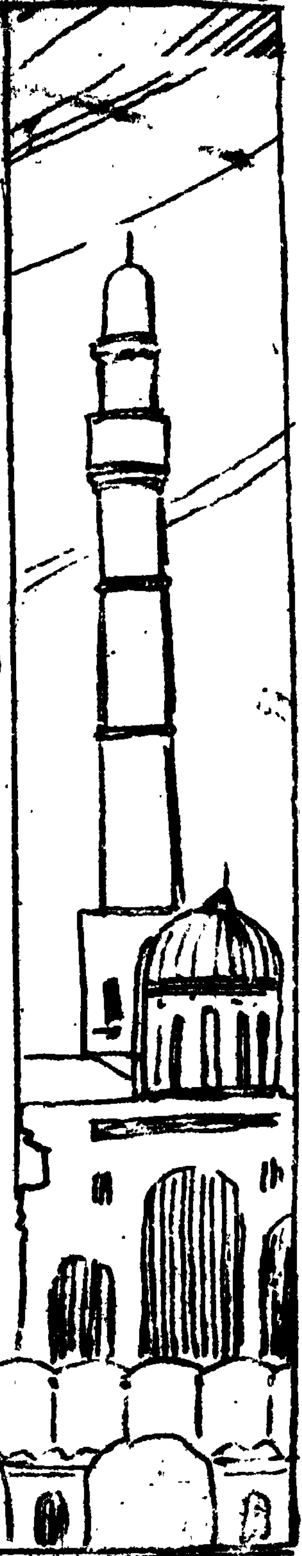
اندر پرستھا گرلز اسکول کی ڈائمنڈ جوبلی

اسی ماہ اکتوبر میں نئی اندر پرستھا گرلز اسکول دہلی کی ڈائمنڈ جوبلی منائی جا رہی ہے۔ لڑکیوں کے اس مایہ ناز تعلیمی ادارہ کی ایک شاندار تاریخ ہے جو ہمارے ملک کے سب ہی لڑکیوں کے مدارس کے لئے بہترین شمع راہ ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ اسکول دراصل ہندوستان کی مشہور رہنما مسز اینی بیسنٹ پریذیڈنٹ انڈین تھیوسوفیکل سوسائٹی کے ایک خواب کی زندہ تعبیر ہے۔ مسز اینی بیسنٹ یہ چاہتی تھیں کہ ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی میں لڑکیوں کا ایک ایسا نمونہ کا تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے جس میں تعلیم پانے والی لڑکیاں صرف ڈگریاں ہی حاصل نہ کریں۔ بلکہ وہ تعلیم پانے کے بعد اچھی بیٹیاں، اچھی بیویاں، اچھی مائیں اور اچھی محبان وطن خواتین ثابت ہو سکیں۔ چنانچہ اس اسکول کے قیام کے بعد ان کا یہ خواب آج سے ۷۵ سال قبل پورا ہو گیا۔ اور گذشتہ سات دہائیوں میں یہ اسکول جو اب پوسٹ گریجویٹ کالج تک ترقی کر چکا ہے۔ ہزاروں ایسی خواتین ملک کے سامنے پیش کر چکا ہے۔ جو تعلیمی جوہر سے آراستہ ہونے کے ساتھ اخلاقی خوبیوں سے بھی متصف ہیں اور جو اعلیٰ کردار کا نمونہ ہیں۔

۱۹۰۴ء میں یہ اسکول صرف سات لڑکیوں اور چند استانیوں سے شروع کیا گیا تھا۔ کون یہ تصور کر سکتا تھا کہ چند سال کے اندر ہی یہ اسکول ڈگری کالج اور اس کے بعد پوسٹ گریجویٹ کالج بن جائے گا۔ لیکن اندر پرستھا گرلز اسکول کی یہ خوش نصیبی تھی کہ اسے شروع ہی سے ایسے ہمدرد حاصل ہو گئے تھے جو مخلص تھے اور نسوانی طبقہ کی اصلاح اور ترقی کی ایک تڑپ اپنے دل میں رکھتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ اس اسکول کے بانی اور بالکشن داس جی کو تو بھلایا ہی نہیں جا سکتا۔ جنھوں نے کہ جامع مسجد دہلی سے متصل اپنی شاندار بلڈنگ عطا کر کے اس اسکول کی بنیادوں کو مستحکم کر دیا ہے۔

اندر پرستھا گرلز اسکول کی سب سے پہلی پرنسپل مس جی ایم ایار تھیں جو ۱۹۰۳ء میں مغربی اسٹریلیا سے محض اس لئے ہندوستان آئی تھیں تاکہ ہندوستان کی لڑکیوں کو زمانہ حاضرہ کی طرز تعلیم سے آشنا کریں۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ انھوں نے اس اسکول کو سنوارنے اور اسے اسکول سے پوسٹ گریجویٹ کالج تک ترقی دینے میں بڑا حصہ لیا ہے۔ اور اس اسکول کی دوسری قابل ذکر پرنسپل مسز وملا سوری ہیں۔ جو ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جس نے کہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ ان کے دور میں ایک طرف تو اس اسکول کا تعلیمی معیار بلند ہوا ہے۔ اور دوسری جانب مسز سوری کا لڑکیوں کی کردار سازی میں بہت بڑا حصہ ہے

ہمارے ملک میں لڑکیوں کے اسکولوں اور تعلیم گاہوں کی کمی نہیں ہے، لیکن اندر پرستھا اسکول کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ جہاں اس تعلیم گاہ میں لڑکیوں کو علم کے جوہر سے آراستہ کیا جاتا ہے وہاں اُن کے کردار سازی کی بھی پوری کوشش کی جاتی ہے انہیں صرف تعلیمی ڈگریاں ہی نہیں دی جاتیں بلکہ قومی خدمت اور انسانی ہمدردی کا جذبہ بھی ان میں پیدا کیا جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ خصوصیات سب ہی لڑکیوں کے مدارس میں پیدا کی جائیں۔



جانباز غازی ہوں

(از جناب سید ابن علی سلیم مرادآبادی)

زمانہ جان لے پایا ہے لوہے کا جگر میں نے
بہت دیکھی ہیں ایسی گردشیں شام و سحر میں نے

دمِ پرواز گرد ہوتی ہے ہفت افلاک کی وسعت
دکھایا ہے ہزاروں بار زورِ بال و پر میں نے

ہوس دنیا کی بھی خود تابعِ فرمان ہے میری
دلِ خوددار پایا ہے نگاہِ حق نگر میں نے

مرے عزم و عمل کے ساتھ تقدیریں بدلتی ہیں
کیا ہے بارہا نظمِ جہاں زیر و زبر میں نے

مرا کردار آئینہ ہے ایمان و بصیرت کا
سکھائی ہے زمانہ کو تمیزِ خیر و شر میں نے

معیشت میں سیاست میں تجارت میں حکومت میں
رکھا ایمان و حق کی آگہی کو راہبر میں نے

مدارِ زندگی میری ہے میرے زورِ بازو پر
بسر کی ہے حیات اب تک بشانِ فقیر میں نے

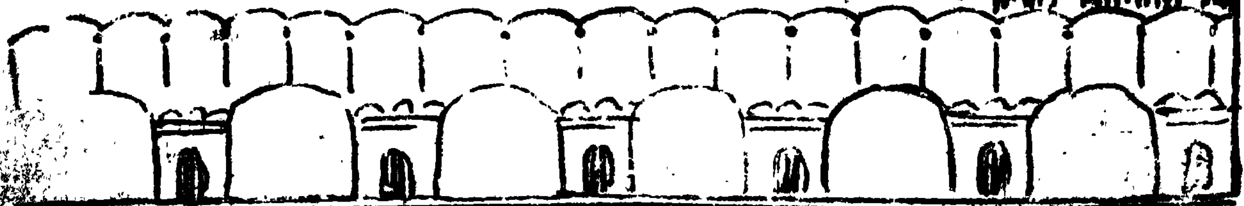
نہ ہوگا کوئی مجھ سا خادمِ انسانیت پیدا
ہمیشہ کی ہے دل سے خدمتِ نوعِ بشر میں نے

کسی سطوت کے آگے سر مرا خم ہو نہیں سکتا
جھکایا ہے تو بس حق کیلئے سجدہ میں سر میں نے

مجاہد فی سبیل اللہ کا جانباز غازی ہوں
ہزاروں بار بدلا ہے مزاجِ بحر و بر میں نے

بدل سکتی ہے کیا دنیا مجھے میں قلبِ مومن ہوں
وہ پتھر ہوں کہ ٹیڑھے کر دیے ہیں تیشہ میں نے

زمانہ بھول کر چنگاریوں پہ ہاتھ دھرتا ہے
غلامانِ رسولِ ہاشمی سے چھیڑ کرتا ہے



ہم نے چراغاں کیا ہے

(از جناب توصیف علوی عاصی۔ بی اے)

اندھیروں میں ہم نے چراغاں کیا ہے ہر ایک دشت رشکِ گلستاں کیا ہے

نئے "ماہ و انجم" زمانہ کو دے کر ہر ایک گوشہ ہم نے درخشاں کیا ہے

پڑھا کر سبق ہم نے انسانیت کا حقیقت میں انساں کو انساں کیا ہے

بہاروں کا تو ذکر کیا ہے کہ ہم نے خزاؤں کو بھی گل بداماں کیا ہے

زمانے نے جب بھی کبھی زخم کھائے سدا اُن کا ہم نے ہی درماں کیا ہے

ہے تاریخ شاہد کہ بزمِ جہاں میں رفو ہم نے ہر چاکِ داماں کیا ہے

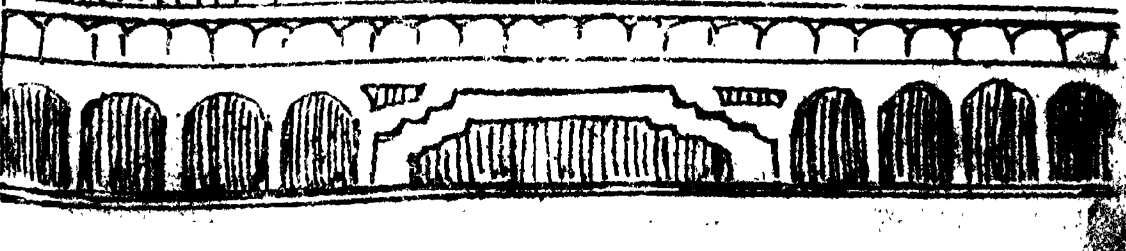
زمانہ میں حکمت کے گوہر لُٹا کر متاعِ خرد ہم نے ارزاں کیا ہے

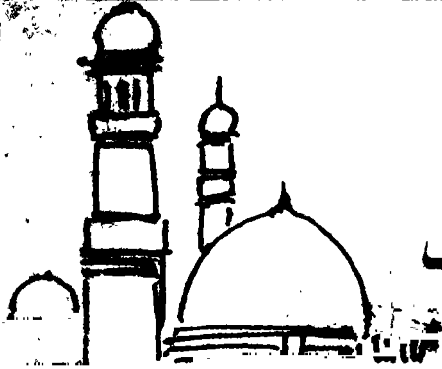
کبھی جبکہ بدلے ہیں دُنیا نے تیور ہمیں نے صحیح رنگِ دوراں کیا ہے

دکھا کر صداقت کی مشعل جہاں کو رہِ زندگی ہم نے آساں کیا ہے

ہر ایک "خار و گل" کیلئے خون دیکر بہاروں کا عالم میں ساماں کیا ہے

ہمیں سے ترنم ہے محفل میں عاصی
ہمیں نے زمانہ "غزل خواں" کیا ہے





گذشتہ سے پیوستہ

تعلیم القرآن

بارھواں پارہ — وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ — سُورۂ یوسف

(از ادارۂ دین دنیا)

ہم ذیل میں قرآنِ پاک کے بارھویں پارہ کی تعلیمات کی بارھویں قسط پیش کر رہے ہیں جس میں کہ اللہ جل شانہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامانی اور قید کئے جانے کا واقعہ اپنے بندوں کی عبرت اور نصیحت کے لئے بیان فرمایا ہے -

قید خانہ میں حضرت یوسف کے ساتھی دو تھے

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ ...... بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝

ترجمہ:- (حضرت) یوسف کے ساتھ اور بھی دو نوجوان قید خانہ میں داخل ہوئے - ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا ہے کہ شراب نچوڑ رہا ہوں - اور دوسرے نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں - اس میں سے پرندے کھا رہے ہیں - ہمیں اس خواب کی تعبیر بتاؤ تم ہمیں نیک آدمی معلوم ہوتے ہو - یوسف نے کہا کہ جو کھانا تمہیں روزانہ کھانے کو ملتا ہے - میں اس کے آنے سے پہلے اس کی تفصیل بتا دیا کرتا ہوں - اور یہ بتا دینا اس علم کی بدولت ہے جو مجھ کو میرے رب نے تعلیم دیا ہے میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں

تشریح:- (حضرت) یوسف کے ساتھ ہی دو نوجوان اور بھی قید خانہ میں داخل ہوئے (ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا اور دوسرا باورچی ان دونوں پر بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی کوشش کا الزام تھا) - اور قید کئے جانے کی پہلی ہی رات کو انھوں نے خواب دیکھا اور صبح کو ان میں سے ایک نے یوسف سے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ شراب تیار کرنے کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے ان روٹیوں کو نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں - تم ہمیں نیک آدمی معلوم ہوتے ہو - مہربانی فرما کر بتاؤ کہ ان خوابوں کی تعبیر کیا ہے - یوسف نے کہا کہ جو کھانا تمہیں روزانہ کھانے کو ملتا ہے تمہیں معلوم ہے کہ میں اس کے آنے سے پہلے ہی تمہیں اس کی تفصیل بتا دیتا ہوں اور یہ سب کچھ اس علم کی بدولت ہے جو مجھے میرے رب نے مجھے سکھایا ہے اس لئے میرے لئے اس خواب کی تعبیر بتا دینا کچھ دشوار نہیں ہے اور یہ علم مجھے اس لئے حاصل ہوا ہے کیونکہ میں نے ان گمراہوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور یہ لوگ حساب آخرت کے بھی منکر ہیں -

حضرت یوسف کی بتائی ہوئی تعبیر

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ .... يَسْتَفْتِيٰنِ ۝

ترجمہ:- اے میرے قید خانہ کے ساتھیو تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اور دوسرا سولی پر چڑھایا جائے گا اور اس کے سر کو پرندے نوچ نوچ کر کھائیں گے جس بارے میں تم پوچھتے ہو وہ اسی طرح مقدر ہو چکا ہے - اور جس کے بارے میں

یوسف کو گمان تھا کہ وہ بچ جائے گا اُس سے یوسف نے کہا کہ اپنے آقا سے میرا بھی ذکر کرنا مگر (رہا ہونے کے بعد) شیطان نے اُسے اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا۔ اور وہ کئی سال قید خانہ میں رہے۔

تشریح :۔ (حضرت یوسف نے اُن کے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا) ۔ اے میرے قید خانہ کے رفیقو! تم میں سے جس نے خواب میں انگوروں کا نچوڑنا دیکھا ہے وہ بدستور اپنے آقا کے لئے شراب تیار کرے گا اور اُسے شراب پلایا کرے گا اور قید سے رہا ہو جائے گا اور جس نے سر پر روٹیاں رکھی ہوئی دیکھی ہیں اُسے سولی دی جائیگی سولی کے بعد اُس کی لاش پھینک دی جائے گی اور پرندے اُس کا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے غرضیکہ جن خوابوں کے بارے میں تم نے مجھ سے پوچھا ہے اُن کی تعبیر انشاء اللہ یہی ہوگی ۔ اور دونوں قید خانہ کے ساتھیوں میں سے جس کے بارے میں یوسف کو گمان تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا اُس سے یوسف نے کہا کہ جب تم رہا ہو جاؤ تو اپنے آقا یعنی بادشاہ سے میرا ذکر ضرور کرنا (کہ میں بے گناہ قید میں ڈال دیا گیا ہوں) لیکن جب یہ رہا ہوا تو شیطان نے اُسے بادشاہ سے (حضرت یوسف کی بے گناہی کا) ذکر کرنا بھلا دیا ۔ اور یوسف کئی برس تک بدستور قید خانہ میں رہے۔

شاہ مصر کا خواب اور اُس کی تعبیر

وَقَالَ الْمَلِكُ .... وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ۵

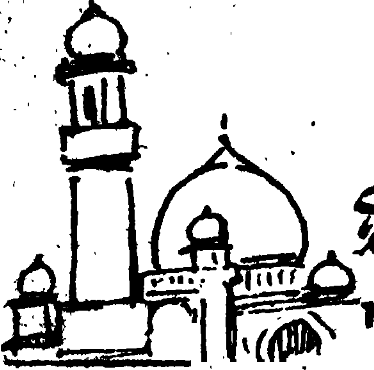
ترجمہ :۔ اور بادشاہ نے کہا کہ میں نے خواب میں سات موٹی گائیں دیکھی ہیں جن کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں ۔ اور سات ہری بالیں ہیں اور دوسری سات سُوکھی ہوئی ہیں ۔ اے میرے درباریو! اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو تو میرے خواب کی تعبیر بتاؤ درباریوں نے کہا ۔ یہ تو پریشان کن خیالات ہیں ۔ اور ہم خوابوں کی تعبیر جانتے بھی نہیں ہیں ۔ اور اُن دو قیدیوں میں سے جو رہا ہو گیا تھا اُسے مدت کے بعد (یوسف کا) خیال آیا اور وہ بولا کہ ذرا دیر کے لئے مجھے جانے کی اجازت دیدو میں اس خواب کی تعبیر لائے دیتا ہوں ۔ اور (قید خانہ میں حضرت یوسف کے پاس جاکر کہا)۔

اے یوسف اے صدق مجسم آپ ہم لوگوں کو اس کا جواب دیجئے کہ سات گائیں موٹی ہیں انھیں سات دُبلی گائیں کھا گئیں اور سات بالیں ہری ہیں اور دوسری سات سُوکھی ہیں ۔ اس بارے میں ہمیں بتایئے تاکہ میں اُن لوگوں کے پاس لوٹ کر جاؤں اور اُنھیں بھی تعبیر معلوم ہو جائے۔ (حضرت یوسف نے) کہا تم سات برس مسلسل غلہ بونا اور فصل کٹے سے جس قدر کاٹو اُسے اُس کی بالوں ہی میں رہنے دینا ۔ مگر تھوڑا سا نکال لینا جو تمہارے کام آئے گا، پھر اس کے بعد سات برس قحط کے آئیں گے جو اس سب ذخیرہ کو ہضم کر جائیں گے جو تم نے ان برسوں کے واسطے جمع کر کے رکھا ہوگا مگر تھوڑا سا تم بچا رکھو گے (جو باقی رہ جائے گا) پھر اس کے بعد ایک برس ایسا آئے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہوگی اور اُس میں تیل (انگور بھی) نچوڑیں گے۔

تشریح : (شاہِ مصر نے ایک خواب دیکھا اور اپنے درباریوں سے اس خواب کو بیان کرتے ہوئے) بادشاہ نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ سات موٹی گائیں ہیں جنھیں سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات اناج کی بالیں ہری بھری ہیں ۔ اور سات بالکل خشک ہیں۔ اے اہلِ دربار اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ ۔ درباریوں نے عرض کیا کہ یہ تو پریشان خیالات کا اثر معلوم ہوتا ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ہم لوگ خوابوں کی تعبیر کا علم مطلق نہیں جانتے ۔

لیکن وہ قیدی یعنی شاہی ساقی جو یوسف کی تعبیر کے مطابق قید سے رہا ہوا تھا ۔ بادشاہ کا خواب سُن کر (اُسے حضرت یوسف کا خیال آیا اور وہ) بولا میں اس خواب کی تعبیر لائے دیتا ہوں آپ مجھے ذرا دیر کے لئے (قید خانے) جانے کی اجازت دیدیجئے (پھر حضرت یوسف کے پاس قید خانے جا پہنچا اور کہنے لگا) ۔ اے یوسف اے صدق مجسم آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلایئے کہ سات موٹی گایوں کو دُبلی گائیں کھا رہی ہیں ۔ اور سات اناج کی بالیں تو سر سبز ہیں مگر سات سُوکھی ہوئی ہیں (اس خواب کی تعبیر عنایت کیجئے) تاکہ میں لوگوں کے پاس لوٹ کر جاؤں اور اُنھیں بھی آپ کی بتائی ہوئی تعبیر سے آگاہ کر دوں۔

(حضرت) یوسف نے تعبیر بتاتے ہوئے کہا کہ (تمہارے ملک میں) سات برس خوشحالی کے ہوں گے۔ (باقی صفحہ ۴۲ پر)



تعمیر الحدیث

حکومت اللہ کی امانت ہے

تموّل اور خوشحالی بھی ایک فتنہ۔ اخوت و محبت اللہ کو پسند ہے

(از شوکت علی فہمی)

مستند احادیث کی کتابوں سے ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قیمتی ارشادات درج کئے جاتے ہیں جو نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ پوری نوع انسانی کے لئے بہترین شمع ہدایت ہیں۔ امید ہے کہ مسلمان ان جواہر پاروں سے استفادہ کریں گے۔

حکومت اللہ کی امانت ہے

اسلام نے دُنیا کو صرف جمہوریت ہی سے آشنا نہیں کیا ہے بلکہ متبعین اسلام کے دلوں میں یہ خیال بھی جاگزیں کر دیا ہے کہ حکومت چونکہ اللہ کی امانت ہے اس لئے حکمران کو چاہیئے کہ وہ حکومت کی اس طرح حفاظت کرے جس طرح کہ ایک امین کسی امانت کی حفاظت کرتا ہے چنانچہ اس بارے میں صحیح حدیث ہے:۔

"ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کسی جگہ کا حاکم آپ مقرر نہیں فرما دیتے۔ آپ نے میرے مونڈھے کو تھپک کر فرمایا ابوذر تم کمزور ہو اور امارت و سرداری اللہ کی امانت ہے۔ اور یہ سرداری قیامت کے دن موجب ذلت و رسوائی ہو گی البتہ جس شخص نے حق کے ساتھ اسے قبول کیا۔ اور اس حق کو جو امارت کے سلسلہ میں اس پر واجب ہے صحیح طور ادا کیا تو اس کے لئے (حکومت و امارت) رسوائی کا باعث نہیں بنے گی۔" (مسلم)

اسلام سے قبل حکومت اور امارت کو حکمران طبقہ اپنے باپ دادا کی جاگیر تصور کرتا تھا۔ لیکن اسلام نے حکومت اور امارت کو اللہ کی امانت قرار دیا ہے۔ اور اسلام کی اسی تعلیم اور ہدایت کا نتیجہ ہے کہ دور اوّل کے حکمران حکومت کے معاملہ میں بے حد محتاط تھے۔ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کی حالت یہ تھی کہ انھوں نے پھٹے اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر حکومت کی ہے۔ انھوں نے غریبانہ زندگی بسر کی ہے۔ ایک غریب مزدور کی مزدوری سے زیادہ انھوں نے سرکاری خزانہ سے کبھی کچھ نہیں لیا۔ حضرت عثمان غنی نے کبھی شاہی خزانہ سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا بلکہ اپنی ساری دولت حکومت کے حوالے کر دی تھی۔ خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہٗ خلیفہ ہونے کے باوجود نہایت ہی غریبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ بننے کے بعد اپنی ساری جاگیر اور اثاثہ بیت المال کے حوالے کر دیا تھا اور وہ بھی نہایت ہی غریبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

لیکن آج کل کے جمہوریت کے دعویدار حکمران شاہانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ نام جمہوریت کا ہے مگر سارے ٹھاٹ باٹ شاہانہ ہیں کاش یہ خلفائے اسلام کے حالات سے عبرت اور نصیحت حاصل کر سکیں۔

تموّل اور خوشحالی بھی ایک فتنہ

دولت کی زیادتی چونکہ انسان کے اخلاق اور کردار کو بگاڑ دیتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلعم دولت مندی کو ناپسند فرماتے تھے اور

داعی اسلام کا یہ ارشاد خود اسلام کے جمہوری مزاج کا ایک ناقابلِ تردید ثبوت پیش کرتا ہے۔ پھر اسی قدر نہیں بلکہ آنحضرت صلعم کسی موقعہ پر بھی اپنی ذات کو دوسروں کے مقابلہ میں برتر ثابت کرنے کی کوشش نہیں فرماتے تھے۔ اور اسلام کی جمہوری دستور کے مطابق خود کو دوسرے عام مسلمانوں کی سطح پر رکھنے میں پیش پیش رہتے تھے چنانچہ ایک موقع پر جب مسلمانوں نے بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر پیٹ پر پتھر باندھ لئے تھے تو انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ خود آنحضرت صلعم کے شکم مبارک پر ایک ہی نہیں بلکہ دو پتھر بندھے ہوئے تھے اور وہ اسی حالت میں دوسروں کے ساتھ مشرکین مکہ کے حملہ سے محفوظ رہنے کے لئے مدینہ کے گرد خندق کھودنے میں مصروف تھے۔

خلفائے راشدین کی زندگی بھی جمہوریت کی آئینہ دار تھی۔ یہ حضرات مسلمانوں کے امیر اور ایک بہت بڑے علاقے کے حکمراں ہونے کے باوجود نہایت سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ خلافت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے علاوہ ذاتی حیثیت میں بھی عوام کی خدمت گذاری کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ان کی جانب سے عوام کو اس بات کی کھلی اجازت تھی کہ اگر کسی معاملہ میں انھیں اختلاف ہے تو وہ آزادانہ ان کے طریق کار پر تنقید کر سکتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا کی جانب سے انھیں عوام کی خدمت گذاری کا فریضہ تفویض کیا گیا ہے۔ اور اگر وہ اپنے اس فریضہ کو انجام دینے سے قاصر رہتے ہیں تو نہ صرف قیامت میں جواب دہ ہوں گے بلکہ عوام کو اس بات کا بھی حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ جب چاہیں انھیں ان کے منصب سے ہٹا دیں۔

اسی جمہوری نظریہ اور کردار پر جس اسلامی حکومت کی تعمیر ہوئی تھی وہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ سب ہی کے لئے باعث رحمت ثابت ہوئی تھی۔ اور اس حکومت کو جمہوری حکومت کے نام دینے کی بجائے اسے "خلافت الٰہیہ" کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ اور اس میں یہ جذبہ کارفرما تھا کہ جس طرح خدا تعالیٰ پوری مخلوق کا رب اور پرورش کرنے والا ہے اسی طرح دنیا میں اس کے نام پر قائم ہونے والی حکومت کو بھی انسانوں کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز روا نہیں رکھنا چاہیئے۔

اسلام کے ظہور کے بعد سے آٹھ سو سال تک مسلمان ایشیا اور افریقہ کے بہت بڑے حصوں اور یورپ کے ایک قابل ذکر حصہ پر حکومت کرتے رہے ہیں اور اس طرح انھیں مختلف ممالک پر حکمرانی کے دوران دنیا کے سب ہی چھوٹے اور بڑے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ سابقہ پڑا ہے لیکن اسلام کے جمہوری مزاج کے مطابق انھوں نے ان تمام مذہبوں کی حرمت برقرار اور بحال رکھا ہے۔ اور انھوں نے اسلام کے نظامِ زندگی کو اعلیٰ اور افضل یقین کرتے ہوئے بھی اسے جبر کے ذریعہ دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ اور ان کی حکومت میں کسی قوم کو بھی اس بات کی شکایت کا موقع نہیں مل سکا کہ مسلمان ان کی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی مداخلت کرتے ہیں یا انھیں شہری حقوق سے محروم کیا گیا ہے بلکہ اسلامی حکومتوں میں ان مسلمانوں کو سزا کا مستوجب سمجھا جاتا تھا جو غیر مسلموں کے مذہبی یا شہری حقوق میں دست اندازی کرتے تھے۔

اسلامی جمہوریت پر تبصرہ کرتے ہوئے ام گستاؤ نے لکھا ہے کہ "اسلام نے دنیا میں پہلی مرتبہ انسان کیلئے جمہوری زندگی کی نشاندہی کی تھی۔ اور یہ بات بحد حیرت انگیز ہے کہ اس نے جمہوریت کا جو نمونہ پیش کیا تھا وہ آج بھی بہترین ہے اور صدیوں کے تجربے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ کے جمہوریت پسندوں کو اسلامی جمہوریت کی بلند سطح پر پہنچنے کے لئے اسلام ہی کے بتائے ہوئے وسائل اختیار کرنے ہوں گے۔"

دنیا کے موجودہ جمہوری نظام کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں اکثریت کو حکمرانی کا موقعہ تو مل جاتا ہے مگر یہ اکثریت ڈکٹیٹر بن جاتی ہے۔ اور اقلیتوں کے حقوق کو کچل ڈالتی ہے۔ اور اگر بد قسمتی سے یہ اکثریت مذہبی تعصبات کا شکار ہو جاتی ہے تو پھر اقلیتوں کے لئے اور بھی مشکلات بڑھ جاتی ہیں لیکن اسلام کے جمہوری نظام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے اکثریت کو ڈکٹیٹر بننے کا موقع نہیں دیا ہے بلکہ اکثریت پر یہ فرض عائد کر دیا ہے کہ وہ مذہبی اور لسانی اقلیتوں کی محافظ بن جائے۔ اور بعض حالات میں تو اسلامی جمہوریت میں اقلیتوں کو اکثریت کے مقابلہ میں خصوصی مراعات دی گئی ہیں۔

اسلامی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمان اکثریت میں ہونے کے باوجود نہایت سختی کے ساتھ اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کی حفاظت کرتے رہے ہیں کیونکہ یہی حقیقی جمہوریت کا منشا بھی ہے چنانچہ جو جمہوری نظام اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرنے سے قاصر رہتا ہے اس نظام کو جمہوری نہیں بلکہ اکثریت کی ڈکٹیٹرشپ سمجھنا چاہیئے۔

تاریخ اسلام کا ایک صفحہ



مفلوک الحال شہزادہ یورپ کا شہنشاہ

"امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ" کی حوصلہ مندی کی داستان

(از شوکت علی فہمی)

اسلام نے کیسے کیسے حوصلہ مند فرزند پیدا کئے ہیں اس کا اندازہ "امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ" کے حالات سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ یہ اموی خاندان کا وہ مایہ ناز فرزند ہے جس نے کہ محض اپنی حوصلہ مندی کی بدولت ۱۳۸ھ ہجری میں اسپین میں ایک ایسی خود مختار اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی جو سیکڑوں سال تک یورپ پر حکمرانی کرتی رہی ہے چنانچہ ذیل میں اسی حوصلہ مند حکمراں کی زندگی کے چند اہم واقعات درج کئے جارہے ہیں۔

اموی خلافت کا تختہ الٹ چکا تھا۔ اب خلافت اسلامیہ پر عباسی قابض تھے اور انقلاب سلطنت کا مارا ہوا یہ شہزادہ عبدالرحمٰن بن معاویہ" بالکل تباہ اور برباد ہو چکا تھا۔ نہ اس کے بدن پر کپڑا تھا اور نہ پیٹ بھرنے کے لئے روٹی۔ اس کے قتل کے احکامات عباسی حکومت کی جانب سے جاری ہو چکے تھے۔ وہ جا بجا اپنا منہ چھپاتا پھر رہا تھا۔ یہ اس عظیم الشان اموی سلطنت کا چشم و چراغ تھا جو تقریباً ایک سو سال تک دنیا کے نصف حصہ پر حکمرانی کرتی رہی تھی۔ لیکن جب ۱۳۲ھ ہجری میں عباسیوں نے اموی خلافت کا تختہ الٹا اور خود حکمراں بن گئے تو بڑی بے دردی کے ساتھ اموی خاندان کے افراد کا قتل عام شروع ہوا۔ اسی قتل اور خونریزی سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے عبدالرحمٰن بن معاویہ پا پیادہ جنگل اور بیابانوں کو عبور کرتا ہوا پہلے فلسطین پہنچا۔ پھر مصر کے راستہ افریقہ میں داخل ہو گیا۔

عباسیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ اموی شہزادہ افریقہ پہنچ چکا ہے۔ تو اس کی تلاش افریقہ میں شروع ہوئی لیکن سخت تلاش اور جستجو کے باوجود اس کا پتہ عباسی گورنر کو نہ مل سکا۔ اور ملتا بھی کس طرح کیوں کہ خدا کو یہ منظور تھا کہ یہ شہزادہ افریقہ سے اسپین جائے اور وہاں جاکر ایک ایسی خود مختار اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھے جو صدیوں تک یورپ پر فرمانروائی کرتی رہے۔

جس زمانہ میں کہ عبدالرحمٰن بن معاویہ افریقہ میں معلوک الحال تھا یہ وہی زمانہ تھا جبکہ اسپین میں بری طرح بد نظمی پھیلی ہوئی تھی۔ پورے اسپین میں اموی سرداروں اور عباسی امراء میں خانہ جنگی ہو رہی تھی۔ اموی سردار یہ چاہتے تھے کہ ان کا پرانا اقتدار بدستور اسپین پر قائم رہے اور ہر عباسی امراء کا یہ کہنا تھا کہ جب مرکز ہی سے اموی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا ہے تو پھر اسپین پر امویوں کا اقتدار کیوں کر قائم رہ سکتا ہے۔ چنانچہ اب وہاں اموی سرداروں کے اقتدار کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش جاری تھی۔ اور اس کوشش میں خلافت عباسیہ کا نامزد گورنر یوسف بڑی ہی سختی گرمجوشی سے کام لے رہا تھا۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ کو اسپین کی اس خانہ جنگی کی اطلاعیں برابر افریقہ میں مل رہی تھیں۔ عبدالرحمٰن بڑا ہی ہوشیار اور حوصلہ مند نوجوان تھا۔ اس نے سوچا کہ اسپین کی سلطنت پر قبضہ جمانے کا یہ بہترین موقع ہے کیونکہ اس وقت اسپین کے اموی سرداروں کو اپنے اقتدار کے قیام کے لئے سابق شاہی خاندان کے ایک فرد کی شدید ضرورت ہے۔ لہٰذا اس نے اپنا ایک نمائندہ اسپین روانہ کر دیا اور اس نمائندہ نے اسپین کے تمام اموی سرداروں کو ہموار کرکے یہ طے کر لیا کہ شہزادہ عبدالرحمٰن فوراً اسپین پہنچ جائے اور وہاں کی سلطنت پر قبضہ جمالے۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ ایک ایسا مفلوک الحال شہزادہ تھا جس کے پاس فوج اور سامان حرب کا ہونا تو درکنار۔ کھانے تک کے لئے بھی کچھ نہیں تھا۔ ان دنوں وہ افریقہ کے بعض بربری قبائل کے رحم و کرم پر گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں اس کا اسپین کی عظیم الشان سلطنت پر قبضہ جمانے کے لئے پہنچ جانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن جب اسپین کے

اموی سرداروں نے اُسے اسپین بلانے کے لئے ایک وفد بھیجا اور وفد کے ذریعہ فوجی امداد کا یقین دلایا تو امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ اللہ کے بھروسہ پر اسی جہاز میں جس میں کہ اسپین کا وفد آیا تھا سوار ہو کر افریقہ سے اسپین کے لئے روانہ ہو گیا۔ دنیا کی تاریخ کا یہ عجیب و غریب واقعہ ہے کہ کوئی شخص کبھی اس طرح تن تنہا اور بے سر و سامان ایک پورے ملک کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوا ہو لیکن اللہ نے عبدالرحمٰن بن معاویہ کو بڑا حوصلہ دیا تھا۔ چنانچہ اسی حوصلہ مندی کی بنا پر اُس نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا اور یہ طے کر لیا کہ یا تو وہ اسپین میں نئے سرے سے اپنے باپ دادا کی سلطنت پر قبضہ جمائے گا یا پھر اپنی جان قربان کر دے گا۔

جب عبدالرحمٰن بن معاویہ افریقہ سے اسپین روانہ ہوا ہے تو اُس زمانہ میں اسپین کے عباسی گورنر یوسف کے خلاف پورے اسپین میں بری طرح ناگواری پھیلی ہوئی تھی۔ ملک میں جا بجا بغاوتیں برپا تھیں جنھیں دبانے کے لئے گورنر یوسف دوڑا دوڑا پھر رہا تھا۔ اور ان دنوں گورنر یوسف اسپین کے دارالسلطنت قرطبہ سے بہت دور ایک مقام پر بغاوت کو فرد کرنے کے لئے جنگ میں مصروف تھا کہ اُسی زمانہ میں عبدالرحمٰن بن معاویہ کا جہاز اسپین کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ اموی شہزادہ کے اسپین کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی گورنر یوسف کے مخالفین اور اسپین کے تمام اموی سرداروں نے نہ صرف اُس کا بڑا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا بلکہ سب نے مل کر گورنر یوسف کے مقابلہ کے لئے عبدالرحمٰن بن معاویہ کے جھنڈے کے نیچے ایک بہت بڑا لشکر بھی فراہم کر دیا۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ نے جب دیکھا کہ اُسے اسپین کے سرداروں اور عام باشندوں کی پوری حمایت حاصل ہے اور ایک بڑا لشکر بھی اُس کے پاس جمع ہو گیا ہے تو اُس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر عباسی گورنر یوسف کے خلاف فوج کشی شروع کر دی۔ اور گورنر یوسف چونکہ دارالسلطنت سے بہت دور ایک بغاوت کے فرد کرنے میں مصروف تھا اس لئے عبدالرحمٰن بن معاویہ کے لئے میدان بالکل خالی تھا۔ عبدالرحمٰن نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دارالسلطنت قرطبہ پر یورش شروع کر دی۔ قرطبہ میں گورنر یوسف کی موجودگی بھی نہیں کیوں کہ وہ گورنر سے خوش نہیں تھی اس لئے اُس نے لڑے بغیر اطاعت قبول کر لی اور اس طرح کسی خونریزی کے بغیر امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ کا اسپین کے دارالسلطنت قرطبہ پر قبضہ ہو گیا۔

عباسی گورنر یوسف کو جب اس تازہ انقلاب کا علم ہوا تو وہ بھی ایک عظیم الشان لشکر کو لئے ہوئے قرطبہ کی جانب دوڑا تاکہ دارالسلطنت سے عبدالرحمٰن بن معاویہ کو نکال دے۔ لیکن عباسی گورنر کے لئے دشواری یہ پیدا ہو گئی کہ خود اُس کی فوج کا ایک بڑا حصہ ٹوٹ کر عبدالرحمٰن کے لشکر سے جا ملا۔ اور گورنر کو شکست ہو گئی اور اس طرح عبدالرحمٰن بن معاویہ جو تن تنہا اسپین آیا تھا اور جس کے پاس ایک سپاہی بھی نہ تھا محض اللہ کے بھروسہ پر اور اپنی غیر معمولی جرأت کی بنا پر اسپین کا بادشاہ بن گیا۔

خلیفہ منصور عباسی کے لئے یہ چیز بے حد تکلیف دہ تھی کہ جس خاندان بنی امیہ سے انھوں نے خلافت چھینی تھی اُسی خاندان کے ایک حوصلہ مند شہزادے نے اسپین پہنچ کر نئے سرے سے بنی امیہ کی خلافت قائم کر لی تھی۔ اور اسپین جیسے زرخیز اور خوبصورت ملک کو عباسیوں کے قبضہ سے نکال لیا تھا۔ لہٰذا منصور عباسی نے افریقہ سے تازہ دم فوج بھیج کر اِس بات کی انتہائی کوشش کی کہ عبدالرحمٰن بن معاویہ کے اقتدار کو ختم کر دیا جائے یہاں تک کہ عباسی فوج کے سرداروں نے اسپین کے بیشتر علاقہ پر دوبارہ قبضہ بھی کر لیا۔ لیکن خدا نے عبدالرحمٰن بن معاویہ کو کچھ ایسا حوصلہ عطا کیا تھا کہ وہ عباسیوں کے پے در پے حملوں اور پیش قدمیوں سے ذرا بھی نہ گھبرایا اور اُس نے مختصر سے عرصے میں عباسیوں کو شکست فاش دے کر اسپین میں ایک ایسی عظیم الشان اسلامی سلطنت قائم کر دی جو تقریباً آٹھ سو سال تک یورپ پر شہنشاہی کرتی رہی۔

امیر عبدالرحمٰن کی زندگی کا بڑا حصہ اگرچہ جنگ و پیکار میں گزرا ہے لیکن اِس کے باوجود اُس نے اپنے دور میں اسپین کو خوب ترقی دی۔ علوم و فنون کی روشنی سے پورے اسپین کو جگمگا دیا۔ مدارس کا جال پورے اسپین میں پھیلا دیا۔ ان مدارس میں مسلمانوں کی طرح غیر مسلم بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اور بلا شبہ سچ تو یہ ہے کہ اسپین کے مدارس ہی کے ذریعہ علم کی روشنی پورے یورپ میں پھیلی۔ امیر عبدالرحمٰن کو جدید تعمیرات کا بھی بے حد شوق تھا۔ چنانچہ اُس نے شہر قرطبہ اور اسپین کے دوسرے شہروں کو نئی نئی عمارتوں کے ذریعہ دلہن بنا دیا۔ ہر شہر اور قصبہ میں بڑی ہی خوشنما مسجدیں تعمیر کیں۔ اور مسجد قرطبہ کی تعمیر تو اُس کے دور کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جسے کسی حالت میں بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مسجد اپنی وسعت اور فن کاری کے اعتبار سے دنیا کی عظیم الشان عمارتوں میں شمار کی جاتی ہے۔ امیر عبدالرحمٰن تعمیرات کے معاملہ میں اسپین کا شاہجہاں تھا۔ اور فتوحات کے اعتبار سے اس کا درجہ سکندر اور چنگیز سے کہیں زیادہ بلند تھا کیونکہ وہ ایک (باقی صفحہ ۲۹ پر)

تاریخ ہند



اسلام نے ہندوستان کو کیا دیا

ہندوستانی تہذیب و تمدن پر اسلامی اثرات

(از ڈاکٹر سید محمود - پی - ایچ ڈی)

مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد یہاں کی تہذیب و تمدن پر اسلام کے جو گہرے اثرات پڑے ہیں ذیل کے فاضلانہ مقالہ میں ڈاکٹر سید محمود نے اُن پر بڑی خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

ہندوستان میں مسلم عہد حکومت کی جو بے شمار خصوصیات ہیں اُن میں سے کوئی بھی اس قدر اہم اور دلچسپ نہیں - جس قدر کہ اُن کا وہ سلوک ہے جو اُنھوں نے غیر مسلموں کے ساتھ برتا - اس کے علاوہ مسلم حکمرانوں نے ہندوستان کو اپنا وطن سمجھتے ہوئے اُسے تہذیب و تمدن سے مالا مال کرنے کی جو کوششیں کی ہیں - وہ بےحد قابل تعریف ہیں۔

اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلم دور حکومت میں ہندوستانیوں کے اخلاق پر مسلمانوں کا گہرا اثر پڑا ہے - چنانچہ مسلم دور حکومت میں ہندوستان سے شراب خوری - جوا - اور خودکشی بالکل اُٹھ گئی - البیرونی قدیم ہندوستان کی معاشرتی حالت اور یہاں کے رسم و رواج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"جس طرح اسلام نے عرب قوم سے تمام بُری عادتیں چھڑا دیں - اسی طرح ہندوستان میں جہاں بھی مسلم اقتدار کا اثر پہنچا - یہ چیزیں ختم ہو گئیں۔"

مسلم حکومت نے ہندوستان کے اخلاق - سیاسیات اور دوسرے خیالات کو بہت زیادہ جامع اور عملی شکل دے دی - یہ ایک بہت بڑی خدمت تھی - جو مسلم حکومت نے اس مُلک کی انجام دی اور اسے جدید دُنیا سے رابطہ پیدا کرنے کے قابل بنا دیا تھی، بیواؤں کو بن بیاہے رکھنا اور بچّوں کی شادی اور دوسرے سوشل جرائم ہندوستان میں کثرت سے رائج تھے - جنھیں لوگوں سے ترک کرانا کوئی آسان کام نہ تھا - حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی رسموں نے ہندوستان کے کروڑوں عوام کی زندگی تباہ کر رکھی تھی اور انھیں پست کر دیا ا - یہ ٹھیک ہے کہ مسلمانوں نے اِن سماجی گندگیوں کو بعض اوقات قوت سے بھی مٹایا - لیکن عام طور پر اخلاقی دباؤ ہی سے کام لیا -

ہندوستانیوں کے دل و دماغ پر ذات پات کا اثر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ اس خیال کو جڑ اور بُنیاد سے اکھاڑ دینا تو قطعاً ناممکن تھا پھر بھی مسلمانوں کے عہد میں اس کی سختی بہت کم ہو گئی مسلم فقہ کی آمد نے ہندوؤں کے ذاتوں کے سسٹم کو آگے بڑھنے سے روک دیا - ہندوؤں کے وقت میں جتنے قوانین بھی تھے وہ ذات پات کے سسٹم پر مبنی تھے یعنی اونچی ذات والوں کے لئے کچھ اور کم ذات والوں کے لئے کچھ اور لیکن مسلمانوں کے دور میں سب کے لئے ایک ہی قانون تھا - اس طرح ہندو "ذات پات" کے قوانین سے نکل کر شاہی قوانین کے تحت آگئے - ہندوستان کے لباس، غذا اور طور طریقوں میں ہم اس وقت جو ترقی پاتے ہیں یہ مسلم حکومت ہی کی ودیعت ہے

عمرانیات کا ایک ماہر بغیر کسی تذبذب کے یہ تسلیم کرے گا کہ کسی حکومت کی خوبی کی سب سے بڑی جانچ یہ ہے کہ وہ اپنے باشندوں کے لئے خوشگوار منازل اور ترقی کے مواقع بہم پہنچائے - اُن کی خوشحالی اور کلچر کو آگے بڑھائے اور اس جانچ میں مسلمانوں کی حکومت پوری اُترتی ہے۔

ممکن ہے کہ اس میں کچھ خامیاں بھی رہی ہوں اور بعض غلطیاں بھی ہوئی ہوں لیکن یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ ہندوستان میں مسلم حکومت تہذیب و تمدن پھیلانے کا ایک آلہ تھی - یہ ایک ایسی حکومت تھی - جس کے پاس ایک ہم آہنگ سماجی اور سیاسی سسٹم تھا جو نہایت حیرت انگیز طور پر کامیاب ثابت ہوا -

اسلام جہاں بھی کہیں گیا اس نے اُن قوموں کے ساتھ جن پر [illegible]

فتح کی، نہایت رواداراںہ سلوک کیا۔ یونان کا فلسفی مورخ فنلے (FINLAY) کہتا ہے "مسلمانوں کے سوا کوئی دوسری قوم غیروں کی آزادی کا نام بھی نہ جانتی تھی، یہاں یہ چیز صاف کر دینا بہتر ہوگا کہ بعد کے چند مسلم فرمانرواؤں کے اعمال جو کچھ بھی رہے ہوں۔ مگر اسلام میں (اپنے مذہبی اور سیاسی فریق کے خلاف) سوائے رواداری کے کچھ بھی نہیں۔ اس سلسلے میں اسلام کے جو احکامات ہیں، اُن کا ذکر یہاں بیجا نہ ہوگا۔ اسلامی حکومت کے تحت ذمیوں کی پوزیشن اور اُن کے ساتھ سلوک پر بڑے بڑے نامی گرامی علماء اور فضلاء کی لکھی ہوئی متعدد کتابیں موجود ہیں۔ رسول اللہ کے داماد اور چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کا قول ہے۔ "ذمیوں کا خون بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ مسلمانوں کا خون"۔ مدینہ میں داخلہ کے بعد رسول اللہ نے یہودیوں کو جو فرمان عطا کیا اور پھر عرب میں اسلام کے استحکام کے بعد نجران کے عیسائیوں کو جو پیغامات بھیجے وہ بعد کی صدیوں کے مسلم فرمانرواؤں کے لئے غیر مسلموں سے تعلقات کے معاملہ میں مشعلِ ہدایت کا کام دیتے رہے ہیں۔ اگر کسی مسلمان بادشاہ نے کہیں ان احکامات کی اسپرٹ کی خلاف ورزی کی ہے تو اُس کے لئے وہ خود جواب دہ ہے"۔

اُن خاص سیاسی "ضرورتوں" سے قطع نظر جنہیں مذہب کا نام دیا گیا دنیا میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب نہیں جو دوسرے مذاہب کے ساتھ اس قدر روادار رہا ہو۔ بعض مسلم حکمرانوں کی مخصوص افتادِ طبیعت یا کسی سیاسی ضرورت نے ممکن ہے کہیں اُنہیں مذہبی عدم رواداری پر مجبور کر دیا ہو۔ لیکن اسلامی اسٹیٹ نے ہمیشہ دوسرے مذاہب کے ساتھ مکمل رواداری برتی ہے۔ وہاں رہنے و الے دوسرے مذاہب کے ماننے والے بھی عزت سے اپنے طریقے پر اپنے خدا اور اپنے دیوتاؤں کی پوجا کر سکتے تھے۔ اُنہیں اپنے مذہبی رسوم بجالانے میں کبھی چھیڑا نہ گیا۔ اسٹیٹ اُن کے حقوق کی محافظ تھی۔ انہیں فوجی خدمت کے عوض ایک خاص ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا غیر مسلم کو یہ اختیار رہتا کہ وہ اپنا ٹیکس ادا کرے فوجی خدمت سے چھٹکارا پالے۔ گویا اُس وقت کی اسٹیٹ کی یہ بڑی غلطی تھی کہ اُس نے ملک کے نظم و نسق کے لئے کسی شکل میں ٹیکس عائد کیا۔

فاروقِ اعظمؓ نے کسی مسلمان کو کسی ذمی کی جائداد پر قبضہ کرنے یا اُسے خریدنے کی کبھی اجازت نہیں دی۔ خود خلیفہ یا سلطان بھی کسی ذمی کو اس کی جائیداد سے بے دخل نہیں کر سکتا تھا۔ اور مسلمانوں کے مقدمات کے لئے خاص طور پر جیوری نہیں بیٹھتی تھی۔ جیسا کہ ہندوستان میں یورپینوں کے لئے بٹھائے جاتے تھے۔ ہندوستان میں جس طرح برطانوی دورِ حکومت میں یورپینوں کے ساتھ خاص سلوک کیا جاتا تھا اس طرح کا سلوک مسلمانوں کے عہد میں کسی مسلمان کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح جرموں کی سزا میں بھی مسلمان اور غیر مسلم میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ اگر ایک مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تو اُس کو وہی سزا دی جاتی تھی جو ایک ذمی کو کسی مسلمان کے قتل کرنے پر۔ اسلامی تاریخ میں اس قسم کی مثالوں کی کمی نہیں ہے۔

مسلمان فرمانروا اپنی غیر مسلم رعایا کے حقوق کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ بغداد کے عباسی خلفاء اور قرطبہ کے بنی اُمیہ خلفاء نے غیر مسلموں کی محافظت اور اُن کے حقوق کی نگرانی کے لئے ایک علیحدہ محکمہ کھول رکھا تھا۔ ذمے دار عہدہ داروں کی تقرری میں کبھی مسلم غیر مسلم کا سوال نہ آتا تھا۔ اسٹیٹ کا کوئی محکمہ، محکمۂ اُمورِ مذہبی کے سوا ایسا نہ تھا۔ جس میں بڑے بڑے عہدوں پر غیر مسلم نہ ہوں۔ عبدالملک بن مروان کا معتمدِ خاص ایک عیسائی تھا۔ یہ عہدہ وزیر اعظم کے بعد سمجھا جاتا تھا اُس کا وزیر مال بھی ایک پارسی تھا اور کئی صوبوں میں عیسائی گورنر تھے۔ اسد الدولہ کا وزیر اعظم ایک عیسائی تھا۔ غرضکہ اس طرح کی بہتیری مثالیں موجود ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ جو رواداری برتی، اُس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یورپ خود اس معاملہ میں دعویٰ نہیں لے سکتا صرف دو صدی پہلے یورپ میں مذہبی رواداری کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس وقت بھی یورپ میں جو رواداری ہے وہ یورپ کی لامذہبیت کا نتیجہ ہے۔ یورپ خود مذہب کی پروا نہیں کرتا، اس لئے وہ دوسروں کے مذہبی معاملے میں بھی روادار ہے۔ لیکن اس وقت بھی نسل اور رنگ کے معاملے میں اُس کے خیالات وہی ہیں۔ جو دو سو سال قبل تھے۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں حضرت خالد بن ولید نے حیرا فتح کیا۔ انھوں نے عیسائیوں سے ایک صلح کی جس کے شرائط یہ ہے۔

"ان کے (عیسائیوں کے) گرجے بدستور قائم رہیں گے اور
اُن کے مذہبی رسُوم کی ادائیگی میں کسی طرح کی مداخلت نہ کی جائے
گی۔ وہ جس وقت چاہیں اپنے گرجوں کا گھنٹہ بجا سکتے ہیں۔ اور اگر
اُن کی مرضی ہو تو عید کے دن بھی صلیب کا جلوس نکال سکتے ہیں"

اسی طرح عنات میں بھی حضرت خالد بن ولید نے عیسائیوں سے انہیں شرائط پر صلح کی۔ رسول اللہ کے صحابہ کی پوری جماعت نے جو اُس وقت موجود تھی۔ ان شرائط سے اتفاق کیا اور یہی شرائط آگے چل کر اسلامی قانون میں شامل ہو گئیں۔ خلیفہ مامون عباسی ہارون الرشید کے عہد میں مصر کے حکام نے چند گرجوں کو منہدم کر دیا تھا۔ جب ہارون الرشید (باقی صفحہ ۱۳۰)

اسلام اور غیر مسلم



غیر مسلم بھی اسلام کی خوبیوں کے معترف

اسلام کے بارے میں مغربی مفکرین کے احساسات

(از شوکت علی فہمی)

اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اُس کے مداح صرف مسلمان ہی نہیں ہیں بلکہ وہ غیر مسلم بھی اس کی خوبیوں کے معترف ہیں جن کا کہ اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں بعض ممتاز امریکن اور یوروپین مفکرین کے اسلام کے بارے میں احساسات درج کر رہے ہیں۔

اسلام اور مسیحیت میں سیکڑوں برس سے جو معرکہ کارزار گرم ہے اُس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ عیسائیوں کو فطری طور پر اسلام کے ساتھ ایک قسم کا عناد پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن اس عناد کے باوجود بھی دنیا کے بڑے بڑے مسیحی مفکرین اسلام کی خوبیوں کے معترف ہیں مثلاً امریکہ کا نامور مفکر ڈریپر اسلام کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"اسلام کا یہ کارنامہ کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ اُس نے دنیا سے بت پرستی کو مٹا کر خدا پرستی کا نعرہ بلند کیا۔ اور اُس نے بے حقیقت چیزوں کی پرستش سے نجات دلائی اور اُس نے انسان کو اُس پستی سے نکالا جس میں کہ وہ ہزاروں برس سے پڑا تھا۔ اسلام نے دنیا کو صرف توحید پرستی کی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ دنیا کے سامنے بہترین دستور سیاست اور آئین معاشرت پیش کیا کوئی مذہب بھی دنیا کی تاریخ میں اتنی جلدی اور اس قدر وسعت کے ساتھ نہیں پھیلا جتنا کہ اسلام۔ یہ کوہ الثائی سے لے کر بحر اٹلانٹک تک اور ایشیا کے مرکز سے ابھر کر افریقہ کے کنارے اور یورپ تک جا پہنچا۔"

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام جس وقت دنیا میں جلوہ گر ہوا ہے دنیا کی بیشتر آبادی بت پرستی کی لعنت میں مبتلا تھی۔ دیگر مذاہب کا تو ذکر ہی کیا ہے خود دین مسیح جو ایک کتابی مذہب ہے اُس کے معابد میں بھی مقدس کنواری کے بت رکھے ہوئے تھے۔ اور دین مسیح نے مسخ ہونے کے بعد بت پرستی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ لیکن اسلام نے دنیا میں آتے ہی اِس بت پرستی کا خاتمہ کر دیا۔ اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں توحید کا نعرہ بلند کر دیا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی دنیا والوں کو بہترین دستور سیاست اور آئین معاشرت بھی عطا کر دیا اسلام کے ان ہی محاسن کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ مختصر سی مدت میں دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا۔ اسی طرح ابراہام رئیس جو بہت بڑا یوروپین مفکر ہے اسلام کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"یورپ نے اسلام سے بہت کچھ سیکھا ہے طلوع اسلام کے وقت پورا یورپ توہمات فاسدہ میں مبتلا تھا۔ اسلامی تعلیمات نے سوتی ہوئی دنیا کو بیدار کر دیا اور عقل و دانش کی ایسی باتیں بتائیں جن سے کہ یورپ کو بہت فائدہ پہنچا۔ اسلام ہی دنیا کا وہ پہلا مذہب ہے جس نے کہ سرمایہ داری پر ضرب لگا کر مزدوروں اور غریبوں کی دادرسی کی۔"

طلوع اسلام سے قبل بلاشبہ یورپ بری طرح توہمات فاسدہ میں مبتلا تھا۔ یورپ کی حالت یہ تھی کہ اس سرزمین کے بڑے بڑے علما قوس قزح کو خدا کی انتقام لینے والی کمان یقین کرتے تھے۔ ایک عیسائی نے جب اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ یہ خدا کی انتقام لینے والی کمان نہیں ہے بلکہ پانی کے قطرات پر آفتاب کی روشنی پڑنے سے یہ نمایاں ہو جاتی ہے تو اُسے قید کر دیا گیا اور جب وہ قیدخانہ میں مر گیا تو دفن کے جانے کے بعد کلیسا کے حکم کے مطابق اس کی لاش کو قبر سے نکال کر جلا دیا گیا۔ کیونکہ خدا کی کمان کا منکر ہو سکتا ہے

اُسے کافر قرار دیدیا گیا تھا۔

اسی طرح انگلستان میں یہ عجیب غریب قانون جاری تھا کہ جس عورت پر کوئی شخص جادوگرنی ہونے کا الزام لگائے اُسے امتحان کی غرض سے سمندر میں پھینک دیا جاتا تھا۔ اگر وہ عورت سمندر میں ڈوب کر مرجاتی تھی تو ساحرہ نہ تھی اور اگر خوبی قسمت سے کسی طرح بچ جاتی تھی تو اُس کا جادوگر ہونا ثابت ہو جاتا تھا لہٰذا اُسے فوراً قتل کردیا جاتا تھا۔ یعنی جس عورت پر بھی ساحرہ ہونے کا الزام لگا یا جاتا تھا اُس کی موت یقینی تھی۔ اول تو وہ ڈوب کر مرجاتی تھی اور اگر کسی طرح بچ جاتی تھی تو قتل کردی جاتی تھی اس طرح لاکھوں بے گناہ عورتیں لقمہ اجل ہو گئیں۔

اسی قسم کے بے شمار خیالات فاسدہ یورپ میں پھیلے ہوئے تھے جو طلوع اسلام کے بعد خود بخود معدوم ہو گئے۔ اِس کے علاوہ۔ سرمایہ داری کی لعنت یورپ میں عام تھی۔ سرمایہ داروں کے ہاتھوں مزدوروں اور غریبوں کا بڑی بیدردی سے خون چوسا جا رہا تھا۔ اور حالت یہ تھی کہ ایک سرمایہ دار اگر غریب عورتوں کی بالجبر عصمت دری کرتا تھا تو اُس سے کسی قسم کی باز پرس قانوناً نہیں ہو سکتی تھی۔ اسلام نے جلوہ گر ہو کر اِس جبر و ظلم کو ختم کردیا۔ ابلا بام ریس نے اوپر کے الفاظ میں ان ہی واقعات کی جانب اشارہ کیا ہے۔ مشہور "تمدن عرب" کا مصنف "ڈاکٹر گستاولی بان" اسلامی فتوحات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"عربوں کی فتوحات کا بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو مذہب کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دیتے تھے اگر عیسائی اقوام نے فاتحین اسلام کے دین کو قبول کرلیا تو محض اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے نئے مسلم حاکموں کو قدیم عیسائی حاکموں سے بہت زیادہ منصف مزاج پایا اور اُن کے مذہب کو اپنے مذہب سے بہت زیادہ سچا اور سادہ پایا۔ یہ اسلام کی جاذبیت نہیں تھی تو اور کیا تھا کہ اقوام ترک و مغل جو کافر تھے اور جنھوں نے عربوں کو مغلوب کرلیا تھا آگے چل کر یہ اُن کا ہی دین قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چین میں بھی اشاعت اسلام خوب پھیلا تھی۔ اگرچہ عربوں نے چین میں طاقت کے بل پر کبھی کسی علاقہ پر قبضہ نہیں کیا تھا۔ اسلام طاقت کے بل پر نہیں بلکہ ... کی بدولت پھیلا ہے"

[illegible] کہ فاتحین اسلام نے کبھی مفتوحین پر اپنا مذہب ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسلام نے جبراً و اکراہ سے کسی کو اپنے مذہب میں لانا ممنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ جب شام میں مسلمانوں نے عظیم الشان فتوحات حاصل کیں تو اُنھوں نے کسی ایک عیسائی کو بھی بالجبر مسلمان نہیں بنایا۔ یہی عراق میں ہوا اور یہی ایران میں۔ اور ہندوستان میں محمد بن قاسم نے جب فاتح کی حیثیت سے قدم رکھا تو اُس نے عام مذہبی آزادی کا اعلان کردیا اور صوبہ سندھ کی حکومت ہندو پنڈتوں کے سپرد کردی۔ ڈاکٹر گستاولی بان نے مندرجہ بالا الفاظ میں فاتحین اسلام کی اسی رواداری پر روشنی ڈالی ہے۔ عیسائیوں کا مشہور مذہبی رہنما ریورنڈ ڈبلو اسٹیفن اسلام کے محاسن بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"پیغمبر محمد (صلعم) نے بت پرستی کی بجائے توحید پرستی کا عقیدہ رائج کیا۔ آپ نے لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کیا۔ اُن کی تمدنی حالت کو سدھارا اور ایک سنجیدہ اور معقول طریق عبادت جاری کیا بہت سے معبودوں اور بہت سے خداوندوں کے باطل عقیدوں کی جگہ آپ نے ایک قادر مطلق مگر رحمٰن و رحیم خدا کا معقول عقیدہ قائم کیا بہت سی قابل نفرت اور وحشت انگیز رسمیں جو اُن کے زمانہ تک رائج تھیں اُن پر آپ نے زبردست حملہ کیا۔ اوباشانہ زندگی یا بدکاری کی بجائے تعدد ازدواج کا ایک محتاط اور باضابطہ اُصول مقرر کیا۔ دختر کشی کی رسم کا پورا پورا انسداد کیا عورتوں کو برابری عطا کردی اور مذہبی بیداری اس حد تک پیدا کردی کہ خود ہی بت پرستوں نے بتوں کو اٹھا کر پھینک دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دنیا کو بہترین اور پاکیزہ معاشرہ سے روشناس کیا؟"

ریورنڈ اسٹیفن کے مندرجہ بالا الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عیسائیوں کا یہ رہنما اسلامی تعلیمات سے کس قدر متاثر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے جلوہ گر ہو کر دنیا کا طرز عبادت نظام سیاست اور طرز معاشرت سب کچھ بدل ڈالا۔ اور اسلام کے اس انقلابی مشن سے مسلمان ہی نے نہیں بلکہ غیر مسلم مفکرین بھی بے حد متاثر ہیں۔

ریورنڈ اسٹیفن ہی کی رائے ہے کہ "اسلام مذہب سے کہیں زیادہ ایک معاشرتی نظام ہے۔ جس کے ذریعہ انسان کو باعزت اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے طریقے بتائے گئے ہیں"۔ مختصر یہ کہ اسلام کی خوبیوں کے صرف مسلمان ہی معترف نہیں ہیں بلکہ غیر مسلم بھی اس مذہب کے مداح ہیں۔ اور اُس کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

اسلام نے ہندوستان کو کیا دیا

(سلسلہ صفحہ ۲۷ سے)

تخت پر بیٹھا تو اُس نے گورنر کو معطل کر دیا۔ اور اس کی جگہ دوسرا گورنر مقرر کیا نئے گورنر نے اس معاملہ میں علما سے فتویٰ طلب کیا تو علما نے بالاتفاق یہی فتویٰ دیا کہ منہدم شدہ گرجوں کو حکومت کے صرفہ سے دوبارہ تعمیر کرا دینا چاہئے چنانچہ تمام مسمار شدہ گرجوں کی مرمت اور تعمیر اسٹیٹ کے خرچ سے ہوئی۔

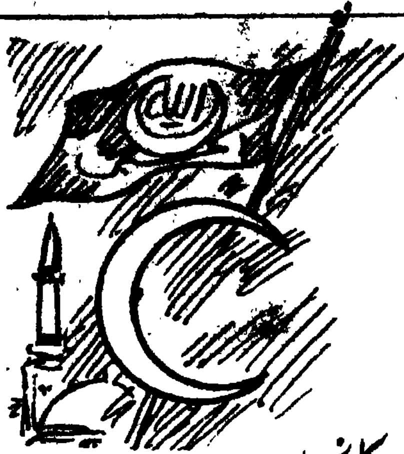
مختصر یہ کہ اسلام جہاں بھی پہنچا اُس نے وہاں کے باشندوں کو اپنے دامن میں پناہ دی۔ جن ممالک میں بھی مسلمان گئے۔ اُن کو تہذیب و تمدن سے مالا مال کر دیا۔ اور یہی سب کچھ مسلم دورِ حکومت میں ہندوستان میں ہوتا رہا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ گواہ ہے کہ یہاں کے آٹھ سو سالہ دورِ حکومت میں مسلم حکمرانوں نے سختی کے ساتھ اسلام کی ہدایت کے مطابق مذہبی رواداری پر عمل کیا ہے۔ اور اگر مسلمان ایسا نہ کرتے تو اتنی طویل مدت تک اقلیت میں رہنے کے باوجود اس عظیم ملک پر حکمران نہیں رہ سکتے تھے۔ کیونکہ یہاں کے غیور باشندے جلد ہی ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیتے محض اسی لئے مسلمان ہندوستان پر اتنی طویل مدت تک حکمراں رہے ہیں کیوں کہ اس ملک کے باشندوں نے ہمیشہ مسلمانوں کی حکومت کو اپنی ہی حکومت سمجھا ہے اور اُنہیں ہر قسم کی وہ سہولتیں حاصل تھیں جو صرف اپنی حکومت ہی میں حاصل ہوتی ہیں۔

مفلوک الحال شہزادہ یورپ کا شہنشاہ

(سلسلہ صفحہ ۲۳ سے)

ایسا لائق سپہ سالار تھا جو تن تنہا ایک غیر ملک میں جا کر وہاں کا خود مختار حکمراں بن گیا تھا۔ اور یہ تاریخ میں شاید اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے۔

علم دوستی میں عبد الرحمٰن کا درجہ کسی طرح خلیفہ ہارون الرشید اور مامون الرشید سے کم نہ تھا چنانچہ اُس نے اسپین میں علوم و فنون کی جو شمع روشن کی تھی اُس کی روشنی صرف اسپین ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ پورے یورپ میں پھیل گئی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آج جدید سائنس اور دیگر علوم کے میدان میں جو ترقی کی ہے اُس کی بنیاد اسپین کے اسی حوصلہ مند حکمراں نے رکھی تھی۔ اُس نے تقریباً ۳۴ سال بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے۔ یہ ۱۷۲ھ ہجری میں ۵۸ یا ۵۹ سال کی عمر میں فوت ہوا تھا



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین
اور سینکڑوں شاہانِ اسلام کی فتوحات اور زندگیوں کے ولولہ انگیز حالات

مکمل تاریخ اسلام

عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی تاریخوں کے پچاس ہزار صفحات کا نچوڑ

(از مفتی شوکت علی فہمی)

یہ تاریخ نہیں ہے بلکہ سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ ایک ہزار صفحات کی یہ عظیم الشان تاریخ عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے مستند تاریخوں کے پچاس ہزار صفحات کا نچوڑ ہے۔ اس عظیم الشان تاریخ کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کس طرح ساری دنیا پر چھا گیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور شاہان اسلام نے مختصر سے عرصہ میں کافر اور مشرکین کی بڑی سے بڑی سلطنتوں کو فتح کر کے دنیا کے بیشتر حصہ پر کس طرح اسلامی حکومت قائم کر دی تھی۔

یہ عظیم الشان تاریخ چودہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کا ہر باب اپنی جگہ پر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر دور آخر تک کی تمام اسلامی حکومتوں کی یہ مکمل تاریخ چودہ ابواب میں یکجا طور پر پیش کر دی گئی ہے۔ چنانچہ اس میں حکومتِ اسلامیہ کے بانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارک اور جنگی کارنامے موجود ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمر فاروق رضؓ حضرت عثمان غنی رضؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ یعنی خلفائے راشدین کے دورِ خلافت کے مکمل حالات درج ہیں۔ اور خلفائے بنی اُمیہ اور خلفائے بنو عباس کی پوری تاریخ موجود ہے۔ اس کے علاوہ عرب، عراق ایران، شام، فلسطین، افریقہ، روم، ترکستان، اسپین اور دنیائے اسلام کی سینکڑوں حکومتوں کا تذکرہ موجود ہے یہاں تک کہ ہندوستان کے مسلم فرمانرواؤں کے بھی حالات درج ہیں

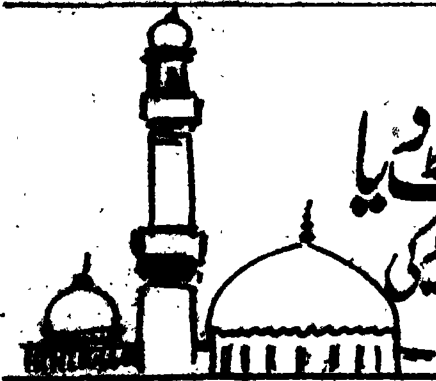
یہ تاریخ مندرجہ ذیل چودہ ابواب پر مشتمل ہے

پہلا باب :- حکومت اسلامیہ کے بانی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارک
دوسرا باب :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی سرگرمیاں اور فتوحات
تیسرا باب :- حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا عہد حکومت اور فتوحات۔
چوتھا باب :- حضرت عمر فاروق رضؓ کا دورِ حکومت اور فتوحات
پانچواں باب :- حضرت عثمان غنی رضؓ کا عہد حکومت اور فتوحات
چھٹا باب :- حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دور حکومت اور فتوحات
ساتواں باب :- امیر معاویہ اور خلفائے بنی امیہ کا عہد حکومت اور فتوحات
آٹھواں باب :- خلفائے بنو عباس کا طویل دورِ حکومت
نواں باب :- اسپین اور یورپ کی اسلامی حکومتیں
دسواں باب :- مراکش، طرابلس، الجزائر اور افریقہ کی اسلامی حکومتیں
گیارھواں باب :- مصر و شام کی اسلامی حکومتیں، غازی صلاح الدین ایوبی کی صلیبی جنگیں
بارھواں باب :- ایران، افغانستان اور ماوراء النہر کی اسلامی حکومتیں۔
تیرھواں باب :- شاہان سلجوق اور سلاطین ترکیہ کا دورِ حکومت
چودھواں باب :- ہندوستان کی خود مختار اسلامی سلطنتوں کی مختصر تاریخ

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی مکمل اور جامع تاریخ ہے جو اب تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوئی تھی۔ انداز تحریر ناول کی طرح عام فہم اور دلکش صفحات تقریباً ایک ہزار۔ کاغذ سفید۔ نہایت اعلیٰ رنگین ٹائیٹل۔ اگر نا پسند ہو تو قیمت واپس منگائیں۔ جدید ایڈیشن حال ہی میں طبع ہوا ہے۔

چودہ ابواب کی مکمل اور مجلد تاریخ مع خوشنما گرد پوش صرف سولہ روپے پچاس پیسے

دین دنیا پبلشنگ کمپنی ——— جامع مسجد ——— دہلی ۶



خود ساختہ خداوندوں کا تختہ الٹ دیا

اسلام نے انسانیت کی لاش میں نئی زندگی پیدا کی

(دین دنیا کے مفکر کے قلم سے)

اسلام جس وقت جلوہ گر ہوا ہے اُس وقت انسانیت مردہ ہو چکی تھی۔ خود ساختہ خداوند پوری دنیا کے مالک و مختار بن بیٹھے تھے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے کہ نام نہاد خداوندوں کی حکومت کا تختہ الٹا اور انسانیت کی مردہ لاش میں نئی زندگی پیدا کی۔ اسلام نے نوع انسانی کی بلا امتیاز مذہب ملت کتنی بڑی خدمت انجام دی ہے اُس کا اندازہ ذیل کے مقالہ سے ہو سکتا ہے

طلوع اسلام سے پہلے دنیا ایک ایسے دور سے بھی گزر چکی ہے جب دنیا میں نہ کوئی قانون باقی رہا تھا۔ اور نہ انصاف کے نام کی کوئی چیز تھی۔ خدا کی ذات کو یکسر سب ہی فراموش کر چکے تھے۔ چند طاقت ور گروہ اور قبائل خداوند بنے بیٹھے تھے۔ اخلاق اور انسانیت کا نام و نشان ہی باقی نہیں رہا تھا۔ اِن ہی نازک حالات میں اسلام جلوہ گر ہوا تھا اور اُس نے جلوہ گر ہونے کے بعد سب ہی نام نہاد خداوندوں کا تختہ الٹ دیا اور انسانیت جو ہزاروں برس سے مردہ لاش بن چکی تھی اُس میں نئے سرے سے روح اور زندگی پیدا کی اور اسلام کے اِس انقلابی اقدام سے صرف مسلمانوں ہی کو فائدہ نہیں پہنچا بلکہ اسلام پوری نوع انسانی کے لئے ایک رحمت ثابت ہوا ہے۔ اُس نازک دور کو اگرچہ آج دنیا بھول چکی ہے لیکن اسلام کے اِس احسان کو کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جس نے گمراہوں کو راستہ دکھایا کمزوروں کو طاقت بخشی مظلوموں کو نجات دلائی۔

ظہور اسلام کے وقت تمام دنیا میں جو بگڑا ہوا معاشرتی نظام رائج تھا اُس کی بنیاد عزوبیت اور تجرد پسندی پر رکھی ہوئی تھی۔ خدا کے متعلق بھی اگرچہ لوگوں کے کچھ نہ کچھ تصورات ضرور تھے مگر وہ بھی آلودہ اور ناقص۔ اصل بات تو یہ ہے کہ خدا کو اُس زمانے کے لوگ بالکل فراموش کر چکے تھے اور اُن کے نظریات بھی عجیب و غریب تھے۔ ایک طبقہ جو بدھ والا کہلاتا تھا تجرد کا قائل تھا اور اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے شادی بیاہ کو گناہ عظیم تصور کرتے تھے۔ عیسائی مذہب رہبانیت کا قائل تھا۔ وہ ترک دنیا کو انسانیت کی معراج سمجھتا تھا اور عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والے جو کہ اتنی محنت ریاضت کو نروان یعنی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے جس سے کہ جسم اور روح کا تعلق ہی قطع ہو جائے۔ غرضکہ زندگی کے تمام پہلو انحطاط اور زوال کی زد میں آ کر رہ گئے تھے۔

اسلام سے چند صدی پہلے ایران میں مانی نے مسیحیت اور مجوسیت کی آمیزش سے ایک نیا مذہب تیار کیا تھا۔ اِس مذہب کی رو سے دنیا میں جو بھی انسان پیدا ہوتا تھا وہ ازلی گنہگار ہوتا تھا۔ اور اُس کا نظریہ یہ تھا کہ "شادی بیاہ کا سلسلہ بالکل ختم کر دیا جائے تاکہ دنیا میں مزید گنہگار پیدا ہی نہ ہو سکیں" اور عورت اُن کی نظر میں سب سے زیادہ نفرت انگیز چیز تھی۔ اُسے شیطان کا مجسمہ قرار دیا جاتا تھا اور اس نظریہ کے تحت جو بے پناہ مظالم ایران میں عورتوں پر توڑے گئے ہیں۔ وہ ناقابل بیان ہیں۔ مانی کے مذہب میں عورت کا قتل کوئی جرم نہیں تھا بلکہ بعض حالتوں میں تو یہ کار ثواب سمجھا جاتا تھا۔

مانی کا تیار کردہ یہ مذہب دراصل اخلاق کی انتہائی پستی کا [illegible] تھا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ایسے حالات میں جبکہ انسانی ذہن اس قسم کے پست اور تباہ کن رجحانات اور تصورات کی گرفت میں آ جائے تو انسان کو زندگی کی مسرتیں کہاں حاصل ہو سکتی ہیں۔ وہ قدرت کے عطیات سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے غرضکہ طلوع اسلام سے قبل دنیا ایک ایسے [illegible] [illegible] تصورات [illegible]

اسلام کے ظہور کے وقت [illegible]

ایک سلطنت تھا [illegible] دوسری سلطنت ایران لیکن ان کی جڑیں بھی کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ ان کے حکمران فرعون اور نمرود سے بدتر تھے ان حکمرانوں کے معتقدات بھی عجیب و غریب تھے۔ اور انسانیت یا معتقدات سے انحراف کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ اور اگر کوئی جرأت کرتا تھا تو اس کا خون پوری بے دردی کے ساتھ بہا دیا جاتا تھا۔ غرضیکہ وہ تمام اخلاق جو بغیر کسی قوم کی تعمیر ہوتی ہے فنا ہو چکے تھے۔

اس پس منظر میں اسلام جلوہ گر ہوا تھا۔ دنیا پر حکمرانی کرنے کے لئے نہیں بلکہ دنیا کی بگڑی ہوئی حالت کو سدھارنے کے لئے اور غالباً اس کائنات کے پیدا کرنے والے کا منشا ہی یہ تھا کہ جب اس کے بندوں نے اس کائنات کو مسخ کر دیا تھا تو وہ ایک ایسے انقلابی مذہب کو آگے بڑھائے جو دنیا کی بگڑی ہوئی حالت کو سدھارے اور دنیا کو تمام نہاد خداوندوں کے بے پناہ استبداد اور ظلم سے نجات دلائے۔ چنانچہ اسلام آیا تو اس نے انسانیت میں نئی روح پیدا کی عقل اور علم کی صحیح قدر و قیمت سے دنیا کو آشنا کیا۔ اور انہیں حقیقی آزادی دلائی۔ اس لادینی اور بد اخلاقی کے دور میں خدا کی الوہیت کا کوئی واضح تصور باقی نہیں رہا تھا۔ اسلام نے وحدانیت کا سبق دے کر خدا کے صحیح تصور کو ابھارا انسانی مساوات۔ عدل اور احترام نفس کی تبلیغ کی۔ توہم پرستی اور جہالت کا خاتمہ کیا اور ان ہی اخلاقی قدروں کی بنیاد پر ایک ایسے معاشرت کی تعمیر شروع کی جس میں کہ دنیا اور عاقبت دونوں ہی کی فلاح مقصود تھی۔

سب سے بڑھ کر اس دنیا پر اسلام کا احسان عظیم یہ ہے کہ اس نے ان خانہ ساز خداوندوں سے مخلوق خدا کو نجات دلائی جو دونوں جہانوں کے بادشاہ اور دیوتا بنے بیٹھے تھے۔ یعنی جاگیرداروں ان خداوندوں نے اپنے محکوموں کی قوت تخیلہ کو مردہ بنا دیا تھا۔ اور ان سادہ لوحوں کے دل و دماغ پر کچھ ایسے نقش قائم کر دیے تھے کہ وہ بے جان مشین کی طرح ان کے لئے کام کرتے تھے یہ خداوند ان کو معمولی کھانا اور پھٹے پرانے کپڑے دے دیتے تھے۔ وہی ان کے پالن ہار تھے اور وہی ان کے خدا تھے۔ غرضیکہ انسان ایک جانور بن گیا تھا جس کی پیدائش کا واحد مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے دنیاوی خداوندوں کی آسائش و راحت کا سامان فراہم کرتا رہے اور ان کی خدمت کرنے کرتے ختم ہو جائے۔ [illegible] ان تمام نہاد خداوندوں [illegible] پر قفل ڈال [illegible] کی قید میں

زندگی گزار رہی تھی۔

اس نازک دور میں اسلام ایک طوفان بن کر آیا۔ اس نے توحید باری کا نعرہ بلند کیا تھا نام نہاد خداوندوں کی خدائی کا سارا طلسم توڑ دیا۔ بلکہ گوشت پوست کے بنے ہوئے ان بتوں کو بھی ڈھا دیا جو ہزاروں برس سے مخلوق خدا کو غلام بنائے ہوئے تھے۔ اسلام کے انسانی مساوات کے نعرہ نے غلاموں کو تخت شاہی پر لیجا کر بٹھا دیا۔ مگر مزدوروں کو اتنی طاقت عطا کر دی کہ انھوں نے اس زمانہ کے سب ہی فرعونوں اور نمرودوں کے تخت الٹ دیئے اسلام نے علم و عقل کے ذریعہ نوع انسانی کے اندر بیداری اور شعور پیدا کیا۔ اور وہ وسیع نظری عطا کی جس کے دامن میں دنیا کی سب ہی قوموں کو خواہ وہ مسلم تھیں یا غیر مسلم پناہ مل گئی۔

مورخین کا کہنا یہ ہے کہ اسلام کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ایک صدی سے بھی کم مدت میں آدھی سے زیادہ دنیا کو فتح کر لیا۔ لیکن اسلام کا اہم ترین کارنامہ یہ فتوحات نہیں ہیں۔ بلکہ اسلام کی سب سے بڑی فتح یہ ہے کہ اس نے نوع انسانی کے دل و دماغ میں بیداری پیدا کی۔ اس نے دنیاوی خداوندوں کے خلاف باغیانہ خیالات کو ابھارا۔ اس نے مجبوروں مقہوروں اور غلاموں کے سروں پر تاج رکھ دیا۔ اور اس نے ایک ایسی شائستہ قوم یعنی مسلم قوم کو پیدا کیا۔ جو جملہ مذاہب کا احترام کرتی ہے۔ جو پوری نوع انسانی کی ہمدرد ہے۔ جو جمہوریت کی پہلی علمبردار ہے۔ جس نے غلاموں کو آقا بنا دیا۔ عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش لاکر کھڑا کر دیا۔ اور جس نے کہ دنیا کو یہ سبق دیا کہ اس دنیا میں سب برابر ہیں۔ سب ہی ایک معبود کے بندے ہیں۔ نہ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا ہے صرف بڑائی ان کو حاصل ہے جو پاکباز اور نیک ہیں۔ مختصر یہ کہ اسلام نے دنیاوی خداوندی کی حکومت کا تختہ الٹ کر پہلی مرتبہ دنیا میں حکومت الٰہیہ کی داغ بیل ڈالی۔

کاغذ کی قیمت چارگنی بڑھ گئی ہے

کاغذ کی قیمت یوں تو پہلے ہی کافی بڑھ گئی تھی۔ لیکن ڈھائی سال کے عرصہ میں [illegible] مزید چارگنی بڑھ گئی ہے اس لئے گذارش ہے کہ مستقبل میں کسی رعایت یا کمیشن کا مطالبہ نہ کریں۔ اور اس بات کو فراموش نہ کریں کہ آئندہ کتابوں کے [illegible] طبع ہوں گے ان کی قیمت پہلے سے کہیں [illegible] ہو جائے گی [illegible] کتابیں کاغذ کی [illegible] ہو سکیں۔



نپولین کی اسلام سے گرویدگی

کیا فرانس کے اس فاتح اعظم نے اسلام قبول کر لیا تھا؟

(ہمارے مورخ کے قلم سے)

شاید بہت کم حضرات کو اس بات کا علم ہوگا کہ فرانس کے فاتح اعظم نپولین نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ چنانچہ ذیل کے مقالہ سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کی غیر معمولی کشش نے دنیا کے اس نامور فاتح کو کس طرح اسلام کا گرویدہ بنا دیا تھا

مصر پر نپولین کا حملہ اُس کی فاتحانہ اولوالعزمی اور حوصلہ مندی کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ تقریباً تمام مورخوں نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے یعنی یکم جولائی ۱۷۹۸ء کو فرانسیسی فوج نے سرزمین مصر پر قدم رکھا تھا لیکن اس کے بعد ۱۷۹۹ء میں یہ فاتح اعظم مصر سے واپسی پر مجبور ہو گیا تھا۔

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ نپولین اسلامی تعلیمات سے بے حد متاثر اور وہ بار بار اسلام کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا رہا تھا۔ چنانچہ مصر کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد نپولین نے صاف الفاظ میں اس بات کا اظہار کیا تھا کہ۔

"میں اسلام اور قرآن کا سچا حامی ہوں میں چاہتا ہوں کہ اس سچے مذہب کو زیادہ سے زیادہ فروغ حاصل ہو۔ اس کی عظمت اور شوکت برقرار رہے اور اس کے دشمن ناکام اور نامراد ہوں"

اور اس امر پر بھی سب کو اتفاق ہے کہ مصر پہنچنے کے بعد ہی نپولین کی اسلام سے گرویدگی نہیں بڑھی بلکہ اُس نے پہلے ہی سے اسلام اور قرآن کے بارے میں غیر معمولی واقفیت حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ اُس نے سینٹ ہلینا کے خود نوشت تذکرہ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام کے مسئلہ پر اُس نے مصر پہنچنے پر مصری علماء سے طول طویل گفتگو کی تھی اور یہ واقعہ بھی مسلم ہے کہ اُس کے بعض فوجی افسر مسلمان ہو گئے تھے اور اُنھوں نے مصر کے مسلم خاندانوں میں شادیاں کر لی تھیں۔ چنانچہ جنرل مینو جو مصر کا فوجی گورنر تھا مسلمان ہو گیا تھا۔ اور "عبداللہ جاک" کے نام سے مشہور تھا اور اُس نے ایک مسلمان مصری عورت سے نکاح بھی کر لیا تھا۔

نپولین کے تقریباً سب ہی سیاسی مخالفین نے اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ چنانچہ نپولین نے جب شام پر حملہ کیا تھا تو سر سڈنی اسمتھ نے جو انگریزی بیڑے کا امیر البحر تھا شام کے عیسائیوں کے نام ایک پیغام بھیجا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ۔

"شام کے عیسائیوں کو چاہئے کہ وہ انگریزی امیر البحر پر جو ایک مسیحی جانباز ہے پوری طرح بھروسہ کریں اور اُس نپولین پر ہرگز اعتماد نہ کریں جو پہلے ایک بے اصول مرتد تھا۔ اور اب اُس نے مصر کے علماء کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا ہے"

اس پیغام کی بنا پر پادریوں نے شام کے عیسائیوں کو [illegible] نپولین کے خلاف بھڑکایا اور شام میں نپولین کو شدید مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔

اسی طرح نپولین کے مشہور بحری حریف لارڈ نیلسن نے اپنے ایک خط میں اس زمانہ کی مشہور برطانوی خاتون لیڈی ہملٹن کو لکھا تھا

"اس پر متعجب نہیں ہونا چاہئے کہ نپولین مصر میں دین محمدی کا غازی بن گیا ہے۔ اور مسلمان ہو چکا ہے۔ اور اس کے اسلام قبول کرنے کی خبریں ہندوستان کے تباہ حال مسلمان امراء اور نوابوں تک پہنچ گئی ہیں اور وہ اس سے امداد کی توقعات قائم کر رہے ہیں"

لارڈ نیلسن نے اپنے خط میں جس ہندوستانی نواب کی طرف اشارہ کیا ہے وہ غالباً سلطان حیدر علی ہے جس نے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے نپولین کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔ اسی طرح جب فرانس کا مشہور ابن الوقت مصنف شیلیاڈ نپولین کے حالات پر تبصرہ

کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"نپولین نے کبھی اِس بات پر ندامت ظاہر نہیں کی کہ وہ مصر کے علما اور شیوخ کے سامنے مصر کے مملوکوں (مصری حکمرانوں) کا لباس پہن کر گیا تھا۔ اور علمائے اسلام سے کہا تھا کہ میں دینِ محمدی کو زندہ کرنے اور اسلام کے مخالفین سے جہاد کرنے کے لئے آیا ہوں"

نپولین کا مشہور انگریز سوانح نگار "ایلی سین" اپنی تصنیف میں نپولین کے کردار پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے کہ۔

"اگر نیلسن نے نپولین کا بیڑا تباہ نہ کر دیا ہوتا اور قسمت نے اُس کی یاوری کی ہوتی تو وہ یقیناً ہندوستان کے ساحل پر ہاتھ میں قرآن ڈالے ہوئے اترتا۔ اور یہ دعویٰ کر سکتا کہ میں دینِ محمدی کے دشمنوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے آگیا ہوں"

غرضکہ نپولین کے تقریباً تمام مؤرخین نے اِس بات کو تسلیم کیا ہے کہ نپولین نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن بعض مخالفین نے اُسے ابن الوقت ظاہر کرتے ہوئے اِس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اُس نے محض سیاسی غرض کے لئے اور مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے دکھاوے کے لئے اسلام قبول کر لیا تھا۔ جہاں تک دل کے حال کا تعلق ہے وہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن نپولین کے اسلام کے بارے میں خیالات اور تاثرات تو یہی ظاہر کرتے ہیں کہ اُس نے واقعی اسلام قبول کر لیا تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اِس بارے میں مسلم مؤرخ کیا کہتے ہیں۔ ان مؤرخوں میں سے زیادہ تعداد ایسے مؤرخوں کی ہے جن کے روبرو خود نپولین نے اسلام کے بارے میں اپنے احساسات کا اظہار کیا ہے چنانچہ سید اسمٰعیل منشاب لکھتے ہیں۔

"نپولین نے نہ صرف اپنے تئیں اسلام کا دوست ظاہر کیا تھا بلکہ صاف الفاظ میں اپنے مسلمان ہونے کا اعتراف بھی کیا تھا۔ وہ اسلامی لباس پہن کر علما اور مشائخ سے ملتا تھا۔ مسجد میں جاتا تھا اور نماز جمعہ میں شریک ہوتا تھا"

سید اسمٰعیل منشاب کے اِس بیان کی تصدیق اِس سے بھی ہوتی ہے کہ اُس نے اسلامی لباس میں جو تصویر کھنچوائی تھی وہ آج بھی موجود ہے۔ اور جسے [illegible] مارشل نے اپنی کتاب میں شائع کیا ہے۔ اسی طرح ایک مصری مؤرخ سید مرتضیٰ زبیدی نپولین کے حالات سپردِ قلم کرتے ہوئے لکھتا ہے

"نپولین [illegible] اسلام سے قدرتی لگاؤ تھا اُس نے اسلام کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ اور وہ اسلامی عقائد کی سچائی کا قائل بھی تھا۔ اُسے اکثر عام مسلمانوں کی طرح نماز ادا کرتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے"

ان دو مؤرخوں کے علاوہ اور بھی بہت سے مسلم مؤرخوں نے نپولین کے مسلمان ہونے کی تصدیق کی ہے چنانچہ شیخ عبداللہ شرقاوی جو نپولین کی قائم کردہ مصری کونسل کے رئیس تھے اور جنہوں نے مصر پر فرانسیسی حملہ سے لیکر اُن کی واپسی تک کے چشم دید حالات تحریر کئے ہیں۔ اُن کا بیان ہے۔

"یہ ممکن ہے کہ ابتدا میں نپولین نے کسی سیاسی مصلحت کے ماتحت اپنے آپ کو اسلام سے وابستہ کیا ہو۔ لیکن بعد میں اُس پر اسلام کے اثرات کافی تھے۔ وہ اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں اور علمائے اسلام سے تبادلہ خیالات کرنے میں ایک لطف محسوس کرتا تھا۔ اور برابر اسلامی تعلیمات سے والہانہ محبت کا اظہار کرتا رہتا تھا"

غرضکہ مسلم مؤرخوں کی اکثریت کی یہ قطعی رائے ہے کہ نپولین نے اسلام قبول کر لیا تھا نپولین نے محض سیاسی غرض کے لئے اگر اسلام قبول کیا ہوتا تو [illegible] اسلام سے اُس کی دلچسپی مصر سے جانے کے بعد ختم ہو جانی چاہیئے تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ مصر سے چلے جانے کے بعد بھی بدستور اسلام کی حقانیت کا قائل رہا چنانچہ وہ کہا کرتا تھا۔

"حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو خدا کے وجود سے روشناس کیا۔ حضرت عیسیٰ نے رومیوں کو خدا کی ہستی سے آگاہ کیا۔ لیکن محمد نے ساری دنیا کو خدا کا پیغام پہنچایا۔ موسیٰ۔ نیز عیسیٰ کے پیرو پندرہ سو سال میں بھی جتنے لوگوں کو خدا سے روشناس نہ کرا سکے مسلمانوں نے پندرہ سال میں اُن سے کہیں زیادہ لوگوں کو خدا سے روشناس کرا دیا"

خود نپولین کے بیانات سے یہ بات ثابت ہے کہ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت تھی۔ وہ حضور کی سوانح حیات کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا تھا اور حضور کی سیرت طیبہ کے مطالعہ میں ایک کیف سا محسوس کرتا تھا اور اِن تمام واقعات سے یہ بات پایۂ یقین کو پہنچ جاتی ہے کہ واقعی نپولین نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اُسے احادیث نبوی کے مطالعہ کا بے حد شوق تھا اور اس کی رائے تھی کہ "احادیث نبوی نوعِ انسان کے لئے بہترین شمع ہدایت ہے"

———•———



محمد غوری ہندو راجہ کی اولاد کا نگراں

ہندوستان کی تاریخ کے چند منتخب اور دلچسپ واقعات

(ہمارے مورخ کے قلم سے)

ذیل میں ہندوستان کی تاریخ سے چند منتخب واقعات درج کئے جا رہے ہیں۔ جو دلچسپ بھی ہیں اور جن سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس ملک میں مسلمان بادشاہوں نے کیسی رواداری اور فرض شناسی کے ساتھ حکومت کی ہے۔

محمد غوری ہندو راجہ کی اولاد کا نگراں

اجمیر اور دہلی کے راجہ پرتھوی راج اور محمد غوری میں شدید دشمنی تھی۔ سلطان شہاب الدین محمد غوری اور پرتھوی راج کی پہلی جنگ ۱۱۹۱ء میں کورکشیتر کے تاریخی میدان میں ہوئی تھی جس میں کہ نہ صرف محمد غوری کو شکست ہوئی تھی بلکہ اس جنگ میں وہ بری طرح زخمی بھی ہوا تھا۔

ایک ہی سال کے بعد ۱۱۹۲ء میں محمد غوری نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو پرتھوی راج نے محمد غوری کو شکست دینے کے لئے اپنے جھنڈے کے نیچے ہندوستان کے تقریباً تمام راجاؤں کو متحد کرلیا تھا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ محمد غوری بڑی سخت جد وجہد کے بعد پرتھوی راج کے مقابلہ پر فتحیاب ہوا تھا۔ اس جنگ میں راجہ پرتھوی راج اور اس کا بھائی کھانڈے راؤ دونوں مارے گئے تھے اور ہزاروں راجپوت سپاہی کام آگئے تھے

راجہ پرتھوی راج اور محمد غوری میں اگرچہ دیرینہ دشمنی تھی لیکن اس کے باوجود محمد غوری کی رواداری کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اجمیر کی فتح کے بعد جب راجہ پرتھوی راج کے بیٹے کولہ جی نے محمد غوری کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد محمد غوری سے یہ خواہش ظاہر کی کہ اُس کے خاندان کو بدستور اجمیر میں برسر اقتدار رہنے دیا جائے تو محمد غوری نے پرتھوی راج کے بیٹے کولہ جی کو اجمیر کے پورے علاقہ کا راجہ بنا دیا اور اجمیر کی حکومت اُس کے سپرد کر دی۔ محمد غوری کی رواداری صرف اسی حد تک ختم نہیں ہوگئی کہ اُس نے پرتھوی راج کے خاندان میں اجمیر کی حکومت برقرار رہنے دی بلکہ وہ پرتھوی راج کے بیٹے کولہ جی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اُس نے کہہ دیا کہ جب بھی تمہیں کوئی دشواری پیش آئے تو مجھے مدد کے لئے اطلاع دینا۔ چنانچہ کچھ مدت کے بعد پرتھوی راج کے ایک رشتہ دار راجہ بھیم راج نے جب پرتھوی راج کے بیٹے پر حملہ کرکے اجمیر کی حکومت اُس سے چھین لی تو اطلاع پاتے ہی محمد غوری فوراً اُس کی امداد کے لئے پہنچ گیا اور ۱۱۹۴ء میں بھیم راج کو شکست دیکر دوبارہ پرتھوی راج کے بیٹے کو اجمیر کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور جب تک وہ زندہ رہا برابر پرتھوی راج کی اولاد کی نگرانی ایک سرپرست کی طرح کرتا رہا۔ محمد غوری کے اس یادگار واقعہ ہی سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس قدر فرض شناس اور تعصب سے بالاتر انسان تھا۔

سلطان ناصر الدین کی غریبانہ زندگی

سلطان ناصر الدین محمود ایک ایسا درویش صفت بادشاہ ہوا ہے جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں ناپید ہے۔ اس نے تمام عمر ذاتی خرچ کے لئے ہندوستان کے خزانہ سے کبھی ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ یہ قرآن مجید کی کتابت کی اجرت کے ذریعہ غریبوں جیسی زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ نیک دل حکمران ۱۲۴۶ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا تھا اور بیس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۲۶۶ء میں دنیا کو خیرباد کہہ گیا۔

اس درویش صفت بادشاہ کے حرم میں ایک ہی بیوی تھی جو اپنے ہاتھ سے سلطان کے لئے کھانا پکاتی تھی اور گھر کا سارا کام کاج خود ہی کرتی تھی۔ ایک مرتبہ اُس نے اپنی امداد کے لئے ایک خادمہ رکھنے کی سلطان سے خواہش کی تو سلطان نے کہا ۔

"میری آمدنی اس قدر محدود ہے کہ مجھ میں خادمہ رکھنے کی استطاعت ہی نہیں رہا شاہی خزانہ وہ سب رعایا کا مال ہے۔ میں اُس میں سے ایک کوڑی بھی اپنی ذات کے لئے نہیں لے سکتا۔ اگر ایسا کروں گا تو مجھے روزِ قیامت جواب دہی کرنی پڑے گی۔"

سلطان ایک عبادت گزار اور درویش صفت بادشاہ ہوا ہے جو اپنی سب رعایا کو بلا امتیاز مذہب و ملت ایک ہی نظر سے دیکھتا تھا اور شریعت اسلامیہ نے چونکہ غیر مسلموں کی حفاظت کی سختی کے ساتھ ہدایت کی ہے اس لئے سلطان خصوصیت کے ساتھ غیر مسلموں کا خیال رکھتا تھا ۔

محمد تغلق کے بہنوئی کو سزائے قید

محمد شاہ تغلق ہندوستان کا عجیب غریب بادشاہ ہوا ہے جس میں ایسی متضاد صفات پائی جاتی ہے جو بہت کم آدمیوں میں ہوتی ہے۔ یعنی جہاں وہ انتہا درجہ کا جابر تھا وہاں نہایت ہی منصف مزاج بھی تھا۔ چنانچہ اُس کی انصاف پسندی کے بارے میں تاریخ میں ایک مشہور واقعہ درج ہے۔ بادشاہ نے اپنی بہن شہزادی فیروزہ کی شادی ایک عرب امیر سیف الدین کے ساتھ کردی تھی اور اس امیر کو کمبایت کے علاقہ میں ایک بہت بڑی جاگیر عطا کردی تھی۔

بادشاہ کی غیر معمولی عنایتوں اور مہربانیوں نے اس عرب امیر کو ضرورت سے زیادہ دلیر بنا دیا تھا۔ وہ بادشاہ کا بہنوئی ہونے کی وجہ سے کسی کو نظر میں نہیں لاتا تھا چنانچہ ایک روز اس عرب امیر نے دربانوں کے روکنے کے باوجود حرم سرا میں گھسنے کی کوشش کی۔ دربانوں نے سرچند سمجھایا کہ بغیر شاہی اجازت کے حرم سرا میں کوئی بھی داخل نہیں ہو سکتا۔ مگر امیر نہ مانا اور لڑنے مرنے کو کے لئے تیار ہوگیا۔ اور ایک دربان کو زخمی کردیا

جب یہ شکایت محمد تغلق تک پہنچی تو اُس نے اِس بات کا خیال کئے بغیر کہ امیر اُس کا بہنوئی ہے دربان کو مجروح کرنے کے جرم میں گرفتاری کا حکم دے دیا۔ امیر گرفتار کرلیا گیا اور اُسے قید خانہ میں بند کردیا گیا۔ شہزادی فیروزہ جو امیر کی بیوی اور بادشاہ کی بہن تھی محمد تغلق کے خوف سے شوہر کو قید خانہ میں کھانا اور بستر بھی نہیں بھیج سکی۔ آخر قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا قاضی نے تا ختم عدالت امیر کو قید کی سزا دیدی۔ بادشاہ نے اس سزا کو ناکافی سمجھتے ہوئے جاگیروں کی منسوخی اور جلاوطنی کا حکم دے دیا۔ مگر مشہور سیاح ابن بطوطہ کی سفارش پر جاگیر بھی بحال ہوگئی اور جلاوطنی کا حکم بھی منسوخ کردیا گیا۔ اِس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے مسلم فرمانروا انصاف کے معاملہ میں کس قدر سخت تھے کہ وہ ایک معمولی دربان کے مقابلہ میں اپنے قریب ترین رشتہ داروں کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

سلطان قطب الدین ایبک پنجرے میں قید

قطب الدین ایبک ہندوستان کا پہلا با اختیار بادشاہ ہوا ہے جس نے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے ۱۲۰۶ء میں مسلم حکومت کی بنیاد رکھی لیکن اِس بادشاہ کی بابت بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ اسے زمانۂ دراز تک جنگلی جانوروں کی طرح ایک فولادی پنجرہ میں بند رہنا پڑا تھا۔ اور اِس پنجرہ میں اُسے جانوروں کی طرح غذا پہنچائی جاتی تھی۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ہندوستان کا بادشاہ بننے سے قبل قطب الدین اپنے آقا سلطان محمد غوری کی جانب سے شاہ خراسان سے لڑنے کے لئے گیا [illegible] شہرت۔ [illegible]

اس نے اپنی شجاعت اور حوصلہ مندی سے شاہ خراسان کے چھکے چھڑا دیئے لیکن ایک دن جب قطب الدین لشکر سے علیحدہ ہوکر دور نکل گیا تو خراسان کے سپاہیوں نے اُسے چاروں طرف سے گھیر کر گرفتار کرلیا اور گرفتار ہونے کے بعد شاہ خراسان نے قطب الدین کو سزا دینے کی غرض سے ایک فولادی پنجرہ میں بند کرکے یہ پنجرہ جیلخانہ میں رکھوا دیا۔ اور اس طرح زمانہ دراز تک قطب الدین پنجرہ میں زندگی گزارتا رہا۔ کافی مدت کے بعد جب شاہ خراسان کو محمد غوری کے مقابلہ میں شکست ہوگئی تب قطب الدین کو فولادی پنجرہ کی قید سے رہائی ملی۔ اور پھر وہ ہندوستان کا بادشاہ بن گیا

سلطان قطب الدین ایبک کا دورِ حکومت اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن وہ بھی رواداری کے معاملہ میں ہندوستان کے کسی مسلمان بادشاہ سے پیچھے نہیں تھا چنانچہ قطب الدین ایبک نے جب دہلی کو دارالسلطنت بنایا تو اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ بہت سے سول اور فوجی عہدوں پر ہندوؤں کا تقرر کرکے ہندوستان میں ایک ایسی حکومت کی داغ بیل ڈالی جو ہندوستان کی جملہ اقوام اور مذہب میں یکساں طور پر مقبولیت حاصل کرسکے۔

صحابہ کرامؓ کا بلند کردار

ان بزرگوں نے دنیا کو انسانیت کا سبق پڑھایا ہے

(از شوکت علی فہمی)

صحابہ کرام اسلام کے وہ مایہ ناز بزرگ ہیں جن کے پاکیزہ اور بلند کردار کی مثال تاریخ عالم میں ناپید ہے۔ یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں جنھوں نے اپنے پاکیزہ اعمال سے دنیا کو انسانیت اور ہمدردی کا سبق دیا ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں صحابہ کرام کی قابل تقلید زندگی کے چند واقعات پیش کر رہے ہیں۔

صحابہ کرام وہ قابل فخر بزرگ ہیں جنھوں نے کہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت حاصل کی تھی۔ یہ نیکوکاری انسانیت اور شرافت کا مجسمہ تھے امیر و غریب اور شاہ و گدا ان کی نظر میں برابر تھے۔ یہ ہمیشہ مساوات انسانی کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور اگر کبھی ان سے ذرا سی بھی لغزش ہو جاتی تھی تو اُسے بے حد محسوس کرتے تھے۔

ایک دفعہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق امور خلافت میں بے حد مصروف تھے کہ اسی حالت میں ایک آدمی آیا اور اُس نے کہا کہ "اے امیر المومنین مجھ پر فلاں شخص نے ظلم کیا ہے" حضرت فاروق چونکہ خلافت کے کام میں مشغول تھے اس لئے بے وقت اُس کی مداخلت سے آپ کو ناگواری پیدا ہوئی اور آپ نے اُس کے سر پر کوڑا مار کر کہا "اُس وقت تم لوگ کہاں چلے جاتے ہو جب میں لوگوں کی شکایتیں سننے کے لئے بیٹھتا ہوں اور اب جبکہ میں مسلمانوں کے دوسرے کاموں میں مصروف ہوں تو داد رسی کے لئے آئے ہو" یہ جواب سن کر جب وہ جانے لگا تو حضرت عمر کو خیال آیا کہ بے وجہ اس شخص کے مجھے کوڑا نہیں مارنا چاہئے تھا۔

آپ نے فوراً اُسے بلایا اور اُس کے سامنے کوڑا ڈال کر کہا کہ "میں نے خوامخواہ کوڑا مار کر تمہیں تکلیف دی مجھ سے غلطی ہو گئی مجھ سے قصاص لو اور جس طرح میں نے تمہارے کوڑا مارا ہے اُسی طرح تم بھی میرے کوڑا مارو کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن اس زیادتی کے لئے جواب دہ ہوں" مگر اُس شخص نے کہا [illegible] غلطی کی [illegible] وقت [illegible] حضرت عمر [illegible] ایک [illegible] سلطنت کے حکمراں تھے لیکن آپ کی انصاف پسندی اور رواداری کا یہ عالم تھا کہ اپنی ذرا سی غلطی پر شرمسار ہو گئے۔ اور یہ چاہا کہ جس شخص پر زیادتی کی گئی ہے وہ اُن سے انتقام لے۔ صرف اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام کا کردار کس قدر بلند تھا۔

حضرت عتبہ بن فرقدؓ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ زیتون کے تیل کے ساتھ روکھی روٹی کھا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے انہیں بھی کھانے میں شامل کر لیا۔ لیکن یہ بدمزہ غذا اُن کے حلق سے نہ اتری انھوں نے پوچھا: "امیر المومنین آپ کو اچھی غذا سے رغبت نہیں؟" فرمایا "میں وہی غذا کھاتا ہوں جو آسانی سے سب مسلمانوں کو مل سکتی ہے یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ کے دوسرے بندے تو معمولی غذا کھائیں اور میرے دسترخوان پر قیمتی غذائیں چنی جائیں" یہ تھا اُس شہنشاہ کا کردار جس کی سلطنت کئی ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی اور جس کے نام سے بڑے بڑے حکمراں کانپتے تھے۔

صحابہ کرام میں فیاضی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ وہ اپنی دولت اور عیش میں غریبوں کو برابر کا شریک تصور کرتے تھے۔ اس لئے اگر اُن کے پاس زیادہ دولت جمع ہو جاتی تھی تو اُسے راہ خدا میں خیرات کر دیتے تھے۔ حضرت [illegible] نہایت دولت مند صحابی تھے لیکن اُن کی حالت یہ تھی کہ [illegible] کے پاس آتی تھی تو اُسے غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے [illegible] آپ کی [illegible] کا بیان ہے کہ [illegible]

[illegible] ایک دفعہ [illegible]

پوچھا آپ اسقدر اداس کیوں ہیں۔ کیا مجھ سے کوئی خطا سرزد ہوگئی ہے۔ بولے نہیں تم نہایت اچھی بیوی ہو تم سے مجھے کوئی شکایت نہیں اصل بات یہ ہے کہ میرے پاس ایک بہت بڑی رقم جمع ہوگئی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں یہ رقم مجھے فتنہ زر میں مبتلا کرکے خدا سے غافل نہ کردے مجھے اس بات کا فکر ہے کہ اس رقم کا کیا کروں۔ بیوی نے کہا اسے غریبوں میں تقسیم کر دیجئے۔ اسی وقت کارندوں کو بلایا اور چار لاکھ کی رقم غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔

صحابہ کرام میں عفو اور درگزر کا مادہ بھی بے حد بڑھا ہوا تھا۔ اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی بڑے رحم و مروت کا سلوک کرتے تھے اور جب کوئی دشمن اُن کے قبضہ میں آجاتا تھا تو اُس سے ہرگز انتقام نہیں لیتے تھے چنانچہ کنانہ بن ربیع مکہ کا ایک نہایت ہی سخت دل کافر تھا۔ اس نے مسلمانوں کو بے حد تکلیف پہنچائی تھیں لیکن جنگ خیبر کے موقعہ پر گرفتار ہو گیا اور اسے حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ حضرت ایوب انصاری اُس کے آرام اور آسائش کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ غافل سو رہے تھے کہ اس کافر نے اُنہیں سوتے ہوئے ہلاک کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور وہ ایک بہت بڑا پتھر اٹھا کر لایا تاکہ اُن کے سر پر اس پتھر کو مار کر اُنہیں ہلاک کردے۔ وہ پتھر اٹھا کر اُن کے سر پہ مارنا ہی چاہتا تھا کہ حضرت ایوب انصاری کی آنکھ کھل گئی۔ اور اُنھوں نے کہا کہ "کنانہ تم اب بھی اپنے ظلم و ستم سے باز نہیں آئے" اور اس واقعہ کے بعد بھی وہ بدستور اس کافر کی خاطر و مدارات کرتے رہے۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام دشمنوں کے معاملہ میں بھی کس قدر نیک دل واقع ہوئے تھے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں ایک عیسائی تاجر رہتا تھا۔ کچھ ایسے حالات رونما ہوئے کہ اُس کا کاروبار بالکل تباہ ہو گیا۔ اور قرض خواہوں نے اُسے بری طرح پریشان کرنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہ کو جب اپنے اس عیسائی پڑوسی کی پریشانی کا علم ہوا تو اُنھوں نے اس عیسائی تاجر کو اپنے پاس بلایا اور اُس سے قرضہ کی مقدار معلوم کرنے کے بعد اتنی رقم دیدی جس سے کہ وہ قرضہ بھی ادا کردے اور اپنے کاروبار کو بھی از سر نو جاری کر سکے یعنی صحابہ کرام کی فیاضی اور رحم و مروت صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی ہمیشہ ہمدردی اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔

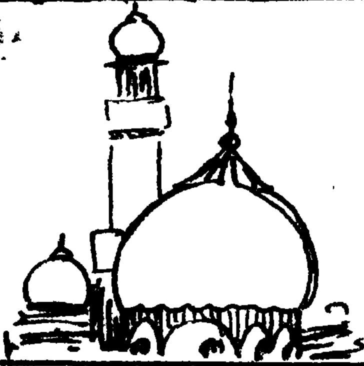
اسی طرح حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے قریب ایک اپاہج یہودی رہتا تھا اُس کے تین لڑکیاں اور چار لڑکے تھے۔ اور گذر اوقات کی کوئی صورت نہ تھی حضرت ابو ذر غفاری کو اس سے بڑی ہمدردی تھی۔ اُن کا یہ معمول تھا کہ صبح سے شام تک مزدوری کرنے کے بعد جو کچھ رقم لاتے تھے اُس میں سے نصف اپنے متعلقین کو دے دیتے تھے اور نصف اپنے غیر مسلم معذور پڑوسی کے گھر بھجوا دیتے تھے تاکہ اس غریب کے بچوں کی پرورش ہو سکے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص زمانہ دراز تک ایران کے گورنر رہ چکے تھے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُنہیں اس عہدے سے معزول کر دیا تھا معزول ہونے کے بعد وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ عموماً جنگل میں اونٹوں کو لیجاتے تھے اور اُنہیں چرایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن کے بیٹے عمر بن سعد نے کہا کہ برا اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دوسرے تو اقتدار کے لئے اپنی قسمتیں آزمائیں۔ اور آپ اونٹ چرا کر اپنی زندگی برباد کرتے رہیں۔ حالانکہ آپ کے اثرات بہت زیادہ ہیں اگر آپ چاہیں تو اپنے حامیوں کی مدد سے ملک کے ایک بڑے حصہ پر اپنی اعلیٰ جنگی صلاحیت کی بنا پر قابض ہو سکتے ہیں آپ نے جواب دیا "بیٹا مجھے افتراق انگیزی کا سبق نہ پڑھاؤ۔ اس بادشاہی سے فقیری اچھی ہے جو مسلمانوں میں خانہ جنگی برپا ہونے کے بعد حاصل ہو"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اگرچہ خدا نے سب کچھ دے رکھا تھا لیکن وہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ جب مخلوق خدا میں اکثر و بیشتر لوگ بھوکے رہیں تو ہمیں بھی پیٹ بھر کر کھانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اگر دسترخوان پر ہوتے تھے اور کسی فقیر کی صدا کانوں میں پہنچ جاتی تھی تو اُسے اپنے حصہ کا کھانا دلوا دیتے تھے اور خود بھوکے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی۔ آپ کی بیوی صفیہ نے بڑے اہتمام سے نہایت لذیذ مچھلی تیار کی۔ ابھی دسترخوان چنا ہی گیا تھا کہ ایک فقیر نے صدا لگائی۔ فرمایا فقیر کو دیدو۔ بیوی کو ملال ہوا تو دوبارہ فرمایا میرا دل اسی سے خوش ہوتا ہے۔ لیکن بیوی نے کھانے کے عوض فقیر کو نقد رقم بھجوادی اور بڑی مشکل سے آپ کو مچھلی کھلائی اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ۔

صحابہ کرام میں غربا پروری کا جذبہ کسقدر بڑھا ہوا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام نے ایثار، خلوص اور مخلوق خدا کے ساتھ محبت کا جو نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ آپ ہی اپنی مثال ہے۔ ان بزرگوں کا کردار وہ بلند کردار ہے جو قیامت تک نوع انسانی کے لئے صحیح ہدایت بنا رہے گا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن کے بلند کردار سے شریعت اسلامیہ کی تکمیل ہوئی ہے۔ اور ان ہی مقدس بزرگوں کی ذات سے دنیا میں انسانیت و شرافت کا فروغ ہوا ہے۔



اسلام کی رفتار ترقی پر دنیا حیران

اسلام کو جتنا دبایا جا رہا ہے اتنا ہی یہ ابھر رہا ہے

(از مولانا عبدالرؤف صاحب)

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جسے مٹانے کے لئے گذشتہ چودہ سو برس سے مسلسل کوشش ہو رہی ہے اور اسی فنا کرنے کے لئے برابر حملوں پر حملے کئے جا رہے ہیں لیکن اس مذہب میں کچھ اس بلا کی کشش ہے کہ یہ دن بدن بڑھتا اور پھولتا پھلتا ہی چلا جا رہا ہے۔ بے دینی کے اس دور میں اسلام کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کا کیا عالم ہے اُس کا اندازہ ذیل کے مقالہ سے ہو سکتا ہے۔

اسلام کی تبلیغ کے لئے نہ تو ہمارے ہاں عیسائیوں کی طرح مشنریاں قائم ہیں۔ اور نہ باقاعدہ مبلغین اور داعی کام کر رہے ہیں۔ اور نہ تبلیغی اسکول اور شفا خانے کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اسلام جس تیزی سے پھیل رہا ہے اُس کی مثال مذہب عالم کی تاریخ میں مفقود ہے۔ اسلام دیکھتے ہی دیکھتے پورے مشرق پر چھا گیا اور اب اسلام کی ضیا پاشیاں یورپ و امریکہ تک جا پہنچی ہیں۔ اسلام کی اس ہمہ گیری پر تبصرہ کرتے ہوئے انگلستان کا نامور پادری کارڈنل ہاروے لکھتا ہے۔

"اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کسی خاص کوشش کے بغیر اسلام جس تیزی کے ساتھ دنیا میں پھیل رہا ہے۔ وہ بے حد حیرت انگیز ہے۔ اور اسلام کی رفتار ترقی ہمیں یہ بتا رہی ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب پوری دنیا پر اسلام چھا جائے گا۔ اور دنیا کا واحد سب سے بڑا مذہب بن جائے گا۔ یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام میں غیر معمولی کشش ہے اور اسی کا یہ باعث ہے کہ اسلام دنیا کے دور دراز خطوں میں پھیلتا جا رہا ہے۔ برطانیہ میں بڑی تیزی کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ یوگوسلاویہ جہاں جنگ عظیم سے قبل برائے نام مسلمان تھے۔ اب آٹھ لاکھ سے زیادہ مسلمان وہاں آباد ہیں۔ یونان میں بھی برابر مسلمانوں کی آبادی کا اوسط بڑھ رہا ہے۔ یورپ میں مسلمانوں کی آبادی پہلی جنگ عظیم تک بہت ہی کم تھی لیکن اب ایک کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ اور یہی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اسلام میں دیگر مذاہب کے مقابلہ میں غیر معمولی کشش ہے۔"

ایک امریکن ہفت روزہ کا ایک مقالہ نگار افریقہ میں اسلام کی مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "براعظم افریقہ کو اگر ہم اسلامی براعظم کہیں تو شاید بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ افریقہ میں آدھی سے زیادہ آبادی اسلام قبول کر چکی ہے۔ اور تیس کے قریب تو افریقہ میں ایسے ممالک ہیں جن میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے جن میں سے الجزائر۔ چاڈ، سینیگال، سوڈان، صومالیہ وغیرہ تو ایسے ممالک ہیں جن میں کہ نوے فیصد تک مسلمان ہیں افریقہ میں اگر ایک شخص عیسائیت قبول کرتا ہے تو دس اشخاص دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اب رہا ایشیا تو اس پورے براعظم پر مسلمان چھائے ہوئے ہیں۔ مغربی اور وسطی ایشیا کے تو تقریباً سب ہی ممالک میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے۔ ادھر مشرق بعید میں بھی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔ صرف انڈونیشیا میں ۱۳ کروڑ کے قریب مسلمان آباد ہیں۔ ملیشیا میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ وہاں بھی ساٹھ فیصدی مسلم آبادی ہے۔ مالدیپ اگرچہ چھوٹا سا ملک ہے مگر وہاں کی سو فیصدی آبادی مسلمان ہے۔ جزیرہ فلپائن میں تقریباً ستر لاکھ مسلمان آباد ہیں لیکن جن کے بارے میں کہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہاں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے [illegible]

عام [illegible]

ہے [illegible]

ہے [illegible] ترکستان آذربائیجان [illegible]

قازقستان اِن علاقوں میں تو ۸۰ فیصد سے ۹۰ فیصد تک مسلم آبادی ہے۔

پھر یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں مسلمانوں کی آبادی بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ پیرس میں لاکھوں مسلمان آباد ہیں یہی کیفیت لندن میں ہے برلن میں بھی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔ ایسی حالت یورپ کے دوسرے بڑے شہروں کی بھی ہے نتیجہ اگر دیکھا جائے تو موجودہ انسانی آبادی کا ¼ حصہ مسلمان ہیں۔ اور اُن کی آبادی کا اوسط دن بدن بڑھ رہا ہے۔

پادری ندیمرٹ نے بھی اسلام کی روز افزوں ترقی کا اعتراف کیا ہے [illegible] عیسائی مشن کی مجلس تبلیغ نے اپنی رپورٹ میں اسلام کی ہمہ گیری پر [illegible] ہے۔ اور لکھا ہے کہ لندن، پیرس، برلن، اور متحدہ امریکہ میں روز بروز [illegible] بن رہی ہیں اور افریقہ کے ہر حصہ میں تو مسلمان روز بروز تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور وہاں اسلام کا مقابلہ کوئی مذہب بھی نہیں کر سکتا۔ کرسچین فارن مشن کی رپورٹ ظاہر ہے کہ اس وقت دنیا میں عیسائیوں سے بھی مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے۔

افریقہ سے شائع ہونے والے کرسچین گزٹ میں اُس کے ایک عیسائی مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ "ہم کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اسلام کسی تبلیغی کوشش کے بغیر نہ صرف افریقہ بلکہ ساری دنیا میں تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اور عوام کی اس مذہب کے ساتھ دلچسپی میں غیر معمولی اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ایسی حالت میں ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم اسلام کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

یہ امر واقعہ ہے کہ چودہ سو برس سے اسلام پر جس شدت سے حملے ہو رہے ہیں۔ اور جس طرح اسلام کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ اُس کا اِن حالات میں زندہ اور برقرار رہنا ایک معجزہ سے کم نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام دین حق ہے اسے جس قدر مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے وہ اور زیادہ ابھرتا ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
جتنا ہی دبائیں گے اتنا ہی یہ ابھرے گا

اسلام کی اس روز افزوں ترقی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُن حضرات سے پوچھا جا سکتا ہے جو اسلام کی عالمگیر مقبولیت کو دیکھ کر اسلام پر یہ الزام لگاتے [illegible]

ہو چکی ہے کہ گذشتہ دو تین سال میں دنیا میں جتنا فروغ اسلام کو حاصل ہوا ہے اتنا کبھی نہیں ہوا۔ ہمیں بتایا جائے کہ ان دو سو سال میں کونسی اسلامی تلوار غیر مسلم ممالک میں چلی ہے چنانچہ امریکہ، کناڈا، آسٹریلیا۔ اور یورپی ممالک میں آج جو اسلام کی مقبولیت بڑھ رہی ہے وہ آخر کونسی اسلامی شمشیر کا نتیجہ ہے پھر انڈونیشیا، ملیشیا اور فلپائن تو مشرق بعید کے وہ علاقے ہیں جن میں کہ آج تک کوئی بھی مسلم فاتح نہیں گیا۔ لیکن ان علاقوں میں اسلام کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ انڈونیشیا اور ملیشیا میں تو مسلمانوں کو غالب اکثریت حاصل ہے۔

بقول معاندین اسلام اگر اسلام کی واحد ترقی کا ذریعہ صرف تلوار تھی تو اِس زمانہ میں جبکہ صدیوں سے اسلامی تلوار میان سے نہیں نکلی ہے بلکہ مسلم ممالک اندرونی مشکلات میں مبتلا ہیں تو اسلام کی ترقی کو مسدود ہو کر رہ جانا چاہئے تھا لیکن اِس کے برخلاف ہو یہ رہا ہے کہ فاتحین اسلام کے دور کے خاتمہ کے بعد سے اسلام کی رفتار ترقی اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اور وہ دنیا کے دور دراز علاقوں اور تاریک ترین خطوں میں بھی پھیلتا چلا جا رہا ہے اور یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اسلام اپنی کچھ ایسی کشش رکھتا ہے کہ وہ کسی خاص تبلیغی کوشش کے بغیر ہی آگے بڑھ رہا ہے۔ اور دنیا میں پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ اسلام ایشیا کا تو پہلے ہی احاطہ کئے ہوئے تھا۔ اب افریقہ پر بھی مکمل طریقہ پر چھا چکا ہے۔ اور رفتہ رفتہ امریکہ، کناڈا اور یورپ میں اس کے قدم مضبوط ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

وہی تاتاری جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے جنہوں نے کہ دنیا کے اکثر حصوں سے اسلام کو مٹا کر رکھ دیا تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ یہ دشمن اسلام تاتاری نہ صرف حلقہ بگوش اسلام ہو گئے بلکہ انہوں نے خانہ کعبہ کی پاسبانی کی بھی ذمہ داری سنبھال لی۔ بالکل اسی طرح آج سے چند صدی قبل جو یورپ اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اُسی کے مفکرین آج اسلام کے بہترین مبلغ بن چکے ہیں اور انکی بدولت اسلام کے فروغ میں آسانیاں پیدا ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ یہ اسلام کا کھلا ہوا معجزہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ [illegible] اسلام کی اس رفتار ترقی کو دیکھتے ہوئے خود مفکرین یورپ کی یہ رائے [illegible] نہیں ہے جب اسلام دنیا کا واحد مذہب بن جائے گا۔ اور اسلام کے مقابلہ میں تمام دوسرے مذاہب ماند پڑ جائیں گے۔

افسانہ

حسین یادیں

جذبات میں ڈوبی ہوئی ایک کہانی

(از جناب قمر رضا نیدپوری)

مجھے لکھنؤ سے گونڈہ جانا تھا۔ میں ٹکٹ لے کر پلیٹ فارم پر کسی خالی کمپارٹمنٹ کی تلاش میں آگے بڑھ رہا تھا۔

"سنئے!" ایک مترنم آواز میرے کانوں میں رس گھول گئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا میرے پیچھے والے کمپارٹمنٹ کی کھڑکی کے پاس بیٹھی ہوئی ایک خوبصورت لڑکی کے مرمریں ہاتھ کا اشارہ میری طرف تھا۔ میں اس کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ایک موسیقی کی لہر فضا میں بکھر گئی "یہ کمپارٹمنٹ بھی خالی ہے!"

"تھینک یو!" مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے فضا نکہت و نور میں ڈوب جائے۔

"جیسے ہی آپ آئے گاڑی بھی چل پڑی!" وہ مسکرا دی جیسے گلاب کی کلی مسکرا رہی ہو!

"جی ہاں یہ میرا ہی انتظار کر رہی تھی! میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" میں نے اس کے سامنے والی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا ——

میں دل ہی دل میں خوشی سے ناچ اٹھا، مسرت سے جھوم اٹھا۔ میں نے سیٹ پر بیٹھنے کے بعد پوچھا —— آپ کہاں تشریف لے جائیں گی؟"

"گونڈہ جنکشن تک"

"یہ بھی حسن اتفاق ہے! ہماری منزل بھی ایک ہے!" میں نے جیب میں سگریٹ کا پیکٹ تلاش کرتے ہوئے کہا۔

"تو کیا آپ بھی گونڈہ جنکشن تک جائیں گے؟" میں نے دیکھا اس کے گلریز و گلبار ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور میرے دل کے سینہ خانہ میں تمناؤں کے انگنت دیپ جگمگا اٹھے آرزوؤں کے ہزاروں گلاب مہک اٹھے۔

"آہ کتنی سردی ہے!" اس نے کھڑکی کا شیشہ گرا دیا۔

"آپ کے ساتھ [illegible] آپ کا؟"

[illegible]

"کیا ہوائیں کھولے دے رہا ہوں؟"

"آپ سے اکیلے نہ بنے گا، میں بھی آتی ہوں" وہ سیٹ سے ہٹ کر میرے پائیں ہولڈال تک جھک آئی۔ میں ہولڈال کھولنے کے لئے جھکا ہی تھا کہ میری نظر اس کے گورے گورے پیروں پر پڑی اور پھر وہیں جم سی گئی میں یہ بھول ہی گیا کہ مجھے ان حسین پیروں کا نظارہ نہیں کرنا ہے، ہولڈال کا سٹریپ کھولنا ہے اور پھر میں اس وقت چونکا جب اس کی ترنم ریز آواز ابھری ——

"آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"جی —— ک۔ ک۔ کچھ نہیں ——" میں گھبرا سا گیا کہیں میری چوری نہ پکڑی جائے —— میں جلدی سے فیتہ کھولنے میں منہمک ہو گیا۔

لیکن دوسرے ہی لمحہ وہ اپنے کنول کی طرح خوبصورت پیر سے داب رہی تھی۔ اس کے پیر کی شبک انگلیوں کے ناخنوں کی چمک بالکل ایسی تھی جیسے کنول کی پنکھڑیوں پر جگنو! میرا ہاتھ دفعتاً اس کے پیر پر پہنچ گیا۔ پھول کی طرح اس کے نرم و نازک گورے پیر سے پھوٹتی ہوئی مدھم مدھم گرمی میرے رگ و پے میں دوڑ گئی۔ میں مسرت کی عمیق گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا اور —— اور پھر میں اس وقت چونکا جب اس نے اپنے گورے پیر کو ہولڈال سے ہٹا کر پوچھا۔

"کیا نہیں کھل رہا ہے؟"

"آپ اپنے پیر سے دبائے تو؟" میں نے ہولڈال پر اسی طرح جھکے جھکے کہا۔

اس نے پھر اپنا مرمریں پیر ہولڈال پر رکھ دیا۔ لیکن [illegible] اس کے گورے گورے پیر کے نیچے تھا۔ [illegible]

[illegible] لطیف لمس تھا!

"[illegible]"

باقی ۶-۹

"لیکن میرے پیر کے نیچے تو آپ کا ہاتھ ہے!"

"اوہ! آپ اِس کی پرواہ نہ کیجئے۔ میرا ہاتھ مٹی کا تو نہیں!" میں ایسے گورے گورے نازک پیر کی لذّت بخش حدت اور کیف آگیں لمس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ دل تو چاہ رہا تھا ساری زندگی اپنا ہاتھ اُس کے پیر کے نیچے ــــــ

"دیکھئے، آپ کا ہولڈال کھل گیا؟"

"لیکن اِس نے آپ کو تکلیف کتنی دی؟" وہ ہولڈال پر جھکی ہوئی کچھ نکالنے میں مصروف تھی۔

"کمال کیا آپ نے! بھلا اِس میں تکلیف کی کیا بات!" میں نے سگریٹ سلگا لیا اور سیٹ پر بیٹھ کر سوچنے لگا ــــــ یہ گورے گورے پیروں والی لڑکی مجھ سے کہہ رہی ہے، آپ کو اِس ہولڈال نے تکلیف کتنی دی! کتنی بھولی لڑکی ہے میں اِسے کیسے سمجھاؤں، کیسے بتاؤں کہ اِس ہولڈال ہی نے آپ کے گورے گورے پیر کے لطیف لمس سے مجھے مدہوشی و خود فراموشی کا وہ سرشار لمحہ بخشا ہے جو آج سے پہلے مجھے کبھی میسر نہ ہوا تھا اِس سے پہلے میں نے ایسے خوبصورت رنگ و نور کے سانچے میں ڈھلے پیر نہیں دیکھے تھے۔ یکایک میرے خیالات کے تانے بانے بکھر گئے۔ اُسکی ترنم ریز آواز اُبھری۔ جیسے جلترنگ بج اُٹھا ہو "آپ کو سردی لگ رہی ہے۔ آپ یہ کمبل لے لیجئے؟"

"نہیں ٹھیک ہے"

"اوہ! آپ تو تکلف کر رہے ہیں۔ یہ لیجئے نا!" وہ لالہ رخ عجیب نازو ادا کے ساتھ ہاتھوں پر کمبل لئے سامنے کھڑی تھی۔

"تکلیف کی کیا بات ہے، خیر لائیے!" میں نے اُس زہرہ جبیں کے ہاتھوں سے کمبل لے کر اپنے اوپر ڈال لیا "بہت بہت شکریہ! واقعی آپ کی نگاہِ کرم کے سہارے میرا بھی وقت اچھا گزرے گا۔ اکثر لڑکیاں بہت بور ہوتی ہیں۔ اِس طرح منہ بسور کر بیٹھتی ہیں جیسے کوئی بہت بڑی ٹریجڈی ہو گئی ہے"

"لیکن مجھے ایسے لوگوں سے بہت الجھن ہوتی ہے۔ میں خود بھی پسند نہیں کرتی۔ ہاں، ابھی آپ نے اپنا نام نہیں بتایا؟"

"میرا نام جاوید ہے، اور آپ کا....؟"

اُس کے نازک ہونٹ اِس طرح تھرتھرائے جیسے گلاب کے پھولوں کی نرم و نازک پنکھڑیوں کو بادِ بہاری کے نرم رو جھونکوں نے چھیڑ دیا ہو۔ "میرا ــــــ؟ تبسم.....!" اور پھر اُس کے گل ریز و گل بار ہونٹوں پر تبسم کی چاندنی پھیل گئی۔

"تبسم! بہت پیارا نام ہے! بالکل آپ کے ــــــ" میں چونک سا گیا۔ اُس نے اپنے گورے گورے پیر سمیٹ کر سیٹ پر رکھ لئے تھے۔

گاڑی رات کے سنّاٹے میں دبیز تاریکی کا سینہ چیرتی، فضا میں چنگاریاں منتشر کرتی آگے بڑھ رہی تھی وہ اپنے آدھے سے زیادہ بدن کو کمبل سے ڈھکے نیند کی آغوش میں تھی۔ اُس کے دلنواز حُسن کے فسوں نے میری آنکھوں سے نیند کوسوں دُور کر دی تھی حُسن جاگ رہا تھا۔ جوانی سو رہی تھی۔ اور ــــــ مجھے پہلی بار احساس ہوا ــــــ جب جوانی سوتی ہے تو انگ انگ جاگتا ہے ناچتا ہے! پھر اچانک خیالات کی لڑیاں ٹوٹ کر بکھر گئیں وہ جاگ گئی تھی اور میں نے ایسی مخمور آنکھیں پہلی بار دیکھی تھیں۔ شاید میر نے انہیں آنکھوں کی ترجمانی کی تھی۔ "میر اُن نیم باز آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے!"

وہ مجھے اپنی آنکھوں کی طرف اس طرح دیکھتے شرما گئی۔ اُس کی نگاہیں جھک گئیں پھر جوانی کے رس سے بھرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر سازِ ہستی پر اُس کی آواز سازِ غزل چھیڑ گئی ــــــ

"کیا دیکھ رہے ہیں جاوید صاحب ــــــ؟"

"ایک پری جمال کا حسن!" ــــــ وہ میرے برجستہ جواب سے جیسے اور بھی شرما گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ اپنے شرم و حجاب کے پردوں کو سرکاتی ہوئی اور بات کو ٹالتے ہوئے بولی

"اچھا خیر، یہ بتائیے آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیئے گا نا؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے اتنی رات گئے آپ اکیلی گھر جائیں"

وہ مجھے لئے ہوئے ایک بنگلہ میں داخل ہو گئی۔ پیچھے تانگہ والا سامان لئے ساتھ تھا۔ اُس نے دروازہ پر لگے بل سوئچ پر اُنگلی رکھ دی۔ چند ہی لمحوں بعد ایک نوجوان نے آکر دروازہ کھولا۔ وہ اندر داخل ہو گئی "آیئے جاوید صاحب!" اور میں سوچتا ہوا شاید یہ اِس کا بھائی ہے اُس کے پیچھے چلا گیا۔

"ہولڈال یہیں رکھ دو!" تبسم تانگہ والے کو پیسے دینے کے بعد مجھ سے مخاطب ہوئی "آپ یہاں آرام کیجئے بستر لگا ہوا ہے؟"

اس نے بغل والے کمرے کی طرف اشارہ کر دیا ــــــ میں کمرے میں داخل ہو گیا۔ ایک مسہری پر بستر لگا ہوا تھا۔ مسہری کے علاوہ دو چار پلنگ

بھی بڑے غور سے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوا مہمانوں کے سونے اور ٹھہرنے کے لئے ہے۔ مجھے کافی تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ میں بستر پر دراز ہو گیا۔ اور ایک بار پھر اُس حسنِ دلنواز کی ایک ایک ادا یاد آنے لگی۔ میں سوچنے لگا ـــــ کاش! میرے گھر کے صحن میں تبسم کے گورے گورے پاؤں رقص کریں کاش یہ گورے گورے پاؤں ـــــ اور پھر انہیں خیالوں میں کھویا میں نہ جانے کب نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ صبح ہوئی تو ایک نوکر نے آکر جگایا "چلئے صاحب! باتھ روم میں پانی گرم ہے!" میں اُسی کے ساتھ باتھ روم چلا گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر جب باتھ روم سے پلٹا تو وہ سراپا قیامت بنی تولیہ لئے مجھے دروازہ پر ہی مل گئی۔ جیسے میرا انتظار ہی کر رہی تھی۔

"شکریہ!" میں نے اُس کے ہاتھوں سے تولیہ لے لیا۔

"آیئے میرے ساتھ چائے پی لیجئے!" میں اُس کے ساتھ ہو لیا وہ مجھے ایک دوسرے کمرے میں لے گئی شاید یہ ڈرائنگ روم تھا میں نے رات کو جس نوجوان کو دیکھا تھا وہ ایک کرسی پہ بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا "میں باتھ روم جا رہا ہوں تم لوگ چائے پیو۔ آج فنکار کا پروگرام ہے جمیل اور اظہر آ رہے ہوں گے۔ میں انہیں کے ساتھ چائے پیوں گا" وہ تبسم سے کہنے کے بعد باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ تبسم چائے بنانے لگی۔ میں ٹیبل کے پاس پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اُس نے چائے کا کپ میرے آگے بڑھا دیا۔ میں نے چائے سِپ کرتے ہوئے پوچھا "یہ آپ کے کون ہیں جو ابھی یہاں سے اُٹھ کر گئے ہیں؟"

"میرے شریکِ حیات اقبال!" وہ مسکرا دی "یہ لیجئے نا!" اُس نے آملیٹ کی پلیٹ میرے آگے بڑھا دی۔

"اس سے اچھا تھا زہر دے دیتیں؟" میں نے کہنا چاہا، لیکن کہہ نہ سکا۔ دوسرے ہی لمحہ اُس نے کاغذ کا ایک پرزہ میری مٹھی میں تھما دیا۔ میں نے اُسے کھول کر دیکھا۔ لکھا تھا ـــــ "اقبال آج فنکار کے لئے جا رہے ہیں، اگر آپ ٹھہر جائیں تو میں تنہائی کی کوفت سے بچ جاؤں گی۔"

ایک لمحے کے لئے میرے پیر ڈگمگائے لیکن دوسرے ہی لمحہ دل کی آواز ہونٹوں پہ آ گئی "نہیں تبسم ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ میری قسمت کی بات ہے ـــــ جس چیز کو پانے کی تمنا کی وہ پہلے ہی کسی دوسرے کی ہو چکی ہے اور کسی دوسرے کی امانت کو چھونا اخلاقی جرم ہے! لیکن میری ایک بات مانو گی؟"

"کہئے ـــــ!"

وہ حیرت سے مجھے تک رہی تھی

"یہاں روشنی میں آؤ ـــــ!" وہ میرے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔

"ٹھہرو! صرف ایک لمحہ ـــــ!" میں جلدی سے جاکر اپنے بیگ سے کیمرہ نکال لایا

وہ اُسی جگہ بت بنی کھڑی تھی۔ میں نے کیمرے سے جھانک کر دیکھا ـــــ اور ایک بار پھر میرا دل دھک سے ہو گیا۔ ساتھ ہی کیمرے سے کلک کی آواز ہوئی ـــــ اور اُس کے گورے گورے خوبصورت پیروں کا حسین عکس میرے کیمرے میں محفوظ ہو گیا تھا۔

"اچھا اب اجازت دو!" میں جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اُس کی نرم ریشم آواز میرے کانوں میں رس گھول گئی۔

"ٹھہریئے تو ـــــ! سنئے تو میرے پاؤں کے شیدائی!" وہ بے اختیار ہنس دی ـــــ "میں آپ کا امتحان لے رہی تھی ـــــ آپ کے کردار کو پرکھ رہی تھی۔ اقبال میرا شوہر نہیں ـــــ میرے چچا کا لڑکا ہے! اُس کے ساتھ یہاں رہ کر بی۔ اے کر رہی ہوں"

"امتحان نہیں یہ نوحسینوں کا شیوہ ہے جلا، جلا کر، تڑپا، تڑپا کر مارنا! بہرحال اب بارگاہِ حُسن میں امتحان کی کامیابی پر کچھ انعام بھی مانگ سکتا ہوں؟" میں نے اُس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اتنی بلندی پہ نہ پہنچایئے جہاں سے گر کر میرا وجود ہی ریزہ، ریزہ ہو جائے۔ چکنا چور ہو جائے ـــــ میرے پاس ہے ہی کیا۔ میں کیا دے سکوں گی آپ کو! آپ خود ہی ......"

"بس رہنے دو، کیوں بناتی ہو۔ یہ کہدو ـــــ چلے جاؤ یہاں سے! یہ بارگاہِ حُسن ہے۔ یہاں تمھارے جیسے سینکڑوں سربسجود پڑے رہتے ہیں۔ پیشانی رگڑتے رہتے ہیں ـــــ کس کس کی التجا قبول کی جائے!"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ! اچھا بتایئے کیا انعام چاہئے؟ میں کیا دے سکوں گی آپ کو؟"

"اچھا پہلے یہ بتاؤ خفا تو نہ ہو گی؟ بُرا تو نہ مانو گی؟"

"اِس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے......"

"اچھا تو سنو ـــــ تم ہی میرا انعام ہو! میں صرف تمہیں مانگنا چاہتا ہوں۔ اپنی بنانا چاہتا ہوں!"

"وہ اُس کی آنکھوں میں بلا کی شوخی تھی۔ شرارت تھی۔ میں نے دیکھا اُس کے گلریز و گلبار ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور جھیل جیسی آنکھوں پر گھنی پلکوں کے سائے جھک گئے اور اُس کی آواز دلکش نغمہ کی طرح ماحول میں تیر گئی۔

"رشتہ گھر والے طے کرتے ہیں۔ شادی ماں باپ کرتے ہیں ——— اگر آپ مجھے پانا چاہتے ہیں تو اپنے... "تبسم نے ادھورا جملہ چھوڑ کر ایک ادائے دلنواز کے ساتھ مرمریں ہاتھوں سے اپنا چہرہ اس طرح چھپا لیا کہ اُس کی خوبصورت حنائی انگلیوں کے بیچ سے جھانکتی تھی فردوسی آنکھیں اور یاقوتی ہونٹوں پر نظر آنے والی بکھری مسکراہٹ کی چاندنی عجیب دلکش منظر پیش کر رہی تھی۔ ایسا دلکش منظر ——— جس پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دینے کو جی چاہے۔ اپنی جان قربان کر دینے کو جی چاہے! پھر دوسرے ہی لمحہ وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی ——— اور اُس کی یہ ادا مجھے بھا گئی، دل کو بہت پسند آ گئی۔ میں نے طے کر لیا ماں سے کہہ کر گھر والوں کو راضی کر کے یہ رشتہ ضرور طے کرانا ہے۔ تبسم کو اپنی بنانا ہے!

میری ماں نے میرا دل رکھنے کے لئے تبسم سے میرا رشتہ طے کرا لیا تھا۔ ہماری شادی کی تاریخیں مقرر ہو گئی تھیں شادی کا سارا سامان تیار تھا لیکن اچانک قسمت نے مجھے بہت بڑا دھوکہ دیا اور ساری خوشیاں آنسوؤں میں ڈھل گئیں، بہہ گئیں ——— شادی سے دو دن پہلے میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ رشتہ داروں کی لڑکیاں مجھے چھیڑ چھیڑ کر [illegible] کر رہی تھیں۔ کوئی کہتی "یہ شادی کی خوشی میں دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں۔ مانگی مراد مل گئی ہے نا!" کوئی کہتی "نہ ہنسنا نہ ہنسانا۔ نہ بات نہ چیت بس ہر وقت دلہن کے خیال میں گم! خدا خیر کرے! کہیں پاگل نہ بنا دے یہ پیار!"——— اور میں ——— جھنجلا کر کسی کے سر پہ چپت مارتا تو کسی کی چوٹی پکڑ کر ڈرائنگ روم کے دروازے کے باہر کر دیتا اُسی وقت کسی بچّی نے آکر کہا "باہر کوئی آیا ہے۔" میں نے باہر جا کر دیکھا پوسٹ مین تھا۔

"یہاں سائین کر دیجئے ——— آپ کا ٹیلی گرام ہے!" میں نے سائین کر دینے کے بعد ٹیلی گرام پڑھا تو مجھے ایسا معلوم ہوا میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلتا جا رہا ہے گہرا اندھیرا جس میں ہر چیز گم ہو گئی ہے۔ ٹیلی گرام میں لکھا تھا ——— یکایک دل کا دورہ پڑنے سے تبسم کی موت ہو گئی ہے

اس حادثہ سے میرے دل پر کیا گزری یہ میرے لئے بیان کرنا بھی مشکل ہے! یہ اندیشہ مجھے پہلے ہی سے تھا کیونکہ وہ قلب کی پرانی مریض تھی۔ اور اس سے پہلے بھی اسے قلب کے کئی دورے پڑ چکے تھے

کئی سال بیت جانے کے بعد بھی دنیا کی ہر رنگین محفل میرے لئے سُونی تھی۔ ہر ممکن کوشش کے باوجود میں اپنے دل میں تبسم کی محبت کی روشن شمع کو بجھا نہ سکا۔ اپنے ذہن کے کینوس سے بھی تبسم کی پیاری صورت کو مٹا نہ سکا ——— میرا دل جب گھبراتا، تبسم کی یاد جب بہت آتی تو میں اپنے کمرے میں اُس ٹیبل کے پاس چلا جاتا، جہاں میں نے تبسم کے خوبصورت گورے پیروں کی تصویر سجا رکھی تھی! اُس تصویر کے اصل راز سے آج تک کوئی واقف نہ تھا اور نہ میں ہی چاہتا تھا کہ لوگ میری اس دیوانگی کو جان کر میری محبت کا مذاق اڑائیں اسی لئے میں نے کبھی کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا کہ مجھے کسی بات کا غم ہے یا مجھے تبسم سے اتنی زیادہ محبت تھی، اتنا پیار تھا کہ اُس کے بغیر میرا جینا بھی دشوار ہے۔ لیکن ——— نہ جانے کیسے میری ماں نے میرے دل کے کرب کو، اُس جان لیوا دکھ کو جان لیا تھا اور اب وہ بعد منتیں گھر میں بھولا نے کے لئے! شبو کو میری جیون ساتھی بنانے کیلئے!

میں نے ماں سے لاکھ کہا کہ مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیں۔ کچھ سمجھنے کی مہلت دیں۔ لیکن انھوں نے میری ایک نہ سنی ——— اور پھر شبو میری جیون ساتھی بن گئی ——— اور کچھ ہی دنوں کے بعد شبو کی بے پناہ چاہت نے مجھے اپنے ماضی کو بھول جانے پر مجبور کر دیا۔ اُس کی نکہت بار مشکیں زلفوں کی خوشبو نے مجھے ایسا مدہوش کر دیا کہ میں سب کچھ بھول گیا ——— لیکن نہ جانے کیوں میں نے اپنے لکھنے کے ٹیبل پر سے تبسم کے خوبصورت گورے پیروں کی تصویر نہیں ہٹائی۔ آج میری بیوی نے اُس تصویر کو ہٹا کر اس کی جگہ اپنی تصویر لگا دی تھی۔ میں چاہتا تو تبسم کے گورے پیروں کی تصویر کی دوسری کاپی اُس جگہ پھر سجا سکتا تھا۔ لیکن اپنی بیوی کو ناراض نہ کرنا چاہتا تھا ——— یادوں کا سلسلہ ٹوٹا تو میں نے دیکھا شبو اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ میرے سامنے کھڑی ہے میں نے اُس کا گورا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اُسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ میری نظر اُس کے گورے پیروں پر پڑی اور میں دل تھام کر رہ گیا۔ کیوں کہ اُس کے گورے اور خوبصورت پاؤں بھی کسی طرح شبنم کے پیروں سے کم نہ تھے۔

عورتوں کے لئے



آجکل کی لڑکیوں کی گمراہی

کیا ان کے باپ بھائی اور سرپرست انہیں گمراہ کر رہے ہیں؟

(از زبیدہ سلطان صاحبہ دہلوی)

زبیدہ بہن کا یہ مضمون بلاشبہ اس قابل ہے کہ نہ صرف عورتیں بلکہ مرد بھی اسے غور سے پڑھیں کیونکہ اس مضمون میں زبیدہ بہن نے ایک ایسی معاشرتی خرابی کی جانب توجہ دلائی ہے جس کی طرف سے ہم نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

اس مضمون کے پڑھنے والے بہن بھائی مضمون کی سرخی پڑھنے کے بعد ہی چونک جائیں گے اور یہ سوچنے لگیں گے کہ آخر زبیدہ بہن نے یہ کیا لکھ دیا کہ "لڑکیوں کی گمراہی کا باعث اُن کے باپ بھائی اور سرپرست ہیں"۔ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی عزت مند باپ اور ذمہ دار بھائی یا کوئی بھی لڑکیوں کا سرپرست اتنی پستی میں گر جائے کہ وہ خود ہی اپنے گھر کی لڑکیوں کو گمراہی کے راستہ پر ڈال کر اپنے گھر کو تباہ کرے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اور اگر ہو بھی سکتا ہے تو یورپ یا کسی مغربی ملک میں تو ہو سکتا ہے لیکن ہندوستان یا کسی مشرقی ملک میں ایسا ہونا ناممکن ہے۔

واقعی یہ بڑی بے غیرتی کی بات ہے کہ کوئی ہندوستانی باپ، بھائی یا سرپرست لڑکیوں کو دیدہ و دانستہ غلط راستہ پر ڈالے۔ اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملک کا کوئی بھی غیرتمند شخص اتنی پستی میں نہیں گر سکتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسا ہی ہو رہا ہے اور ڈنکے چھپے نہیں ہو رہا بلکہ کھلم کھلا ہو رہا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں اسے کوئی عیب بھی نہیں سمجھا جا رہا ہے۔

خدا بھلا کرے دین دنیا کی پڑھنے والی ایک بہن کا جنھوں نے مجھے خصوصیت کے ساتھ اِس بے غیرتی کی جانب توجہ دلائی ہے۔ اور اُن کے توجہ دلانے کے بعد میں سوچ رہی ہوں کہ اگر ہم نے واقعی اس اخلاقی خرابی کی جانب توجہ نہ کی تو نہ جانے ہمارے گھروں کا کیا انجام ہوگا اِس مضمون کے پڑھنے والے سب ہی بہن بھائی یقینی طور پر یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہونگے کہ وہ کون سے بے غیرت باپ بھائی ہیں جو اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ لیجئے جن بہن نے اس خرابی کی جانب توجہ دلائی ہے اُن ہی کے خط کی ذیل کی عبارت سے معلوم کر لیجئے کہ اس غلطی کے مرتکب کون لوگ ہو رہے ہیں۔ یہ بہن لکھتی ہیں۔

"کسی زمانہ میں ہمارے ملک کے مردوں کی غیرت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے گھر کی بہو بیٹیوں کا پلو بھی کسی غیر شخص کو دکھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن آج زمانہ اتنا بدل گیا ہے کہ باپ، بھائی اور شوہر لڑکیوں کو نہ صرف بے پردہ لئے پھرتے ہیں۔ بلکہ انہیں آزادانہ ایسی اخلاق سوز فلمیں خود اپنے ساتھ لیجا کر دکھاتے ہیں۔ جن میں اول سے لے کر آخیر تک خرافات، بے غیرتی، عشق بازی، اور آوارگی کی ترغیب ہوتی ہے۔ گویا آجکل کے مرد خود ہی لڑکیوں اور عورتوں کو اپنے ساتھ سینما لے جا کر انہیں گمراہی کی راہیں دکھا رہے ہیں۔ یہ ہماری اتنی بڑی معاشرتی خرابی ہے جس نے کہ اِس ملک کے ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں گھروں کو تباہ کر دیا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ یہ سب کچھ نادانستہ ہو رہا ہے۔ لیکن اِس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب نوعمر لڑکیاں اور کم عمر شادی شدہ عورتیں جذبات کو برانگیختہ کرنے والی فلمیں بار بار دیکھیں گی تو قدرتی طور پر اُن کے دلوں میں بھی نہ جانے کیسے کیسے خیالات پیدا ہوں گے"۔

ان بہن کے خط کی مندرجہ بالا عبارت پڑھ کر ہماری ہوشمند بہنیں اور بھائی سوچ میں پڑ گئے ہوں گے کہ واقعی یہ فلمیں تو ہماری معاشرتی زندگی کے لئے اچھی خاصی مصیبت بن گئی ہیں جو اندر ہی اندر اپنا زہر پھیلا رہی ہیں۔ آگے چل کر یہی بہن لکھتی ہیں۔

" یہ عورتوں میں چست لباس۔ عریانی۔ اور بے حیائی پھیلانے میں بھی ان فلموں ہی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ گھر میں بیٹھنے والی لڑکیاں جب فلم ایکٹرسوں کا آدھا کھلا اور آدھا ڈھکا ہوا خوبصورت جسم دیکھتی ہیں تو ان کا بھی جی چاہتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے جسم کی نمائش کریں۔ اسی طرح ناسمجھ لڑکیاں ایکٹرسوں کے جسم پر چڑھا ہوا چست لباس دیکھتی ہیں تو وہ بھی چست لباس پہننا شروع کر دیتی ہیں۔ یعنی ان فلموں کی بدولت لڑکیوں میں بے حیائی اور حسن کی نمائش کا جذبہ تیزی سے ابھر رہا ہے اور یہی جذبہ آگے چل کر لڑکیوں کی گمراہی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ خدارا ہماری بہنوں اور بھائیوں کو توجہ دلایئے کہ وہ فلم بینی کی لعنت سے کم عمر لڑکیوں کو بچائیں ورنہ ہماری گھریلو زندگیاں بالکل تباہ اور برباد ہو جائیں گی۔"

ان بہن نے اپنے خط میں جو کچھ لکھا ہے اس کی حقیقت اور صداقت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ سینما زمانہ حاضرہ کی سب سے بڑی لعنت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہی سینما آج ہماری معاشرتی زندگی کا ایک جزو بن گیا ہے۔ چنانچہ لڑکیوں کا سینما جانا، عریاں مناظر دیکھنا، فلموں میں عشق و عاشقی کے نظاروں سے لطف لینا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ میں سوچتی ہوں کہ دنیا کتنی بدل گئی ہے اور کیسی کیسی بے حیائیاں، ہماری معاشرت کا حصہ بنتی چلی جا رہی ہیں۔

سینما کی اس لعنت کو مزید فروغ ٹی۔ وی کے ذریعہ ہوا ہے جس کی حیثیت سے تقریباً ہر گھر میں ٹی وی رکھا ہوا ہے۔ جس پر ہفتہ میں کم از کم ایک فلم ضرور دکھائی جاتی ہے۔ یعنی اب سینما کا یہ زہر ہمارے گھروں کے اندر بھی داخل ہو چکا ہے۔ لیکن ہماری آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہم اس زہر کو محسوس تک نہیں کر رہے ہیں۔

ایک زمانہ تو وہ تھا جبکہ لڑکیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ لڑکوں کو بھی عاشقانہ ناول اور افسانے پڑھنے کی والدین کی طرف سے اجازت نہ تھی اور ایک زمانہ یہ ہے کہ لڑکیوں کو عشق و عاشقی کی فلمیں آزادانہ دکھائی جا رہی ہیں اور اسے کوئی عیب نہیں سمجھا جا رہا۔ میں چاہتی ہوں کہ اس مضمون کے پڑھنے والے بہن بھائی ٹھنڈے دل سے اس معاشرتی گمراہی کے مسئلہ پر غور کریں۔ اور نوعمر لڑکیوں کو ایسی فضا سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں جس کے نتائج نہایت ہی خطرناک نکل سکتے ہیں۔

تعلیم القرآن

(باقی مضمون صفحہ ۱۵ سے)

ان سات برس میں تم برابر غلہ بوتے رہنا اور فصل میں سے جتنا بھی غلہ کاٹو اسے بالوں ہی میں رہنے دینا تاکہ خراب نہ ہونے پائے مگر صرف اتنا نکال لینا جو تمہارے کھانے کی ضرورت کے بقدر ہو۔ پھر اس کے بعد قحط کے سات برس آئیں گے ان سات برسوں میں جو غلہ بھی تم نے جمع کر رکھا ہوگا وہ سب ختم ہو جائے گا۔ بس وہی تھوڑا سا باقی رہ جائے گا جسے تم احتیاط سے بچا سکو گے پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا کہ خوب بارش ہوگی کھیتی خوب سرسبز ہوگی۔ اور اس سال انگور بھی بکثرت پیدا ہوں گے اور شراب کے لئے لوگ اس کا رس خوب نچوڑیں گے (یہ تعبیر سن کر ساقی واپس چلا گیا اور بادشاہ کے روبرو حاضر ہو کر حضرت یوسف کی تعبیر بادشاہ سے بیان کر دی)

افسانہ



استعفیٰ

ایک نہایت دلکش معاشرتی کہانی

(از جناب عظمت کیفی - بے اے بنگلور)

وہ میری اسسٹنٹ تھی۔ جب میں نے برانچ منیجر کا چارج لیا تو دفتر کے سیکشن ہیڈ مسٹر شکلا نے اسٹاف کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ کل ۱۲ کے اسٹاف میں مس رما ہی ایک فیمیل اسٹاف ہے۔ بی۔ اے آنرس میں یونیورسٹی میں فرسٹ آئی ہے۔ میرے چارج لینے سے کچھ ہی مہینے پہلے اُس کا اپوائنٹمنٹ ہوا تھا۔ مسٹر ہیگڑے اور مسٹر راجیو ایمرجنسی کا شکار ہو گئے تھے جنہیں کمپلری ریٹائر کیا گیا تھا۔ مسٹر راجیو کی جگہ مس رما کو اپوائنٹمنٹ ملا تھا اور حال ہی میں برانچ منیجر ہیگڑے کی جگہ مجھے ملی تھی۔ مس رما فائلوں پر نوٹس بہت اچھے لکھتی تھی، جن کی حضوصاً ہیڈ زنل آفس میں بہت تعریف کی جاتی تھی۔ صبح میرے چیمبر میں جب وہ فائلوں پر میرے دستخط لینے کے لئے حسب معمول آئی تو فائلوں کو میز پر رکھ کر بولی۔

"سر، کیا آپ میری ایک چھوٹی سی مدد کریں گے؟"

"کیا بات ہے مس رما؟"

"یہ ایک پرسنل بات ہے سر۔ اس وقت دفتر میں آپ ہی میری مدد کر سکتے ہیں۔"

"ایسی کونسی بات ہے رما؟ کہو" میں نے فاؤنٹین پین میز پر رکھ کر پوچھا۔

"سر! اگر آپ بُرا نہ مانیں، میرے بلوز کا یہ زپ ذرا لگا دیجئے پلیز" کہہ کر وہ میرے سامنے پیچھے مڑ کر کھڑی ہو گئی۔ میں اُس کی گوری گداز پشت کو دیکھنے لگا جو بلوز کا زپ کھل جانے سے بالکل برہنہ ہو گئی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کے خوبصورت جوان جسم سے خوشبو پھوٹ رہی ہو۔ میری آنکھیں اُس کے گورے گداز بدن پر جم کر رہ گئیں۔ اُس کی شاخ گل کی طرح لچکتی کمر کا خم میری نگاہوں کا مرکز بن گیا وہ اسی طرح کھڑی ہوئی کہنے لگی "نہ جانے کیسے یہ اچانک کھل گیا ہے میں نے بہت کوشش کی لیکن نہ لگا سکی، اور دفتر میں میرے سوا دوسرا کوئی فیمیل اسٹاف نہیں ہے جس کی مدد لیتی آپ کے سوا اس کے لیے کسی اور سے نہ کہہ سکی۔ میں نے سوچا گھر چلی جاؤں لیکن یہ میرا پبلیکیشن پیریڈ ہے اور دوسرے ایمرجنسی ہے چھٹی نہیں لے سکتی۔" وہ کہتی رہی اور میری آنکھیں اُس کے خوب صورت سراپا کا جائزہ لیتی رہیں۔ درمیانہ قد، کتابی چہرہ، ستواں ناک نوکیلے ابرو، دراز پلکیں سیاہ چمکتی ہوئی آنکھیں۔ دراز ریشمیں بال۔ گورے گورے خوب صورت کانوں میں لٹکتے ہوئے طلائی آویزے شاخ صندل پر لپٹی ہوئی ناگنوں کی طرح ہاتھوں میں کالی کالی کانچ کی چوڑیاں۔ سیاہ ساڑی اور اُس سے میچ کرتا ہوا سیاہ بلوز اُس کے گورے جسم پر بہت پھب رہا تھا۔ کمر تک لٹکتی ہوئی لمبی چوٹی میں لگا ہوا گلاب اُس کے حسن کو اور بھی دوبالا کئے ہوئے تھا۔

"سر پلیز!" جب وہ میری طرف مڑ کر پھر درخواست کرنے لگی تو میں کرسی سے اٹھ کر اُس کی طرف گیا۔ اُس کی چال میں شاخ گل کی لچک اور آواز میں کلیوں کی چٹک تھی۔ دو چار لمحے کوشش کرنے پر بھی زپ نہ لگا۔ زپ ایک طرف سے لگتا تو دوسری طرف سے کھل جاتا۔ اس کوشش میں کئی بار میری انگلیوں کا لمس اُس کی گوری پشت اور اُس کے جسم کے برہنہ حصے پر ہوا اور اُس کے جوان بدن کی بھینی بھینی خوشبو مجھے مدہوش کرنے لگی۔

"آئی ایم سوری مس رما، یہ زپ ٹوٹ گیا ہے۔ ایسا کیجئے آپ گھر جا کر چینج کر کے آ جائیے" میں نے اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اس میں بہت دیر ہو جائے گی ورما صاحب، مجھے نوٹس بھیج کرنی ہونگی" ساڑی کا آنچل پیٹھ پر ڈال کر وہ مجھے اُن نظروں سے دیکھ کر کہنے لگی "آپ ہمیں نہیں مل جاتیں اس سے آپ واقف ہیں؟"

"کہاں ہے آپ کا مکان؟" میں نے اُس کے اُداس چہرے کو بغور

دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی نگر میں ـــــ خیر چھوڑیئے آپ کو زحمت ہوئی۔" اتنا کہہ کر وہ پیٹھ پر آنچل درست کر کے جانے لگی، تو میری نظر پھر اُس کی گوری گداز پشت پر مرکوز ہو گئی، جو مہین ساڑی میں زپ کھل جانے سے دعوتِ نظارہ دے رہی تھی۔

"ٹھہرو رما" اچانک میرے منہ سے نکلا۔ اُس کے بڑھتے قدم رک گئے اور وہ دروازے کے پاس کھڑی ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔

"تم میری کار میں بیٹھ جاؤ مجھے ڈویژنل آفس جانا ہے۔ اُدھر ہی سے تمہیں تمہارے مکان پر چھوڑ دوں گا۔ واپسی میں میرے ساتھ ہی آجانا" یہ سن کر وہ اُسی طرح کھڑی رہ گئی اور نہ جانے کیا سوچتی رہی "اگر تمہیں مجھ پر بھروسہ ہو" اُسے کچھ سوچتے ہوئے دیکھ کر میں نے پھر کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ورما صاحب!" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "عورت کی آنکھیں کبھی دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ دفتر میں قابل اعتبار آپ ہی کو میرے دل نے سمجھا ہے ورنہ کسی اور کو کہتی۔ میں آپ کی ممنون ہوں، چلیے" کہہ کر وہ چلی گئی۔

کار میں وہ میرے ساتھ خاموش بیٹھی رہی۔ اپنے مکان کا راستہ بتلاتے ہوئے وہ ترچھی نظروں سے میری طرف دیکھ لیتی۔ میں نے کار اُس کے مکان کے پاس کھڑی کر دی۔ کار سے اتر کر وہ جلدی جلدی اپنے مکان میں چلی گئی دروازے کے پاس جا کر مجھے دیکھنے لگی۔

"تم تیار رہنا میں آدھے گھنٹے میں آجاؤں گا" کہہ کر میں نے کار اسٹارٹ کر دی اور ڈویژنل آفس چلا گیا۔ جب میں لوٹا تو میں نے رما کو دروازے پر اپنا منتظر پایا۔ اُس وقت وہ سفید شلوار اور قمیص میں ملبوس اپنے سینے پر کالا دوپٹہ اوڑھے کھڑی تھی۔ میری کار رکتے ہی وہ اپنے ہاتھ میں کالا وینٹی بیگ لے کر دوڑتی ہوئی آئی اور کار کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے دروازے کا لاک کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اندر آکر بیٹھ گئی اور ڈور بند کر کے بولی "چلیے"

"مس رما تم بہت نادان اور بھولی بھالی ہو۔ ایک ایمپلائڈ گرل کو اتنی بھولی بھالی نہ ہونا چاہیے" میں نے اُس سے کہا۔

"کیوں سر کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی؟" وہ متحیر نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ایسی کوئی بات نہیں، لیکن میرے خیال میں تمہیں اس وقت اُسی ساڑی میں ملبوس ہونا چاہیے تھا۔"

"کیوں؟ کیا اس لباس میں اچھی نہیں معلوم ہو رہی ہوں؟" اُس کے اس معصوم سوال پر مجھے ہنسی آگئی۔

"یہ میں نے کب کہا۔ تم اس پوشاک میں کافی اسمارٹ اور بہت اچھی نظر آرہی ہو۔ لیکن اس وقت اس ڈریس کی ضرورت نہیں تھی صرف بلوز چینج کر لیا ہوتا تم ہی بتاؤ، تمہارے لباس کی اس تبدیلی کو دفتر کے اسٹاف نوٹ نہ کریں گے؟" میرے اس ریمارک پر وہ شرما گئی اور اُس نے سر جھکا لیا۔ "جاؤ۔ جلدی لباس بدل کر آؤ" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ نے ٹھیک سوچا ہے ورما صاحب! میں نے اس بات پر توجہ نہیں دی تھی۔ تھینک یو ویری مچ" کہہ کر وہ کار سے اتر گئی۔

میں سگریٹ سلگا کر اُس کا انتظار کرنے لگا چند منٹ بعد وہ پھر وہی ساڑی اور چاکلیٹ کلر کا بلوز زیب تن کر کے آگئی۔ کار دوڑتی رہی اور وہ خاموش سر جھکائے نہ جانے کن خیالوں میں کھوئی بیٹھی رہی "دفتر میں کوئی پوچھے تو کیا کہو گی" میں نے خاموشی کو توڑتے ہوئے پوچھا۔

"سمجھ میں نہیں آرہا کیا کہنا چاہیے"

"کہہ دینا کہ ڈویژنل آفس گئی تھی"

"اوکے" اس نے اتنا ہی کہا میں سر ہلایا جب کار دفتر کے قریب پہنچ گئی تو اس نے احسان مند نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "سر میں آپ کی بے حد ممنون ہوں"

ایک دن دفتر سے گھر جاتے وقت وہ خلافِ معمول میرے چیمبر میں آکر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی "سر! میں بہت شرمندہ ہوں، آج پھر آپ کی مدد..."

"کہو کیا بات ہے؟" میں ٹائی کی گرہ درست کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا اور ہینگر سے کوٹ نکال کر پہنتے ہوئے پوچھا۔

"آج بسوں کی اسٹرائک ہو گئی ہے۔ مہربانی کر کے کیا آپ مجھے میرے گھر تک ڈراپ دے دیں گے؟"

"کیا آج ٹرانسپورٹ کمپنی نے اسٹرائک کر دی ہے۔ صبح تم کس طرح دفتر آئیں؟" میں نے پوچھا۔

"پیدل" رما نے نظریں نیچی کیے ہوئے کہا۔

"اوہ، اچھا چلو" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

کار میں آج بھی وہ خاموش بیٹھی رہی۔ اُس دن وہ وہی لباس زیب تن کیے ہوئے تھی جس کی میں نے کبھی تعریف کی تھی کار سے اتر کر اس نے کہا۔

"وہ اندر تشریف لے آیئے ورما صاحب۔"

"وہ نہیں رما، مجھے ضروری کام سے جانا ہے اس وقت۔" میں نے ٹالنا چاہا۔

"وہ کم از کم ایک کپ چائے ہی پی لیتے۔" اُس نے ملتجی انداز میں کہا۔

"پھر کبھی پی لوں گا، اس وقت مجھے معاف کر دو۔" کہہ کر میں نے کار اسٹارٹ کر دی۔ کار نظروں سے اوجھل ہونے تک وہ دروازے پر کھڑی دیکھتی رہی۔ اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے رما میرے دل و دماغ پر چھاتی چلی جا رہی ہے۔

اس واقعے کے ڈیڑھ دو مہینوں بعد وہ اچانک کچھ دنوں سے دفتر میں غیر حاضر رہنے لگی۔ بغیر انفارمیشن کے جب تین دن گزر گئے تو مجھے حیرت ہونے لگی کہ وہ دفتر کیوں نہیں آ رہی ہے۔ اگلے دن دفتر آتے وقت میں اُس کے گھر گیا۔

"تشریف لائیے ورما صاحب۔" مجھے دیکھتے ہی وہ بستر سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ اُسے دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا۔ اُس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ پھول سا چہرہ مرجھا گیا تھا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ وہ کافی کمزور اور نحیف نظر آ رہی تھی۔

"مجھے معاف کیجیے سر! اچانک مجھے اتنی تکلیف ہو گئی کہ میں دفتر کو انفارمیشن تک نہ بھیج سکی۔ یقین مانیے مجھ میں کھڑے ہونے کی بھی سکت نہیں ہے، ورنہ کہیں قریب سے فون ہی کر دیتی۔"

"کوئی بات نہیں رما، فکر نہ کرو۔ کسی ڈاکٹر کو نہیں دکھایا؟"

"مکان کے مالک نے ڈاکٹر کو بلوایا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ مجھے مکمل آرام کی ضرورت ہے۔"

"گھر میں کوئی نظر نہیں آ رہا ہے۔" میں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔ "تمہیں ایسی حالت میں چھوڑ کر سب کہاں چلے گئے؟" میرے اس سوال پر وہ رونے لگی۔ "رو رو نہیں رما، بتاؤ کیا بات ہے؟" میں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے پوچھا۔

وہ ساڑی کے آنچل میں آنسو جذب کر کے کہنے لگی "میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے سر! میں نے پتا جی کو تو دیکھا ہی نہیں۔ ماتا جی نے میری اچھی پرورش، اعلیٰ تعلیم کے لیے اپنا خون پسینے کی طرح بہا دیا، وہ بھی اس دنیا میں اب نہیں رہیں۔ وہ دو برس پہلے اس بھری دنیا میں مجھے اکیلی چھوڑ کر وہ بھی چل بسیں۔ اب اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے" یہ کہہ کر سسکنے لگی۔

"اوہ! آئی ایم سوری رما۔" یک لخت میرے منہ سے نکلا، اور میرے دل میں رما کے لیے ہمدردی کے سوتے پھوٹ پڑے۔ "یقین مانو رما مجھے تمہارے حالات کا کوئی علم نہ تھا۔ رو رو نہیں۔ میں اپنے ڈاکٹر کو بھیج دوں گا فکر نہ کرو تم بہت جلد اچھی ہو جاؤ گی۔ اب مجھے اجازت دو، دفتر کا وقت ہو گیا ہے۔" میری کار ڈاکٹر منوج کے نرسنگ ہوم کی طرف دوڑتی رہی اور میرا دماغ رما کی بے بسی کے متعلق سوچتا رہا۔ ڈاکٹر منوج کو رما کے گھر بھیج کر میں دفتر چلا گیا۔ شام کو ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق میں نے رما سے نرسنگ ہوم میں داخل ہو جانے کے لیے کہا تو وہ گھبرا گئی اور مجھ سے منتیں کرنے لگی۔

"نہیں ورما صاحب، مجھے ہسپتال میں داخل نہ کروائیے۔ نہ جانے کیوں مجھے ہسپتال کے نام سے ہی ڈر لگتا ہے۔ میں گھر پر ہی رہوں گی پلیز۔"

"اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟" میں نے اُسے تسلی دی "وہاں ڈاکٹر تمہارا علاج اچھی طرح کر سکیں گے، نرسیں تمہاری دیکھ بھال کریں گی، اور ــــ" یہ کہتے کہتے میری زبان رک گئی۔ کچھ سوچ کر میں نے پھر کہا "میں بھی آتا جاتا رہوں گا۔" لیکن پھر بھی وہ نہ مانی۔ آخر اُس کی خواہش کے مطابق میں نے اُس کے لیے ایک نرس گھر پر ہی لگا دی۔ ڈاکٹر منوج ہر صبح و شام معائنہ کر کے نرس کو ضروری ہدایات دے کر چلا جاتا۔ دو ہفتے کے بعد وہ صحت یاب ہو گئی اور ڈاکٹر نے رما کو دفتر جانے کی اجازت بھی دے دی۔ وہ حسب معمول دفتر آنے لگی۔

ایک دن سویرے وہ دفتر کچھ دیر سے آئی۔ حاضری رجسٹر میں دستخط کرنے کے لیے جب وہ میرے چیمبر میں آئی تو میں نے دیکھا کہ وہ معمولی ساڑی میں ملبوس کچھ اداس اور بجھی بجھی سی ہے، اُس نے مجھ سے حاضری کا رجسٹر طلب نہیں کیا، اپنے ہاتھ میں لٹکتے ہینڈ بیگ سے ایک پرچہ نکال کر میرے سامنے بڑھا دیا۔ پرچے کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا، وہ اُس کا استعفیٰ تھا۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئیں، یہ کیا کر رہی ہو؟" اس وقت ایک دم میرے منہ سے غصّے بھرے الفاظ نکل گئے۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے وہ کچھ بھی نہیں کہہ رہی تھی۔ استعفیٰ میری میز پر رکھ کر خاموش سر جھکائے کھڑی رہی۔

"بیٹھو مس رما۔" میں نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نرمی سے کہا "کیوں تم استعفیٰ دے رہی ہو؟"

"اسے منظور کر لیجیے ورما صاحب! میں اب اس شہر میں رہنا نہیں چاہتی

"کہاں جاؤ گی؟ کیا کرو گی اتنی اچھی سروس چھوڑ کر؟"

"کہیں بھی ۔۔۔۔ کسی اسکول میں ٹیچری کر لوں گی، لیکن اب اس دفتر میں نہ رہوں گی۔"

"کیا تمہیں یہاں کسی سے کوئی شکایت ہے؟ دیکھو رما پہیلیاں نہ بجھاؤ ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ تمہیں کیا تکلیف ہے اس دفتر میں؟"

"اب تمہیں کیسے سمجھاؤں ورما صاحب" وہ جذباتی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ گلوگیر آواز میں کہنے لگی "مجھے یہاں کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے لیکن ۔۔۔۔ دنیا سچ کہتی ہے میں بہت منحوس ہوں۔ پیدا ہوتے ہی اپنے باپ کو کھا گئی۔ ماں کو اپنی خاطر در در کی خاک چھاننے پر مجبور کر دیا اور میں کسی قابل بن گئی تو مجھے آرام پانے کی بجائے وہ بھی میری نحوست کا شکار ہو گئی۔ وہ بھی چل بسی۔ اب اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ۔۔۔۔ مجھے شکایت ہے اپنے مکان مالک سے، یا ڈاکٹر منوج سے، اس کی نرس سے اور اس بوڑھے چپراسی سے جو دفتر میں تمہاری کار کا دروازہ کھولتا ہے ۔۔۔۔ ان سب کو میرے کیریکٹر پر شک ہے ہر کوئی کسی نہ کسی انداز سے یہ جاننا چاہتا ہے کہ تمہیں مجھ سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟ تم کیوں میری اتنی مدد کرتے ہو؟ میں کیوں تمہیں سے مدد مانگتی ہوں؟ اب میں بھی سوچنے لگی ہوں کہ میں اپنی ہر تکلیف میں تمہارا سہارا لینے لگی ہوں! اس کا جواب ۔۔۔ میں خود اپنے آپ کو نہیں دے سکی، دنیا والوں کو کیا جواب دوں گی ورما صاحب! عورت سب کچھ بھول سکتی ہے۔ لیکن اپنے محسن کو نہیں بھول سکتی۔ تم نے مجھ منحوس کی بہت مدد کی ہے۔ تم نے جب سے اس دفتر کا چارج لیا ہے مجھے قدم قدم پر سہارا دیا ہے، میری عزت بچائی ہے مجھے موت کے منہ سے کھینچ نکالا ہے۔ میں تمہارے یہ احسانات ساری زندگی نہیں بھول سکتی۔ تم میرے ہمدرد ہو، میرے غم گسار ہو، میرے محسن ہو اور ۔۔۔" کہتے کہتے وہ ایک دم رک گئی اور ایک گہری سانس لے کر بولی "میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں لیکن تمہاری توہین نہیں۔ میں یہ نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تمہاری بدنامی ہو۔ کوئی تم پر شک کرے، یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا ۔۔۔ نہیں!" اتنا کہہ کر وہ آنچل سے اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔ مجھ سے اس کے آنسو نہیں دیکھے گئے۔ میں اسے مسکراتی ہوئی دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے مسکراہٹیں بخشنا چاہتا تھا۔

"ٹھیک ہے رما ۔۔۔۔ میں تمہارا استعفیٰ منظور کر لوں گا" یہ کہہ کر میں نے اس کے ریزائن پیپر پر دستخط کر دیئے۔

"مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو مجھے معاف کر دو ورما صاحب۔ میں تمہاری بہت احسان مند ہوں" کہہ کر وہ جانے لگی تو میں نے اس سے کہا "اب تم سے میری بھی ایک درخواست ہے مس رما، اور میں نے رما سے اپنے دل کی بات کہہ دی جسے سن کر وہ کچھ حیرت زدہ سی رہ گئی پھر میں نے کہا "آج شام کو سات بجے ہوٹل گرین لینڈ آنے کی تکلیف گوارا کرنا۔ تمہارے لئے ایک سینڈ آف پارٹی کا انتظام کر رہا ہوں۔ سارا اسٹاف بھی آئے گا" یہ سنتے ہی اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے مغموم آواز میں کہا۔

"مجھ پر آپ کے جو احسانات ہیں وہی کیا کم ہیں میرے لئے اب اتنی زحمت نہ کیجئے۔ میں سوچتی ہوں کہ میں آپ کے احسانات کا بدلہ کس طرح چکا سکوں گی؟"

رما گھر چلی گئی۔ سینڈ آف پارٹی میں سارے اسٹاف کو شریک ہونے کے لئے کہہ کر میں بھی پارٹی کا اہتمام کرنے کے لئے دفتر سے نکل آیا۔

گرین لینڈ ہوٹل میں مقررہ وقت پر اسٹاف کے سارے لوگ آ گئے سب کے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار اور نذرانے تھے۔ سب رما کا انتظار کر رہے تھے سب کی آنکھیں ہوٹل کے صدر دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ ساڑھے سات بجے رما ڈاکٹر منوج، نرس اور اپنے مکان مالک کے ساتھ آ گئی۔ سب کا خیر مقدم کرنے کے بعد میں نے کہا۔

"آپ لوگ جانتے ہیں آج یہ پارٹی ہمارے دفتر کی ہونہار اسٹاف رما دیوی کے دفتر سے رخصت ہونے کے اعزاز میں دی گئی ہے۔ رما دیوی کی خدمات سے متاثر ہو کر میں اپنے دفتر کی طرف سے یہ ایک حقیر نذرانہ پیش کر رہا ہوں" یہ کہہ کر میں نے ایک بیش قیمت رسٹ واچ رما کو پیش کی وہ اٹھ کر مائک کے پاس آئی اور "تھینک یو" کہہ کر گھڑی قبول کر لی۔

"ایک بات اور آپ لوگوں کے گوش گذار کرنی ہے ۔۔۔۔ آج سے رما دیوی مسز ورما بن گئی ہیں۔ آج دوپہر ہم نے سول میرج کر لی ہے" یہ کہہ کر میں نے رما کو دیکھا تو اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ اس کے ماتھے کی سرخ بندیا مرکری لائٹ کی روشنی میں ہیرے کی طرح چمک رہی تھی گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں پر دلنواز تبسم آ گیا۔ اپنی بڑی بڑی پلکیں اٹھا کر کنکھیوں سے میری طرف دیکھ کر رما نے کہا:

"میں اس احسان کا بدلہ اس جنم میں ادا نہ کر سکوں گی میرے دیوتا تم نے مجھ ابھاگن کو سہاگن بنا دیا ہے"



وسائل ترقی و کامیابی

بامِ عروج کی تین سیڑھیاں

ہمت شرافت اور خلوص سے زندگی کو کامیاب بناؤ

(ہمارے مفکر کے قلم سے)

جب آپ دنیا کے کامیاب انسانوں کی زندگی کے حالات کا گہری نظر سے مطالعہ کریں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ جہاں وہ بے مثال ہمت اور شجاعت کے مالک تھے وہاں اُن میں شرافت اور خلوص کے جوہر بھی پوشیدہ تھے۔ ہمت و جرأت بلاشبہ بہت بڑی طاقت ہے جو انسان کو کامیابی کی منزل تک لے جاتی ہے۔ لیکن کامیاب انسان میں اگر شرافت اور دیانت کا جوہر نہیں ہوتا تو یہ کامیابی عارضی اور وقتی ثابت ہوتی ہے۔ یاد رکھئے کوئی ایسی زندگی کبھی کامیاب ثابت نہیں ہو سکتی جو جھوٹ فریب اور عیاری کی حرکتوں سے ملوث ہو۔

ہماری نگاہوں کے سامنے ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ لوگوں نے بے ایمانی، رشوت ستانی۔ اور ناجائز ذرائع سے خوب دولت پیدا کی ہے۔ لیکن اُن کی دولت مندی اور ترقی عارضی ثابت ہوئی ہے۔ یا تو وہ کسی ایسے قانونی شکنجہ میں گرفتار ہو گئے ہیں کہ اُن کی ساری دولت اُس پر ضائع ہو گئی ہے یا قدرت نے اُن سے ایسا انتقام لیا ہے کہ اُن کی ساری ثروت خاک میں مل گئی۔

جس شخص کا کردار پست ہے وہ کبھی کوئی اونچی بات سوچ ہی نہیں سکتا اسی طرح جو لوگ کہ آمدنی کے ناجائز ذرائع کی تلاش میں رہتے ہیں اُنہیں ترقی کا صحیح راستہ مل ہی نہیں سکتا۔ اور اگر مل بھی جاتا ہے تو کردار کی پستی اُنہیں ایسے برے اشغال میں مبتلا کر دیتی ہے کہ ساری کمائی ہوئی دولت برباد ہو جاتی ہے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ صرف وہی سپاہی بادشاہی کے درجہ پر پہنچے ہیں۔ اور صرف وہی مزدور لکھ پتی بنتے ہیں۔ جن میں ہمت تھی، شرافت اور دیانت تھی طارق بن زیاد، نپولین، ہینری فورڈ اور راک فیلر ابتدا میں کچھ بھی نہیں تھے۔ یہ ہمت سے آگے بڑھے، شرافت سے مخلوق خدا کے ساتھ پیش آئے۔ اور بنی نوع انسان کے ساتھ انھوں نے ہمدردی خلوص اور سچائی کا برتاؤ کیا اور اس طرح ان کا نام غیر فانی بن گیا۔

کامیابی کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے لئے جو کام تجویز کرے اُسے پوری ہمت اور استقلال کے ساتھ انجام دے۔ راستہ میں اگر رکاوٹیں پیدا ہوں تو اُن کی مطلق پرواہ نہ کرے۔ اللہ کے بھروسہ پر برابر آگے بڑھتا رہے اور کامیابی کے رستہ میں جو بھی مشکلات پیش آئیں اُن کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرے اور آگے قدم بڑھاتا ہی چلا جائے۔

پھر جب کامیابی کی منزل سامنے آئے تو شرافت اور دیانت کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ جو لوگ کہ تھوڑی سی کامیابی پر مطمئن ہو جاتے ہیں اور اُن کے دماغ میں غرور پیدا ہو جاتا ہے وہ ہرگز بام عروج پر نہیں پہنچ سکتے بام عروج پر صرف وہی لوگ پہنچتے ہیں جن میں ظرف ہوتا ہے جو انتہا درجہ کے شریف اور نیک چلن ہوتے ہیں اور کسی حالت میں بھی دیانت اور صداقت کا دامن نہیں چھوڑتے۔

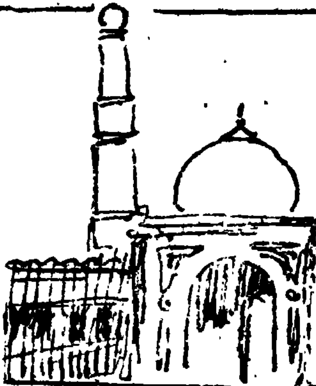
ایک کامیاب انسان کا دل خلوص سے بھی لبریز ہونا چاہیے۔ کوئی شخص بھی معاونین اور مددگاروں کے بغیر آگے نہیں بڑھا کرتا۔ اس کے دل میں اپنے معاونین اور مددگاروں کا احترام ہونا چاہئے جنھوں نے اُسے کامیابی کی منزل کا راستہ بنانے میں مدد کی ہے یا سہارا دیا ہے۔ ایک بہت بڑے امریکن کارخانہ دار کا مقولہ ہے کہ "مجھے غیر معمولی ترقی اور کامیابی محض اس لئے حاصل ہوئی ہے کہ میں اپنے کارخانہ کے چھوٹے سے چھوٹے مزدور کے ساتھ بھی خلوص رکھتا تھا اور اپنے ہاں کے ہر کارکن کے لئے میرے دل میں غیر معمولی محبت کا جذبہ موجود تھا"

امریکہ کا نامور کروڑ پتی "راک فیلر" اپنی زندگی کے تجارب بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "انسان جو کام بھی سوچ سمجھ کر شروع کرتا ہے۔ اُس میں کامیابی ضرور ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ لوگ اس لئے گھبرا جاتے

ہیں کہ وہ یا تو تھوڑی سی کامیابی سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یا اپنی آمدنی کو ناجائز مصارف پر برباد کرنے لگتے ہیں۔ کامیابی کے متلاشی انسان کے لئے یہ ضروری ہے کہ اُسے اپنے نفسانی جذبات پر پورا قابو حاصل ہو۔ وہ آمدنی کے بڑھنے پر گمراہ نہ ہو جائے۔ اور اپنے آپ کو بدچلنی کے راستہ پر نہ ڈال دے بدچلنی کاروبار کے لئے گھن کی حیثیت رکھتی ہے "

حقیقت یہ ہے کہ ایک کامیاب انسان کے لئے سرمایہ اور محنت سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ اُس کا کردار نہایت بلند ہو۔ وہ باہمت ہونے کے ساتھ شرافت اور دیانت کا بھی مجسمہ ہو کیوں کہ کردار کی خرابی نے بڑے سے بڑے کاروبار کو بھی تباہ کر دیا ہے۔ ہیزی فورڈ اپنی سوانح حیات میں لکھتا ہے "میں نے ایک مزدور کے درجہ سے ترقی کی ہے میری زندگی کے تین اہم اصول ہیں۔ ہمت و استقلال۔ انسان دوستی۔ اور دیانت۔ اور یہ تینوں اصول میرے لئے مشعلِ راہ بنے رہے ہیں۔ ہمت و استقلال نے مجھے آگے بڑھایا۔ انسان دوستی نے مجھے معاون عطا کئے اور دیانت نے میرے کاروبار کو استحکام بخشا۔

دنیائے اسلام پر ایک نظر



افغانستان میں نیا خونیں انقلاب

انور سادات کی غداری ۔ صدر کارٹر کی عربوں کے خلاف سازش

(ہمارے سیاسی مبصر کے قلم سے)

افغانستان میں نیا خونیں انقلاب

بی۔بی۔سی لندن کی اطلاع کے مطابق افغانستان میں ایک نیا خونیں انقلاب رونما ہوگیا ہے۔ اور اس خونیں انقلاب میں افغانستان کے سابق صدر "نور محمد تراکی" گولی کا نشانہ بن کر ہلاک ہو گئے۔ اور تراکی کی موت کے بعد "حفیظ اللہ امین" افغانستان کے نئے صدر بن گئے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ نور محمد تراکی اور حفیظ اللہ امین کا ایک ہی پارٹی سے تعلق ہے یعنی یہ دونوں ہی خلق پارٹی کے سربراہ ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود پارٹی ہی کے اندر شدید اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں صدارتی محل میں گولی چلی ہے بم پھٹے ہیں۔ نور محمد تراکی کے علاوہ اور بھی کئی وزراء اور حکومت کے سربراہ ہلاک ہو چکے ہیں اور بہت سی جانیں ضائع ہو گئی ہیں۔

قیاس کیا جاتا ہے کہ نور محمد تراکی اپنے صدارت کے عہدے سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور حفیظ اللہ امین سوویت روس کے اشارہ پر انہیں معزول کرنے پر تلے ہوئے تھے جس کے لئے حفیظ اللہ امین کو طاقت کا استعمال کرنا پڑا۔ یہ تو سب ہی کو معلوم ہے کہ اس وقت افغانستان کی حکومت سوویت روس کے زیر اثر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ روسی ہائی کمانڈ "نور محمد تراکی" سے خوش نہیں تھا۔ کیونکہ وہ افغانستان کے مذہب پسندوں کی بغاوت کو دبانے میں قطعی ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ عام خیال ہے کہ اب روس ہی کے اشارہ پر افغانستان میں حالیہ خونیں انقلاب رونما ہوا ہے۔ "نور محمد تراکی" کے قتل کے بعد "امین" صاحب نے افغانستان کی حکومت سنبھال لی ہے۔ لیکن ابھی تک حالات بہت خراب ہیں۔ کابل کی سڑکوں پر ٹینک گھوم رہے ہیں۔ اور پورا ملک خوف و ہراس میں مبتلا ہے اگر افغانستان میں بدنظمی کا یہی عالم رہا تو کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس ملک کا انجام

کیا ہو کر رہے گا۔

فلسطینیوں کے ساتھ سادات کی غداری

فلسطینیوں کے سربراہ "یاسر عرفات" نے اپنے ایک بیان میں انور سادات کے رویہ پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"انور سادات فلسطینیوں کے بارے میں اسرائیل اور امریکہ سے جو گفتگو کر رہے ہیں وہ سرتاپا فریب ہے۔ ان کو نہ عربوں سے کوئی تعلق ہے اور نہ فلسطینیوں سے کوئی واسطہ ہے۔ اپنے تھوڑے سے فائدہ کے لئے اور سینائی سے حاصل ہونے والے تیل کی خاطر انھوں نے عربوں اور فلسطینیوں کو اسرائیل کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ عرب تاریخ میں آج تک عربوں کے ساتھ کسی عرب ملک نے اس قسم کی غداری نہیں کی"

انھوں نے اپنے بیان میں آگے چل کر کہا ہے کہ: "انور سادات خواہ اس وقت محسوس کریں یا نہ کریں لیکن آگے چل کر انہیں اس غداری کی سزا بھگتنی ہوگی کوئی تعجب نہیں کہ جس اسرائیل سے وہ آج پینگیں بڑھا رہے ہیں وہی آگے چل کر اُن کے لئے مصیبت بن جائے" مصری عوام کے بارے میں انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ "جہاں تک مصری عوام کا تعلق ہے وہ ہمارے بھائی ہیں اور ہمارے دوست ہیں لیکن وہ [illegible] کے دباؤ اور خوف کی وجہ سے خاموش ہیں [illegible] غداری کی سزا دیں گے"

یہ ایک حقیقت ہے کہ انور سادات [illegible] عربوں کے خلاف معاہدہ کیا ہے [illegible] غداری کی ہے [illegible] مصر میں ان کے خلاف کوئی جماعت [illegible]

صدر کارٹر کی عربوں کے خلاف سازش

"کیمپ ڈیوڈ معاہدہ" یعنی مصر و اسرائیل کے درمیان دوستی کا معاہدہ سب ہی عرب ملکوں کی نظر میں امریکہ کی عربوں کے خلاف بہت بڑی سازش ہے۔ لیکن امریکہ کے صدر جمی کارٹر کے نزدیک یہ مشرق وسطیٰ میں امن کا بہترین معاہدہ ہے۔ چنانچہ واشنگٹن کی اطلاع ہے کہ حال ہی میں صدر کارٹر نے دنیا کے سب ہی ملکوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اس معاہدہ کو کامیاب بنانے میں سرگرم حصہ لیں۔

صدر کارٹر نے اپنی اس اپیل میں کہا ہے کہ "ہماری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ مشرق وسطیٰ میں پائیدار امن قائم ہو تاکہ اسرائیل بھی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ پُرامن ماحول میں ترقی کر سکے" لیکن صدر کارٹر سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ جدید ترین ہتھیاروں سے انھوں نے ایک غاصب اور ڈاکو کو مسلح کر رکھا ہے کس طرح یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ مشرق وسطیٰ میں کبھی امن قائم ہو سکتا ہے۔

مصر و اسرائیل معاہدہ جسے کہ صدر کارٹر امن کا معاہدہ قرار دے رہے ہیں۔ دراصل یہ عربوں میں افتراق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور صدر کارٹر یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح کہ مصر ان کے جال میں پھنس گیا ہے اسی طرح ایک ایک کر کے سب ہی عرب ممالک اسی فریب کا شکار ہو جائیں۔

لیکن صدر کارٹر کو معلوم ہونا چاہئے کہ دوسرے عرب ممالک کا اس جال میں پھنسنا تو درکنار شاید مصر بھی زیادہ مدت تک اس فریب کا شکار نہیں بنا رہے گا۔ کیونکہ وہ دن قریب ہے جب مصری عوام خود ہی اس معاہدہ کی دھجیاں اڑا دیں گے اور صدر سادات کو اپنی اس غلطی کا بھاری خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

ایران میں نئی بغاوت کے آثار

ایران میں اس وقت جو لاقانونیت جاری ہے اسے دیکھتے ہوئے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس ملک کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ علامہ آیت اللہ خمینی ممکن ہے کہ کوئی بہت بڑے عالم ہوں لیکن سیاست کے معاملہ میں وہ قطعی کورے ثابت ہوئے ہیں۔ ان کے دور کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ پورے ایران میں قتل عام جاری ہے۔ وہ مجنون تمام نام نہاد مذہبی کو تسلیم کیا جاتا قائم ہیں وہ جھکڑ چاہتی ہیں پکڑ پکڑ کر تختۂ دار پر چڑھا دیتی ہیں انقلاب کی کیفیت یہ ہے کہ ایران کے جن سیاست دانوں نے شاہ ایران کے خلاف حالیہ انقلاب میں نمایاں حصہ لیا تھا وہ بھی ڈرے ہوئے ہیں۔ کیونکہ نہیں کہا جا سکتا کہ کل کسے گردن زدنی قرار دے دیا جائے گا۔

فوج کی حالت سب سے زیادہ خراب ہے بے شمار فوجی لیڈروں کو گولی کا نشانہ بنایا جا چکا ہے جس سے کہ فوجی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔ کسی زمانہ میں مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کے بعد ایرانی فوج کو سب سے زیادہ طاقتور سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب ایران کی فوجی طاقت ناکارہ ہو چکی ہے۔ بڑے بڑے افسروں کی بڑی تعداد کو شوٹ کر دیا گیا ہے۔ اور بہت سے دوسرے فوجی افسروں کو غیر مسلح کر کے فوج سے نکال دیا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ایرانی فوج میں اتنی بھی طاقت باقی نہیں رہی ہے کہ وہ معمولی سے اندرونی بغاوت کو بھی دبا سکے۔

سچ تو یہ ہے کہ ایرانی عوام تنگ نظر ملاؤں کی خود حکومت سے حیران و پریشان ہیں۔ اور حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ کوئی تعجب نہیں کہ جلد ہی ایرانی عوام ایرانی ملاؤں کے خلاف کھلی بغاوت برپا کر دیں۔

تازہ اطلاع ہے کہ ایران کے دانشوروں، ڈاکٹروں، انجینئروں اور دوسرے ماہرین فن نے ایران کو چھوڑنا شروع کر دیا ہے۔ اور وہ غیر ممالک میں جا کر آباد ہونے شروع ہو گئے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ ایرانی عوام ملاؤں کے اقتدار سے تنگ آ چکے ہیں اور اس کے بعد ایران کا جو حشر ہونے والا ہے وہ سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

امریکہ میں اسلامی ریاست کے قیام کا امکان

امریکہ کی "دی اسلامک سوسائٹی" کا ایک بیان حال ہی میں اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ جس سے کہ پتہ چلتا ہے کہ امریکہ میں اسلام بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ چنانچہ گزشتہ تین برس میں تیس لاکھ افراد نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یعنی وہاں ہر سال دس لاکھ افراد حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں۔ امریکہ کے مسلمانوں کو توقع ہے کہ اگر اسلام اسی رفتار سے امریکہ میں ترقی کرتا رہا تو بہت جلد ایسا وقت آ جائے گا کہ امریکہ میں ایک ایسی ریاست قائم ہو جائے گی جس میں کہ اکثریت مسلمانوں کی ہوگی۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ امریکہ اور کناڈا میں وہاں کے دینی رہنما "دین محمدی" اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ امریکہ کے سیاہ رنگ باشندے اسلام کی جانب رجوع

ہو رہے ہیں۔ اور اسلام قبول کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ مسٹر ونیس شکاگو میں ایک اسلامی یونیورسٹی "حضرت بلال رضی" کے نام پر قائم کر رہے ہیں جس میں کہ دنیاوی علوم کے ساتھ دینی علوم کی بھی تعلیم دی جائے گی۔

امریکی اسلامک سوسائٹی کی یہ رائے ہے کہ امریکہ کے باشندے آجکل کسی سچے مذہب کی جستجو میں بھٹک رہے ہیں وہ بے دینی سے تنگ آچکے ہیں۔ اور ایسی حالت میں اگر اشاعت اسلام کی تحریک کو امریکہ میں تقویت دی جائے تو اس سے امریکہ میں اسلام کو پھیلانے میں بڑی مدد مل سکتی ہے

لبنان میں خونریزی کب تک

لبنان کے وزیر اعظم ڈاکٹر سالم نے دنیا کے سب ہی ملکوں سے اپیل کی ہے کہ وہ جنوبی لبنان پر اسرائیل کی گولہ باری بند کرانے میں مدد کریں کیونکہ وہاں جو عظیم جانی نقصان ہو رہا ہے اُسے زیادہ دیر تک نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر سالم نے تیونسیہ چوٹی کانفرنس کے اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ لبنان نے عرب چوٹی کانفرنس بلانے کی جو تجویز پیش کی ہے اُس کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس سلسلہ میں تمام عرب ممالک متحد ہو کر ایک حکمت عملی تیار کریں گے

جنوبی لبنان پر اسرائیل کی بمباری عربوں کے مستقبل کے لئے بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اسرائیل کا منشا یہ ہے کہ جنوبی لبنان جہاں عیسائی آبادی کی اکثریت ہے اس پر کامل قبضہ جمانے کے بعد عرب ممالک کے عین قلب میں ایک دوسرا اسرائیل قائم کر دیا جائے گا اور اس مقصد میں اسرائیل بڑی حد تک کامیاب بھی ہو چکا ہے۔ کیونکہ جنوبی لبنان کے ایک عیسائی علاقہ نے اپنی خود مختاری کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ عرب ممالک لبنان کے اس مسئلے سے اتنی دلچسپی نہیں لے رہے ہیں جتنی دلچسپی کہ انہیں لینی چاہئے اگر انھوں نے اس جدید اسرائیل کے خطرہ کا ابھی سے تدارک نہ کیا تو ان کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ موجود الزام یو۔ این۔ او پر ہے۔ اس بین الاقوامی انجمن نے جو چپ سادھ رکھی ہے جبکہ آخر لبنان کے بے گناہوں کا خون کب تک بہتا رہے گا اور اسرائیل کی جارحیت اور ظلم کو کب تک برداشت کیا جائے گا۔

فلسطینیوں کی آزاد حکومت کا قیام

پچھلے دنوں مراکش میں مسلم وزرائے خارجہ کی دسویں کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ "بیت المقدس" ہی آزاد فلسطینی حکومت کا دارالسلطنت ہوگا۔ اور یہ بات بھی طے پا چکی ہے کہ کسی موزوں مقام پر جلد سے جلد فلسطین کی آزاد جلا وطن حکومت قائم کر دی جائے گی تاکہ فلسطین کی آزاد حکومت کے قیام کے بعد تحریک آزادی فلسطین کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھایا جائے

یہ بات یاد رہے کہ جس "بیت المقدس" کو فلسطین کا دارالسلطنت قرار دیا گیا ہے اُس پر آجکل اسرائیل کا قبضہ ہے اور اسرائیل نے بھی یہ اعلان کر رکھا ہے کہ آئندہ سے بیت المقدس ہی اسرائیل کا دارالسلطنت ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "بیت المقدس" کے مسئلہ پر شدید تصادم کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔

اس کانفرنس کا پورا وقت مشرق وسطیٰ کے مسئلہ پر غور کرنے پر ہی صرف ہوا ہے۔ کانفرنس نے سب ہی ۴۲ مندوبین سے اپیل کی ہے کہ وہ مسلمانوں کے قبلہ اول کو اسرائیل کے قبضہ سے آزاد کرانے کے لئے اپنی سیاسی اور مالی امداد میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کریں۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا محض ریزولیوشن پاس کر دینے سے فلسطین کی آزاد حکومت قائم ہو سکتی ہے اور بیت المقدس کو اُس کا دارالسلطنت بنایا جا سکتا ہے۔ عرب ممالک خواہ محسوس کریں یا نہ کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تک عرب ممالک فوجی طاقت میں اسرائیل پر برتری حاصل نہیں کریں گے اور اپنے آپ کو آنے والی ایک بڑی جنگ کے لئے تیار نہ کر سکیں گے اُس وقت تک نہ تو آزاد فلسطینی ریاست قائم ہو سکتی ہے اور نہ بیت المقدس ہی کو اسرائیل کے چنگل سے نکالا جا سکتا ہے۔

کاغذ کے قحط سے کتب خانے بند

کاغذ کی قیمت چار گنی ہو گئی ہے۔ اور اس کے باوجود بھی کاغذ نہیں مل رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر کتب خانے بند ہو گئے ہیں۔ خود دین دنیا پبلشنگ کمپنی کے لئے شدید مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ ایسی حالت میں اگر کتابوں کے جدید ایڈیشن طبع کرنے میں تاخیر ہو تو اُسے مجبوری پر محمول کیا جائے۔



دلچسپ معلومات

حیرت انگیز اور عجیب و غریب انکشافات

(از ادارہ دین دنیا)

پلاسٹک کے خوشنما مکانات

آپ کو یہ سن کر تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ اب پلاسٹک کے مکانات بھی بننے شروع ہو گئے ہیں۔ چنانچہ لندن کی ایک اطلاع ہے کہ وہاں پلاسٹک کے مکانات کی تیاری کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر شروع ہو چکا ہے۔

پلاسٹک کے مکان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اسے صرف چند گھنٹوں کے اندر کھڑا کیا جا سکتا ہے اور یہ عام مکانوں کے مقابلہ میں نہایت خوشنما اور پائیدار بھی ہوتا ہے۔ پلاسٹک کا ایک مکان جس میں کہ ایک اچھے گھر کی تمام سہولتیں ہوتی ہیں چار پانچ ہزار پونڈ میں مل سکے گا اور اُس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اسے تہہ کر کے جہاں جی چاہے لیجایا جا سکتا ہے۔

ابھی صرف دو کمروں کے مکانات کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے لیکن آگے چل کر تین اور چار کمروں کے مکانات بھی بننے لگیں گے۔ عام خیال یہ ہے کہ پلاسٹک کے مکانوں کے رواج کے بعد دنیا میں مکانوں کی قلت آسانی سے دور کی جا سکے گی۔

یورپ میں خاوند بدلنے کا مرض

یورپ و امریکہ میں شادی بیاہ ایک کھیل بن گیا ہے چنانچہ مغربی ممالک میں ایسی لاتعداد عورتیں موجود ہیں۔ جو دس دس اور بارہ بارہ خاوند بدل چکی ہیں اور اس کے باوجود کسی موقع ملنے پر نئے خاوند بدلنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اس کی ایک وجہ غالباً یہ ہو کہ ان ممالک میں شادی کو کوئی اہم معاشرتی مسئلہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ شادیاں بھی اچھی خاصی حد سے بازی بن گئی ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یورپ و امریکہ کا قانونِ طلاق نہایت آسان ہے چنانچہ محض معمولی باتوں پر عدالتیں طلاق کی درخواست منظور کر لیتی ہیں۔

یورپ کی حالت یہ ہے کہ وہاں ایک سال میں چالیس لاکھ عورتیں طلاق حاصل کر کے نیا خاوند تلاش کر لیتی ہیں اور یہی کیفیت امریکہ میں بھی ہے۔ ان ملکوں میں عام طور پر عورتوں کو شوہروں سے کوئی محبت یا لگاؤ نہیں ہوتا بلکہ محض اغراض اور حصول زر کے لئے شادیاں کی جاتی ہیں۔

انسانی اعضا کے بنک قائم ہونگے

لندن کے ایک اخباری نامہ نگار کا بیان ہے کہ صحت انسانی سے تعلق رکھنے والے بعض اداروں نے تجویز پیش کی ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں ایسے بینک قائم کئے جائیں۔ جن میں کہ مردہ انسانوں کے تندرست اعضاء انکے مردہ جسم سے نکال کر محفوظ رکھے جا سکیں تاکہ انہیں زندہ انسانوں کے ناکارہ اعضا کی بجائے ان کے جسم میں لگایا جا سکے خصوصیت کے ساتھ حادثہ میں مرنے والوں کے دل، جگر، پھیپھڑے، گردے اور آنکھیں اور دوسرے اہم اعضا نکال کر محفوظ کر لئے جائیں جنکو بڑی آسانی کے ساتھ زندہ انسانوں کے ناکارہ اعضا کی جگہ فٹ کیا جا سکتا ہے۔

برطانیہ کے نامور سرجن ڈبلو۔ جے۔ ڈینیفر نے کہا ہے کہ آئندہ دس سال کے اندر جراحی کی دنیا میں ایک انقلاب آجائے گا اور پھر زندہ انسانوں کے ناکارہ اعضا کو مردہ انسانوں کے کارآمد اعضا سے تبدیل کرنا ایک معمولی بات بن جائے گی۔ سرجن نے بتایا ہے کہ مردہ انسانوں کی آنکھیں تو بینائی سے محروم انسانوں کے لگانے کا سلسلہ تو مدت سے جاری ہے لیکن اب کوشش کی جا رہی ہے کہ اسی طرح دل، گردے وغیرہ کی تبدیلی کئے جا سکیں اسی لئے انسانی اعضا کے بنک قائم کرنے کی تحریک چلائی گئی ہے۔

Delhi

دُنیا کے بتکدہ میں پہلا وہ گھر خدا

ہم پاسباں ہیں اُس کے وہ پاسباں







امریکہ اور اسرائیل کے پٹھو "انورسادات" سابق صدر امریکہ مسٹر فورڈ
سے ملاقات کے بعد بے حد خوش ہیں



ہ کے حکمران "ہزہائینس شیخ سلطان بن محمد قاسمی" ایک نمائش کا افتتاح کر رہے ہیں



نائب وزیراعظم ”مسٹر چوہان“ ایک غیر ملکی مدبر سے تبادلۂ خیال کر رہے ہیں



مسز اندرا گاندھی کانگریس (آئی) کے دو بڑے لیڈروں کے ہمراہ
ان کے دائیں جانب کملا پتی ترپاٹھی اور بائیں جانب مسٹر اسٹیفن کھڑے ہیں

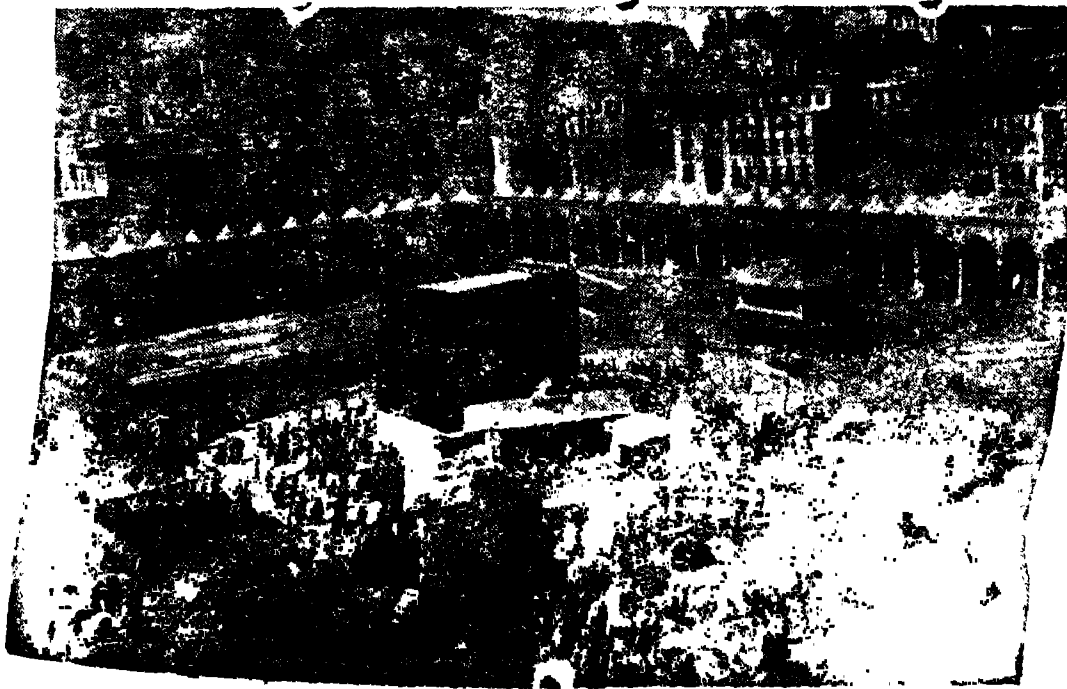




آنجہانی جے پرکاش نارائن کی دو یادگار تصویریں ایک مرارجی کے ساتھ
اور دوسری شیخ عبداللہ کے ہمراہ



مدینہ منورہ میں حضور اکرم کے روضہ مبارک کا روح پرور منظر



"خانہ کعبہ" جہاں ۹ ذی الحجہ کو لاکھوں مسلمان فریضہ حج ادا کرتے ہیں

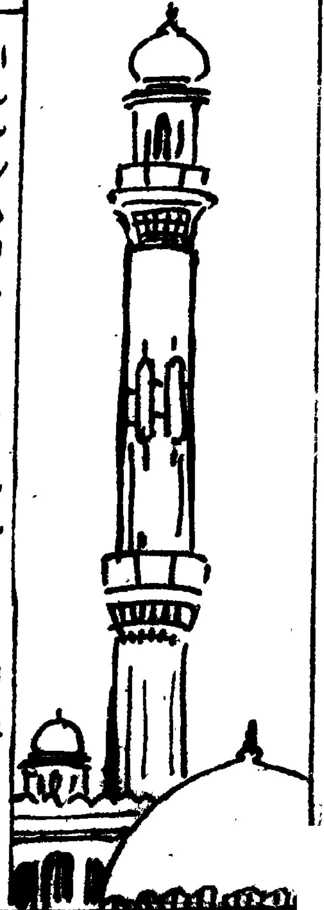
ٹیلیفون - ۲۷۲۳۵۰ اشاعت سال

ہندوستان کا سب سے قدیم اور کثیر الاشاعت تاریخی اور اصلاحی جریدہ

ماہنامہ دین دنیا دہلی

(ایڈیٹر شوکت علی فہمی)

جلد ۵۹ | نومبر ـــــ ۱۹۷۹ء | نمبر ۱۱



قیمت سالانہ
اٹھارہ روپے
ششماہی
دس روپے

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ دین دنیا
دین دنیا ہاؤس .... متصل جامع مسجد
دہلی ۶

قیمت فی پرچہ
ایک روپیہ پچھتر پیسے
پاکستان بنگلہ دیش اور برطانیہ بائیس ...
غیر ممالک ...

شوکت علی فہمی پرنٹر پبلشر نے اپنے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر دین دنیا جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔



رفتارِ زمانہ

(شوکت علی فہمی)

مسلم ووٹوں کی اہمیت

مسلمان ملک میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں

اِس بات سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اِس ملک میں مسلمان ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آزادی کے بعد سے کر اِس وقت تک مسلمانوں کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ اور اِس ملک کی تقریباً سب ہی سیاسی پارٹیاں اِس بات کو سمجھنے سے قاصر رہی ہیں کہ مسلمانوں کے مسائل صرف اُن کے مسائل نہیں ہیں بلکہ یہ قومی مسائل ہیں۔ اگر انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے تو اس سے صرف مسلم اقلیت ہی کو نہیں بلکہ پورے ملک کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ مسلمانوں سے سیاسی پارٹیوں کو اِس بے نیازی اور بے توجہی نے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کو ان سے بدظن کر دیا ہے۔ اور اس بدظنی کا آنے والے انتخابات پر اثر پڑنا ناگزیر ہے۔

آنے والے انتخابات میں بلاشبہ مسلم ووٹوں کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہوگی۔ یہ درست ہے کہ اِس ملک میں مسلم ووٹروں کی تعداد اگرچہ چودہ پندرہ فیصد سے زیادہ نہیں ہے لیکن پھر بھی مسلم ووٹوں کی اہمیت سے انکار کرنا مشکل ہے۔ چنانچہ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف پبلک اوپینین نے ۱۹۷۷ء کے انتخابات کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ اِس انتخاب کے موقعہ پر مجموعی ووٹروں میں سے مسلم ووٹروں کا تناسب صرف ۱۲ فیصد تھا لیکن جب ووٹ ڈالنے والوں کا اوسط دیکھا گیا تو مسلمانوں کا تناسب تیرہ فیصدی سے بھی کچھ زیادہ ہی نکلا اور اُس کی خاص وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی بیداری دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے چنانچہ پورے ملک میں جبکہ ۶۵ فیصد ووٹ پڑے تھے مگر اُن میں مسلم ووٹ ڈالنے والوں کا اوسط ۸۰ فیصد تھا یعنی مسلمانوں نے زیادہ تعداد میں ووٹ ڈالے تھے۔ اور اِسی وجہ سے اُن کے ووٹوں کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

پھر مسلم ووٹوں کے بارے میں کچھ ایسے حقائق بھی سامنے آئے ہیں جنھیں کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً ۵۴۲ چنائو حلقوں میں سے ۸۰ چناؤ حلقے ایسے ہیں جہاں مسلمانوں کی تعداد ۲۵ فیصد سے کر ۴۰ فیصد تک ہے۔ اور مسلمان چونکہ دوسرے فرقوں کی طرح ذات برادری میں بٹے ہوئے نہیں ہیں اس لئے اِن حلقوں میں مسلم ووٹ فیصلہ کن ثابت ہوتے ہیں۔ اور ایسے چناؤ حلقے زیادہ تر مغربی بنگال، بہار، اترپردیش، مہاراشٹر، کیرل اور جموں کشمیر میں ہیں۔ اور یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سارے ملک میں لوک سبھا کی تقریباً دو سو سیٹیں ایسی ہیں جن کا فیصلہ مسلم ووٹوں ہی پر منحصر ہے۔ یعنی مسلمان اِن سیٹوں میں جس جانب جھک جاتے ہیں وہی کامیاب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کی سب ہی سیاسی پارٹیاں آج اس کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔ کہ وہ زیادہ سے زیادہ مسلم ووٹوں کو اپنے حق میں کر سکیں۔

اور یہ بات سب ہی سمجھ رہے ہیں کہ آنے والے وسط مدتی انتخابات میں سیاسی پارٹیوں کا مقابلہ بہت ہی سخت ہوگا اور حالات کچھ ایسے ہیں کہ ہار جیت کا فیصلہ کسی بھی پارٹی کے لئے ۱۰ سے ۱۵ فیصد ووٹوں تک محدود

سے ہے کہ اس ملک میں ... سیٹوں میں مسلم ووٹ اہم رول ادا کر سکتے ہیں اُن پر سب ہی سیاسی پارٹیوں کی نظریں جمی ہوئی ہیں۔

سب ہی کو یہ بات بھی معلوم ہے کہ پچھلے دو عام انتخاب میں مسلمانوں نے نہایت ہی اہم رول ادا کیا ہے یعنی ۱۹۷۱ء میں مسز اندرا گاندھی اور کانگریس کی زبردست کامیابی کا بڑا سبب یہ تھا کہ شمالی اور جنوبی ہند میں انہیں بڑی تعداد میں مسلم ووٹ حاصل ہوئے تھے۔

اسی طرح ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں شمالی ہند میں مسز اندرا گاندھی کی بھاری ناکامی اور جنتا پارٹی کی کامیابی کا بڑا باعث یہ تھا کہ مسلمان اندرا گاندھی کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے جبری نس بندی جابجا مسلمانوں کے اجاڑے جانے اور مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کے بدلے جانے سے مسلمان برافروختہ تھے اور آخر مسلمانوں کی یہی ناراضگی شمالی ہند میں مسز اندرا گاندھی اور کانگریس کی شکست کا باعث ثابت ہوئی

اس کے برخلاف ۱۹۷۷ء کے اسی الیکشن میں جنوبی ہند میں مسلمانوں نے مسز اندرا گاندھی کا ساتھ دیا تھا اور اُن کی بھرپور حمایت کی تھی۔ کیونکہ وہاں مسلمانوں کے ساتھ شمالی ہند جیسے واقعات پیش نہیں آئے تھے صرف علی گڑھ کے معاملہ نے کسی حد تک بعض مسلم حلقوں کو متاثر کیا تھا۔ جبکہ شمالی ہند کے مسلمانوں کا معاملہ اس کے بالکل برعکس رہا تھا اور انھوں نے شمالی ہند میں مسز اندرا گاندھی کی پوری قوت سے مخالفت کی تھی اور اُن کے خلاف اجتماعی طور پر ووٹ دئے تھے جس کا خمیازہ بری طرح مسز اندرا گاندھی کو بھگتنا پڑا تھا۔

اِن حقائق اور اعداد وشمار سے یہ چیز بالکل واضح ہے کہ ہمارے ملک میں مسلم ووٹوں کو کسقدر اہمیت حاصل ہے۔ اسی لئے آنے والے انتخابات میں سیاسی پارٹیاں مسلم ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اور سب ہی پارٹیوں کے لیڈر مسلمانوں کے حق میں بیانات پر بیانات دے رہے ہیں لیکن پھر بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ہمارے ملک کی سیاسی پارٹیوں نے گذشتہ واقعات سے کوئی سبق لیا یا نہیں۔ ہمارے ملک کی سیاسی پارٹیوں کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ اب وہ زمانہ گزر چکا ہے جب مسلمانوں کو صرف بیانات اور خوشنما وعدوں سے بہلایا جاسکتا تھا۔ اب مسلمانوں میں کافی بیداری پیدا ہو چکی ہے۔ اس لئے اب وہی پارٹیاں مسلمانوں کی ہمدردی اور ووٹ حاصل کر سکیں گی جو مسلم مسائل کے بارے میں کوئی یقین دہانی کر سکیں گی اور یقین دہانی بھی ایسی جو صرف زبانی نہ ہو بلکہ حقیقت پر مبنی ہو

اس وقت تین بڑی سیاسی پارٹیاں انتخابات کے میدان میں ہیں۔ ایک کانگریس آئی ہے جس کی صدر مسز اندرا گاندھی ہیں۔ دوسری لوک دل ہے جس میں کہ سابق کانگریس ضم ہو چکی ہے اور جس کے لیڈر موجودہ وزیراعظم چودھری چرن سنگھ ہیں۔ اور تیسری جماعت جنتا پارٹی ہے جو آج بھی بڑی حد تک آر ایس ایس اور جن سنگھیوں کے بل پر قائم ہے۔ اور جس کی سربراہی کے فرائض بابو جگ جیون رام انجام دے رہے ہیں۔ ان تینوں پارٹیوں میں سے ہی کسی پارٹی کو مسلمانوں کو منتخب کرنا ہے۔

جہانتک جنتا پارٹی کا تعلق ہے۔ اُس سے تو مسلمان بری طرح ناراض ہیں۔ بالکل اُسی طرح جس طرح کہ گزشتہ انتخابات میں کانگریس سے ناراض تھے۔ شائد اُسے تو مشکل ہی سے مسلمانوں کے چند گنے چنے ووٹ مل سکیں جنتا پارٹی سے مسلمانوں کی ناراضگی کا واحد سبب یہ نہیں ہے کہ مسلم ووٹوں سے برسر اقتدار آنے کے بعد اس پارٹی نے مسلمانوں کو قطعی فراموش کر دیا تھا بلکہ اُس کے دور میں علیگڈھ اور جمشید پور جیسے ایسے بھیانک فسادات ہوئے ہیں جنھیں مسلمان کسی طرح بھی فراموش نہیں کر سکتے پھر مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو ذبح کرنے میں بھی یہ پارٹی پیش پیش رہی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جنتا پارٹی اُن راشٹریہ سنگھی عناصر پر مشتمل ہے جو صرف مسلمانوں کے راشٹریہ کرن ہی کا نعرہ نہیں لگاتے رہے ہیں بلکہ جو اسلام کے راشٹریکرن کے بھی حامی ہیں۔ اور جن کا مطالبہ یہ ہے کہ مسلمان اگر اس ملک میں رہنا چاہتے ہیں تو وہ ہندو بن کر رہیں جس پارٹی کا کردار اسقدر داغدار ہو بھلا وہ مسلمانوں کے لئے کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے۔

اب رہی مسز اندرا گاندھی کی آئی کانگریس اور چودھری چرن سنگھ کا لوک دل تو اِن دونوں کے منشور اور یقین دہانی پر یہ موقوف ہے کہ وہ مسلمانوں کو کس حد تک اپنے طرف متوجہ کر سکیں گی۔ لیکن اِن دونوں ہی پارٹیوں کے رہنماؤں کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ اب وہ محض زبانی وعدوں سے مسلمانوں کو نہیں بہلا سکیں گے۔ اُنہیں ایسی یقین دہانیاں کرنی ہونگی جو مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہو سکیں۔ اب دیکھنا ہے کہ یہ دونوں پارٹیاں مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے کون سے عملی قدم اٹھاتی ہیں۔

مسلم زعما کا فرض ہے کہ وہ اس نازک وقت میں ایک متحدہ پلیٹ فارم کے ذریعہ ایک طرف تو مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کریں اور دوسری جانب ان پارٹیوں سے تبادلہ خیال کرنے کے بعد اُن سے یقین دہانیاں حاصل کریں اور

مسلمانان ہند کو بتائیں کہ وہ حالیہ انتخابات میں کیا رویہ اختیار کریں اور کس پارٹی کو ترجیح دیں۔ ہمارے لئے یہ چیز قابل اطمینان ہے کہ "مسلم مجلس مشاورت" کی رہنمائی میں ایک "مسلم قومی محاذ" کی داغ بیل ڈالی جا چکی ہے جس میں کہ بہت سی مسلم جماعتیں شامل ہو چکی ہیں۔ دوسری جانب جمعیتہ العلماء ہند نے "ملک و ملت بچاؤ" کے نام سے جو تحریک جاری کر رکھی ہے اس کے بھی دور رس نتائج نکل سکتے ہیں۔ بہر حال مسلم زعماء اور مسلم عوام دونوں کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ حالیہ انتخابات میں مسلمانوں کے ووٹ ضائع نہ جائیں۔ اور اُن کے ووٹوں سے جو پارٹی برسر اقتدار آئے اُس کا وجود صرف مسلم اقلیت ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے ملک کے لئے مفید ثابت ہو سکے۔

ہم ایک بار پھر مسلمانوں کو یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی طاقت اور اہمیت کو سمجھیں۔ اس ملک میں اُن کا ایک خاص مقام ہے وہ اس ملک میں ایک متوازن طاقت کی حیثیت رکھتے ہیں وہ اگر متحد ہو جائیں تو اس ملک کی سیاست کو جس طرف چاہے موڑ سکتے ہیں۔

ہمارے ملک کا حشر کیا ہونے والا ہے

جنتا پارٹی کے قیام کے بعد ہی سے ہمارے ملک میں جو افراتفری شروع ہوئی تھی۔ وہ بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اس افراتفری اور ہمارے ملک کے لیڈروں کی خود غرضی کو دیکھتے ہوئے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے ملک کا حشر کیا ہونے والا ہے۔

جنتا پارٹی جب تک قائم رہی اس پارٹی کے مختلف گروپوں میں رسہ کشی جاری رہی۔ ایک لیڈر دوسرے لیڈر کی ٹانگیں کھینچتا رہا۔ کرسیوں کی ہوس اور عہدوں کی لالچ میں سب ہی جنتا لیڈر ایک دوسرے کو گرانے اور نیچا دکھانے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک کی بجائے دو دو نائب وزیر اعظم بنا بیٹھے۔ لیکن اس کے باوجود بھی جنتا پارٹی قائم نہ رہ سکی اور آن کی آن میں اس کا شیرازہ بکھر گیا۔

اور اب جب کہ جنتا پارٹی ٹوٹی ہے اور وسط مدتی انتخابات کا اعلان ہوا ہے تو ملک کے سب ہی لیڈر۔ ملک کے لئے نہیں اور اس ملک کے عوام کے لئے نہیں بلکہ اقتدار کے لیے اور کرسیوں کے حصول کے لئے برابر جوڑ توڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اُن کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ ملک باقی رہے یا تباہ ہو جائے بس ان کا مقصد پورا ہونا چاہئے

اسی جوڑ توڑ کا یہ کرشمہ ہے کہ شری چرن سنگھ نے وزارت عظمیٰ کی ہوس پوری کرنے کے لئے لوک دل کے نام سے اپنی نئی پارٹی بنائی ہے اور شری بہوگنا جیسے لیڈر بھی جنتا پارٹی کو چھوڑ کر نظریات کے شدید اختلافات کے باوجود چرن سنگھ کی پارٹی میں شامل ہو گئے تھے مگر اُن کی چرن سنگھ کے ساتھ نبھ نہ سکی اور انہیں چرن سنگھ کی پارٹی سے نکلنا پڑا اور اب وہ اپنی پرانی پارٹی یعنی سی۔ ایف۔ ڈی کو مستحکم کرنے کی فکر میں ہیں اور ساتھ ہی یہ بات بھی سوچ رہے ہیں کہ کس پارٹی سے مل کر آنے والے انتخابات میں حصہ لیں۔

اب رہے جنتا پارٹی کے سابق وزراء جارج فرنانڈیز و بیجو پٹنائک جو دونوں ہی بدعنوانیوں کے لئے کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اور جن پر متعدد مقدمات بھی قائم ہو چکے ہیں یہ جنتا پارٹی کو ٹھکرا کر سیکولر جنتا میں شامل ہونے کے ارادہ سے نکلے تھے۔ لیکن اب وہاں اپنے لئے میدان تنگ دیکھ کر پھر دوبارہ جنتا پارٹی میں شامل ہونے کا پلان بنا رہے ہیں اور اس مقصد کے لئے جنتا پارٹی کے صدر شری چندر شیکھر اور جنرل سیکریٹری شری سریندر موہن سے اُن کی کئی ملاقاتیں ہو چکی ہیں مگر ابھی تک سودا پکا نہیں ہوا ہے۔ لیکن رابطہ اب بھی قائم ہے۔

اُدھر بابو جگ جیون رام ہیں جو قلا بازی کھانے کے بہت بڑے ماہر ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ ایمرجنسی کے زمانہ میں اندرا کے گن گاتے رہے دوسری طرف اندر ہی اندر اندرا کی جڑیں کھودتے رہے جب اندرا کے ساتھ رہنے میں نقصان دکھائی دیا تو قلا بازی کھا کر جنتا پارٹی میں آ گئے مگر پارٹی میں رہتے ہوئے مرارجی کی بھی بنیادیں کھودتے رہے۔ آج کل یہ جنتا پارٹی کے سب سے بڑے سربراہ ہیں لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب نئی قلا بازی کھانے کے بعد کدھر چلے جائیں گے

مختصر یہ کہ ہمارے ملک کے لیڈروں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کا کردار اس قدر گر گیا ہے کہ اُن کی ساری سرگرمیاں عہدوں اور کرسیوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ اور اسی کے لئے وہ جوڑ توڑ میں لگے ہوئے ہیں اُن کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ ملک کے باشندے دوزخ میں جائیں یا جنت میں اُن کو تو بس کرسی چاہئے اور عہدے کی طلب ہے۔

آزادی کے گذشتہ ۳۲ سال میں ہمارے ملک میں بڑے بڑے ڈیم بنے ہیں۔ بڑی بڑی شاندار عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں ترقی کرتے کرتے ہمارا ملک ایٹمی برادری میں بھی شامل ہو گیا ہے۔ لیکن [illegible] ملک میں ناپید وہ کردار ہے

یہاں تک کہ ہمارے لیڈروں کا بھی کوئی قومی کردار نہیں۔ اور جب ہمارے لیڈر ہی کردار کے معاملہ میں کورے ہوں تو ہمارے ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔

"بھارت کو مسلم ملک بنانے کی سازش"

ہمارے ملک میں بدقسمتی سے رجعت پسندوں کا ایک ایسا طبقہ بھی موجود ہے جو اس ملک کی ہندو اکثریت کو طرح طرح سے مسلمانوں سے خوفزدہ کرتا رہتا ہے۔ یہ طبقہ ہندوؤں کے دماغوں میں یہ زہریلا تاثر پیدا کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے کہ مسلمان جو اس ملک کے باشندے ہیں۔ ان کا وجود ہندوؤں کے لئے نہایت خطرناک ہے۔ کیونکہ یہ کسی وقت بھی مسلم ممالک کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دے سکتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں رام لیلا گراونڈ میں آریہ سماجیوں کا ایک جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں تقریر کرتے ہوئے سابق ممبر پارلیمنٹ شری اوم پرکاش پرشارتھی نے ہندوؤں کو خبردار کیا ہے کہ "ہمارے ملک میں ہندوؤں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں ہو رہی ہیں جن میں سے ایک سازش یہ بھی ہے کہ "مسلم بلاک" بھارت کو پچاس برس کے اندر اندر مسلم ملک بنانے کا خواب دیکھ رہا ہے۔"

اس عجیب و غریب اور بالکل نئے انکشاف کے سلسلہ میں زیادہ بہتر تو یہ تھا کہ آریہ سماجی لیڈر اس "مسلم بلاک" کی تشریح بھی فرما دیتے جو بھارت کو مسلم ملک بنانے کی سازش میں مصروف ہے۔ اگر ان کا مقصد ان مسلم ممالک سے ہے جن کی سرحدیں ہندوستان سے ملتی ہیں یا جو مسلم ممالک ہندوستان کے پڑوسی ہیں۔ مثلاً پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان اور ایران تو خود ان ممالک کی اندرونی حالت اتنی خراب ہے کہ ہندوستان جیسے بڑے ملک کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے ملک کی جانب بھی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتے پھر بھلا ہندوستان کو ان پڑوسی مسلم ممالک سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔؟

اور اگر ان کا اشارہ عرب ممالک کی جانب ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسرائیل کا آلہ کار بن کر عرب و ہند کے دوستانہ تعلقات کو بگاڑنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کے سب ہی عرب ملکوں کے ساتھ نہایت ہی گہرے اور قریبی تعلقات ہیں۔ اور ان تعلقات سے ہمیں فائدہ بھی پہنچ رہا ہے۔ ہمارا عربوں کے ساتھ کروڑوں کا نہیں بلکہ اربوں کا کاروبار ہے عرب ممالک میں تقریباً دس لاکھ ہندوستانی جن میں کہ اکثریت ہندوؤں کی ہے مختلف شعبوں میں کام کر رہے ہیں جن کے ذریعہ ہندوستان کو دو کروڑ روپیہ یومیہ کا زرمبادلہ وصول ہو رہا ہے۔ پھر ہندوستان کی پٹرولیم کی تمام ضروریات آج یہ عرب ممالک ہی پوری کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر ان دوست عرب ممالک کے خلاف کسی طرح بھی بدظنی پھیلائی جاتی ہے۔ تو یہ سراسر ہمارے قومی مفادات کے خلاف ہے۔

مگر ان رجعت پسندوں کا تو واحد مقصد یہ ہے کہ وہ مسلمانان ہند کے خلاف ہی نہیں بلکہ مسلم اور عرب ممالک کے خلاف بھی بدظنی پھیلاتے رہیں۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ ان کی ان حرکتوں سے ملک کو فائدہ پہنچتا ہے یا نقصان۔ کبھی تو یہ اس ملک کی ہندو اکثریت کو مسلم ممالک کا ہوّا دکھا کر خوفزدہ کرتے ہیں اور کبھی یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانان ہند فیملی پلاننگ کی محض اس لئے مخالفت کر رہے ہیں تاکہ اس ملک میں اپنی اکثریت پیدا کر کے اس ملک کے ہندوؤں کو اپنا محکوم بنا لیں اور ہمارے ملک کی حکومت ہے کہ اس نے ان رجعت پسندوں کو تفریق پسندی کا زہر پھیلانے کے لئے آزاد چھوڑ رکھا ہے۔

پاکستان میں اسلام کی مٹی پلید

ہمارا خیال ہے کہ پوری دنیائے اسلام میں پاکستان اور ایران دو ایسے ملک ہیں جنھوں نے کہ اسلام کو بری طرح بدنام اور رسوا کیا ہے — اور دنیا کے سامنے اسلام کی شکل بری طرح مسخ کر کے پیش کی ہے۔ ایران کی حالت یہ ہے کہ وہاں اسلام کی آڑ لے کر بری طرح قتل عام جاری ہے ہر وہ شخص جو ایرانی ملاؤں کے راستہ میں روڑا سمجھا جاتا ہے۔ اُسے بے دین یا غدار قرار دے کر گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔ ایران کے ملاؤں کے ان کرتوتوں سے ساری دنیا میں اسلام بدنام ہو رہا ہے۔ اور دنیا یہ سمجھ رہی ہے کہ اسلام قاتلوں خونیوں اور درندوں کا مذہب ہے۔

ایران ہی کی طرح پاکستان میں بھی اسلام کی آڑ لے کر مخالفین کا صفایا کیا جا رہا ہے۔ اگر ایران میں آیت اللہ خمینی جیسے کٹ ملا اور ان کے حواریوں نے اسلام کو بدنام کر رکھا ہے تو پاکستان میں فوجی ڈکٹیٹر جنرل ضیا نے "محافظ اسلام" بن کر بری طرح اسلام کی مٹی پلید کر رکھی ہے۔ چنانچہ اس "محافظ اسلام" نے جھوٹے مقدمات کا جال بچھا کر

تختہ دار پر چڑھا کر صرف بھٹو ہی کو اپنے راستہ سے نہیں ہٹا دیا ہے بلکہ مرحوم بھٹو کی بیوہ نصرت بھٹو اور اُن کی صاحبزادی بے نظیر بھٹو کو بھی لاڑکانہ میں قید کر دیا ہے اور ساتھ ہی پیپلز پارٹی کے سیکڑوں جبر کردوں کو پورے پاکستان میں مارشل لا جاری کر کے جیلوں میں ٹھونس دیا ہے۔ محض اس جرم میں کہ یہ آزادانہ الیکشن کرانا چاہتے تھے۔ اور یہ بات جنرل ضیا کے مفاد کے خلاف بھی کیونکہ آزادانہ الیکشن ہونے کی صورت میں بھٹو کی پیپلز پارٹی یقینی طور پر برسر اقتدار آجاتی جیسا کہ حال ہی میں بلدیاتی انتخابات میں ہوا ہے۔ اور پیپلز پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد نہ صرف جنرل ضیا کی ڈکٹیٹری ختم ہو جاتی بلکہ مرحوم بھٹو کے قتل کے جرم میں جنرل ضیا اور اُن کے دوست جسٹس مولوی مشتاق احمد جیسے حواریوں کو بھی پھانسی کے تختہ پر چڑھنا پڑتا۔

جنرل ضیا کی ابن الوقتی ملاحظہ ہو کہ یہ پاکستان پر غاصبانہ قبضہ جما کر دو سال تک تو پاکستانی عوام کو الیکشن کرانے کے جھانسے دیتے رہے اور بار بار الیکشن کی تاریخیں بدلتے رہے۔ اور اب دو سال کے بعد یہ اعلان فرمادیا ہے کہ کیوں کہ الیکشن کا طریقہ مغربی ہے۔ اور یہ مغربی طریقہ اسلام سے میل نہیں کھاتا اس لئے اب پاکستان میں الیکشن کبھی نہیں ہوں گے بلکہ پاکستان میں اسلامی طرز کی حکومت قائم کی جائے گی۔ چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

"میں مغربی طرز کی جمہوریت کی جگہ پاکستان میں اسلامی طرز کی جمہوریت قائم کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایک ایسی کمیٹی قائم کروں گا جو اسلامی جمہوری حکومت کا ڈھانچہ تیار کرے گی اور اسلامی طریقہ انتخاب طے کرے گی تاکہ صرف مذہب پر عمل کرنے والے دیندار مسلمان ہی کو نامزد کیا جا سکے۔ رائے دہندگان کے لئے رائے دینے کا بھی ایک معیار مقرر کیا جائے گا۔ ہر شخص کو ووٹ دینے کا حق نہیں ہوگا پاکستان میں بہت جلد ایک ایسا نظام حکومت قائم کر دیا جائے گا جس کی بنیاد اسلام پر ہوگی"

اس بیان کے ساتھ ہی اگر جنرل ضیا یہ بھی فرما دیتے تو بہت مناسب ہوتا کہ پاکستان میں "دیندار" صرف اُسی شخص کو سمجھا جائے گا جو جنرل ضیا کی ڈکٹیٹری پر ایمان لا چکا ہوگا۔ خواہ وہ بھٹو کو سزائے موت دینے والا مولوی مشتاق جیسا ضیا کا ساتھی ہی کیوں نہ ہو جس نے کہ اپنے ایک مرحوم دوست جنرل شیر خاں کی لڑکی "جو لیا" سے ناجائز آشنائی پیدا کر رکھی ہے۔

زمانہ کا انقلاب دیکھئے کہ آج اسلامی نظام کی ترویج کا ٹھیکیدار ایک ایسا شخص بن رہا ہے جو اسلام کی ابجد سے بھی واقف نہیں جو مدتوں بحیثیت ایک ظالم فوجی کمانڈر بے گناہ بلوچیوں اور سرحد کے باشندوں کا محض اسلئے قتل عام کرتا رہا ہے اور خون بہاتا رہا ہے کیوں کہ وہ بھی دوسروں کی طرح آزادی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اور جس کے دامن پر صرف بھٹو اور بھٹو کے ساتھیوں ہی کے خون کے داغ نہیں ہیں بلکہ جو ہزاروں بے گناہوں کا قاتل ہے۔

اسلام کے اس خانہ ساز ٹھیکیدار سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ جب کہ اسلام میں شہنشاہیت اور فوجی ڈکٹیٹری ناجائز ہی نہیں ہیں بلکہ قطعی حرام ہیں۔ تو یہ مبلغ اسلام" اس خلاف شرع اور حرام منصب پر کیوں قابض ہے۔ اور سنت رسول اللہ اور سنت صحابہ کی بجائے جنرل ضیا فرعون، نمرود، شداد اور یزید کے مسلک پر کیوں چل رہا ہے۔

جنرل ضیا کا دعویٰ ہے کہ وہ پہلی مرتبہ دنیا میں "اسلامی نظام حکومت" قائم کر کے دکھائے گا گویا یہ اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروق اعظم سے بھی افضل سمجھ رہا ہے جنھوں نے کہ دنیا میں جمہوریت کی داغ بیل ڈالی ان حقائق اور واقعات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا کہ ڈکٹیٹرشپ کے نشہ نے جنرل ضیا کو قطعی گمراہ کر دیا ہے۔ اور اسلام کی اس فرعون صفت ڈکٹیٹر کی وجہ سے دنیا میں بری طرح رسوائی ہو رہی ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ اس کا بھی وہی حشر ہوگا۔ جو دوسرے ڈکٹیٹروں اور گمراہوں کا ہو چکا ہے۔

مسلمانوں کے خلاف زہریلا لٹریچر

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کے رجعت پسند اور راشٹریہ سنگھی فرقہ پرستی کی اُس آگ کو جو وہ علیگڈھ اور جمشید پور میں بھڑکا چکے ہیں اب سارے ملک میں پھیلا دینا چاہتے ہیں۔ اور اسی ناپاک مقصد کے لئے انھوں نے ملک کے دوسرے حصوں میں بھی مسلمانوں کے خلاف زہر میں بجھا ہوا لٹریچر تقسیم کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ کلکتہ سے شائع ہونے والے ایک انگریزی اخبار "سنڈے" نے اپنی ایک تازہ اشاعت میں "ہندو جاگرتی سبھا جمشید پور" کے نام سے چھپنے والے ایک پمفلیٹ کا تذکرہ کیا ہے۔ جس کا مضمون کچھ اس طرح ہے۔

"ہندو! ابھوت کو تیاگ دو اور چلنا سیکھو، اے شیرو ں کیوں چلتے ہو گیدڑ کی طرح۔ شیر کی چال چلنا سیکھو۔ آج سیکولرزم کے

نام پر حکومت اکثریت کو ختم کر دینا چاہتی ہے۔ کیا اکثریت میں ہونا کوئی جرم ہے۔ ہندوستان کی سیاسی پارٹیاں ملک کے پندرہ فیصد مسلمانوں کو خوش کرنے کی پالیسی پر عمل کرتی رہی ہیں۔ ہم اپنے ملک میں اپنے تیوہار نہیں مناسکتے اچھی پوجا نہیں کر سکتے ہم اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے ہمارے جلوس پر پتھراؤ کیا گیا۔ بم پھینکے گنیش پوجا کے پنڈال کو آگ لگائی۔ اب ملک اور علاقے قربانی چاہتے ہیں ہم ہندو بھی قربانی دینے کے لئے تیار رہیں ہم میں کوئی بنگالی بہاری۔ پنجابی اور مرہٹہ نہیں بلکہ سب ہندو ہیں اور سب ایک ہیں۔ مسلمانوں نے مذہب کے نام پر اس ملک میں سے اپنا حصہ لے لیا ہے۔ اب انہیں یہاں دبانے اور یہاں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ اے سونے والے شیر! اٹھو اور اپنی طاقت پہچانو ۔۔۔

ملاحظہ فرمائیے کہ کیسی دیدہ دلیری کے ساتھ اس پمفلیٹ کے ذریعہ اس ملک کی اکثریت کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا گیا ہے۔ اور یہ بات یاد رہے کہ یہ کوئی پہلا پمفلیٹ یا اشتہار نہیں ہے بلکہ اس سے قبل علیگڈھ کے فسادات کے بعد بھی اسی قسم کے اشتعال انگیز اشتہارات شائع کئے جا چکے ہیں۔ مثلاً چھاترا یودا سنگھرش سمیتی اور ودیارتی پریشد کی جانب سے ایک اشتہار شائع کیا گیا تھا جس کا عنوان یہ ہے "علی گڈھ یونیورسٹی دیش یونیورسٹی ہے جس نے محمد علی جناح۔ لیاقت علی خاں۔ سہروردی اور بھٹو جیسے دشمن پیدا کئے ہیں اور اب بھی یہ یونیورسٹی مسلم رہنماؤں اور طلبا میں وطن دشمنی کا جذبہ ابھار کر تقسیم شدہ ہندوستان کے دوبارہ ٹکڑے کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے"

ہمارے ملک میں مسلمانوں کے خلاف اس نوعیت کے پمفلیٹوں اور اشتہارات کی وبا عام ہوتی چلی جارہی ہے۔ چنانچہ اب تک اس نوعیت کے درجنوں پمفلیٹ اور اشتہارات شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک کی حکومت ہے کہ وہ خاموشی سے بیٹھی ہوئی اس اشتعال انگیزی کا تماشہ دیکھ رہی ہے۔ حالانکہ ان زہر میں بجھے ہوئے اشتہارات سے ہمارے ملک کی یکجہتی اور اتحاد کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اس اشتعال انگیزی کو بند کیا جائے۔ اور ان عناصر کو عدالت کے کٹہرے میں لاکر کھڑا کیا جائے جو اس ملک میں فرقہ پرستی کی آگ کو بھڑکانے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اگر زہر میں ڈوبے ہوئے اس زہریلے لٹریچر پر روک نہیں لگائی گئی تو اس کے نتائج ملک کے امن کے لئے نہایت خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں

کاغذ کے قحط کی ذمہ دار حکومت

اس وقت ہمارے ملک میں کاغذ کا اتنا بڑا قحط ہے۔ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس قحط کی بنا پر علمی ادارے اور کتب خانے بند ہونے شروع ہو گئے ہیں بے شمار پریسوں میں تالے پڑ چکے ہیں۔ دوسری کتابوں کا تو ذکر ہی کیا ہے بچوں کی درسی کتابیں اور کاپیاں تک ناپید ہوتی چلی جارہی ہیں۔ محدود ذرائع رکھنے والے اخبارات اور رسائل بند ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ جو باقی ہیں اور کسی نہ کسی طرح زندہ ہیں۔ اُن کی قیمتیں بڑھا کر انہیں موت سے بچانے کی کوشش کی جارہی ہیں۔

کاغذ کے اس قحط کی ذمہ داری کاغذ کا بلیک کرنے والے تاجروں سے کہیں زیادہ ہماری حکومت اور حکومت کے نااہل وزراء پر ہے۔ جنہوں نے کہ کاغذ کے کارخانہ داروں سے ساز باز کر کے انہیں ایک طرف تو اپنی مرضی سے قیمتیں بڑھانے کی اجازت دے دی تھی۔ دوسرے ان ہی کاغذ کے کارخانہ داروں کی خواہش پر باہر سے آنے والے وائٹ پرنٹ یعنی سفید کاغذ پر پابندی لگادی تھی۔ تاکہ باہر سے کاغذ نہ آسکے اور کاغذ کے کارخانہ داروں کو منہ مانگی قیمت پر کاغذ فروخت کرنے کا کھلا مارکیٹ مل جائے۔ چنانچہ کارخانہ دار دل کھول کر کاغذ کی قیمت میں جتنا چاہا اضافہ کرتے رہے اور کارخانہ داروں کے بعد جب کاغذ ڈسٹری بیوٹروں کے ہاتھوں میں آیا تو وہ بھی مرضی کے مطابق قیمتوں میں اضافہ کرتے رہے اور اس اضافہ کو اسلئے روکا نہیں جا سکا کیوں کہ کاغذ کے بیوپار میں خاطر خواہ لوٹ کے مواقع دینے کے لئے کاغذ انڈسٹری سے متعلق ذمہ دار وزیر اور افسروں نے وائٹ پرنٹ کی قیمت پر کنٹرول لگانے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی اور اس سب کا نتیجہ یہ ہے کہ کاغذ کی قیمتیں دس گنا زیادہ تک بڑھ گئی ہیں اور اب تو حالت یہ ہے کہ کاغذ کسی قیمت پر بھی دستیاب نہیں ہو رہا۔

خوراک کپڑا اور مکان کے بعد ضروریات زندگی میں کاغذ ہی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اگر کاغذ نہیں ہوگا تو علم کی اشاعت رک جائے گی اور جہالت بڑھے گی علمی ادارے بند ہو جائیں گے پریس جو علمی فروغ کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اُن میں تالے پڑ جائیں گے۔ درسی کتابوں اور کاپیوں کی کمی کی وجہ سے بچوں کی تعلیم رک جائے گی اسی لئے دنیا کے ترقی یافتہ ممالک نہ صرف کاغذ کی قیمتوں کے کنٹرول پر گہری نظر رکھتے ہیں بلکہ بعض ممالک

تو کاغذ لاگت سے کم قیمت پر عوام کو دیا جا رہا ہے اور ارزاں قیمت پر کاغذ دینے سے کاغذ کی ملوں کو جو گھاٹا ہوتا ہے اُسے سرکاری خزانہ سے پورا کیا جاتا ہے۔

لیکن بدقسمت ہندوستان میں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ یہاں کی کاغذ کی ملوں کو من مانی قیمتیں بڑھانے کی پوری چھوٹ دے دی گئی ہے محض اس لئے کہ کاغذ کی انڈسٹری سے تعلق رکھنے والے وزرا اور عملہ کرپٹ ہے۔ اور یہاں تو حالت یہ ہے کہ اگر کبھی دکھاوے کے لئے کاغذ کی قیمت پر کنٹرول آرڈر ہی جاری کر دیا جاتا ہے جیسا کہ گذشتہ ماہ جولائی میں ہوا تھا تو اُس پر مطلق عمل درآمد نہیں کیا جاتا۔ بے حسی کی انتہا ہے کہ اب جبکہ گراں فروشی کے لئے ایک مستقل آرڈیننس بھی نافذ ہو چکا ہے تو اس آرڈیننس کے باوجود کھلم کھلا بلیک میں کاغذ فروخت کیا جا رہا ہے۔ اور بلیک کا یہ عالم ہے حکومت نے جبکہ حال ہی میں تین روپیہ کلو کا نرخ مقرر کر دیا ہے تو بارہ روپیہ کلو میں کھلے بندوں کاغذ بک رہا ہے۔ اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ذرا غور فرمایئے کہ جس ملک کی حکومت کاغذ جیسی اہم اور ضروری شئے کے معاملہ میں اس قدر بے حس ہو وہ ملک کی فلاح اور بہبودی کے لئے کیا کر سکتی ہے۔

ایران کا شیطان صفت "ملا"

شاہ ایران کے معزول کئے جانے کے بعد ایران کی سرزمین سے ایک دو نہیں بلکہ درجنوں ایسے ملا پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کے نام کے ساتھ "آیت اللہ" کا خطاب جڑا ہوا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے ان کا نہ اللہ سے کوئی واسطہ ہے اور نہ رسول سے کیوں کہ اُن کی ذات سے ایسی شیطانی حرکات سرزد ہو رہی ہیں۔ جن کا خدا اور رسول یا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں

ایسے ہی اسلام کو بدنام کرنے والوں میں سے کوئی "آیت اللہ صادق خلخالی" بھی ہیں۔ یہ ایران کی اسلامی عدالتوں کے چیف جسٹس ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قرآنی قوانین سے دور کا بھی واسطہ نہیں کیوں کہ یہ چاہتے ہیں کہ سابق شاہ ایران کو جو آج کل بستر مرگ پر ہیں اور نیویارک کے ایک ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ اُنہیں بیماری کی حالت ہی میں ہسپتال سے گھسیٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ یہ اسلام کا قانون تو نہیں البتہ زمانہ جاہلیت کی بربریت ایسے ضرور کہا جا سکتا ہے۔

قرآنی قوانین کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ دنیاوی عدالتوں کا بھی یہ قانون ہے کہ اگر موت کی سزا پانے والا کوئی خونی اور قاتل بھی سزائے موت سے پہلے بیمار ہو جاتا ہے تو پہلے اُس کا علاج کیا جاتا ہے۔ پھر اُسے سزائے موت دی جاتی ہے۔ اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اسلام نے تو انسانوں ہی پر نہیں بلکہ جانوروں تک پر رحم کرنے کا حکم دیا ہے۔ مگر ایران کا یہ نام نہاد ملا انتقام کے جذبہ سے اندھا ہو کر کینسر کے مرض میں مبتلا سابق شاہ ایران کو بیماری کی حالت میں ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک تازہ بیان کے ذریعہ امریکہ میں آباد مسلمانوں اور ایرانیوں سے اپیل کی ہے کہ وہ شاہ کے ہسپتال پر زوردار مظاہرہ کریں اور اُنہیں ایک لمحہ کے لئے چین نہ لینے دیں اور اگر ممکن ہو تو ہسپتال میں گھس جائیں اور شاہ کو بستر علالت سے گھسیٹ کر ہسپتال ہی میں اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں

اس ملا نے اگر احادیث نبوی کا مطالعہ کیا ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیمار اور زندہ انسان کا تو ذکر ہی کیا ہے کسی مردہ انسان کی لاش کو مسخ کرنے اور اس کے اعضا کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن ایران کا یہ ملا بیمار شاہ ایران کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کے لئے لوگوں کو اکسا رہا ہے اور یہ بھی کہہ رہا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا اُسے بھاری انعام دیا جائے گا۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ تو اپنے بدترین دشمنوں سے بھی انتقام کی اجازت نہیں دیتا چنانچہ جنگ بدر اور جنگ احد میں جو کفار زخمی ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے اُن کی مسلمانوں نے بڑی دردمندی کے ساتھ تیمارداری کی اور صحت یاب ہونے پر سب کو آزاد کر دیا۔ فتح مکہ کا واقعہ اس نام نہاد ملا کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلعم نے ان دشمنوں کو بھی معاف کر دیا تھا جنھوں نے بے شمار مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ نیز رسول خدا صلعم اور سب ہی مسلمانوں کو جلا وطن ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ تھا پیغمبر اسلام کا بلند کردار۔

اس کے برخلاف ایران کا یہ نام نہاد ملا "آیت اللہ خلخالی" ہے کہ یہ انتقام کی آگ میں اندھا ہو کر اپنے ہی ملک کے ایک سابق شہنشاہ کو جو نیویارک کے ہسپتال میں بستر مرگ پر پڑا ہے [illegible] ٹکڑے کر دینے کے منصوبے بنا رہا ہے اور اپنے اس مذموم فعل کو خدمت اسلام [illegible] تصور کر رہا ہے اور اس طرح پوری دنیا کو یہ تاثر دے رہا ہے [illegible] کا مذہب ہے حقیقت یہ ہے کہ ایران کے [illegible] ساری دنیا میں رسوا کر رکھا ہے [illegible] نجات لے جو سابق شاہ ایران [illegible] ایک مصیبت بن گئے ہیں

مِلّت کا دامن تھام لے

(از جناب ظہیر ناشاد)

نقشِ حق میں رنگ بھر اور نقشِ باطل کو مٹا بھول جا اے دوست جو بیتے دنوں کو بھول جا
تجربوں کی روشنی میں اک نئی دنیا بنا اپنی ناکامی کا افسانہ زباں پر اب نہ لا

وقت کا فرمان ہے مِلّت کا دامن تھام لے
وہم سے دامن چھڑا سوزِ یقیں سے کام لے

کچھ بتا بھی تو سہی کب ہوش میں آئے گا تو کارواں کو چھوڑ کر تنہا کہاں جائے گا تو
اپنے دل کی آگ کب اے دوست بھڑکائے گا تو یہ حوادث کے تھپیڑے کب تلک کھائے گا تو

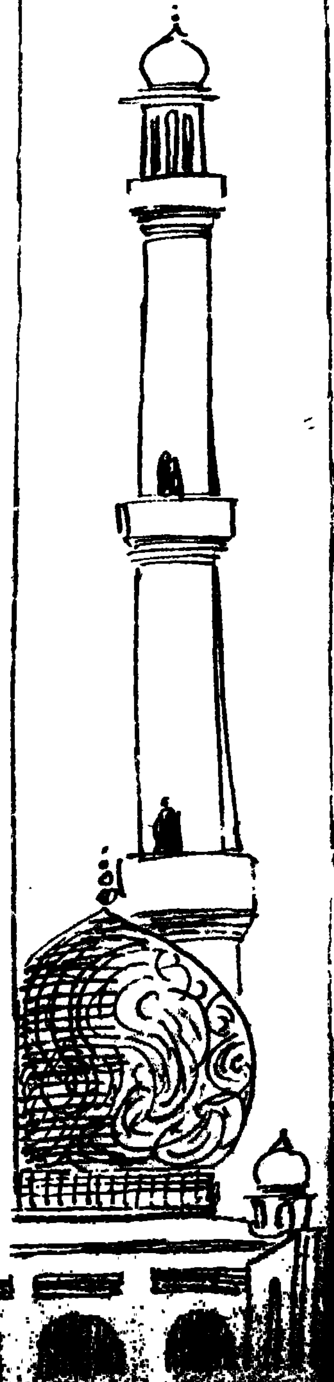
جن کو اس دنیا میں احساسِ زیاں ہوتا نہیں
اُن کی حالت پر خدا بھی مہرباں ہوتا نہیں

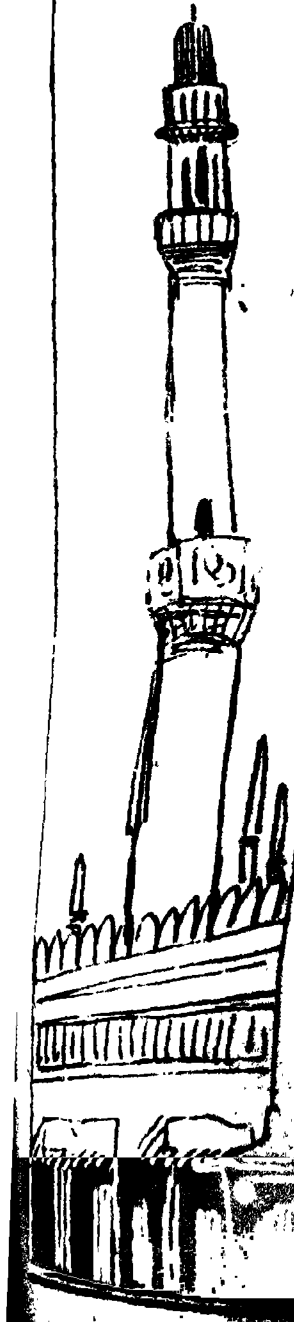
تجھ سے یہ کہتا ہے ہم کاروانِ صبح و شام غیر کے ہاتھوں میں تو مت چھوڑ دے اپنی لگام
کچھ توجہ کا ہے طالب تیری دنیا کا نظام دشمنِ مقصد جو ہیں تو اُن کے دامن کو نہ تھام

اپنے ہاتھوں اپنی قسمت کو بنانا ہے تجھے
اپنے ہاتھوں اپنے گھر کو جگمگانا ہے تجھے

تیرا نعرہ اور ہے اور تیرا پرچم اور ہے سچ ہے یہ کہ زندگی بردوش تیرا طور ہے
فکر کی منزل ہے یہ اے دوست جائے غور ہے یہ نئی دنیا ہے تیری یہ نیا اک دور ہے

سعیٔ لاحاصل یہ مت کر اور اُس کا غم نہ کھا
زندگی کے دور میں پیچھے کسی سے رہ نہ جا





منزل کی تلاش

(از جناب کامل قریشی دہلوی)

اُٹھو اُٹھو کہ کہیں دُور چل کے دم لیں گے
بڑھو کشاکشِ طوفاں میں پل کے دم لیں گے
بنیں گے موجِ سمندر مچل کے دم لیں گے
گریں گے گر کے اُٹھیں گے سنبھل کے دم لیں گے
مزاجِ گردشِ دوراں بدل کے دم لیں گے
چلے چلو نئی منزل پہ چل کے دم لیں گے

ابھی فسردہ فسردہ سی ہے بہارِ چمن
ابھی تو غنچہ و گل کے ہیں پیلے پیلے کفن
ابھی ذرا بھی تو بدلا نہیں بشر کا چلن
ابھی تو ذہن پہ چھائے ہوئے ہیں رنج و محن
ہجومِ رنج و محن سے نکل کے دم لیں گے
چلے چلو نئی منزل پہ چل کے دم لیں گے

ابھی حیات کا ماحول سازگار نہیں
کسی کے غم سے ابھی کوئی ہمکنار نہیں
ابھی سکون نہیں راحت نہیں قرار نہیں
ابھی بہار کا غل ہے مگر بہار نہیں
بہارِ نو سے خزاں کو بدل کے دم لیں گے
چلے چلو نئی منزل پہ چل کے دم لیں گے

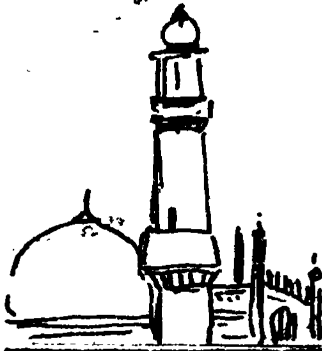
نئے ندیم، نئی انجمن، نئے آداب
نئے خیال نئی جستجو نئے اسباب
نئے ستارے نئی کہکشاں نئے مہتاب
نیا ترانہ نیا ساز نئی مضراب
نئے نظام کے سانچے میں ڈھل کے دم لینگے
چلے چلو نئی منزل پہ چل کے دم لینگے

اُمنگ ولولہ ارمان و آرزو کی قسم
خیال فکر و نظر عزم و جستجو کی قسم
تمام قوم کی عزت کی آبرو کی قسم
محمد عربیؐ کی پاکیزہ خو کی قسم
ہم آج سینۂ ظلمت کچل کے دم لینگے
چلے چلو نئی منزل پہ چل کے دم لینگے

گزشتہ سے پیوستہ

تعلیم القرآن

تیرھواں پارہ — وما ابری — سورۂ یوسف



(از ادارۂ دین دنیا)

دین دنیا کی زیر نظر اشاعت سے ہم قرآن پاک کے تیرھویں پارہ کی تعلیمات کی پہلی قسط پیش کر رہے ہیں جس میں کہ اللہ جل شانہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قید سے رہائی اور دربار شاہی میں عزت افزائی کے واقعہ کو اپنے بندوں کی عبرت اور نصیحت کے لئے بیان فرمایا ہے :-

بادشاہ کا قاصد حضرت یوسف کی خدمت میں

وَقَالَ الْمَلِكُ .... كَيْدَ الْخَائِنِيْنَ ۝

ترجمہ :- اور بادشاہ نے حکم دیا کہ میرے پاس انھیں لے آؤ۔ اور جب یوسف کے پاس قاصد آیا تو انھوں نے اس سے کہا۔ واپس جاؤ اور اس سے (بادشاہ سے) پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ میرا رب ان کے فریب سے خوب واقف ہے (عورتوں کو بلا کر) بادشاہ نے پوچھا اے عورتو! تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف سے اپنی نفسانی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ عورتیں بولیں حاشا ہمیں اس کی کسی برائی کا علم نہیں (اس موقعہ پر) عزیز کی بیوی نے کہا کہ اب حق بات ظاہر ہی ہو گئی ہے (سچ بات بتائے دیتی ہوں) میں نے ہی اپنے مطلب کی ان سے خواہش کی تھی بے شک وہ سچے ہیں۔ (جب حضرت یوسف کو ان باتوں کا علم ہوا تو) یوسف نے کہا کہ یہ سب کچھ اس لئے ہے تا کہ عزیز کو یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی امانت میں خیانت نہیں کی تھی اور اللہ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔

تشریح :- (بادشاہ نے اپنے ساقی کی زبانی جب اپنے خواب کی تعبیر سنی تو وہ حضرت یوسف کی بزرگی سے بے حد متاثر ہوا اور) بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لاؤ لیکن جب بادشاہ کا قاصد ان کے پاس پہنچا تو یوسف نے کہا کہ تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور ان سے دریافت کرو کہ انھیں ان عورتوں کا بھی کچھ حال معلوم ہے جنھوں نے کہ مجھے دیکھ کر عالم بدحواسی میں ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ (اور اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لئے مجھے اپنی جانب مائل کرنا چاہا تھا)۔ پس ان کے فریبوں کو میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے۔ قاصد کی زبانی یہ بات سن کر بادشاہ نے عورتوں کو طلب کر کے ان سے پوچھا کہ مجھے بتاؤ کہ یوسف کا واقعہ کیا ہے۔ کیا تم نے یوسف سے اپنی نفسانی خواہش کے پورا کرنے کا اظہار کیا تھا (یا یوسف ہی تمہاری جانب راغب تھا) عورتوں نے جواب دیا خدا گواہ ہے کہ ہم نے ان میں کسی قسم کی بھی برائی نہیں پائی۔

(بادشاہ نے عزیز مصر کی بیوی زلیخا کو بھی طلب کیا تھا وہ بھی اس وقت موجود تھی)۔ اب عزیز مصر کی بیوی بولی۔ اب تو حق بات ظاہر ہی ہو گئی ہے ایسی حالت میں سچائی کو چھپانا بے سود ہے حقیقت یہ ہے کہ میں نے ہی ان کے ساتھ اپنی نفسانی خواہش پورا کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ وہی سچے ہیں۔ (اور ہم خطاوار ہیں۔)

(قاصد کی زبانی جب یہ سب حالات حضرت یوسف کو

معلوم ہوئے تو) اُنھوں نے کہا کہ یہ بات میں نے محض اس لئے اٹھائی ہے تاکہ عزیز مصر کو اِس بات کا یقین ہو جائے کہ میں نے اُن کی عدم موجودگی میں (اُن کی بیوی پر ہاتھ ڈال کر) اُن کی امانت میں خیانت کرنے کی کوشش نہیں کی ہے نیز دوسرے لوگوں کو بھی اس بات کا علم ہو جائے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔

حضرت یوسف کی عزت افزائی

وَمَآ اُبَرِّئُ .... وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ ٥

ترجمہ:۔ (حضرت یوسف نے کہا) میں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھیراتا۔ نفس تو بُرائی پر اُبھارتا ہی ہے سوائے اِس کے کہ میرا رب مجھ پر رحم فرمائے۔ بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں انھیں صرف اپنے لئے رکھوں۔ اور پھر جب یوسف سے بادشاہ کی گفتگو ہوئی تو بادشاہ نے کہا کہ آج کے دن سے تم ہمارے پاس صاحب مرتبہ اور امین بن کر رہو گے۔ یوسف بولے مجھے ساری مملکت کے خزانوں کا نگہبان مقرر کر دیا جائے۔ میں اِس کام سے واقف بھی ہوں اور اِس طرح ہم نے یوسف کو اِس ملک میں ایک اہم مقام عطا کر دیا۔ وہ جہاں چاہتے تھے رہتے تھے ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں (اسی طرح) نازل کرتے ہیں اور ہم نیکوں کا اجر کبھی ضائع نہیں ہونے دیتے۔

تشریح:۔ (حضرت یوسف نے بادشاہ کے قاصد سے کہا کہ میں فرشتہ نہیں ہوں میں بھی انسان ہوں مجھ میں بھی بشریت کی کمزوریاں موجود ہیں) میں اپنے نفس کو بشری تقاضوں سے بری قرار نہیں دیتا۔ کیونکہ نفس تو بُرائی ہی کے لئے انسان کو اُبھارتا ہے۔ بجز اِس کے کہ میرا رب ہی رحم فرما کر بُرائیوں سے مجھے باز رکھے۔ (اپنی کوتاہیوں کے باوجود) بلاشبہ میرا رب بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔

(جب حضرت یوسف کی پاکبازی اور دیانت بادشاہ پر واضح ہو گئی تو) بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لایا جائے میں انھیں اپنا مصاحب خاص بناؤں گا (چنانچہ حضرت یوسف کو قید خانہ سے رہا کر کے بادشاہ کے پاس لایا گیا) جب یوسف نے بادشاہ سے گفتگو کی تو (بادشاہ اُن کی دانائی اور قابلیت کا گرویدہ ہو گیا، اور بادشاہ نے) کہا آج سے تم ہمارے ایک صاحب مرتبہ اور معتمد خاص بن کر رہو گے۔ یوسف نے کہا (جب تم نے میری اس درجہ قدردانی کی ہے تو میری خواہش ہے کہ تم) مجھے اپنی مملکت کے خزانوں اور مالیات کا نگراں مقرر کر دو میں اِس کام سے واقف بھی ہوں۔ (تاکہ میں اِس ملک کی کچھ خدمت کر سکوں بادشاہ نے اُن کی خواہش کے مطابق اُنھیں وزیر مالیات بنا دیا۔)

اِس طرح ہم نے یوسف کو ملکِ مصر میں ایک خاص مقام عطا کر دیا۔ اور وہ مصر میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے حقیقت یہ ہے کہ ہم جس کو چاہتے ہیں اُسے اپنی رحمت سے نوازتے ہیں۔ ہم نیک بندوں کا اجر کبھی ضائع نہیں ہونے دیتے یعنی ایمانداروں اور پرہیزگاروں (کو دنیا میں بھی نوازتے ہیں اور اُن) کے لئے آخرت کا اجر اور بھی بہتر ہے۔)

حضرت یوسف کا بھائیوں پر احسان

وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ .... لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ٥

ترجمہ:۔ یوسف کے بھائی (مصر) آئے پھر یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اُنھیں پہچان لیا مگر اُنھوں نے یوسف کو نہیں پہچانا۔ (اور غلہ کے طالب ہوئے) اور یوسف نے جب اُن کا سامان تیار کرا دیا تو اُن سے کہا کہ اپنے سوتیلے بھائی کو بھی میرے پاس لانا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں پورا ناپ تول کر دیتا ہوں۔ اور اچھا مہمان نواز ہوں۔ اگر اُسے میرے پاس نہیں لاؤ گے تو تمہارے لئے میرے پاس غلہ نہیں ہے پھر میرے پاس نہ آنا۔ وہ بولے کہ اِس کے بارے میں ہم اُس کے باپ سے کہیں گے۔ اور اِس کام کو ضرور کریں گے اور یوسف نے اپنے کارندوں سے کہہ دیا کہ اُن کی رقم بھی اُن ہی کے اسباب میں رکھ دو تاکہ جب اپنے گھر جائیں اور اُسے پائیں تو اِسی طرح شاید پھر واپس آئیں۔

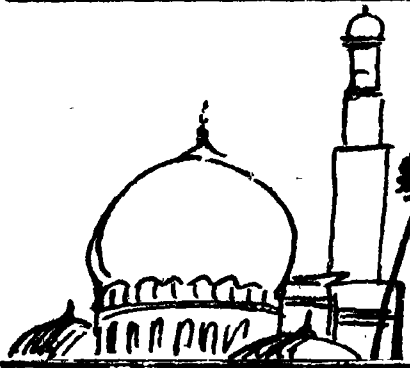
تشریح:۔ [illegible] انتظام

(باقی ص ۲۹ پر)

تعلیم الحدیث

قربِ قیامت کی علامتیں

گناہوں کی پاداش میں عذاب، دریا دلی مسلماں کی شان



(از شوکت علی فہمی)

مستند احادیث کی کتب سے ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قیمتی ارشادات درج کئے جا رہے ہیں جو نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لئے بہترین شمعِ ہدایت ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان جواہر پاروں سے فائدہ اٹھائیں۔

قربِ قیامت کی علامتیں

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی بھی پیشین گوئیاں فرمائی ہیں وہ سب ہی کتب احادیث میں جوں کی توں موجود ہیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر پیشین گوئیاں تو حرف بحرف درست ثابت ہو چکی ہیں اور جو باقی رہ گئی ہیں وہ ایک ایک کرکے ہمارے سامنے آ رہی ہیں چنانچہ آپ نے علاماتِ قیامت کے بارے میں جو پیشین گوئی فرمائی ہے اس کے آثار بالکل ہمارے سامنے ہیں چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم شریف میں علاماتِ قیامت کے بارے میں آپ کی یہ حدیث موجود ہے:۔

"ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دو بڑے گروہ آپس میں نہیں لڑیں گے۔ اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ مکار، فسادی اور فریبی لوگ پیدا نہیں ہو جائیں گے جو خدا اور رسول پر جھوٹ بولیں گے اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ بہت سے زلزلے نہیں آئیں گے اور ایسا قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ فتنوں کا ظہور نہ ہو جائے۔ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ قتلِ عام واقع نہیں ہو اور قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ مال و دولت کی اتنی زیادتی نہ ہوگی کہ کوئی خیرات لینے والا نہ ملے گا۔ اور قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ لوگ بڑی اور وسیع عمارتوں کے بنانے پر فخر نہیں کریں گے اور جب تک کہ آدمی کسی قبر کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا کہ کاش میں اس کی جگہ ہوتا۔" (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعہ قربِ قیامت کی جو علامتیں بیان فرمائی ہیں وہ آج ہمارے سامنے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر وقت روس و امریکہ کے تصادم کا اندیشہ ہے اور اگر یہ تصادم ہو گئے تو قیامتِ صغریٰ یقینی طور پر آجائے گی۔ نیز ہم دیکھ رہے ہیں کہ مکار، فسادی اور فریبی دنیا میں پیدا ہو چکے ہیں جو طرح طرح کے فتنے بھی برپا کر رہے ہیں۔ اور مذہب سے بالکل منحرف ہیں خدا اور رسولوں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ جہاں تک زلزلوں کا تعلق ہے وہ آئے دن آنے لگے ہیں۔ پھر اس زمانہ میں نئے نئے فتنوں کا ظہور برابر ہو رہا ہے جن میں سے ایک ایٹم بم کا فتنہ بھی ہے۔

اور یہ بات بھی بالکل عیاں ہے کہ مغربی ممالک نیز مشرقِ وسطیٰ کے بعض ممالک میں دولت کی اس قدر فراوانی ہے کہ کوئی خیرات لینے والا بھی نہیں ملتا۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں

بڑی بڑی عمارتوں کے تعمیر کرنے پر فخر محسوس کرنے لگے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں عوام کا سکون غارت ہو چکا ہے۔ لوگ اطمینانِ قلب کے لئے حیران و پریشان ہیں۔ خودکشی کی وارداتیں بڑھ گئی ہیں اور اکثر لوگ تو زندگی سے اس قدر بیزار ہو گئے ہیں کہ وہ اگر کسی قبر کے پاس سے گزرتے ہیں تو حسرت سے تم سے دیکھتے ہیں اور دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ کاش ہم اس مرنے والے کی جگہ ہوتے۔

یہ حدیث بڑی اہم ہے اس سے مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ قیامت اُن کے سروں پر آ کھڑی ہے۔

گناہوں کی پاداش میں عذاب

حضورِ اکرم نے مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ پوری نوعِ انسانی کو متنبہ فرما دیا ہے کہ اگر تم ظلم و ستم سے باز نہیں آؤ گے اور بد اعمالیوں کے مرتکب ہوتے رہو گے تو تم پر عذابِ الٰہی نازل ہوگا اور ضرور نازل ہوگا چنانچہ اس بارے میں صحیح حدیث ہے:-

"حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بنی اسرائیل جب گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو اُن کے علماء نے اُنھیں نصیحت کی اور گناہوں سے منع کیا۔ اور جب وہ گناہوں سے باز نہیں آئے تو وہ بھی گمراہ ہو کر اُن کی عیش پسندی کی محفلوں میں شریک ہونے لگے۔ اور اُن کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن گئے۔ حق تعالیٰ نے بھی اُن کے دلوں کو سیاہ کر دیا اور اُن پر اللہ تبارک تعالیٰ نے لعنت کی۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم جو تکیہ لگائے ہوئے تھے اُٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اُس وقت تک عذابِ الٰہی سے نجات نہیں حاصل کر سکو گے جب تک کہ تم ظالموں اور فاسقوں کو بد اعمالیوں سے نہیں روکو گے۔" (ترمذی)

حضورِ اکرم کے اِس ارشاد کی روشنی میں جب ہم دُنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ظلم و ستم کا زمانہ دوبارہ لوٹ آیا ہے ایک طرف بنی اسرائیل ظلم و ستم پر تلا ہوا ہے، اور دوسری جانب ساری دُنیا ہی معصیت میں غرق ہے ایسی حالت میں اگر نوعِ انسانی پر کوئی شدید عذابِ الٰہی نازل ہو جائے تو کوئی تعجب نہیں۔

دریا دلی مسلمان کی شان ہے

اسلام نے مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ اگر خدا اُن کو مال و دولت عطا فرمائے تو اُنھیں چاہیئے کہ وہ بھی دوسروں کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کریں۔ خود رسولِ مقبول صلعم کی فیاضی اور دریا دلی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے پاس غیر ممالک سے جو مال آتا تھا وہ آپ غریبوں میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے اور اپنے لئے ایک حبہ بھی باقی نہیں رکھتے تھے چنانچہ اس سلسلہ میں صحیح حدیث ہے:-

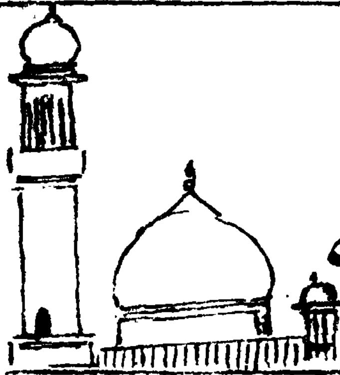
"اسماء رض کہتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ کارِ خیر میں خرچ کرو اور شمار نہ کرو۔ (اس لئے کہ اگر تم شمار کر کے خرچ کرو گے تو) اللہ بھی تمہیں شمار کر کے دیگا۔ اور نہ بند کرو مال کو (جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہے) ورنہ خدا بھی مال کو تم سے روکے گا دو جتنا تم سے دیا جا سکے۔" (بخاری و مسلم)

گویا ایک سچے مسلمان کا کردار یہ ہونا چاہیئے کہ اُس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ جو رقم بھی ہو اُسے وہ جمع نہ کرے بلکہ نیک کاموں میں غریبوں کی امداد پر اُسے صرف کر دے۔ ایک دوسری حدیث ہے:

"ابو امامہ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلعم نے اے آدم کے بیٹے جو مال تیری حاجت سے زیادہ ہو اُسے دوسروں پر خرچ کر دینا بہتر ہے۔ اور تیرا مال کو روکنا تیرے لئے بُرا ہے۔ مگر بقدرِ حاجت مال رکھنے پر تجھے ملامت نہیں کی جائے گی اور سب سے پہلے اپنے اہل و عیال پر خرچ کر۔" (مسلم)

اوپر کی احادیث سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام سوشلزم کا کتنا بڑا حامی ہے حقیقت یہ ہے کہ دُنیا نے سوشلزم کا سبق ہی اسلام سے سیکھا ہے اور یہ امرِ واقعہ ہے کہ اگر آج دُنیا اسلامی سوشلزم پر عمل کرے تو پھر اس دُنیا میں نہ کوئی بھوکا رہے اور نہ ننگا۔

اسلامی افکار



دُنیا کو اسلامی جمہوریت کی ضرورت

اسلام ہی نے دُنیا کو جمہوریت سے آشنا کیا ہے

(ہمارے مفکر کے قلم سے)

دُنیا کو سب سے پہلے اسلام ہی نے جمہوریت سے آشنا کیا ہے چنانچہ خلفائے راشدین اور اُن کے بعد سلاطین اسلام نے دُنیا کے رُوبرو حقیقی اور سچی جمہوریت کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ آپ ہی اپنی مثال ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ اسلامی جمہوریت کے مقابلہ میں زمانۂ حاضرہ کی جمہوریتیں بالکل ہی ناقص اور ناکارہ دکھائی دیتی ہیں۔ ذیل میں اسی موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسلام نے حکومت اور ریاست کا جو مقصد اور فریضہ متعین کیا ہے اُسے جاننے اور سمجھنے کے لئے اسلام کی تعلیمات اور تاریخ دونوں کا مطالعہ ضروری ہے لیکن مختصر الفاظ میں یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ مسلمانوں کی حکومت صحیح معنوں میں جمہوری اور فلاحی ریاست رہی ہے اور اُس کے قیام کا مقصد بھی یہی تھا۔

جمہوری اور فلاحی ریاست کی مختصر تعریف اِس طرح کی جا سکتی ہے کہ جمہوریت میں عوام کی رائے اور جائز خواہشات کا احترام کیا جاتا ہے اور فلاحی ریاست کا مقصد عوام کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے اور ہمیں اسی تعریف کی روشنی میں مسلمانوں کی حکومت اور ریاست کا جائزہ لینا چاہیئے۔

اسلامی ریاست کا تصور پہلی بار خلفائے راشدین کی زندگی میں قائم ہوا تھا۔ ہم یہاں اُس دَور کی مختلف جمہوری خصوصیات کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے لیکن ہم اس دَور کے متعلق چند باتیں ضرور سمجھ لینی چاہیئں کہ اُس زمانہ کے عام رُجحان کے برعکس اسلام نے مسلمانوں کے سربراہ کو اُن پر مسلط نہیں کیا تھا بلکہ مسلمانوں کو اُس کے انتخاب کا حق دیا تھا۔ پھر سربراہ کو اپنے فیصلوں کے لئے آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا تھا بلکہ اُسے تمام معاملات میں قوم کے صاحب الرائے افراد سے مشورہ کرنا پڑتا تھا۔ اور قوم کو اِس بات کا اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنے سربراہ کی غلطیوں پر اس سے جواب طلب کرے اور اس کے جواب سے مطمئن نہ ہو سکے تو اسے سربراہی کے منصب سے معزول کر دے۔ پھر خلفائے راشدینؓ اپنے متعلق عوام کے اختیارات کو نظر انداز کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ اُنھیں اِن اختیارات کو استعمال کرنے کی جانب توجہ بھی دلاتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کی حکومت کا کوئی بدترین دشمن بھی مذکورہ بالا حقائق سے اِنکار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

ایک جمہوری اور فلاحی ریاست کا مقصد چونکہ عوام کو فائدہ پہنچانا ہے اِس لئے اسلامی ریاست میں اِس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ قوموں کی سب سے بڑی کمزوری جہالت، غربت اور سماجی عدم مساوات ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست اِس کمزوری کو دُور کرنا اپنا مقدم ترین فریضہ یقین کرتی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں نے جہالت کو دُور کرنے اور علم کو پھیلانے کی جو کوششیں کی ہیں وہ اِس بات سے ظاہر ہیں کہ اسلام نے علم حاصل کرنے کو ہر مسلمان مرد اور عورت کا فریضہ قرار دیا ہے مسلمان حصولِ علم کے لئے پوری دُنیا کا سفر کرتے تھے۔ دوسری زبانیں سیکھتے تھے۔ اور اِن زبانوں کے بہترین علوم و فنون کو عربی زبان میں منتقل کرتے تھے اسی لئے یورپ کے مختلف کتب خانوں میں آج بھی عربی زبان میں مسلمانوں کی لکھی ہوئی اور ترجمہ کی ہوئی کتابیں محفوظ ہیں۔ اور بعض مغربی علوم و فنون کی تو بنیاد ہی مسلمانوں کی اِن ہی علمی کاوشوں پر قائم ہے چنانچہ خود یورپین مورخین اِس بات کے معترف ہیں کہ اُنھوں نے بہت کچھ مصنفین کی کتابوں سے سیکھا ہے۔

اسی طرح غریبی اور بے روزگاری کو دور کرنے کے لئے مسلمانوں کی حکومتوں میں جو تدابیر اختیار کی جاتی تھیں اُن میں سے کچھ خالص مذہبی تھیں اور کچھ اقتصادی لیکن اختصار کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قوم کے کمزور اور معذور اور مجبور افراد کی کفالت کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری تھی ان کی بیت المال سے امداد کی جاتی تھی لیکن جو لوگ کام کرنے کے قابل ہوتے تھے اسلامی ریاست نہ صرف اُن کے لئے کام مہیا کرتی تھی بلکہ کام کی انجام دہی کے لئے وسائل بھی بہم پہنچاتی تھی۔ اور ریاست کا نظام اِس طرح قائم کیا گیا تھا کہ جس سے قومی دولت کسی ایک جگہ جمع ہونے کی بجائے ہر وقت گردش کرتی رہے۔

غربت اور بیکاری کو دور کرنے کی یہ کوششیں صرف خلفائے راشدین رض کے دور تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد بھی مسلمانوں کی حکومتوں میں بیکاری اور غربت دور کرنے کے سوال کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی رہی تھی۔ چنانچہ خلفائے عباسیہ میں مامون الرشید کے متعلق تقریباً تمام یوروپین مورخین اِس بات پر متفق الرائے ہیں کہ اس نے اپنی وسیع سلطنت کے ہر گوشہ سے ایسی فہرستیں مرتب کرائی تھیں جو معذوروں، بیواؤں اور یتیموں پر مشتمل تھیں۔ اور یہ فہرستیں صرف مسلمانوں ہی کے ناموں تک محدود نہیں تھیں بلکہ اُن میں ہزاروں غیر مسلموں کے نام بھی شامل تھے۔ چنانچہ مامون کے دورِ حکومت میں ان سب کو باقاعدگی کے ساتھ ہر ماہ مناسب وظیفے دئے جاتے تھے۔

عباسی حکومت نے اِس بات کو اپنے ملکی قانون میں داخل کر لیا تھا کہ معذوروں کی امداد کرنا اور بیکاروں کو کام سے لگانا حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل ہے اور اسی لئے مقامی حکام اور صوبائی گورنروں کے نام یہ ہدایت جاری کر دی گئی تھیں کہ وہ معذوروں، بیواؤں اور بے روزگاروں کا پتہ لگائیں۔ اور اُن کی روزی یا روزگار کا بندوبست کریں۔ عباسی حکومت کے علاوہ بعد کی تقریباً سب ہی مسلم حکومتوں میں غربا اور عوام کی بہبودی کا بے حد خیال رکھا جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس زمانہ کے عوام انتہائی خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے اور وہ یہ جانتے ہی نہ تھے کہ افلاس اور بیکاری کیا ہوتی ہے۔

ایک فلاحی ریاست کے لئے یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ عوام کی جسمانی صحت پر بھی گہری نظر رکھے چنانچہ اسلامی حکومتوں نے اِس پہلو پر بھی خصوصی توجہ کی تھی چنانچہ مسلمانوں نے اپنی مملکت کے ہر گوشہ میں بڑے بڑے شفا خانے قائم کئے تھے جن میں مستند طبیب مریضوں کا علاج کرتے تھے اور علاج کے لئے عوام کو ایک پیسہ بھی صرف نہیں کرنا پڑتا تھا یعنی مفت طبی امداد دی جاتی تھی۔

مسلمانوں نے علم طب اور جراحی میں وسیع پیمانہ پر تحقیق کی تھی اس لئے وہ اِن شفا خانوں میں اُس زمانہ کے لحاظ سے جدید ترین طریقوں پر علاج کرتے تھے۔

مسلمانوں نے اپنی حکومتوں کو فلاحی ریاست بنانے کے لئے صنعت و تجارت کو بھی خوب فروغ دیا تھا۔ اہل فن حضرات کی وہ بے حد قدردانی کرتے تھے اور دوسرے ملکوں کے اہل فن کی صلاحیتوں سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے انھوں نے راستوں، پلوں اور کاروان سراؤں کی تعمیر کر کے تجارت کے وسائل کو بے حد فروغ دیا تھا۔ اور لوگوں پر برائے نام ٹیکس لگا کر انھیں اقتصادی اور معاشی طور پر خوشحال بننے کے مواقع فراہم کئے تھے۔

مسلم حکومتوں کے فلاحی کردار کی برکتیں صرف انسانوں ہی تک محدود نہیں تھیں بلکہ اُن کے دورِ حکومت میں حیوانات کے لئے بھی شفا خانے موجود تھے۔ اور تقریباً سب ہی مسلم حکومتوں میں ایک مستقل محکمہ قائم تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ جانوروں کے ساتھ بے رحمی نہ کی جائے۔ اور باربردار مویشیوں سے اُن کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت میں تو ایک ایسا محکمہ بھی قائم تھا جس کے کارکن پوری سلطنت میں پھیلے ہوئے تھے اور جن کا کام یہ تھا کہ وہ بھولے بھٹکے مسافروں کو راہ بتاتے تھے۔

جمہوری ریاست کا تصور یورپ میں اٹھارویں صدی عیسوی میں پیدا ہوا تھا لیکن اسلامی تعلیمات کے ماتحت چھٹی صدی عیسوی میں ہی اسلامی نظامِ حکومت کی بنیاد رکھی جا چکی تھی جو عملی طور پر پہلی جمہوری اور فلاحی ریاست تھی۔ چنانچہ آج بھی کوئی جمہوری اور فلاحی ریاست اسلامی ریاست کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ یاد رکھئے کہ ایسی جمہوریت قطعی ناقص اور بے معنی ہے جس میں کہ عوام بھوکے ہوں ننگے ہوں، بے گھر ہوں اور وہ اپنے ملکی ذرائع سے خاطر خواہ فائدہ نہ حاصل کر سکیں۔

تاریخ اسلام کا ایک ورق



مسلمانوں کے خون کی پیاسی ملکہ

افریقہ کی سرزمین پر ایمان و کفر کا تاریخی معرکہ

(از شوکت علی فہمی)

قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے کیسی بے جگری کے ساتھ کفر و شرک کی شیطانی طاقتوں کا مقابلہ کیا ہے۔ اُس کا اندازہ پہلی صدی ہجری کے اُس تاریخی معرکہ سے ہو سکتا ہے جو افریقہ کی ایک بت پرست ملکہ "دابیہ" نے سرزمین افریقہ سے اسلام کو مٹانے کے لئے برپا کر رکھا تھا۔ ملکہ دابیہ افریقہ کی ایک ایسی حکمراں ہوئی ہے۔ جس کی کہ ایک دیوتا کی طرح پرستش کی جاتی تھی۔ اِس ملکہ کے پرستاروں کا یہ عقیدہ تھا کہ "دیوتا لیکوس" کی روح ملکہ کے جسم میں حلول کر چکی ہے۔ اِس لئے وہ بھی ایک دیوتا کے مانند ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو اِس بت پرست ملکہ کے مقابلہ میں بڑی ہی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

"ملکہ دابیہ" پہلی صدی ہجری کے آخر میں افریقہ کے "علاقہ جبل" کی ایک مشہور بت پرست ملکہ ہوئی ہے۔ اِس کے معتقدین پورے شمالی افریقہ میں پھیلے ہوئے تھے یہ غیب داں راہبہ کے نام سے مشہور تھی اور ایک دیوتا کی طرح اِس کی پوجا کی جاتی تھی۔ افریقہ کے جنگجو بربری قبائل خاص طور پر اس کے معتقد تھے۔ اس کی فوج میں لاکھوں بربری شامل تھے جو ملکہ کے ایک اشارہ پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ نظر آتے تھے۔

یہ مسلم اقتدار کا زمانہ تھا۔ یہ ملکہ مسلمانوں کی فاتحانہ پیش قدمیوں سے بےحد سراسیمہ تھی۔ چنانچہ جب رومیوں کو شکست دینے کے بعد مسلمان شمالی افریقہ کے بعض حصّوں پر قابض ہو گئے اور اسلام کی روشنی افریقہ میں پھیلنی شروع ہوئی تو اِس دشمنِ اسلام ملکہ نے اپنے معتقد بربری قبائل کو سختی کے ساتھ ہدایت کر دی کہ وہ مسلمانوں سے چوکنے رہیں۔ اُنہیں جہاں اور جس جگہ بھی کوئی مسلمان نظر آئے اُسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ بربریوں کی حالت یہ تھی کہ اُنہیں جس شخص پر بھی یہ شبہ ہوتا تھا کہ وہ حلقہ بگوش اسلام ہے نہ صرف اُسے قتل کر دیا جاتا تھا بلکہ اُس کے گھر کو بھی جلا کر خاک کر دیا جاتا تھا۔

اِس ملکہ کے جھنڈے کے نیچے جہاں لاکھوں بربری جمع تھے وہاں وہ رومی بھی اُس کے ساتھ شامل ہو گئے تھے جنہیں شمالی افریقہ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں بری طرح شکست اٹھانی پڑی تھی اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ملکہ دابیہ کی فوج نے شمالی افریقہ کے اُن علاقوں پر بھی حملے شروع کر دیئے تھے جن پر کہ مسلمانوں کا تسلط ہو چکا تھا۔ بربری مسلم علاقوں سے مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر لے جاتے تھے۔ اور بڑی بے دردی کے ساتھ اُنہیں اپنے علاقے میں لے جا کر قتل کر دیتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت عبداللہ بن زبیر اور خلیفہ عبدالملک بن مروان کی خانہ جنگی نے مسلمانوں کو بےحد کمزور کر دیا تھا اور مسلمانوں میں اتنی طاقت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ آسانی کے ساتھ شمالی افریقہ میں اپنے مقبوضہ علاقوں کو برقرار رکھ سکیں۔ چنانچہ آئے دن مسلمانوں کو ملکہ دابیہ اور رومیوں کے مشترکہ لشکر سے مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ اور دن بدن اُن کی طاقت گھٹتی چلی جا رہی تھی۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی طاقت افریقہ میں گھٹتی چلی جا رہی ہے تو اُنھوں نے ۷۶ھ ہجری میں اپنے نامور سپہ سالار حسین بن نعمان کو چالیس ہزار کا لشکر دے کر افریقہ کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ شہر کارتھیج اُن دنوں ملکہ دابیہ اور رومیوں کی جنگی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا۔ صرف اِس ایک شہر میں لاکھ سے زیادہ وردی سپاہی

اور ملکہ کے سرفروش معتقد موجود تھے جن کو زیر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن پھر بھی حسین بن نعمان نے کارتیج پہنچتے ہی سب سے پہلے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن جب کئی دن کے محاصرہ کے باوجود مخالفین نے ہتھیار نہ ڈالے تو سرفروش مسلمان سیڑھیاں لگا کر قلعہ کی فصیل کے اندر اتر گئے، اور انتہائی دلیری سے کام لے کر ایک خوفناک جنگ کے بعد شہر کارتیج پر قبضہ جما لیا۔ لیکن جلد ہی اہل کارتیج کو بیرونی مدد پہنچ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔ اور کارتیج ان کے قبضہ سے نکل گیا۔ لیکن مسلمانوں نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری اور عین وقت پر جب مسلمانوں کی مدد کے لئے دمشق سے تازہ دم فوج آ گئی تو مسلمانوں نے از سر نو فوج کو منظم کر کے کارتیج پر دوبارہ حملہ کر دیا۔ اور اس تاریخی شہر پہ اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔

کارتیج کے مورچہ پر شکست کھانے کے بعد رومی اور ملکہ دابیہ کے سپاہی علاقہ جبل میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ جبل ملکہ دابیہ کا دارالسلطنت تھا جہاں دیوتا کیکوس کا بہت بڑا مندر تھا بربریوں کا عقیدہ تھا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی دیوتا کیکوس کے مقدس شہر کو فتح نہیں کر سکتی۔ چنانچہ جب شہر جبل پہ مسلمانوں نے یورش کی تو ملکہ دابیہ کی فوج اور رومی ایسی بہادری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کو اس معرکہ میں بری طرح ناکامی ہوئی اور اس کے بعد شمالی افریقہ کے ان بیشتر علاقوں پر دوبارہ ملکہ کا قبضہ ہو گیا۔ جو مسلمانوں کے تسلط میں آ چکے تھے۔

ملکہ دابیہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں نے محض اس لئے شمالی افریقہ پر حملہ کیا ہے کیوں کہ اس ملک میں بے نظیر عمارتیں ہیں۔ سرسبز کھیت ہیں۔ پھلوں سے لدے ہوئے باغ ہیں اور بے اندازہ دولت ہے۔ ملکہ نے سوچا کہ اگر ان چیزوں کو برباد کر دیا جائے تو پھر مسلمان افریقہ کی جانب رخ نہیں کریں گے لہذا ملکہ نے اعلان کر دیا کہ۔

"مجھے دیوتا کیکوس کی جانب سے حکم ملا ہے کہ اس ملک کی تمام بلند عمارتوں کو مسمار کر دیا جائے۔ باغ اور سرسبز کھیتوں کو آگ لگا دی جائے۔ اور مال و اسباب کو برباد کر ڈالا جائے تاکہ عرب کے لٹیرے لالچ میں آ کر ہمارے ملک کی جانب رخ نہ کریں۔ اور ہمارا دین ان کی یورش سے محفوظ رہے"

اور اس اعلان کے فوراً بعد ہی ملکہ نے پورے شمالی افریقہ کے علاقہ کو ویران کر کے اسے خاک کا ڈھیر بنا دیا لیکن ملکہ دابیہ کی بدقسمتی کہ اس نے اگرچہ اپنی توڑ پھوڑ کی پالیسی کو مذہبی رنگ دے دیا تھا۔ لیکن افریقی عوام اس تباہکاری سے بھڑک گئے، اور افریقہ کے وہ تمام باشندے جن کی جائیدادوں۔ باغوں اور کھیتوں کو ملکہ کے حکم سے برباد کیا گیا تھا۔ ملکہ کے مخالف ہو گئے، اور انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ "دیوتا کیکوس ہرگز ایسی تباہی کا حکم نہیں دے سکتا ملکہ گمراہ ہو گئی ہے" غرضکہ ملکہ کے خلاف سخت اضطراب اور بے چینی پھیل گئی۔

ادھر مسلمانوں کی کیفیت یہ تھی کہ شکست کے بعد ان میں نیا جوش پیدا ہو گیا تھا اور وہ یہ تہیہ کئے ہوئے تھے کہ وہ ملکہ کی اس شیطانی طاقت کو ختم کر کے ہی دم لیں گے جس نے کہ افریقہ کے عوام کے عقائد کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اور انہیں کفر اور جہالت کی تاریکی میں ڈال دیا ہے۔ کیونکہ ظہور اسلام کا مقصد ہی یہ تھا کہ نوع انسانی کو کفر اور عقائد باطلہ سے نجات دلائی جائے۔

اسی بلند مقصد کے تحت حسین بن نعمان ۸۲ھ ہجری میں دوبارہ ایک لشکر عظیم لیکر افریقہ آئے اور ملکہ دابیہ کے مقابلہ پر صف آرا ہو گئے اور اس طرح پھر ایک بار افریقہ کی سرزمین پر کفر و ایمان کا معرکہ گرم ہو گیا اس نئے معرکہ میں ملکہ دابیہ بڑی شان اور کر و فر کے ساتھ مقابلہ پہ آئی۔ کاہنوں کی ایک پوری جماعت اس کے ساتھ تھی جو افریقہ کے باشندوں کو دیوتا کیکوس کا حکم پڑھ پڑھ کر سنا رہے تھے اور ان میں نئے سرے سے مذہبی جوش پیدا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن عوام چونکہ ملکہ سے بدظن ہو چکے تھے اس لئے ملکہ کی طاقت میں بڑی حد تک کمی ہو چکی تھی۔

مسلسل بارہ روز تک کفر و ایمان کا یہ معرکہ گرم رہا۔ ملکہ کی موجودگی اور کاہنوں کے واعظ و پند کی وجہ سے اگرچہ ملکہ کی فوج نے بڑی جرأت کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن ملکہ کو شکست ہو گئی اور افریقی باشندوں نے ملکہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ صرف ڈیڑھ دو ہزار سپاہی ملکہ کے ساتھ رہ گئے مگر ملکہ دابیہ آخیر وقت تک بڑی شجاعت سے لڑتی رہی اور لڑتے لڑتے زخمی ہو کر گر گئی۔ اسے اسلامی لشکر نے گرفتار کر لیا۔ اور سپہ سالار اسلام حسین بن نعمان نے اسے قتل کرا دیا اور اس طرح پھر ایک بار افریقہ کی سرزمین پر نعرہ تکبیر گونجنے لگا۔

افریقہ کی اس عظیم الشان فتح کے بعد حسین بن نعمان بے اندازہ مال غنیمت اور ملکہ دابیہ کا سر لیکر خلیفہ عبدالملک بن مروان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس طرح کفر و اسلام کے اس یادگار واقعہ کے بعد شمالی افریقہ پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا۔



تاریخ ہند

مغلیہ حکومت کی شان ہی نرالی تھی

مغل بادشاہوں کا دورِ حکومت سکولرزم کا صحیح نمونہ تھا

(از ڈاکٹر سدارام بکروالہ)

ڈاکٹر سدارام کا یہ مضمون اس لحاظ سے نہایت ہی اہم ہے کیونکہ آپ نے ذیل کے مقالہ میں مغلیہ حکومت کے نہایت اہم پہلوؤں کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ مغل بادشاہ ہندوستان کے پہلے حکمران تھے جنھوں نے اِس ملک میں پہلی مرتبہ سیکولر حکومت کا سچا نمونہ پیش کیا تھا۔ ہم کو امید ہے کہ یہ مقالہ ہمارے ناظرین کے حلقہ میں پسند کیا جائے گا۔

ہمارے ملک کو دنیا کی تاریخ میں ایک امتیازی درجہ حاصل رہا ہے
وہ ملک ہے جس پر ہندوؤں نے بھی حکومت کی ہے اور یہاں مسلمان بھی
کمراں رہے ہیں۔ لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مغلوں نے جس رنگ ڈھنگ
ر عدل و انصاف نیز رواداری کے ساتھ اِس ملک پر حکومت کی ہے۔
ں کی کچھ شان ہی نرالی ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جس زمانہ میں نہ صرف
ندوستان بلکہ ساری دنیا سیکولرزم سے قطعی نا آشنا تھی یہ مغل ہی تھے جنھوں
ہمارے ملک میں سیکولرزم کا صحیح نمونہ پیش کر کے ساری دنیا کی رہنمائی کی۔
ملک سے مذہبی تفریق کو مٹا کر رکھ دیا۔ اور یہ مغل ہندوستان آکر
ں کے باشندوں سے اِس طرح گھل مل گئے کہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کون
ندو ہے اور کون مسلمان ہے۔

یہ درست ہے کہ ابتدا میں مغل بادشاہ بیرونی علاقہ سے اِس ملک
آئے تھے۔ اور انھوں نے اپنے ہی ہم مذہب پٹھان حکمراں ابراہیم لودھی
انی پت کے میدان میں شکست دے کر بھارت میں اپنی حکومت کی
رکھی تھی۔ لیکن انھوں نے ہندوستان میں اقتدار حاصل کرتے ہی اِس
کو اپنا ملک اور بھارت کی بھومی کو اپنی ماتر بھومی بنا لیا تھا۔ اور اپنے
اور اصلی وطن کو بھول کر یہاں کے ہی ہو کر رہ گئے تھے۔

مغل بادشاہوں کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ انھوں نے اِس ملک کا
پیسہ بھی ہندوستان سے باہر نہیں جانے دیا۔ انھوں نے اس ملک کی خوشحالی
میں نمایاں حصہ لیا۔ اور اس ملک کی دولت کو جی کھول کر اسی ملک پر لگایا۔
اس کے علاوہ اِس ملک کی آن بان اور شان کو بنانے اور سنوارنے میں جو کچھ
بھی مغلوں نے کیا ہے وہ کسی بھی ہندو یا مسلم حکمراں سے نہ ہو سکا۔ انھوں
نے اِس ملک میں ایسی ایسی یادگاریں تعمیر کیں جنھیں دیکھ کر دنیا کے دوسرے
ممالک حیران رہ گئے۔

شاہجہاں کا بنایا ہوا آگرہ کا تاج محل دنیا کے عجائبات میں شمار کیا
جاتا ہے۔ اِسی طرح دہلی میں لال قلعہ دیوانِ عام۔ دیوان خاص اور
جامع مسجد اپنی مثال آپ ہی ہیں۔ اکبر نے فتح پور سیکری کے محلات۔ دہلی میں
ہمایوں کا مقبرہ بنا کر بھارت کی بھومی کی سجاوٹ میں اضافہ کیا۔ جہانگیر نے
کشمیر میں باغات لاہور میں جامع مسجد اور قلعہ و باغات بنا کر اسے گلشنِ ارم
بنا دیا۔ یہ تمام عہد مغلیہ کی یادگاریں ہیں جو ہمارے ملک کی سرزمین پر
بنائی گئی ہیں اور موجود ہیں۔ اور ہمارے لئے آج بھی قابل فخر ہیں۔

مغل بادشاہوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ بھارت کی بھومی کو بے مثال
عمارتوں سے سجایا بلکہ ہندوستان کا وقار بھی دنیا بھر میں خوب بڑھایا۔
اور انھوں نے راج پاٹ بھی کچھ ایسے ڈھنگ اور منصفانہ طریقہ سے کیا جس کی
مثال تاریخ میں مشکل ہی سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ انھوں نے قدم قدم پر
انصاف کے معاملہ میں یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ ایک نیک دل اور سچے
حاکم کی نظر میں تمام رعایا بلا لحاظ مذہب و ملت ایک ہی درجہ رکھتی ہے۔

اور کسی سے بھی امتیازی سلوک حرام ہے۔ چنانچہ مغل حکمرانوں نے کئی ہندو فریادیوں کی فریاد پر اپنے قریبی رشتہ داروں تک کے سر قلم کرانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اُنھوں نے مذہب کو راج کاج کے کاموں سے بالکل الگ رکھا۔ پھر جہاں تک سرکاری ملازمتوں اور درباری عہدوں کی تقسیم کا تعلق ہے ہندو اور مسلمانوں میں برابری قائم رکھی چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ وزارت عظمیٰ تک بڑے بڑے عہدے ہندوؤں کے سپرد کیے گئے۔ راجہ ٹوڈر مل وزیر اعلیٰ اور راجہ مان سنگھ تمام فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ یہ دونوں ہی ہندو تھے۔ دوسرے بھی بڑے بڑے منصب دار ہندو ہی تھے۔ مغل بادشاہوں نے اعلیٰ عہدوں کے لیے ہندوؤں کو ترجیح دے کر ہندوؤں کو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ یہ بادشاہ کسی غیر مذہب سے تعلق رکھتے ہیں

مغل حکمران اگرچہ مذہبی اعتبار سے مسلمان تھے اور آئے بھی باہر سے تھے لیکن اُنھوں نے اپنے حسنِ اخلاق اور عادلانہ طرزِ عمل سے کچھ ایسی روش اختیار کی تھی کہ مذہبی منافرت کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکا انہوں نے ہندو کلچر کو اپنی فراخدلی سے پھلنے پھولنے کا خوب موقع دیا۔ اور اس امر کی پوری کوشش کی کہ ہندو کلچر ترقی کرے۔ سنسکرت اور ہندی کی ترقی میں یہاں تک کوشش کی کہ کتنے ہی سنسکرت اور ہندی داں مسلمانوں میں پیدا کیے ابوالفضل اور فیضی جیسے عالم اور سنسکرت کے ماہر مسلمان ہی تو تھے۔ شہنشاہ اکبر ہندو تہذیب کا اسقدر شائق تھا کہ اُس نے اپنی ساری زندگی ہندوانہ طور پر بسر کی۔ مسلمان بادشاہوں کی اس فراخ دلی اور رواداری کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو اور مسلمان جو مذہب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ تھے قریب سے قریب تر ہونے چلے گئے۔ اور پھر ہندوؤں میں بھی عربی و فارسی کے عالم و فاضل نیز شاعر و ادیب کتنے ہی پیدا ہو گئے۔ اور اسی زمانہ میں کتنے ہی ہندو سنتوں اور مسلمان درویشوں نے ہندو مسلم اتحاد کا بہترین فریضہ ادا کیا ہے۔

وہ سیکولرزم جس کے آج ہمیں یہ معنی بتائے جاتے ہیں کہ اُس میں کسی مذہب یا ذات برادری کے نام پر کوئی بھید بھاؤ نہیں رکھا جاسکتا اُس کا اگر صحیح معنوں میں کوئی زمانہ قرار دیا جاسکتا ہے تو وہ عہدِ مغلیہ ہی کا زمانہ تھا۔ اِس زمانہ میں حب الوطنی، دوستی۔ ماترِ بھومی سے پریم اور تمام انسانوں سے بلا لحاظ مذہب و ملت یکساں سلوک عام تھا۔ مشہور کہاوت کے مطابق یہ جیسا راجہ ویسی پرجا یعنی جب مغل راجہ نیک دل تھے تو ہندو مسلم پرجا بھی ویسی ہی صاف دل بن گئی تھی۔ اس زمانہ کے ہندو مسلمانوں میں میل ملاپ اور پریم تھا۔ ایک نے دوسرے کی تہذیب و تمدن کو اپنا لیا تھا اور اس طرح بھارت میں ایک نہایت ہی خوشنما ملا جلا کلچر نے مغلوں کے زمانہ میں جنم لیا

اب رہا یہ سوال کہ اکثر اوقات مغل بادشاہوں نے ہندو ریاستوں پر فوج کشی کی ہے تو ان حملوں کی تہہ میں بھی کوئی ہندو مسلم سوال نہیں تھا۔ بلکہ یہ تھی ہوس ملک گیری جو اُس زمانہ کے سب ہی حکمرانوں میں عام تھی۔ چنانچہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اسی ہوس ملک گیری کے تحت ہندو حکمرانوں نے دوسرے ہندو حکمرانوں پر اور مسلمان بادشاہوں نے دوسرے مسلمان بادشاہوں پر حملے کئے ہیں اور خونریز لڑائیاں لڑی ہیں۔ چنانچہ پرتھوی راج چوہان اور جے چند ہم مذہب اور رشتہ دار ہوتے ہوئے آپس میں لڑے ہیں اسی طرح شہنشاہ اکبر نے چاند بی بی کے خلاف احمد نگر میں فوج کشی کی ہے۔ ہمایوں اور شیر شاہ سوری دونوں ہم مذہب ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے لڑے ہیں۔ نادر شاہ نے ایران سے آکر دہلی کے مغل بادشاہ محمد شاہ پر حملہ کرکے مغل سلطنت کو تباہ اور برباد کر دیا۔ اور پھر احمد شاہ ابدالی کا حملہ بھی اسی قسم کا تھا جو اُس نے اپنے ہی ہم مذہب دہلی کے مغل بادشاہ پر کیا تھا۔ یہ چند واقعات جو بطور مثال پیش کئے گئے ہیں ثابت کر رہے ہیں کہ ہوس ملک گیری کے سامنے مذہب اور ذات پات کوئی چیز نہیں ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ مغل بادشاہوں نے بھارت میں صحیح معنوں میں سکولر راج پہلی مرتبہ قائم کیا۔ اُنھوں نے مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہندوؤں کا خیال رکھا۔ یہاں تک کہ بعض مغل بادشاہوں پر کٹر ملاؤں نے کفر کے فتوے تک لگا دئے مگر وہ بدستور سکولرزم پر قائم رہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ہمارے کچھ مہربان بھائی اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت کی بنا پر مغل بادشاہوں کو بدنام کرنے میں پیش پیش ہیں جو کھلی ہوئی تاریخی بددیانتی ہے۔

مغل بادشاہوں پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ اُنھوں نے بزورِ شمشیر اس ملک میں اسلام پھیلایا جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ مغل بادشاہوں کی راجدھانی آگرہ اور دہلی رہے ہیں لیکن مذہب اسلام راجدھانی سے بہت دور بنگال اور کشمیر جیسے علاقوں میں پھیلا ہے۔ دہلی اور آگرہ کے علاقے بدستور ہندو اکثریت کے علاقے بنے رہے ہیں اگر مغل بادشاہ بذریعہ شمشیر اسلام پھیلاتے تو پہلے دارالسلطنت (باقی صفحہ [illegible])

اسلام اور غیر مسلم



یورپین مفکرین کی اسلام سے عقیدت

پروفیسر "جارج بریڈلے" کے اسلام کے بارے میں احساسات

(پروفیسر جارج بریڈلے کے انگریزی مقالہ سے ماخوذ)

کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) سے "ماڈرن نیوز" کے نام سے ایک انگریزی جریدہ شائع ہوتا ہے اس جریدہ میں آئیرلینڈ کے ایک مفکر "جارج بریڈلے" کا اسلام کے بارے میں ایک نہایت ہی اہم مضمون پچھلے دنوں شائع ہوا تھا۔ جس کا ترجمہ ہم ناظرین دین دنیا کی دلچسپی کے لئے ذیل میں پیش کررہے ہیں۔

اس وقت دنیا میں جو بین الاقوامی کشیدگی پائی جاتی ہے اُسے دیکھتے ہوئے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ دنیا اسلام سے بنائے ہوئے اس اصول پر کاربند ہو جائے کہ "خود بھی زندہ رہو اور دوسروں کو بھی زندہ رہنے دو" یہی وہ قیمتی اصول ہے جس پر عمل کرنے کے بعد دنیا میں سکون پیدا ہو سکتا ہے۔

میں گزشتہ بیس سال سے بڑی گہری نظر سے اسلام کا مطالعہ کررہا ہوں اور مجھے یہ کہتے ہوئے ذرا بھی باک نہیں کہ عیسائی ہونے کے باوجود مجھے اسلام سے ایک عقیدت سی پیدا ہوگئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آفرینش عالم سے لے کر اس وقت تک نہ تو کوئی سیاسی تحریک اور نہ مذہبی تنظیم اسلام کی طرح رواداری اور امن پسندی کی تعلیم دے سکی ہے۔ اور یہ اسلام کا اتنا بڑا وصف ہے جسے اُس کا کوئی بڑے سے بڑا مخالف بھی نظر انداز نہیں کرسکتا۔

دنیا آج ایک ایسے دور سے گزر رہی ہے جس میں انسان اپنی مادی ترقیوں میں لگاتار کامیابیوں کا دعویٰ تو ضرور کرسکتا ہے۔ لیکن اطمینان قلب اور اپنے تحفظ کی یقین دہانی مطلق نہیں کرسکتا۔ ظاہر ہے کہ اگر بنی نوع انسان کو اُس کی زندگی اور بقا کا یقین نہیں حاصل ہوسکتا۔ یا انسان سکونِ قلب سے محروم رہتا ہے تو اُس کی یہ تمام مادی ترقیاں اُس کے لئے ذرہ برابر بھی مفید نہیں ثابت ہوسکتیں۔ ایسی حالت میں ہمارے لئے یہ سوچنا ضروری ہوجاتا ہے کہ اس بے یقینی کے اسباب کیا ہیں۔ اور اُنہیں کیونکر دور کیا جاسکتا ہے۔ اور شاید اس ضمن میں ہم اسلامی تعلیمات سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

آج کل انسان بے یقینی کی زندگی صرف اس لئے بسر کررہا ہے کیونکہ بڑی قومیں چھوٹی قوموں کی ضرورتوں، خواہشوں اور جذبات کا احترام نہیں کرتیں۔ وہ کمزور قوموں کے تمام تر وسائل سے خود فائدہ اٹھانا چاہتی ہیں۔ مگر ان چھوٹی اور کمزور قوموں کو افلاس، تنگ دستی، جہالت اور امراض کا شکار ہونے کے لئے چھوڑ دیتی ہیں۔

پھر اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس دنیا کی وسعتوں میں جو قومیں آباد ہیں۔ اُن میں بہت سے اختلافات بھی موجود ہیں۔ اور یہ اختلافات مذہب، تہذیب، اور رنگ و نسل سے شروع ہوکر سیاست اور حکومت کے ڈھنگ تک پہنچے ہوئے ہیں۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود یہ خیال اور خواہش عام ہے کہ بنی نوع انسان کو تحفظ کی ضمانت ملنی چاہیئے اور اختلافات کے باوجود ایک ایسی دنیا کی تعمیر کی جانی چاہیئے جس میں سب قومیں امن و عافیت کی زندگی بسر کرسکیں مگر میرا خیال ہے کہ یہ کوشش شاید اسلامی تعلیمات سے ہدایت حاصل کئے بغیر کامیاب ہوسکے گی۔

اس نیک مقصد کے حصول کی غرض سے خود ہمارے دور میں جو کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ ان میں اقوام متحدہ کا قیام ایک خصوصی کوشش کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن تجربہ نے بتایا ہے کہ یہ بین الاقوامی مجلس بھی

اپنے اس مقصد کے حصول میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی ہے اور اس مایوس کن نتیجہ کی روشنی میں بعض حلقوں کی جانب سے اس خیال کا اظہار کیا جانے لگا ہے کہ ہم سب امن و عافیت سے بھرپور جس دنیا کی تعمیر کے لئے کوشاں ہیں چونکہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اس لئے موجودہ دور میں بھی ایسی دنیا کی تعمیر نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ اس سے قبل ایک زمانہ میں امن و عافیت کی دنیا کی تعمیر ہو چکی ہے۔ اسلام نے ایسی ہی دنیا تعمیر کی تھی اور وہ آج بھی ایسی دنیا تعمیر کر سکتا ہے۔

ہمارے سامنے پوری دنیا کی تاریخ موجود ہے۔ اور آج تاریخی تحقیقات نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ ماضی میں متعصب پادریوں اور یورپ کے مسیحی حکمرانوں نے اسلام کے خلاف جو پروپگنڈا کیا تھا۔ وہ اپنی جگہ محض الزام تراشی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ کیوں کہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں کی ملکی فتوحات مفتوح قوموں کے استحصال کے لئے نہیں تھیں بلکہ اُن کی بدولت مظلوم اور کچلی ہوئی قوموں کو ظالم حکمرانوں سے نجات حاصل ہوئی تھی۔ اور اُس زمانہ کی تمام قوموں اور حکومتوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات رواداارانہ اور دوستانہ رہے ہیں۔ اور ماضی کی تاریخ کے ان ہی واقعات میں اُن اسباب کو تلاش کیا جا سکتا ہے جنھوں نے کہ اُس زمانہ میں امن و عافیت کی دنیا تعمیر کی تھی۔

مسلمانوں کے طریق حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مغربی مفکر نے لکھا ہے کہ "مسلمانوں نے پوری دنیا کے ساتھ تعلقات اور معاملات کا ایک ضابطہ بنایا تھا۔ اور اس ضابطہ کے ذریعہ خود غرضی اور تنگ نظری کو بالکل نکال دیا تھا۔ اسی لئے مسلمانوں نے دنیا میں۔ امن، اتحاد، خوشحالی، اور ترقی کی ایسی مثالیں پیش کی تھیں جو آج بھی قابل تقلید ہیں۔ مثال کے طور پر مسلمان جس ملک کو بھی فتح کرتے تھے وہ اُس کے باشندوں کو لوٹنے کھسوٹنے کی بجائے وہاں کی انتظامی حالت کو بہتر بنا کر لوگوں کی خوشحالی اور طمانیت میں اضافہ کرتے تھے۔ مفتوحہ ممالک کی زمینوں اور جائیدادوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتے تھے۔ پھر وہ جس قوم سے جو وعدہ کر لیتے تھے اُس سے انحراف ممکن نہیں ہو سکتا تھا اور ان کی موجودگی مفتوحہ قوموں کے تحفظ کی کامل ضمانت سمجھی جاتی تھی" لیکن اسلام کے اس تاریخی کردار کے متعلق آپ بھی اس مغربی مفکر کا یہ بیان تشنہ ہے اور اسے اسلام کے اُن بنیادی اصول پر ایک نظر ڈال کر پورا کیا جا سکتا ہے جنھوں نے قدم قدم پر مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے۔

مثال کے طور پر اسلام غلامی اور ملوکیت کا شدید مخالف ہے۔ چنانچہ اُس نے جس طرح انفرادی غلامی کی زنجیروں کو کاٹا تھا اُسی طرح قوموں کو غلام بنانے کی بھی اجازت نہیں دی تھی اسلام نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ اُنہیں کسی ملک اور قوم کو اپنے فائدہ کے لئے غلام نہیں بنانا چاہئے اُس نے مدافعانہ جنگ کی اجازت ضرور دی تھی لیکن ان مدافعانہ لڑائیوں کا مقصد بھی مفتوحہ قوموں کی زندگی کو بہتر بنانا تھا چنانچہ شہری آزادیوں انسان کے بنیادی حقوق اور انتظام کے زاویہ نظر سے اُس دور کی کوئی حکومت مسلم حکومتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

اسلام نے مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ اُن کو اُن تمام دیواروں کو گرا دینا چاہئے جو بنی نوع انسان کے مختلف گروہوں کو ایک دوسرے سے الگ کئے ہوئے ہیں۔ اسی لئے مسلمانوں نے پوری دنیا کو یہ پیغام دیا تھا کہ رنگ نسل وطن حتیٰ کہ مذہب کے اختلافات کو بھی انسانوں کے باہمی میل جول کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ ان تمام اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی تمام انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ چنانچہ اسلام کی پوری تاریخ اِس بات کی گواہ ہے کہ مسلمانوں نے انسانی مساوات کے متعلق جو کچھ کہا تھا اُنھوں نے اُس پر عمل بھی کیا ہے۔

آج قوموں کے درمیان جو بے چینی اور باہمی بے اعتمادی پائی جاتی ہے اگر اُسے دور کرنے کے لئے بڑی اور ترقی یافتہ قومیں اسلام کے حکم کے مطابق یہ بات طے کریں کہ وہ کمزور اور پس ماندہ قوموں پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد انہیں لوٹنے کھسوٹنے کی بجائے اُن کی تعمیر و ترقی میں مدد کریں گی رنگ اور نسل کے امتیازات کو انسانی تعلقات اور معاملات میں حائل نہ ہونے دیں گی۔ مذہب کی بنیاد پر کسی سے نفرت نہیں کی جائے گی۔ اور تمام وعدوں اور معاہدوں کا احترام کیا جائے گا تو آج بھی قوموں کے تعلقات بہتر ہو سکتے ہیں۔ اُن کے درمیان اعتماد پیدا کیا جا سکتا ہے اور اس کے بعد امن و عافیت اور خوشحال دنیا کی تعمیر میں کوئی دشواری حائل نہیں ہو سکتی سچ تو یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات بہترین آئین سیاست ہے اور بے مثال نظام حیات ہے جس سے سب ہی کو فائدہ اٹھانا چاہئے۔

اسلام کی یہ ایسی خصوصیات ہیں جن سے کہ ہر انصاف پسند متاثر ہو سکتا ہے اور ان ہی خصوصیات نے خود مجھے بھی متاثر کیا ہے چنانچہ میرا خیال ہے کہ ہم اسلام سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

تعلیم القرآن

(صہ۱۸ سے آگے)

وزیر مالیات حضرت یوسف کے ہاتھ میں آگیا تو انہوں نے آنے والے قحط کے سلسلہ میں نہایت عمدہ انتظامات کئے چنانچہ جب قحط کا زمانہ آیا تو انہوں نے ارزاں نرخ پر ضرورتمندوں کو غلہ دینا شروع کردیا جس سے ہر طرف شہرت پھیل گئی کہ مصر میں غلہ بہت ہی سستا ہے۔ اور یہ خبر سنکر کنعان سے بھی لوگ غلہ لینے کے لئے مصر آنا شروع ہوگئے۔

اور یوسف کے بھائی (بھی غلہ خریدنے کی غرض سے مصر آئے اور یوسف کی خدمت میں غلہ لینے کے لئے حاضر ہوئے (کیونکہ وزیر مالیات وزراعت حضرت یوسف کی اجازت کے بغیر غیر ملکیوں کو غلہ نہیں مل سکتا تھا اس لئے انھوں نے حاضر ہوکر غلہ کے لئے گزارش کی) یوسف نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا مگر وہ یوسف کو نہ پہچان سکے۔ یوسف نے انہیں غلہ دے دیا اور اسے بار بھی کرادیا (اور تفصیلی حالات پوچھنے کے بعد) ان سے کہا کہ اگلی مرتبہ جب آؤ تو اپنے سوتیلے بھائی کو بھی میرے پاس لانا۔ تم نے میرا ہمدردانہ طرز عمل دیکھ ہی لیا ہے کہ میں پورا پورا غلہ (مستحق غیر ملکیوں کو بھی) دیتا ہوں۔ اور ساتھ ہی اُن کی مہمان نوازی بھی خوب کرتا ہوں۔ مگر اس بات کو یاد رکھو کہ اگر تم اپنے سوتیلے بھائی کو اپنے ساتھ نہیں لاؤ گے تو سمجھ لو کہ آئندہ میرے پاس تمہارے لئے غلہ نہیں ہے۔ اور پھر تمہیں میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔

یہ سنکر یوسف کے بھائیوں نے کہا کہ ہم جاتے ہی اس بارے میں اپنے والد سے عرض کریں گے اور اسے لانے کی پوری کوشش کریں گے (پھر جب غلہ روانہ ہونے لگا تو) یوسف نے اپنے کارکنوں کو حکم دیا کہ جو غلہ کی قیمت انھوں نے ادا کی ہے وہ اُن ہی کے سامان کے ساتھ رکھ دی جائے تاکہ یہ لوگ جب اپنے گھر واپس جائیں تو انہیں معلوم ہو کہ غلہ کے ساتھ ان کی رقم بھی واپس کردی گئی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرح وہ دوبارہ غلہ لینے کیلئے مصر آئیں۔

کاغذ کے قحط سے کتب خانے بند

کاغذ کی قیمت چارگنی ہوگئی ہے اور اس کے باوجود بھی کاغذ نہیں مل رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر کتب خانے بند ہوگئے ہیں۔ خود دین دنیا پبلشنگ کمپنی کے لئے شدید مشکلات پیدا ہوگئی ہیں۔ ایسی حالت میں اگر کتابوں کے جدید اڈیشن طبع کرنے میں تاخیر ہو تو اسے مجبوری پر محمول کیا جائے۔

مغلیہ حکومت کی شان

(صہ۴۶ کا باقی مضمون)

کے قریبی علاقے ہی اس سے متاثر ہوتے لیکن ایسا نہیں ہوا جو اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ اس الزام میں کوئی صداقت نہیں کہ اس ملک میں اسلام بذریعہ شمشیر پھیلا ہے پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جو مغل بادشاہ سیکولرزم کے بانی ہیں ان سے یہ توقع کی ہی نہیں جاسکتی کہ وہ اپنی پالیسی سے ہٹ کر غلط قدم اٹھا سکتے ہیں۔ میری قطعی رائے ہے کہ جو سیکولرزم مغل دور میں دیکھا گیا ہے۔ اس کی مثال ہندوستانی تاریخ میں مفقود ہے کاش ہم مغلوں کے زمانہ کے سیکولرزم کو ہندوستان میں پھیلا سکیں تو یہ ہندوستان کی اور اس ملک کے باشندوں کی خوش قسمتی ہوگی۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین

اور سینکڑوں شاہانِ اسلام کی فتوحات اور زندگیوں کے ولولہ انگیز حالات

مکمل تاریخ اسلام

عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی تاریخوں کے پچاس ہزار صفحات کا نچوڑ

(از مفتی شوکت علی فہمی)

یہ تاریخ نہیں ہے بلکہ سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ ایک ہزار صفحات کی یہ عظیم الشان تاریخ عربی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے مستند تاریخ داروں کے پچاس ہزار صفحات کا نچوڑ ہے۔ اس عظیم الشان تاریخ کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کس طرح ساری دنیا پر چھا گیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور شاہان اسلام نے مختصر سے عرصہ میں کافر اور مشرکین کی بڑی سے بڑی سلطنتوں کو فتح کر کے دنیا کے بیشتر حصہ پر کس طرح اسلامی حکومت قائم کر دی۔ یہ عظیم الشان تاریخ چودہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کا ہر باب اپنی جگہ پر ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر دور آخر تک کی تمام اسلامی حکومتوں کی یہ مکمل تاریخ چودہ ابواب میں یکجا طور پر پیش کر دی گئی ہے۔ چنانچہ اس میں حکومتِ اسلامیہ کے بانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارک اور جنگی کارنامے موجود ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رض، حضرت عمر فاروق رض، حضرت عثمان غنی رض، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسن رض یعنی خلفائے راشدین کے دورِ خلافت کے مکمل حالات درج ہیں۔ اور خلفائے بنی امیہ اور خلفائے بنو عباس کی پوری تاریخ موجود ہے۔ اس کے علاوہ عرب، عراق، ایران، شام، فلسطین، افریقہ، روم، ترکستان، اسپین اور دنیائے اسلام کی سینکڑوں حکومتوں کا تذکرہ موجود ہے یہاں تک کہ ہندوستان کے مسلم فرمانرواؤں کے بھی حالات درج ہیں۔

یہ تاریخ مندرجہ ذیل چودہ ابواب پر مشتمل ہے

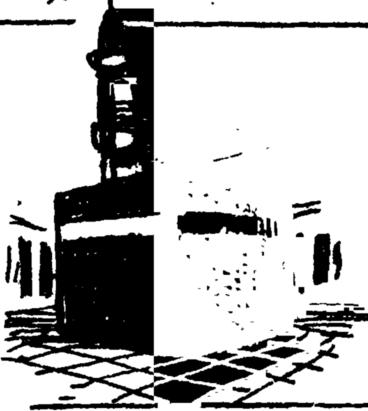
- پہلا باب:۔ حکومت اسلامیہ کے بانی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح مبارک
- دوسرا باب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی سرگرمیاں اور فتوحات
- تیسرا باب:۔ حضرت ابو بکر صدیق رض کا عہدِ حکومت اور فتوحات۔
- چوتھا باب:۔ حضرت عمر فاروق رض کا دورِ حکومت اور فتوحات
- پانچواں باب:۔ حضرت عثمان غنی رض کا عہدِ حکومت اور فتوحات
- چھٹا باب:۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دورِ حکومت اور فتوحات
- ساتواں باب:۔ امیر معاویہ اور خلفائے بنی امیہ کا عہدِ حکومت اور فتوحات
- آٹھواں باب:۔ خلفائے بنو عباس کا طویل دورِ حکومت
- نواں باب:۔ اسپین اور یورپ کی اسلامی حکومتیں۔
- دسواں باب:۔ مراکش، ٹیونس، الجزائر اور افریقہ کی اسلامی حکومتیں
- گیارھواں باب:۔ مصر، شام کی اسلامی حکومتیں، غازی صلاح الدین ایوبی کی صلیبی جنگیں
- بارھواں باب:۔ ایران، افغانستان اور ماوراء النہر کی اسلامی حکومتیں
- تیرھواں باب:۔ شاہان سلجوق اور سلاطین ترکیہ کا دورِ حکومت
- چودھواں باب:۔ ہندوستان کی خود مختار اسلامی سلطنتوں کی مختصر تاریخ۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی مکمل اور جامع تاریخ ہے جو اب تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوئی تھی۔ اندازِ تحریر ناول کی طرح عام فہم اور دلکش صفحات تقریباً ایک ہزار کاغذ سفید۔ نہایت اعلیٰ رنگین ٹائیٹل۔ اگر ناپسند ہو تو قیمت واپس منگالیں۔ جدید ایڈیشن حال ہی میں طبع ہوا ہے۔

چودہ ابواب کی مکمل اور مجلد تاریخ مع خوشنما ڈسٹ کور صرف سولہ روپے پچاس پیسے

دین دنیا پبلشنگ کمپنی — جامع مسجد — دہلی ۶

سیرت و سوانح



خانہ کعبہ کے معمار

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

(از ادارہ دین دنیا)

ہم ہر سال عید الضحیٰ مناتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایثار اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہے اور یہی دونوں وہ مقتدر پیغمبر ہیں جنھوں نے خانہ کعبہ تعمیر کرکے پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک مقدس مرکز کی بنیاد رکھی تھی ذیل میں اِن ہی دونوں مقدس بزرگوں کے حالات نہایت اختصار کے ساتھ پیش کئے جارہے ہیں

آج سے کوئی چار ہزار برس قبل کی بات ہے کہ بابل اور نینوا (عراق) کے باشندے بڑی خوشحالی کی زندگی گزار رہے تھے۔ وہ بڑی بڑی عظیم الشان عمارتوں کے مالک تھے۔ پھلوں سے لدے ہوئے سرسبز باغات اُس سرزمین پر پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن یہ سب کے سب ہدایت اور ایمان کی روشنی سے محروم تھے۔ بت پرستی اور مظاہر پرستی اِن لوگوں میں عام تھی اور اِس گمراہ اور بت پرست قوم کا حکمراں نمرود تھا۔ جو سب سے بڑا زندہ بت تھا۔ جو اپنے آپ کو خدا ظاہر کرکے لوگوں کے سامنے پیش کرتا تھا۔ گویا اِس خطہ ارض میں گمراہی انتہائی عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔

اِسی گمراہی تاریکی اور کفر و ظلمت کے دور میں ایک مشہور بت پرست اور بت تراش آذر کے گھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوکر منصب نبوت پر سرفراز ہوئے۔ اور باوجودیکہ آپ ملک کے سب سے بڑے بت تراش اور سب سے بڑے بت پرست آذر کے گھر میں پیدا ہوئے تھے آپ نے ہوش سنبھالتے ہی بت پرستی کے خلاف جہاد شروع کردیا۔ اور سب سے پہلے آپ نے اپنے گھر ہی سے دعوت حق شروع کرتے ہوئے اپنے باپ سے کہا تھا۔

"اے میرے بزرگ باپ آپ اُن چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کے کسی بگڑے ہوئے کام کو سنوار سکتی ہیں۔ آپ میرے پیچھے چلیں میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔ مجھے ایک ایسا علم دیا گیا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ آپ شیطان کی بندگی نہ کریں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہوجائیں" (سورۂ مریم)

یہ تھی وہ دعوت حق جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شروع کی اور پھر گھر سے نکل کر عوام کو نہ صرف کھلے بندوں دعوتِ حق دی بلکہ اُس بت خانہ کے بتوں کو بھی موقع پاکر توڑ ڈالا جو اُس عہد کا سب سے بڑا بتخانہ تھا۔ نمرود جو خدائی کا دعویدار تھا۔ اور بت پرستی کا سب سے بڑا معاون تھا اُس کی حکومت اور اُس کی نام نہاد خدائی میں یہ سب کچھ ہوجائے تو بھلا وہ کیونکر برداشت کرسکتا تھا اُس نے فوراً حضرت ابراہیم کو اپنے دربار میں طلب کرکے جواب طلب کیا تو آپ نے اس نام نہاد خدا کے روبرو بھی وہی نعرۂ حق بلند کیا جو آپ کا مشن تھا۔ یہ نمرود کی خدائی پر بہت بڑا حملہ تھا جسے نمرود کیونکر برداشت کرسکتا تھا۔ فوراً حکم ہوا ابراہیم کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے

اِس حکم کے ساتھ ہی ایک عظیم الشان آتش کدہ تیار کیا گیا۔ جس میں کئی روز تک مسلسل آگ دہکائی گئی جس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ محض اِس لئے کہ شائد اِن دہکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ کر حضرت ابراہیم اپنے خیالات کو بدل دیں۔ اُنہیں خوفزدہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ مگر جس بندۂ مومن کے دل میں حقانیت موجزن ہو بھلا اُسے کون خوفزدہ کرسکتا ہے آخر وہ وقت بھی آگیا جب حضرت ابراہیم کو اس دہکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں پھینک دیا گیا۔ اس نازک موقعہ پر حق باری تعالیٰ کی جانب سے آگ کو حکم ہوا کہ "اے آگ ابراہیم کے لئے سرد ہوجا" آگ نہ صرف سرد ہوگئی بلکہ گلزار بن گئی۔ اور یہ معجزہ دیکھ کر نمرود اور اُس کے حواری نہ صرف حیران رہ گئے بلکہ خوفزدہ ہوگئے۔

حضرت ابراہیم نے جب یہ سمجھ لیا کہ اس گمراہ قوم کی اصلاح ناممکن ہے تو آپ بابل سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، اور بابل سے ہجرت کرتے وقت اہل بابل سے کہا کہ "میں تم کو چھوڑتا ہوں اور اُن کو بھی جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو" اور یہ کہہ کر دعوت حق کے لئے نکل کھڑے ہوئے پہلے فلسطین گئے۔ وہاں سے مصر تشریف لے گئے۔ آپ کی اہلیہ حضرت سارہ آپ کے ساتھ تھیں مصر میں کچھ عرصے قیام فرمانے کے بعد آپ دوبارہ فلسطین چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی حضرت سارہ کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے آپ نے حضرت ہاجرہ سے شادی کر لی جن کے بطن سے پیرانہ سالی میں حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے۔ پھر بحکم خدا اپنے نور نظر حضرت اسمٰعیل اور اہلیہ ہاجرہ کو لے کر آپ مکہ کے بے آب وگیاہ صحرا میں پہنچے اور حکم الٰہی سے ان دونوں کو بے سہارا چھوڑ دیا۔

جب آپ انہیں چھوڑ کر جا رہے تھے تو حضرت ہاجرہ نے پوچھا کہ کیا یہ سب کچھ آپ اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں؟ جب آپ نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت ہاجرہ نے کہا "اگر ایسا ہے تو مجھے یقین کامل ہے کہ اللہ ہمیں برباد نہ کریگا" اور ایسا ہی ہوا چنانچہ جب پانی ختم ہو گیا تو حضرت ہاجرہ کوہ صفا پر چڑھیں پھر وادی میں بچے کے پاس آئیں پھر مروہ کی جانب گئیں اسی طرح سات مرتبہ کیا آخر جب مروہ پر تھیں تو کانوں میں آواز آئی "گھبراؤ نہیں اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہے" حضرت ہاجرہ نے کہا کہ اگر تم مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ۔ پھر دیکھا کہ ایک فرشتہ ہے۔ فرشتہ نے اپنا پاؤں زمین پر مارا وہاں سے چشمہ ابل پڑا جو بعد کو چاہ زمزم کہلایا اور پھر اس غیر آباد علاقہ میں ایک بڑی بستی بس گئی اور اسی بستی میں حضرت ابراہیم پروان چڑھے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آزمائش کا ایک اور اہم واقعہ پیش آیا۔ جب حضرت اسمٰعیل بڑے ہو گئے، اور چلنے پھرنے اور دوڑنے لگے تو اللہ کی جانب سے حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ اپنے فرزند دلبند کو راہ خدا میں قربان کر دو چنانچہ باپ نے اپنے ہونہار فرزند حضرت اسمعیل سے کہا کہ "اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں راہ حق میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے" ایثار پیشہ بیٹے نے جواب دیا کہ "اے میرے محترم باپ آپ کو جو کچھ حکم دیا گیا ہے اُس پر عمل کیجئے اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے" اور اس کے بعد دونوں باپ بیٹے اطاعت حق کے لئے تیار ہو گئے۔ اور حضرت ابراہیم نے قربانی کی غرض سے اپنے محبوب فرزند حضرت اسمٰعیل کو پیشانی کے بل گرا دیا (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) "ہم نے پکارا ابراہیم ٹھہر جاؤ بس تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہم نیکو کاروں کو عظیم بدلہ دیا کرتے ہیں" اور یہ باپ بیٹوں کی عظیم قربانیاں تھیں جو تاریخ عالم میں ناقابل فراموش ہیں۔ اور ان ہی قربانیوں نے فاران کے بیابان کو عظمتوں سے لبریز کر دیا بے آب وگیاہ جنگل کو نئی رونق عطا کر دی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان ہی محترم باپ بیٹوں کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا یہی دونوں باپ بیٹے خانہ کعبہ کے معمار ہیں۔ اُس خانہ کعبہ کے جو اس دنیا کے نناوے کروڑ مسلمانوں کا واحد مرکز ہے جہاں ہر سال لاکھوں مسلمان حج بیت اللہ کی غرض سے جمع ہوتے ہیں۔ جو اسلام کی عظمتوں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اور ہم نے کعبہ کو ثواب کا مرکز بنایا۔ اور اسے دار الامن قرار دیا اور صالحین کو ہم نے حکم دیا کہ تم مقام ابراہیم کو مرکز نماز بناؤ۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل سے عہد لیا کہ پاک کریں میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے۔ اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے۔ اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب بلند کر رہے تھے ابراہیم کعبہ کی بنیاد کو اور اسمٰعیل بھی آن کے شریک تھے" (سورۃ البقرہ)

احمد بن حارث بن وہب "فضائل الانبیاء" میں لکھتے ہیں کہ "بلا شبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جلیل القدر انبیاء نے جو بیت اللہ شریف کے معمار اعظم ہیں۔ اور انھوں ہی نے اسلام کے سب سے بڑے مرکز کی تعمیر کی"

ان بلند مرتبہ پیغمبروں نے نہ صرف خانہ کعبہ کو تعمیر کیا ہے جو مسلمانان عالم کا واحد مرکز ہے بلکہ پوری مسلمانان قوم کو راہ خدا میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا سبق دیا ہے۔ کاش مسلمان اس سبق کو یاد رکھ سکیں اور راہ خدا میں زیادہ سے زیادہ قربانیاں دینے کی ان میں توفیق پیدا ہو سکے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمیں سبق دیا ہے کہ راہ حق میں بڑی سے بڑی طاقتوں اور نمرودوں سے ٹکرا جاؤ۔ اور راہ حق میں اپنی بڑی سے بڑی اور عزیز ترین شے کو بھی قربان کر دو نیز پوری دنیائے اسلام کو پیغام دیا ہے کہ دنیا کے سب ہی مسلمان خواہ وہ کسی بھی رنگ نسل اور ملک سے تعلق رکھتے ہوں متحد ہو جائیں اور اپنی متحدہ طاقت سے اسلام کو فروغ دیں یہی عید اضحیٰ کا دنیا کے سب مسلمانوں کے لئے پیغام ہے۔



اسلام کا نظامِ عدل بے مثال

اسلام بلاشبہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے

(پنڈت سندر لال کی ایک تقریر سے ماخوذ)

گاندھی جی کے پرانے ساتھی پنڈت سندر لال الہ آبادی جو آج بھی بقید حیات ہیں یہ اُن کا یہ مضمون اُن کی ایک طویل فاضلانہ تقریر سے ماخوذ ہے۔ اِس تقریر میں انھوں نے اسلام کے نظامِ عدل پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ہمکو یقین ہے کہ یہ مضمون ہمارے ناظرین کے حلقہ میں پسند کیا جائے گا۔

اسلام کے نظامِ عدل نے ہمیشہ ہی مجھے متاثر کیا ہے اُس میں کچھ ایسی خوبیاں ہیں جن کو دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام بلاشبہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اُس نے سماجی برائیوں کو دور کرنے میں نہایت ہی اہم رول ادا کیا ہے اور اُس سے زمانہ حاضرہ کے قانون بنانے والوں اور اصلاح پسندوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے۔

کون نہیں جانتا کہ سماجی توازن کو برقرار رکھنے کے لئے اور جرائم کا سدِّ باب کرنے کی غرض سے ضروری ہے کہ اول تو عدل و انصاف حاصل کرنے کی راہ کو تمام رکاوٹوں سے پاک رکھا جائے اور دوسرے قانون کے زاویہ نظر سے ادنیٰ و اعلیٰ نیز اپنے اور پرائے میں کوئی امتیاز نہ کیا جائے۔ اور اسلام کے قانون عدل میں یہ دونوں باتیں بدرجہ اتم واضح و صاف موجود ہیں اور اسی لئے چودہ سو برس کے بعد آج بھی یہ قانون ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ بات سب ہی کو معلوم ہے کہ اسلام کے تمام قوانین اور ضابطوں کا منبع قرآن کریم ہے۔ اور مسلم حکمراں اور حاکم عدل و انصاف کے جس ضابطہ پر عمل کرتے رہے ہیں وہ قرآن کریم ہی کی تعلیم پر مبنی ہے۔ لیکن تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے نظامِ عدل کی ترتیب خلیفہ دوم فاروق اعظم رضؓ کے دورِ خلافت میں عمل میں آئی تھی۔ اور انھوں نے اسلام کے نظامِ عدل کو اِس درجہ پختہ بنا دیا تھا کہ کسی بڑے سے بڑے شہری کو بھی اُسے توڑنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔

جہاں تک عدل و انصاف کے بنیادی اصول کا تعلق ہے اگرچہ اسلام کی حیثیت سے اپنا جداگانہ اور مخصوص نظام رکھتا ہے۔ لیکن اگر اس بات کو فرض بھی کر لیا جائے کہ اصولی اعتبار سے عدل و انصاف کے سب ہی نظام سب ہی ممالک میں ایک جیسے ہیں تو اِس بات سے انکار کرنا ممکن نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں نے اپنے نظامِ عدل کو جس سختی کے ساتھ برقرار رکھا ہے اور جس تسلسل کے ساتھ اُسے اپنے مذہب کا جزو سمجھتے ہوئے اِس پر عمل کرتے رہے ہیں اُس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ناپید ہے۔

عدل و انصاف کے راستہ کو رکاوٹوں سے پاک رکھنے کے سلسلہ میں صرف اس قدر بتا دینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ جب کبھی کسی شخص کو کسی ملک کا عامل یا گورنر بنا کر بھیجتے تھے تو سختی کے ساتھ یہ ہدایت فرماتے تھے کہ اُسے اپنے دروازہ پر کوئی دربان نہیں مقرر کرنا چاہئے۔ کیونکہ اِس سے انصاف طلب کرنے والوں کے راستہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ پھر حضرت عمرؓ قانون پر عمل درآمد کرنے اور کرانے میں اتنے سخت واقع ہوئے تھے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص جیسے جلیل القدر صحابی اور سپہ سالار نے ایران کی ایک شاندار حویلی میں سکونت اختیار کی اور اُس کے دروازہ پر دربان مقرر کیا تو حضرت عمرؓ نے اس حویلی ہی کو منہدم کرا دیا۔ اور پھر خیمہ میں رہنے کی ہدایت کی۔

سطور بالا میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اسلام کے قانون عدل کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اُس پر ہر زمانہ اور ہر دور میں نہایت سختی کے ساتھ عمل کیا جاتا رہا ہے چنانچہ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس میں مساوات اور برابری کے جس اصول کو مدِ نظر رکھا گیا ہے اُس سے خلفاء اور

سلاطینِ اسلام بھی خود کو مستثنیٰ نہیں سمجھتے تھے چنانچہ ایک بار جب امیر المومنین حضرت فاروق اعظم کے خلاف ایک یہودی نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا تو حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں تشریف لے گئے اور ایک مرتبہ جب ایک غریب مصری نے دربار خلافت میں اس بات کی شکایت کی کہ مصر کے گورنر کے فرزند نے اُسے بلا وجہ زدوکوب کیا ہے تو حضرت عمرؓ نے تحقیقات کے بعد مجرم کو مناسب سزا دینے کے علاوہ گورنر مصر کو بھی سختی کے ساتھ متنبہ کیا تھا۔

اسلام کے قانون عدل کی پابندی صرف خلفائے راشدین کے عہد ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ ہر ملک اور ہر زمانہ میں مسلمانوں نے اس خصوصیت کو قائم رکھا ہے۔ چنانچہ سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے جلیل القدر بادشاہ کو ایک مرتبہ ایک جھوٹے دعوے کی جواب دہی کے لئے مصر سے چل کر شام آنا پڑا تھا۔ لیکن اس موقعہ پر اُس کے ذہن میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ اُسے بادشاہ ہوتے ہوئے ایک جھوٹے مقدمہ میں جواب دہی کے لئے اس قدر طویل سفر کی کیوں زحمت دی گئی۔

سلطان محمود غزنوی کا یہ واقعہ تاریخ کے کسی طالب علم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ایک مرتبہ اُس کے روبرو اُس کے حقیقی بھانجے کی بدکرداری کے خلاف شکایت کی گئی تو اُس نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک کہ وہ مظلوم کی دادرسی نہیں کرے گا اپنے لئے کھانا پینا حرام سمجھے گا۔ چنانچہ جب تک اُس نے تیسرے دن اپنے عہد کے مطابق مجرم کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کر دیا اُس وقت تک اُس نے پانی کا ایک گھونٹ تک نہیں پیا۔

ہندوستان کے اسلامی دور کی تاریخ بھی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ چنانچہ غیاث الدین بلبن کے دربار کے ایک ممتاز امیر نے ایک مرتبہ بلا وجہ ایک غریب شہری کے اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ مر گیا سلطان کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اُس نے تحقیقات کے بعد مقتول کی بے گناہی پر مطلع ہو کر اس امیر کو بھی اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ بھی سرِ دربار ہلاک ہو گیا۔

جہانگیر کا عدل آج بھی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ اُس نے نورجہاں کو ایک دھوبی کی قتل کے جرم میں موت کی سزا دیکر اپنی عدل گستری کا بے مثال نمونہ پیش کیا تھا۔ لیکن اُس کے دورِ حکومت میں عدل و انصاف کی یہ واحد مثال نہیں ہے بلکہ شاہی جاہ و حشمت کے باوجود مظلوموں اور فریادیوں کی دادرسی کے لئے اُس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا اور جہانگیر عدل و انصاف کے معاملہ میں کسی مصلحت کو بھی حائل نہیں ہونے دیتا تھا۔ چنانچہ دربار جہانگیری کے ایک مشہور امیر عالم خاں کے بھتیجے ہوشنگ خاں نے کسی معمولی سے تقریر پر ایک غریب آدمی کو قتل کر دیا تھا لیکن جب اِس واقعہ کی اطلاع جہانگیر کو ہوئی تو اُس نے مقدمہ کی سماعت کے بعد ہوشنگ خاں کو سزائے موت کا حکم سنا دیا۔ اور اگرچہ مورخین کی رائے ہے کہ اُس کا یہ حکم ملکی مصلحتوں کے سراسر خلاف تھا۔ لیکن خان عالم خاں کی تمام تر کوششوں کے باوجود جہانگیر اپنے اِس حکم کو بدلنے پر رضامند نہ ہوا اور ہوشنگ کو قتل کے جرم میں اپنی زندگی سے محروم ہونا پڑا۔

اکبر اعظم کے مذہبی معتقدات پر بہت سے شبہات وارد کئے جاتے ہیں۔ بعض علما کے نزدیک اُس کا اسلام بھی مشکوک تھا۔ لیکن جہاں تک اسلام کے قانونِ عدل کی عظمت کو برقرار رکھنے کا تعلق ہے۔ اکبر بھی دوسرے مسلمان بادشاہوں سے کسی طرح پیچھے نہیں تھا۔ چنانچہ جب اکبر کے دودھ بھائی مرزا اعظم نے اپنی اہلیہ سے ناراض ہو کر اُسے قتل کر دیا اور اکبر کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ خود مرزا اعظم کے ہاں پہنچا اور حالات کی تحقیقات کے بعد اپنے دودھ بھائی کو قصوروار پاکر اُسی وقت موت کے گھاٹ اتروا دیا۔

ان تاریخی حقائق اور واقعات سے یہ بات ثابت ہے کہ اسلام کا قانون عدل کس قدر مستحکم اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے۔ اور یہ اسلام کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اسلام کے قانون عدل کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ اور اُس سے اِس زمانہ میں بھی استفادہ کی پوری کوشش کی جائے۔



عرب کی ایک جانباز خاتون

جس نے مردوں کو شجاعت کا سبق پڑھایا ہے

(از شوکت علی فہمی)

یہ اسلام کی مجاہدانہ تعلیم ہی کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف مردوں میں بلکہ عورتوں میں بھی اس بلا کا مذہبی جوش پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اسلام کے لئے ہر وقت سر بکف دکھائی دیتی تھیں ۔ چنانچہ ہم ذیل میں عرب کی ایک جانباز خاتون "عاصمہ بنت عدی" کے سپاہیانہ کارنامے پیش کر رہے ہیں۔ جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے کیسی کیسی جانباز خواتین پیدا کی ہیں ۔

انیسویں ہجری میں قیساریہ کا وہ تاریخی معرکہ گرم تھا جبکہ عیسائیوں نے نہ صرف اپنی پوری فوج مسلمانوں کے مقابلہ پر جھونک دی تھی بلکہ عیسائی پادری بھی میدان کارزار میں اپنی صلیبیں لٹکائے عیسائی جانبازوں کو جنت کی خوشخبری سنا رہے تھے۔ اور انھوں نے اپنی آتش فشاں تقریروں سے پوری عیسائی فوج میں غیر معمولی جوش پیدا کر دیا تھا

اُدھر مسلمان بھی بڑی جرأت سے مقابلہ کر رہے تھے مسلمانوں کی تعداد اگرچہ عیسائیوں کے مقابلہ میں ایک چوتھائی سے بھی کم تھی لیکن پھر بھی وہ رومیوں کے لشکرِ عظیم سے برابر ٹکرے رہے تھے ۔ جنگ طول پکڑتی جا رہی تھی اور اور مسلمانوں کو لڑتے ہوئے کئی دن ہو چکے تھے ۔ پھر اُن کی تعداد بھی دشمن کے مقابلہ میں بہت کم تھی اس لئے لشکر اسلام میں کمزوری کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے اور اس بات کا پورا اندیشہ ہو گیا تھا کہ شائد مسلمان اِس معرکہ میں دشمن پر غالب نہ آ سکیں گے ۔

مسلمانوں کے قدموں میں جب لغزش پیدا ہونے لگی تو اچانک عرب کی ایک خاتون "عاصمہ بنت عدی" اپنی ہی فوج کی صفوں کو چیرتی ہوئی عین دشمن کے لشکر کے سامنے آن کر کھڑی ہو گئی اور اس نے رومی سپاہیوں کو للکارتے ہوئے کہا ۔

"تم میں جو سب سے زیادہ بہادر ہو وہ مقابلہ پر آ جائے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ عرب کے مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی اسلام کے لئے اپنے دلوں میں کس قدر جوش رکھتی ہیں۔ ہم سب اللہ کی اُس فوج کے سپاہی ہیں جو موت کو زندگی پر مقدم سمجھتے ہیں اور جنہوں نے اسلام پر اپنی جانیں قربان کرنے کی قسم کھا رکھی ہے"

عاصمہ بنت عدی کی للکار کی یہ صدا جوں ہی فضا میں گونجی تو اُسے سنکر مسلم سپاہیوں میں ایک نیا جوش پیدا ہو گیا ۔ اور عاصمہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ جوانانِ اسلام میں نیا حوصلہ اور جوش پیدا کر دینا چاہتی تھی ۔

عاصمہ بنت عدی تھوڑی دیر تک تو مخالف کیمپ کے جواب کا انتظار کرتی رہی۔ جب کوئی مقابلہ پر نہ آیا تو وہ خود ہی دشمن کے لشکر پر ٹوٹ پڑی جذبۂ اسلام نے اُس کے قلب میں بے پناہ جوش پیدا کر دیا تھا۔ اور اسی جوش کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ جس طرف بھی بڑھتی تھی دشمن کی صفیں الٹتی چلی جاتی تھیں عاصمہ بنت عدی ایک نامور سپہ سالار کی بیٹی تھی جس نے لڑکپن ہی سے باقاعدہ سپہ گری کی تعلیم حاصل کی تھی ۔

چاروں طرف سے دشمن کی تلواریں اُس پر بجلی بن کر گر رہی تھی ۔ لیکن کیا مجال کہ اِس جانباز خاتون کے حوصلہ میں ذرہ برابر بھی فرق آ جائے ۔ اُس کی حوصلہ مندی نے پورے لشکر اسلام میں غیر معمولی جوش پیدا کر دیا تھا [illegible] اس بہادر خاتون کی حوصلہ مندی نے اور بے جگری نے جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا وہی مسلمان جن کے قدم لڑکھڑا چکے تھے یکایک سنبھل گئے ۔ عاصمہ نے اُن کی غیرت اور جرأت کو بیدار کر دیا تھا ۔ اور وہی رومی عیسائی جو پہلے [illegible] غرور کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے ۔ اُن کے لشکرِ عظیم میں زلزلہ سا پیدا ہو گیا

آخر نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان فتحیاب ہوئے اور دشمن ہزاروں لاشیں چھوڑ کر میدان سے فرار ہونے پر مجبور ہو گیا - اور یہ سب کچھ عاصمہ بنت عدی کی جانبازی اور حوصلہ مندی کا کرشمہ تھا -

قیساریہ کے معرکہ کے بعد جب رقہ کا معرکہ پیش آیا تو اس معرکہ میں دشمنوں نے ہر چہار طرف سے مسلمانوں کو گھیر لیا - اس معرکہ میں بھی عاصمہ بنت عدی نے جس دلیری اور جانبازی کا ثبوت دیا وہ آپ ہی اپنی مثال ہے - عین اس وقت جبکہ مسلمان دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے تو عاصمہ مجاہدین کے ایک فوجی دستہ کو لے کر دشمن کے لشکر کے قلب میں گھس گئی - ہر طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا تھا مگر وہ پہاڑ کی طرح جمی رہی - تلواریں بجلی کی طرح چمک رہی تھیں لیکن جانباز عاصمہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہی تھی - اُس کا جسم اگرچہ زخموں سے چور تھا لیکن حوصلہ بدستور باقی تھا - آخر شدید خونریز جنگ کے بعد نہ صرف اسلامی لشکر عاصمہ کی حوصلہ مندی کی بدولت دشمن کے نرغہ سے نکل گیا بلکہ رقہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا - بالآخر قبائل نے جزیہ کی شرط پر صلح کر لی - رقہ کی فتح کا یہ اثر ہوا کہ عیسائیوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی چنانچہ جب کوئی مسلم سردار تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ بھی کسی عیسائی علاقہ میں پہنچ جاتا تھا تو وہاں کے عیسائی خود آکر امن اور صلح کے خواستگار ہوتے تھے - غرضکہ عاصمہ کی جانبازی نے مخالفین کو مرعوب کر دیا تھا -

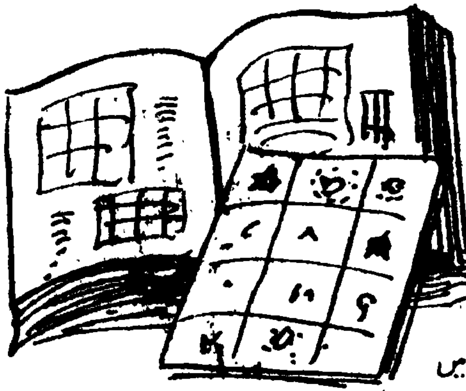
رقہ کی شکست سے چونکہ رومیوں کے اقتدار کو شدید نقصان پہنچا تھا اس لئے قیصر روم نے قیساریہ اور رقہ کی شکست کا انتقام لینے کے لئے ایک تازہ دم لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بھیج دیا - اور عین الورد کے مقام پر پھر نئے سرے سے معرکہ گرم ہو گیا - عاصمہ بنت عدی چونکہ رقہ کی گزشتہ معرکہ میں بری طرح زخمی ہو گئی تھی اس لئے اُسے مشورہ دیا گیا کہ وہ اس معرکہ میں شریک نہ ہو لیکن جن لوگوں نے کہ اللہ سے اپنی جانوں کا سودا کر رکھا ہو وہ کب کسی بات کی پرواہ کرتے ہیں - چنانچہ منع کرنے کے باوجود عاصمہ نے اس جنگ میں بھی شرکت کی اور آخیر وقت تک مسلم مجاہدین کا حوصلہ بڑھاتی رہی - یہاں تک کہ مسلمان اس معرکہ میں بھی فتحیاب ہوئے -

مندرجہ بالا معرکوں کے علاوہ دوسری متعدد لڑائیوں میں بھی اس خاتون نے نمایاں حصہ لیا ہے - اس جانباز خاتون کو سپہ گری سے فطری طور پر غیر معمولی دلچسپی تھی اسکی وجہ یہ تھی کہ اس کے باپ عدی نے بچپن ہی سے عاصمہ کی کچھ اس طرح تربیت کی تھی کہ وہ ایک نہایت ہی حوصلہ مند اور جانباز سپاہی بن گئی تھی - اور ایک عاصمہ ہی پر کیا موقوف ہے قرون اولیٰ میں بے شمار ایسی مسلم خواتین ہوئی ہیں جنھوں نے کہ اپنی سرفروشی اور جانبازی سے مردوں کو سرفروشی کا سبق پڑھایا ہے - چنانچہ یہ جانباز خواتین جب میدان کارزار میں نکل آتی تھیں تو ان کی حوصلہ مندی اور جانبازی پورے لشکر اسلام میں ایک نئی روح پھونک دیتی تھی -

عورتیں دنیا کی ہر قوم کا بہترین سرمایہ ہوتی ہیں - اُن کے اخلاق و عادات اور قربانیوں کا پوری قوم پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے - چنانچہ اسلام نے جہاں مردوں میں ایثار و قربانی کا غیر معمولی جذبہ پیدا کر دیا تھا - وہاں عورتوں کے دلوں کو بھی پوری طرح اسلامی جوش سے سرشار کر دیا تھا - اور ان جانباز خواتین کی گود میں پل کر جو قوم جوان ہوئی تھی اُس کی حوصلہ مندی کا کیا کہنا ہے اور اسی لئے اس قوم نے اپنی حوصلہ مندی سے دنیا کی تاریخ کو بدل دیا تھا -

مفلسی، مصیبت، بیماری اور پریشانی کا مجرب علاج

اعمال و وظائف کی بے پناہ طاقت



اولیائے کرام کے وہ پانچسو مجرب اعمال و نقوش جنہوں نے ہزاروں مایوسوں کی قسمتوں کو بدل دیا

یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خدا نے اعمال وظائف اور اللہ کے کلام میں وہ بے پناہ طاقت پوشیدہ رکھی ہے کہ اعمال کو اگر صحیح طریقہ پر پڑھا جائے اور نقوش کو صحیح اوقات میں لکھا جائے تو ان سے لوگوں کی قسمتیں بدل جاتی ہیں بیماری اور مفلسی سے حیرت انگیز طریقہ پر نجات مل جاتی ہے بگڑے ہوئے کام آن کی آن میں درست ہو جاتے ہیں اور اعمال کے پڑھنے والے نہ صرف مالا مال ہو جاتے ہیں بلکہ محبوب خلائق بھی بن جاتے ہیں لیکن اعمال و وظائف کی پوشیدہ طاقت صرف اسی حالت میں اپنے کرشمے دکھاتی ہے جبکہ اعمال و وظائف کو ادلیائے کرام کے بتائے ہوئے صحیح طریقہ پر پڑھا جائے اور نقوش کو صحیح اوقات میں بزرگان دین کے مقرر کردہ طریقوں پر لکھا جائے لہٰذا جو حضرات اعمال و وظائف کا زندہ کرشمہ دیکھنا چاہتے ہیں وہ آج ہی اس فن پر سب سے مستند کتاب "عملیات" منگائیں جس کو ایک زبردست عامل اور عالم دین نے پچاس سال کی محنت و جستجو کے بعد مرتب کیا ہے۔

عملیات

(مرتبہ مولانا سید احمد شاہجہاں پوری)

فی الحقیقت اعمال و وظائف اور نقوش نویسی کے فن پر سب سے مستند کتاب ہے جس میں اعمال و وظائف کے بارے میں مکمل معلومات ہے برجوں اور سیاروں کی پوری تفصیل ہے ہر شخص کا طالع جاننے کے طریقے درج ہیں سیاروں کے مسخر کرنے کے اعمال درج ہیں۔ اعمال حسنہ پر مکمل بحث ہے بے شمار محبت کے اعمال درج ہیں لا تعداد عداوت کے اعمال درج ہیں اور کشائش رزق تسخیر محبوب اور چور کی شناخت کامیابی مقدمات اور مختلف امراض کے لئے اولیائے کرام کے بتائے ہوئے سینکڑوں نقوش درج ہیں۔

کتاب عملیات کے خاص خاص ابواب یہ ہیں

باب اول :- ابتدائی معلومات :- اس میں حروف تہجی کے اعداد و اقسام، برجوں کے رنگ و زائچے، سیاروں کی رفتار اور مقامات کی تفصیل درج ہے۔

باب دوم :- اعمال حسنہ :- اس میں اسمائے حسنہ کے موکلوں کے اعداد و مختار اور اسمائے جلالی و جمالی نیز ان کے نقوش و اعمال درج ہیں۔

باب سوم :- اعمال محبت :- اس میں محبوب کو قابو میں کرنے کے لئے اسم یا ودود کا عمل اسم الٰہی سر یہ محبت، نقوش محبوب کا عمل - قرآنی اعمال اور بے شمار محبت کے نقوش موجود ہیں۔

باب چہارم :- عملیات عداوت :- اس میں دشمن کے شر اور ضرر سے بچنے کے لئے اور اس پر جوابی حملہ کرنے کے لئے مستند اعمال و نقوش درج ہیں

باب پنجم :- کشائش رزق :- اس میں مفلسی اور بیکاری کو دور کرنے کے لئے اور شہرت و عظمت حاصل کرنے کے لئے مستند اعمال و نقوش درج ہیں

باب ششم :- تسخیر خلائق :- اس میں مخلوق خدا میں ہر دل عزیز بننے کے لئے اور شہرت و عظمت حاصل کرنے کے لئے مستند اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب ہفتم :- تسخیر حکام :- اس میں حکام کی تسخیر کے لئے اور کامیابی مقدمات کے لئے اعمال و نقوش درج ہیں

باب ہشتم :- چور کی شناخت :- اس میں چور کی شناخت اور مال مسروقہ کی بازیافت کے لئے اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب نہم :- گمشدہ کی واپسی :- اس میں گمشدہ کی واپسی کے لئے ایسے اعمال و نقوش درج ہیں جن سے گمشدہ یقینی طور پر واپس آجاتا ہے۔

باب دہم :- مختلف امراض کے لئے :- اس میں ایسے مایوس العلاج مریضوں کی صحتیابی کے لئے اعمال و نقوش درج ہیں - جنہیں حکیم و ڈاکٹر جواب دے چکے ہوں۔

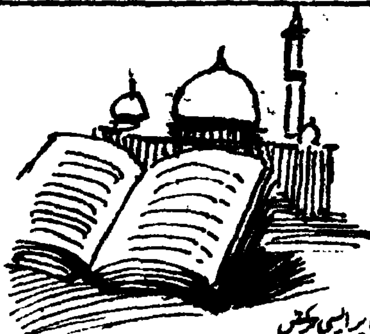
باب یازدہم :- اولاد کے لئے :- اس میں بزرگان دین کے وہ مجرب اعمال و نقوش درج ہیں جن کے طفیل میں بے اولاد صاحب اولاد بن جاتے ہیں۔

باب دوازدہم :- حل مشکلات :- اس میں پریشانی اور مشکلات کے لئے نہایت مجرب اور آزمودہ اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب سیزدہم :- فالنامہ غوث الاعظم :- اس فالنامے کے ذریعہ بھی فال نکالی جا سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اعمال و وظائف اور نقوش نویسی کے فن پر یہ اردو کی پہلی کتاب ہے جس کو بڑی تحقیق کے بعد مرتب کیا گیا ہے اور جس میں اولیائے کرام اور بزرگان دین کے سینکڑوں اعمال و نقوش درج ہیں۔ قیمت مجلد مع خوشنما ڈسٹ کور۔ ساٹھ روپے پچاس پیسے۔

دین دنیا پبلشنگ کمپنی —— جامع مسجد —— دہلی ۶



ساٹھ نہایت مستند اسلامی کتابوں کی روح
ایک زبردست اور شاندار

اسلامی انسائیکلوپیڈیا

عربی تعلیم اور مذہب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے مسلمان دن بدن اسلام سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ناواقفیت کی بنا پر ایسی حرکتیں کر بیٹھتے ہیں جو کھلا ہوا شرک اور کفر ہوتا ہے مسلمانوں کو گمراہی اور بے دینی سے بچانے کے لئے ہم نے حال ہی میں ثقہ کی ساٹھ مستند کتابوں کی مدد سے ایک ایسی جامع کتاب شائع کی ہے جس میں دس ہزار سے زیادہ ایسے دینی اور دنیاوی معاملات پر بحث کی گئی ہے۔ جن سے کہ ہر مسلمان کو روزانہ واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ یہ مستند اور ضخیم کتاب حال ہی میں

فلاح دین دنیا (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

کے نام سے شائع کی گئی ہے۔ اس جدید اڈیشن میں بہت سے نئے عنوانات کا اضافہ کر دیا گیا ہے اس میں مسلمانوں کے لئے کوئی ایسی دینی اور دنیاوی معلومات نہیں جو موجود نہ ہو اس میں اسلام کے فضائل اور عقائد کی تفصیل ہے اس میں عبادات اور اعمال و وظائف کا لاجواب ذخیرہ ہے اسلامی تہذیب، اسلامی تمدن اور اسلامی معاشرت کا درس موجود ہے۔ غرضیکہ اس کتاب میں ایک مسلمان کے لئے پیدائش سے لیکر موت تک کے تمام دینی اور دنیاوی معاملات پر پوری طرح روشنی ڈالی گئی ہے یہاں تک کہ اسلامی نقطۂ نظر سے کھانے پینے، رہائش میل جول اور حفظان صحت تک کے اصول درج کر دئے گئے ہیں۔ جس گھر میں یہ کتاب ہوگی اس گھر میں ایک زبردست عالم اور تجربہ کار دنیاوی مشیر مسلمانوں کو مشورہ دینے کے لئے ہر وقت موجود رہے گا۔ یہ کتاب نہیں ہے بلکہ ایک زبردست انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں پوری اسلامی لائبریری کے برابر مواد موجود ہے۔

اس کتاب میں چودہ ابواب درج ہیں جن میں سے ہر باب اپنی جگہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے

باب اول:- فضائل اسلام: اس میں اسلام کے فضائل، اسلام کے دین فطرت ہونے کا ناقابل تردید ثبوت اور اسلام کے بارے میں غیر مسلم مشاہیر کے بلند و بالا خیالات درج ہیں

باب دوم:- عقائد اہل سنت والجماعت: اس میں اسلامی عقائد کے بنیادی اصول اور یہ مضامین درج ہیں۔ ذات و صفات الٰہی، عرش و کرسی، لوح و قلم، فرشتے حضرت جبرئیل و میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، منکر نکیر، کراماً کاتبین، قبر میں سوال نکیرین، علامات قیامت۔ ظہور امام مہدی، دجال اور حضرت عیسیٰ کا نزول یاجوج ماجوج مغرب سے طلوع آفتاب، قیامت صغریٰ، قیامت کبریٰ، صور پھونکنے کا ذکر، میدان حشر، حساب کتاب، پلصراط، دوزخ جنت رسول مقبول صلعم کی فضیلت آپ کی زندگی کے حالات، ازواج مطہرات خلفائے راشدین، اولیاء اللہ پیران طریقت، کوت و جنات وغیرہ۔

باب سوم:- اسلامی عبادات: اس میں عبادات پر پوری طرح روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً وضو، غسل، تیمم، نماز پنجگانہ، نماز مسافر، نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز اشراق، نماز جاشت جنازے کی نماز، اعتکاف، فضائل ماہ رمضان المبارک، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے جملہ مسائل اور ارکان درج ہیں۔

باب چہارم:- اعمال و وظائف: اس میں سال کے تین سو ساٹھ دن تاریخوار پڑھنے کے لئے وہ مستند اعمال و وظائف درج ہیں جو بزرگان دین اور اولیاء اللہ کا معمول رہے ہیں نیز بزرگان دین کی ولادت اور رحلت کی تاریخیں بھی درج ہیں۔

باب پنجم:- حلال و حرام جانور ذبح و شکار:- اس میں حلال و حرام جانور اور ذبح و شکار کے تمام مسائل بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

باب ششم:- اللہ اور اللہ کے بندوں کے حقوق: اس میں حقوق اللہ، حقوق آنحضرت صلعم، حقوق صحابہ، حقوق اہلبیت، حقوق پیران طریقت، والدین اور بیوی بچوں کے حقوق، اعزا و اقرباء کے حقوق، حقوق لازم غرضیکہ ایک مسلمان پر جتنے بھی حقوق عاید ہوتے ہیں وہ سب درج ہیں۔

دیگر ابواب:- باقی آٹھ ابواب میں سے ایک باب میں اسلامی معاشرت پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً خورد و نوش اور لباس کے مسائل پیدائش عقیقہ، شادی بیاہ نکاح و طلاق تجہیز و تکفین، عدت، باہم پرسی وغیرہ کے بارے میں جملہ مسائل درج ہیں۔ ایک علیحدہ باب میں میلاد شریف کا جواز اور حضور کی ولادت کا مفصل بیان ہے جو مکمل طور پر میلاد نامے کا کام دیتا ہے اس کے علاوہ ایک علیحدہ باب میں حضرت غوث اعظم حضرت معین الدین چشتی اجمیری اور دیگر اولیائے کرام کی سوانح عمریاں درج ہیں اور آخری باب میں مفردی مفاد اور حفظان صحت کے جملہ اصول اور اہم بیماریوں کے علاج درج ہیں۔ غرضیکہ اس کتاب میں وہ سب کچھ موجود ہے جو پوری مسلم لائبریری میں ہو سکتا ہے ضخامت تقریباً نو سو صفحات، کاغذ سفید نہایت اعلیٰ، لکھائی چھپائی عمدہ، ٹائیٹل رنگین۔ منگانے کے بعد اگر کتاب ناپسند ہو تو واپس کر دیجئے۔ قیمت مجلد مع خوشنما دسٹ کور صرف پندرہ روپے پچاس پیسے۔

دین دنیا پبلشنگ کمپنی ——— جامع مسجد ——— دہلی ۶



ہندوستان کا حاتم سلطان تغلق

یہ فیاضی اور عدل پروری میں یکتائے زمانہ تھا

(از ضیاء الدین برنی مولف تاریخ فیروز شاہی)

سلطان محمد تغلق ہندوستان کا عجیب و غریب بادشاہ ہوا ہے۔ اُس میں خوبیاں بھی تھیں اور کمزوریاں بھی لیکن اُس کی خوبیاں کمزوریوں پر غالب تھیں۔ چنانچہ ذیل میں سلطان محمد تغلق سے متعلق ہم ایک مقالہ درج کر رہے ہیں جو ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے ماخوذ ہے۔ اور جس کا ترجمہ پروفیسر آغا مہدی حسن ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔ نے اردو میں کیا ہے۔ امید ہے کہ اس کے مطالعہ سے ناظرین کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔

میں تاریخ فیروز شاہی کا مصنف ہوں۔ لیکن حیران ہوں کہ سلطان محمد تغلق کے بارے میں کیا لکھوں۔ کیونکہ ایک طرف تو اُس کی شقاوتِ قلبی کا یہ عالم تھا کہ وہ بے دریغ مسلمانوں کا خون بہاتا تھا اور اُنہیں سخت سے سخت سزائیں دیتا تھا۔ دوسری طرف وہ اِس قدر فیاض دل تھا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ انسانوں کو بھی عروج پر پہنچا دیتا تھا چنانچہ اُس نے عزیز خمار، فیروز حجام، منکا باورچی اور لدھا مالی کو بڑی سے بڑی جاگیریں دے کر امرا کے درجہ پر پہنچا دیا تھا۔ اِسی طرح محمد تغلق شیخ بابو نامی ایک جلاہے پر مہربان ہوا تو اُسے مالا مال کر دیا یہاں تک کہ دربار کا مقرب بھی بنا لیا اور کشن نمدی جو سرکاری باز پالا کرتا تھا اُس پر نظرِ عنایت ہوئی تو اُسے اودھ کا علاقہ دے ڈالا غلام مقبل پر مہربان ہوا تو اُسے نائب وزیر کا عہدہ عطا کر دیا۔ یہ عہدہ معمولی نہ تھا بلکہ اتنا بڑا تھا کہ نامور امرا اور بڑے بڑے خانوں ہی کو دیا جاتا تھا۔ عام خیال یہ ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے اور ادنیٰ آدمیوں کو ابھار کر دنیا کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ اُس میں شانِ خداوندی موجود ہے یعنی جس طرح خداوند تعالیٰ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کو کچھ سے کچھ بنا سکتا ہے۔ اسی طرح وہ بھی جس کو جیسا چاہے ویسا بنا دینے کی قدرت رکھتا ہے۔

وہ اپنی والدہ مخدومہ جہاں کی بڑی تعظیم کرتا تھا اور اپنی والدہ کا حد درجہ فرمانبردار تھا اور اُس کی مرضی کے خلاف کبھی کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ میں حیران ہوں کہ اس بادشاہ کی متضاد صفات کے بارے میں کیا رائے قائم کروں۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمد تغلق ایک ایسا انسان تھا جس کا سمجھنا بہت ہی مشکل ہے۔

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ سلطان محمد تغلق بخششوں کے دینے میں اور خون بہانے میں مشہور تھا۔ کوئی روز ایسا نہیں جاتا تھا کہ اُس کے دربار میں کوئی فقیر امیر نہ بنا دیا جائے اور کوئی زندہ آدمی قتل نہ کر دیا جائے۔ سارے ملک میں اُس کی سخت گیری اور سخاوت کی دھوم تھی۔ وہ عدل و انصاف کا دلدادہ تھا، اِس کے علاوہ شریعت کے قوانین کو برقرار رکھنے میں برابر کوشاں رہتا تھا۔ خود بھی نماز پابندی سے پڑھتا تھا اور دوسروں کو بھی پابندی سے پڑھنے کی تاکید کرتا رہتا تھا۔

سخاوت میں تو وہ ہندوستان کا حاتم طائی تھا۔ اُس کی سخاوت کی شہرت ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عرب، خراسان اور فارس میں بھی پھیل گئی تھی۔ ملک التجار شہاب الدین گاذرونی کھمبایت کے حاکم کے پاس آیا اور اُسی کی ہمراہی میں بادشاہ کی زیارت کے لئے چلا راستہ میں دشمنوں نے حاکم کو قتل کر دیا۔ اور شہاب الدین کا مال جو وہ بادشاہ کی نذر کیلئے لے جا رہا تھا لوٹ لیا۔ بادشاہ کو خبر ملی تو حکم دیا پچاس ہزار روپے شہاب الدین کو فوراً دے دئے جائیں۔ شہاب الدین دربار میں آیا تو سلطان نے اُسے انعام دیا چند روز بعد شہاب الدین بیمار پڑ گیا۔ دربار تک بھی نہ آسکتا تھا۔ بادشاہ نے ایک لاکھ روپے اُس کے پاس بھجوا دئے۔

جب خلیفہ ابوالعباس کا ایلچی شیخ رکن الدین مصر سے دہلی آیا۔ اور دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے اُسے بہت نثار دیا۔ گھوڑے کا ساز تک دیا جو سالے کا سارا سونے کا تھا یہاں تک کہ میخیں بھی سونے کی تھیں۔ اسی طرح ناصر الدین ترمذی واعظ ہندوستان آیا تو سلطان نے اُس پر بخششیں کیں اور جب وہ وطن واپس جانے لگا تو اُسے ایک لاکھ روپے اور دیئے۔ عبدالعزیز فقیہ نے دمشق میں سلطان محمد تغلق کی شہرت سنی تو ہندوستان کے لئے چل پڑا۔ دہلی آیا تو سلطان نے مالا مال کر دیا۔ ایک روز اُس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کئے اور خلفائے عباسیہ کا ذکر کیا تو بادشاہ بہت خوش ہوا۔ حکم دیا کہ سونے کی ایک تھالی میں دو ہزار اشرفیاں لائی جائیں۔ اشرفیوں سے بھری سونے کی تھالی آئی تو بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے عبدالعزیز کو دے دی۔ شمس الدین اندگانی نامی ایک شاعر نے سلطان کی تعریف میں ایک فارسی قصیدہ لکھ کر پیش کیا تو بادشاہ نے اُس کے ہر شعر کے عوض ایک ہزار اشرفیاں عطا کیں۔

سلطان محمد تغلق نے سب سے زیادہ داد و دہش مخدوم زادہ محمد عباس بغدادی پر کی جو خلیفہ المستنصر باللہ کی اولاد سے تھا اور ابن الخلیفہ کے لقب سے مشہور تھا بادشاہ نے سیری کا محل جو سونے چاندی کے برتنوں اور بیش قیمت سازو سامان سے آراستہ تھا اُس کے لئے خوب سجایا اور پھر سارا محل مع سامان کے اُسے بخش دیا۔

مخدوم زادہ اس محل میں داخل ہوا تو بادشاہ نے اُسے چار لاکھ روپے سر شوئی کے نام سے بھیجے اور ڈیڑھ سو روپیہ روزانہ خرچ کے لئے مقرر کئے خرچ کھانے کے علاوہ تھا۔ کھانا دونوں وقت شاہی دستر خوان سے جاتا تھا۔ پھر سلطان نے سیری کا شہر بھی اس کے حوالے کر دیا۔ شہر کے ساتھ ساتھ بہت سے باغ اور حویلیاں بھی عطا کیں۔ اسکے علاوہ سو گاؤں اور عطا کئے۔ اور دہلی کے نواح میں سارے مشرقی علاقہ کی حکومت اُسی کے سپرد کر دی۔ پھر سواری کے غرض سے تیس گھوڑے بھیجے جن کی زین سونے کی تھی۔

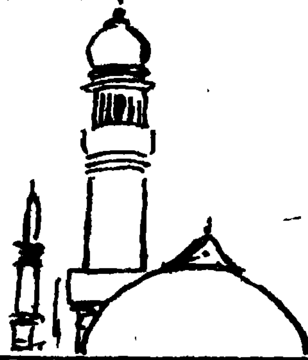
شام کا حاکم امیر سیف الدین دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے اُسے بھی بخششوں سے مالا مال کر دیا۔ اُس کی خاطر داری کی وجہ یہ تھی کہ وہ عرب تھا اور سلطان کو عربوں سے بے حد لگاؤ تھا۔ سلطان محمد تغلق کی سخاوت کے یہ صرف چند واقعات پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اندازہ ہو جائے کہ یہ بادشاہ کس قدر فیاض اور دریا دل تھا۔

سلطان محمد تغلق جس طرح سخاوت میں مشہور تھا اُسی طرح انصاف کے معاملے میں بھی شہرۂ آفاق تھا۔ اُس کے زمانے کے ہندو امیروں میں سے ایک امیر نے قاضی کی عدالت میں نالش دائر کی کہ "بادشاہ نے میرے بھائی کو بے جرم قتل کر دیا ہے" قاضی نے بادشاہ سے جواب طلب کیا تو بادشاہ مدعا علیہ کی طرح عدالت میں حاضر ہو گیا۔ قاضی کو پہلے سے کہلا بھیجا تھا کہ جب میں عدالت میں پہنچوں تو تم میری تعظیم کے لئے اٹھنا نہ آداب شاہی بجا لانا بلکہ ایک عام آدمی کی طرح پیش آنا انصاف کا تقاضا یہی ہے۔ جب بادشاہ عدالت میں پہنچا تو عام گواہوں کی طرح جا کر کھڑا ہو گیا۔ قاضی نے مقدمہ کی روئیداد سن کر حکم دیا کہ بادشاہ مدعی کو راضی کرے ورنہ قصاص کا حکم دیا جائے گا۔ اور بادشاہ نے حسب ہدایت ہندو مدعی کو راضی کر لیا۔

ایک مرتبہ کسی مسلمان نے سلطان محمد تغلق پر اِس بات کی نالش کی کہ "میرا مال سلطان نے دبا لیا ہے سلطان اسے واپس دے" قاضی نے گواہیاں سن کر اور بادشاہ کا بیان لینے کے بعد حکم دیا کہ "مدعی کا مطالبہ درست ہے بادشاہ مال واپس کرے" اسی طرح کسی امیر کے لڑکے نے بادشاہ پر دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے بلا وجہ مجھے مارا ہے۔ بادشاہ نے قاضی کی عدالت میں حاضر ہو کر الزام کو تسلیم کر لیا۔ اور لڑکے کو دربار میں بلا یا اپنی کوتاہی پر معذرت کی اور اُس کے ہاتھ میں لکڑی دی اور کہا۔ تجھے میں قسم دیتا ہوں کہ تو بھی مجھے اسی طرح مار جس طرح کہ میں نے مارا تھا تا کہ روز قیامت جواب نہ دینا پڑے۔ چنانچہ لڑکے نے بادشاہ کی خواہش کے مطابق کئی لکڑیاں ماریں۔ بادشاہ نے اُسے انعام دے کر رخصت کر دیا

میں نے سلطان محمد تغلق میں ایسی متضاد صفات دیکھی ہیں جو کسی ایک انسان میں مشکل سے دیکھنے میں آ سکتی ہیں۔ وہ اپنے دور کا عجیب و غریب حکمراں تھا اس میں بے اندازہ خوبیاں بھی تھیں اور کمزوریاں بھی اور داد و دہش کے معاملے میں تو وہ دوسرا حاتم طائی تھا۔

محمد تغلق کو اتنی بڑی حکومت ورثہ میں ملی تھی جو کوہ ہمالیہ سے راس کماری تک اور گجرات سے لے کر بنگال تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی حکومت میں سہ صوبے تھے جو سب کے سب خوشحال تھے اور ان صوبوں کا انتظام بھی نہایت بہتر تھا۔ لیکن بعد میں اس کی غلطیوں کی وجہ سے نظام میں بھی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ اور خوشحالی بھی باقی نہیں رہی تھی۔ اگر محمد تغلق سے بے اندازہ غلطیاں نہ ہوتیں تو اُس کا دور ایک مثالی دور حکومت ثابت ہوتا۔ لیکن اس کی تلون مزاجی نے سارے نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔



تمام مذاہب ماند پڑ جائیں گے
صرف اسلام ہی دنیا کا واحد مذہب بن جائے گا

(از ڈاکٹر ایس ۔ اے ۔ خلوصی ۔ پی ۔ ایچ ڈی)

ڈاکٹر خلوصی لندن یونیورسٹی میں عربی زبان اور لٹریچر کے لکچرار رہ چکے ہیں ۔ یہ اسلامی لٹریچر کے ایک نامور اسکالر ہیں اُن کی رائے ہے کہ وہ زمانہ قریب ہے جب سب ہی مذاہب ماند پڑ جائیں گے اور صرف اسلام ہی مذہب کی حیثیت سے دنیا میں باقی رہ جائے گا ۔ ذیل کے مقالہ میں انھوں نے اسی زاویہ نظر سے اسلام پر بحث کی ہے ۔

یہ بے دینی اور لامذہبی کا زمانہ ہے ۔ اور اس بے دینی کے دور میں کسی خاص کوشش کے بغیر اسلام کو جو حیرت انگیز مقبولیت اور وسعت حاصل ہو رہی ہے اُس نے ساری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا ہے ۔ اور اسلام کی اس غیر معمولی ہر دلعزیزی کو دیکھتے ہوئے عام خیال یہ ہے کہ دنیا سے تمام دیگر مذاہب کے اثرات رفتہ رفتہ مٹ جائیں گے اور مذاہب عالم میں مذہب کی حیثیت سے صرف اسلام ہی باقی رہ جائے گا ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں کچھ ایسی جاذبیت اور کشش ہے جو ہر اُس انسان کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے ۔ جو مذہب کا متلاشی ہے اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا میں مذاہب کا جو رول رہا ہے یہاں اُس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ۔ لیکن موجودہ زمانہ میں جبکہ انسان کی دماغی صلاحیتیں اور ذہنی و فکری طاقتیں روز بروز ترقی کرتی چلی جا رہی ہیں ۔ تو کوئی ایسا مذہب لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا جس کی تعلیمات انسان کی موجودہ ذہنی اور فکری ترقیوں کا ساتھ نہ دے سکتی ہوں اور جو مذہب اپنے پیرووں کو دنیا سے الگ تھلگ رہنے اور ہزاروں سال پہلے جیسی زندگی بسر کرنے کی دعوت دیتا ہو وہ زمانہ حاضرہ کے ساتھ کیونکر چل سکتا ہے ۔

دنیا کے عظیم تبلیغی مذاہب میں عیسائیت ایک ایسا مذہب ہے جس نے کہ اپنے پیرووں کو دنیا سے دور رہنے کی تعلیم دی ہے ۔ حتیٰ کہ ظہور اسلام کے بعد بھی اس مذہب کے پیرو عام طور پر دنیا سے الگ رہنے ہی کو نجات کا واحد ذریعہ سمجھتے رہے ہیں ۔ لیکن آج یہی لوگ دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھے جاتے ہیں ۔ انھوں نے اب ایک عرصے ہی سے اپنے مذہب کو نظر انداز کر دیا ہے ۔ وہ محض نام کے عیسائی رہ گئے ہیں ۔ ترک دنیا کی بجائے وہ بس دنیا ہی کے ہو کر رہ گئے ہیں ۔

اِس بات سے جو نتیجے نکل سکتے ہیں وہ یہ ہیں ۔ پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ ۔ عیسائی دنیا نے اپنے مذہب کو نظر انداز کر کے ترقی کی ہے ۔ دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ عیسائی دنیا کو ترقی کرنے کے لیے اپنے مذہب کو محض اِس وجہ سے نظر انداز کرنا پڑا کیوں کہ یہ مذہب وقت کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا اور تیسرا نتیجہ یہ ہے کہ جو مذہب وقت کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتا وہ انسان کی نجات کا ذریعہ بھی نہیں بن سکتا کیونکہ ایسے لوگ ایسے مذہب کی تعلیمات کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔

اِس کے برخلاف جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ ترک دنیا کا سب سے بڑا مخالف ہے ۔ اُس نے دنیا کو عاقبت کی کھیتی قرار دیا ہے ۔ اور اُس نے اپنے متبعین کو ہدایت کی ہے کہ وہ دینی کاموں کے ساتھ دنیاوی جدوجہد میں بھی پوری طرح حصہ لیں ۔ اور نہ اسلامی تعلیمات چونکہ عین فطرت انسانی کے مطابق ہیں اسلئے اس مذہب کی ہمہ گیری اور مقبولیت میں کسی خاص کوشش کے بغیر از خود اضافہ ہو رہا ہے ۔

اِسلام کی پوری تاریخ کے مطالعہ سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی زمانہ میں بھی اِس کی تبلیغ کی کوئی منظم اور مسلسل کوشش نہیں کی گئی اور جہاں تک موجودہ زمانہ کا تعلق ہے دنیا کے کسی ملک میں بھی کوئی ایسا نظام موجود نہیں ہے جو اشاعت اسلام کے لئے کسی قسم کا جدوجہد کر رہا ہو

برعکس عیسائیت کی تبلیغ کے لئے زیادہ سے زیادہ کوششیں کی جارہی ہیں ۔ دنیا کے ہر حصہ میں عیسائی مشنری پھیلے ہوئے ہیں ۔ اور دنیا کی تمام عیسائی قومیں اس کام کے لئے بے اندازہ روپیہ دے رہی ہیں ۔ لیکن اس کے باوجود عیسائیت کو خاطر خواہ عروج حاصل نہیں ہو سکا ہے ۔ لیکن اسلام کسی کوشش کے بغیر تیزی سے پھیل رہا ہے یہاں تک کہ یہ ان دور دراز خطوں میں بھی روشناس ہو چکا ہے ۔ جہاں ایک صدی قبل کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ اسلام کیا ہے ۔

اسلام کی اس غیر معمولی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں آخر کونسی ایسی خوبی ہے جس کی بنا پر دنیا اس کی گرویدہ ہوتی چلی جارہی ہے جبکہ ظہور اسلام کے بعد سے آج تک متعصب پادری اور اسلام کے مخالف اس مذہب کے خلاف باقاعدہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں ۔ اور اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے فروغ کا باعث یہ ہے کہ اسلام ہر دور کے دقتی تقاضوں کو پورا کرتا ہے اس کی تعلیمات دل میں اتر جانے والی اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں ۔ وہ انسان کی فکری اور عملی قوتوں پر پابندی نہیں لگاتا بلکہ ان سے کام لینے کی دعوت دیتا ہے ۔ اور اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ انسان کی پوری زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی مکمل رہنمائی کرتا ہے ۔ اس لئے وہ ماضی میں بھی تیزی کے ساتھ پھیلا تھا ۔ اور آج بھی جبکہ بے دینی اور لامذہبی کا دور ہے اس کی مقبولیت میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے ۔

دنیا کی ہر قوم اور ہر مذہب میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو صداقت کے اعتراف میں جھجک محسوس نہیں کرتے چنانچہ خود عیسائیوں میں بھی بعض ایسے صاحب علم پائے جاتے ہیں جنہوں نے اسلام کی خصوصیات کو تسلیم کیا ہے مثلاً ایک بہت بڑے جرمن عالم نے اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا ہے " عیسائیت اسلام کے مقابلہ میں ایک پرانا مذہب ہونے کے باوجود عوام میں آخر کیوں مقبول نہیں ہو رہا ۔ عیسائی مشنریوں کی طرف سے مدرسوں ۔ شفاخانوں ۔ اور دوسرے اداروں کے ذریعہ سے لوگوں کی سماجی حالت درست کرنے کی جو کوششیں کی جاتی ہیں وہ دراصل لوگوں کو عیسائیت کی طرف بلانے ہی کے لئے ہیں ۔ اور عیسائی مشنریوں کو لوگوں کو اس مذہب کی طرف راغب کرنے کے لئے بے شمار روپیہ صرف کرنا پڑ رہا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود عیسائیت اعلیٰ طبقوں میں مقبول نہیں ہو سکی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت میں اسلام کی طرح جاذبیت نہیں ہے ۔ اسلامی تعلیمات میں انسانوں کے لئے جو کشش ہے وہ عیسائیت میں موجود نہیں ہے ۔ اسلامی تعلیم کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ انسان کو دنیاوی ترقی سے نہیں روکتی بلکہ انسان کی حوصلہ افزائی کرتی ہے مسلمان بھی مذہبوں اور اُن کے رہنماؤں کا احترام کرکے مذہبی جھگڑوں سے پیچھے رہتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں اس مذہب کی وسیع نظری کی وجہ اسلام کا غیر معمولی احترام پیدا ہو گیا ہے ۔ ایسی حالت میں اگر اسلام پوری دنیا پر چھا جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں "

انگلستان کے نامور مفکر اور اہل قلم جناب برنارڈ شا کی یہ رائے ہے کہ " آنے والی صدی میں دنیا کے سب ہی مذہب فنا ہو جائیں گے بجز اسلام کے ۔ کیوں کہ یہی ایک ایسا مذہب ہے جو وقت کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے " لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ دنیا کے دیگر مذاہب ختم ہوں یا نہ ہوں ۔ لیکن وہ زمانہ قریب ہے کہ اسلام دنیا کا واحد مذہب بن جائے گا اور دنیا کی بیشتر آبادی اسلام قبول کرے گی ۔ کیوں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو روح کے سکون کے ساتھ دنیاوی ترقی میں بھی انسان کی رہنمائی کرتا ہے ۔

اسلام کی موجودہ ترقی بھی اس بات کا ناقابل انکار ثبوت ہے کہ یہ مذہب پوری دنیا پر چھاتا چلا جارہا ہے ۔ چنانچہ اس سے قبل دنیا میں مسلمانوں کی تعداد صرف ستر کروڑ تھی جو اب ایک ارب تک پہنچ گئی ہے ۔

افسانہ



لذّتِ جاوید

جذبات میں ڈوبی ہوئی معاشرتی کہانی

(از جناب حبیب سیتھ پوری - ایم - اے - بی ایڈ)

نشاط سے میری ملاقات تقریباً پندرہ برس پہلے ہوئی تھی - میں نے ایم - اے میں داخلہ لیا تھا - وہ بھی ساتھ تھی معمولی شکل و صورت کی سانولی سی سیدھی سادھی مگر ذہین لڑکی وہ مقامی گرلز کالج سے بی اے پاس کر چکی تھی - کو ایجوکیشن کی کلاس میں آنے کا اُس کا یہ پہلا اتفاق تھا - پرائمری سے گریجویشن تک اُس کی تعلیم گرلز اسکول اور گرلز کالج میں ہوئی تھی - اچانک اتنے سارے لڑکوں کے بیچ وہ کچھ عجیب سا محسوس کر رہی تھی وہ بے حد سراسیمہ اور پریشان نظر آ رہی تھی - آنچل کو بار بار سر پر جاتی مگر پنکھے کی ہوا کے سر سر جھونکے اُسے بار بار سر سے گرا دیتے اور وہ پھر اسی پھرتی سے سر کو ڈھک لیتی - بالوں کی آوارہ لٹیں بار بار چہرے کو چومتیں اور وہ انھیں انگلیوں سے ہٹا دیتی کلاس میں اور بھی لڑکیاں تھیں لیکن وہ نہ تو اس قدر سراسیمہ تھیں اور نہ ہی پریشان -

پیریڈ ختم ہو گیا سبھی ایک دوسرے سے متعارف ہونے لگے - مگر نشاط اپنی جگہ خاموش کھوئی کھوئی سی بیٹھی رہی - دوسری لڑکیوں نے بھی اُسے کوئی لفٹ نہیں دی اُسے ناقابل اعتنا سمجھ کر چھوڑ دیا - کلاس روم خالی ہو چکا تھا میں بھی اپنی سیٹ سے اٹھ کر باہر جانے لگا اُس کی سیٹ کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے یونہی رسمی طور پر اُس سے پوچھ لیا " آپ کا نام جان سکتا ہوں ... ؟ "

" نشاط " بہت مختصر سا جواب دے کر وہ خاموش ہو گئی -

میں نے بات آگے بڑھانے کی خاطر خود کا تعارف کرا دیا ... " مجھے لطیف احمد کہتے ہیں ... " " آپ لطیف کہہ سکتی ہیں ... " ایک لمحہ کے لیے اُس نے نگاہ اٹھا کر میری جانب دیکھا پھر نگاہیں جھکا لیں " ارے پیریڈ تو کب کا ختم ہو چکا ہے آپ گھر نہیں ... باقی تو سبھی جا چکے ہیں "

" ہاں ہاں " وہ اپنا بیگ سنبھال کر کھڑی ہو گئی میں بس اسٹاپ کی طرف چلا ساتھ ہی وہ بھی اسی سمت چلنے لگی " آپ کو کہاں تک جانا ہے ... ؟ " " جیل کوارٹر تک " " آپ کہاں تک جائیں گے ؟ " اُس نے سوال کیا " کورٹ تک " اور بس کے منزل پر پہنچتے ہی ہماری ملاقات ختم ہو گئی -

وہ ذہین ہے یہ جان کر چند بے حد اسمارٹ مگر کند ذہن لڑکیوں نے اُس سے دوستی کرنی چاہی - لیکن وہ ان سے الگ تھلگ ہی رہی - لڑکے اُس کی معمولی شکل و صورت دیکھ کر اُس کی طرف توجہ دینا وقت کی بربادی سمجھ کر نظر انداز کر گئے کیوں کہ کالج میں اور بھی تو شوخ و شنگ لڑکیاں بھری تھیں یونس بے توجہی اور عدم التفات سے اُسے ایک گونا گوں قسم کا احساس سا ہوا کلاس میں جب وہ جواب دینے کھڑی ہوتی تو باوجود یکہ اُس کی باتوں میں جان ہوتی اس کے دلائل میں وزن ہوتا مگر وہ اپنی انا کی کمزوری کی بنا پر گھبرا جاتی وہ کہنا کچھ چاہتی - مگر گھبراہٹ میں زبان سے نکلتا کچھ اور تھا - پھر بھی اُس کی باتوں اور جملوں میں جو مقصد اور مدعا پوشیدہ ہوتا سمجھنے والے سمجھ ہی جاتے - کبھی کبھی اُسے مذاق کا نشانہ بھی بننا پڑتا شوخ اور کند ذہن شوخ تتلیاں اُس کی اس حالت کی خوب خوب ہنسی اڑاتیں -

اُس کے چہرے میں نہ کوئی کشش تھی نہ مزاج میں شوخی - اس لئے اُسے " زاہد خشک " کا خطاب بخشا گیا - ایک روز بس اسٹاپ کی طرف جاتے ہوئے میں نے اُس سے یونہی کہا " آپ تم کالج آتی ہو کسی وعظ کی محفل میں نہیں - پھر ہر وقت اتنی خاموش خاموش کیوں رہتی ہو - باقی بھی تو لڑکیاں ہیں جو ہر وقت چڑیوں جیسی چہکتی اور پھدکتی رہتی ہیں "

" وہ اُن کا اپنا مزاج اور رویہ ہے اور یہ میرا اپنا ذاتی اور نجی معاملہ ہے ہر کوئی کسی دوسرے جیسا ہو یہ ضروری تو نہیں ؟ سبھی اپنی اپنی فطرت سے مجبور ہیں " میرا مزاج کچھ اسی قسم کا ہے "

میں اس کالج میں شروع سے پڑھ رہا تھا اس کالج میں میرا یہ پانچواں سال تھا - کالج کا ماحول یہاں کا اسٹاف - ساتھی وغیرہ اور میں اُن سب سے بخوبی واقف تھا - اُن کے گروپ [illegible]

بھی کالج میں سوائے ایک وجہ کے کبھی کسی معاملے میں مشہور نہ ہو سکا تھا میں نہ تو فلمی ہیرو جیسا خوبصورت تھا - نا سیٹھ کا بیٹا ہو کر نواب اور جاگیردار جیسا مالدار تھا پہلوان بھی نہیں تھا نہ کوئی اچھا کھلاڑی - آواز بھی بھونڈی اور بھدی تھی اس لئے کلچرل پروگرام سے بھی دور ہی رہتا تھا - لیکن ہر سال کالج کو یونیورسٹی میں ممتاز بنانے اور سنہرے تمغے پانے والوں کی فہرست میں لانے کا سہرا میرے ہی سر تھا - باقی میری اور کوئی اہمیت نہ تھی - میں نے کسی کو زک پہنچائی نہ ہی کسی نے مجھے تکلیف دی سب ہی مجھے معمولی انسان سمجھ کر بھول جاتے - لیکن ہر سال جب کالج کا سالانہ فنکشن ہوتا - ایک مخصوص انداز پر بجتی ہوئی تالیوں کے شور میں تمغہ حاصل کرنے کے لئے میں اسٹیج کی طرف بڑھتا اُس وقت میری اہمیت اجاگر ہو جاتی -

ایم اے کے پہلے سال کا پہلا ٹسٹ ہوا - نتیجہ سامنے آیا تو میں نے محسوس کیا کہ اب مقابلہ مشکل ہو گیا ہے - دوم سوم آنے والے اب سوم چہارم ہو گئے تھے - دوسری پوزیشن پر نشاط ابھر آئی تھی - مجھے بھی خطرے کا احساس ہوا - دوسرے ٹسٹ میں بھی پوزیشن وہی رہی اور میں چوکنا ہو گیا - سالانہ امتحان میں تو عزت بال بال بچی - مگر کالج کو دو تمغے میری وجہ سے ضرور مل گئے -

نشاط کے ساتھ پہلے سال کی دوستی دوسرے سال تک کافی استوار ہو گئی تھی ہم دونوں ایک دوسرے کے متعلق کافی جان چکے تھے مگر باوجود اس شناسائی اور واقفیت کے تکلف اور بیگانگی کی ایک دیوار حائل تھی - میں اس تکلف کی دیوار کو ڈھانا چاہتا تھا کبھی کبھی کسی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو جاتا تھا - مگر نشاط اُسے پسند نہ کرتی وہ پھر نئی دیوار کھڑی کر لیتی - جو پہلے سے بھی کہیں زیادہ اونچی اور مضبوط ہوتی - جس کے اندر جھانک کر دیکھنے تک کا حوصلہ میں نہ کر پاتا -

مگر اس طرح دونوں کو یکجا اور قریب دیکھ کر کالج کے ساتھی ہمیں چھیڑتے بھی - کبھی کبھی کیف و نشاط کا سنگم کہہ کر چڑاتے - مگر ہم لوگ ہنس کر ٹال دیتے ایک دن ایک ساتھی نے مجھ سے کہا "دیکھو کیف لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، ہیر رانجھا، رومیو جولیٹ، سوہنی مہیوال، ان ناموں میں سے کسی بھی جوڑے میں وہ مطابقت نہیں ہے جو کیف و نشاط میں ہے - آنے والی نسلیں ان تمام ناموں کو بھول کر محبت کا سمبل چاہت کا نشان - پیار کی پہچان عشق کی یادگار مان کر صرف کیف و نشاط کو یاد رکھیں گی" میں نے مسکرا کر بات ٹال دی -

ایک دن تالاب کے کنارے پانی میں کنکریاں پھینکتے ہوئے جدید اردو ادب کے رجحان جدیدیت کے فقدان میں نے نشاط کو مخاطب کرتے ہوئے یہ شعر پڑھ دیا -

"روحیں مل سکتی نہیں ہیں تو یہ لب ہی مل جائیں
آؤ اسی لذت جاوید کا آغاز کریں"

وہ اچانک بھڑک اٹھی تیوری پر بل پڑ گئے اور بولی "یہ شعر تو کسی ہوس پرست کا ہے - لوگ جدیدیت اور ترقی پسندی کی آڑ میں اپنی ذہنی اور جنسی بھوک اور بوالہوسی کے جذبات کی تسکین کے لوازمات ڈھونڈتے ہیں - جنس کوشی ہوس پرستی ان کا مدعا اور مقصود ہوتا جا رہا ہے - ورنہ کہاں روحوں کا ملن اور کہاں لبوں کا ملن اور پھر لبوں کے ملن کو لذت جاوید کا نام دینا بے ہودہ پن کی انتہا ہے عقل کے دیوالیہ پن کی دلیل ہے - شعر تو یوں ہونا چاہئے تھا -

"لب تو مل سکتے نہیں پھر روحیں مل جائیں
آ! اسی لذت جاوید کا آغاز کریں"

چلو واپس چلیں بہت دیر ہو چکی ہے" وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی میں نے اسے لاکھ سمجھایا بہت منایا - مگر وہ پھر سے راضی نہ ہوئی - شاید اُسے شعر کے آئینے میں کوئی عکس نظر آ رہا تھا یا پھر اسے کسی خطرہ کا احساس ہو گیا تھا

اس واقعے کے بعد اُس کے گرد حصار میں مزید سنگینی پیدا ہو گئی لبوں پر مہر خموشی لگ گئی - میں بھی اپنے رویہ میں محتاط ہو گیا - ہم لوگ اب بھی روزانہ ملتے مگر ہمارے درمیان ایک نظر نہ آنے والی بیگانگی کی دیوار کے علاوہ ایک اور دیوار کھڑی ہو گئی تھی - جسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا - جسے زیادہ سے زیادہ غلط فہمی کی دیوار ہی کہا جا سکتا تھا - اب وہ بھی علیک سلیک اور کورس کی باتوں کے سوا کوئی بات نہ ہو پاتی اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے کچھ بدظن سی ہو گئی ہے -

سالانہ امتحان قریب آ گیا ہم امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گئے - لیکن اب اُس کی یہ خاموشی اور ناراضی مجھے بے حد اکھرنے لگی - میرا چین و سکون غائب ہو گیا - ایک پل بھی پڑھائی میں جی نہ لگتا - نظریں ضرور کتاب کے اوراق پر جمی ہوئی ہوتیں [illegible] کہیں اور بھٹک رہا ہوتا - میں بار بار ہڑبڑا کر چونکتا [illegible] اپنے آپ کو کتابوں میں گم کرنے کی سعی کرتا مگر [illegible] - مجھے اپنا برسوں کا تعلیمی ریکارڈ خطرے میں نظر آنے لگا [illegible] آنکھوں کے گرد پڑے سیاہ

ملنے۔ آنکھوں کی سرخی بے ترتیب بڑھا ہوا شیو میلے اور شکن آلود کپڑے میری حالت کی چغلی کھاتے لیکن سبھی ساتھی یہ سمجھتے کہ۔ چونکہ اس سال مقابلہ ذرا سخت ہے اس لئے میں زیادہ ہی محنت کر رہا ہوں۔ لیکن حقیقت اسکے بالکل برعکس تھی۔ ادھر نشاط کا حال بھی مجھ سے جدا نہ تھا۔

امتحان ہوتے ہی ہمارا یہ ساتھ ختم ہو گیا راستے بدل گئے منزلیں جدا ہو گئیں۔ میں نے بی ایڈ۔ ایم ایڈ۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کر لیا اور یونیورسٹی میں پڑھانے لگا۔ پھر نشاط کی کوئی خبر نہیں ملی میں نے اپنے ہی قریب کے رشتہ داروں میں سے ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ خوبصورت ننھے منے بچوں کی معصوم شرارتوں سے گھر کا سونا پن ختم ہو گیا۔ زندگی خوشیوں کا گہوارہ بن گئی۔ بچے عمر کے زینے پر چڑھتے گئے ساتھ ساتھ تعلیم کے میدان میں بھی آگے کی طرف بڑھتے رہے میری ترقی ہو گئی اور اب یونیورسٹی میں ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ ہوں۔

ایک سیمینار کے سلسلے میں مجھے کلکتہ جانا پڑا جہاں مجھے ایک مقالہ پڑھنا تھا موسم کی خرابی کی وجہ سے میں عین اس وقت وہاں پہنچ سکا جو وقت کہ مقالہ پڑھنے کا مقرر ہوا تھا معمولی سا آرام کرنے کے بعد میں ہال میں داخل ہوا مقالہ پڑھتے وقت میری نظر سامنے کی سیٹوں پر بیٹھی ہوئی معزز ہستیوں پر سے گزر کر اچانک ایک جگہ جم سی گئی۔ اور مجھے پہچاننے میں ذرا بھی دیر نہ لگی کہ وہ میری پرانی ساتھی نشاط ہے عمر کے اعتبار سے اُس میں کچھ تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ رہن سہن کے طور طریقوں میں بھی فرق آگیا تھا۔ مگر چہرے کے نقوش اب بھی وہی تھے جو ذرا بھاری ہو گئے تھے مگر وہ بدستور سنجیدہ اور باوقار تھی۔

میرا مقالہ میری توقعات سے کہیں زیادہ پسند کیا گیا۔ بے حد تعریف ہوئی فنکشن ختم ہونے پر مختلف لوگوں سے میرا فرداً فرداً تعارف کرایا گیا۔ یہ ڈاکٹر شفیق ہیں یہ ڈاکٹر مکرجی ہیں۔ ڈاکٹر احسن ہیں، یہ ڈاکٹر مشرا ہیں، یہ ڈاکٹر نشاط صدر شعبہ ہیں۔

بے حد خوشی ہوئی آپ سے مل کر میں نے وہی رسمی جملہ جو باقی تمام متعارفین سے کہتا رہا تھا نشاط سے بھی کہا لیکن میری آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی میں لاشعوری طور پر کچھ کھو سا گیا تھا مجھے میرے علاوہ کبھی سب نے ہی محسوس کیا۔ مگر جلد ہی میں سنبھل گیا اور واپس جانے کے لئے کار کی طرف بڑھا۔

اُسی وقت نشاط میرے قریب آ کر دھیمی سرگوشی میں بولی "رات کا کھانا آپ میرے ساتھ کھائیں گے" اُس کی آواز میں التجا تھی۔ درخواست تھی میں نے بھی محض تھوڑے سے رسمی تکلف کے بعد دعوت قبول کی دعوت قبول کرنے کا اصل مدعا یہ تھا کہ میں اُس کی نجی زندگی سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُسے قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔ جاننا اور سمجھنا چاہتا تھا

اُس کی سفید کار میں بیٹھ کر ہم اُس کے بنگلہ کی جانب روانہ ہو گئے کار کے پردے سبھی اُجلے اُجلے دودھ کی مانند سفید تھے سفید رنگ کی دودھیا ساری اور اسی رنگ کے بلاؤز میں وہ خوابوں کی پری لگ رہی تھی گو اُس کے چہرے میں کشش اور خوبصورتی نہ تھی۔ مگر لباس نے اس کو دلکش بنا دیا تھا میک اپ نے اُسے اور بھی جاذب نظر کر دیا تھا۔

خوبصورت لان میں رنگ برنگ کے پھول کھلے تھے جن میں اکثر کا رنگ سفید تھا۔ اور میں نے اندازہ لگایا کہ سفید رنگ کی چاہت اُس کی فطرت میں آج بھی موجود ہے۔ پر تکلف چائے کے ساتھ ہی باتوں کا سلسلہ چل پڑا۔ سیمینار۔ سیاست۔ ادب سے گزر کر ہم ذاتی اور نجی باتوں کی طرف بڑھے مگر اُسی احتیاط سے جس طرح آج سے پندرہ برس پیشتر کیا کرتا تھا مبادا اُسے برا لگ جائے اور وہ ناراض ہو جائے۔

میں نے پوچھا۔۔۔ "آپ کے مسٹر ——— ابھی میرا سوال ادھورا ہی تھا کہ وہ بول پڑی" اوہ ——— میں اکیلی ہوں ——" چند لمحوں کے لئے ہمارے درمیان بے حد اذیت ناک سناٹا چھا گیا۔ آخر میں نے ہی اِس خاموشی کو توڑتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

"تو کیا تم نے شادی ——— نہیں کی ——؟" "نہیں ایسی بات نہیں میں نے پروفیسر آصف سے شادی کی تھی۔ مگر مجھے شادی راس نہ آئی" "کیا مطلب ——؟ خدا نہ کرے کیا تمہارے شوہر ———!؟" "نہیں۔ نہیں وہ زندہ ہیں۔ اور امریکہ میں ہیں" "مگر شادی راس نہ آنے کا مطلب میں سمجھ نہ سکا ——"

"شادی۔ شادی صرف دو جسموں کے ملنے کے سماجی اور مذہبی تعلق کے سوا کیا ہے!؟ اور جسموں کے ملاپ کا مطلب ہی تو شادی تو نہیں —— جسموں کی ضرورت اور تقاضوں سے الگ بھی تو کوئی بات ہے نا ——؟ ذہنوں کی ہم آہنگی۔ خیالات کا میل۔ روحوں کا ملن" اُس نے اب دانستہ طور پر موضوع بدل دیا میں بھی زیادہ کریدنا مناسب نہ سمجھ کر چپ ہو گیا۔

کھانا نہایت لذیذ اور پرتکلف تھا۔ اُس نے کئی ڈشیں مخصوص اہتمام سے اپنے ہاتھ سے تیار کی تھیں جو نہایت لذیذ تھیں کھانے کے بعد ہم ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ بیڈروم کی ہر چیز بھی سفید تھی۔ اور سفید نیلی روشنی وہ عجیب خواب آور سا ماحول پیدا کر رہی تھیں۔ رات کافی گزر چکی تھی۔

میں نے باتوں کے سلسلے کی ٹوٹی کڑی کو جوڑتے ہوئے پوچھا "شادی کی ناکامی کی کوئی تو وجہ ہوگی ۔؟"

"وجہ کیا ہوگی بس یہ سمجھ لو کہ آصف نے اپنی جسمانی اور فطری تقاضوں کی تسکین کے لئے میرا مادی وجود میرا جسم شادی کے بہانے حاصل کر لیا تھا ۔ وہ بہ حد الٹرا ماڈرن ، لا اُبالی ۔ اور باش قسم کے انسان تھے ۔ میں کسی کی برائی نہیں کرتی ۔ مگر یہی حقیقت تو حقیقت ہے ۔ ہم دونوں کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق تھا ۔ مشرق و مغرب کا بعد تھا ۔ میرا روحوں کے ملن کا فلسفہ بھی طرح ناکام رہا ۔ وہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے جو میں نے دیکھے تھے ۔ اور میں جو روحوں کے ملن کی قائل تھی ۔ اپنی روحانی تشنگی لئے بھٹکتی رہی ۔ اپنی لاش اپنے قدموں پر اٹھائے پھرتی رہی ۔ مختلف لوگوں سے ملی ۔ روح کی تشنگی کا حل تلاش کرنے کے لئے ۔ مگر ہر جگہ ایک ہی بات ایک ہی چیز ملی جسموں کی بھوک ۔ بدن کی پیاس ۔ ہوس ۔ ہوس ۔ ہوس ۔ میں بھٹکتی رہی آصف نے مجھے ہرجائی پن سمجھا اور مجھ سے تعلق قطع کر لیا ۔ خود کی دنیا الگ بسا لی ۔ ملک چھوڑ کر چلے گئے ۔

اُن کے چلے جانے کے بعد بھی میری تلاش کا سلسلہ جاری رہا ۔ میں روحوں کے ملن کے فلسفے کو ترستی رہی ڈھونڈتی رہی کھوجتی رہی ۔ لیکن میں آج بڑی صداقت سے اعتراف کر رہی ہوں ۔ اور اس ناکامی یا بے راہ روی سے تنگ آکر میں نے اس کا دامن چھوڑ دیا ہے ۔ اور اب اپنے نظریات میں تبدیلی پیدا کر لی ہے ہاں تمہیں تو وہ شعر تو یاد ہوگا جو تم نے کبھی تالاب کے کنارے پانی میں کنکریاں پھینکتے ہوئے مجھے سنایا تھا ۔ وہ آج نہ جانے کیوں مجھے یاد آرہا ہے ۔

روحیں مل سکتی نہیں ہیں تو یہ لب ہی مل جائیں
آ ! اسی لذت جاوید کا آغاز کریں

نشاط شعر پڑھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی ۔ اور فرط جذبات سے مغلوب ہوکر میری گود میں گر کر سسکنے لگی ۔ سسکیوں کے درمیان وہ مصرعہ دہراتی رہی اور مجھے بانہوں میں جکڑے ہوئے کہتی رہی "آ ! اسی لذت جاوید کا آغاز کریں آ اسی لذت ۔ جاوید ۔ کا ۔ آغاز ۔ کریں " آ ....آ ....آ ۔ وہ جذبات کی رو میں بہتی چلی جا رہی تھی ۔

میری چھٹی حس نے فوراً ہی مجھے خطرہ کا احساس دلا دیا میں نے اُس کے کھلے بالوں پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے اور اُسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے کہا ۔ "بہت دیر ہو چکی ہے نشاط مجھے اجازت دو ۔" اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا ۔ اور مجھے اندازہ ہوا کہ انسان کے بلند سے بلند نظریات بھی کس طرح جذبات کی رو میں بہہ جاتے ہیں



عورتوں کے لئے

ایک لڑکی کی پریشانی

اِس کا شوہر اس سے بدظن ہو گیا ہے

(از زبیدہ سلطان صاحبہ دہلوی)

زبیدہ بہن نے ذیل کے مضمون میں ایک تعلیم یافتہ لڑکی کی ایسی معاشرتی الجھن پر روشنی ڈالی ہے جو ہمارے ملک میں دن بدن بڑھتی چلی جارہی ہے۔ امید ہے کہ یہ مضمون ہمارے بھائیوں اور بہنوں کے حلقہ میں دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

ہمارے ملک کی لڑکیوں میں تعلیمی ترقی کے ساتھ ملازمت کا بھی رجحان بڑھ رہا ہے اور غالباً اس کی بڑی وجہ ملک کی اقتصادی بدحالی ہے۔ چنانچہ آج کل بہت سی لڑکیاں سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں ملازمتیں کر رہی ہیں۔ ایسی ہی ایک ملازمت پیشہ لڑکی کا خط مجھے موصول ہوا ہے۔ یہ لڑکی ایک تعلیم یافتہ گھرانے سے تعلق رکھتی ہے ایم۔ایس۔سی تک اس نے تعلیم حاصل کی ہے۔ ایک سرکاری دفتر میں ملازم ہے اسے معقول تنخواہ مل رہی ہے لیکن اس کی زندگی بڑی بدمزہ بن گئی ہے۔ کیونکہ اس کا شوہر اس سے بدظن رہنے لگا ہے۔ یہ لڑکی لکھتی ہے۔

"میں اچھی خاصی الجھن میں مبتلا ہوں میرا ملازمت پیشہ ہونا میرے لئے مصیبت بن گیا ہے۔ میرے شوہر مجھ سے بدظن ہو گئے ہیں۔ اور وہ میری ملازمت کو پسند نہیں کرتے اگر ملازمت چھوڑتی ہوں تو گھر کا خرچہ چلانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اگر ملازمت کو برقرار رکھتی ہوں تو شوہر کی بدظنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ دفتر کے کارکنوں اور عہدہ داروں سے میرا ملنا جلنا پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ ملازمت کی وجہ سے میں ایسا کرنے پر مجبور رہتی ہوں میں خواہ کتنی ہی احتیاط سے کام کیوں نہ لوں مجھے دفتری کاموں کے لئے اُن سے ملنا جلنا ہی پڑتا ہے۔"

یہ ہے اِس لڑکی کی پریشانی۔ یہ لڑکی اور اِس کا شوہر دونوں ہی دو مختلف سرکاری دفتروں میں ملازم ہیں دونوں تعلیم یافتہ ہیں اور بڑے عہدوں پر ہیں لیکن شوہر کے دل میں کچھ ایسے شکوک پیدا ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے لڑکی کی زندگی بے کیف ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ لڑکی اپنے اسی خط میں لکھتی ہے۔

"میں نے ملازمت شادی کے بعد نہیں کی بلکہ شادی سے پہلے ہی میں ملازمت اختیار کر چکی تھی۔ اور اصل بات یہ ہے کہ انھوں نے میرے ساتھ شادی ہی اِس لئے کی ہے کہ میں برسر روزگار تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ اُن پر میرا کوئی بار نہیں پڑے گا۔ جب انھوں نے سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھایا تھا تو انہیں شادی کے بعد یہ غلط روش ہرگز اختیار نہیں کرنی چاہئے تھی۔ بات یہ ہے کہ وہ شکی مزاج واقع ہوئے ہیں اور اسی لئے ہمارے ہاں جھگڑے کھڑے ہو گئے ہیں۔"

اِس لڑکی کو اس بات کا افسوس ہے کہ اُس کے تعلقات شوہر سے دن بدن کشیدہ ہوتے چلے جا رہے ہیں حالانکہ شروع میں اِس قسم کی کوئی بات دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہ لڑکی لکھتی ہے۔

"ابتدائی دنوں میں وہ میرے دم دیوانے تھے۔ میری قابلیت اور علمیت کے بھی معترف تھے لیکن رفتہ رفتہ اُن کے دل میں شکوک پیدا ہونے شروع ہوئے۔ اور دفتر کے عہدہ داروں سے میرے میل جول پر وہ شبہات میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ میں اُن لوگوں سے دفتری کاموں کے علاوہ کوئی غرض نہیں رکھتی۔ میرے لئے سیدھا راستہ یہ ہے کہ میں مجبوراً اُن سے علیحدگی اختیار کر لوں مگر میرے دو بچے بھی اُن سے پیدا ہو گئے ہیں۔ اور اب اگر اپنی خاطر نہیں تو بچوں کی خاطر ہی ہم دونوں کو ایک ساتھ ہی زندگی گزارنی ہے۔ نہ میں انہیں چھوڑ سکتی ہوں اور نہ ملازمت ہی ترک کر سکتی ہوں۔ کیونکہ معقول آمدنی کے بغیر بچوں کی اعلیٰ تعلیم ناممکن ہے

بتائیے کہ میں کون سا راستہ اختیار کروں "

اسی لڑکی پر کیا موقوف ہے۔ جتنی بھی شادی شدہ نوجوان لڑکیاں ملازمت کر رہی ہیں۔ اُن میں سے بہت سی اسی قسم کی الجھنوں میں مبتلا ہیں۔ ملازمت نے ان کی اقتصادی پریشانی کو تو ضرور دور کر دیا ہے لیکن ان کے لئے طرح طرح کی گھتھیاں پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ کہیں آپس کی بد ظنی کا رونا ہے تو کہیں بچوں کی پرورش کا مسئلہ الجھن بن گیا ہے۔

بات یہ ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ زمانہ نے عورتوں اور مردوں دونوں کو ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ اب دونوں کے راستے الگ الگ نہیں ہیں مردانہ اور زنانہ۔ مشاغل میں بھی کوئی فرق نہیں رہا۔ جو کچھ مرد کر رہے ہیں وہی عورتیں بھی کر رہی ہیں۔ غرضیکہ عورتیں اور مرد دونوں ہی سوسائٹی میں اس طرح خلط ملط ہو گئے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ عورتوں اور مردوں کے اس اختلاط کی وجہ سے نئی نئی الجھنیں پیدا ہونی شروع ہو گئی ہیں۔

اسلام نے اسی لئے عورتوں اور مردوں کے میل جول اور اختلاط کو ناپسند کیا ہے۔ کیونکہ اس سے نئی نئی پیچیدگیاں اور غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسلام نے عورت کو آزادی تو ضرور دی ہے لیکن اس کی ہرگز اجازت نہیں دی کہ وہ غیر مردوں سے میل جول پیدا کرے۔ کیونکہ اسلام جانتا تھا کہ اس سے کتنی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورتوں کا دائرہ عمل صرف اُن کے گھروں تک محدود رہے۔ چنانچہ حضرت اُم ورقہؓ بیان کرتی ہیں۔

"میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اپنے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دیجیے شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت نصیب فرمائے تو آپ نے فرمایا۔ اپنے گھر میں بیٹھو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں گھر بیٹھے شہادت کا درجہ عطا فرمائے گا" (ابوداؤد)

حضور تو عورتوں کا گھروں سے نکلنا بھی ناپسند فرماتے تھے کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ اس سے کیسی کیسی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ لیکن اب جبکہ عورت کا قدم گھر سے باہر نکل چکا ہے تو معاشرتی الجھنوں کا پیدا ہونا قدرتی بات ہے نہ صرف اسلام بلکہ مشرقی تہذیب بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ عورتوں اور مردوں میں ضرورت سے زیادہ اختلاط پیدا ہو۔ [illegible] سے قبل ہندوستان پسند راجپوتوں کی حکومت تھی۔ راجپوت اپنی عورتوں کی عزت اور ناموس کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ کیا مجال کہ کوئی راجپوت عورت بغیر پردہ کے گھر سے باہر نکل جائے لیکن آج مغربی تہذیب نے ان تمام پرانی باتوں اور احتیاطوں کو ختم کر دیا ہے۔ اور ان کے ختم ہونے کے بعد ہمارے معاشرہ میں جو الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ان کا بخوبی اندازہ خط لکھنے والی لڑکی کی پریشانی سے ہو سکتا ہے۔

اب میں اس لڑکی سے دو باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ بیٹی تمہارے خط سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ تم ملازمت چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہو لیکن اتنا تو ضرور کر سکتی ہو کہ غیر مردوں سے میل جول میں مزید احتیاط برتو تاکہ تمہارے شوہر کے دل میں جو شکوک پیدا ہو گئے ہیں وہ خود بخود دور ہونے چلے جائیں۔

مجھے تمہارے نیک ہونے پر ذرا بھی شبہ نہیں اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ تمہارا شوہر بھی بے جا شکوک دل میں نہ لائے۔ لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ صرف احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے غلط شکوک بھی پیدا ہو جاتے ہیں مجھے امید ہے کہ تم آئندہ مزید احتیاط سے کام لوگی اور تمہاری نیکی ہی آگے چل کر تمہارے شوہر کے شکوک کو دور کر دے گی۔

آخیر میں یہ بات بھی بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں خود لڑکیوں کے لئے ایسی ملازمتوں کے حق میں نہیں ہوں جہاں اُنہیں مردوں کے کوشے سے کوشا ملا کر کام کرنا پڑے۔ لڑکیوں کے لئے سب سے اچھا مشغلہ تعلیمی مشغلہ ہے۔ تعلیمی اداروں میں کام کرنے سے اُن کے علم میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اور مردوں سے بھی بہت کم سابقہ پڑتا ہے۔ بلکہ زیادہ تر عورتوں اور لڑکیوں ہی میں گھری رہتی ہیں۔ تعلیمی اداروں میں تنخواہیں تو ضرور کم ہیں مگر وہ الجھنیں نہیں ہیں جو دوسرے محکموں میں ہیں۔ اس لئے جو لڑکیاں روزگار اختیار کرنے پر مجبور ہیں اُن کے لئے زنانہ اسکول میں لکچری ایک اچھا اور شریفانہ پیشہ ہے۔

کاغذ کے قحط سے کتب خانے بند

کاغذ کی قیمت چار گنی ہو گئی ہے۔ اور اس باوجود بھی کاغذ نہیں مل رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر کتب خانے بند ہو گئے ہیں۔ جید دین دنیا پبلشنگ کمپنی کے لئے شدید مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ ایسی حالت میں اگر کتابوں کے جدید ایڈیشن طبع کرنے میں تاخیر ہو تو اسے مجبوری پر محمول کیا جائے۔

افسانہ

عورت ایک معمہ

معاشرتی لغزشوں کو اجاگر کرنے والی کہانی



(از ـ ایم ـ کے ـ مہتاب ـ ایم ـ اے)

جب آپ کے پڑوس میں کوئی خوبصورت اور شوخ عورت آکر آباد ہو جائے تو سمجھئے کہ آپ کے لئے ایک مصیبت کھڑی ہو گئی ہے۔ میرے پڑوس میں رہنے والی سونیا بے حد حسین ہے اسکی گھنی پلکوں والی سرمئی آنکھیں کچھ ایسی ہیں کہ جنھیں دیکھ کر نشہ سا ہو جاتا ہے۔ اُس کے رنگ رنگ میں شوخی بھری ہوتی ہے

ویسے سونیا ایک معمولی سی لڑکی ہے ایک مہذب اور شریف پروفیسر کی بیوی ہے جو اکثر مکان کے سامنے لان میں مونڈھا بچھائے موٹی موٹی کتابوں میں مستغرق رہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ سونیا اُس کے سامنے بیٹھی پڑھتی رہے اور جب وہ مطالعہ سے اُکتا جائے تو اُس کے پیچھے سکوٹر پر بیٹھی فضا کو اپنے جسم اور بالوں کی خوشبو سے مہکاتی گھومنے چلے۔ سونیا کے جسم پر پنجابی، لکھنوی، بنگالی، مراٹھی، مدراسی ہر لباس خوب پھبتا ہے۔ اُسے بال بنانے کے اتنے ڈھنگ آتے ہیں کہ وہ ہر دن ایک نئی عورت معلوم ہوتی ہے۔

ایک انجانی سی تحریک کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں ہمسائیگی اور شرافت کی پابندیاں توڑ کر روزانہ دو تین بار اُسے دیکھنے کے لئے سیڑھیوں پر آجاتا ہوں لیکن جب بھی وہ میری طرف دیکھتی ہے میں منہ پھیر لیتا ہوں نہ لیکن ہمارا غائبانہ تعارف ہو چکا ہے۔ میں اُن کے دروازے پر لگی نیم پلیٹ سے جانتا ہوں کہ وہ کون ہے اور وہ خود جانتی ہو گی کہ پڑوس کے مکان کے دروازے پر لکھا نام نریندر ـ ایم ـ اے میرا ہی نام ہو گا۔ اِس سے زیادہ مجھے اُن لوگوں سے کوئی دلچسپی بھی نہیں ہے۔ وہ ایک خوشحال خوش باش جوڑا ہے۔ اور میرے اپنے تحریری اور تعلیمی مشاغل ہیں۔ اُنہیں شادی شدہ زندگی پسند ہے مجھے آزاد۔ میرے لئے وہ ایک خوبصورت پھول ہے جو پڑوس کے مکان کے برآمدے میں کھلا ہے۔ مجھے اُسے توڑنے کی تمنا نہیں۔ بس کبھی نظر آجاتا ہے تو بھلا معلوم ہوتا ہے۔

پہلی بار جب سونیا سے ملا تو رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ وہ گھنٹی کا بٹن دبا کر میرے سونے کے کمرے ہی میں چلی آئی تھی۔ میں نے کتاب سے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا جیسے بہار چپکے سے پردہ ہٹا کر چلی آئی ہو۔ اُس کی پریشان زلفیں کھلے سینے پر بہت بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ روشن آنکھوں میں غم کے سائے تھے۔

"نریندر جی!" وہ بات کرتے ہوئے ہکلا رہی تھی۔

"کیا آپ میرا نام جانتی ہیں؟" اور اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"فرمائیے سونیا دیوی!"

"کمار صاحب ابھی تک نہیں لوٹے۔ مجھے اکیلے میں بہت ڈر معلوم ہو رہا ہے۔"

"اس مسئلے کے تو دو ہی حل ہو سکتے ہیں پہلا یہ کہ جب تک کمار صاحب نہیں آتے۔ آپ یہیں بیٹھئے۔ لیکن یہ شاید آپ کو پسند نہ ہو اور دوسرا یہ کہ میں آپ کے پاس چل بیٹھوں جو شاید آپ کے پتی دیو کو پسند نہ ہو۔"

"میرا مطلب تھا کہ آپ کہیں سے پتہ" وہ بات پوری نہ کر سکی۔

"پتہ اِس وقت کہاں کر سکتا ہوں؟"

"میرا مطلب تھا کیا آپ ریسرچ لیبارٹری تک جا سکتے ہیں؟"

میں بادلِ ناخواستہ سکوٹر نکال کر چلا گیا۔ پروفیسر تیجی جھکائے خوردبین پر نگاہ لگائے بیٹھا تھا۔ میں نے سونیا کے اکیلے پن کا ذکر کیا تو وہ نگاہ خوردبین سے ہٹائے بغیر بولا۔

"مجھے علم ہے آپ نے کیوں تکلیف کی؟"

میں شرمندہ سا ہو کر لوٹ آیا۔ میری بلا سے وہ ساری رات آیا یا نہیں، سونیا سوئی یا نہیں۔ میں لحاف اوڑھ کر لمبی تانے سوتا رہا۔

دوسری بار میں اُسے سپر بازار میں ملا۔

میں کاؤنٹر پر باقی پیسے لے رہا تھا۔ سونیا نے میری آستین کر چھوتے ہوئے

"نرمیلا جی! خدا بات تو سنئے!" میں اُسے اچانک وہاں پاکر حیران ہوا وہ بہت خوبصورت نظر آرہی تھی۔ آج اُس کے خشک بال اُس کی نیم عریاں گوری پیٹھ پر جھول رہے تھے۔ وہ کچھ گھبرائی ہوئی تھی۔

"کہئے کیا حکم ہے؟"

"بات۔ بات۔ عرض۔" وہ رُکتے رُکتے بولی "عرض ہے کہ میں نے قمیصوں اور بلاؤزوں کے کپڑے کے کچھ ٹکڑے کٹوائے ہیں۔ لیکن میرے پرس میں پیسے کم نکلے ہیں۔ بہت پریشانی ہو رہی ہے آپ کو دیکھ کر جان میں جان آئی ہے۔"

میں نے اپنی جیب کے نوٹ اُس کے سامنے رکھ دیئے۔ اُس نے اُن میں سے چھبیس روپے اُٹھا لئے اور اپنے نفاست سے رنگے گلابی ہونٹوں سے ایسا خوبصورت شکریہ ادا کرتے ہوئے چلی گئی کہ اگر وہ سب روپے لے جاتی تو بھی مجھے کچھ ملال نہ ہوتا۔

میں ساری رات اور پھر سارے دن ان تصوّرات میں کھویا رہا کہ وہ روپے لوٹانے آئے گی تو اُس سے کیا کیا باتیں ہوں گی۔ میں کون کون سے مکالمے ادا کروں گا؟ اُس نے کونسی خوشبو لگا رکھی ہو گی؟ لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔

شام کو میں نے چھت پر جا کر دیکھا نیچے لان میں میاں بیوی دونوں کرسیاں نکالے بیٹھے تھے ہنس رہے تھے۔ چائے سے لبالب پیالے رکھے تھے۔

سونیا سے تیسری بار میں آکاش محل میں ملا جو ہمارے پڑوس میں تیسری کوٹھی ہے۔ اُس کا مالک شنڈے بابو ہمارا دوست ہے۔ اُس کے ہاں پارٹی تھی۔ عورتیں خوب سج دھج کر آئی تھیں لیکن سونیا تو اُس روز بالکل جادوگرنی معلوم ہو رہی تھی۔ اُس نے بپوٹوں پر سیاہ حاشیئے ڈال رکھے تھے۔ گلے میں سیاہ موتیوں کا ہار اٹکھیلیاں کر رہا تھا۔ سیاہ اور سبز ساڑی میں وہ اندھیرے اُجالے کا امتیاز معلوم ہو رہی تھی۔ میں اُسے روپیوں کی بات یاد دلا کر بات کرنے کے لئے کوئی ڈھنگ نکالنا چاہتا تھا لیکن سوچا ایسا نہ ہو وہ اُسے میرا سفلہ پن نہ سمجھے۔

واپسی پر شنڈے سے ہاتھ ملایا تو اُس نے چھبیس روپے میرے ہاتھ پر رکھ دیئے جو کمار صاحب مجھے دینے کے لئے کہہ گئے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے ہتھوڑے کی ایک ہی ضرب سے شیشے پر بنی سب تصویریں چکنا چور کر دی ہوں۔ ایک دھندلے پردے نے مجھے گھیر لیا۔ آخر اِس کا مطلب کیا ہے؟ لیکن دوسرے دن جب میں سیڑھیوں سے اُتر رہا تھا تو برآمدے میں کھڑی



سونیتا نے مسکرا کر میری طرف دیکھا جیسے دُھند کا پردہ پھٹ گیا ہو۔ میں نے کہا "در دپے لوٹانے کی اتنی جلدی کیا تھی ؟" ۔

جواب میں وہ پھر مسکرائی اور نگاہ جھکالی ۔

سونیتا سے پانچویں بار میں پولیس انسپکٹر جوشی کے مکان پر ملا۔ اُس نے مجھے بلا بھیجا تھا۔ وہ میرا واقف کار ہے۔ پہلے بھی کئی بار اُس سے مل چکا ہوں لیکن آج جب میں اُس کے کمرے میں گیا تو سونیتا اور پروفیسر کمار بھی وہاں موجود تھے کمار صاحب کچھ رنجیدہ معلوم ہوتے تھے۔ میں نے سوچا شاید میاں بیوی میں کوئی جھگڑا ہو گیا ہے مجھے صلح صفائی کرانے کے لیے بلایا گیا ہو۔ لیکن جوشی مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

" معاف کرنا نریندر! میں نے آج تمہیں دوست کے طور پر نہیں بلایا پولیس انسپکٹر کے طور پر طلب کیا ہے ؟" میں نے پوچھا " میرا قصور ؟"

" میں قصور وصور کچھ نہیں جانتا۔ کیا آپ ایک ہفتے کے اندر اندر اپنا مکان تبدیل کر سکتے ہیں ؟ آپ کے لئے یہی بہتر ہے ۔

" ہمارا اپنا مکان ہے ۔ تبدیل کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا "

" مجھے اس سے کچھ غرض نہیں۔ علاقے کے انچارج کے طور پر مجھے امن و قانون سے واسطہ ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا شمار محلے کے شریف لوگوں میں ہوتا رہے تو بہتر ہو گا کہ آپ پندرہ دن میں مکان بدل لیجئے ؟ تاکہ کوئی نیا جھگڑا کھڑا نہ ہو جائے "

میں نے پروفیسر کمار کی طرف دیکھا۔ وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے سونیتا کو دیکھا۔ وہ بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ اُس کا چہرہ بہت پرسکون تھا۔ دل کی بات تو خدا ہی جانتا ہے ۔ یہ لوگ میری شکایت کرنے کیوں آئے تھے ؟ اس لئے کہ میں نے سونیتا کے کہنے پر اُس کا پیغام پروفیسر کو پہنچایا تھا؟ اس لئے کہ میں نے سونیتا کی مالی ضرورت پوری کر کے اُسے پریشانی سے بچایا تھا۔ کیا یہ سوچنا بھی جرم تھا کہ سونیتا ایک خوبصورت عورت ہے جسے دیکھ کر جی چاہتا ہے ؟ کیا یہ شکایت سونیتا نے کی تھی ؟ لیکن وہ تو جب کبھی مجھ سے ملی خندہ پیشانی سے ملی۔ کیا شکایت پروفیسر نے کی ؟ لیکن اسے کوئی بدگمانی کیوں کر ہو سکتی ہے وہ تو دن رات کتابوں کی الماریوں میں بند رہتا تھا۔ ظاہر تھا کہ شکایت سونیتا نے ہی کی ہو گی ورنہ اسے خود انسپکٹر کے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی

اور پندرہ دن میں اسی اُدھیڑ بُن میں گرفتار رہا۔ یہ اچھے لوگ بھی کیا برے ہوتے ہیں۔ نگاہیں جھکائے جھکائے دوسروں کی عزت کا دیوالہ نکال دیتے ہیں۔ اب میں زیادہ وقت مکان سے باہر رہتا یا کمرے میں بند! لیکن پندرہ دن میں نہ تو کچھ ہوا اور نہ میں نے مکان ہی بدلا اب بھی حسب دستور شام کو کمار اور سونیتا لان میں بیٹھے چائے پی رہے ہوتے ۔ چائے کی پیالیوں میں کوئی طوفان نہیں ہوتا صرف پیاری پیاری بھاپ اٹھ رہی ہوتی۔

سونیتا اب بھی اُتنی ہی حسین، اُتنی ہی دلکش تھی ۔ اُس کی نگاہیں دعوتِ مجسم تھیں ۔ لیکن یہ جھکی ہوئی نظریں میرے لئے سزا سے کم نہ تھیں ۔ کیا وہ مجھے اوباش یا لفنگا سمجھتی ہے ؟ میں کسی نہ کسی طرح یہ تاثر دور کرنا چاہتا تھا ۔

ایک دن موقع پا کر میں نے ایک رقعہ اُس کے سامنے پھینک دیا۔ اُس میں لکھا تھا ——— " سونیتا جی ! مجھے نہ آپ سے کچھ غرض ہے نہ سروکار۔ اگر آپ کو کوئی غلط فہمی ہو تو اُس کے لئے معافی چاہتا ہوں اگر پھر بھی آپ ناراض ہوں تو آپ کی مرضی ؟"

سونیتا رقعہ اٹھا کر اندر چلی گئی۔ میرے دل سے ایک بوجھ ہلکا ہو گیا۔ ہر دم ملامت کرنے والا ضمیر خاموش ہو گیا اور میں بہت سکون سے پہلے کی طرح اپنے مشاغل میں ڈوب گیا۔ مجھے اب کچھ علم ہی نہ تھا کہ پڑوس میں وہ لوگ رہتے بھی ہیں یا چلے گئے ہیں میں نے چھت پر آنا جانا بند کر دیا۔

سونیتا سے چھٹی بار اُس وقت ملاقات ہوئی جب میں اُسے قریب قریب بھول چکا تھا۔ ملاقات علاقہ مجسٹریٹ کی عدالت میں ہوئی۔ میں ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا تھا۔ سونیتا، کمار اور اُن کا وکیل مدعیوں کے کٹہرے میں تھے۔ کمار کے چہرے پر غصے کی لکیریں تھیں لیکن سونیتا کا چہرہ یوں پرسکون تھا جیسے جھیل کی ساکن سطح پر پورنماشی کا چاند تیر رہا ہو۔ استغاثہ سونیتا ہی کی طرف سے دائر کیا گیا تھا اور مجھ پر پڑوسی کی بیوی سے ناشائستہ مذاق کرنے، ورغلانے وغیرہ کے نہ جانے کون کون سے الزامات عائد کر کے نیک چلنی کی ضمانت طلب کی گئی تھی ۔

میں نے داد طلب نگاہوں سے سونیتا کی طرف دیکھا کہ کیا میری شرافت کا یہی صلہ تھا۔ لیکن آج اُس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی معلوم ہوتی تھیں جن سے ٹکرا کر میری نظر لوٹ آئی ۔

میں نے اپنی صفائی میں صرف یہ کہا کہ اگر سونیتا اپنے الزامات عدالت میں دہرا دے تو میں ہر سزا قبول کر لوں گا۔ لیکن وکیل استغاثہ نے بتایا کہ استغاثہ سونیتا کے دستخطوں سے دائر کیا گیا ہے۔ یقینی طور پر الزامات

ایسی مزدوری ہوگی جس کے لئے ایک شریف عورت کو عدالت میں آنا پڑا ہے میں نیک چلنی کی ضمانت دینے کے بعد گھر آ گیا - زندگی ایک بوجھ محسوس ہونے لگی - مجھے یقین نہیں تھا کہ بات بات پر مسکرا دینے والی سویتا ایسی ذلیل عورت ہوگی - لیکن درخواست پر میں نے خود سویتا کے دستخط دیکھے تھے - میں نے سوچا تھا کہ مجھے ذلیل کرکے اُسے ضرور رنج پہنچا ہوگا لیکن وہ ہنسی ہنسی گھر لوٹ رہی تھی - اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ عورت دُنیا کا سب سے مشکل معمّہ ہے - انسان کتنے ہی متبادل الفاظ سوچتا ہے لیکن ہر نئے لفظ کی تلاش کے ساتھ غلطیاں بڑھتی جاتی ہیں -

---

سویتا سے ساتویں بار قریباً ایک ماہ بعد ملا جب صبح سویرے وہ میرے برآمدے میں کھڑی گھنٹی کا بٹن دبا رہی تھی - میں نے دروازہ کھولا تو وہ اندر آ گئی - اُس کے ہاتھ میں اٹیچی تھا - چہرے پر حسب سابق سنجیدگی کی نقاب تھی اور آنکھیں پہلے ہی کی طرح روشن تھیں - غصے سے میری آنکھوں میں خون اتر آیا - مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ کہیں باہر سے آئی ہوگی - پروفیسر گھر پر نہ ہوگا اور یہ ذعیف عورت کہنا چاہتی ہوگی کہ میں پھر اُس کے کہنے پر پروفیسر کے پاس ریسرچ لیبارٹری جاؤں - لیکن میری عزت خاک میں ملا کر یہ ہمدردی کی درخواست کیسی؟

"کیا آپ کے پاس کھانے کو کچھ ہوگا؟" میں اِس کا سوال سن کر حیران رہ گیا اور سوچنے لگا اگر ضمانت دینے کی سزا نیک چلنی کی ضمانت ہے تو کھانا دینے کی سزا چھ ماہ قید سے کیا کم ہوگی! کیا یہ عورت پاگل تو نہیں؟

"کیا مطلب؟" میں نے بیگانگی سے کہا -

"میں تین — دن — سے" وہ بات پوری نہ کر سکی -

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟" میں نے قدرے غصے میں کہا

اُس نے بلاؤز میں سے ایک زرد لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا - کھولا تو میرے ہاتھ کانپنے لگے - وہی کاغذ تھا جس پر میں نے رقعہ لکھ کر معافی مانگی تھی - پروفیسر کمار نے اُس کاغذ پر لکھا تھا -

"معافی مانگنے کی اور معذرت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں -"

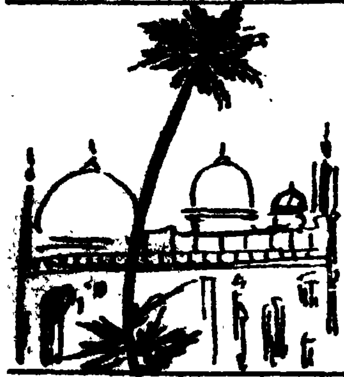
"پوری ریسرچ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ سویتا کو حقیقی مسرت تمہارے پاس رہ کر ہو سکتی ہے - وہ تمہاری دلدادہ معلوم ہوتی ہے - میں نے ملازمت چھوڑ دی ہے - جب سویتا تمہارے پاس پہنچے گی میں بہت دور جا چکا ہوں گا"

غصے سے میرے نتھنے پھڑکنے لگے - میرا جی چاہا اُس کا اٹیچی اُٹھا کر سڑک پر پھینک دوں - میں نے اُس کا اٹیچی کیس اُٹھا لیا اور کہنا چاہتا تھا کہ اسی وقت یہاں سے تشریف لے جائیے! لیکن جب میں نے اُس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی خاموش ندیاں بہہ رہی تھیں جیسے دکن کی چٹانوں پر دُور کہیں کئی مہینوں سے چھائی ہوئی گھٹا کھل کر برس رہی ہو - میں اس برسات میں بھیگتا جا رہا تھا - اٹیچی کیس کے ہینڈل پہ میری گرفت کمزور ہوتی جا رہی تھی - اٹیچی کیس میرے ہاتھ سے گر گیا - اور میں نے میز پر رکھی ناشتے کی ٹرے پر سے کپڑا ہٹاتے ہوئے کہا "چائے بنائے ٹھنڈی ہوئی جا رہی ہے!!"

میں اُسے اچھا نہ سمجھتے ہوئے بھی اُسے گھر سے نہ نکال سکا - نہ جانے اُس کی نظر میں کونسا جادو ہے - اور اس کے حسن میں کس قسم کی کشش ہے -

پھر نہ جانے کیوں اُس کے لئے ہمدردی کے جذبات میرے دل میں پیدا ہونے شروع ہو گئے - میں نے میز کو کھانے پینے کی چیزوں سے سجا دیا سویتا کی عادات اور اطوار کو ناپسند کرتے ہوئے بھی میں اُسے اپنے گھر سے نہ نکال سکا اور میں یہ بھی بھول چکا ہوں کہ اُس کے میرے گھر میں رہنے پر کس قسم کی چہ میگوئیاں ہو سکتی ہیں - میں اُسے اس طرح اپنے پاس رکھنا بھی نہیں چاہتا - مگر ساتھ ہی یہ بھی اندیشہ لگا ہوا ہے کہ کہیں جس طرح وہ اچانک آئی ہے چلی بھی نہ جائے - حسن و خوبصورتی کا جادو بھی کیا چیز ہے - انسان جان بوجھ کر زہر پینے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے سویتا واقعی زہر ہی ہے - مگر پھر بھی یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ ہی آپ میرے سُونے گھر میں نئی زندگی اور نئی بہاریں کیسے آ گئیں - ایسی بہار جس کے خزاں آلود انجام سے میں واقف ہوں مگر پھر بھی مجھ میں یہ ہمت نہیں کہ میں سویتا کو اپنے گھر سے نکال سکوں حالانکہ یہی میرے لئے بہتر ہے -

<u>وسائل ترقی و کامیابی</u>



انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے

کامیابی ان ہی کو ہوتی ہے جو رکاوٹوں سے نہیں گھبراتے

(از جناب غلام حسن خاں شیروانی)

دنیا میں کتنے ہی انسان ایسے ہیں جو کامیابی اور خوشحالی کے لئے ترستے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ ترقی کرنے کے بعد کامیاب اور خوشحال انسانوں کی صف میں دکھائی دیں مگر اس جذبہ کے باوجود اُن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ وہ حصولِ کامیابی کے لئے کونسے ذرائع اختیار کریں۔

ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قدرت نے ہر انسان میں ایسی صلاحیتیں پوشیدہ رکھی ہیں کہ اگر وہ اُنہیں کام میں لائے اور اُن سے فائدہ اٹھائے تو اُسے آسانی سے کامیابی کی شاہراہ مل سکتی ہے لیکن دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو قدرت کے اس عطیہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں بلکہ اُنکی زندگی اسی فکر اور تردد میں گزر جاتی ہے کہ وہ کامیابی کے لئے کونسا قدم اٹھائیں۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کامیابی کے راستہ پر قدم تو بڑھاتے ہیں لیکن جب مایوسی۔ رکاوٹوں اور پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے تو گھبرا جاتے ہیں اور اپنی ناکامیوں کا الزام قسمت کے سر تھوپ کر بیٹھ جاتے ہیں اور اتنی بات نہیں سوچتے کہ تقدیر اور قسمت اِس کا نام نہیں ہے کہ انسان ہار کر بیٹھ جائے اور پریشانیوں سے گھبرا جائے۔ یاد رکھیے انسان خود اپنی قسمت بناتا ہے۔ نپولین ابتدا میں ایک معمولی سپاہی تھا اُس نے ہمت سے کام لیکر اپنی قسمت بنائی تھی۔ راک فیلر اور ہنری فورڈ ابتدا میں معمولی مزدور تھے لیکن جد و جہد کی بدولت اپنی قسمت بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ گاندھی جی ایک ناکام بیرسٹر تھے لیکن مشکلات کا مقابلہ کر کے ہندوستان کے سب سے بڑے انسان بن گئے۔

ایک ایسا انسان جو کامیابی کا متلاشی ہے اُسے چاہیئے کہ سوچ سمجھکر اپنے لئے کام تجویز کرے۔ اپنے ارادوں کو بلند رکھے۔ یاس اور ناامیدی کو کبھی پاس بھی نہ پھٹکنے دے۔ ہمیشہ اپنا قدم آگے ہی بڑھاتا چلا جائے۔ پیچھے ہٹنے کا تصور بھی نہ کرے۔ خود اسلام بھی اِسی اصول کی تعلیم دیتا ہے

چنانچہ کون نہیں جانتا کہ خادمیں اسلام نے بے سر و سامانی کے باوجود کیسی اولوالعزمی اور ہمت سے کام لے کر دنیا کا نقشہ ہی بدل دیا تھا لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ہم راستہ کی دشواریوں سے کبھی شکستہ دل نہ ہوں۔ راستہ کے ہر پتھر سے زینہ کا کام لیں۔

اِسے نہ بھولیے کہ دنیا میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو مردانہ وار مشکلات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ امریکہ کے کروڑپتی راک فیلر کا مقولہ ہے کہ "ناتجربہ کاری۔ آرام طلبی اور راحت پسندی ترقی کی دشمن ہے لیکن ہوشمندی۔ صعوبت پسندی کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ جس شخص میں مشکلات کے مقابلہ کی ہمت ہے وہ کامیاب ہوگا۔ اور ضرور ہوگا"

آپ کے پاس اگر پیسہ نہیں ہے۔ تو ذرا بھی نہ گھبرائیے کیونکہ دنیا کے جتنے بھی کامیاب انسان ہیں اُن میں سے بیشتر شروع میں قطعی مفلس اور قلاش تھے اُنھوں نے ابتدا میں اپنے اوپر جبر کر کے تھوڑی بہت رقم پس انداز کی تھی۔ پھر اُسی رقم سے چھوٹا موٹا کاروبار شروع کیا تھا اور اسے بڑھاتے چلے گئے تھے۔ ایک کم مایہ انسان کو شروع میں واقعی بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن ہمت سے کام کرنے کے بعد آمدنی کی راہیں خود بخود پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔

چھوٹا وقار بھی کامیابی کے راستہ کا بہت بڑا پتھر ہے۔ بمبئی کلکتہ اور مدراس میں ایسے ہزاروں کامیاب تاجر موجود ہیں جنھوں نے سڑک کی پٹریوں اور گلیوں میں بیٹھ کر چھوٹا سا کاروبار شروع کیا تھا۔ اُنھوں نے جھوٹے وقار کو بالائے طاق رکھ کر لوگوں کی نکتہ چینی کی قطعی پرواہ نہیں کی تھی۔ پٹری سے اٹھ کر اُنھوں نے ہاتھ ٹھیلوں پر رکھ کر سامان بیچا۔ پھر چھوٹی دوکان لی۔ اور رفتہ رفتہ کامیاب اور بڑے تاجر بن گئے۔

مفلسی اور کم مائیگی کی شکایت نہ کیجیے۔ یہ ہرگز کامیابی کے راستہ میں مانع نہیں ہو سکتی۔ اگر مفلسی مانع ہوتی تو امریکہ کا سب سے بڑا کروڑپتی "اینڈریو کارنگی" ایک معمولی مزدور اور مفلوک الحال انسان سے کروڑپتی

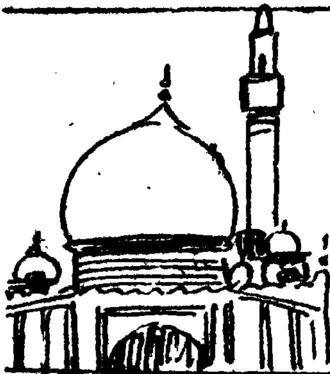
کبھی نہ بن سکتا۔ سکارنگی کی رائے ہے کہ "مفلسی اور تنگدستی بھی قدرت کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ یہی مجبور مجبور کر انسان کو ترقی کا راستہ دکھاتی ہے اور آگے بڑھاتی ہے" اور یہ رائے درست بھی ہے کیونکہ مفلس کو جب اپنی مفلسی کا احساس ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے مفلسی کی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرے پھر وہ اپنے مناسب حال کوئی نہ کوئی پیشہ یا ہنر اختیار کر ہی لیتا ہے۔ مفلسی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ انسان میں غیر معمولی قوت برداشت پیدا کر دیتی ہے اور جس انسان میں قوت برداشت پیدا ہو جائے وہ اگر ہمت واستقلال سے کام لے تو دنیا میں سب کچھ کر سکتا ہے۔ اور انگلستان کے نامور مفکر جارج برنارڈ شا کا کہنا ہے کہ "مفلسی کو گوارہ کر لینا ہی سب سے بڑی بدقسمتی ہے" چنانچہ جو لوگ مفلسی کو گوارہ کرنے کی بجائے اس کے خلاف جنگ کرتے ہیں وہ ضرور کامیاب ہوتے ہیں۔

مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے "قناعت" کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ لیکن ایک کامیابی کے متلاشی انسان کے لئے "قناعت" بدترین گناہ ہے۔ کامیاب انسان اپنی روزانہ زندگی کی ضرورتوں کے پورا ہونے پر کبھی مطمئن نہیں ہوتے کیونکہ انسان جس منزل پر بھی پہنچ کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ وہیں سے اس کی ترقیاں رک جاتی ہیں۔ بس ایک کامیاب انسان کا اصول یہ ہونا چاہئے کہ وہ برابر آگے بڑھتا چلا جائے۔ کامیابی کے متلاشی انسان کو چاہئے کہ وہ کارگاہ حیات میں خوب سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے خوب غور وخوض کرنے کے بعد اپنے لئے کام تجویز کرے اور کام شروع کرے تو آگے بڑھتا ہی چلا جائے راستہ کی پریشانیوں سے ذرا بھی نہ گھبرائے۔ انشاء اللہ وہ ضرور کامیاب ہو گا۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ ایک کامیاب انسان کو کبھی بھی مطمئن ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے بلکہ برابر آگے بڑھتا رہنا چاہئے چنانچہ موٹر کاروں کا شہنشاہ ہنری فورڈ جب ایک مزدور سے کروڑپتی بن گیا تو اس سے اس کے ایک دوست نے پوچھا کہ "اب جبکہ تمہارے پاس بے اندازہ دولت جمع ہو گئی ہے تو رات دن کام میں کیوں مصروف رہتے ہو" اس نے جواب دیا کہ "پہلے اپنی ذات کے لئے کام کرتا تھا اب اپنی جدوجہد سے دوسروں کو فائدہ پہنچاؤں گا" یہ ہے ایک کامیاب انسان کا اصلی کردار۔

مختصر یہ کہ انسان کو ہمیشہ مایوسی سے بچنا چاہئے۔ اور ہمت واستقلال کے ساتھ آگے بڑھنا چاہئے۔ کامیابی کی راہیں خود بخود روشن ہو جائیں گی۔

دنیائے اسلام پر ایک نظر



فلسطینی حکومت قائم ہو کر رہیگی

اسرائیل کا نام نشان مٹ جائے گا چین کی مسجدوں میں بھی اذانیں

(ہمارے سیاسی مبصر کے قلم سے)

فلسطینی حکومت قائم ہو کر رہے گی

تنظیم آزادیٔ فلسطین کے سربراہ جناب یاسر عرفات نے بیروت میں اخباری نمائندوں کو بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ "یہ ناممکن ہے کہ فلسطینی جیسی ایثار پیشہ اور جری قوم زیادہ مدت تک جلا وطنی کی زندگی گزارتی رہے۔ آج پوری دنیا کو فلسطینیوں سے ہمدردی ہے۔ فلسطین کی آزاد حکومت ایک نہ ایک روز قائم ہو کر رہے گی"

مشرق وسطیٰ میں قیام امن کی کوششوں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے یاسر عرفات نے کہا "مصر یا کسی عرب ملک کو علیحدہ ساتھ توڑ لینے سے مشرق وسطیٰ کا مسئلہ ہرگز حل نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے تو اور زیادہ پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں مشرق وسطیٰ میں قیام امن کی کوششوں کے سلسلہ میں ہر وقت میں صدر کارٹر سے بات چیت کے لئے تیار ہوں گا"

یاسر عرفات نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "یہ خیال غلط ہے کہ ہم اسرائیل کو سمندر میں دھکیل دینا چاہتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ فلسطینیوں کو بھی دوسروں کی طرح آزادانہ زندگی گزارنے کے لئے زمین کا کوئی خطہ دینا چاہئے اور ایسی حالت میں جبکہ پورا اسرائیل ہی فلسطینیوں کی زمین پر قائم ہے۔ تو اُسے سوچنا چاہئے کہ فلسطینی اس ناانصافی کو کب تک برداشت کرتے رہیں گے"

جناب یاسر عرفات کا فرمانا بجا اور درست لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ڈاکوؤں سے یہ توقع کرنا کہ وہ لوٹا ہوا مال خود ہی واپس کر دیں گے بالکل غلط ہے۔ اس کے لئے عربوں کو متحدہ اقدام کرنا ہوگا۔ خواہ اس کے لئے ایک نئی جنگ کیوں نہ لڑنی پڑے۔

اسرائیل کا نام و نشان تک مٹ جائے گا

اسرائیل کے ایک لیڈر جوزف ہارڈے کا ایک طویل بیان اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ جوزف کی رائے ہے کہ اگر اسرائیل نے عرب دشمنی کا رویہ تبدیل نہیں کیا تو وہ دن دور نہیں ہے جب اسرائیل کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ جوزف کی رائے ہے۔

"اسرائیل اس وقت امریکہ کی بدولت زندہ ہے۔ اگر امریکہ اسرائیل کی مدد سے پیچھے ہٹ جائے تو چند روز کے اندر اندر اسرائیل کا خاتمہ ہو سکتا ہے سوال یہ ہے کہ آخر ہم کب تک دوسروں کے سہارے زندہ رہیں گے اور ایسی زندگی قطعی بے معنی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟"

اپنے اس بیان میں جوزف ہارڈے نے کہا ہے کہ "اسرائیل ایک نوزائیدہ ملک ہے۔ جو چاروں طرف سے عرب ممالک سے گھرا ہوا ہے۔ اُس کے لئے بہتر ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو عرب ممالک سے اپنے تعلقات کو بہتر بنائے۔ اگر ہماری عربوں کے ساتھ دوستی نہیں ہو سکتی تو کم از کم ہمیں اُن کو دشمن تو نہ بنانا چاہئے۔ اس وقت حالات ایسے ہیں کہ اکثر و بیشتر عرب ممالک اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اور اگر کچھ دینے کے بعد بھی یہ سودا ہو جائے تو برا نہیں۔ مگر ہم تو عرب دشمنی پر تلے ہوئے ہیں جو آگے چل کر ہمارے لئے مہنگی پڑے گی"

جوزف ہارڈے نے جو کچھ کہا ہے اُس کی صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن اس اسرائیلی لیڈر کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسرائیل تو امریکہ کا ایک آلہ کار ہے جسے عربوں کے تیل پر قبضہ کرنے کے لئے امریکہ استعمال کر رہا ہے اور وہ اسی طرح استعمال کرتا رہے گا خواہ اُس کی بجائے اسرائیل [illegible] کچھ بھی کیوں نہ ہو کاش دوسرے اسرائیلی لیڈر بھی مسٹر جوزف ہارڈے کی [illegible]

چین کی مسجدوں میں پھر اذانیں

سوویت روس میں اسلام کے احیاء کی خبریں تو کئی سال سے برابر موصول ہو رہی ہیں۔ جن سے کہ اندازہ ہوتا ہے کہ اب روس کے مسلمانوں کو مذہبی معاملہ میں بڑی حد تک آزادی حاصل ہو گئی ہے اور روس کے کروڑوں مسلمان آزادی کے ساتھ اسلامی ارکان ادا کر رہے ہیں۔

اور اب تازہ اطلاع ہے کہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ملک یعنی چین میں بھی تیس سال کے بعد مسجدوں میں اذانیں گونجنے لگی ہیں۔ یاد رہے کہ چین کے گزشتہ انقلاب کے بعد چین کی مسجدوں میں یا تو تالے ڈال دئے گئے تھے یا انہیں کلبوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ لیکن اب تیس سال کے بعد چین کی موجودہ حکومت کا "مذہب دشمنی" کے معاملہ میں رویہ تبدیل ہو رہا ہے۔

تازہ ترین اطلاع ہے کہ چین کی موجودہ حکومت محتاط طریقہ پر اُن افراد کی ہمت افزائی کر رہی ہے جو اپنے اپنے مذاہب کی تعلیمات کے مطابق عبادت کرنے کے خواہش مند ہیں معلوم ہوا ہے کہ پورے چین میں گزشتہ پچیس سال سے جو مسجدیں۔ گرجا اور عبادت خانے بند چلے آ رہے تھے اب نئے سرے سے اُن کی مرمت اور تزئین و آرائش کا کام جاری ہے۔ اُنہیں دوبارہ آباد کیا جا رہا ہے۔ اور حکومت چین کی جانب سے مذہب پسند مسلمانوں۔ عیسائیوں اور بودھوں کی ہمت افزائی کی جا رہی ہے۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب پھر چین کی مسجدوں سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہونے لگی ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ چین کی اسلام دشمنی کے باوجود آج بھی چین میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ مذہب دشمنی کے دور میں یہ گھروں میں رہ کر عبادت کرتے رہے۔ اور اسلامی ارکان ادا کرتے رہے اور اب کھل کر سامنے آ گئے ہیں عام اندازے کے مطابق چین میں مسلمانوں کی تعداد آٹھ کروڑ اور دس کروڑ کے درمیان ہے۔

ایران میں قتل وخون کا بازار گرم

لندن سے شائع ہونے والے اخبار "گارجین" نے ایران کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اس وقت ایران میں ملاؤں کی ڈکٹیٹرشپ کا دور دورہ ہے ملاؤں کی مختلف گروہ سرگرم عمل ہیں۔ اور یہ ملا اپنے ہی حکم سے جس کو بھی چاہتے ہیں حکومت کے علم میں لائے بغیر خود ہی سزائے موت دے دیتے ہیں"

اس اخبار نے لکھا ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ "شاہ ایران ڈکٹیٹر بن گئے تھے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا اب ملاؤں کی شکل میں متعدد ڈکٹیٹر پیدا ہو گئے ہیں۔

پہلے اگر ایک ڈکٹیٹر تھا تو اب متعدد ڈکٹیٹر ایران میں قانون سے بالاتر ہو کر حکومت چلا رہے ہیں۔"

نامہ نگار مذکور نے جو کچھ لکھا ہے اُس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حال ہی میں صرف ایک دن کے اندر ان ملاؤں نے پندرہ بیس افراد کو مقدمات چلائے بغیر گولی کا نشانہ بنا دیا ہے۔ جن لوگوں کو گولی ماری گئی ہے اُن میں ایرانی ریڈ کراس کے سابق ڈائرکٹر اور متعدد افراد شامل ہیں۔ ریڈ کراس کے سابق ڈائرکٹر حبیب اللہ کو سرکاری رقم خورد برد کرنے کے الزام میں گولی سے اڑا دیا گیا ہے۔ آٹھ افراد کو بم بنانے کے الزام میں گولی کا نشانہ بنایا گیا ہے کچھ لوگوں پر یہ الزام تھا کہ اُن کے بعض عورتوں سے ناجائز تعلقات ہیں۔ غرض کہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ایران میں قتل عام جاری ہے۔

ایران کے وزیر اعظم مہدی بازرگان کے بارے میں پچھلے دنوں یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ حضرات ملاؤں کے عہدہ سے دستبردار ہو گئے ہیں لیکن معلوم ہوا ہے کہ ابھی وہ مستعفی نہیں ہوئے ہیں لیکن ایرانی ملاؤں کی ڈکٹیٹر شپ سے بے حد پریشان ہیں۔ اور وہ شاید زیادہ مدت تک ایرانی میں ملاؤں کی ڈکٹیٹر شپ نہیں برداشت کر سکیں گے۔ کیوں کہ اس ڈکٹیٹر شپ نے ایران میں عوامی بغاوت کے آثار پیدا کر دیئے ہیں۔

امریکی باشندے بھی اسرائیل سے بیزار

اسرائیل نے گزشتہ چار سال سے لبنان میں جس بربریت کا مظاہرہ کر رکھا ہے اور امریکہ اس کا حامی بنا ہوا ہے اُسے خود امریکہ کے بعض حلقوں میں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے خصوصیت کے ساتھ امریکہ کے سیاہ فام باشندوں کی طرف سے اس بربریت کی شدید مذمت کی جا رہی ہے چنانچہ حال ہی میں شکاگو میں امریکی سیاہ فام رہنما جیکسن نے لبنان پر اسرائیل کے پے در پے حملوں کو بدترین درندگی قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ۔

"محض توسیع پسندی کی غرض سے اسرائیل کی جنوبی لبنان پر بمباری ایک ایسا ظالمانہ فعل ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے جنوبی لبنان کے برباد شدہ گرجوں اور مسجدوں کو دیکھا ہے۔ امن پسند بے گناہ لبنانی باشندوں پر اسرائیل کی بمباری بربریت کا بدترین نمونہ ہے۔ جسے فوراً بند ہونا چاہئے۔ اسرائیل اپنی سرحدوں کا تحفظ تو چاہتا ہے لیکن برادر مسلم ممالک کی سرحدوں پر آگ اور خون کا کھیل کھیلنا کوئی گناہ نہیں سمجھتا۔ خود ہم امریکیوں کا بھی یہ فرض ہے کہ ہم اپنی حکومت پر دباؤ ڈال کر اسرائیل کی اس بڑھتی ہوئی درندگی کو ختم کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔"

امریکہ کے سیاہ فام باشندوں کے علاوہ امریکہ کے سفید فام باشندے بھی امریکہ کی اندھا دھند اسرائیل نوازی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھ رہے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ صرف ایک اسرائیل کی خاطر سب ہی عرب ممالک کو امریکہ سے بدظن کر لینا کوئی دانشمندانہ ڈپلومیسی نہیں ہے۔ اس سے امریکہ کو نقصان پہنچنے کے امکانات زیادہ ہیں۔

مگر صدر کارٹر ہیں کہ وہ اندھا دھند اسرائیل کی مدد کر رہے ہیں۔ اور ان کی غلط پالیسیوں سے امریکی عوام کی ہمدردیاں دن بدن کارٹر سے کم ہوتی جا رہی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ آنے والے انتخابات میں کامیاب بھی نہ ہو سکیں

افغانستان کی نئی حکومت بھی متزلزل

افغانستان کے سابق صدر نور محمد تراکی قتل کئے جا چکے ہیں۔ اور اب اُن کے بعد نئے صدر حفیظ اللہ امین کی حکومت بھی متزلزل ہے اُن کے اقتدار سنبھالتے ہی سازشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ ایک گروہ کو ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔

ان حقائق اور واقعات سے یہ بات ثابت ہے کہ افغانستان میں کوئی بھی اسلام دشمن حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ اُدھر اسلام پسندوں اور مجاہدین کو زبردست کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔ انھوں نے نہایت ہی اہم چوکیوں پر قبضہ جما لیا ہے۔ چنانچہ کابل کے گرد و پیش کے علاقوں کو چھوڑ کر باقی افغانستان کے بیشتر حصوں پر اسلام پسند قابض ہیں۔

کمیونسٹ پارٹی کمان نے نور محمد تراکی سے بذریعہ بزور اقتدار چھین کر محض اس لئے حفیظ اللہ امین کے حوالے کیا تھا کہ یہ زیادہ سختی سے کام لے کر اسلام پسندوں کو دبا سکیں گے لیکن ان کے خلاف اور بھی زیادہ طوفان کھڑا ہو گیا ہے۔ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ حفیظ اللہ امین کی حکومت کب تک قائم رہ سکے گی۔ کیونکہ افغانستان کے مجاہدین نے ان کے خلاف بھی ایک مشترکہ محاذ قائم کر دیا ہے۔ جس سے کہ نئے صدر بے حد پریشان ہیں۔

دلچسپ معلومات

حیرت انگیز اور عجیب و غریب انکشافات

(از ادارہ دین دنیا)

روحوں کا دنیا والوں سے تعلق

اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی چلی جا رہی ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اُس کی روح نہ صرف زندہ اور برقرار رہتی ہے بلکہ اُس کا اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے بھی تعلق برقرار رہتا ہے چنانچہ لندن کا ایک باشندہ جسے ۱۹۷۶ء میں قتل کر دیا گیا تھا۔ اُس کی روح نے اپنے قاتل کا نام و نشان بتا کر ماہرین روحانیات کے اس عقیدہ کو پختہ کر دیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی روحیں زندہ رہتی ہیں۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ لندن کے مضافات میں پارلی پیٹرن نامی ایک صناع رہتا تھا وہ اگست ۱۹۷۶ء میں قتل کر دیا گیا لیکن پولیس انتہائی کوشش کے باوجود اُس کے قاتل کا سراغ نہ لگا سکی لیکن اُس کی روح نے اپنی بیوی کے پاس آ کر سارے واقعات بیان کر دیئے یہاں تک وہ جگہ بھی بتا دی جہاں اُس کی لاش کو زمین میں دبایا گیا تھا۔

بیوی نے شروع میں تو روح کی باتوں کو واہمہ سمجھا لیکن جب شوہر کی روح نے بار بار آ کر اُسے پولیس میں اطلاع کرنے کی ہدایت کی تو اُس نے کارروائی شروع کر دی یہاں تک کہ لاش بھی برآمد ہو گئی اور قاتل بھی گرفتار ہو گیا۔ جس نے کہ عدالت میں اپنے جرم کا اقبال کر لیا۔

سب ہی بھائیوں کی ایک بیوی

یہ کسی دوسرے ملک کی بات نہیں ہے بلکہ ہمارے ہی ملک میں "لداخ" کے علاقہ میں سب ہی بھائیوں کی ایک ہی بیوی ہوتی ہے صرف بڑا بھائی شادی کرتا ہے اور اُس کی بیوی سب ہی چھوٹے بھائیوں کی بیوی تصور کی جاتی ہے لداخ میں مروجہ قانون وراثت کے مطابق کنبہ کا بڑا لڑکا ساری جائیداد کا وارث ہوتا ہے جائیداد میں مکانات زمین اور مویشی وغیرہ چیزیں شامل ہیں وہی پورے گھر کا سربراہ تصور کیا جاتا ہے۔ اور صرف اسی کو شادی کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اُس کے ہوتے ہوئے اُس سے چھوٹے بھائی شادی نہیں کر سکتے بس بڑے بھائی کی بیوی ہی سب بھائیوں کی بیوی ہوتی ہے۔ جو باری باری سے متعدد خاوندوں کے ساتھ ازدواجی زندگی نبھاتی رہتی ہے۔ آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہو گی کہ بھائیوں میں بیوی کے معاملہ پر کبھی کوئی جھگڑا اور تلخی پیدا نہیں ہوتی مشترکہ بیوی خود ہی اپنے پرائیویٹ معاملات کو سنبھالتی ہے اور اپنے کئی کئی خاوندوں کو مطمئن رکھتی ہے۔ اور اُس سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ سب بھائیوں کی مشترکہ اولاد تصور کی جاتی ہے۔

برہنہ عورتوں کے جلوس

اٹلی، اسپین، جرمنی اور دوسرے یورپین ممالک میں دس دس اور پندرہ پندرہ عورتیں مادر زاد برہنہ ہو کر جلوس بنا کر نکل رہی ہیں۔ اِن عورتوں کا مطالبہ ہے کہ کیوں کہ مادر زاد برہنگی انسان کا پیدائشی حق ہے اس لئے اُنہیں گھروں سے باہر مادر زاد برہنہ ہو کر نکلنے کی قانوناً اجازت دی جائے۔ پولیس اِن مادر زاد برہنہ عورتوں کو گرفتار کر کے اور زبردستی کپڑے پہنا کر لے جاتی ہے۔ اور اُن پر اخلاقی سوزی کے جرم میں مقدمے چلائے جاتے ہیں۔

یہ محض اس لئے ہو رہا ہے کیوں کہ یورپ کی عورتوں میں مادر زاد برہنہ رہنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ پہلے تو یہ عورتیں گھروں کی چہار دیواری میں مادر زاد برہنہ رہتی تھیں لیکن اب یہ گھروں سے نکل کر سڑکوں پر آ رہی ہیں۔ معلوم نہیں کہ تہذیب جدید مزید کن کن لوازمات سے دنیا کو روشناس کرائے گی۔

شوکت علی



سلطان ابراہیم عثمانی





یہودی پادری "مسجد اقصیٰ" (بیت المقدس) میں نماز پڑھ رہے ہیں
بیت المقدس پر آجکل ان کے "نئے دوست" اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ ہے۔





سابق شاہ ایران کینسر کے مرض میں مبتلا ہوں [illegible]
اور آجکل نیویارک میں زیر علاج ہیں



سعودی عرب کے بادشاہ "شاہ خالد" سنگ اسود کو بوسہ دینے کے لئے جھک رہے ہیں۔



عراق کے کردوں کے لیڈر "مصطفیٰ البرزانی" (سفید لباس میں) عراق کے صدر "صدام حسین" کے ساتھ اتحاد کا عہد کر رہے ہیں۔



مسز اندرا گاندھی- مسز مہر قاسم کے ہمراہ



یہ ھیں وزیراعظم ''شری چرن سنگھ''
انہیں بھنگڑا ناچ کا بھی شوق ھے



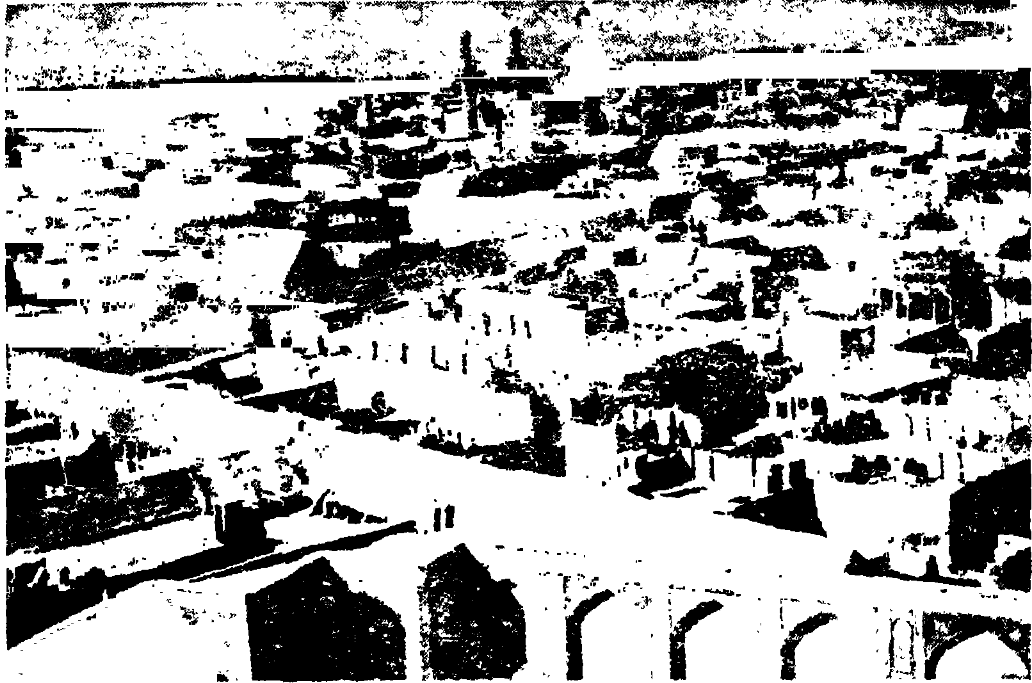
کانگریس (یو) کی جنرل سیکریٹری
''تارکیشوری سنہا''



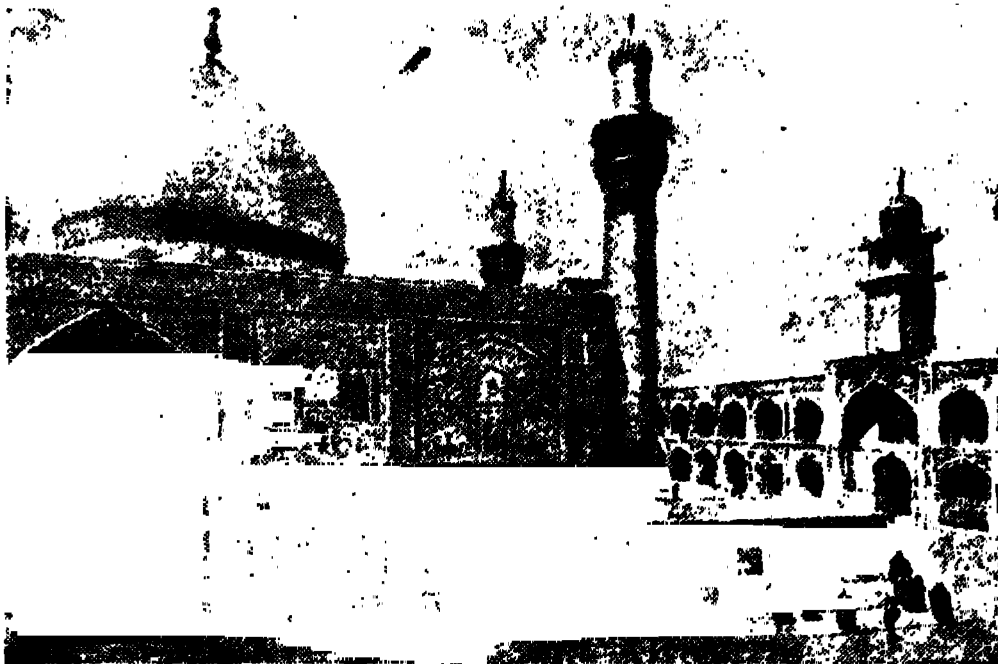
”دھری بھوگنا“ اندرا کانگریس میں شامل ہوگئے ہیں۔ اس تصویر میں وہ
مسز نندنی ست پتھی اور مسٹر شنکر رے کے ہمراہ ہیں



نامور مکہ باز ”محمد علی“ اور ان کی نئی یورپین بیوی ”ورونیکا“



"کربلائے معلیٰ" وسط میں حضرت امام حسین کا مزار مبارک نظر آرہا ہے۔



"نجف اشرف" (عراق) میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کا روضہ مبارک

قائم شدہ ۱۹۲۱ء | اشاعت کا انسٹھواں سال | ٹیلیفون ۔ ۲۶۲۳۴۵

ہندوستان کا سب سے قدیم اور کثیر الاشاعت تاریخی اور اصلاحی جریدہ

ماہنامہ

دین دنیا

دہلی

(ایڈیٹر شوکت علی فہمی)

جلد ۵۹ | دسمبر ——— ۱۹۷۹ء | نمبر ۱۲



قیمت فی پرچہ

ایک روپیہ پچھتر پیسے

پاکستان بنگلہ دیش اور برما سے باشٹھ روپے

غیر ممالک سے دو پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ دین دنیا

دین دنیا ہاؤس متصل جامع مسجد دہلی

وی ۔ پی منگانے کا سوا تین روپے کا زائد خرچ ہے اس لئے منی آرڈر بھیجئے

قیمت سالانہ

اٹھارہ روپے

ششماہی

دس روپے

مفتی شوکت علی فہمی ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے اپنے خواجہ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر دین دنیا جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔



رفتارِ زمانہ

(از شوکت علی نعمی)

خانہ کعبہ پر حملہ

حرم شریف کی بے حرمتی پر عالمگیر اضطراب

حال ہی میں حرم شریف پر مسلح بے دینوں کا حملہ ہوا ہے۔ اُس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ خارجیوں یا بے دین لوگوں کا حملہ ہے۔ یا کوئی گہری سیاسی سازش ہے جو کسی ناپاک مقصد کے تحت سعودی حکومت اور مسلمانانِ عالم کے خلاف کی گئی ہے۔ بہرحال حرم شریف پر اِس مسلح حملہ نے پوری دنیائے اسلام میں شدید اضطراب برپا کر دیا ہے۔ چنانچہ قاہرہ۔ اسلام آباد۔ استنبول خرطوم۔ سنگاپور۔ کوالالم پور۔ ڈھاکہ اور دوسرے تمام اسلامی ملکوں کی دارالحکومتوں سے جو اطلاعات چلی آ رہی ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ اِس سانحہ نے پوری دنیائے اسلام میں شدید بے چینی پیدا کر دی ہے۔ خود ہندوستان میں بھی شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک شدید اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اور مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ نہ صرف حملہ آوروں کو کیفرِ کردار کو پہنچایا جائے بلکہ اُس سازش کو بھی بے نقاب کیا جائے جس کے تحت یہ مسلم آزار سانحہ رونما ہوا ہے۔

سعودی حکومت نے اِس المناک سانحہ کے سلسلے میں جو بیان دیا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام سے منحرف بعض لوگوں کے ایک گروہ نے مسلح ہو کر یکم محرم مطابق ۲۲ نومبر کو نمازِ فجر کے وقت حرم شریف میں داخل ہو کر دھاوا بول دیا۔ ان کے پاس اسلحہ اور گولہ بارود بھی موجود تھا۔ حرم شریف میں داخل ہو کر انھوں نے وہاں نماز کے لئے موجود افراد سے ایک شخص کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ مہدئ موعود ہیں ان کے ہاتھ پر بیعت کر دو اور بندوقیں تان کر اُن کی گردنیں اِس خانہ ساز مہدئ موعود کی جانب جھکانے کی کوشش کی اور اس طرح حرم شریف میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ اور متعدد نمازیوں کو جو حرم شریف میں موجود تھے بندوق کی نوک پہ یرغمال بنا لیا یعنی یہ حملہ آور ایک خانہ ساز مہدئ موعود کو بھی اپنے ساتھ لیکر آئے تھے اور انھوں نے طاقت کے بل پر نمازیوں کو اِس پر ایمان لانے کے لئے مجبور کیا تھا۔

حملہ آوروں کی صحیح تعداد تو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکی ہے لیکن اتنا ضرور پتہ چلا ہے کہ یہ کافی تعداد میں تھے اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِن کی تعداد ایک ہزار تک تھی۔ اور کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ اِن کی تعداد پانچ سو یا چھ سو تھی۔ ہتھیاروں اور گولہ بارود سے بھرے ہوئے تین چار ٹرک یہ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے جو حرم کے باہر کھڑے تھے اور اِن ہی ٹرکوں سے انہیں ہتھیار اور گولہ بارود سپلائی کیا جاتا رہا۔ اور اِن تمام واقعات سے بجا طور پر یہ نتیجہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ محض بے دین لوگوں کا حملہ نہیں تھا۔ بلکہ ایک گہری سازش تھی جس کا کہ انکشاف جلد ہی ہو جائے گا۔

ہمکو خوشی ہے کہ اِس فتنہ پر قابو پا لیا گیا ہے۔ چنانچہ سعودی عرب کے وزیر داخلہ شہزادہ نائف بن عبدالعزیز نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ مسجدِ حرام کی صورتِ حال قابو میں ہے فوج نے حملہ کر کے بہت سے دہشت پسندوں کو ہلاک یا زخمی کر دیا ہے۔ اور گرفتار کر لیا ہے۔ اِس کے علاوہ حرم میں محصور بہت سے یرغمالوں کو بھی رہا کرا لیا گیا ہے۔ لیکن ریاض ریڈیو نے اطلاع دی ہے کہ

بیت اللہ شریف کی عمارت میں ابھی تک کچھ حملہ آور موجود ہیں جو حرم شریف کے گوشوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور اُن کے قبضہ میں ابھی تک بہت سے نمازی بطور یرغمال ہیں۔ ایک غیر مصدقہ اطلاع یہ بھی ہے کہ سعودی سپاہیوں کی حملہ آوروں کے ساتھ باقاعدہ جنگ بھی ہوئی ہے جس میں کہ سیکڑوں افراد مارے گئے ہیں اور ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ امام حرم کو بھی حملہ آوروں نے شہید کر دیا ہے۔

سعودی عرب کے وزیر اطلاعات نے مسلمانانِ عالم کو آگاہ کیا ہے کہ یہ کرائسیس زیادہ تشویشناک نہیں ہے انشاء اللہ جلد ہی ختم ہو جائے گا صورت حال پر پوری طرح قابو پا لیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حملہ آور سعودی عرب ہی کے باشندے ہیں اور دیگر دیگر ممالک کے کچھ شہری بھی اُن کے ساتھ شامل تھے تو انہیں گرفتار کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح سعودی نیوز خبر رساں ایجنسی نے حملہ آوروں کو سعودی باشندہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اُس قبیلہ کے لوگ ہیں جنہوں نے کہ اس سے پہلے بھی ایک دفعہ ۱۹۷۰ء میں حملہ کر کے بیت اللہ شریف پر قبضہ کرنا چاہا تھا۔

حملہ آوروں کا تعلق خواہ سعودی عرب سے ہو یا کسی بیرونی ملک سے لیکن صرف بدعقیدگی کی بنا پر یا بے دینی کے جذبہ کے ماتحت اُن کا خانہ کعبہ جیسے اہم دینی مقام پر حملہ آور ہونا اور نمازیوں کو یرغمال بنا لینا۔ اور نتائج سے لاپرواہ ہو کر اپنے آپ کو موت کے منہ میں جھونک دینا کم از کم ہمارے لئے تو ناقابل فہم ہے۔ ایسی حرکتیں یا تو جنونیوں اور پاگلوں سے سرزد ہو سکتی ہے یا وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کا کوئی نہایت ہی خطرناک پلان ہو۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اگر چند ملحد عربوں یا پڑوسی ملکوں کے بے دینوں کی یہ شرارت ہے تو اُن کے پاس لاکھوں روپیہ کے جدید ترین ہتھیار کہاں سے آ گئے۔ جو انھوں نے استعمال کئے ہیں۔ ایسی قیمتی ہتھیار تو صرف بڑی بڑی حکومتوں ہی کے پاس ہوا کرتے ہیں۔ اور ہتھیار بھی کم تعداد میں نہیں تھے بلکہ اُن ہتھیاروں سے تین چار ٹرک بھرے ہوئے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان تین چار ٹرکوں کے علاوہ مزید ٹرک بھی ہتھیاروں سے بھرے ہوئے کسی قریبی مقام پر موجود ہوں۔ ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی شبہ ہو رہا ہے کہ یہ صرف بے دینوں یا کسی نام نہاد مہدی مرعود کے پاگل مقلدوں کا حملہ نہیں ہے بلکہ حکومت سعودی عرب اور مسلمانانِ عالم کے دینی مرکز بیت اللہ شریف کے خلاف ایک نہایت ہی گہری سازش ہے سب ہی کو معلوم ہے کہ اس زمانہ کی نہایت خطرناک اور گندی بین الاقوامی سیاست یہ ہے کہ جب کسی ملک کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے یا اُس کی جڑیں کھوکھلی کرنی ہوتی ہیں تو اُس ملک کے ضمیر فروش عناصر کو خرید لیا جاتا ہے۔ اور اکثر و بیشتر ممالک میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ گرفتار شدہ حملہ آوروں کے ذریعہ پوری طرح سارے معاملہ کی تحقیقات کی جائے۔ اُن کو سزا دینے میں جلدی نہ کی جائے۔ اور صرف یہی نہ سمجھا جائے کہ یہ چند بے دینوں کی حرکت ہے۔ ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ سعودی حکومت کے زعما اس معاملہ کی تہہ تک پہنچنے میں کوئی کوشش نہیں اٹھا رکھیں گے۔

آخر میں ہماری دعا ہے کہ خدا اُس سعودی حکومت کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھے جو بیت اللہ اور خانہ کعبہ کی محافظ ہے۔ اور دنیائے اسلام میں ایک سچی اسلامی حکومت کا نمونہ ہے اور جس کے سامنے بڑی سے بڑی جمہوری حکومتیں بھی گرد ہیں۔

سب ہی پارٹیوں کو مسلمانوں سے عشق

اگلے چند ہفتوں کے بعد ملک میں انتخابات ہونے والے ہیں اور اب حسب معمول سب ہی سیاسی پارٹیوں نے مسلمانوں کے ساتھ اُسی طرح والہانہ محبت کا اظہار کرنا شروع کر دیا ہے جس طرح کہ گذشتہ انتخابات کے موقعہ ہوتا رہا ہے۔ مسلمان بھولے نہیں ہوں گے کہ ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے موقعہ پر جس پارٹی نے مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ "عشق" کا اظہار کیا تھا وہ جنتا پارٹی تھی۔ اس کے انتخابی منشور میں مسلمانوں کے سب ہی مطالبات شامل تھے اور مسلمانوں نے بھی اسے دل کھول کر ووٹ دیئے تھے لیکن وزارت کی کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد اسی جنتا پارٹی نے مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا مسلم یونیورسٹی کا بیڑا غرق کر دیا۔ اردو کے بارے میں مرارجی ڈیسائی نے فرمایا کہ چونکہ ملک کا اکثریتی طبقہ اردو کا مخالف ہے اس لئے اردو کے لئے کچھ نہیں کیا جا سکتا اور جنتا حکومت کے وزیر داخلہ چرن سنگھ نے اردو کے بارے میں یہ انکشاف فرمایا کہ یہ ایک غیر ملکی زبان ہے جسے منگول اس ملک میں اپنے ساتھ لائے تھے۔ مسلمان اس سے قبل کی حکومتوں میں تو صرف مسلم پرسنل لا کا رونا رویا کرتے تھے لیکن جنتا حکومت میں "مذہبی آزادی بل" کے نام سے ایک ایسا قانون لانے کی کوشش کی گئی جس کے ذریعہ از روئے قانون مسلم پرسنل لا کا تو ذکر ہی کیا ہے اسلام ہی کا گلا گھونٹ دیا گیا تھا۔ اب رہا فسادات کا معاملہ تو جنتا دور میں جمشید پور اور علی گڑھ

میں ایسے طوفانی فسادات ہوئے ہیں جو مہینوں جاری رہے ہیں اور جنھوں نے تمام سابقہ فسادات کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ ان حقائق سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس ملک کی سیاسی پارٹیاں انتخابات سے قبل مسلمانوں سے جو وعدے کیا کرتی ہیں اُن کا حشر کیا ہوتا ہے۔

اب پھر انتخابات کا نیا مرحلہ سامنے ہے۔ اور ہر سیاسی پارٹی مسلمانوں کے ووٹوں کے وزن کو محسوس کر رہی ہیں۔ اور سب ہی سیاسی پارٹیوں کے زعما کے مسلم مطالبات کے بارے میں جو بیانات شائع ہو رہے ہیں وہ بے حد امید افزا ہیں۔ اردو مسلم یونیورسٹی۔ مسلم پرسنل لا فسادات اور نوکریاں اور دوسرے تمام مطالبات کے سلسلہ میں بڑھ چڑھ کر وعدے کیے جا رہے ہیں۔ لیکن انتخابات کے بعد ان وعدوں کا کیا حشر ہوگا اُس کے بارے میں اِس وقت کہنا بہت ہی دشوار ہے۔

ہم مسلمانوں سے پہلے بھی کہتے رہے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ حقوق مانگنے سے نہیں ملا کرتے بلکہ طاقت اور قوت سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ اور اُس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک پلیٹ فارم ہو ایک آواز ہو مسلمانوں کی سب ہی پارٹیاں متحد ہو کر قدم بڑھائیں اور اپنی متحدہ طاقت سے حقوق حاصل کریں۔ ہمیں پچھلے دنوں اطمینان ہوا تھا کہ مسلم مجلس مشاورت نے اس سمت میں ایک تعمیری قدم اٹھایا تھا۔ اور وہ چند مسلم پارٹیوں کو جمع کرنے میں کامیاب بھی ہوگئی تھی۔ اور انتخابات کے سلسلہ میں ایک مسلم نیشنل فرنٹ بھی بن گیا تھا۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ اس وقت تک اِس مسلم نیشنل فرنٹ کی کوئی کارکردگی ہمارے سامنے نہیں آسکی تھی اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ بھی پہلے کی طرح مسلم ووٹ مختلف سیاسی پارٹیوں میں بٹ جائیں گے اور مسلمان حالیہ انتخابات سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

جہانتک ہم نے مسلم رائے عامہ کا جائزہ لیا ہے ہمارا خیال ہے کہ جنتا پارٹی مشکل ہی سے مسلمانوں کے گنے چنے ووٹ لے سکے گی۔ مسلمانوں میں جنتا پارٹی کی عدم مقبولیت کا واحد سبب صرف یہی نہیں ہے کہ اِس پارٹی نے مسلمانوں سے وعدہ خلافی کی ہے بلکہ مسلمان اِس پارٹی سے اس لئے بھی بدظن ہیں کیونکہ یہ پارٹی اُن جن سنگھیوں اور راشٹریہ سنگھیوں کا گروپ بن کر رہ گئی ہے جو مسلمانوں کے راشٹریہ کرن ہی کا نہیں بلکہ اسلام کے راشٹریہ کرن کا بھی نعرہ لگاتا رہا ہے

اب رہی چرن سنگھ کی لوک دل پارٹی" جس میں کانگریسی زعما بھی شامل ہیں۔ اور مسز اندرا گاندھی کی "آئی کانگریس" اِن ہی دونوں پارٹیوں میں مسلمانوں کے ووٹ تقسیم ہونگے اور اُن میں سے جو پارٹی بھی مسلمانوں کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہوجائے گی۔ وہ مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرسکے گی۔ لیکن اِن دونوں ہی پارٹیوں کے زعما کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اب مسلمانوں کو زیادہ مدت تک وعدوں کے ذریعہ بہلایا نہیں جاسکے گا۔ اِن دونوں ہی پارٹیوں کے زعما کو چاہیے کہ وہ گذشتہ واقعات سے سبق لیں۔ اور اس بات کو سمجھ لیں کہ مسلم اقلیت کو نظر انداز کرکے کوئی پارٹی بھی اس ملک میں مستحکم حکومت نہیں بنا سکے گی اور اگر بنا بھی لے گی تو اس کا حشر وہی ہوگا جو جنتا حکومت کا ہو چکا ہے۔

ایران میں نئے اسلام کا ظہور

اسلام کے بارے میں جہاں تک ہمیں معلوم ہے یہ امن پسندوں کا مذہب ہے اسلام جنگ خونریزی اور انتقام کا شدید مخالف ہے۔ رسول مقبول صلعم۔ خلفائے راشدین، اور صحابہ کرام نے دنیا کے سامنے جو اسلام پیش کیا ہے وہ سرتا پا امن اور سلامتی کا پیغام ہے۔ لیکن ایران میں اسلام کو جس طرح مسخ کرکے اور انتقام پسندوں کا مذہب بنا کر پیش کیا جا رہا ہے اُس سے ساری دنیا میں اسلام کی رسوائی ہو رہی ہے۔

اِس وقت ایران میں آیت اللہ خمینی کے علاوہ درجنوں آیت اللہ پیدا ہو گئے ہیں اور یہ ملا دنیا کے سامنے اسلام کو جس غلط رنگ میں پیش کر رہے ہیں وہ ایران کے مٹھی بھر ملاؤں کا کوئی خانہ ساز مذہب تو ہو سکتا ہے لیکن اسلام سے اِس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ ان ایرانی ملاؤں کے خانہ ساز مذہب سے تنگ آکر ایران کے وزیر اعظم ڈاکٹر مہدی بازرگان نے بھی یہ کہتے ہوئے استعفیٰ دیدیا ہے کہ "میرے لئے ایرانی ملاؤں کے ساتھ چلنا دشوار ہے"

ڈاکٹر مہدی بازرگان ایران کے حالیہ انقلاب کے بعد پہلے وزیر اعظم تھے جو آیت خمینی کے مقربین میں شمار کیے جاتے ہیں لیکن اب وہ بھی آیت اللہ خمینی اور ایران کے دوسرے ملاؤں سے تنگ آچکے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ ڈاکٹر مہدی بازرگان کے مستعفی ہونے سے قبل دوسرے کئی ایرانی وزرا بھی استعفیٰ دے چکے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اب ایرانی مدبرین بھی ایرانی ملاؤں کی تنگ نظری سے بیزار ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر مہدی بازرگان کے استعفیٰ کے بعد ایران کے موجودہ سربراہ

آیت اللہ خمینی نے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ انہیں وزارت عظمیٰ کا کام چلانے کے لئے کوئی دوسرا وزیر اعظم مل جائے لیکن ایران کی حالت اتنی خراب ہے کہ وہاں کا کوئی بھی مدبر ایران کی وزارت عظمیٰ کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے تیار نہیں۔ آخر آیت اللہ خمینی کو مجبور ہو کر وزارت عظمیٰ کی ذمہ داریاں۔ ایران کی اس انقلابی کونسل کے سپرد کر دینی پڑی ہیں جس پر کہ کلیتاً ایرانی ملا قابض ہیں گویا ایران دنیا کا پہلا ملک ہے جسے وزیر اعظم بھی میسر نہیں۔ اور اب ایران کی حکومت چند ایسے ملا چلا رہے ہیں۔ جن کا کہ سیاست سے دور کا بھی تعلق نہیں رہا جو شائد اسلام سے بھی نابلد ہیں

اس وقت ایران میں جتنے بھی "آیت اللہ" یعنی ملا موجود ہیں وہ اپنے آپ کو حضرت علی کرام اللہ وجہہ کا مقلد بتاتے ہیں۔ حضرت علی کا کردار تو یہ تھا کہ آپ نے مرنے سے قبل اپنے قاتل کے ساتھ بھی نرمی کے سلوک کی وصیت فرمائی تھی لیکن ان نام نہاد حضرت علی کے مقلدوں کی انتقام پسندی کا یہ عالم ہے کہ یہ معزول شاہ ایران کو جو آجکل کینسر کے موذی مرض میں مبتلا ہیں بستر علالت سے کھینچ کر بیماری کی حالت ہی میں ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتے ہیں۔

حضرت علی اپنے دور کے بہت بڑے فاتح تھے وہ جس ملک میں بھی فاتح کی حیثیت سے داخل ہوتے تھے اس ملک کے باشندوں کو پناہ دیدیتے تھے۔ اور فوج کے لئے ان کا حکم یہ تھا کہ کسی مفتوح کے ساتھ بھی زیادتی نہ کی جائے۔ لیکن حضرت علی کے ان نام نہاد مقلدوں کی حالت یہ ہے کہ اپنے ہی ملک کے سب ہی فوجی اور سول اعلیٰ حکام کو انھوں نے محض اس جرم میں گولی کا نشانہ بنا دیا ہے کیونکہ وہ سابق شاہ ایران کے زمانہ میں اعلیٰ عہدوں پر مامور تھے۔ اور اسطرح اپنے ہی ملک کی بنیادوں کو انھوں نے کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔

جہاں تک آیت اللہ خمینی اور ان کے ساتھی ملاؤں کی حکومت کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں تو یہ یقینی ہے کہ یہ ختم ہو کر رہے گی۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ان ملاؤں کی غلط کاریوں سے ساری دنیا میں اسلام کی رسوائی ہو رہی ہے اور یہ ملا اس قسم کا غلط تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام انتقام پسندوں اور جابروں کا مذہب ہے۔

ضرورت ہے کہ سب ہی اسلامی حلقوں کی جانب سے آیت اللہ خمینی اور ان کے حواریوں کی تشدد پسندی اور اسلام کے منافی حرکتوں کی شدید مذمت کی جائے۔ بلکہ اسلامی ممالک اور خصوصاً عرب ممالک کو ان ملاؤں کو سختی کے ساتھ متنبہ کرنا چاہیے

راشٹریہ سنگھ "معصوموں کی جماعت"

سب ہی کو معلوم ہے کہ سابق وزیر اعظم مرارجی ڈیسائی کی حکومت کا تختہ راشٹریہ سنگھ کی اندھا دھند حمایت کی بدولت الٹ دیا گیا ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ پھر بھی انھوں نے کوئی سبق نہیں لیا۔ اور وہ آج بھی راشٹریہ سنگھ کو معصوموں کی جماعت ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں چنانچہ آپ نے حال ہی میں نئی دہلی کے پارلیمانی حلقوں میں جنتا پارٹی کی انتخابی مہم کا آغاز کرتے ہوئے اپنی ایک تقریر میں راشٹریہ سنگھ کو معصومیت کا سارٹیفکٹ دیتے ہوئے فرمایا ہے

"اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ راشٹریہ سنگھ فرقہ پرست جماعت ہے اور وہ فرقہ وارانہ فسادات میں ملوث ہے تو میں اس کے لئے ہر قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ آر۔ ایس ایس کو فرقہ پرست کہنے والے در اصل خود ہی فرقہ پرست ہیں۔ اس طرح وہ اس جماعت کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکا رہے ہیں"

مرارجی جو راشٹریہ سنگھ کی حمایت کی بدولت اپنی وزارت عظمیٰ تک گنوا چکے ہیں اب ان کے پاس رکھا ہی کیا ہے کہ وہ راشٹریہ سنگھ کو فرقہ پرست ثابت کرنے والوں کو کوئی قیمت چکا سکیں گے لیکن پھر بھی ہم ثابت کئے دیتے ہیں کہ یہ ملک کی بدترین فرقہ پرست جماعت ہے۔ ملک کا کوئی بھی فرقہ وارانہ فساد ایسا نہیں ہے۔ جس میں کہ راشٹریہ سنگھ ملوث نہ ہو اور اس کے دامن پر بے گناہ مسلمانوں کے خون کے دھبے نہ ہوں۔ مثال کے طور پر علیگڑھ اور جمشید پور کے تازہ فسادات ہی کو لے لیجئے یہ چیز ریکارڈ پر آ چکی ہے کہ علی گڑھ کے فرقہ وارانہ فسادات کا سب سے بڑا سرغنہ نومان ہے اور اسی طرح جمشید پور کے فسادات کا سب سے بڑا محرک دریا ناتھ پانڈے ہے یہ دونوں ہی پرانے راشٹریہ سنگھی ہیں۔ اور جن کی درازدستیوں کی داستانیں مسلم اخبارات ہی میں نہیں غیر مسلم اخبارات میں بھی تفصیل کے ساتھ شائع ہوتی رہی ہیں۔

اور اس سے بھی بڑھ کر راشٹریہ سنگھ کے فرقہ پرست ہونے کا ثبوت راشٹریہ سنگھ کے بڑے گرو جی شری گولوالکر کی کتابیں ہیں۔ جو راشٹریہ سنگھیوں کے لئے راشٹریہ سنگھ کے آئین اور دستور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان ہی کتابوں میں سے ایک کتاب "آور نیشن ہڈ ڈیفائنڈ" بھی انگریزی زبان میں ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ یہ بڑے گرو جی اس ملک میں فرقہ پرستی

کی آگ کو بھڑکانے کی غرض سے اور اس ملک کے ہندو مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔

"قبل از تاریخ کے زمانہ سے اس ملک میں پراچین ہندو نسل آباد ہے اس کی ایک سانجھی ناقابلِ تقسیم ثقافت ہے۔ سلفی رسم و رواج ہیں۔ یہ ہندو قوم ہندو دھرم کو مانتی ہے اس لئے ہندوستان ہندوؤں ہی کا دیش ہے یہاں صرف ہندو ہی کو رہنا چاہئے۔ جو لوگ کہ اس قومی نسل یعنی ہندو نسل میں شامل نہیں ہیں۔ انہیں اس ملک کے قومی جیون میں حصہ لینے کا تب تک کوئی حق حاصل نہیں ہو سکتا جب تک، کہ وہ مکمل طور پر اپنے آپ کو اس قومی نسل میں مدغم نہ کر دیں (یعنی ہندو نہ بن جائیں) لیکن وہ جب تک علیحدہ مذہب اور سنسکرتی کو اپنائے بیٹھے ہیں تب تک وہ بدیشی ہی رہیں گے۔"

مرارجی اوپر کی عبارت کو بغور پڑھیں۔ اور اندازہ لگائیں کہ راشٹریہ سنگھیوں کے گروجی نے کیسی دیدہ دلیری کے ساتھ ہر غیر ہندو کو وطن عزیز کے جملہ حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ یہ بدترین فرقہ پرستی نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ اور اسی کتاب میں ان بڑے گروجی نے اپنے مقلد ہندوؤں کو یہ بھی ہدایت کی ہے کہ جس طرح اپنی قوم کو پیور کرنے کے لئے ہٹلر نے اپنے ملک سے یہودیوں کو نکال دیا تھا اسی طرح تم بھی تمام غیر ہندوؤں کو اس ملک سے نکال دو۔ پھر ان ہی گروجی نے ایک دوسری کتاب "ہندو راشٹر" شائع کی ہے۔ جس میں کہ یہ فرماتے ہیں کہ "ہندوستان کے آئین بنانے والوں نے اس ملک کے حملہ آوروں (یعنی مسلمانوں) اور دھرتی کے بیٹوں کو یکساں آئینی حقوق دے دئے ہیں۔ جیسے کہ کوئی شخص اپنی اولاد اور گھر میں گھسنے والے چوروں اور ڈاکوؤں کو مساوی حقوق دے کر اپنی ساری املاک جائداد ان میں برابر تقسیم کر دیتا ہے۔"

گویا راشٹریہ سنگھیوں کے گروجی کے نزدیک اس ملک کے سب ہی مسلمان چوروں اور ڈاکوؤں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو یہ صرف بدترین فرقہ پرستی نہیں ہے بلکہ کھلی ہوئی اس ملک کے دس کروڑ مسلمانوں کی دل آزاری ہے جس کے خلاف قانون کو حرکت میں آنا چاہئے لیکن حیرت ہے کہ ان زہر میں بجھے ہوئے راشٹریہ سنگھیوں کے نظریات کے باوجود مرارجی ڈیسائی۔ راشٹریہ سنگھ کو معصوموں کی جماعت قرار دے رہے ہیں یہ ہے ہمارے ملک کے اس سابق وزیر اعظم کی ذہنیت۔ اور اسی پست ذہنیت کی بدولت انہیں وزارت عظمیٰ سے محروم ہونا پڑا ہے

انتخابات میں خون خرابے کا اندیشہ

"پریس ایشیا انٹرنیشنل" کے نامہ نگار کا ایک مقالہ پچھلے دنوں اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ اس مقالہ میں نامہ نگار نے یہ بتایا تھا کہ اس وقت۔ بی۔ بی۔ سی لندن۔ وائس آف امریکہ اور مختلف غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں کے جو نامہ نگار ہندوستان میں ہونے والے انتخابات کی خبریں حاصل کرنے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ہندوستان کے سب ہی علاقوں میں گھوم پھر کر یہ اندازہ لگایا ہے کہ اس مرتبہ لوک سبھا کے انتخابات میں خون خرابہ اور تشدد کے واقعات کا بہت زیادہ اندیشہ ہے اور ان نامہ نگاروں کا خیال ہے کہ اس ملک کے بہار جیسے چند صوبے تو آتش فشاں کے دہانے پر کھڑے ہیں وہاں کسی وقت بھی تشدد پھوٹ پڑ سکتا ہے۔

اور اسی نامہ نگار کا یہ بھی بیان ہے کہ وزارت داخلہ اس بات سے بے حد فکرمند ہے کہ اتر پردیش، راجستھان، مدھیہ پردیش اور بہار کے صوبوں میں بغیر لائسنس والی بندوقیں اور پستول بڑے پیمانہ پر تیار ہو رہے ہیں۔ اور اس بات کا پورا اندیشہ ہے کہ غیر قانونی طور پر بننے والے ان اسلحہ کو انتخابات سے پہلے ہونے والی تشدد آمیز کارروائیوں میں استعمال کیا جائے گا۔ چنانچہ بعض غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں نے انتخابات کے دوران ہندوستان کو "مشکل علاقہ" قرار دیدیا ہے۔ اور اس بنا پر اپنے نامہ نگاروں کو اتنے زیادہ الاونس (بھتے) دینے شروع کر دیئے ہیں جتنے کہ جنگ کے خطرناک علاقوں میں جانے والے نامہ نگاروں کو دئے جاتے ہیں۔

ہر محب وطن ہندوستانی کی یہ خواہش ہے کہ ہمارے ملک میں ہونے والے انتخابات پر امن ہوں اور غیر ملکی نامہ نگاروں نے تشدد کی جو پیشنگوئیاں کی ہیں وہ غلط ثابت ہوں لیکن جوں جوں انتخابات قریب آتے جا رہے ہیں ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ غیر ملکی نامہ نگاروں نے انتخابات کے دوران جن اندیشوں کا اظہار کیا ہے وہ بے بنیاد نہیں ہیں۔ چنانچہ ابھی چند ہی روز کی بات ہے کہ لوک دل کے صدر شری راج نرائن اور راجیہ سبھا کے ممبر سری پیلو مودی جب کوٹہ (راجستھان) کے ایک جلسہ میں تقریر کر رہے تھے۔ تو جلسہ میں گڑبڑ کر کے ان دونوں کو بری طرح زخمی کر دیا۔ اور شری راج نرائن جن کا سر پھٹ گیا تھا کئی دن تک ہسپتال میں پڑے رہے۔

اسی طرح بہار میں مسز اندرا گاندھی کی کار پر دو مرتبہ حملہ ہو چکا ہے
اس حملہ میں اندرا گاندھی تو بچ گئیں لیکن اُن کے چار ساتھی زخمی ہو گئے
زخمیوں میں بہار اسمبلی کی کانگریس (آئی) کے لیڈر ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا
بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر مشرا کا کہنا ہے کہ حملہ لوک دل کے لیڈروں نے کرایا ہے
کیونکہ چودھری چرن سنگھ نے اپنے بہار کے دورے کے دوران اپنے کارکنوں
سے کہا تھا کہ وہ دوسری پارٹیوں کے جلسے نہ ہونے دیں۔ اور اندور میں
اُنھوں نے اپنی تقریر میں پھر دھمکی دی ہے کہ کیوں کہ جن سنگھ اور آر ایس ایس
والے میرے جلسوں میں گڑبڑ کر رہے ہیں اس لئے میں پورے ہندوستان
میں ان کا کوئی جلسہ نہیں ہونے دوں گا

اب اسی قسم کی ایک اور اطلاع موصول ہوئی ہے کہ ڈمکا میں۔
اندرا گاندھی تقریر کر رہی تھیں کہ منچ کے نیچے سے ایک نوجوان پکڑا گیا
جس کے پاس دو دستی بم اور ایک وائرلیس سیٹ تھا۔ اور اندرا
کانگریس کے لیڈروں نے اس اندیشہ کا اظہار کیا ہے کہ اندرا کے مخالفین
اُنہیں تشدد کے ذریعہ راستہ سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ اسی طرح کیونجھار گڑھ
کی ایک اطلاع ہے کہ وزیر فولاد شری بیجو پٹنائک کے ایک جلسہ میں زبردست
گڑبڑ ہو گئی جلسہ میں شری پٹنائک پر پتھراؤ کیا گیا جس میں کہ وہ زخمی ہو گئے

ابھی انتخابات میں پورا سوا مہینہ باقی ہے۔ اگر اس وقت یہ حالات ہیں
تو نہیں کہا جا سکتا کہ آگے چل کر کیا ہوگا۔ ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا
ہے کہ ہمارے ملک کی سیاست ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آگئی ہے جن کے
سامنے نہ اپنے ملک کا وقار ہے۔ اور نہ قومی غیرت کا احساس۔ غیر ذمہ دار
لوگ عہدوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ اور اُن کی خودغرضیوں کی بدولت
ایسے واقعات رونما ہو رہے ہیں جو ہمارے ملک کے دامن پر بدنما داغ ہیں

مسلمان دیش کے دشمن بھی اور حملہ آور بھی

اگر اس ملک میں کوئی حکومت موجود ہے۔ اور یہاں آئین اور قانون کا
احترام باقی ہے تو اس ملک کے برسر اقتدار لیڈروں سے پوچھا جا سکتا ہے کہ
آخر اس ملک میں مسلمانوں کو دیش دشمن اور حملہ آور کہہ کر کب تک زہر
پھیلایا جاتا رہے گا۔ اور جان بوجھ کر مسلمانوں کے خلاف اشتعال پیدا
کرنے والے آخر کب تک قانون کی گرفت سے آزاد رہیں گے۔ ہمارا
مطلب اُن اشتعال انگیز اور گمراہ کن تحریروں سے ہے جو روزانہ ہی
مسلمانوں کے خلاف رجعت پسند اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں
مثلاً حال ہی میں اخبار پرتاب مورخہ ۲۴ نومبر میں "راج آریہ سبھا کا اعلان"
کے عنوان کے تحت مسلمانان ہند کے خلاف ایک نہایت ہی اشتعال انگیز
اور دل آزار مقالہ شائع ہوا ہے۔ جس کی عبارت یہ ہے

"چونکہ بعض بدیشی حملہ آوروں (یعنی مسلمانوں) نے اس دیش پر
آکر اپنا ادھیکار کر لیا ہے۔ اور بعد میں یہاں ہی رہنے لگ گئے ہیں۔
اس لئے ہم سے یہ امید کی جاتی ہے کہ ہم (ان کی خاطر) اپنی پوتر سنسکرتی
اپنے پوتر دھرم، اپنی پوتر روایات اور مانیتاؤں کا نام تک نہ لیں
کیوں کہ اس طرح ان حملہ آوروں کی سنتان (اولاد) کو شکایت ہو جائے
گی۔ حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ ان لوگوں کو صحیح معنوں میں راشٹریہ کرن
کرنے کے لئے ان کے دماغوں میں جو غلط باتیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ انہیں
دور کیا جاتا۔ لیکن ہمارے خود غرض اور نالائق لیڈر ایسا کرنے کی
بجائے اُن ہی کے آگے اپنی ناک رگڑنا دیش بھگتی سمجھتے ہیں اور اس کا
نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آج دیش میں انتشار نظر آ رہا ہے۔ اور یہ عناصر (مسلمان)
دیش کے مزید ٹکڑے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور دیش کا وہی حال کرنا
چاہتے ہیں جو ۱۹۴۷ء میں اس دیش کا ہوا ہے"

اس پوری بکواس کا نہ تو حقائق سے تعلق ہے اور نہ واقعات سے
کیوں کہ اس ملک میں نہ تو کوئی ہندو سنسکرتی کا مخالف ہے۔ اور نہ
ہندو دھرم کا۔ اور نہ ہی ہندو روایات کا اور ایسی حالت میں جبکہ اس
ملک میں اکثریت ہندوؤں ہی کی ہو تو ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے
لیکن یہ رجعت پسند ہیں کہ ہندو دھرم کی دہائی دے رہے ہیں۔ ہندو
سنسکرتی کے تباہ ہونے کا شور مچا رہے ہیں اور اس کی ساری ذمہ داری
اُن مسلمانان ہند پر ڈال رہے ہیں جنھوں نے کہ اپنے ایک ہزار سالہ
دور حکومت میں ہندو دھرم اور ہندو سنسکرتی کی ہندو راجاؤں سے
زیادہ حفاظت کی ہے۔ جس کے معترف ڈاکٹر راجندر پرشاد اور ہندوستان
کے نامور مورخ ڈاکٹر تارا چند اور سب ہی ہندو مورخ ہیں۔

اب رہا مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کا سوال تو مسلمانوں ہی کی
طرح یہ ہندو بھی اس ملک کے حملہ آور ہیں جنھوں نے کہ آریوں کے
دور اقتدار میں اس ملک پر یلغار کر کے اس ملک کے اصل باشندوں یعنی
دراوڑوں کو مار مار کر جنوبی ہند میں دھکیل دیا تھا۔ اور جنھوں نے
کہ ہندوستان کی قدیم تہذیب کو مٹا کر اپنی نئی لائی ہوئی تہذیب

اور زبان اُن پر مسلط کر دی تھی ۔ اور ملک کے اصل باشندوں کو شودر قرار دے دیا تھا ۔

خدا کی شان ہے کہ اُن مسلمانوں کو حملہ آور اور غیر ملکی کہا جا رہا ہے ۔ جنھوں نے کہ اس ملک کو ایک رنگا رنگی تہذیب عطا کی جنھوں نے اپنی زندگیاں اس ملک کی تعمیر اور ترقی کے لئے وقف کر دیں ۔ اور جب انگریز نے اس ملک کو غلام بنا لیا تو اُنھوں نے ہی سب سے پہلے سراج الدولہ ۔ حیدر علی ۔ سلطان ٹیپو ۔ اور بہادر شاہ ظفر کا روپ اختیار کر کے اس ملک کی آزادی کے لئے سب سے زیادہ قربانیاں دیں اور جیم گاندھی جی کے دوش بدوش مسلمانوں نے اس ملک کی جنگ آزادی میں جو اہم رول ادا کیا ہے اُسے تو سوائے رجعت پسندوں کے کوئی نظر انداز کر ہی نہیں سکتا ۔

ہم ملک کے برسر اقتدار زعما سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ جو مسلمان اس ملک میں جنگ آزادی کے امام ہیں آخر کب تک اُن کی اِس طرح تحقیر اور تذلیل ہوتی رہے گی ۔ اور کب تک مسلمانوں کے صبر و ضبط کا امتحان لیا جاتا رہے گا ۔ کیسی عجیب بات ہے کہ انڈین سول کوڈ میں اگرچہ دو قوموں میں منافرت پھیلانے والوں کے لئے متعدد قوانین موجود ہیں لیکن یہ سب قوانین رجعت پسندوں کے مقابلہ میں ناکارہ بن کر رہ گئے ہیں ۔

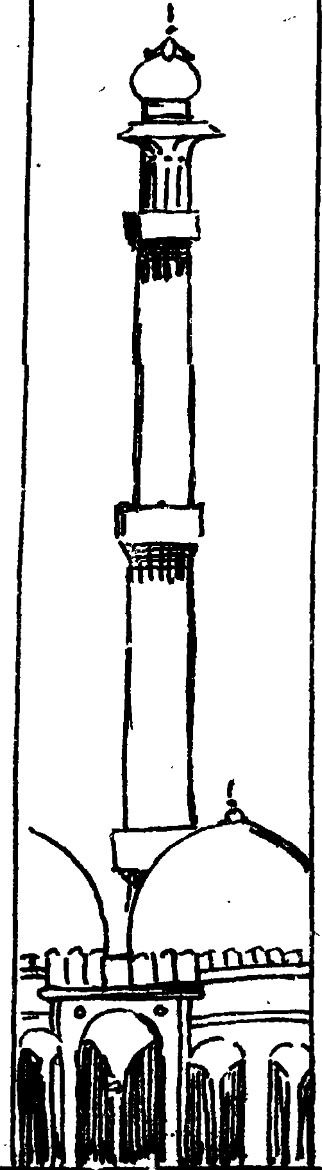
کاغذ کے قحط کی بنا پر دین دنیا کی قیمت میں اضافہ

کاغذ کا قحط اِس وقت نقطۂ عروج پر پہنچ چکا ہے ۔ کاغذ کی قیمتیں بارہ پندرہ گنی تک بڑھ چکی ہیں اور پھر بھی کاغذ بڑی دشواری سے دستیاب ہو رہا ہے ۔ چنانچہ چار چار صفحہ کے روزانہ اخبارات جو آدھے سے زیادہ اشتہارات سے بھرے ہوتے ہیں اور جنکی لاکھوں روپیہ سالانہ کی اشتہارات کی آمدنی ہے انکی قیمتیں بھی بیس پچیس پیسے سے بڑھا کر چالیس پچاس پیسے کر دی گئی ہیں ۔

ایسے نازک حالات میں بھی ہماری کوشش شروع سے یہ رہی ہے کہ دین دنیا کی قیمت نہ بڑھائی جائے اور ہم برابر حالات کے سدھرنے کا انتظار کرتے رہے لیکن اب جبکہ کاغذ کے بڑھتے ہوئے قحط اور اخراجات کے اضافہ کی وجہ سے دین دنیا کے لئے موت و حیات کا سوال پیدا ہو گیا ہے تو ہمیں مجبوراً دین دنیا کی قیمت کے بڑھانے کا اعلان کرنا پڑ رہا ہے ۔ لہٰذا آئندہ ماہ جنوری کے شمارہ سے دین دنیا کی قیمت میں ۲۵ پیسہ کا اضافہ کر کے دو روپیہ کر دی گئی ہے ۔ مگر سالانہ قیمت اب بھی نسبتاً کم ہی رکھی گئی ہے یعنی صرف ۱۲ روپیہ سالانہ ۔ اور قیمت کے اِس اضافہ کے باوجود بھی ہم شائد ہی نقصان کے چکر سے نکل سکیں ۔ کیونکہ کاغذ کے علاوہ طباعت اور دیگر اخراجات اسقدر بڑھ چکے ہیں کہ دین دنیا کے ایک شمارہ پر تقریباً دو روپیہ لاگت آ رہی ہے ۔ جس میں سے ایجنٹوں کو بھی معقول کمیشن دینا پڑتا ہے ۔

دین دنیا کے لئے ایک دشواری یہ بھی ہے کہ لغویات سے بھرے ہوئے اور عوام کو دھوکہ دینے والے بیرونی اشتہارات سے دین دنیا کو پاک رکھا جاتا ہے ۔ صرف اپنے ادارہ کی کتابوں ہی کے زیادہ تر اشتہارات ہوتے ہیں ۔ اور کتابوں کی فروخت ہی کے ذریعہ جو تھوڑی بہت آمدنی ہوتی ہے اسی سے دین دنیا کا نقصان پورا کیا جاتا ہے ۔ لیکن اب جبکہ کاغذ کی قیمت آسمان پر پہنچ گئی ہے تو ادارہ کی اکثر و بیشتر کتابیں بھی طبع نہیں ہو سکی ہیں اور جو کتابیں شائع کی جا رہی ہیں اُن کی قیمتوں میں واجبی اضافہ کے باوجود بھی کوئی نفع باقی نہیں رہا ہے ۔ ان حالات میں ہمارے لئے اس کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار ہی باقی نہیں رہا تھا کہ ہم دین دنیا کی قیمت میں تھوڑا بہت اضافہ کر دیں ۔ اِس بات کا تو ہم کو کامل یقین ہے کہ دین دنیا سے محبت رکھنے والے اور اس جریدہ کی اہمیت کو محسوس کرنے والے اِس معمولی سے اضافہ کو محسوس بھی نہیں کریں گے لیکن پھر بھی ہم بادل ناخواستہ مجبور ہو کر دین دنیا کی قیمت میں اضافہ کا اعلان کر رہے ہیں ۔

دین دنیا ہندوستان کا سب سے قدیم اصلاحی اور دینی جریدہ ہے ۔ اِس شمارہ کے ساتھ اِس کی عمر کے ساٹھ سال پورے ہو رہے ہیں ۔ اِس ساٹھ سال میں دین دنیا نے شدید ترین مشکلات کا مقابلہ کرنے کے باوجود اپنے حق گوئی کے مسلک کو نہیں چھوڑا ہے دین دنیا محض ایک جریدہ نہیں ہے بلکہ ایک مشن ہے جس کا مقصد مسلمانوں میں حوصلہ مندانہ اور تبلیغی مضامین شائع کر کے جرأت و ہمت پیدا کرنا ہے ۔ دعا کیجئے کہ یہ زندہ اور سلامت رہ سکے کیونکہ جن نازک حالات سے اس وقت دین دنیا گزر رہا ہے وہ بے حد دشوار ہیں ۔ اور اگر پروردگار کی معاونت شامل حال نہ ہو تو موجودہ حالات میں اس کا زندہ اور برقرار رہنا بہت ہی مشکل ہے دعا کیجئے کہ یہ زندہ رہے اور اپنے مشن کو بدستور انجام دیتا رہے ۔



عظمتوں کو جگاتے چلے چلو

(از جناب ماجد ادیب بریلوی)

ماضی کی عظمتوں کو جگاتے چلے چلو　　پرچم نظامِ دیں کا اُڑاتے چلے چلو
انسانیت کے گیت سناتے چلے چلو　　میخانۂ حیات سجاتے چلے چلو
گلہائے نو بہار کھلاتے چلے چلو
ذرّوں کو رشکِ طور بناتے چلے چلو

مقبول ہو رہا ہے پھر اسلام کا نظام　　پھر بزمِ کائنات کا بدلا ہے انتظام
گونجے گا پھر جہان میں توحید کا پیام　　ہر شئے سے ہو رہا ہے مسرت کا اہتمام
دل میں مچل رہی ہیں امنگیں شباب کی
صورت بنی ہے زندگی کامیاب کی

وجد آفریں ترانۂ عزمِ جمہور ہے　　ہر ذرۂ زمینِ جہاں رشکِ طور ہے
بیداریوں کا دور ہے تنظیم نور ہے　　اب منزلِ حیات کہاں تم سے دور ہے
دیکھو نظر اٹھاؤ وہ منزل قریب ہے
طوفاں گذر چکا ہے وہ ساحل قریب ہے

معمارِ تازگیِ گلستاں تمہیں تو ہو　　سازِ بہارِ نو پہ غزل خواں تمہیں تو ہو
آسائشِ حیات کا عنواں تمہیں تو ہو　　تعمیرِ نقشِ حیات کا ساماں تمہیں تو ہو
ظلمت کے اہرمن کو جھکاتے چلے چلو
ماضی کی عظمتوں کو جگاتے چلے چلو



یہ شانِ رہبری

(از جناب کریمی الاحسانی)

یہ شانِ رہبری ہے کہ مُڑ کر نہ دیکھئے
پیچھے جو آ رہا ہے وہ لشکر نہ دیکھئے

آب احتجاجِ ظلم پہ ششدر نہ دیکھئے
دستِ بشر میں کیوں ہے یہ خنجر نہ دیکھئے

جن سے جنابِ والا کو عزت ہوئی نصیب
اُن بیکسوں کا حال مکرر نہ دیکھئے

پھر انقلابِ تازہ کوئی رونما نہ ہو
کل کے تغیرات کو ہنس کر نہ دیکھئے

جن کو سمجھ رہا ہے زمانہ نقیبِ امن
کتنے ہیں اُن میں نادر و ہٹلر نہ دیکھئے

ہر راہبر پہ ختمِ نبوت نہیں ہوئی
ہر راہبر کو مثلِ پیمبر نہ دیکھئے

منقارِ وقت میں بھی ہیں کنکر یہ خیال
باطل پرست قوم کا لشکر نہ دیکھئے

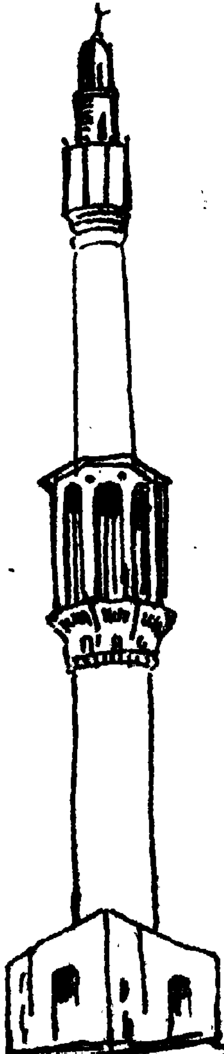
لازم اگر ہے شوق سے پھیلائیے گا پاؤں
یہ کس نے کہہ دیا ہے کہ چادر نہ دیکھئے

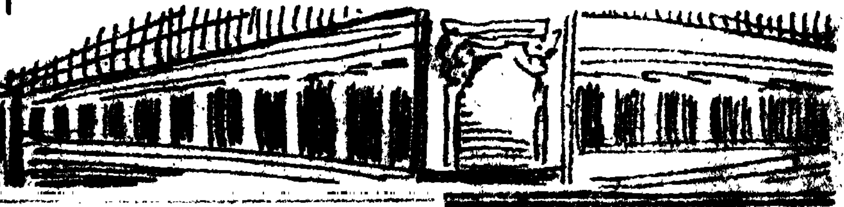
انسان کے لہو سے بجھاتے ہیں تشنگی
پانی سے کیا غرض ہے سمندر نہ دیکھئے

پھونکے گئے ہیں عزمِ چراغاں کے نام پر
جھلسے ہوئے گھروں کا یہ منظر نہ دیکھئے

ان سے نویدِ فصلِ بہاراں ہے دوستو
کلیوں کو گلستاں میں مسل کر نہ دیکھئے

حق گوئی ہی ہمارا تو شیوہ رہا سدا
تنقیدِ ظلم و جور کو ہنس کر نہ دیکھئے







گذشتہ سے پیوستہ

تعلیم القرآن

تیرھواں پارہ — وَمَا اُبَرِّی — سورۂ یوسف

(از ادارۂ دین دنیا)

دین دنیا کی زیر نظر اشاعت میں ہم قرآنِ پاک کے تیرھویں پارے کی تعلیمات کی دوسری قسط پیش کر رہے ہیں جس میں اللہ جل شانہٗ نے حضرت یوسف کی بحیثیت وزیر مصر اپنے حقیقی بھائی بن یامین سے زمانۂ دراز کے بعد ملاقات کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔

حضرت یوسفؑ کے بھائی باپ کی خدمت میں

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا .... اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝

ترجمہ:۔ (حضرت یوسف کے بھائی) جب اپنے باپ کے پاس واپس آئے تو کہا اے باپ (آئندہ کے لئے) ہمارے لئے غلہ کی بندش کر دی گئی ہے۔ پس آپ ہمارے بھائی (بن یامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم مزید غلہ لاسکیں اور ہم بھائی کی پوری حفاظت کریں گے۔ (حضرت) یعقوب نے کہا کہ میں تو اس معاملہ میں تمہارا اعتبار کرتا نہیں۔ مگر ہاں جیسا میں نے اس سے قبل اس کے (بڑے) بھائی کے بارے میں تمہارا اعتبار کیا تھا پس ویسا ہی اس معاملہ میں تمہارا اعتبار کرسکتا ہوں (بھلا تم اس کی کیا حفاظت کرسکو گے) بس اللہ ہی اچھا نگہبان ہے۔

تشریح:۔ جب (حضرت) یوسف کے بھائی اپنے باپ کے پاس پہنچے (تو غلہ حاصل کرنے کے سلسلہ میں باپ کو پوری سرگزشت سنائی اور یہ بھی بتایا کہ جب مصر کے حاکم اعلیٰ کو یہ معلوم ہوا کہ ہمارا ایک بھائی بن یامین بھی ہے تو حاکم اعلیٰ نے اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے) اور عرض کیا کہ والد محترم (جب تک ہم اپنے بھائی بن یامین کو ساتھ لے کر نہیں جائیں گے) ہمارے لئے مزید غلہ کی بندش کر دی گئی ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ ضرور بھیج دیں تاکہ ہم اور بھی غلہ لاسکیں یقین جانئے کہ ہم اس کی پوری حفاظت کرینگے۔

یہ سُنکر (حضرت) یعقوب نے کہا کہ میں اس معاملہ میں تمہارا بالکل اعتبار نہیں کرتا۔ مگر ہاں جیسا میں نے اس سے قبل بن یامین کے بھائی یوسف کے بارے میں تمہارا اعتبار کیا تھا پس ایسا ہی اس معاملہ میں بھی تمہارا اعتبار کرسکتا ہوں (اور اس اعتبار کا جو نتیجہ نکلا وہ تمہیں معلوم ہے جب تم یوسف کی حفاظت نہ کرسکے تو بھلا بن یامین کی حفاظت کیا کرو گے) بس اللہ ہی اس کی حفاظت کرے گا وہی سب سے اچھا نگہبان ہے۔ اور سب مہربانوں سے بڑھ کر اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

باپ کے روبرو یوسف کے بھائیوں کا عہد

وَلَمَّا فَتَحُوْا .... لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ اور جب انھوں نے اپنا اسباب کھولا اور انھیں اپنی رقم (جو اسباب میں رکھی ہوئی تھی) واپس ملی تو بولے اے باپ اور ہمیں کیا چاہیے ہماری رقم بھی تو ہمیں لوٹا دی گئی ہے۔ ہم اپنے گھر والوں کے لئے (اس رقم سے مزید) غلہ لائیں گے۔ اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ زائد لائیں گے، یہ غلہ تو بہت تھوڑا ہے۔ (حضرت) یعقوب بولے میں (آسمانی) قسم کھاؤ، ...) اسے تمہارے

ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کو گواہ کر کے مجھ سے یہ عہد نہ کرو گے کہ تم اُسے میرے پاس ضرور واپس لاؤ گے۔ ہاں اگر تم سب قید ہو جاؤ تو مجبوری ہے۔ پھر جب اُنھوں نے باپ کے روبرو عہد کر لیا تو یعقوب بولے جو باتیں ہم نے کی ہیں ان کا اللہ ہی کارساز ہے اور کہا اے بیٹو (جب تم مصر پہنچو تو) سب کے سب ایک ہی دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے جانا۔ اور میں خدا کے حکم کو تم پر سے ٹال نہیں سکتا۔ حکم بس اللہ ہی کا ہے۔ میں اُس پر بھروسہ کرتا ہوں اور صاحبان توکل کو اُسی پر بھروسہ کرنا بھی چاہیئے۔ اور جس طرح اُن کے باپ نے ہدایت کی تھی وہ جب متفرق دروازوں سے داخل ہوئے تو باپ کی خواہش پوری ہو گئی۔ اگرچہ اُن کی یہ احتیاط بھی خدا کے حکم سے اُنھیں بچا نہیں سکتی تھی مگر یہ (حضرت) یعقوب کی ایک دلی خواہش تھی جس کا کہ اظہار اُنھوں نے کیا تھا۔ اور یعقوب بلاشبہ بہت بڑے عالم تھے اُس علم کے باعث جو ہم نے اُنھیں دیا تھا۔ مگر اکثر لوگ اِس بات کو نہیں جانتے تھے۔

تشریح:۔ اور جب (حضرت) یوسف کے بھائیوں نے اپنا اسباب کھولا تو غلہ کی قیمت کی جو رقم اُنھوں نے ادا کی تھی وہ بھی اسباب میں رکھی ہوئی ملی تو (وہ بہت خوش ہوئے، باپ کو اس کی اطلاع کی اور) کہا والد محترم ہمیں اور کیا چاہیئے ہماری رقم بھی تو ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔ (اب آپ ہمیں ضرور اجازت دیجئے کہ ہم بن یامین کو اپنے ساتھ مصر لے جائیں) اور اپنے متعلقین کے لئے مزید غلہ خرید کر لائیں۔ ہم اپنے بھائی کی پوری پوری حفاظت کریں گے اور اس مرتبہ تو ایک بار شتر غلہ اور زیادہ لائیں گے کیونکہ جو غلہ ہم لائے ہیں وہ ہماری ضرورتوں کے لئے ناکافی ہے (اس کے جواب میں حضرت) یعقوب نے کہا کہ جب تک تم اللہ کی قسم کھا کر مجھے اس بات کا یقین نہیں دلاؤ گے کہ تم اُسے ضرور میرے پاس واپس لے آؤ گے میں بن یامین کو ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا۔ ہاں اگر تم سب قید کر لئے جاؤ تو مجبوری ہے غرضکہ جب اُنھوں نے باپ سے عہد کر لیا تو (حضرت) یعقوب بن یامین کو اُن کے ساتھ بھیجنے کے لئے آمادہ ہو گئے اور اُنھوں نے بیٹوں سے کہا کہ جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں اس کا اللہ ہی ضامن اور کارساز ہے۔

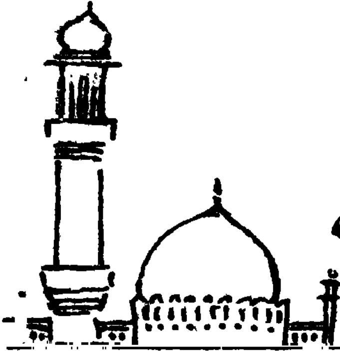
اور (پھر حضرت یعقوب نے چلتے وقت بیٹوں کو) نصیحت کی کہ میرے بیٹو! تم ایک ہی دروازہ سے (شہر میں) داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے جانا (میں نصیحت ضرور کر رہا ہوں) مگر میں اللہ کے حکم کو تم پر سے ٹال نہیں سکتا۔ کیونکہ حکم اللہ ہی کا چلے گا (میری سب نصیحتیں بیکار ہیں وہی ہو گا جو اللہ چاہے گا) میں اُسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ چنانچہ جب (حضرت) یعقوب کے بیٹے مصر پہنچے تو شہر میں متفرق دروازوں سے باپ کی ہدایت کے مطابق داخل ہوئے اور باپ کی خواہش اُنھوں نے پوری کر دی مگر یہ احتیاط بھی اُنھیں خدا کے حکم سے بچا نہیں سکتی تھی (جب تک کہ خدا ہی آپ پر مہربان نہ ہو) مگر یہ یعقوب کی دلی خواہش تھی اور یعقوب بلاشبہ بہت بڑے صاحب علم تھے اور یہ علم ہم نے اُنھیں عطا کیا تھا لیکن اکثر لوگ اِس بات سے ناواقف تھے۔

حضرت یوسف کی بھائی سے ملاقات

وَلَمَّا دَخَلُوْا .... كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ:۔ اور (جب یہ لوگ حضرت) یوسف کے پاس گئے تو اُنھوں نے بھائی (بن یامین) کو اپنے پاس ٹھیرا لیا۔ اور بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں بس تم اُن حرکتوں سے ہرگز افسردہ نہ ہونا جو وہ (سوتیلے بھائی) کرتے رہے ہیں۔ پھر جب (حضرت) یوسف نے اُن کا سامان تیار کرا دیا تو اپنا پیالہ اپنے بھائی کے اسباب میں رکھ دیا۔ (چنانچہ جب وہ اپنا سامان لیکر روانہ ہوئے تو) ایک پکارنے والے نے آواز لگائی کہ اے قافلہ والو تم چور ہو (یہ سُن کر) وہ اُس کی طرف متوجہ ہو کر بولے کہ تمہاری کونسی چیز گم ہو گئی ہے۔ اُس نے کہا کہ ہمیں شاہی پیالہ نہیں ملتا جو شخص اُسے حاضر کریگا اُسے ایک بار شتر غلہ ملیگا اور میں اُس کا ضامن ہوں وہ بولے کہ بخدا تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم لوگ اِس ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے اور ہم لوگ چور نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے نکلے تو اُس کی اپنے لئے کیا سزا (تجویز کرتے ہو) اُنھوں نے جواب دیا کہ اُس کی سزا یہ ہے کہ وہ پیالہ جس کے سامان میں سے نکلے وہی اُس کا بدلہ ہے ہم ظالموں کو یہی سزا دیتے ہیں۔ (حضرت یوسف بھی آ گئے) پھر یوسف نے بھائی کے تھیلے سے قبل تلاشی کی ابتدا دوسرے بھائیوں کے تھیلوں سے شروع کی۔ پھر پیالہ کو (باقی صفحہ پر)

تعلیم الحدیث



آفتوں کے نازل ہونے کی پیشنگوئی

مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔ اسلام بدچلنی کا دشمن ہے

(از شوکت علی فہمی)

مستند احادیث کی کتب سے ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قیمتی ارشادات درج کئے جا رہے ہیں جو نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لئے بہترین شمعِ ہدایت ہیں۔ دین دنیا کی ہر اشاعت میں پابندی کے ساتھ احادیثِ نبوی درج کی جاتی ہیں۔

آفتوں کے نازل ہونے کی پیشنگوئی

کتبِ احادیث میں رسول مقبول صلعم کی پیشنگوئی موجود ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جبکہ دنیا پر پے در پے آفتیں نازل ہونگی اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ زمانہ اس وقت آئیگا جبکہ انسان کا کردار تباہ ہو جائیگا اور لوگ بری طرح سے گناہوں میں ملوث ہو جائینگے چنانچہ ترمذی کی صحیح حدیث ہے:-

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب امانت کو لوٹ کا مال سمجھا جانے لگے گا اور زکوٰۃ کو تاوان خیال کیا جائے گا یعنی مسلمان زکوٰۃ ادا کرنا چھوڑ دینگے اور لوگ بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگیں گے۔ اپنے دوست کو پاس بٹھائینگے اور باپ کو دھتکار دینگے۔ اور فاسق شخص قوم کا سردار ہوگا۔ اور آدمی کی تعظیم اس کی بدمعاشی کے ڈر سے کی جائیگی۔ گانے والیوں کی کثرت ہوگی اور نئے نئے باجے علی الاعلان نکل آئیں گے۔ اور شرابیں کثرت سے پی جانے لگیں گی۔ — اس وقت سرخ ہوا، زلزلوں، زمین دھنسا، پتھروں کا برسنا۔ اور دوسری تباہ کن نشانیوں کا انتظار کرو۔ جو پھر اس ہار کی ٹوٹی ہوئی لڑی کی طرح پے در پے ظاہر ہونگی (ترمذی)

اس حدیث کا بغور مطالعہ کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ حضور اکرمؐ نے جن نشانیوں کی پیشین گوئی فرمائی ہے وہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں دیانت ختم ہو چکی ہے۔ زکوٰۃ کو غیر ضروری سمجھا جانے لگا ہے۔ والدین کی اطاعت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ قوموں کے سردار عام طور پر فاسق و فاجر ہیں غنڈہ گردی عام ہے۔ گانے والیوں کا بے حد زور ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی کی شکل میں گانے بجانے کے نئے نئے آلات نکل آئے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ارضی اور سماوی آفات ہیں جو قربِ قیامت کی علامتیں ہیں۔

مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرو

اسلام نے اپنے متبعین کو پست ہمتی سے باز رہنے کی سختی کے ساتھ ہدایت کی ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب بھی کوئی مصیبت آن پڑے اس کا وہ بڑی پامردی کے ساتھ مقابلہ کریں اس بارے میں صحیح حدیث ہے:-

"رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی تکلیف کی وجہ سے کوئی شخص ہرگز موت کی خواہش نہ کرے اور اگر کوئی مصیبت زدہ ایسا کرنے سے باز نہیں رہ سکتا تو اسے یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اے خدا مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ میری حیات میرے لئے مفید ہو اور مجھے موت دے جب

موت میرے لئے بہتر ہو" (مشکوٰۃ)

خود رسول مقبول صلعم ہمت و استقلال کا ایک پیکر تھے آپ سے زیادہ شاید ہی کوئی دنیا میں کسی نے مصیبتیں اٹھائی ہوں۔ مکہ میں رہے تو کفار نے آپ کا بائیکاٹ کر دیا اور انتہائی مصیبت میں زندگی گذارنی پڑی اور جب جان تک خطرہ میں پڑ گئی تو آپ کو مدینہ منورہ میں جلاوطنی کی زندگی گذارنی پڑی۔ تمام عمر شدید مالی دشواریوں میں مبتلا رہے۔ اولاد کے بھی غم پر غم برداشت کرنے پڑے چھ سات میں سے صرف حضرت فاطمۃ الزہرا زندہ رہیں اور سب ہی کی موتیں حضور کے سامنے ہوئیں لیکن حضور نے بڑی حوصلہ مندی کے ساتھ تمام مصیبتوں کا مقابلہ کیا۔

صحابہ نے بھی بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ یہاں تک کہ اکثر صحابہ کو شہید کر دیا گیا مگر کیا مجال کہ صحابہ کرام ذرا بھی گھبرائے ہوں۔ انھوں نے بڑی ہمت سے مصائب کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے دشمنوں کو زیر کر لیا اور طلوعِ اسلام کے چند ہی سال بعد وہ ایک بڑی سلطنت کے مختار مطلق بن گئے

اس حدیث کی روشنی میں مسلمانوں کو کسی بڑی سے بڑی مصیبت سے نہیں گھبرانا چاہیئے اور ہر حالت میں فلاح کی امید رکھنی چاہیئے۔

اسلام بد خلقی کا دشمن ہے

اسلام کے جلوہ گر ہونے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ نوعِ انسانی کے اخلاق کو درست کرے۔ اور اسے برائیوں سے بچائے چنانچہ طلوعِ اسلام کے بعد جو لوگ کسی قسم کی بھی بد خلقی یا بدی کے مرتکب ہوتے تھے انھیں عبرت انگیز سزائیں دی جاتی تھیں۔

"حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص لقمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایسی حالت میں پیش کیا گیا کہ وہ نشہ میں مست تھا حضور کے حکم سے اس کے چالیس کوڑے لگائے گئے۔" (مشارق)

اسلام سے قبل عربوں میں شراب نوشی عام تھی لیکن طلوعِ اسلام کے بعد حضور صلعم نے اس لعنت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا تھا شراب نوشی اور زناکاری کا تو ذکر ہی کیا ہے اسلام نے بد کلامی تک کو بدترین گناہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں۔ صحیح حدیث ہے:۔

"حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم جانتے ہو کہ کونسی چیز اکثر داخل کرتی ہے آدمی کو بہشت میں وہ چیز تقویٰ اور حسنِ خلق ہے اور کیا تم جانتے ہو کہ کونسی چیز اکثر داخل کرتی ہے آدمی کو جہنم میں وہ زبان اور شرمگاہ ہے۔" (ابن ماجہ)

یعنی جس طرح بد خلقی بری شے ہے اسی طرح بد زبانی اور بد کلامی بھی انسان کے لئے جہنم کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ مندرجہ بالا احادیث سے یہ واضح ہے کہ حضور اکرم نے مسلمانوں کو اپنا کردار بلند اور پاکیزہ رکھنے کی سختی کے ساتھ ہدایت فرمائی ہے۔

فیاضی ایمان کی نشانی

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فیاضی کو ایک مسلمان کی بہترین خصلت قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ایک سچا مسلمان نہ تو بخیل ہو سکتا ہے اور نہ تنگ نظر چنانچہ اس بارے میں حدیث ہے:۔

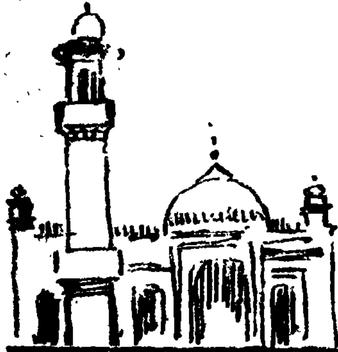
"حضرت سلمان فارسی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فیاض طبع آدمی اللہ سے قریب ہے اور جنت سے بھی قریب ہے اور بخیل آدمی اللہ کی محبت سے محروم ہے اس کے علاوہ جنت سے بھی دور ہے۔" (ترمذی)

اس حدیث کے ذریعہ مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور جنت کے بھی طالب ہیں تو انھیں فیاض اور وسیع قلب بننا چاہیئے کیونکہ تنگ دل انسان نہ تو دنیا ہی میں محبوب بن سکتا ہے اور نہ اس کی عاقبت ہی درست ہو سکتی ہے۔

کاغذ کے قحط سے کتب خانے بند

کاغذ کی قیمت چار گنی ہو گئی ہے اور اس کے باوجود بھی کاغذ نہیں مل رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر کتب خانے بند ہو گئے ہیں چنانچہ دین دنیا پبلشنگ کمپنی کے لئے شدید مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ ایسی حالت میں اگر کتابوں کے جدید ایڈیشن طبع کرنے میں تاخیر ہو تو اسے مجبوری پر محمول کیا جائے۔

اسلامی افکار



اسلام نے دل و دماغ کو بدل ڈالا

آج ساری دنیا اسلام کی ممنونِ احسان ہے

(از ڈاکٹر ذکی علی)

اسلام کے مشہور مفکر ڈاکٹر ذکی علی کا یہ مضمون اِس حیثیت سے بے حد بلند ہے کیونکہ اِس میں اسلام کے ایک اہم ترین پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ اسلام نے صرف مسلمانوں ہی میں بیداری پیدا نہیں کی ہے بلکہ اسلام کی تعلیمات نے ساری دُنیا میں ذہنی انقلاب برپا کر دیا ہے۔

فرانس کے مشہور مورخ موسیو سیدیو نے اسلام کے بارے میں لکھا ہے کہ "اسلام نے صرف عربوں ہی کے ذہن و دماغ کو نہیں بدلا ہے۔ بلکہ اسلام کی بدولت ساری دنیا بلکہ پوری بنی نوع انسان کے اندازِ فکر میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔" اور اس مورخ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل درست ہے۔ کیونکہ اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے کہ بنی نوع انسان میں اُس کی عظمت کا احساس پیدا کیا تھا۔ اور بعد کو یہی احساس پوری دُنیا کی بیداری اور ترقی کی بنیاد ثابت ہوا۔

علم النفس کے سب ہی ماہر اِس بات پر پوری طرح متفق الرائے ہیں کہ جب تک انسان کا ذہن خوف و ہراس سے پاک نہیں ہو جاتا اُس وقت تک اُس کی تعمیری صلاحیتیں اُجاگر نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ اسلام نے انسان کے دل و دماغ کو نہ صرف خوف ہی سے پاک کیا ہے بلکہ اسے خود اُس کی عظمت اور صلاحیت کا بھی پورا پورا احساس کرا دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اسلام نے اُن صلاحیتوں سے کام لینے کی ترغیب بھی دی ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہیں۔

اسلام کے اسی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر آرنلڈ نے لکھا ہے کہ "اسلام عرب میں ظاہر ہوا تھا اور عربوں نے اسے سب سے پہلے قبول کیا تھا۔ عرب کے جغرافیائی حالات نے عربوں کو بہادر اور جری ضرور بنا دیا تھا لیکن اس خوبی کے علاوہ اُن میں کوئی دوسری غیر معمولی خصوصیت موجود نہیں تھی مگر تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان عربوں نے قبولِ اسلام کے بعد دُنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا اور یہ انقلاب صحت مند اور توانا تھا۔ اِس کی بدولت دُنیا کی دوسری قوموں کے لئے بھی ترقی کی نئی راہیں کھل گئی تھیں اور اِس طرح دنیا میں ایک نئی تہذیب اور کلچر کی بنیاد قائم ہوئی تھی اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا تھا کیونکہ اسلام نے انسان کو خدا کے سوا ہر قسم کے خوف و ہراس سے نجات دلا دی تھی۔ اور اُسے یقین دلایا تھا کہ اُس کی صحت مند ترقیاں بجائے خود نجات کی ضامن ہیں۔ اس لئے اُس کی ذات میں خدا کی دی ہوئی جو صلاحیتیں پوشیدہ ہیں اُنھیں پوری آزادی کے ساتھ اُسے استعمال اور مظاہرہ کرنا چاہیئے دوسرے الفاظ میں ہمارا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے خدائے تعالیٰ کو ذات واحد اور تمام امکانی قوتوں کا منبع اور مرکز قرار دے کر انسان کو تمام دوسری موہوم قوتوں کے خوف سے بالکل آزاد کر دیا تھا اور اسی خدائے واحد اور توانا کے نام پر اُسے اپنی قوتوں اور صلاحیتوں سے کام لینے کی دعوت اور ترغیب دی تھی اس لئے اگر اسلام کے رُوحانی کردار کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو اُس کے اِس رول کو کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو اُس نے انسان کے ذہن اور دماغ میں صحت مند اور انقلابی تبدیلیاں پیدا کرنے میں ادا کیا ہے۔" اور جب ہم پروفیسر آرنلڈ کے اس بیان کو تاریخ کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو ہمیں اسلام کی صداقت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔

اسلام سے قبل کے مذاہب میں دو رجحانات بالکل واضح طور پر

نظر آتے ہیں۔ مثلاً اسلام سے پہلے کے بعض مذہبوں کا رجحان یہ تھا کہ ہر نفع بخش اور نقصان رساں شے یا تو براہِ راست خدا ہے یا خدا کا مظہر ہے۔ اس غلط رجحان نے انسان کے گرد خوف و دہشت کا ایک حصار قائم کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ باہر کی کسی حقیقت کو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور دوسرا مذہبی رجحان یہ تھا کہ انسان جس حالت میں بھی ہے وہ اس کی قسمت اور مقدر کا نتیجہ ہے اس لئے ہر انسان کو اپنی موجودہ حالت ہی پر قناعت کر لینی چاہئے اور اس غلط رجحان کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کی عملی اور فکری صلاحیتیں معطل ہو کر رہ گئی تھیں لیکن اسلام نے ان دونوں رجحانات کی تردید کی ہے اور مسلمانوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کا نظریۂ حیات جامد نہیں ہے بلکہ متحرک اور ترقی پسندانہ ہے۔

اسلام نے بنی نوع انسان کو بتایا تھا کہ انسان عضوِ معطل بنانے کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ اس کی تخلیق کا مقصد تہذیب اور تمدن کو فروغ دینا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اسے ذہنی غلامی کی تمام زنجیروں کو توڑ دینا اور ہر قسم کے خوف کو دل سے نکال دینا چاہئے اور اسے اس بات پر کامل یقین رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے اسے کسی مقصد کے تحت پیدا کیا ہے۔ اس کا منشا انسان کو بے عمل۔ بے خبر۔ جاہل اور کاہل رکھنا نہیں ہے بلکہ اسے سرگرم اور متحرک بنانا ہے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دورِ وسطیٰ کے مسلمانوں نے اسلام کی اسی تعلیم کو مشعلِ راہ بنایا تھا۔ وہ اسی تعلیم کو پھیلانے کی غرض سے دنیا کے بعید ترین گوشوں تک پھیل گئے تھے۔ اور انھوں نے علمی تحقیقات، ریاضت کی ترقی۔ نظامِ حکومت کی اصلاح اور سماجی اصلاحات کے ذریعہ یہ بات ثابت کر دی تھی کہ اسلام صرف روحانی تربیت ہی کے لئے نہیں آیا ہے بلکہ یہ ایک ایسی انقلابی تحریک ہے جس کا مقصد بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود ہے۔

یورپ کے اُن اربابِ فکر نے جو انسانی تہذیب اور تمدن کے ارتقا کی تاریخ کے ساتھ دلچسپی رکھتے ہیں، اس بات پر پوری طرح اتفاق کیا ہے کہ اگر دنیا میں اسلام کا ظہور نہ ہوتا اور اس نے دنیا کو ایک انقلابی پیغام اور پروگرام نہ دیا ہوتا تو نوعِ انسانی ہرگز ارتقاء کی جانب قدم نہ بڑھا سکتی کیونکہ اسلام سے پہلے کے مذاہب نے یا تو ان ترقیوں کو بالکل ہی نظرانداز کر دیا تھا یا پھر انسان کو دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی تعلیم دی تھی۔

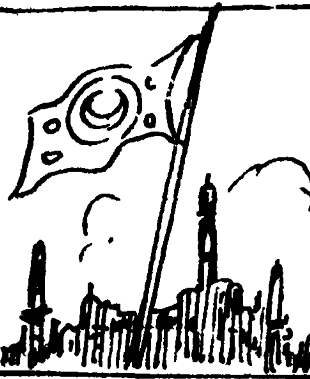
اسی سلسلہ میں بریگیان نے لکھا ہے کہ "اسلام کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ مذہب سے کہیں زیادہ بنی نوع انسان کے لئے ایک ارتقائی تحریک ہے۔ یہ انسان کو جہاں خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم دیتا ہے، وہاں اخلاقِ انسانی کو سدھارنے میں بھی بڑا ہی معاون اور مددگار ثابت ہوا ہے اسلام نے چونکہ دنیا کو عاقبت کی کھیتی قرار دیا ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ انسان دنیا میں رہ کر ہر قسم کی جدوجہد کرے اسلام نے ترکِ دنیا کو حرام قرار دیا ہے وہ بنی نوع انسان کو ناکارہ اور عضوِ معطل نہیں بنا دینا چاہتا بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ انسان قدرت کی پیدا کی ہوئی نعمتوں سے پوری طرح فائدہ اٹھائے اور اس کی ذات دوسرے انسانوں کے لئے بھی ممد و معاون ثابت ہو۔ اس لئے یہی ایک ایسا مذہب ہے جو ترقی یافتہ دنیا کا ساتھ دے سکتا ہے اور دنیا کے دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کی بھی رہنمائی کی ہے۔" یہ ہیں اسلام کے بارے میں مغربی مفکرین کے خیالات۔

اسلام جس وقت جلوہ گر ہوا ہے دنیا کی بیشتر آبادی چاند سورج ستاروں دریاؤں اور جانوروں کی پجاری بنی ہوئی تھی۔ اسلام نے جلوہ گر ہو کر دنیا کو بتایا ہے کہ چاند سورج ستارے اور اس کائنات کی ہر شے انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اور ان کی پیدائش کا منشا یہ ہے کہ نوعِ انسانی کائنات کی ہر شے سے فائدہ اٹھائے۔ اس کی پرستش کے لئے صرف وہ خدائے واحد ہے جس نے کہ ان تمام اشیاء اور کائنات کو پیدا کیا ہے۔ اسلام کی یہی تعلیم موجودہ سائنس کی ترقی کی بنیاد ہے۔ اسلام کی طرح سائنس بھی یہی کہتی ہے کہ انسان کو اس کائنات کی ہر ادنیٰ اور اعلیٰ چیز سے فائدہ اٹھانا چاہئے گویا سائنس اسلام ہی کی تعلیمات کا ایک جزو ہے۔ چنانچہ زمانہ کا انقلاب دیکھئے کہ وہی انسان جو کسی زمانہ میں چاند اور سورج کو معبود سمجھ کر انکے روبرو سجدے کر رہا تھا آج چاند اور دور دراز سیاروں کو اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے ان پر کمندیں ڈال رہا ہے اور ان کی تسخیر کی کوششوں میں لگا ہوا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے نوع انسانی میں جو ذہنی بیداری پیدا کی ہے وہ آپ ہی اپنی مثال ہے اور اسی سے آج ساری دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے ۔۔۔ یہ ایک مسئلہ ہے کہ اگر اسلام نے ذہنی بیداری پیدا نہ کی ہوتی تو انسان موجودہ دور کی سائنسی ترقیوں تک پہنچ ہی نہیں سکتا تھا بلکہ وہ بدستور اس کائنات کی بے حقیقت چیزوں کو خدا سمجھتے ہوئے ان کے سامنے گردن جھکائے ہوئے بیٹھا رہتا اور جہالت کی تاریکی اس کا گلا گھونٹے ہوئے دکھائی دیتی۔

تاریخ اسلام کا ایک ورق

جب کریٹ پر اسلامی پرچم لہرایا گیا

"سلطان ابراہیم" عثمانی کے عظیم الشّان جنگی کارنامے



(از شوکت علی فہمی)

یورپ کی عیسائی حکومتوں کے لئے روزِ اوّل ہی سے یہ چیز ناقابلِ برداشت تھی کہ یورپ کے کسی حصّہ پر بھی اسلامی پرچم لہراتا ہوا دکھائی دے۔ چنانچہ یورپین حکمرانوں کو جب بھی موقعہ ملا ہے انھوں نے سلطنتِ عثمانیہ ترکیہ کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر جب سلطان مراد عثمانی کے بعد ۱۶۴۰ء میں سلطان ابراہیم تخت نشیں ہوئے تو اُن کے دورِ حکومت میں سلطنتِ عثمانیہ ترکیہ کو تباہ کرنے کی ایک بڑی گہری سازش کی گئی تھی جسے سلطان ابراہیم عثمانی نے ناکام بنا دیا۔ ذیل کا تاریخی مضمون اِسی واقعہ سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ ۱۶۴۵ء کا وہ زمانہ تھا جب سلاطینِ عثمانیہ جانباز سپاہیوں کی بجائے بادشاہ بن چکے تھے۔ اور اِس بات کو بھول چکے تھے کہ اُن کے آباؤ اجداد نے محض سپاہیانہ اسپرٹ کی بنا پر صدیوں تک یورپ پر فرمانروائی کی ہے۔ آرام طلبی اور عیش پسندی نے اُن کی اُس تلوار کو زنگ آلود کر دیا تھا۔ جو زمانۂ دراز تک یورپ پر چمکتی رہی تھی۔

یورپین حکمرانوں نے چونکہ اُن کی اِس کمزوری کو محسوس کر لیا تھا۔ اِس لئے وہ رفتہ رفتہ سلطنتِ عثمانیہ ترکیہ کے علاقے دباتے چلے جا رہے تھے اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ یورپین حکمرانوں کے بحری بیڑے ترکی کے تجارتی جہازوں کو جب چاہتے تھے۔ روزِ روشن میں لوٹ لیتے تھے اور حکومتِ عثمانیہ ترکیہ اُن کا کچھ بھی نہ بنا سکتی تھی۔ غرضکہ ایک طرف ترکوں کی تجارت خطرہ میں پڑ گئی تھی اور دوسری جانب ترکی کی آزادی کو چیلنج دیا جا رہا تھا۔

دشمنوں کی اِن دست درازیوں اور حکومتِ ترکیہ کی اِس کمزوری نے ترکی کے عوام میں بھی مایوسی اور بے دلی پیدا کر دی تھی۔ اور یہ سمجھا جا رہا تھا کہ اب ترکی کی خیر نہیں کہ یکایک جب مالٹا کے یورپین قزاقوں نے ترکی کے ایک بہت بڑے تجارتی جہازوں کے بیڑے کو جو قسطنطنیہ سے مصر جا رہا تھا گرفتار کر لیا۔ اور اُسے گرفتار کر کے کریٹ کے جزیروں میں لے گئے تو اِس واقعہ سے حکومتِ ترکیہ میں شدید بے چینی پیدا ہو گئی۔ اور سلطان ابراہیم نے اعلان کیا کہ

"میں اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ یورپین حکمرانوں کی دست درازیوں کو ختم نہیں کر دونگا خواہ مجھے اس مقصد کے لئے اپنی جان ہی کیوں نہ قربان کر دینی پڑے۔"

اس اعلان کے فوراً بعد پوری ترکی سلطنت میں زبردست جنگی تیاریاں شروع ہو گئیں اور سلطان ابراہیم نے فیصلہ کیا کہ پہلے تو مالٹا اور کریٹ کے جزیرہ کو فتح کیا جائے تاکہ یورپین حکومتوں کے اُن بحری اڈوں کو ختم کر دیا جائے جو حکومتِ ترکیہ کے لئے زمانۂ دراز سے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ اور اِس کے بعد یورپین ممالک پر یورش کر کے اُنھیں اُن کی دست درازیوں کا مزہ چکھایا جائے۔ گویا ترکی کے تجارتی بیڑے کے لٹ جانے کے واقعہ نے پھر ایک بار سلاطین ترکیہ کی فوجی اسپرٹ کو زندہ کر دیا اور اُن کی تلوار پھر ایک بار یورپ پر چمکنے کے لئے مضطرب دکھائی دینے لگی۔

کریٹ کا جزیرہ عین ترکی کے جنوب میں تھا۔ اس پر جمہوریہ

وینس کی حکومت تھی۔ اس جزیرہ کی سالہا سال سے قلعہ بندی کی جارہی تھی۔ کیونکہ جمہوریہ وینس اور یورپ کی دوسری عیسائی حکومتیں اسی بحری اڈے کے ذریعہ جمہوریہ ترکیہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہی تھیں اور یہ حقیقت ہے کہ اگر ترک جانباز بر وقت بیدار نہ ہو گئے ہوتے تو صرف چند ماہ کے بعد اسی جزیرہ کی مدد سے پوری سلطنتِ ترکیہ کو تاراج کر ڈالا جاتا۔ غرضیکہ ۳؍اپریل ۱۶۴۵ء کو ترکی کا ایک زبردست جنگی بیڑا کریٹ کی فتح کے لئے روانہ ہو گیا۔ اور ہر ترک سپاہی نے یہ عہد کیا کہ وہ اُس وقت تک ترکی کی سرزمین پر قدم نہیں رکھے گا جب تک کہ وہ جزیرہ کریٹ پر اسلامی پرچم نہیں لہرا دیگا۔

اُدھر جمہوریہ وینس نے بھی مقابلہ کی زبردست تیاریاں کر رکھی تھیں۔ کریٹ کے تمام قلعوں پر توپیں چڑھا دی گئی تھیں۔ اور پورے ساحل سمندر پر جمہوریہ وینس کے جنگی جہاز سینہ تانے ہوئے ترکوں کے مقابلہ کیلئے کھڑے تھے۔ یعنی پھر ایک بار بحرِ روم میں ہلال و صلیب کا معرکہ درپیش تھا۔ جمہوریہ وینس کو اِس بات کا پورا یقین تھا کہ اُسے اِس معرکہ میں کامل فتح حاصل ہو گی کیونکہ پورا یورپ اُس کی پشت پر تھا۔ جون ۱۶۴۵ء میں جزیرہ کریٹ کے سمندر میں وہ خونیں معرکہ شروع ہوا جو تاریخ کا عظیم الشان واقعہ ہے۔ کریٹ کے آہنی قلعوں سے گولے برسنے لگے۔ ساحل سمندر پر جمہوریہ وینس کے فیل پیکر جہاز سینہ تانے ہوئے کھڑے تھے لیکن ترک جانباز برابر آگے بڑھ رہے تھے۔ نہ توپوں کی گولہ باری اُن کی پیش قدمی کو روک سکی اور نہ فیل پیکر جہاز ہی اُن کے عزم میں حائل ہو سکے یہاں تک کہ آگ اور موت سے کھیلتے ہوئے ترک جانباز جزیرہ کریٹ کے ساحل پر اُتر گئے اور اُنھوں نے کریٹ کی سب سے بڑی بندرگاہ "کانیا" پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔

اُدھر جمہوریہ وینس کی امداد کے لئے یورپ کے مختلف ممالک کی فوجیں بھی آن پہنچیں جن کے ساتھ حسبِ دستور پادریوں کا بھی ایک جمِ غفیر موجود تھا۔ جو صلیبیں بلند کئے ہوئے، عیسائی جانبازوں کو عاقبت کی خوشخبری سُنا رہا تھا۔ اور عیسائیوں کو سرفروشی کے لئے اُبھار رہا تھا لیکن عیسائیوں کی تمام تر جدوجہد کے باوجود کوئی بھی طاقت ترکوں کے سیلِ رواں کو نہ روک سکی۔ انھوں نے "کانیا" کی بندرگاہ پر قابض ہونے کے بعد جزیرہ کریٹ ایک دوسرے اہم شہر "ریٹیمو" کو بھی فتح کر لیا اور اس کے بعد ۱۶۴۸ء میں کریٹ کے پایۂ تخت "کینڈیا" پر بھی ہلہ بول دیا۔ اور اس طرح ترکوں کی تاریخی جانبازی کی بدولت سلطان ابراہیم کے دورِ حکومت میں جزیرہ کریٹ پر مسلمانوں کا کامل قبضہ ہو گیا۔ اور اس جزیرہ پر زمانۂ دراز تک اسلامی پرچم لہراتا رہا اور ترکوں نے اہلِ یورپ کو ایک مرتبہ پھر باور کرا دیا کہ جب مسلمان کسی ملک کی جانب کامل عزم کے ساتھ بڑھتے ہیں۔ تو دُنیا کی کوئی بھی مادی طاقت اُن کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہیں روک سکتی۔

سلطان ابراہیم عثمانی نہ صرف جزیرہ کریٹ کا نامور فاتح تھا بلکہ اِس سلطان کے دورِ حکومت میں روس کے خلاف بھی ۱۶۴۹ء میں ایک ایسا عظیم الشان معرکہ رُونما ہوا تھا۔ جو تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ روسیوں کا یہ طریقہ کار تھا کہ اُن کو جب بھی موقع ملتا تھا وہ ترکی علاقوں میں گھس آتے تھے۔ اور لُوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ حکومتِ ترکیہ نے بارہا اِس غارتگری کی جانب زارِ روس کو توجہ دلائی۔ لیکن جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو ترک جانباز روسیوں کو سبق دینے کے لئے روسی علاقے میں گھستے چلے گئے۔ انھوں نے پولینڈ اور روس کے بیشتر حصے کو پامال کر کے رکھ دیا اور اِن دونوں ملکوں کے چالیس ہزار باشندوں کو گرفتار کر لیا جس پر زارِ روس نے شدید احتجاج کیا۔ روس میں ترکوں کی اس پیش قدمی کا یہ اثر ہوا کہ روسی پھر زمانۂ دراز تک ترکی کی جانب آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے۔

یہ حقائق اور واقعات اُس زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب حکومتِ ترکیہ کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ لیکن زوال کے باوجود بھی ان میں ابھی تک وہ اسلامی جرأت موجود تھی۔ جس نے کہ تاریخ میں عظیم الشان کارنامے انجام دئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجاہدینِ اسلام نے تاریخ کے تقریباً ہر دور میں ایسے حیرت انگیز جنگی کارنامے انجام دئے ہیں جو ہمیشہ یادگار رہیں گے اور اُنہی کارناموں میں سے سلطان ابراہیم عثمانی کے دور کے وہ چند واقعات ہیں جنہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی سلطان ابراہیم عثمانی کا دورِ حکومت گو کچھ زیادہ شاندار نہیں تھا لیکن پھر بھی اِن کا عہدِ حکومت مسلمانوں کی تاریخی جانبازی اور سرفروشی کے واقعات سے خالی نہیں ہے۔

تاریخ ہند



پٹھانوں کے عہد کا ہندوستان

"شیر شاہ" نے اس ملک پر کیسی رواداری سے حکومت کی ہے

(ہمارے مورخ قلم سے)

ہندوستان کے فرقہ پرستوں نے مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت پھیلانے کی غرض سے شاہان ہند کو بدنام کرنے کی جو افسوسناک مہم جاری کر رکھی ہے یہ مضمون بجائے خود اُن کے اعتراضات کا ایک دندان شکن جواب ہے۔ اس مضمون سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ شاہان ہند نے اس ملک کی کیسی خدمت انجام دی ہے اور اُن کا دورِ حکومت کس طرح اِس ملک کے سب ہی باشندوں کے لئے ایک رحمت ثابت ہوا ہے

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا سلسلہ ظہورِ اسلام کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آج سے تقریباً بارہ سو برس قبل شروع ہوگیا تھا آہستہ آہستہ حکومت کا دائرہ بڑھ کر پورے ہندوستان پر حاوی ہوگیا تھا۔ اور کم و بیش نو سو سال کی اسلامی حکومت کے دور میں مسلمانوں کے جن خاندانوں نے طویل مدت تک پورے ہندوستان یا اس کے کسی حصہ پر حکومت کی ہے تاریخ میں اُن خاندانوں کے حالات تو تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ لیکن بعض خاندان یا افراد ایسے بھی ہیں جن کی حکومت کا زمانہ مختصر تھا اس لئے تاریخ میں اُن کا تذکرہ بھی مختصر طور پر ہی کیا گیا ہے۔ چنانچہ پٹھان بادشاہ شیر شاہ کا شمار بھی اِسی دوسری قسم کے حکمرانوں میں کیا جاتا ہے۔

شیر شاہ جس کا پیدائشی نام فرید خاں تھا۔ ہندوستان میں سوری پٹھانوں کی سلطنت کا بانی تھا۔ اُس نے اس ملک پر پندرہ سال تک حکومت کی تھی لیکن اِس مدت میں اپنے حریفوں سے مسلسل مقابلہ کرتے رہنے کے باوجود اُس نے اپنے اسلامی کردار اور انتظامی صلاحیتوں کے جو نقوش قائم کر دئے تھے وہ آج بھی تاریخ کے صفحات پر درخشاں اور نمایاں نظر آتے ہیں اور اُنھیں دیکھ کر یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان بادشاہ ہندوستان کی تعمیر اور ترقی میں کتنی دلچسپی لیتے رہے ہیں

فرید خاں افغانوں کے معزز ترین قبیلے سور کا ایک فرد تھا اُس کا دادا سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت میں ہندوستان آیا تھا۔ اور یہ فرید خاں جو ایک سپاہی زادہ تھا۔ گو اُس نے اپنی زندگی ایک دینی طالب علم کی حیثیت سے شروع کی تھی مگر آگے چل کر ایک لائق سپاسالار اور حکمراں ثابت ہوا۔ فرید خاں کو بچپن ہی سے دینی علوم سے بحد شوق تھا اُس نے جونپور کے علما سے مکمل دینی تعلیم حاصل کی تھی یہاں تک کہ اُس کا شمار پٹھان علما میں ہونے لگا تھا اور یہ دینی تعلیم ہی آگے چل کر نہ صرف اُس کا اعلیٰ کردار بنانے میں کام آئی بلکہ یہی دینی تعلیم اُس کی ترقی کے تمام مرحلوں میں اُس کے لئے بہترین رہنما ثابت ہوئی۔

شیر شاہ اسلامی تعلیمات سے اِس قدر متاثر تھا کہ جب ابتدائے جوانی میں اُس کے باپ حسن خاں نے اُسے اپنی وسیع جاگیر کا منتظم مقرر کیا تو اُس نے اِس ذمہ داری کو اِس شرط پر قبول کیا تھا کہ وہ عدل و انصاف سے تجاوز کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اُس نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ جاگیر کے انتظام کے لئے عدل نہایت ضروری ہے اور چونکہ جاگیر کے بہت سے حصوں پر ہمارے عزیز اور رشتہ دار قابض ہیں اور وہ رعایا اور کاشتکاروں کے ساتھ ناانصافی کر رہے ہیں۔ اس لئے اگر مجھے ان ناانصافیوں کو روک

کی اجازت نہیں دی جائے گی تو میرا اس ذمہ داری کو قبول کرنا بیکار ہوگا۔" شیر شاہ کے مندرجہ بالا الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اُس کا کردار ابتدا ہی سے کس قدر بلند تھا۔

شیر شاہ جہاں ایک دیانت دار مسلمان تھا وہاں اللہ نے اُسے غیر معمولی حوصلہ بھی عطا فرمایا تھا اور اس حوصلہ کی بدولت اُس نے ایک معمولی سپاہی کے درجہ سے ترقی کر کے اِس ملک میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ شیر شاہ کا پورا دورِ حکومت جنگ و جدل میں گزرا تھا۔ اس مدت میں اُسے ہندو راجاؤں سے کم اور ملک کے مختلف حصوں کے مسلم حکمرانوں کے ساتھ بہت زیادہ مقابلے کرنے پڑے تھے اور اُس نے ملک کی حکومت دراصل مغل بادشاہ ہمایوں کو شکست دیکر حاصل کی تھی۔ لیکن اِن تمام مشکلات کے باوجود اُس نے نہ تو اس ملک کی تعمیر اور ترقی کو نظر انداز کیا۔ اور نہ اس ملک کے ہندو راجاؤں کو اس خیال سے تکلیف پہنچائی کہ وہ ہندو ہیں اس کے برعکس خود اُس کے لشکر میں بہت سے ہندو راجپوت شامل تھے۔ اور اُس نے بہت سے علاقوں کو فتح کر کے اُنھیں اِن ہی راجپوتوں کے حوالے کر دیا تھا

شیر شاہ ہندوستان کا وہ حکمراں ہے جس نے کہ سب سے پہلے اِس ملک میں سکولرزم کی بنیاد رکھی تھی اور جس کی تکمیل آگے چل کر شہنشاہ اکبر نے کی تھی۔ شاہان مغلیہ کو اس ملک میں اگرچہ مذہبی رواداری کا علمبردار سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس ملک کے مغل بادشاہ مذہبی رواداری کی جس حکمت عملی پر کار بند رہے ہیں اُس کا سنگ بنیاد شیر شاہ سوری ہی نے رکھا تھا اور یہ بلا شبہ ہندوستان کا سب سے پہلا سکولر حکمراں تھا۔

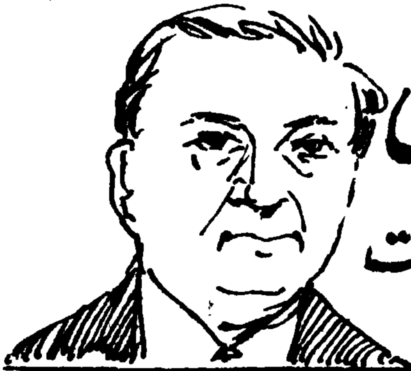
شیر شاہ سوری نے مذہبی رواداری کے علاوہ اس ملک میں فلاح عامہ کے بھی بہت بڑے بڑے کام انجام دئے ہیں۔ چنانچہ آج برصغیر ہند میں "گرانڈ ٹرنک روڈ" کے نام سے کلکتہ سے لیکر پشاور (پاکستان) تک جو وسیع سڑک موجود ہے۔ اُس کی داغ بیل شیر شاہ سوری کے عہد حکومت ہی میں پڑی تھی۔ شیر شاہ نے اس وسیع سڑک کے ہر میل پر پختہ کنویں اور سرائیں تعمیر کروائی تھیں۔ ہر سرائے کے دو دروازے ہوتے تھے۔ جن میں سے ایک دروازہ پر ہندو مسافروں کے کھانے کا انتظام ہوتا تھا جسکا اہتمام ہندو ملازم کرتے تھے۔ اور دوسرے دروازے پر مسلمان مسافروں کے کھانے کا انتظام تھا۔ مسافروں کو کھانا بالکل مفت حکومت کی طرف سے دیا جاتا تھا اور کھانا پکانے اور تقسیم کرنے کے لئے جو ہندو اور مسلمان مامور تھے وہ سب سرکاری ملازم ہوتے تھے صرف اسی قدر نہیں بلکہ شیر شاہ نے اِس سڑک کے دونوں طرف پھل دار درخت بھی لگوائے تھے جو صرف مسافروں کے آرام کے لئے تھے غرضکہ شیر شاہ کے دور میں مسافروں کو جو سہولت اور آرام حاصل تھا وہ اُس زمانہ کی کسی حکومت میں بھی نہیں پایا جاتا تھا۔

شیر شاہ کے عہد حکومت میں اس ملک میں پہلی مرتبہ ڈاک کا معقول اور اطمینان بخش انتظام کیا گیا تھا۔ ہر سرائے میں ڈاک لانے اور لیجانے کے لئے تیز رفتار کے گھوڑے رکھے جاتے تھے جو ڈاک لیجانے اور لاتے وقت ادلتے بدلتے رہتے تھے۔ اور اس طرح دو تین دن کے اندر ہی دور دراز مقامات تک ڈاک پہنچ جاتی تھی۔ ڈاک کا پورا عملہ مامور تھا۔ اور ڈاک کسی معاوضہ کے بغیر مفت بھیجی جاتی تھی۔ یعنی شیر شاہ کے دورِ حکومت میں سرائے میں ٹھہرنے کھانے اور ڈاک کے سلسلہ میں کوئی محصول یا معاوضہ عوام سے وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

شیر شاہ کے حدود سلطنت میں جو بنگال سے لے کر افغانستان کی سرحدوں تک پھیلی ہوئی تھی امن اور تحفظ کا عالم یہ تھا کہ مسافر اپنا قیمتی اسباب اور مال و دولت جس جگہ چاہتے تھے چھوڑ کر چلے جاتے تھے اور کسی کو اُسے ہاتھ لگانے تک کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ شیر شاہ کے عہد حکومت میں اگر ایک بڑھیا بھی اشرفیوں کی تھیلیاں لے کر تن تنہا جنگل میں سفر کرتی تھی تو اُسے بھی محافظ اور چوکیدار کی ضرورت مطلق نہیں ہوتی تھی

شیر شاہ کے پختہ نظام حکومت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کسی علاقہ میں چوری ہو جاتی تھی اور چور نہ پکڑا جاتا تھا۔ تو علاقہ کا مقدم اس چوری کا ذمہ دار قرار دیا جاتا تھا چنانچہ علاقہ کے مقدم اور علاقہ کے بڑے آدمیوں پر جرمانہ کر کے چوری سے نقصان اٹھانے والے کے تقریباً پورے نقصان کی تلافی کر دی جاتی تھی اسی طرح اگر کسی علاقہ میں قتل ہوتا اور قاتل فرار ہو جاتا تو علاقہ کے عامل کو گرفتار کر لیا جاتا اور اُس وقت تک اُسے (باقی صہ ۲۹ پر)

اسلام اور غیر مسلم



اسلام پروفیسر آرنلڈ کی نظر میں

ایک یوروپین مفکر کے اسلام کے بارے میں احساسات

(پروفیسر آرنلڈ کے ایک مقالہ سے ماخوذ)

دین دنیا میں نہایت پابندی کے ساتھ اسلام کے بارے میں غیر مسلم مفکرین کے احساسات درج کئے جاتے ہیں یہ مضمون بھی اِسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کے یورپ کے نامور اہل قلم پروفیسر جے۔ ڈبلو آرنلڈ کے اسلام کے بارے میں خیالات درج کئے گئے ہیں پروفیسر موصوف کی رائے ہے کہ اسلام صرف روحانی تسکین ہی کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ وہ تمدنی اعتبار سے بھی ایک بہترین نظام حیات ہے جس سے کہ غیر مسلم بھی استفادہ کر سکتے ہیں پروفیسر آرنلڈ لکھتے ہیں



جوں جوں ہم اسلام کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسلام نے انسانی تمدن کی اصلاح اور ارتقا میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ اور اِس سے ہماری تہذیب کو گرانقدر فوائد حاصل ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم ہونے کے باوجود میں اسلام کی خوبیوں کا معترف ہوں۔

اِس بات سے مجھے کوئی غرض نہیں کہ اسلام کے دینی عقائد کیا ہیں۔ اور نہ مجھے اِس بات سے کوئی واسطہ ہے کہ روحانی اعتبار سے اسلام نے اپنے ماننے والوں کی کیا خدمت انجام دی ہے۔ میں تو صرف اس پہلو سے اسلام پر بحث کرنا چاہتا ہوں کہ اس مذہب نے دنیا میں رونما ہو کر ہمارے معاشرہ کی اصلاح میں کہاں تک حصہ لیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ ہمارے معاشرہ میں آج جو خوبیاں دکھائی دے رہی ہیں وہ بڑی حد تک اسلامی تعلیمات کی ممنونِ منت ہیں میری رائے ہے کہ اسلام نے روحانی پہلو سے کہیں زیادہ مادی پہلو کو سدھارنے میں حصہ لیا ہے۔ اور یہ اسلام کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا

دنیا کے دانشور یہ دیکھکر حیران رہ جاتے ہیں کہ جس مذہب نے تمدنی اعتبار سے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا تھا اُس کا ظہور ایک ایسے غیر متمدن ملک اور غیر متمدن قوم میں ہوا تھا جو تہذیب انسانی قطعی ناآشنا تھی۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ اسی قوم کے ہادی نے اپنی تعلیمات سے ایک غیر متمدن قوم کو ایسا مہذب اور شائستہ بنادیا جس کی مثال تاریخ عالم میں مفقود ہے۔

کون نہیں جانتا کہ آج سے چودہ سو برس پہلے عرب کے باشندے خانہ بدوشوں کی زندگی گذارتے تھے۔ یہ مختلف قبیلوں اور خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اور اس قسم کی زندگی نے اُن کے مفادات کو صرف اپنے ہی قبیلوں اور خاندانوں تک محدود کر دیا تھا اور وہ ان مفادات کے حصول کے لئے یا اُن کی حفاظت کے لئے جبر و تشدد اور خونریزی سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اُس دور کے عربوں میں انسان اور انسانی قدروں کی کوئی عظمت یا اہمیت باقی نہیں رہی تھی۔ اسی لئے ہر قبیلہ اور خاندان دوسرے قبیلوں اور خاندانوں کو اپنے سے کمتر سمجھتا تھا۔ اور اُن پر غلبہ حاصل کرنے کو اپنا حق سمجھتا تھا۔ جس کی وجہ سے انصاف، مساوات، اور انسانی رواداری کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہا تھا۔

پھر اُس زمانہ کے عربوں کی نظر میں عورت ایک حقیر مخلوق تھی۔ اور اِس تصور کی بنا پر وہ لڑکیوں کو پیدائش کے فوراً ہی بعد زندہ دفن کر دیتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ ماں اور بہن کے ساتھ بھی حسن سلوک کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ ایسے زبردست مخالف اور غیر مہذب حالات میں اسلام کو اپنا اصلاحی کام انجام دینا پڑا تھا اور اِن حالات میں بھی اگر اسلام مقبولیت حاصل کر لیتا ہے تو یہ اُس کے معاشرتی نظام کی پختگی اور اثر اندازی کا بہترین ثبوت ہے۔

اسلام نے معاشرتی اور تمدنی اصلاح کے سلسلہ میں سب سے پہلے اِس بات کی کوشش کی تھی کہ انسان خاندان۔ قبیلہ اور وطن کی حدود کو توڑ کر صرف انسانیت کی سطح پر کھڑا ہو سکے۔ کیونکہ ان حدود کے توڑنے کے بعد ہی انسان دوسروں کے حقوق اور مفادات کا احترام کر سکتا ہے۔ اسلام کا منشا یہ تھا کہ وہ انسانوں کی باہمی تفریق کو مٹا کر سب ہی انسانوں کو برادری کے رشتہ میں منسلک کر دینا چاہتا تھا۔

اور اسی لئے اسلام نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا بلند تصور پیش کیا تھا۔ اور اِس تصور کے پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب لوگ خدا کی وحدانیت کو ماننے لگیں گے تو اُنھیں خود بخود یہ بات بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ تمام انسان خواہ وہ کسی خاندان۔ قبیلہ اور ملک سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اِس لئے اُن کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا اور اِس سلسلہ میں داعی اسلام کے جو ارشادات موجود ہیں اُن کے ذریعہ اِس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر اور عربوں کو غیر عربوں پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے اور رنگ یا نسل کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ اِس طرح اسلام نے معاشرتی زندگی میں وہ اہم انقلاب برپا کر دیا تھا جس کے بغیر کوئی بھی اصلاحی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی اور جس کی بدولت عرب اور عجم کے مسلمانوں نے ملکر عہد وسطیٰ میں ایک ایسا زبردست اور ترقی پسند سماج قائم کر دیا تھا جو اُس دور میں بے مثال تھا اور آج بھی اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے دنیا کی تمام سوسائٹیوں میں بے مثال سمجھا جاتا ہے۔

اِس کے ساتھ ہی اسلام نے عورت اور مرد کی مساوات کا علم بلند کر کے سماج کی ایک ایسی اہم خدمت انجام دی تھی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ عیسائیت۔ اور ہندو دھرم جیسے قدیم اور بڑے مذاہب نے عورت کو سماج کا ایک ناکارہ عضو بنا دیا تھا۔ لیکن اسلام دنیا کا وہ پہلا اور آخری مذہب ہے جس نے کہ عورت کے تمام جائز حقوق تسلیم کر کے سماج کی صحت مند ترقی میں عورت کی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا ہے چنانچہ آج دیگر مذاہب میں بھی عورتوں کے حقوق کا جو تصور نظر آرہا ہے۔ وہ اسلام ہی کی رہنمائی اور معاشرتی اصلاح کا نتیجہ ہے۔ اسلام کے ظہور کے وقت غلامی کا رواج اِس قدر ترقی کر گیا تھا کہ اُس کا ختم کرنا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے غلامی کے رواج میں ایسی موثر اصلاحات نافذ کیں جنہوں نے کہ غلاموں کو آقاؤں کی صف میں لاکر کھڑا کر دیا تھا۔ اسلام نے اُنھیں اپنے خاندان کا ایک جزو بنا دیا تھا۔ اور یہ فخر صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اُس کے اکابرین غلاموں کی سرداری تک کو قبول کر لیتے تھے۔ اور اِس پر فخر محسوس کرتے تھے اور اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ اُس نے غلاموں کو بادشاہی تک پہنچا دیا تھا اور غلاموں نے ایسی زبردست حکومتیں قائم کر لی تھیں جن کے اصلاحی اور ترقی پسند کارناموں کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

دنیا میں کوئی ملک اور قوم اُس وقت تک ترقی کر ہی نہیں سکتی جب تک کہ اُس کا کردار بلند نہ ہو۔ اسلام کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ اُس نے ایک ایسا سماج تیار کر دیا تھا جس کا کردار نہایت بلند اور پاکیزہ تھا۔ اور اِس صاحب کردار سماج نے دنیا کے دوسرے سماجوں کو بھی بے حد موثر کیا تھا۔ اسلام نے جو سماج بنایا تھا وہ بد دیانتی، شراب نوشی۔ قمار بازی اور اسی قسم کی دوسری اخلاقی کمزوریوں سے بالکل پاک تھا۔

پھر اسلام نے انسان کی ہر قسم کی ذمہ داریوں کو بھی متعین کر دیا تھا۔ وطن کی خدمت کو ایمان کا جزو قرار دے دیا تھا شہری حقوق متعین کر دئے تھے ہمسایوں کے حقوق قرابت داروں جیسے قائم کر دئے تھے۔ اُسے ماں باپ بہن بھائی۔ شوہر اور

پٹھانوں کے عہد کا ہندوستان

صـ۲۴ کا باقی مضمون

سے نہیں کیا جاتا تھا جب تک کہ قاتل کا سراغ نہیں مل جاتا تھا۔

شیر شاہ کا بھانجہ مبارز خاں ایک نہایت ہی بد چلن نوجوان تھا۔ بادشاہ کا بھانجہ ہونے کے زعم میں سنبھل کے پٹھانوں کی ایک لڑکی کو اغوا کر کے لے گیا سنبھل کے پٹھان اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکے انھوں نے مبارز خاں کی محلسرا پر حملہ کر دیا اور اس حملہ میں مبارز خاں مارا گیا بیٹے کے قتل پر جب شیر شاہ کی بہن بھائی کے پاس فریاد لے کر آئی تو شیر شاہ نے کہہ دیا کہ مجھے ایسے بد چلنوں سے کوئی ہمدردی نہیں جو میری رعایا کی بہو بیٹیوں کی آبرو کے دشمن ہوں سنبھل کے پٹھانوں نے جو کچھ کیا وہ درست کیا میں بھی اگر ان کی جگہ ہوتا تو یہی کرتا۔ غیرت کا تقاضہ یہی تھا۔

شیر شاہ مذہبی رواداری کا بہت بڑا حامی تھا۔ اس کی خدمت میں بنارس کے پنڈتوں کا ایک وفد آیا اور اس نے وہاں کے مسلمان حاکم کے بارے میں یہ شکایت کی کہ وہ ہندوؤں کی پوجا پاٹ میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔ شیر شاہ نے فوراً ہی معاملہ کی تحقیقات کی اور شکایت درست ثابت ہونے پر حاکم کو فوراً اس کے عہدہ سے برطرف کر دیا۔ تاریخ شیر شاہی کا مصنف عباس خان لکھتا ہے کہ شیر شاہ کی حکومت میں بڑے بڑے اور اہم عہدوں پر ہندو مقرر تھے۔ وہ ہندو عبادت خانوں کا پورا پورا احترام کرتا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں ملک کے جملہ مذاہب کے افراد کو پوری طرح مذہبی آزادی حاصل تھی تعصب کو بدترین گناہ تصور کرتا تھا اس نے تمام عمال حکومت کو حکم دے رکھا تھا کہ اس کی حکومت میں مذہبی اختلاف کی بنا پر ہرگز کسی شخص کے ساتھ ناانصافی نہ ہونے پائے

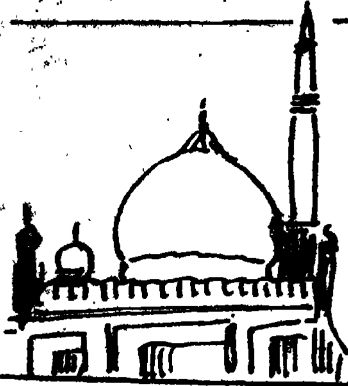
سطور بالا میں شیر شاہ کے دور حکومت جن خوبیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ انکے متعلق ایک یوروپین محقق نے لکھا ہے کہ "یہ خوبیاں صرف شیر شاہ کی حکومت ہی تک محدود نہیں تھیں بلکہ اسلام کی اس تعلیم کا نتیجہ تھیں جو مسلمانوں کو دی گئی تھی۔ چنانچہ مسلمان جس ملک میں بھی گئے وہاں انھوں نے اسی تعلیم کی بنیاد پر حکومتیں قائم کیں اور اسلامی رواداری کی خصوصیت کو ہر جگہ برقرار رکھا۔

اسلام پر پروفیسر آرنلڈ کی نظر

صـ۲۲ سے باقی مضمون

بیوی کی حیثیت سے رہنے کے شائستہ طریقے بتائے تھے۔ اور اس طرح اسے ایک اچھا شہری بنانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

مختصر یہ کہ اسلام دنیا کا ایک بڑا مذہب ہونے کے علاوہ سماجی اصلاح کی ایک زبردست اور کامیاب تحریک بھی ہے۔ اور اس نے سماجی اصلاح کے سلسلہ میں جو زبردست کامیابیاں حاصل کی ہیں انھوں نے اسے دنیا بھر کی صحت مند سماجی تحریکات کا سرچشمہ اور رہنما بنا دیا ہے۔ اور یہ اسلام کی ایسی خوبیاں ہیں جنہیں کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔



حق اور باطل کا بے مثال معرکہ

حضرت امام حسین علیہ السلام کا ملوکیت کے خلاف جہاد

(از شوکت علی فہمی)

کربلا کے میدان میں حضرت امام حسین علیہ اسلام نے ملوکیت اور شیطنت کے خلاف جو جنگ لڑی ہے وہ تاریخ عالم میں آپ ہی اپنی مثال ہے۔ پوری سلطنت اور پوری فوجی طاقت سے اللہ کے صرف سو جاں فروش ٹکرا گئے تھے اور اپنے آپ کو حق اور صداقت پر قربان کر دیا تھا یہی ایمان افروز واقعہ مختصراً ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے



فرزند رسول حضرت امام حسین کے لئے یہ چیز نا قابل برداشت تھی کہ جس مسند خلافت پر حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے مقتدر اور متقی بزرگ جلوہ فرما رہے ہوں۔ اسی مقدس مسند خلافت پر اس یزید ملعون نے جمہوریت کا گلا گھونٹ کر غاصبانہ قبضہ جما لیا تھا۔ جو اول درجہ کا زانی تھا۔ شرابی تھا۔ کتوں کا شوقین تھا اور طنبور کی خرافات میں مبتلا تھا۔

خلافت اسلامیہ کے غاصب یزید بن معاویہ کو چونکہ شروع ہی سے حضرت امام حسینؓ سے خوف تھا اس لئے اس نے مسند خلافت پر اپنے قبضہ کو برقرار رکھنے کے لئے اور حضرت امام حسین کو ہموار کرنے کی غرض سے بڑے بڑے لالچ دئے جاگیریں پیش کیں۔ شاہی خزانے اُن کے قدموں پر الٹ دینے چاہے مگر وہاں تو نہ حکومت درکار تھی اور نہ دولت کی طمع تھی صرف مقصد یہ تھا کہ خلافت اسلامیہ کی تقدیس کو برقرار رکھا جائے خلافت پر یزیدی اقتدار پر ضرب لگائی جائے خواہ اِس کے لئے جان کو قربان ہی کیوں نہ کر دینا پڑے

حضرت امام حسین کے سب ہی رشتہ داروں نے اور محبت کرنے والوں نے آپ کو کہا کہ آپ حکومت سے نہ ٹکرائیں اور اگر ٹکرانا ہی ہے تو پورے اہتمام اور تیاری کے بعد ملوکیت کے خلاف صف آرا ہوں۔ لاکھوں محبان رسول آپ کے ایک اشارہ پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے اور فرمایا میں وہی کرونگا جس کا مجھے حکم ملا ہے۔ بالکل اصل یہ ہے کہ آپکا مقصد نہ تو جنگ کر کے حکومت حاصل کرنا تھا۔ اور نہ آپ کسی دنیاوی اقتدار کے خواہشمند تھے بلکہ آپ کو تو حق و صداقت کی راہ میں اپنے آپ کو اور اپنے پورے کنبہ کو قربان کر کے دنیا کے سامنے قربانی کا ایک بے مثال نمونہ پیش کرنا تھا اور پھر اس قربانی کو زندہ جاوید بنانا تھا لہذا آپ اہل خانہ اور قریبی رشتہ داروں کو ساتھ لیکر کوفہ کی جانب شیطانی طاقت سے ٹکرانے کے لئے روانہ ہو گئے

ابن زیاد حاکم کوفہ کو حضرت امام حسین کی مکہ سے روانگی کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس لئے اُس نے حر بن تیمی کو ایک بڑا لشکر دیکر حضرت امام حسین کے مقابلہ کے لئے پہلے ہی روانہ کر دیا تھا اور حکم دیدیا تھا کہ "حضرت امام حسین اور ان کے تمام ساتھیوں کو گھیر کر میرے پاس لے آؤ" حر کے دل میں حضرت امام حسین کی بڑی عظمت تھی۔ اس نے حضرت امام حسین کے قافلہ کو گھیر تو لیا۔ لیکن رات کے وقت اُنھیں موقع دے دیا کہ وہ کسی

دوسری طرف بچ کر نکل جائیں۔ لیکن آپ نے کسی دوسری طرف جانا پسند نہیں کیا اور یہ قافلہ برابر کوفہ کی جانب بڑھتا رہا۔ آخر ۲ محرم ۶۱ھ ہجری کو یہ مقدس قافلہ کربلا کے میدان میں خیمہ زن ہو گیا۔

۴۔ محرم ۶۱ھ ہجری کو یزید کا سپہ سالار عمرو بن سعد بھی چار ہزار کا لشکر لیکر حضرت امام حسین کے مقابلہ کیلئے میدان کربلا میں پہنچ گیا۔ یہ اگرچہ حضرت امام حسین کا عزیز تھا لیکن اسے رے کی حکومت کا لالچ دیکر مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا۔ عمرو بن سعد کے لئے یہ بڑا ہی نازک وقت تھا وہ سوچنے لگا کہ اگر حضرت امام حسین اور اُن کا مختصر سا قافلہ اُس کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے تو وہ قیامت تک کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ اور اگر وہ اُن سے جنگ کرنے سے گریز کرتا ہے تو رے کی حکومت اُس کے ہاتھ سے جاتی رہیگی۔ آخر اُس نے یہ سوچا کہ آپس میں کسی طرح مصالحت کرانے کے بعد یہ قصہ ختم کرا دیا جائے لیکن اُس کی مصالحت کی تمام کوشش ناکام ثابت ہوئیں۔ اور ۷ محرم کو اُسے حکم ملا کہ دریا پر پہرا لگادو تاکہ حسینی قافلہ کو پانی نہ مل سکے۔ آخر ابن زیاد نے اہل بیت پر پانی بھی بند کر دیا۔

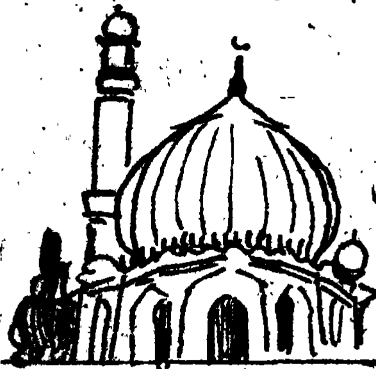
عمرو بن سعد کی مصالحانہ کوششوں کی وجہ سے چونکہ حاکم کوفہ ابن زیاد کو عمرو بن سعد کی جانب سے شبہ ہو گیا تھا اس لئے زیاد نے شمر ذی الجوشن کو حضرت امام حسین کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور سعد کو لکھا کہ "تم نے حسین کی خیر خواہی میں کئی دن برباد کر دیئے ہیں۔ میرے اِس حکم کے ملتے ہی اُن سے یزید کی بیعت لے کر انھیں میرے پاس بھیجدو اور اگر وہ بیعت سے انکار کریں تو فوراً جنگ شروع کر دو۔ عمرو بن سعد کو ۹ / محرم کو جب یہ حکم ملا تو رے کی حکومت کی لالچ میں اُس کی روش بالکل بدل گئی اور عمرو بن سعد نے حضرت امام حسین اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ انتہائی سختی کا سلوک شروع کر دیا۔

حضرت امام حسین پر انتہائی زور دیا گیا کہ وہ یزید کی اطاعت قبول کر لیں۔ اِس ناپاک مقصد کے لئے آپ کے گھر والوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں معصوم بچوں کو پانی کیلئے تڑپایا گیا یہاں تک کہ عورتوں کے خیموں کو بھی آگ لگانے کی کوشش کی گئی مگر حضرت امام حسین کے پائے استقلال کو ذرہ برابر بھی جنبش نہ ہوئی یہ جاننے کے باوجود کہ تباہی اور موت سامنے کھڑی ہے آپ اسلام اور اسلامی جمہوریت کے احیا کی خاطر اپنے مسلک پر پتھر کی چٹان کی طرح قائم رہے نہ سختیاں آپ کے قدم مبارک میں لغزش پیدا کر سکیں اور نہ دنیاوی آرام اور عیش کا لالچ ہی آپ کے قدم کو ڈگمگا سکا۔

۱۰ / محرم ۶۱ھ ہجری کو حق و باطل کی وہ جنگ چھڑ گئی جس پر انسانیت قیامت تک آنسو بہاتی رہیگی۔ جنگ چھڑنے سے قبل حضرت امام حسین نے اپنے بھائیوں۔ بیٹوں۔ بھتیجوں اور ساتھیوں سے کہا کہ "میرے ساتھ جان نہ گنواؤ" لیکن مردوں کا تو ذکر ہی کیا ہے اِس ایثار پیشہ خاندان کی عورتوں اور بچوں نے بھی ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ آپ کی بہن حضرت زینب نے جب بھائی اور سارے خاندان کو موت کے منہ میں جاتے دیکھا تو رونے لگیں۔ آپ نے اُنھیں تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی۔

ملعون یزید کے لشکر سے جنگ شروع ہو چکی تھی ایک طرف تو حضرت امام حسین کے قافلہ کے ۷۲ چھوٹے اور بڑے راہ حق کے سرفروش تھے جو تین روز سے بھوکے پیاسے تھے اور دوسری جانب اسلام اور آل رسول کے دشمنوں کا لشکر جرار تھا حضرت امام حسین کے لشکر میں اگرچہ گنتی کے صرف چند آدمی تھے اور وہ بھی تین دن کے بھوکے پیاسے لیکن اُن میں سے ہر ایک نے جرأت اور بہادری کا وہ مظاہرہ پیش کیا ہے جو دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔ ان میں سے ایک ایک اور دو دو مجاہدین آگے بڑھتے تھے اور شیطانی لشکر کو چیرتے چلے جاتے تھے۔

حق و باطل کی اِس جنگ میں اِسی طرح بہادر شجاعت دیتے ہوئے جب حضرت امام حسین کے مختصر سے قافلہ کے بیشتر مجاہد بھی کام آگئے تو حضرت امام حسین کے صاحبزادے حضرت علی اکبر، عبداللہ بن مسلم جعفر طیار کے پوتے [illegible] [illegible] حضرت امام حسین [illegible] [illegible] دیا۔ پھر



دنیائے اسلام کے روشن ستارے
اہل یورپ نے ان ہی ستاروں سے روشنی حاصل کی ہے

(از مولوی محمد حفیظ اللہ پھلواروی)

دنیا مسلمانوں کے بارے میں صرف اتنا ہی جانتی ہے کہ وہ اپنے عہد کے بہت بڑے فاتح تھے لیکن اسلامی فتوحات سے بھی کہیں زیادہ مسلمانوں کے علمی کارنامے باعث فخر ہیں اور مسلمانوں کے اِن علمی کارناموں سے اہل یورپ نے سب سے زیادہ فیض حاصل کیا ہے چنانچہ ذیل کے محققانہ مضمون میں مولوی حفیظ اللہ صاحب نے اسلام کے اُن چند درخشندہ ستاروں کا ذکر کیا ہے جنکی بدولت دنیا علم کی روشنی سے جگمگا اٹھی تھی۔

اسلام کا یہ کارنامہ بلاشبہ تاریخ میں سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ اسلام کے مایۂ ناز فرزندوں کی بدولت دنیا کو جہالت کی تاریکی سے نجات ملی۔ اسلام جس دور میں جلوہ گر ہوا ہے وہ جہالت کا زمانہ تھا۔ ہر طرف جہالت کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد ساری دنیا علم کی روشنی سے جگمگا اٹھی۔ تاریخ اِس بات کی گواہ ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں جبکہ بغداد اور قرطبہ علوم و فنون کے مرکز بنے ہوئے تھے یورپ بری طرح جہالت کی تاریکی میں گھرا ہوا تھا۔ چنانچہ یورپ کے اکثر ممالک میں علم حاصل کرنا ایک گناہ اور جرم خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ علم کی روشنی مسلم اسپین سے ہو کر یورپ میں پھیلنے لگی اور اہل یورپ نے اسلامی علوم و فنون سے استفادہ کرنا شروع کر دیا۔ ذیل میں ہم اُن علمائے اسلام کا ذکر کریں گے جن کے علمی کارناموں سے صرف یورپ ہی نہیں بلکہ پوری دنیا متاثر ہوئی ہے [illegible] علمائے اسلام کا نامور طبیب اور فلسفی ہوا ہے۔ اِس [illegible] کو نقطۂ عروج پر پہنچا دیا تھا۔ اس نے کم و بیش سو [illegible] ان میں سے کتاب "الشفا" کی اٹھارہ جلدیں [illegible] جلدیں ہیں۔ اِن کتابوں کو یورپ میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی چنانچہ یورپ کی مختلف زبانوں میں اِن کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

امریکی مستشرق پروفیسر فلپ کے ہتی کا بیان ہے کہ "ابن سینا فن طب کا امام ہے جسکی بلند پایہ کتاب "القانون" سے یورپ نے بہت زیادہ فائدہ حاصل کیا ہے اِس کا ترجمہ یورپ میں (CANON) کینون کے نام سے کیا گیا ہے۔ اور گذشتہ زمانہ میں یورپ کی تقریبًا تمام طبی درسگاہوں میں اِسی کو درسی کتاب کے طور پر پڑھایا جاتا تھا۔ پندرھویں صدی کے آخر میں اِس کتاب کا ایک عبرانی ایڈیشن اور پندرہ لاطینی اڈیشن شائع ہوئے ہیں"

پروفیسر آیڈورڈ جی سمرادن لکھتا ہے کہ "ابن سینا کا شمار دنیا کے قابل ترین انسانوں میں کیا جاتا ہے۔ اُس کی ذات میں اتنی خصوصیات ہیں جن کا بیان کرنا مشکل ہے۔ وہ فلسفی بھی ہے۔ طبیب بھی ہے۔ شاعر بھی ہے اور ایک مدبر مفکر بھی اور فن طب کو تو اُس نے معراج کمال کو پہنچا دیا تھا اُسی سے اہل یورپ نے بہت کچھ سیکھا ہے"

ڈاکٹر ولیم اوسلر اپنی کتاب "ماڈرن میڈیسن" [illegible]

ہے کہ "ابن سینا کی کتابوں سے یورپ نے بہت فائدہ اٹھایا ہے یہ ایک ناقابل انکار صداقت ہے کہ یورپ میں فن طب کی بنیاد اس بلند پایہ عالم کی تصانیف پر رکھی ہوئی ہے۔ اس کی تصنیف "القانون" ایک کتاب سے زیادہ طبی بائبل ہے جو مدت دراز تک فن طب میں اہل یورپ کی رہنمائی کرتی رہے گی"

اسی طرح ابن رشد جو [illegible] ہجری میں فوت ہوا ہے۔ یورپ میں (AVEN ROIS) ایون رائش کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے بیس سے زیادہ فلسفہ کی کتابیں تصنیف کی ہیں اور یہ بہت سی طب کی کتابوں کا بھی مصنف ہے۔ طب میں اس کی کتاب "الکلیات فی الطب" اور فلسفہ میں "تہافتہ التہافتہ" بہت زیادہ مشہور ہیں۔ ابن رشد ہی کی کتابوں پر یورپ کے فلسفہ کی بنیاد قائم کی گئی تھی۔ اس نے ارسطو کے مردہ فلسفہ کو از سر نو زندہ کیا ہے۔

امریکہ کے مشہور اہل قلم جان ولیم ڈریپر کا بیان ہے کہ "انگلستان۔ جرمنی۔ فرانس اور اٹلی میں ابن رشد کا فلسفہ رفتہ رفتہ مقبول ہوتا چلا گیا فرانکی فرقہ کے پادریوں نے تو ابن رشد کے فلسفہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا یہاں تک کہ پیرس یونیورسٹی ابن رشد کے فلسفہ کا مرکز بن گئی تھی"

ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتا ہے کہ "وہ عرب فلسفی جس کا اثر پورے یورپ پر بہت زیادہ پڑا ہے۔ ابن رشد ہے۔ تیرھویں صدی عیسوی کی ابتدا سے یورپ کے مدارس میں ابن رشد ہی کا فلسفہ رائج تھا اور [illegible] میں جبکہ لوئی یازدہم نے نیا نصاب تعلیم رائج کیا تو اس نے حکم دیا تھا کہ فلسفہ میں ابن رشد اور ارسطو کی تصانیف ضرور پڑھائی جائیں"

الخوارزمی ہیئت۔ ریاضی اور جغرافیہ کا بہت بڑا عالم ہوا ہے۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے یورپ میں علم ہندسہ کو رواج دیا اور علم ریاضی پر سب سے پہلے الخوارزمی ہی نے توجہ مبذول کی۔ اس کا رسالہ "جبر و مقابلہ" بہت مشہور ہے یہ رسالہ انگریزی ترجمہ کے ساتھ [illegible] لندن میں طبع ہوا تھا۔

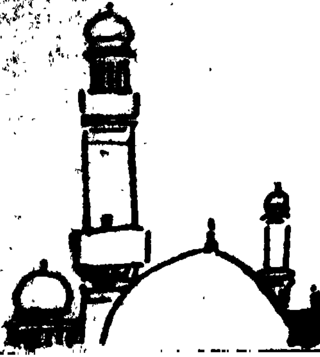
پروفیسر طب نے بھی لکھا ہے کہ "خوارزمی کا شمار اسلام کے عظیم سائنس دانوں میں کیا جاتا ہے اس نے قدیم ترین فلکیاتی جدولوں کو نئے سرے سے مرتب کیا۔ اس نے علم ریاضی اور الجبرا پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ اس کے الجبرے کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ کتاب سولھویں صدی عیسوی تک ریاضیات کی اہم ترین درسی کتاب کی حیثیت سے پورے یورپ میں پڑھائی جاتی رہی ہے۔ اس کے ترجمہ کی بدولت یورپ پہلی مرتبہ الجبرا کے نام اور علم سے روشناس ہوا۔ خوارزمی کی کتابوں ہی کی بدولت مغرب میں عربی ہندسوں کا رواج ہوا۔

فن جراحی کا علم بھی اہل یورپ نے عربوں ہی سے حاصل کیا ہے۔ شیخ ابوالقاسم ابن عباس متوفی [illegible] عیسوی فن جراحی کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے اہل یورپ میں یہ (ABU-KASIS) ابلکاسیس کے نام سے مشہور ہے۔

اسی فاضل ماہر طب نے سب سے پہلے فن جراحی کو ایجاد کیا اور جراحی کے لئے آلات تیار کرائے۔ پھر ان آلات کے استعمال کے طریقے سمجھائے۔ یہ جسم کے نازک ترین حصوں کا بڑی خوبی سے آپریشن کرتا تھا مثانہ کی پتھری نکالنے کے لئے اور مثانہ میں نشتر لگانے کے واسطے اس نے مثانہ کے خاص حصّہ کو متعین کیا تھا۔ چنانچہ یورپ کے سرجنوں نے ابتدا میں ابوالقاسم کے مقررہ اصول پر سرجری شروع کی۔ فرانسیسی مورخ موسیو سیدیو نے لکھا ہے کہ "ابوالقاسم کو زمانہ وسطیٰ کا سرجن شمار کیا جاتا ہے۔ اہل یورپ اسی کے مقلد ہیں"

ابوبکر محمد بن یحییٰ متوفی [illegible] ہجری اندلس کا بہت بڑا فلسفی اور عربی ادب کا ماہر ہوا ہے۔ علم ہیئت اور طب میں بھی یہ کمال رکھتا تھا۔ اس نے علم سیاست۔ علم حیوانات۔ علم ہندسہ اور فلکیات پر بہت سی نایاب کتابیں تصنیف کی ہیں ان کتابوں میں سے اکثر و بیشتر کتابوں کے تراجم لاطینی زبان میں ہو چکے ہیں یہ کتابیں یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں مدتوں پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ ابوبکر فن موسیقی کا بھی بہت بڑا ماہر ہوا ہے

ابوبکر کے بارے میں باتیر لکھتا ہے کہ "یہ شخص ریاضی بالخصوص ہیئت و موسیقی اور طب میں کمال رکھتا تھا اس کے علاوہ منطق اور فلسفہ میں بھی اس کا [illegible]



ایسے بھی مسلم حکمراں ہوئے ہیں

غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا ناقابلِ فراموش واقعہ

(از جناب فیضی فاروقی)

مسلم حکمرانوں کی یہ امتیازی خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے تقریباً ہر زمانہ اور ہر دور میں غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی رواداری کا برتاؤ کیا ہے۔ چنانچہ مسٹر فیضی فاروقی جو آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ ہیں انھوں نے تاریخ اسلام سے مسلم حکمرانوں کی رواداری کا یہ واقعہ سپردِ قلم کیا ہے جس سے کہ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں غیر مسلموں کے مذہبی جذبات کا کس طرح خیال رکھا ہے چنانچہ ہم ذیل میں یہ واقعہ درج کر رہے ہیں۔



اسلام نے عدل و مساوات اور رواداری کا ایک ایسا بلند معیار قائم کیا ہے جس کی مثال دنیا کی پوری تاریخ میں ناپید ہے۔ مسلمان مورخوں کا تو ذکر ہی کیا ہے تعصب سے پاک غیر مسلم مورخوں نے بھی اس کی خصوصیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا دورِ حکومت عدل و انصاف اور رواداری کے معاملہ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے لئے رحمت ثابت ہوا ہے۔ اور انھوں نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اس قول کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائے رکھا ہے کہ "میں اس وقت تک اپنے آپ کو کمزور سمجھتا رہوں گا جب تک کہ قوی لوگوں کی طرف سے کمزوروں پر کئے گئے ظلم کا بدلہ نہ لے لوں گا" اور اسلام کی تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلم حکمرانوں نے نہ صرف طاقتوروں کے مقابلہ میں کمزوروں کی پشت پناہی کی ہے بلکہ وہ عدل و انصاف کے اصول پر ہمیشہ سختی کے ساتھ قائم رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی غیر مسلموں کے معاملہ میں ہمیشہ ہی انتہائی رواداری کا ثبوت دیا ہے۔

مسلم حکمرانوں کی رواداری کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ مصر میں اس وقت پیش آیا تھا جبکہ حضرت عمرو بن عاص وہاں کے گورنر تھے حضرت عمرو بن عاص اسلام کے ایک جلیل القدر فرزند اور ایک ممتاز سپہ سالار تھے۔ انھوں نے ہی متعدد معرکوں میں قیصر روم کو شکست دی تھی اور ان ہی کی رہنمائی میں براعظم افریقہ میں اسلامی فتوحات کا آغاز ہوا تھا۔

حضرت عمرو بن عاص ہی نے ۲۰ھ ہجری میں مصر پر حملہ کیا تھا۔ اور چھ ماہ تک اسکندریہ پر محاصرہ کرنے کے بعد انھیں اس شہر پر فتح حاصل ہوئی تھی۔ چنانچہ اس طویل محاصرے سے تنگ آکر ایک شب کو عیسائیوں نے اسکندریہ کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دئے تھے۔ اور حضرت عمرو بن عاص نے شہر میں داخل ہونے کے بعد اعلان کیا تھا کہ "اہل شہر کو ہر قسم کا خوف اپنے دل سے نکال دینا چاہئے۔ وہ بالکل محفوظ رہیں گے ان کی جائیدادیں اور زمینیں بدستور ان کے قبضہ میں رہیں گی مسلمان ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں انھیں کامل مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور ان کی تمام عبادت گاہیں اوقاف اور روایات کا تحفظ کیا جائے گا۔ انھیں معمول کے مطابق اپنے تمام دینی اور دنیاوی کام جاری رکھنے چاہئیں"

مصر کے عیسائیوں کے لئے جن کی حکومت میں غیر مذہب والوں کے لئے اس قسم کی مراعات کی کوئی گنجائش موجود نہیں تھی حضرت

عمرو بن عاص کا یہ اعلان بےحد تعجب خیز تھا۔ لیکن جب چند روز کے اندر ہی انہیں اس اعلان کی صداقت کا یقین ہوگیا تو وہ مسلمانوں کے انصاف اور ان کی رواداری پر پوری طرح بھروسہ کرنے لگے اور ان کے ذہن سے فاتح اور مفتوح کا فرق بالکل ہی جاتا رہا

شہر اسکندریہ کے چوک میں حضرت عیسیٰ کا ایک مجسمہ نصب تھا اور حضرت عمرو بن عاص نے عیسائیوں اور ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ کا جو یقین دلایا تھا۔ اس میں قدرتی طور پر اس مجسمہ کا تحفظ بھی شامل تھا۔ لیکن ایک صبح کو شہر کے عیسائی یہ دیکھ کر بے حد رنجیدہ ہوئے کہ رات کی تاریکی میں کسی نے اس مجسمہ کی ایک آنکھ پھوڑ دی تھی اور چونکہ انھیں یقین تھا کہ کوئی عیسائی ایسی حرکت کا ارتکاب نہیں کرسکتا اس لئے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ ناشائستہ حرکت کسی مسلمان ہی سے سرزد ہوئی ہے۔

اس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد عیسائی معززین کے ایک وفد نے حضرت عمرو بن عاص کی خدمت میں حاضر ہوکر انہیں اس واقعہ سے مطلع کیا۔ حالات سننے کے بعد انھوں نے اظہار افسوس کرتے ہوئے جب ان ہی سے اس کے تدارک یا کفارے کا طریقہ معلوم کرنا چاہا تو عیسائیوں نے کہا کہ "ہماری تسلی اس طرح ہو سکتی ہے کہ آپ بھی اپنے پیغمبر کا ایک مجسمہ تیار کرائیں اور ہمیں" عیسائی اپنا جملہ پورا بھی نہ کرنے پائے تھے کہ حضرت عمرو بن عاص سب کچھ سمجھ گئے۔ ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا لیکن پھر بھی انھوں نے بڑے صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ "ہم مسلمان مجسمہ اور بت بنانے کے خلاف ہیں اس لئے اس کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا پھر اس بات کا بھی کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ یہ حرکت کسی مسلمان ہی سے سرزد ہوئی ہے مگر اس کے باوجود میں اس ذمہ داری کو محسوس کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس مجسمہ کی حفاظت کرنی چاہئے تھی اور چونکہ وہ اس کی حفاظت سے قاصر رہے ہیں اس لئے ہمیں اس کوتاہی کا کفارہ ادا کرنا چاہئے۔ لہذا میری تجویز یہ ہے کہ تم ہم مسلمانوں میں سے کسی ایک مسلمان کی آنکھ پھوڑ کر عدل کے تقاضوں کو پورا کرلو" عیسائی اس بات پر رضامند ہو گئے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ دوسری صبح کو شہر کے قریب ایک [illegible] اہل شہر کے [illegible] عیسائی [illegible] مسلمان کی آنکھ پھوڑ دیں۔ اور اس طرح انصاف کے تقاضہ کو پورا کیا جائے۔

دوسرے دن صبح کو جب اہل شہر میدان میں جمع ہو گئے تو عمرو بن عاص نے ایک مختصر سی تقریر میں اس واقعہ پر اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ "حضرت عیسیٰ کے مجسمہ کی آنکھ کے بدلے میں ایک مسلمان کی آنکھ پھوڑنے کے لئے اہل شہر جس مسلمان کو بھی منتخب کریں ہمیں منظور ہے" اور اس کے بعد انھوں نے کہا کہ "آپ جانتے ہیں کہ میں اسلامی لشکر کا سپہ سالار ہوں۔ اور شہر کا حاکم بھی ہوں اور میں نے ہی اہل شہر کو ہر قسم کے تحفظ کا یقین دلایا تھا۔ اس لئے تحفظ کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہی عائد ہوتی ہے۔ اس لئے مجھ ہی کو اس کا نتیجہ بھگتنا چاہیئے" اور یہ کہکر حضرت عمرو بن عاص نے اپنا خنجر اُن عیسائی پادریوں کے حوالے کر دیا جو صف اوّل میں کھڑے حضرت عمرو بن عاص کی باتوں کو حیرت سے سن رہے تھے۔ اور ابھی حضرت عمرو بن عاص کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ اسلامی فوج کا ہر افسر اور سپاہی آگے بڑھ کر خود کو اسی مقصد کے لئے پیش کرنے لگا۔ لیکن حضرت عمرو بن عاص نے اُنھیں واپس جانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ "یہ سب کچھ میری غفلت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اس کی سزا مجھ ہی کو ملنی چاہیئے۔"

ابھی اہل شہر اور عیسائی رہنما ان تمام باتوں پر حیران ہی تھے کہ ایک مسلمان سپاہی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھا اور اُس نے بلند آواز سے کہا کہ "یہ غلطی مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔ میں ہی مجرم ہوں میری آنکھ پھوڑی جانی چاہیئے" سپاہی کے اس اعتراف نے سب لوگوں کو اور بھی حیران کر دیا۔ عیسائی سوچنے لگے کہ مسلمان انسان ہیں یا فرشتے۔؟

عیسائیوں کے بطریق اعظم نے آگے بڑھ کر خنجر حضرت عمرو بن عاص کو واپس دیتے ہوئے کہا کہ "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم لوگ حقانیت اور صداقت کا [illegible] انصاف تم پر ختم ہے۔ عیسائی [illegible] حق کی [illegible] رہی ہے وہ تم ہی ہو [illegible] عیسائی [illegible] کی حیثیت سے مسلمان سپاہی کی اس غلطی کو معاف کرتا ہوں اور میری [illegible] ہے [illegible]

تعلیم القرآن

(باقی صفحہ ... سے)

اپنے بھائی کے تھیلے سے برآمد کر لیا۔ ہم نے یوسف کی خاطر اس قسم کی تدبیر ذہن میں ڈالی کیونکہ یوسف (اس کے بغیر) بھائی کو شاہی قانون کے مطابق روک نہیں سکتے تھے۔ مگر ایسا اللہ ہی کو منظور تھا ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں اور سب علم والوں سے بڑھ کر (اللہ) ایک بڑا علم والا ہے۔

تشریح! - اور جب (حضرت) یوسف کے سوتیلے بھائی دوبارہ یوسف کے پاس (ان کے حقیقی بھائی کو ساتھ لیکر) پہنچے تو یوسف نے اپنے بھائی بن یامین کو اپنے پاس ٹھیرا لیا۔ اور اُن کو بتایا کہ میں تمہارا حقیقی بھائی (یوسف) ہوں۔ اور جو حرکتیں یہ لوگ کرتے رہے ہیں اُس پر افسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر جب (حضرت یوسف نے) بھائیوں کا اسباب تیار کرا دیا (یعنی غلہ دے دیا) تو اپنے حقیقی بھائی کے تھیلے میں اپنا پیالہ رکھوا دیا۔ (اور جب یہ لوگ شہر سے باہر نکل گئے تو حضرت یوسف کے ایما پر ایک شخص نے اُن کے قافلہ کے قریب جا کر آواز لگائی کہ اے قافلہ والو تم چور ہو اس پر (حضرت) یوسف کے بھائی آواز لگانے والے کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟ آواز لگانے والے نے کہا شاہی پیالہ کھو گیا ہے جو شخص اُس کا سراغ لگائے گا اُسے ایک بار شتر غلہ انعام میں دیا جائے گا اور میں اس انعام کا ضامن ہوں۔

(حضرت یوسف کے بھائیوں نے) اُس سے کہا کہ خدا کی قسم تمہیں معلوم ہے کہ ہم اس ملک میں کوئی فتنہ یا فساد برپا کرنے نہیں آئے ہیں۔ چوری ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ شاہی ملازم بولا اگر تم جھوٹے نکلے تو اپنے لئے کیا سزا تجویز کرتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ اُس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان سے چوری کا پیالہ نکلے اُس کے بدلے میں اُسے روک کر غلام بنا لیا جائے ہمارے یہاں چوروں کو یہی سزا دی جاتی ہے (حضرت یوسف بھی وہاں آگئے تھے) یوسف نے اپنے بھائی کے سامان سے قبل دوسرے بھائیوں کے سامان کی تلاشی شروع کی اور بعد میں اپنے بھائی کے سامان سے شاہی پیالہ برآمد کر لیا۔ ہم نے یوسف کے ذہن میں یہ تدبیر اسلئے ڈالی کیونکہ شاہی قانون کے مطابق وہ کسی طرح بھی اپنے بھائی کو مصر میں نہیں روک سکتے تھے مگر اللہ کو ایسا ہی منظور تھا۔ ہم جس کے لئے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ تمام علم والوں سے بڑھ کر اللہ ہی ایک بڑا علم والا ہے۔

حق اور باطل کا معرکہ

(باقی مضمون صفحہ ... سے)

حضرت امام حسین بنفس نفیس خود میدان میں تشریف لے آئے تو یزیدیوں نے چاروں طرف سے یورش شروع کر دی۔ تیر دن کا مینہ برسنے لگا۔ حضرت امام حسین کو نرغہ میں دیکھا تو آپ کے بھائی عباس عبداللہ جعفر اور عثمان آپ کے گرد سپر بن کر کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ یہ چاروں بھائی شہید ہو گئے۔

اب فرزند رسول حضرت امام حسین زخموں کی کثرت سے نڈھال ہو چکے تھے۔ پیاس کا غلبہ جب زیادہ ہوا تو آپ اسی حالت میں نہر فرات کی جانب بڑھے۔ آپ چلو میں پانی لیکر پینا ہی چاہتے تھے کہ ایک شقی نے تیر مارا کہ آپ کا چہرہ مبارک لہو لہان ہو گیا۔ آپ فرات سے پیاسے ہی لوٹ آئے۔ اب آپ میں کوئی سکت باقی نہیں رہی تھی۔

یزیدیوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے گردن مبارک پر تلوار سے کئی وار کر کے بری طرح زخمی کر دیا۔ اور آپ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے تو آپ کے گرنے کے بعد ملعون خولی نے سر اقدس تن مبارک سے جدا کر دیا اور اس طرح حق و باطل کی یہ جنگ اس دردناک سانحہ پر ختم ہو گئی

شہادت کے دوسرے دن شہدا کی لاشیں دفن کی گئیں حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک کیونکہ زیاد کے پاس کوفہ روانہ کر دیا گیا تھا۔ اسلئے آپ کے جسد اطہر کو سر کے بغیر ہی دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دین دنیا کے پرچے محفوظ رکھئے

بڑے بڑے اہم واقعات کو دین دنیا میں مختصر کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ دین دنیا محض ایک پرچہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسا جریدہ ہے۔ جس میں کہ نہایت ... معلومات سے لبریز مضامین بڑی تلاش و محنت سے سپرد قلم کئے جاتے ہیں اسلئے دین دنیا کے تمام پرچوں کو محفوظ رکھئے۔

معاشرتی نہایت [illegible] اسلامی [illegible] کی روح

ایک زبردست اور شاندار

اسلامی انسائیکلوپیڈیا

مروجہ تعلیم و تہذیب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے مسلمان دن بدن اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور ناواقفیت کی بنا پر ایسی حرکتیں کر بیٹھتے ہیں جو [illegible] کھلا ہوا شرک اور کفر ہوتا ہے مسلمانوں کو گمراہی اور بے دینی سے بچانے کے لئے ہم نے حال ہی میں فقہ کی سائڈ مستند کتابوں کی مدد سے ایک ایسی جامع کتاب شائع کی ہے جس میں دس ہزار سے زیادہ ایسے دینی اور دنیاوی معاملات پر بحث کی گئی ہے جس سے ہر مسلمان کا روزانہ واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ یہ مستند اور ضخیم کتاب حال ہی میں۔

فلاح دین دنیا کے نام سے شائع کی گئی ہے اس جدید ایڈیشن میں بہت سے نئے عنوانات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس میں مسلمانوں کے لئے کوئی ایسی دینی اور دنیاوی معلومات نہیں جو موجود نہ ہو اس میں اسلام کے فضائل اور عقائد کی تفصیل ہے۔ اس میں عبادات اور اعمال و وظائف کا لاجواب

جدید اضافہ شدہ ایڈیشن ذخیرہ ہے اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرت کا درس موجود ہے غرضیکہ اس کتاب میں ایک مسلمان کے لئے پیدائش سے لیکر موت تک کے تمام دینی اور دنیاوی معاملات پر پوری طرح روشنی ڈالی گئی ہے یہاں تک کہ اسلامی نقطہ نظر سے کھانے پینے رہائش میل جول اور حفظان صحت تک کے اصول درج کر دیئے گئے ہیں۔ جس گھر میں یہ کتاب ہو گی اس گھر میں ایک زبردست عالم دین اور تجربہ کار دنیاوی مشیر مشورہ دینے کے لئے ہر وقت موجود ہے گا یہ کتاب نہیں ہے بلکہ ایک زبردست اسلامی انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں پوری اسلامی لائبریری کے برابر مواد موجود ہے۔

اس میں چودہ ابواب ہیں جن میں سے ہر باب اپنی جگہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے

باب اوّل:۔ اس میں اسلام کے فضائل اسلام کے دین فطرت ہونے کا ناقابل تردید ثبوت اور اسلام کے بارے میں غیر مسلم مشاہیر کے بلند و بالا خیالات درج ہیں۔

باب دوم:۔ عقائد اہل سنت والجماعت۔ اس میں اسلامی عقائد کے بنیادی اصول اور یہ عقائد درج ہیں ذات و صفات الٰہی عرش و کرسی لوح و قلم فرشتے حضرت جبرائیل و میکائیل اسرافیل عزرائیل منکر نکیر [illegible] سوال [illegible] علامات قیامت ظہور امام مہدی دجال و حضرت عیسیٰ کا نزول [illegible] قیامت کبریٰ [illegible] میدان حشر حساب کتاب [illegible] جنت رسول مقبول صلعم کی فضیلت آپ کی زندگی کے حالات [illegible] خلفائے راشدین و اولیاء اللہ پیران طریقت موت و حیات وغیرہ۔

باب سوم:۔ اسلامی عبادات:۔ اس میں عبادات پر پوری طرح روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً وضو غسل تیمم نماز پنجگانہ نماز مسافر نماز جمعہ نماز عیدین۔ نماز اشراق نماز چاشت جنازے کی نماز اعتکاف فضائل ماہ رمضان المبارک روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ کے جملہ مسائل اور ارکان درج ہیں۔

باب چہارم:۔ اعمال و وظائف۔ اس میں مسائل کے علاوہ سو سے زیادہ دعائیں اور تیرہ [illegible] کے علاوہ مستند اعمال و وظائف درج ہیں جو بزرگان دین اولیاء اللہ کا معمول رہے ہیں نیز بزرگان دین کی ولادت اور وصال کی تاریخیں بھی درج ہیں۔

باب پنجم:۔ حلال و حرام [illegible] ذبح و شکار۔ اس میں حلال و حرام [illegible] ذبح و شکار کے مسائل بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

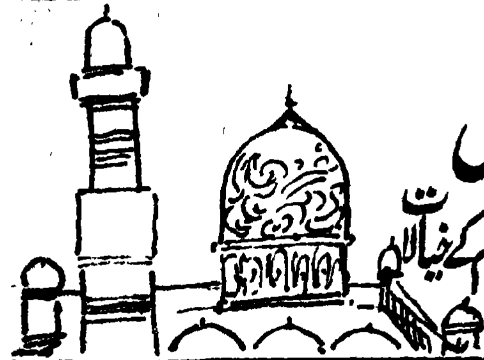
باب ششم:۔ اللہ اور اللہ کے بندے کے حقوق۔ اس میں حقوق اللہ حقوق آنحضرت صلعم حقوق صحابہ حقوق اہلبیت حقوق پیران طریقت والدین اور بیوی بچوں کے حقوق اعزہ و اقرباء کے حقوق ملازم غرضیکہ ایک مسلمان پر جتنے حقوق عائد ہوتے ہیں وہ سب درج ہیں۔

دیگر ابواب:۔ باقی [illegible] ابواب میں سے ایک باب میں اسلامی معاشرت پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً خورد و نوش اور لباس کے مسائل پیدائش۔ عقیقہ شادی بیاہ نکاح طلاق۔ تجہیز و تکفین [illegible] ایک علیحدہ باب میں میلاد شریف [illegible] مفصل بیان [illegible] کے علاوہ ایک علیحدہ باب میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور دیگر اولیائے کرام کی سوانح [illegible]

اور آخری باب میں [illegible] کے جملہ اصول اور اہم [illegible] درج ہیں غرض اس کتاب میں وہ سب کچھ موجود ہے [illegible] ہو سکتا ہے [illegible] اپنی زندگی [illegible]

قیمت مجلد مع خوشنما ڈسٹ کور صرف [illegible] پیسہ

دین دنیا پبلشنگ کمپنی ——— جامع مسجد ——— دہلی ۶



بارگاہِ حسین میں عقیدت کے پھول

امام اعظم کی بے مثال قربانی پر مفکرین عالم کے خیالات

(از جناب اعظم اللہ ویدی)

"حق و صداقت کے امتحان میں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود میں کود پڑے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ نے فرعون سے ٹکر لی تھی بالکل اسی طرح حضرت امام حسین نے بھی یزید کی شیطانی طاقت سے مقابلہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو راہ حق میں قربان کر دیا تھا۔ یہ حق و باطل کی وہ عظیم جنگ ہے جس نے کہ پوری نوع انسانی کو حریت اور آزادی کا سبق پڑھایا ہے۔

یزید خلافت اسلامیہ کا غاصب۔ کتنوں کا شکاری بدکاری کا مجسمہ اور بادۂ خوش رنگ کا دلدادہ تھا۔ یہ ہمیشہ رقص و نغمہ میں مدہوش رہتا تھا یہ اپنے دور کا وہ فاسق اور فاجر اور ظالم حکمراں ہوا ہے۔ جس نے کہ اولاد رسول تک کو تہ و تیغ کر دیا ہے۔ یہ عیاری اور نفاق کا پیکر تھا اور اسلام کے دامن پر ایک بدنما داغ تھا۔

یزید کے دادا ابوسفیان نے دکھاوٹی طور پر اسلام قبول کر کے نفاق کی سرنگیں رسول مقبول کے تعمیر کردہ اسلام کی بنیادوں میں بچھانا شروع کر دی تھیں یعنی کفر و نفاق کی بارود ان سرنگوں میں بھر دی تھی اور میدان کربلا میں اُس کا ایٹمی شعلہ پھوٹ کر اسلام کو خاکستری کرنے والا تھا کہ امام حسین نے اپنے مقدس خون سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسے سرد کر دیا

قتلِ حسین اصل میں مرگ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اس طرح حضرت امام حسین نے اسلام کو حیات جاودانی عطا کر دی ہے حسین نے کربلا کے خوفناک میدان میں تین دن کی بھوک و پیاس میں اپنی اور اپنے سارے کنبہ کی قربانی دے کر اسلام اور انسانیت دونوں کو امر کر دیا ہے جس پر دنیائے صداقت اور انسانیت نے صدائے تحسین و آفرین بلند کی ہے چنانچہ دنیا کی مدبرین اور مفکرین بارگاہ حسین میں عقیدت کے پھول نچھاور کر رہے ہیں۔

گاندھی جی حضرت امام حسین کی قربانیوں سے بے حد متاثر تھے آپ نے ایک مرتبہ حضرت امام حسین کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ "حضرت امام حسین کی قربانی بے مثال اور سبق آموز ہے۔ انہوں نے اپنے لیے نیز اپنے پورے خاندان کے لئے بھوک پیاس اور موت کی تکالیف گوارا کریں مگر ظالم حکمراں کے سامنے سر نہ جھکایا۔ میرا عقیدہ ہے کہ اسلام کی ترقی اُس کے ماننے والوں کی تلواروں کی بدولت نہیں ہوئی بلکہ حضرت امام حسین جیسے سرفروشوں کی بدولت اسلام کو عروج حاصل ہوا ہے"

پنڈت جواہر لال نہرو نے حضرت امام حسین کے تیرہ سو سالہ یادگار کے موقع پر اظہار عقیدت کرتے ہوئے کہا تھا "میں یوم حسین کے موقع پر پورے دل کے ساتھ آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔ کیونکہ آپ ایک ایسے دلیرانہ واقعہ کی یاد منا رہے ہیں جس نے کہ گذشتہ تیرہ سو سال میں لاکھوں انسانوں کی زندگیوں پر اپنا گہرا اثر ڈالا ہے۔ اور سبق پڑھایا ہے کہ کس طرح حق اور صداقت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دی جا سکتی ہے"

مسز سروجنی نائیڈو حضرت امام حسین سے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتی ہیں "کربلا کا درد انگیز سانحہ آج بھی ویسا ہی درد انگیز اور اثر انگیز ہے جیسا کہ اُس روز تھا جب اسلام کا یہ بہترین امیر اور سپاہی شہید کیا گیا تھا اس سانحہ کو اگرچہ تیرہ سو برس گزر چکے ہیں مگر آج بھی یہ حریت کے متلاشیوں کے لیے روشنی کا مینارہ بنا ہوا ہے۔ حضرت امام حسین کی ذات تمام اختلافات سے بالاتر ہے اور وقت و زمانہ کی قید سے آزاد ہے اور برائیوں کے مقابلہ میں صداقت کا فتح کا غیر فانی نشان ہے"

لالہ دھرم پال گپتا وفا نے حضرت امام حسین کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے [illegible] کے آل انڈیا حسین ڈے امروہہ کے خطبۂ صدارت میں کہا ہے کہ "امام حسین کی ذات والا صفات کسی ایک قوم کی ملکیت اور کسی ایک مذہب

کی جاگیر نہیں ہے ان پر سب ہی اہلِ عالم کا برابر حق ہے وہ انسانیت اور حریت و آزادی کے علمبردار ہیں۔ انھوں نے ساری دنیا کو ایثار و قربانی۔ صبر و ضبط، جرأت و ہمت اور عزم و شجاعت کا درس دیا ہے۔ اُن کی ذات پوری نوع انسانی کی مقدس اور قابلِ فخر ملکیت ہے اور ہر ذی شعور انہیں اپنا ہی سمجھتا ہے۔"

ہندوستانی مدبرین کی طرح یورپین مفکرین بھی حضرت امام حسین کے بے حد مداح ہیں۔ چنانچہ یورپ کا نامور مورخ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے۔ "امام حسین کی حیات بہادری اور ایثار تاریخ عالم میں آپ ہی اپنی مثال ہے اور وطن سے دور اُن کی مظلومانہ شہادت ایک ایسا سانحہ ہے جو بے رحموں اور سنگ دلوں کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا امام حسین کی شہادت صرف مظلومانہ شہادت ہی نہیں ہے بلکہ باطل کے خلاف حق و صداقت کی ایک غیر فانی یادگار جنگ ہے۔"

مشہور یورپین شاعر جان لاگ نے تو حضرت امام حسین کی شہادت کے بارے میں چالیس اشعار کی ایک نہایت ہی درد میں ڈوبی ہوئی نظم لکھی ہے جس کا خلاصہ ہے "اے دنیا کے بے حس انسانو! حسین کی قربانی اور ایثار سے سبق لو۔ وہ دیندار تھے۔ وہ سلطنت اور حکومت کے واسطے نہیں لڑے بلکہ باطل سے اُن کی جنگ تھی اُس یزید سے اُن کی جنگ تھی جو انسانیت اور دین اسلام کا دشمن تھا۔ اُن کی بے مثال قربانی پوری دنیا کے لئے مشعل راہ بنی رہے گی۔"

مشہور یورپین اہلِ قلم آرتھر واٹسن نے اپنے ایک طویل مقالہ میں واقعہ کربلا کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے اس طرح منظر کشی کی ہے "ایک طرف یزید کا لشکرِ عظیم تھا اور دوسری طرف تن تنہا ایک مرد مجاہد جس کے نام ہی سے اُس کی سلطنت لرزنے لگتی تھی حسین دیوانہ وار دشمن کے عظیم لشکر میں گھستے چلے جاتے تھے اور واپس آجاتے تھے۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ ایک فرد واحد سے پورا لشکر خوف زدہ تھا۔ دشمن حسین کے مقابلہ سے اس طرح بھاگتے تھے جیسے لومڑی شیر سے۔ حسین اکیلے تھے مگر ان کا دبدبہ پورے لشکر پر حاوی تھا۔ حسین حسین نہیں تھے بلکہ حق و صداقت کے علمبردار تھے اور حق کے سامنے ہمیشہ باطل لرزہ براندام ہی رہتا ہے۔ حسین ایسے بہادر تھے جن کی بہادری کے افسانے قیامت تک زندہ اور برقرار رہیں گے۔"

ایک اور عیسائی مورخ مارس اپنی کتاب "اے لکچر آن اسلام" میں لکھتا ہے "تاریخ عالم اپنے دامن میں کئی ایسے واقعات لئے ہوئے ہے جو قیامت تک نوع انسانی کی رہنمائی کرتے رہیں گے ان ہی واقعات میں سے کربلا کا واقعہ بھی ہے۔ جبکہ حسین اور اُن کے خاندان کے گنے چنے چند افراد انسانیت اور حریت کو زندہ اور برقرار رکھنے کے لئے ایک ظالم حکمراں کی پوری حکومت سے ٹکرا گئے تھے۔ اور راہ حق میں قربانی دیکر زندہ جاوید بن گئے تھے۔ ایسے واقعات دنیا میں بہت ہی کم ہوتے ہیں۔"

ایک جرمن مورخ ہرمارین اپنے ایک مقالہ میں حضرت امام حسین کے بارے میں لکھتا ہے کہ "حسین نے یہ مصائب سلطنت اور حکومت کے لئے برداشت نہیں کیے۔ اور نہ بغیر سوچے سمجھے کربلا کی مہلک وادی میں قدم رکھا حسین کا حکیمانہ تخیل کس قدر بلند تھا اُسے کوئی مادیت کا پرستار سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اُن کا واحد مقصد راہ حق میں عظیم قربانی تھی ورنہ بھلا کون واحد انسان پوری سلطنت سے ٹکراتا ہے۔ انہیں ساری دنیا کو سبق دینا تھا کہ حق کے راستہ میں کثرت اور قلت کی پرواہ نہ کرو۔ بس حق کے لئے باطل سے ٹکرا جاؤ۔ اہلِ بصیرت ہی حسین کے فلسفہ کو سمجھ سکتے ہیں۔"

مسٹر فریڈرک گولڈ آف لندن نے "حسین اور جوانان عالم" کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے اس مقالہ میں یہ اہلِ قلم لکھتا ہے کہ "اگر میں ایشیا، افریقہ، آسٹریلیا۔ اور یورپ و امریکہ کے نوجوانوں کو عراق کے میدان میں جمع کر سکتا اور میری زبان ان پانچوں براعظموں کے لوگ سمجھ سکتے تو میں حضرت امام حسین کے روضہ کے سامنے کھڑا ہو کر ان پانچوں براعظموں کے باشندوں سے کہتا کہ اُس باطنی اور روحانی پیغام کو سمجھنے کی کوشش کرو جو حضرت امام حسین کی زندگی اور شہادت میں پوشیدہ ہے۔ یہ پیغام مردہ قوموں تک کو زندہ کر سکتا ہے۔"

غرضکہ حضرت امام حسین کے بارے میں مغربی مفکرین نے اتنا کچھ کہا ہے جس کا کہ ہم اندازہ ہی نہیں لگا سکتے حضرت امام حسین کی شہادتِ عظیم بلاشبہ ایک ایسا واقعہ ہے۔ جس کے نکات کو سمجھنے کے لئے دنیا تیرہ سو برس سے کوشش کر رہی ہے۔ اور شائد قیامت تک کوشش کرتی رہے گی۔ لیکن کبھی بھی اس رہبر اعظم کے شہادت کے فلسفہ کو پوری طرح یہ دنیا نہ سمجھ سکے گی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام حق و صداقت کی روشنی کا ایک مینارہ تھے۔ وہ حق کا علم بلند کرنے کے لئے دنیا میں آئے۔ اور حق کی غیر فانی مثال قائم کرکے دنیا سے چلے گئے اسی لئے آج بھی ساری دنیا کی گردنیں اُن کے سامنے سرنگوں ہیں۔



اورنگزیب عالمگیر کی رواداری

اس مغل بادشاہ کے دور میں غیر مسلموں کے لئے مکمل مذہبی آزادی

(از مرزا یار جنگ سمیع اللہ بیگ)

ہندوستان کے فرقہ پرست مقالہ نگاروں نے شاہان ہند میں سب سے زیادہ جس بادشاہ کو تعصب کا نشانہ بنایا ہے وہ اورنگزیب عالمگیر ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ غیر مسلموں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ لیکن حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ چنانچہ یہ مقالہ جو مرزا سمیع اللہ بیگ کی ایک تاریخی کتاب سے ماخوذ ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اورنگزیب نے غیر مسلموں کے ساتھ کیسی رواداری کا برتاؤ کیا ہے۔ مرزا صاحب نے اپنی کتاب میں جا بجا کپتان ہملٹن کے سفر نامہ کے حوالے دئے ہیں کپتان ہملٹن عہد اورنگزیب میں ہندوستان آیا تھا اور تقریباً پچیس سال تک اس ملک میں رہا تھا۔ ہمکو امید ہے کہ یہ پر از معلومات مضمون تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں میں بے حد پسند کیا جائیگا

شہنشاہ اورنگزیب میں اپنے پیشرو مغل حکمرانوں کی طرح کسقدر مذہبی رواداری موجود تھی اُس کا بخوبی اندازہ کپتان ہملٹن کے سفر نامہ کے اُن اقتباسات سے ہو جائے گا جنھیں میں بطور استدلال اس مضمون میں پیش کرونگا لیکن اورنگزیب کی مذہبی رواداری کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ہم کو پہلے یورپ کی سولہویں اور سترھویں صدی عیسوی کے تاریخی حالات پر ایک سرسری نظر ڈالنی ہوگی جس سے کہ یہ پتہ چل سکے گا کہ جس زمانہ میں کہ ہندوستان میں شہنشاہ اورنگزیب غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی رواداری کا سلوک کر رہا تھا اُسی زمانہ میں یورپ میں مذہبی فرقہ پرستی کی بنا پر کیسی بے دردی کے ساتھ مخلوق خدا کا خون بہایا جا رہا تھا۔

کپتان ہملٹن اُس ملک انگلستان کے باشندے تھے جہاں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مذاہب کی خانہ جنگیوں نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کا خون بہادیا تھا اور جہاں حالت یہ تھی کہ رعایا اگر حکمراں طبقہ کے مذہب سے اختلاف کرتی تھی تو وہ مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتی تھی مثلاً ۲۴ر اگست ۱۵۷۲ء کو شاہ فرانس نے حکم دے دیا تھا کہ پیرس کے سب ہی باشندے رومن کیتھولک مذہب اختیار کرلیں۔ ورنہ تمام پروٹسٹنٹ مذہب کا عقیدہ رکھنے والوں کو قتل کر دیا جائے گا اور اس اعلان کے ساتھ ہی۔

بوڑھوں، بچوں مرد اور عورتوں کا قتل عام شروع ہو گیا اور بادشاہ نے تڑپتی ہوئی لاشوں کا نظارہ اپنے محل سے تماشہ کے طور پر دیکھا۔

اسی طرح انگلستان میں ملکہ میری جو کہ رومن کیتھولک تھیں جب تخت نشین ہوئیں تو ایک نوجوان شہزادی کی خوبصورت گردن محض اس بنا پر کٹوادی گئی کہ وہ پروٹسٹنٹ ہونے کا کھلم کھلا اعلان کرتی تھی۔ ساجرس جسکا کہ پروٹسٹنٹ عقیدہ سے تعلق تھا اُس کے دس بچوں اور بیوی پر رحم نہیں کیا گیا بلکہ مذہبی اختلاف کی بنا پر اُس کے پورے خاندان کو زندہ جلا دیا گیا۔

اورنگزیب کے زمانہ میں چونکہ یورپ میں مذہبی تنگ نظری کا یہ عالم تھا۔ لہذا کپتان ہملٹن کو عہد اورنگزیب کی مذہبی رواداری دیکھ کر بڑا تعجب ہوا بہت بڑی بات جس نے کہ کپتان ہملٹن کو متحیر کیا تھا وہ یہ تھی کہ ہندوستان کی مسلم حکومت میں مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہیں مگر اس طرح مل جل کر زندگی بسر کر رہے ہیں جیسے وہ ایک ہی مذہب کے پیرو ہوں۔ ان میں مذہبی تعصب مطلق نہیں پایا جاتا تھا سوائے پوشاک کے کوئی چیز ایسی نہیں نظر آتی تھی جس سے کہ امتیاز ہو سکے کہ اُن کا مذہب کیا ہے۔

اپنے سفر نامہ میں شہر ٹھٹھہ کے حالات بیان کرتے ہوئے کپتان ہملٹن لکھتا ہے کہ یہ ریاست کا مسلمہ مذہب اسلام ہے۔ لیکن تعداد میں اگر دس ہندو

ہیں تو ملک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے۔ وہ اپنے بت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جیسے کہ گذشتہ زمانہ میں جبکہ حکومت ہندوؤں کی تھی یہ مناتے تھے۔ وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں۔ لیکن اُن کی بیواؤں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ ستی ہو سکیں۔ (جلد اول صفحہ ۱۲۷ - ۱۲۸)

اپنے اسی سفرنامہ میں ایک دوسری جگہ کپتان ہملٹن لکھتا ہے کہ "پارسی بھی اس ملک میں موجود ہیں وہ اپنی رسوم مذہب زردشت کے بموجب ادا کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو اجازت ہے کہ وہ اپنے گرجے بنائیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں۔ اور انہیں اس میں کامیابی بھی ہو رہی ہے۔ حالانکہ عیسائیوں کے اخلاق اس شہر کے تمام لوگوں کے اخلاق کے مقابلہ میں بدترین ہیں۔" (جلد اول صفحہ ۱۵۹ - ۱۶۳)

یہ سیاح جب ہندوستان کی سیاحت کرتے ہوئے سورت پہنچا تو وہاں کی مذہبی حالت اس طرح بیان کرتا ہے "اس شہر میں اندازاً سو مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں لیکن ان میں کبھی کوئی جھگڑا مذہبی اعتقادات اور طریقۂ عبادت کے بارے میں نہیں ہوتا۔ ہر ایک کو پورا اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنے طریقہ سے اپنے معبود کی پرستش کرے محض مذہبی اختلاف کی بنا پر کسی کو تکلیف دینا اور آزار پہنچانا اِن لوگوں میں بالکل مفقود ہے۔" (جلد اول صفحہ ۱۶۲)

کپتان ہملٹن کے سفرنامہ کے ان اقتباسات سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ شہنشاہ اورنگزیب مذہبی رواداری کے معاملہ میں سابق مغل حکمرانوں سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی اُسے بہت بری طرح بدنام کیا گیا ہے۔ اور یہ تاثر پیدا کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ وہ ایک نہایت ہی متعصب اور تنگ دل مسلم حکمراں تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ اورنگ زیب کی طبیعت مذہبی واقع ہوئی تھی۔ اور اور اسلام نے چونکہ دیگر مذاہب کے معاملہ میں رواداری کا حکم دیا ہے اس لئے وہ اس حکم پر تو پوری طرح عامل تھا۔ لیکن مسلمانوں کے معاملہ میں کافی سخت تھا وہ اس بات کو گوارا ہی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی بھی مسلمان اسلام کے مسلک سے ہٹنے پائے چنانچہ وہ جن مسلمانوں کو لامذہبی کے راستہ پر جاتا ہوا دیکھتا تھا اُن کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتا تھا یعنی جب کبھی وہ کسی مسلمان کو خلاف شرع کوئی فعل کرتا دیکھتا تھا تو وہ اُسے شرع اسلامی کے مطابق سزا دینا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

ملک دکن میں اورنگ آباد کے قریب ایک مقام دولت آباد ہے اس مقام پر اس بادشاہ نے اپنے ہاتھوں سے کلام مجید لکھ کر اور اُس کے ہدیہ سے چند گز زمین اپنی قبر کے لئے خریدی تھی اور یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اُسے اسی زمین میں دفن کیا جائے۔ اُس پر نہ عمارت ہو نہ مقبرہ ہو۔ بس سبز گھاس کافی ہے۔ اور اُس کی قبر کے پاس ہی ایک مدرسہ بنایا جائے جس میں کہ بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دی جائے میں نے اس مقام کو دو مرتبہ دیکھا ہے چنانچہ دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج تک اُس کی وصیت کی پابندی کی جا رہی ہے۔ اس سے اورنگزیب کی مذہبی طبیعت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے مختصر یہ کہ جس مذہب اسلام کا رنگ اس کی طبیعت پر چڑھا ہوا تھا وہی مذہب اُسے رواداری کی تعلیم بھی دے رہا تھا۔ اور پکار پکار کر اُس سے کہہ رہا تھا لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ مذہب کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے۔

دولت آباد کے جس دامن کوہ پر اورنگزیب نے اپنی زندگی کے آخری دن بسر کئے ہیں اسی کے قریب تھوڑے سے فاصلہ پر ایلورا اور اجنٹا کے وہ تاریخی مندر اور بت خانے ہیں جن میں کہ بے مثال بت رکھے ہوئے ہیں اور جنھیں دیکھنے کے لئے دور دراز کے ملکوں سے لوگ آتے ہیں۔ اگر اورنگزیب ایک متعصب حکمراں ہوتا تو وہ ان عظیم بت خانوں کو کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا اور اس وقت اُس کے لئے ان بت خانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا کچھ دشوار نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی اورنگزیب کو بری طرح بدنام کیا جا رہا ہے۔

یہ بات ضرور ہے کہ جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ اورنگزیب کی طبیعت مذہبی واقع ہوئی تھی مگر اس کے معنی یہ نہیں ہے کہ اس کے مزاج میں دیگر مذاہب کے لئے رواداری نہ تھی۔

اورنگزیب کی مذہبی وسیع نظری کا اندازہ ہندوستان کے سب سے بڑے ہندو مورخ سرجادو ناتھ سرکار کی اُس مغل تاریخ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ جس میں اس لائق مورخ نے اورنگزیب کے وہ تمام فرامین درج کر دیئے ہیں۔ جن کی رو سے اورنگزیب نے مندروں کے لئے زمین اور جاگیریں عطا کی تھیں۔

ہندو مندروں کو جاگیریں عطا کرنا اور ایلورا کے بتکدوں کے قریب رہتے ہوئے ان کا برقرار رکھنا اس بات کا ناقابل انکار ثبوت ہے کہ اُس کا مذہبی تنگ نظری سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا لیکن افسوس ہے کہ آج اسی وسیع نظر حکمراں کو سب سے زیادہ بدنام کیا جا رہا ہے۔

افسانہ

نقلی بیوی

ایک نہایت دلچسپ معاشرتی کہانی



(انتخاب سیدہ زبیر حسین)

صبح کے وقت سلیم اپنے مختصر سے ڈرائنگ روم میں بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ سامنے ہی رفیع چائے کی پیالی ہاتھ میں تھامے کسی سوچ میں ڈوبا ہوا بیٹھا تھا۔ سلیم نے نظریں اٹھا کر اپنے بچپن کے بے تکلف اور سب سے قریبی دوست کو غور سے دیکھا۔ رفیع، سلیم کے ساتھ بی۔ اے کرنے کے بعد اپنی تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے فلمی لائن کے چکر میں وقت برباد کرنے لگا اور سلیم نے ایم۔ اے کرنے کے بعد معاشیات کے لکچرر کی حیثیت سے ایک مقامی کالج میں ملازمت حاصل کر لی تھی۔

کسی فکر میں ڈوبے ہوئے رفیع کو دیکھ کر اُس کے دل میں ہمدردی کا جذبہ اُمڈ آیا اُس نے پوچھا۔

"کیا بات ہے رفیع کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو"

"وہی کہکشاں کا مسئلہ ابھی تک چل رہا ہے۔ بے روزگاری کی وجہ سے مجھے مسترد کرنے کے بعد اُس کے والدین کسی اور جگہ شادی کی بات چیت کر رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے؟"

"کیا کہکشاں واقعی بہت خوبصورت ہے؟" سلیم مسکرایا۔

"بہت خوبصورت!۔۔۔ صبح کی مسکراتی کلیاں شام کے مہکتے گلاب بھی اُس کے حسن کی قسم کھاتے ہیں! اُسے حاصل کرنے کا اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے۔ اگر تم میرا ساتھ دینے کا وعدہ کرو تو منزل کچھ دور نہیں!"

"کون سا راستہ؟"

"کیسے بتاؤں۔ تم مجھے دیوانہ سمجھو گے میں نے سوچ سمجھ کر یہ اسکیم بنائی ہے اور یہ پروگرام صرف اس صورت میں سو فیصد کامیاب ہو سکتا ہے جب تمہاری مدد شامل حال رہے" رفیع کی آنکھوں میں اُمید کے سائے لہرا رہے تھے۔

"اسکیم تو بتاؤ ۔۔۔ لاحاصل باتیں کئے جا رہے ہو" سلیم جھلا گیا۔

"سنو! میرے سارے دوستوں میں تم ہی زاہد خشک ہو اور سب سے زیادہ قابل اعتماد بھی ہو، فی الحال تم کہکشاں سے شادی کر لو ایک سال تک اُس کے شوہر کی اداکاری کرنا جب تک مجھے کہیں نہ کہیں ملازمت مل ہی جائے گی تب تم اُسے طلاق دے دینا پھر میں اُس سے شادی کر لوں گا۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھا نہیں؟" سلیم نے اپنے آپ کو سنبھال کر پوچھا

"بھئی فرضی طور پر تم اُس سے شادی کر لو لیکن اُس سے قطعی طور پہ دور دور رہو۔ ایک سال بعد میں اُس سے شادی کر لوں گا۔ یہ واحد طریقہ ہے جس سے کہکشاں میرے لئے ریزرو رہ سکتی ہے ورنہ میں اُس کے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتا اور وہ ۔۔۔ وہ تو خودکشی کر لے گی۔ تم جانتے ہو میں کبھی برداشت نہ کر سکوں گا کوئی غیر ۔۔۔ میری آنکھوں کے سامنے کہکشاں کو بیاہ لے جائے" اُس کی آواز جذبات کی شدت سے رندھ گئی۔

سلیم میز پر کہنی ٹکائے نیم وا آنکھوں سے خلا میں گھور رہا تھا۔ اُس کے اور رفیع کے مزاج میں کافی فرق تھا۔ رفیع کی فلموں اور اداکاری سے دلچسپی جنون کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ اُس کا ہر انداز فلمی ہوتا اُس کی محبت بھی فلمی پہلو لئے ہوئے تھی۔ رفیع نے کہکشاں سے محبت کرتے وقت اُن ساری باتوں کا خیال رکھا تھا۔ جو کسی اچھے ہیرو کو پیش آنی چاہئے۔ سلیم کو فلموں سے قطعاً دلچسپی نہ تھی اور نہ کسی لڑکی سے محبت کرنے کی دھن اُس پر سوار تھی چند لمحوں تک کچھ سوچنے کے بعد اس نے ٹالنے والے لہجے میں

"تم واقعی کریک ہو رفیع ۔۔۔ یہ ناممکن ہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا؟ تم ایک معزز نوجوان ہو۔ سماج اور سوسائٹی میں تمہاری عزت ہے۔ کہکشاں کو میں منا لوں گا اور اُس کے گھر والے بھی رشتہ قبول کر لیں گے۔ میری خاطر تم اپنا دل مختصاً منظور کر لو باقی سارے مرحلے میں طے کر لوں گا"

بحث طویل ہوتی گئی۔ پھر ذہنی کشمکش سے نجات پانے کے لیے سلیم نے اِس خطرناک ڈرامہ میں مرکزی کردار کا رول انجام دینے کی حامی بھر لی رفیع خوشی سے اُچھل پڑا۔ سلیم اپنے طور پر بے حد خائف تھا۔ ہر زاویے سے وہ ڈرامے کی عواقب و نتائج کی نوعیت بخوبی سمجھتا تھا۔ تمام انجانے عواقب سے نپٹنے کے لئے وہ ذہنی طور پر خود کو تیار کرنے لگا۔ بہرحال اُسے اپنے عزیز ترین دوست کی محبت کے لئے عجیب ترین قربانی دینی ہی تھی

دوستی نے محبت کی جانب بڑھتے ہوئے طوفان کا رخ موڑا فضاؤں میں پھولوں کی خوشبو مہک اٹھی۔ ڈھولک پر گیت گائے جانے لگے۔ سلیم کا گھر قہقہوں سے گونج اُٹھا۔ مسرت انگیز قہقہوں میں دونوں دوستوں کے کھوکھلے قہقہے بھی شامل تھے۔ کہکشاں باجوں کے شور، شہنائیوں کی مدھر گونج اور بارات کے رنگ و نور میں دھڑکتے دل کے ساتھ دُلہن بن کر سلیم کے گھر پہنچ گئی۔

سُرخ ریشمی لباس میں ملبوس ہیروں سے لدی کہکشاں جانتی تھی، اُس کا قدم حقیقی گھر میں نہیں پہنچا ہے۔ ابھی اُس کے خوابوں کی رنگین دنیا بہت دور تھی وہ اپنے محبوب کی خاطر ایک طویل مدت تک انتظار کی دہکتی آگ میں جھیلتے رہنے کا عزم کر چکی تھی۔ رفیع کی اسکیم کا پہلا حصہ کامیابی سے گزر گیا۔

معاشرے کی نظروں میں سلیم اور کہکشاں باقاعدہ طور پر ازدواجی فرائض نبھاتے رہے۔ رفیع دوست کی حیثیت سے گھر میں آتا جاتا رہا اب اُسے آزادی حاصل تھی اور وہ اطمینان سے تنہائی میں کہکشاں سے پیار و محبت کی باتیں کر سکتا۔ دونوں ایک دوسرے کو رازِ دل سُناتے۔ مستقبل کے خواب بناتے ہوئے سُنہری دھند میں کھو جاتے۔ رفیع نہایت خاموشی سے کام تلاش کرتا رہا اور ساتھ ہی روشن مستقبل کے لئے پونا فلم انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ کے لئے درخواست بھی دے رکھی تھی۔

سلیم کی حالت اُس سے مختلف تھی۔ فرضی شادی کے بعد اُس نے اپنے آپ میں بحد تبدیلی محسوس کی کہکشاں کی دلکشی و رعنائی دیکھ کر وہ حیران رہ گیا تھا کتنی حسین ہے! شہابی عارض پر گھنیری پلکیں، غزالی آنکھیں اور دہکتے ہوئے سُرخ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ اُس کے حُسن میں چار چاند لگا رہے تھے اُس کے دل میں رفیع کی محبت دیکھ کر اُسے رشک ہوتا۔ کہکشاں اُس سے کتنا خشک برتاؤ کرتی ہے۔ حالانکہ اس وقت وہ اُس کی منکوحہ بیوی ہے چاہے تو وہ رفیع سے ملنا ترک کرا سکتا ہے لیکن کیوں ـــــ

یہ سب کچھ تو پروگرام کے تحت ہو رہا ہے۔

کہکشاں اُس کی بیوی کب ہے، وہ تو اُسے جانتا بھی نہیں۔ رفیع نے خود اپنی محبوبہ کو مصلحت کے پیش نظر دنیا کی نظروں میں اُس کی بیوی بنا دیا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہوئے بھی قطعی بیگانہ تھے۔ جب بھی تنہائی میں اُن کا سامنا ہوتا۔ کہکشاں شرم سے دوہری ہو جاتی اور پھر اُس کے شگفتہ چہرے پر کرختگی و اجنبیت کا خول چڑھ جاتا

سلیم کو اُس کے کمرے میں علیحدہ بستر پر نیند بہت مشکل سے آتی۔ اُس کا جی چاہتا۔ وہ کہیں بھاگ جائے لیکن وہ یہ کیسے کر سکتا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی کمرے میں یوں زندگی گزار رہے تھے جیسے ہاسٹل کے کمرے میں ایک دوسرے کی زبان سے ناآشنا ساتھی ہوں۔ سلیم کی ذہنی کشمکش ایک سطح تک پہنچ کر رک چکی تھی۔ لیکن کہکشاں زندگی سے بیزار نظر آ رہی تھی۔

ایک دن رفیع نے کہکشاں کو تسلی دیتے ہوئے کہا "پریشان مت ہو۔ ابھی تو تمہاری فرضی شادی کو چھ مہینے ہوئے ہیں آئندہ چھ مہینوں میں ہم یقیناً اِس اذیت سے چھٹکارا پا جائیں گے۔ میں اسی ہفتہ پونا جا رہا ہوں مجھے فلم انسٹی ٹیوٹ کے اداکاری کے ڈپلومہ کورس میں داخلہ مل گیا ہے۔ بس اب جلد ہی ہماری قسمت کا ستارہ چمکنے والا ہے۔ دیکھنا میں آسمان پر پہنچ جاؤں گا۔ دولت، عزت شہرت میرے قدموں میں ہو گی"

"بس! ـــــ بس!" کہکشاں بے دلی سے مسکرائی یہی بات جب سلیم نے سنی تو اُس نے کہا۔

"یار رفیع! تم نے فلمی ہیرو بننے کے خبط میں میرا تو کیریئر تباہ کر دیا۔ دیکھو اب کوئی لڑکی مجھے لفٹ ہی نہیں دیتی۔ کوئی سانولی سلونی لڑکی بھی مجھے شادی شدہ سمجھ کر گھاس ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتی پہلے اس پہلو پر کبھی میں نے سوچا ہی نہ تھا"

"ہاں اِس کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن تم تو ہمیشہ کے زاہد تھے یہ تبدیلی کیسی" جواب میں سلیم نے جھوم کر یہ شعر پڑھا ؎

زاہد کی مے کشی پہ تعجب نہ کیجیے
لائی ہے رنگ فطرتِ آدم کبھی کبھی

رفیع جھینپ کر ہنس پڑا اُسی ہفتے وہ پونا چلا گیا۔ اُس نے وعدہ کیا تھا جلد از جلد کہکشاں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا لے گا۔

رفیع کے جانے کے بعد دونوں نے اپنی زندگی میں ایک خلا سا محسوس

کیا ایک دوسرے کے قریب ہونے کے باوجود تنہا تھے کبھی کبھی! کہکشاں کا رویہ سلیم کے ساتھ اِس قدر روکھا ہوتا کہ وہ کبھی کبھی دل ہی دل میں سلگ اُٹھتا مگر پھر اُسے رفیع سے وفا کے جذبات پر محمول کرکے درگزر کر دیتا۔ اُن کے لئے رات بہت ہولناک گزرتی۔ مصیبت یہ بھی گھر والوں کی وجہ سے دونوں کو ایک ہی کمرے میں رات گزارنی پڑتی کہکشاں اپنے گداز جسم کو سنبھالتی ہوئی نازو ادا سے مسہری پر دراز ہو جاتی اور سلیم کو سپاہیانہ انداز سے تخت پر سوتے سات مہینے ہو چکے تھے۔ ویسے بھی کہکشاں زیادہ تر مائیکہ میں رہتی تھی اور سلیم کو سکون سے سونے کا موقعہ مل جاتا۔

کہکشاں کے گھر میں سلیم کی خاصی خاطر و مدارات ہوا کرتی تھی اور ساتھ ہی الٹے سیدھے مذاق کا نشانہ بھی بننا پڑتا تھا۔ اُسے ایسی باتوں سے سخت نفرت تھی اور اس معاملہ میں تو خصوصاً وہ نفرت کرنے میں حق بجانب بھی تھا کیونکہ رشتہ کی بنیاد ہی کھوکھلی تھی۔ ایک بار کسی مذاق کے بعد اُس نے کہکشاں کی طرف نگاہیں اٹھائیں۔ کہکشاں کو اُس کی آنکھوں میں عجیب سی ویرانی، کئی شکوے، گلے نظر آئے۔ وہ شرما گئی اپنی حماقت پر افسوس ہو رہا تھا۔ خدایا ــــ رفیع نے کس الجھن میں پھنسا دیا تھا۔

سلیم کے دل میں ایک درد سا اٹھا۔ کیا تو یہ شکن حسن ہے! کاش کاش وہ اِس سے آگے نہ سوچ سکا کہکشاں شرمسار سی اُسے دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئی۔ وہ کتنی خوبی سے داماد کا رول نبھا رہا ہے۔ لیکن اُس کے دل کا حال صرف وہ جان سکتی تھی۔ اُسے سلیم سے ہمدردی پیدا ہو گئی جو اُس کے دل میں خلش بن کر بڑھتی گئی۔ اور اب وہ مضطرب اور بے چین سی رہنے لگی

پہلے تو رفیع کے خطوط بہت پابندی سے آتے رہے پھر رفتہ رفتہ کافی وقفہ سے آنے لگے۔ ہر بار وہ اپنی مصروفیت کا ذکر کرتے ہوئے جلد آنے کا وعدہ کرتا۔ اُدھر ہر رات ایک تازہ زخم بنکر سلیم کے دل کو تڑپاتی اور اُس کے دل کی کسک اور بیقراری میں اضافہ ہوتا گیا۔ دوسری طرف کہکشاں کے چہرے کی شادابی بھی زردی سے بدلتی جا رہی تھی۔ اُس کے حسن و رعنائی کے چمن پر بہاروں کے بجائے خزاں منڈلا رہی تھی۔

رفتہ رفتہ کہکشاں کا رویہ بدلتا گیا۔ اب وہ بھی کبھی کبھار سلیم سے کھل کر باتیں کرتی دورانِ گفتگو اکثر اُس کا انداز بے تکلفانہ بھی ہو جاتا اس وقت سلیم کو یک گونہ راحت کا احساس ہوتا اور اُس رات وہ سکون سے سو جاتا۔

ایک رات نہ جانے کب سے خواب میں کن وادیوں کی سیر کر رہا تھا کہ ایک گھٹی گھٹی سی چیخ سن کر اُس کی آنکھ کھل گئی۔ سامنے ہی مسہری پر کہکشاں اپنے زانو پر سر رکھے سسک سسک کر رو رہی تھی۔ رات کے دو بج چکے تھے سلیم نے گھبرا کر آہستہ سے آواز دی۔

"کیا ہوا کہکشاں ــــ کیوں رو رہی ہو؟"

"سلیم میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے! خدا نہ کرے وہ سچ ہو!" اُس نے روتے ہوئے سر اُٹھا کر جواب دیا۔ بستر سے اُٹھ کر سلیم نے مسہری پر بیٹھتے ہوئے اُسے پیار سے سمجھایا۔

"چلو سو جاؤ۔ خواب سچ نہیں ہوتے۔ یوں بچوں کی طرح روتا اچھا نہیں لگتا" تسلی دیتے ہوئے اُس نے کہکشاں کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔ ضبط کا بند ٹوٹ گیا اور وہ پھوٹ پڑی۔ سلیم نے اُسے پانی پلایا۔ پانی پی کر کہکشاں نے پھر روتے ہوئے سلیم کے سینہ پر اپنا سر ٹکا دیا۔

سلیم کے سوئے ہوئے جذبات جاگ اٹھے۔ عورت کے کسی اقدام کو سمجھنا دشوار ہے۔ کوئی مرد نہیں جان سکتا کہ اُس کا اگلا قدم کس سمت ہوگا وہ بھی انجان تھا۔ دل و دماغ میں کھلبلی مچی ہوئی تھی اُس نے غیر ارادی طور پر کہکشاں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اجنبی لمس سے جسم کی آگ اور بھڑک اٹھی دل نے تڑپ کر دماغ پر زبردست وار کیا جذبات کی طوفان کی بے قابو لہریں مدت کی تپسیا، گہرا اعتماد، جوالہانہ قوتِ ارادی سب کچھ بہا کر لے گئیں۔

صبح جب دونوں بیدار ہوئے تو آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے جیسے گلہ کر رہے تھے۔ سلیم نے مسکراتے ہوئے پوچھا "رات تم نے کیا خواب دیکھا تھا؟"

کہکشاں کے صبیح رخسار شفق گوں ہو گئے۔ ایک لمحہ کے سکوت کے بعد اُس نے آہستہ سے جواب دیا۔

"میں نے خواب دیکھا تھا کہ رفیع کسی حادثہ کا شکار ہو گئے ہیں"

رفیع کا نام سنتے ہی سلیم کو رفیع کے ساتھ اپنے وعدے، کہکشاں کی وفا سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ مگر اب تو اُس کی امانت، اُس کا پیار اور اعتماد، سب کچھ دم توڑ چکا تھا۔ اب وہ کس منہ سے رفیع کو جواب دیگا اُس نے ناحق رفیع کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا، کاش اُسی دن انکار کر دیتا ضمیر ملامت کر رہا تھا کہ۔ اگر وہ کہکشاں کے ساتھ اِس گھر میں نہ رہتا تو یہ لغزش نہ ہوتی۔ لیکن ایسی تو کوئی بھی صورت نہ تھی۔ نفس اُس کی

وکالت کرتا۔ اُس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ وہ کہکشاں کا شوہر ہے۔ ضمیر کہتا شوہر کس نے اور کن بنیادوں پر بنایا تھا؟ وہ الجھن اور بے بسی کے دلدل میں اترتا چلا گیا۔

کہکشاں کی نفسیاتی الجھن بھی اُس سے جدا نہ تھی۔ اُسے رفیع اور سلیم سے شکایت تھی جنھوں نے اُس کی معصومیت کے ساتھ کھیل کھیلا تھا۔

مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا دونوں سب کچھ بھول گئے ہر رات کی بڑھتی ہوئی سیاہی دونوں کو اپنے آغوش میں لے لیتی اور وہ ہر قسم کے خیالات سے آزاد ہو کر ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے اب راہیں بدل گئی تھیں، دونوں کی راہیں، دونوں کے خیالات ہر زندگی کار استادور دل ایک ہو گئے۔

عرصہ ہو گیا انھیں رفیع کا کوئی خط نہ ملا تھا۔ سلیم کا ضمیر کہکشاں سے طلاق کا مطالبہ کرنے کی اجازت دیتا نہ وہ ہو جانے کی بات قبول کرتا۔ طویل انتظار کے بعد سلیم کو رفیع کا خط ملا، جسے پڑھ کر اُس کا جی چاہا کہ وہ کوئی نغمہ یا گیت بن کر فضا پر چھا جائے کہکشاں نے بھی خط پڑھا اور بے تعلقی سے ایک طرف ڈال دیا۔ اُس چہرے پر حیرت و مسرت کے ملے جلے تاثرات سلیم سے نہ چھپ سکے۔ رفیع کا خط سامنے کھلا پڑا تھا ——

"پیارے سلیم! اپنی مجبوریاں کیا بیان کروں حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا ہے کہ میں تمہیں خط لکھتے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہا ہوں۔ میں جو بہت جلد ہیرو بننے والا ہوں ساری دنیا میں صرف تم سے شرمندہ رہوں گا۔ مستقبل کی ایک ہیروئن سے میں نے شادی کرنے کا وعدہ کر لیا ہے، وہ میرے ہی انسٹی ٹیوٹ کی لڑکی ہے۔ بھابی سے کہنا ہمیں قدرت جیسا چاہتی ہے ویسا ناچ نچاتی ہے۔ ہم خود بے بس ہیں خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ بھابی سے سلام کہنا۔ باقی باتیں ملاقات ہونے پر بتاؤں گا۔ تمہارا بھائی —— رفیع"

خیالات کی رو میں اچانک سلیم کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ کہکشاں واقعی اُس کی حقیقی بیوی بن چکی تھی مگر اُس کا ماضی ایک عرصہ تک رفیع سے وابستہ رہا ہے۔ یہ ایک دائمی الجھن ہے جو ساری زندگی اس کا پیچھا کرتی رہے گی۔ اپنی ہی بیوی کو اُس نے غیر سے ملنے کے مواقع فراہم کئے تھے اُف! رفیع نے میرے ساتھ کتنی دغا بازی کی ہے مگر میں نے بھی تو کتنی غلطیاں کی ہیں۔ اب اس کے سینہ پر مستقبل کے بجائے ماضی کا بوجھ پڑا تھا

جس کے تلے اُسے ہمیشہ جینا تھا۔

اُس کی نگاہیں کہکشاں پر پڑیں جو دلربایانہ انداز سے مسکرا رہی تھی اُس کا دل کش حسن اور نکھر آیا تھا۔ اُس کے ہونٹوں کو دیکھ کر سلیم کے دل میں گدگدی ہونے لگی۔ وہ سب کچھ بھول کر مسکرانے لگا گنگنانے لگا

زندگی ہی میری افسانہ رنگیں ہو جائے
تم سا عنواں جو کوئی میری نظر سے گزرے

دنیائے اسلام کے روشن ستارے

(باقی مضمون صفحہ ۔۔ سے)

درجہ نہایت بلند تھا علم نجوم اور جغرافیہ میں بھی اسے کمال دسترس حاصل تھی یورپ نے اس کی کتابوں سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔"

ابن بیطار متوفی ۶۴۶ہجری علم نباتات کا بہت بڑا ماہر تھا جی ہے اوشن کے بیان کے مطابق ابن بیطار کو علم نباتات کا امام تسلیم کیا گیا ہے۔ ابن بیطار نے نباتات کی تحقیقات کے سلسلہ میں یونان، ایشیائے کوچک اور مصر و افریقہ کے علاقوں کی پوری سیاحت کی ہے چنانچہ یورپ میں علم الادویہ پر ابتدا میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں اُن کی بنیاد ابن بیطار کی تصانیف تھیں۔ فلپ کے ہرجی کا کہنا ہے کہ "ابن بیطار نہ صرف اسپین کا بلکہ دنیائے اسلام کا مشہور ترین کیمسٹ ہوا ہے اس کی تحقیق سے دنیا کے طب کو بہت بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ اور یورپ نے اس کی تصانیف سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔"

اسلام نے جو بے شمار علما، محقق اور سائنس داں پیدا کئے ہیں اُن میں سے صرف چند مشاہیر کا اس مضمون میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

ایسے بھی مسلم حکمراں ہوئے ہیں

باقی مضمون صفحہ ۳۳

اس کے بعد بطریق اعظم آگے بڑھا اور اُس نے حضرت عمرو بن عاص کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنے عیسائی رہنما کی تقلید میں اُسی وقت ہزاروں عیسائی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے حقیقت میں اسلام تلوار سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے اسی بلند کردار کی بدولت پھیلا تھا۔

عورتوں کے لئے



یہ گمراہ لڑکیاں

انھوں نے پڑھ لکھ کر بھی ڈبو دیا ہے

(از زبیدہ سلطان صاحبہ دہلوی)

ایک صاحبہ جن کا نام میں ظاہر نہیں کروں گی مجھ سے بیحد ناراض ہیں۔ چنانچہ اپنے خط میں انھوں نے اچھی طرح میرے خلاف دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ یہ لکھتی ہیں۔

"آپ بڑی اصلاح پسند بنتی ہیں مگر مجھے تو آپ دقیانوسی وضع کی عورت معلوم ہوتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ تعلیم یافتہ لڑکیوں کے پیچھے پنجے جھاڑ کر کیوں پڑی ہیں۔ آپ کو ان کی ہر بات پر اعتراض ہے۔ کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ اس ترقی کے زمانہ میں بھی لڑکیاں گنوار اور دہقانی بن کر زندگی بسر کریں۔ شائد آپ کو وہ لڑکیاں پسند ہیں جو الف کے نام ب بھی نہیں جانتیں اور آج سے ایک ہزار برس پہلے کی دنیا میں رہتی ہیں"

اوپر کی غصہ میں بھری ہوئی تحریر ایک ایسے خط کا حصہ ہے جس میں کہ ایک لڑکی نے جی کھول کر مجھے صلواتیں سنائی ہیں۔ خط بہت طویل ہے۔ اور پورے خط میں اول سے لیکر آخیر تک میرے اُن مضامین پر نکتہ چینی کی گئی ہے جو میں موجودہ زمانہ کی اندھی آزادی کے خلاف لکھتی رہتی ہوں۔ اس قسم کے خطوط میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ اکثر مجھے موصول ہوتے رہتے ہیں۔

میں بار بار یہ بات بتا چکی ہوں کہ میں تعلیم کی مخالف نہیں ہوں۔ اور ہو بھی کیونکر سکتی ہوں جبکہ ہمارے پیارے رسول نے ہمیں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ "علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے تمہیں چین جیسے دور دراز ملک کا سفر کیوں نہ کرنا پڑے"

ہمارے سامنے حضرت عائشہ صدیقہ رضی کی مثال موجود ہے جن کا علم و فضل اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اُن کے زمانہ کا کوئی مرد عالم بھی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بعد جب صحابیات کی زندگیوں پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو اُن میں سے بھی اکثر و بیشتر علم و فضل میں یکتا دکھائی دیتی ہیں۔ ان پاکیزہ مثالوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم سب کا فرض ہے کہ ہم علم حاصل کرنے میں اُن کی تقلید کریں۔ لیکن میں اُس جھوٹی اور نام نہاد تعلیم کی شدید مخالف ہوں جو مفید ہونے کے بجائے الٹی مضر ثابت ہو رہی ہے۔ اسی غلط طریقہ تعلیم سے متاثر ہو کر جناب اکبر الہ آبادی نے کہا تھا ؎

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں۔
کہ جن کو پڑھ کر لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

بھاڑ میں جائے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان، اور دور سے سلام ہے اُس تعلیم کو جو ملک کے بیٹوں اور بیٹیوں کو گمراہ کر دے کون نہیں جانتا کہ آج کل کے کالجوں کے گمراہ کن ماحول اور تعلیم نے ہماری قوم کی ہزاروں بیٹیوں کو چراغ خانہ کے بجائے شمع محفل بنا دیا ہے۔

تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہمارے دماغ میں روشنی پیدا کرے ہمیں سیدھا راستہ دکھائے لیکن جو تعلیم کہ روشنی کی بجائے تاریکی بن کر نئی نسلوں کے دماغوں پر چھا جائے تو اُسے کون ہوشمند تعلیم کہہ سکتا ہے۔

میرا مشاہدہ یہ ہے کہ آج کل کی لڑکیاں غلط طریقہ تعلیم کی وجہ سے بے حجاب ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ اور ایسی متعدد مثالیں میری آنکھوں کے سامنے ہیں میں ایک صاحب زادی سے بخوبی واقف ہوں اُن پر تعلیم نے یہ اثر کیا ہے کہ وہ اچھا سے اچھا پہننے اور جدید فیشن اختیار کرنے کی شوقین ہو گئی ہیں۔ خیر اس زمانہ میں اچھا پہننا تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں لیکن اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ گھر کے کام کاج کو ہاتھ لگانا ناگوار سمجھتی ہیں ہر وقت ہم جماعت لڑکوں اور لڑکیوں میں گھری رہتی ہیں پردہ کا تو ذکر ہی کیا ہے انھوں نے حیا کو بھی بالائے طاق رکھ دیا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری صاحبزادی ہیں انہیں اپنی خوبصورتی اور تعلیم پر بے حد غرور ہے۔ اپنے آپ کو ساری دنیا سے خوبصورت اور

متعلقہ سمجھتی ہیں۔ انھوں نے صرف پردہ ہی کو بالائے طاق نہیں رکھدیا ہے بلکہ گلے میں مفلر نما کردوپٹہ ڈالے ہوئے اعتدرانہ سینہ کھولے ہوئے پھرتی ہیں۔ خدارا کوئی ہمیں بتائے کہ آخر تعلیم نے یہ کب کہہ دیا ہے کہ تم بےحیا بھی بن جاؤ۔ سچ تو یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کی تعلیم وہ تعلیم ہی نہیں ہے جو انسان کو انسان بنادے بلکہ یہ تو اُلٹا انہیں گمراہ کیے دے رہی ہے۔

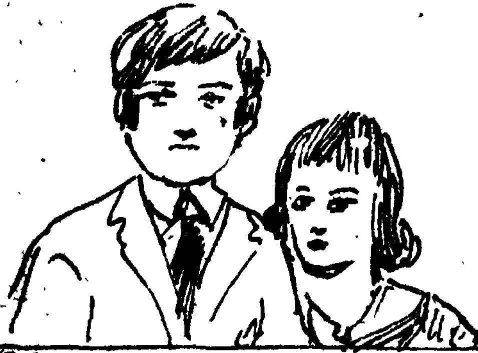
میں اس قسم کی ایک دو نہیں بلکہ درجنوں لڑکیوں کی مثالیں آپ کے سامنے رکھ سکتی ہوں جو کہ کالجوں کے غلط ماحول میں تعلیم پاکر بننے کے بجائے الٹی بگڑ گئی ہیں۔ ان میں اوچھاپن آگیا ہے۔ چھوٹی چھچھوری اور اترانے کی عادت پیدا ہوگئی ہے۔ خواہ مخواہ کا غرور پیدا ہوگیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان میں اعلیٰ اور پاکیزہ صفات پیدا ہوتیں لیکن وہاں تو الٹا اثر پڑ رہا ہے۔ اور بعض لڑکیوں میں تو چند ایسی اخلاقی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

میں اس بات کے حق میں ہوں کہ لڑکیاں اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ضرور حاصل کریں۔ لیکن میں اسکولوں اور کالجوں کے اس غلط ماحول سے بیزار ہوں جو لڑکیوں کو گمراہ کر دے۔ اُن بےشرم و بےحیا مجبوروں نے اور جو زمانہ کے نشیب و فراز سے ناواقف لڑکیوں کو غلط راستہ پر ڈالدے

جن صاحب زادی نے مجھے "دقیانوسی" کا خطاب دیا ہے میں اس خطاب سے خوش ہوں۔ اور واقعی میں دقیانوس ہوں کیونکہ میں نہ تو بےشرمی پسند کرتی ہوں اور نہ بےحیائی۔ بلکہ میں چاہتی ہوں کہ لڑکیاں مغرب کی گمراہ عورتوں کی تقلید کرنے کی بجائے قرون اولیٰ کی اُن پاکباز اور علم دوست خواتین کی تقلید کریں جن کے قابل فخر کارناموں سے ہماری تاریخیں بھری پڑی ہیں۔

کالجوں میں جو ماحول بگڑا ہوا ہے اُس سے لڑکیوں کو بچانے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ انہیں کالج میں پڑھانے کے ساتھ گھروں میں دینی اور اخلاقی تعلیم دی جائے اور ان کی تربیت پر گہری نظر رکھی جائے۔ مگر ایسا نہیں ہو رہا ہے حالانکہ اس کی شدید ضرورت ہے کیوں کہ اخلاقی تربیت کے بغیر تعلیم بیکار ہے۔

افسانہ



دل ہی تو ہے

جذبات میں ڈوبی ہوئی دلگداز کہانی

(از جناب اظہار اثر)

نیلو اسکی منگیتر ہی نہیں محبوبہ بھی تھی۔

چندر کانت نے نیلو کا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"نیلو! کل تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم میرے جانے کے بعد روؤ گی نہیں تم خوش رہو گی یقین رکھو اگر تمھارے پریم میں سچائی اور شدت ہے تو جنگ بھی مجھے تم سے نہیں چھین سکتی۔ مجھے کوئی نہیں مار سکتا"

"اچھا اب نہ روؤں گی" نیلو نے اپنے آنسو پی لئے اور چہرے پر زبردستی مسکراہٹ لانے کی کوشش کرنے لگی۔ بالکل ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے بارش کے ساتھ دھوپ نکلنے کی کوشش کر رہی ہو۔

پھر وہ وقت بھی آگیا جب صرف "گڈ بائی" کہہ سکتے تھے نیلو چندر کانت کو ملٹری ہیڈ کوارٹر تک چھوڑنے آئی تھی۔ سامنے ہی دفتر کی بلڈنگ تھی چندر کانت نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دباتے ہوئے کہا۔

"رونا نہیں۔ اور یہاں رک کر انتظار نہ کرنا۔ سیدھے گھر چلی جانا" اس نے آہستہ سے سر ہلایا۔ دونوں کے ہونٹ کانپے۔ الوداعی الفاظ منہ سے نکلے اور چندر کانت آگے بڑھ گیا کوئی انجانی طاقت تھی جو اُسے پیچھے کی طرف کھینچ رہی تھی۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اُسے جانا پڑے گا۔ اس لئے وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔

بلڈنگ کے پاس پہنچ کر اُس نے پلٹ کر دیکھا نیلما کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اُس نے بھرائے ہوئے لہجہ میں کہا "دیکھو میں رو نہیں رہی ہوں!" پھر وہ منہ چھپا کر واپس چل پڑی۔ لیکن نہیں وہ واپس نہیں جا سکتی تھی۔ وہ ایک ریستوران میں چلی گئی۔ جہاں سے سڑک صاف نظر آتی تھی۔ چندر کانت نے بتایا تھا کہ تین چار گھنٹے بعد وہ دوسرے سپاہیوں کے ساتھ ایرپورٹ جائے گا۔

وہ پانچ گھنٹے مسلسل انتظار کرتی رہی۔ ریستوران کے بیرے اور مالک اُسے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد ایک کافی کا کپ منگا لیتی۔ کپ رکھے رکھے ٹھنڈا ہو جاتا۔ وہ بیرے کو کپ واپس کر دیتی بعد دوسرا منگا لیتی۔

ٹھیک پانچ گھنٹے بعد سپاہیوں کا ایک دستہ گزرا۔ انھیں میں چندر کانت بھی تھا۔ اُس کی سفری کٹ کمر سے بندھی ہوئی تھی۔ کاندھے پر رائفل پڑی تھی وہ بے حد حسین معلوم ہو رہا تھا۔ وہ ریستوران میں بیٹھی ہوئی شیشے میں سے دیکھتی رہی۔ سپاہی قدم ملائے بڑھتے رہے۔ کچھ اور آگے جا کر وہ ایک موڑ پر آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

مجبوراً وہ اُٹھ کر گھر آگئی۔ لیکن اُس دن کے بعد کسی نے اُس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی۔

وہ بیرک میں بستر پر پڑا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر تکیہ کو بھگو رہے تھے۔ اُس کے ہاتھ میں اُس کی محبوبہ اُس کی منگیتر نیلما کا خط تھا۔ خط میں لکھا تھا۔

میری زندگی کے مالک!

اِس سے پہلے بھی تمہیں گیارہ خط لکھ چکی ہوں۔ یہ میرا بارہواں خط ہے میری زندگی میں وہ لمحات سب سے حسین ہوتے ہیں جب میں تمھارا تصور کر کے تمہیں خط لکھتی ہوں۔ میں تمھیں خط اُسی پابندی سے لکھتی ہوں جس پابندی سے میں بھگوان کی پوجا کرتی ہوں۔

چندر! میں اب یہ زندگی برداشت نہیں کر سکتی یہ تنہائی کی سونی سونی زندگی؟ میں تمھیں ہر جگہ دیکھتی ہوں۔ میں جہاں جاتی ہوں تمھیں پاتی ہوں میں تمھارے بغیر ایسی زندگی گزار رہی ہوں کہ بھگوان کسی دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔

جب میں کھانا کھانے بیٹھتی ہوں تو تم میرے سامنے ہوتے ہو۔ لیکن بات نہیں کرتے۔ جب میں سڑک پر چلتی ہوں تو تم میرے پہلو میں ہوتے ہو۔ لیکن میرا ہاتھ نہیں دباتے۔ جب میں صبح اُٹھ کر ناشتہ کرتی ہوں تم میرے پاس موجود ہوتے ہو لیکن میرے ہاتھوں سے چائے کا کپ نہیں لے لیتے۔ آخر تم مجھ سے اتنے خفا کیوں ہو؟ تم میری شہ رگ سے بھی نزدیک ہوتے ہوئے بھی مجھ سے لاکھوں میل دور ہو! چندر! اس زندگی سے موت اچھی۔ سچ میں مر جاؤں گی۔ میں مر جاؤں گی۔ مر جاؤں گی۔!

تمہارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے میں نے ایک کارخانے میں ملازمت کی درخواست دے دی تھی۔ مجھے وہاں نوکری مل گئی ہے۔ مجھے کیا ملتا ہے اس کی مجھے پرواہ نہیں۔ میں نے ملازمت پیسے کے لئے نہیں کی۔ اس لئے کی ہے کہ مصروفیت میں کچھ دیر کے لئے دل بہل سکے۔ لیکن یہاں آکر مشینوں میں گھر کر میں خود مشین بن گئی ہوں۔ سارے دن لوہے کی چیختی ہوئی مشینوں کے درمیان ایک خاکی ایپرن پہنے دیوانوں کی طرح گھومتی رہتی ہوں۔ ہر مشین سے پوچھتی ہوں میرے من کے میت کب آئیں گے؟ لیکن کوئی مشین میرے سوال کا جواب نہیں دیتی۔ ہر مشین بیچاری چیختی رہتی ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان مشینوں کے محبوب بھی ان سے جدا ہو گئے ہیں۔ جن کے لئے وہ چیختی رہتی ہیں۔ لیکن چندر! ایک بات ضرور ہے، مجھ میں ضبط ہے ان مشینوں میں نہیں۔ یہ دکھ سے بیتاب ہو کر چیخنے لگتی ہیں اور میں چھپکے چھپکے آنسو بہاتی ہوں تاکہ کوئی میرے غم میں، اس مقدس اور حسین غم میں حصہ دار نہ ہو سکے۔

کارخانے میں اور بھی بہت سی لڑکیاں میرے ساتھ کام کرتی ہیں۔ ہر لڑکی مجھے پاگل سمجھتی ہے کیوں کہ میں سارا دن کام کرنے کے سوا کچھ نہیں کرتی ہوں۔ میں صرف اپنے کام میں لگی رہتی ہوں یا تمہیں یاد کرتی رہتی ہوں۔ میری ساتھی لڑکیاں سمجھتی ہیں کہ میں مغرور ہوں۔

اِن میں ایک لڑکی رنجنا مجھے کچھ اچھی لگتی ہے۔ وہ بھی میری طرح اداس رہتی ہے۔ نہ جانے کیوں۔ حالانکہ اُس کے دوست بھی بہت ہیں۔

بدھ کے دن ہم دونوں کبھی کبھی بازار گھومنے چلی جاتی ہیں۔ وہ شاید مجھے اس لئے اچھی لگتی ہے کہ کبھی کبھی وہ مجھ سے تمہارے بارے میں باتیں کرنے لگتی ہے۔ وہ ہر آدمی مجھے اچھا لگتا ہے جو مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھتا ہے۔ جی چاہتا ہے میں رات دن لوگوں سے تمہارا ذکر کرتی رہوں۔ تمہاری باتیں کرتی رہوں۔

بتاؤ چندر! ہم کب تک اس طرح تڑپا کریں گے؟ کاش میں ایک اچھی موسیقار ہوتی تاکہ تمہاری یاد میں برہ کے گیت گا کر خود کو بہلا سکتی۔ کاش میں شاعر ہوتی تاکہ تمہاری جدائی میں شعر کہہ کر خود کو مشغول رکھ سکتی۔ کاش میں مصوّر ہوتی تاکہ تمہاری تصویریں کاغذ پر بنا بنا کر دل خوش کر لیا کرتی۔ لیکن افسوس میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ میں صرف ایک عورت ہوں۔ جس نے اپنے دل کی پوری گہرائیوں کے ساتھ تم سے محبت کی ہے۔

اچھا اب ختم کرتی ہوں۔ باقی حالات کل لکھوں گی۔ بہت بہت پیار!

تمہاری اپنی نیلو

وہ اُس کی سہیلی رنجنا کا دوست تھا۔ اُس دن رنجنا اُسے بضد ہو کر ایک رستوران میں لے گئی۔ مدن وہاں مل گیا۔ رنجنا نے اُس کا تعارف کرایا۔

"یہ مسٹر مدن ہیں۔ اور یہ میری سہیلی نیلو ہیں۔ جو اپنے منگیتر کی جدائی سے افسردہ ہیں۔ اِن کے منگیتر محاذِ جنگ پر ہیں"

"جنگ!" مدن نے ایک گہری سانس لے کر کہا "جنگ ایک خوفناک ڈائن ہے جو یہ بھی نہیں دیکھتی کہ جنہیں وہ کھا رہی ہے کس کی اولاد ہیں۔ جنگ ہزاروں کو بیوہ، لاکھوں کو یتیم اور کروڑوں کو اپاہج اور نکما بنا دیتی ہے!" اُس کے لہجہ میں درد تھا۔ اُس کی آواز میں سوز تھا۔ آنکھوں میں ایک اداسی تھی۔ نیلو کو پہلی بار ایک غیر مرد سے باتیں کرتے ہوئے وحشت نہیں ہوئی۔

مدن نے تینوں کے لئے کافی منگائی وہ کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ مدن نے ایک بار بھی نیلو کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھا وہ بے حد شرمیلا تھا۔ اور بہت نرم لہجہ میں گفتگو کرنے والا تھا۔ زیادہ تر وقت وہ نیلو سے چندر کے بارے میں پوچھتا رہا۔ اور نیلو چندر کا ذکر کرتے ہوئے فرحت محسوس کرتی رہی۔ اُسے پہلی بار خوشی ہوئی کہ رنجنا اسے ہوٹل میں لے آئی ہے۔ بہت دنوں کے بعد اُسے چندر سے متعلق دل کھول کر باتیں کرنے کا موقع ملا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے

اُن کی دوسری ملاقات تین دن بعد اتفاقاً ہو گئی۔ وہ فیکٹری سے گھر واپس جا رہی تھی کہ مدن اُدھر سے آتا ہوا مل گیا۔

"ہیلو!" مدن نے کہا "نیلا دیوی! آپ سے پھر مل کر مسرت ہوئی۔ کہیے مسٹر چندر کا کوئی اور خط آیا ہے؟"

نیلا کا چہرہ سرخ ہو گیا اُس نے مسرت بھرے لہجہ میں کہا۔

"چندر کا خط روز آتا ہے اور میں بھی اُسے روز خط لکھتی ہوں"

"آپ دونوں خوش نصیب ہیں"

"کیا آپ کی شادی ہو گئی مسٹر مدن؟"

لاشعوری طور پر نیلو کے منہ سے نکل گیا۔

مدن کے چہرے پہ اداسیاں بکھر گئیں۔ اُس نے ایک پژمردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مجھ سے شادی کون کرے گا"

"کیوں؟" اُس نے حیرت سے سوال کیا۔

"یا یہ کہئے میں نے خود ہی کسی کی زندگی برباد کرنا مناسب نہیں سمجھا"

مدن بولا۔

"میں سمجھی نہیں" اُس نے اور زیادہ حیرت سے کہا۔

وہ دونوں لاشعوری طور پہ باتیں کرتے ہوئے ایک ہی طرف کو چلنے لگے تھے۔

نیلما کو احساس بھی نہ ہوا۔ مدن نے اداس لہجہ میں کہا "دراصل میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ میں تپ دق کا مریض ہوں ابھی دو ماہ ہوئے میں ایک سال سینی ٹوریم میں رہ کر آیا ہوں۔ میں نے سوچا کہ میری زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔ کسی سے شادی کر کے چند روز بعد اُسے بیوہ بنا دینے سے کیا فائدہ"

یہ کہہ کر اُس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا۔ نیلما کے دل پہ ایک چوٹ سی لگی۔ اُس کا دکھی دل کسی کا دکھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ہی مایوس اور بد نصیب سمجھتی تھی۔ لیکن معلوم ہوا کہ دنیا میں اُس سے بھی زیادہ بد قسمت موجود ہیں۔ مدن کی زندگی میں کیا تھا۔ سوائے حسرتوں اور ناکامیوں کے۔

پارک کے پاس سڑک پہ ایک بینچ تھی یہاں قدرے تاریکی تھی۔ مدن نے کہا۔

"نیلما دیوی اگر آپ کو دیر نہ ہو رہی ہو تو چند لمحوں کے لئے یہاں بیٹھ جائیں"

"ہاں ہاں ضرور" وہ اُس کی بات نہ ٹال سکی۔

جو صرف چند منٹ کے ارادے سے بیٹھے تھے۔ لیکن جب وہ اٹھے تو تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ مدن نے پھر چندر کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔ اُس کے الفاظ میں نہ جانے کیا جادو تھا کہ وہ دل میں اترتے چلے جاتے تھے۔

اُس نے کچھ دیر میں ہی نیلما کو خود سے بے تکلف کر لیا تھا۔ نیلما اُسے سہیلی کی طرح چندر کے خطوط سنانے لگی۔ آٹھ دس خطوط اُس کے پرس میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ اُس نے سب سنا ڈالے۔ چندر کا ہر خط پڑھنے کے بعد وہ اُسے بتاتی کہ اُس نے جواب میں کیا لکھا تھا۔ اِس طرح تین گھنٹے گزر گئے مدن چندر میں اِس طرح دلچسپی لے رہا تھا جیسے وہ اُس کا سب سے زیادہ گہرا دوست ہو۔ گیارہ بجے اُس سے رخصت ہو کر گھر پہنچی تو وہ بہت خوش تھی۔ چندر کا جتنا زیادہ ذکر کرتی تھی اُسے مسرت ہوتی تھی

لوگ سڑک سے گزرتے اور دیکھتے کہ ایک جوڑا روزانہ آ کے سڑک کے کنارے پتھر کی بنچ پر آ بیٹھتا۔ گیارہ بجے تک باتیں کرتا رہتا اور پھر اٹھ کر چلا جاتا۔ لوگوں کو کیا معلوم تھا کہ وہ پریمیوں کا جوڑا نہیں وہ دوست ہیں۔ ایک نیلما اور ایک مدن۔

اس معمول کو ڈیڑھ دو مہینے گزر گئے۔ نیلما روزانہ شام ہونے کا بے چینی سے انتظار کرتی چھٹی ہوتے ہی وہ باہر نکلتی مدن اُس کا منتظر ہوتا۔ وہ اسی بنچ پر آ بیٹھتے۔ پھر چندر کی باتیں چھڑ جاتیں۔ مدن دوسری بار، تیسری بار چوتھی بار چندر کے خطوط سنتا۔ بار بار وہی خط سننے سے نہ وہ تھکتا تھا اور نہ چندر کا ذکر کرتے کرتے نیلما تھکتی تھی۔ نیلما کو محبت کا ایک ہمراز مل گیا تھا اور مدن کو ایک ساتھی۔

اُن کا روزانہ کا ایک معمول بن گیا تھا۔ بنچ پر بیٹھتے ہی مدن کہتا۔

"میں سگریٹ سلگاتا ہوں تم مجھے چندر کا خط سناؤ"

وہ خط سنانے لگتی۔ خط ختم کرنے کے بعد باتیں شروع ہو جاتیں اور پھر نہ جانے کیسے تین گھنٹے گزر جاتے۔

وہ کہتا۔

"کبھی تم نے چندر کو میرے بارے میں تو نہیں لکھا؟"

"نہیں"

"اُسے لکھنا بھی نہیں۔ نہ جانے وہ کیا سمجھے"

"سمجھے گا کیا۔ ہم کوئی غلط خیال دل میں نہیں لاتے"

"کچھ بھی ہو مرد بڑے شکی ہوتے ہیں"

"میں جانتی ہوں ——— اور جہاں محبت زیادہ ہو وہاں شک بھی زیادہ ہوتا ہے ——— اِس لئے میں چندر کو کچھ نہ لکھوں گی"

چھ ماہ بعد ——

وہ دن بڑا عجیب تھا۔ وہ رات بہت حیرت انگیز رات تھی۔ بنچ پر بیٹھتے ہوئے نیلما نے پرس میں سے چندر کا خط نکالا اور اُسے چاک کیا۔ آج اُس نے لفافہ ابھی تک چاک نہیں کیا تھا۔ مدن نے حسبِ معمول جیب سے سگریٹ نکال کر کہا۔

"میں سگریٹ سلگاتا ہوں تم مجھے چندر کا خط سناؤ۔"

وہ سگریٹ سلگا کر بنچ کی پشت سے سر لگا کر بیٹھ گیا اور دھواں آسمان کی طرف چھوڑنے لگا۔

آج پہلی بار اُسے نیلما کی آواز نہ سنائی دی نیلما کی نظریں خط کے آخری فقرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تمہارا! اور صرف تمہارا چندر۔"

"کیا ہوا؟" مدن نے حیرت سے کہا۔ "پڑھتی کیوں نہیں؟"

یکایک نیلما کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور خط اُس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ نیلما دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی

"کیا ہوا؟" مدن نے سنبھلتے ہوئے پوچھا۔ "چندر تو خیریت سے ہے؟"

"ہاں —— لیکن اب میں یہ خط نہیں سنا سکتی۔" اُس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"کیوں"؟

"نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں بالکل بدل گئی ہوں۔ اب میرے لئے ان خطوط میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" مدن نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔" اُس نے مدن کی طرف گھوم کر کہا۔ "اور اُس کی وجہ تم ہو! تم! تم نے نہ جانے مجھے کیا کر دیا ہے مدن! جب میں چندر کے بارے میں سوچتی ہوں تم میری نگاہوں کے سامنے آ جاتے ہو۔ کبھی چندر مجھ سے کوسوں دور رہ کر بھی میرے پاس تھا۔ اب وہ بہت دور ہوتا جا رہا ہے۔ میں پاگل ہوتی جا رہی ہوں مدن۔ مجھے ہر وقت تمہارا خیال رہنے لگا ہے۔ تم چندر کی جگہ لے رہے ہو۔ اب مجھے چندر کا خیال نہیں آتا۔ ہر وقت یہ بیتابی رہتی ہے کہ کب رات ہو۔ اور کب میں تمہارے پاس پہنچوں۔

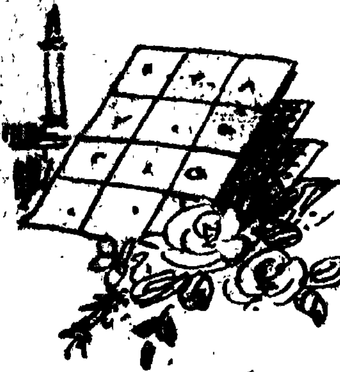
"یہ تو برا ہوا!" مدن نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں کل سے ملنا جلنا ترک کر دینا چاہیے۔ کل سے میں نہ آؤں گا۔"

"نہیں نہیں!" اُس نے تڑپ کر کہا۔ "بھگوان کے لئے ایسا مت کہو۔ تم ہی تو اب میرا سہارا ہو۔ اب میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی مدن! چندر اب میرے لئے کچھ نہیں۔ اب صرف تم ہو! میں نے چندر کو کھو دیا۔ اگر تم بھی مجھ سے کھو گئے تو میں مر جاؤں گی۔"

"لیکن یہ غلط ہے۔" مدن نے احتجاج کیا۔ "چندر سنے گا تو کیا کہے گا۔"

"میں کچھ نہیں کر سکتی اب بات میرے بس سے باہر ہو چکی ہے۔ میرا ضبط جواب دے چکا ہے۔ میری قوت برداشت دم توڑ چکی ہے۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی!"

یہ کہتے کہتے اُس نے مدن کے سینے پر سر رکھ دیا۔ اُس کی باہیں مدن کی گردن میں حمائل ہو گئیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ اُن کے ہونٹ مل گئے۔ نیچے چندر کا خط پڑا تھا نیلما کے سینڈل کی ایڑی اُس پر رکھی ہوئی تھی۔



مفلسی۔ مصیبت۔ بیماری اور پریشانی کا مجرب علاج

اعمال و وظائف کی بے پناہ طاقت

اولیائے کرام کے وہ پانچسو مجربات اعمال و نقوش جنھوں نے ہزاروں مایوسوں کی قسمتوں کو بدل دیا

یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خدا نے اعمال و وظائف اور اللہ کے کلام میں وہ بے پناہ طاقت پوشیدہ رکھی ہے کہ اعمال کو اگر صحیح طریقہ پر پڑھا جائے اور نقوش کو صحیح اوقات میں لکھا جائے تو ان سے لوگوں کی قسمتیں بدل جاتی ہیں بیماری اور مفلسی سے حیرت انگیز طریقہ پر نجات مل جاتی ہے بگڑے ہوئے کام آن کی آن میں درست ہو جاتے ہیں اور اعمال کے پڑھنے والے نہ صرف مالا مال ہو جاتے ہیں بلکہ محبوب خلائق بھی بن جاتے ہیں لیکن اعمال و وظائف کی پوشیدہ طاقت صرف اسی حالت میں اپنے کرشمے دکھاتی ہے جبکہ اعمال و وظائف کو اولیائے کرام کے بتائے ہوئے صحیح طریقہ پر پڑھا جائے اور نقوش کو صحیح اوقات میں بزرگان دین کے مقرر کردہ طریقوں پر لکھا جائے لہذا جو حضرات اعمال و وظائف کا زندہ کرشمہ دیکھنا چاہتے ہیں وہ آج ہی اس فن پر سب سے مستند کتاب "عملیات" منگالیں جس کو ایک زبردست عامل اور عالم دین نے پچاس سال کی محنت و جستجو کے بعد مرتب کیا ہے۔

عملیات

مرتبہ مولانا سید احمد شاہجہان پوری

فی الحقیقت اعمال و وظائف اور نقوش نویسی کے فن پر سب سے مستند کتاب ہے جس میں اعمال و وظائف کے بارے میں مکمل معلومات ہے بروجوں اور سیاروں کی پوری تفصیل ہے۔ ہر شخص کا طالع جاننے کے طریقے درج ہیں سیاروں کے مسخر کرنے کے اعمال درج ہیں اعمال حسنہ پر مکمل بحث ہے بے شمار محبت کے اعمال درج ہیں اور عداوت کے اعمال درج ہیں اور کشائش رزق تسخیر محبوب اور چور کی شناخت کامیابی مقدمات اور مختلف امراض کے لئے اولیائے کرام کے بتلائے ہوئے سینکڑوں نقوش درج ہیں۔

کتاب عملیات کے خاص خاص ابواب یہ ہیں

باب اول :- ابتدائی معلومات :- اس میں حروف تہجی کے اعداد و اقسام، بروجوں کے رنگ و زائچے، سیاروں کی رفتار اور مقامات کی تفصیل درج ہے۔

باب دوم :- اعمال حسنہ :- اس میں اسمائے حسنہ کے موکلوں کے اعداد و شمار اور اسمائے جلالی و جمالی نیز ان کے نقوش و اعمال درج ہیں۔

باب سوم :- اعمال محبت :- اس میں محبوب کو فرمانبردار کرنے کے لئے اسم یا ودود کا عمل عمل اسم الہٰی سرمۂ محبت و تصور محبوب کا عمل قرآنی اعمال اور بے شمار محبت کے نقوش موجود ہیں

باب چہارم :- عملیات عداوت :- اس میں دشمن کے شر و فساد سے بچنے کے لئے اور اس پر جوابی حملہ کرنے کے لئے مستند اعمال و نقوش درج ہیں

باب پنجم :- کشائش رزق :- اس میں مفلسی اور بیکاری کو دور کرنے کے لئے اور شہرت و عظمت حاصل کرنے کے لئے مستند اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب ششم :- تسخیر خلائق :- اس میں مخلوق خدا میں ہر دلعزیز بننے کے لئے اور شہرت و عظمت حاصل کرنے کے لئے مستند اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب ہفتم :- تسخیر حکام :- اس میں حکام کی تسخیر کے لئے اور کامیابی مقدمات کے لئے اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب ہشتم :- چور کی شناخت :- اس میں چور کی شناخت اور مال مسروقہ کی بازیافت کے لئے اعمال و نقوش درج ہیں۔

باب نہم :- گمشدہ کی واپسی :- اس میں گمشدہ کی واپسی کے لئے ایسے اعمال و نقوش درج ہیں جن سے گمشدہ یقینی طور پر واپس آ جاتا ہے۔

باب دہم :- مختلف امراض کے لئے :- اس میں ایسے مایوس العلاج مریضوں کی صحتیابی کے لئے اعمال و نقوش درج ہیں جنھیں حکیم ڈاکٹر جواب دے چکے ہوں

باب یازدہم :- اولاد کے لئے :- اس میں بزرگان دین کے وہ مجرب اعمال و نقوش درج ہیں جن کے طفیل میں بے اولاد صاحب اولاد بن جاتے ہیں۔

باب دوازدہم :- حل مشکلات :- اس میں پریشانی اور مشکلات کے لئے نہایت مجرب اور آزمودہ اعمال و نقوش درج ہیں

باب سیزدہم :- فالنامہ غوث الاعظم :- اس فالنامے کے ذریعہ سچی فال نکالی جا سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اعمال و وظائف اور نقوش نویسی کے فن پر یہ اردو کی پہلی کتاب ہے جس کو بڑی تحقیق کے بعد مرتب کیا گیا ہے اور جس میں اولیائے کرام اور بزرگان دین کے سینکڑوں اعمال و نقوش درج ہیں۔ قیمت مجلد مع خوشنما ڈسٹ کور سات روپے پچاس پیسے۔

دین دنیا پبلشنگ کمپنی ——— جامع مسجد ——— دہلی ۶

اپنے کنبہ کی منصوبہ بندی کریں

ماں ، بچے اور کنبہ کی صحت و مسرت کے لیے

پہلا بچہ جلدی نہیں

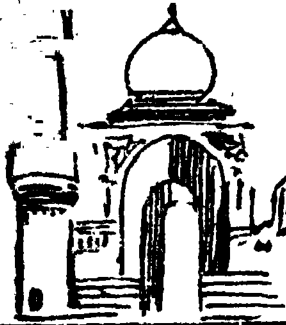
دوسرا ابھی نہیں

تیسرا کبھی نہیں

اور اگلا بچہ تب ہی جب آپ چاہیں

آبادی کو بے تحاشا بڑھنے سے روکیے، ۔ مفت مشورہ اور خدمات کے لیے
نزدیکی ہیلتھ سینٹر میں جائیے

دنیائے اسلام پر ایک نظر



ایران میں جنگ کا خطرہ

افغانی مجاہدین کا بدخشاں پر قبضہ۔ بیس لاکھ مسلمانوں نے حج ادا کیا

——— (ہمارے سیاسی مبصر کے قلم سے)

ایران میں جنگ کا خطرہ

ایران اور ایرانی عوام کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ ایران کی سیاست اُن کٹ ملاؤں کے ہاتھوں میں ہے جن کا کہ سیاست سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ایک طرف تو ان ایرانی ملاؤں نے فوج کے تمام بڑے بڑے افسروں سول افسروں اور رہنماؤں کو قتل کر کے اندرونی طور پر ایران کو کمزور کر دیا ہے۔ اور دوسری جانب وہ بے ضرورت بیرونی طاقتوں سے ٹکرا کر ایران کی تباہی کو دعوت دے رہے ہیں

ایرانی ملاؤں کے جذبات خواہ شاہ ایران کے خلاف کتنے ہی کیوں بھڑکے ہوئے ہوں لیکن اُن کا انتہائی بھدے پن کے ساتھ امریکہ کے پورے سفارتی عملہ کو یرغمال بنا لینا اور امریکہ سے یہ مطالبہ کرنا کوئی دانشمندی نہیں کہ اگر انھوں نے بیمار شاہ ایران کو جو آجکل امریکہ میں زیر علاج ہیں ایران کے حوالے نہ کیا تو وہ سب ہی امریکی یرغمالوں کو قتل کر دیں گے۔

آخر دنیا میں سفارتی قوانین بھی کوئی حیثیت رکھتے ہیں اگر ملکوں کے آپس کے اختلافات کی بنا پر سفارت خانوں پر اس طرح قبضے ہوتے رہے اور سفارتی عملہ کو یرغمال بنانے کا سلسلہ جاری ہو گیا تو بین الاقوامی تعلقات ناممکن ہو کر رہ جائیں گے۔ جہاں تک امریکہ کو تیل کی سپلائی بند کرنے کا تعلق ہے اُسے تو حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے لیکن امریکی سفارت خانہ کے عملہ کو یرغمال بنا کر قتل کی دھمکی دینا کوئی تدبر نہیں۔

ایرانی ملاؤں کے اس غیر مدبرانہ [illegible] کا نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ کا ساتواں بحری بیڑا [illegible] ایران کی جانب روانہ ہو چکا ہے۔ ہوائی بیڑے کو ایرانی [illegible] پر حملہ کی ہدایتیں دی جا چکی ہیں اور امریکہ کے صدر مسٹر کارٹر نے ایران کو [illegible] امریکہ کے سفارتی عملہ کو کسی قسم کی تکلیف پہنچائے بغیر رہا نہ کیا تو اُن کے خلاف فوجی کارروائی کی جائے گی۔ چنانچہ صدر امریکہ نے کیمپ ڈیوڈ سے امریکہ واپس آنے کے بعد ایران کے خلاف پیش قدمی کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان ایرانی ملاؤں نے جہاں اندرونی طور پر ایران کو تباہ کر دیا ہے۔ اب اُسے جنگ میں جھونک دینا چاہتے ہیں۔ ایران کے حالات اس قدر بگڑے ہوئے ہیں کہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان ملاؤں کے ہاتھوں اس مسلم ملک کا کیا حشر ہونے والا ہے۔

افغانی مجاہدین کا بدخشاں پر قبضہ

افغانستان سے جو تازہ اطلاعات موصول ہوئی ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ افغانستان کی حکمراں کمونسٹ پارٹی اور مجاہدین اسلام کے مابین جنگ نے شدت اختیار کر لی ہے چنانچہ امریکہ کی ایک نیوز ایجنسی نے کابل سے ملنے والی اطلاعات کے حوالہ سے بتایا ہے کہ مسلم مجاہدین نے افغانستان کے شمال مشرق میں واقع صوبہ بدخشاں کے دارالحکومت فیض آباد پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور فیض آباد پر قبضہ کے لئے جو جنگ لڑی گئی ہے۔ اُس میں حکمراں کمونسٹ پارٹی (خلق پارٹی) کے بہت سے عہدے دار مارے گئے ہیں

بدخشاں فوجی اعتبار سے ایک نہایت ہی اہم صوبہ ہے اس کی سرحدیں روس اور چین سے ملتی ہیں۔ موصولہ اطلاعات کے مطابق فیض آباد پر حملہ کرنے والے مسلم مجاہدین کے پاس چین۔ امریکہ اور پاکستان کے جدید قسم کے ہتھیار تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ افغانستان کی نئی حکومت یعنی حفیظ اللہ امین کی حکومت بھی متزلزل ہے اور کسی وقت بھی اس نئی حکومت کا تختہ الٹا جا سکتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ علمائے اسلام کے قتل پر پورے افغانستان میں

کیمونسٹ حکومت کے خلاف بری طرح اشتعال پھیلا ہوا ہے۔ اور یہ اشتعال کسی وقت بھی کسی نئے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ مبصرین کی رائے ہے کہ افغانستان ایک ایسا مذہب پسند ملک ہے جس میں کہ کوئی بھی بے دین حکومت زیادہ مدت تک قائم نہیں رہ سکتی۔

بیس لاکھ مسلمانوں نے حج ادا کیا

مکہ معظمہ سے جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ اس سال تقریباً ۲۰ لاکھ زائرین نے حج کا فریضہ ادا کیا ان میں تقریباً ۹ لاکھ غیر ملکی تھے جو کہ گذشتہ سال کے مقابلہ میں ۴ فیصد زیادہ ہیں۔ سب سے زیادہ تعداد عراق کے حاجیوں کی تھی اور دوسرے نمبر پر یمن تھا۔ اور تیسرے نمبر پہ ایران تھا۔ چنانچہ بیرونی ممالک سے آنے والے حاجیوں کی تعداد یہ ہے عراق ۹۹۴۷۰ (۲۰۸۲۰+) کا اضافہ۔ یمن۔ ۸۹۸۶۹ (۲۹۵۰۹-) کی کمی۔ پاکستان۔ ۷۴۲۹۶ (۲۲۳۷۲-) کا اضافہ۔ ایران ۶۳۹۴۷ (۲۴۹۵) کا اضافہ۔ صومالیہ۔ ۱۲۹۳۴ (۵۱۵+) کا اضافہ۔ مصر ۴۸۲۹۷ (۹۴۶۹) کا اضافہ شام ۶۱۹۴۹ (۳۱۸۵) کا اضافہ فلسطین ۷۲۵۹ (۵۲۶۷) کا اضافہ ہندوستان ۲۴۸۶۳ (۲۴۴۰) کا اضافہ (اس میں بیرونی ملکوں کے ہندوستانی بھی شامل ہیں) لبنان ۱۰۴۹۸ (۴۰۳۰) کا اضافہ ملائشیا ۱۱۹۵۱ (۲۷۵۵) کا اضافہ لیبیا ۲۵۴۴۷ (۲۴۳۲) کا اضافہ سوڈان ۱۹۷۹۹ (۲۳۹۱) کا اضافہ انڈونیشیا ۲۴۲۲۳ — (۴۰۸۸) کی کمی ترکی ۵۱۷۷ (۱۴۷۹۲) کی کمی افغانستان ۹۹۰ (۲۵۱) کی کمی پیپلز ڈیموکریٹک ری پبلک آف یمن ۱۴۷۰۱ (۹۹۸۰) کا اضافہ الجزائر ۲۷۱۱۵ (۲۴۸۷) کی کمی نائیجیریا ۲۰۰۸ (۳۹۴۳) کی کمی۔

اسرائیل کی طرف سے مصر کو رشوت

سب ہی عرب ممالک کے لئے یہ چیز بے حد تکلیف دہ ہے کہ صدر انور سادات نے سینائی کے علاقہ کی واپسی کے لالچ میں سب ہی عرب ملکوں کے مفادات کو نظر انداز کرتے ہوئے اسرائیل سے دوستی کا معاہدہ کر لیا ہے اور اس طرح مصر سب ہی عرب ممالک سے بالکل الگ ہونے کے بعد امریکہ کی گود میں جا بیٹھا ہے

اب معلوم ہوا ہے کہ عربوں سے غداری کرنے کے عوض میں اسرائیل نے مصر کو سینائی علاقہ کے واپس کرنے کی جس رشوت کا وعدہ کیا تھا وہ ادا کر دی گئی ہے چنانچہ سینائی کے چوتھائی علاقہ کی جو واپسی باقی رہ گئی تھی وہ بھی ۱۶ نومبر کو پوری کر دی گئی ہے۔ رشوت کی اس آخری قسط کی ادائیگی کی تقریب کو سینائی پر منائی گئی۔ اس موقعہ پر اسرائیل نے اپنے جھنڈے ہٹا دئے اور اور مصر نے سینائی کے پورے علاقہ کا چارج لے لیا۔

مگر سینائی کے علاقہ میں جو تیل کے کنوئیں ہیں اُن کے تیل کا بڑا حصہ بدستور اسرائیل کو ملتا رہے گا۔ جس کی قیمت اسرائیل مصر کو ادا کرے گا۔ اور جس سے مصر کی آمدنی میں بھی معقول اضافہ ہو جائے گا۔

مصر روز اول ہی سے یہ وعدہ کرتا رہا ہے کہ وہ اسرائیل سے علیحدہ کوئی معاہدہ نہیں کرے گا۔ لیکن لالچ نے صدر انور سادات کو عربوں سے کئے ہوئے تمام وعدوں کو فراموش کر دیا اور محض سینائی کے علاقہ کے حاصل کرنے کے لئے مصر سب ہی عرب ممالک سے غداری کرنے پر آمادہ ہو گیا [illegible]

بیت المقدس کی آزادی کا سال

اب چودھویں صدی ہجری ختم ہو چکی ہے اور پندرھویں صدی ہجری کا آغاز ہو چکا ہے مراکش میں منعقد ہونے والی مسلم ممالک کی وزرائے خارجہ کی کانفرنس نے یہ طے کیا ہے کہ پندرھویں صدی ہجری کا پہلا سال بیت المقدس کی آزادی کی جد وجہد کے لئے مخصوص کر دیا جائے گا۔

طے پایا ہے کہ نہ صرف عرب ممالک میں بلکہ دنیا کے سب ہی مسلم ممالک میں آزادی فلسطین کے لئے مرکز قائم کئے جائیں گے۔ اور ان مرکزوں سے آزادی فلسطین کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے پوری لگن کے ساتھ کام کیا جائے گا۔

آزادیٔ فلسطین کا مسئلہ پوری دنیائے اسلام کے لئے نہایت ہی اہم مسئلہ ہے۔ کیوں کہ مسلمانان عالم کا یہ پہلا قبلہ ہے جس پر امریکہ کی شہ پر اسرائیل نے قبضہ کر رکھا ہے اور یہ مسلمانان عالم کے لئے تاریخ کا ایک بہت ہی المناک سانحہ ہے۔

مگر ہمارا خیال ہے کہ آزادی فلسطین کے لئے محض مسلم ممالک میں مراکز کا قیام اور کسی تحریک کا جاری کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ دنیا کے سب ہی مسلم ممالک اور خصوصاً عرب ممالک اپنی فوجی طاقت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کریں۔ کیونکہ ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ فلسطین کا مسئلہ تحریکوں سے حل نہیں ہوگا بلکہ اس مسئلہ کا حل صرف میدان جنگ ہی میں ہو سکے گا۔ کیوں کہ اسرائیل جنگ کی زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان سمجھتا ہی نہیں۔

مکہ میں آنے والے چین کے حاجی

اس سال ایک زمانہ دراز کے بعد مکہ معظمہ میں ایسے حاجی دیکھے گئے ہیں جو چین سے آئے تھے۔ چین میں مذہب دشمن حکومت کے قیام کے بعد وہاں سے حج بیت اللہ کے لئے عازمین حج کی آمد بند ہو گئی تھی۔ لیکن اب چین سے بھی حاجی آنے شروع ہو گئے ہیں جس سے کہ اندازہ ہوتا ہے کہ اب چین کی مذہب دشمن حکومت کی پالیسی میں تبدیلی پیدا ہونی شروع ہو گئی ہے۔

اس سال حج کے لئے ڈنگو مسجد پیکن کے امام بھی آئے تھے ان کے علاوہ حاجی محمد علی بازگ جی نائب صدر انجمن اسلامیہ چین کے ہمراہ سولہ رکنی عازمین حج کا وفد بھی حج بیت اللہ کے لئے آیا تھا۔ پندرہ سال کے بعد یہ پہلا موقعہ ہے کہ چین سے بھی عازمین حج آئے تھے اور انھوں نے فریضہ حج ادا کیا ہے۔



عجیب معلومات

حیرت انگیز اور عجیب و غریب انکشافات

(از ادارہ دین دنیا)

مشینی آدمی بھی تیار ہونے لگے

سائنس نے یہاں تک ترقی کرلی ہے کہ اب کل پرزوں سے بنے ہوئے مشینی آدمی بھی تیار کئے جانے لگے ہیں۔ تاکہ اُن کے ذریعہ گھریلو ملازموں کا کام لیا جاسکے۔ مشینی آدمی بنانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی چونکہ مغربی ممالک میں گھر کی صفائی اور کام کاج کرنے کے لئے ملازم نہیں ملتے۔

نیو جرسی کی ایک الیکٹرونک کمپنی نے حال ہی میں ایک کل پرزوں کے آدمی کا نمونہ تیار کیا ہے۔ اس پر تقریباً ایک ہزار ڈالر کی لاگت آتی ہے اور کمپنی نے اپنی اس ایجاد کو رجسٹرڈ بھی کرا دیا ہے۔ اور اس مشینی آدمی کا نام ——"کلا لوٹ" رکھا گیا ہے۔

اِس کے موجد کی رائے ہے کہ اس مشینی آدمی سے گھر کی صفائی اور کام کاج میں مدد مل سکے گی جسمانی طور پر معذور افراد کے لئے یہ مشینی آدمی مددگار ثابت ہو سکے گا۔ انہیں اٹھانے بٹھانے کھانا دیکر چلانے اور ان کے چھوٹے موٹے کاموں میں بڑا مددگار ثابت ہوگا۔ موجد کی رائے ہے کہ یہ ایک اچھا بغیر تنخواہ کا خدمت گار ثابت ہوگا۔

کیا جل پریاں موجود ہیں

ایسی خوبصورت عورتیں جن کا اوپر کا دھڑ انسان کا ہو اور نیچے کا مچھلی کا ہو جل پریاں کہلائی جاتی ہیں اب تک تو جل پریوں کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ محض خیالی اور افسانوی مخلوق ہے۔ لیکن حال ہی میں بحیرہ روم کے جزیرہ ... کے ایک سیاح "ولیم مورے" نے اخباری نمائندوں کو بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ اُس نے خود اپنی آنکھوں سے جل پریوں کو دیکھا ہے۔

سیاح کا بیان ہے کہ "جب اس نے اس جزیرہ کے ساحل کے قریب سمندر میں ایک چھ سالہ لڑکی کو تیرتے ہوئے دیکھا اور جب کود کر اس لڑکی کو پکڑ لیا تو اُسے بچانے کے لئے کئی ایسی مچھلیاں دوڑ پڑیں جن کا اوپر کا دھڑ تو عورت کا تھا اور نیچے کا دھڑ مچھلی کا۔ جب اس لڑکی کو ساحل پر لایا گیا تو پتہ چلا کہ تین سال ہوئے جب یہ لڑکی سمندر کے کنارے نہا رہی تھی تو جل پریاں اسے اٹھا کر لے گئی تھیں اور اب تک وہی اُس کی پرورش کرتی رہی ہیں۔ اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ دنیا میں جل پریوں کا وجود واقعی موجود ہے۔

بلیوں اور کتوں کا قبرستان

پیرس کی یہ خصوصیت ہے کہ وہاں انسانوں کے قبرستانوں کے علاوہ بلیوں اور کتوں کا بھی قبرستان موجود ہے۔ یہ قبرستان سنہ ۱۸۹۹ء میں دیوگرنس کے ایک جزیرہ میں قائم کیا گیا تھا۔ ابتدا میں تو یہ صرف کتوں اور بلیوں کے لئے مخصوص تھا۔ لیکن بعد میں دوسرے جانور بھی دفن کئے جانے لگے۔

اس قبرستان کے صدر دروازہ پر ایک کتے کا سنگ مرمر کا مجسمہ ہے۔ اس قبرستان میں کتوں اور بلیوں کی جو قبریں بنی ہوئی ہیں وہ بڑی خوبصورت ہیں اور قبروں پر بلیوں اور کتوں کے ناموں کے علاوہ مالکوں کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں۔ کتوں اور بلیوں کے علاوہ ... کی قبریں بھی اس قبرستان میں موجود ہیں۔